اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مقصد حیات دنیا نہیں۔۔۔آخرت
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لیلۃ القدر کی برکات
فضائل اعتکاف
عظمت قرآن
توبہ کیسے کریں؟
حسد کا علاج
غیبت ایک اخلاقی برائی
دنیا کی حقیقت
صبر کے درجات

جلد اوّل

مکتبہ لدھیانوی

اِصلاحی مواعظ

جلد اوّل

❁❁

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

❁❁

مکتبہ لدھیانوی

اشاعت اول .... اگست ۱۹۹۹ء

تعداد .... گیارہ سو

قیمت ....

ناشر .... مکتبہ لدھیانوی

برائے رابطہ : جامع مسجد باب رحمت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

فون : ۷۷۸۰۳۳۷ ـــــ ۷۷۸۰۳۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل بے پایاں کا مورد بنایا اور ہمیں اپنے والد گرامی! داعی کبیر اور حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے علوم و معارف تشنگانِ علم و معرفت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

میرے مرشد و مربی حضرت ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی تحریر و بیان میں جو لذت و مٹھاس ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس میخانۂ محبت سے لطف اندوز ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک مخدوم و محسن اور حضرت والد صاحب کے سچے محب و دوست ایک دن حضرت ابا جان سے فرمانے لگے حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ہیروئن کا نشہ پلاتے ہیں۔ حضرت ابا جان نے ان کا یہ جملہ سنا تو خفگی کے انداز میں فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کیا میں لوگوں کو ہیروئن پلاتا ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے وضاحت کی کہ حضرت آپ ہیروئن ہی تو پلاتے ہیں کہ جو شخص آپ کا بیان سن لیتا ہے اس کے بعد اسے کسی کا بیان اچھا نہیں لگتا! ایسا عشق تو لوگوں کو ہیروئن ہی سے ہوتا ہے۔

سچ ہے جو شخص حضرت کا بیان سن لیتا ہے اس کی نظر کسی اور جگہ نہیں ٹکتی۔ چنانچہ حضرت کے متعلقین، محبین اور عوام الناس کا حضرت کی تالیفات کی اشاعت کے بعد ہم پر مسلسل دباؤ تھا کہ حضرت کے مواعظ بھی شائع کئے جائیں چنانچہ پیش نظر کتاب اصلاحی مواعظ کے نام سے دس مواعظ پر مشتمل اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو مزید جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب اور پوری امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد طیب لدھیانوی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

لیلۃ القدر کی برکات اور اُس کے حصول کا طریقہ

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان
۱۴۴	* مسجد کا ادب بجالایا جائے
۱۴۵	* دل میں خشوع ہو تو اعضا میں بھی خشوع ہو گا
۱۴۶	* ہم سب فقیر ہیں
۱۴۷	* عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق
۱۴۹	* نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اُونچا ہو گا
۱۴۹	* شیطان کے بہکانے کا سامان
۱۵۰	* دنیا کے نابالغ
۱۵۱	* حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بلند نظری
۱۵۲	* حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک اور واقعہ
۱۵۳	* اپنی ہمت کو اونچا رکھو
۱۵۴	* طالب علمی کا واقعہ
۱۵۵	* اللہ کی ذات کو اپنا مقصد بناؤ
۱۵۶	* اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے
۱۵۷	* اعتکاف کی سوغات
۱۶۰	* اعتکاف کے مسائل
۱۶۰	* اعتکاف کی اقسام
۱۶۲	* اعتکاف کی شرائط
۱۶۶	* اعتکاف کی خوبیاں
۱۶۷	* اعتکاف کے آداب و مستحبات
۱۶۸	* جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوتا ہے اور جن سے نہیں
۱۷۳	* وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

صفحہ	عنوان

عظمت قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

حقوق اللہ اور ذکر اللہ کی فضیلت

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان

غیبت ایک اخلاقی بُرائی — ایک گناہِ کبیرہ

صفحہ	عنوان

توبہ کیسے کریں؟

صفحہ	عنوان

حسد کی بیماری اور اس کا علاج

صفحہ	عنوان

دنیا کی محبت کے بُرے اثرات

عنوان	صفحہ

صبر کے درجات

مقصدِ حیات

دنیا نہیں - بلکہ آخرت

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و
نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور
انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده الله
فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهد ان
سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله
صلى الله تعالىٰ عليه وعلى أله واصحابه
وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرًا ـ امابعد!
عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه
قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه
وسلم خطيبا بعد العصر، فلم يدع شيئا
يكون الى قيام الساعة الاذكره، حفظه من
حفظه ونسيه من نسيه، وكان فيما قال: ان
الدنيا حلوة خضرة وان الله مستخلفكم
فيها فناظر كيف تعملون، الا فاتقوا الدنيا

واتقوا النساء- وذكر ان لكل غادر لواء يوم القيمة بقدر غدرته في الدنيا، ولا غدر اكبر من غدر امير العامة، يغرزلواء ه عند استه، قال ولا يمنعن احدامنكم هيبة الناس ان يقول بحق اذا علمه، وفي رواية ان راى منكرا ان يغيره، فبكى ابوسعيد وقال قد رايناه فمنعتنا هيبة الناس ان نتكلم فيه، ثم قال الا ان بني ادم خلقوا على طبقات شتى، فمنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت مومنا، ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت كافرا، ومنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت مومنا قال وذكر الغضب فمنهم من يكون سريع الغضب سريع الفئى فاحداهما با لاخرى ومنهم من يكون بطى الغضب بطى الفى فاحدا هما بالاخرى وخياركم من يكون بطى الغضب سريع الفى، وشرار كم من يكون سريع الغضب بطى الفى قال اتقوا الغضب فانه جمرة على قلب ابن ادم الا ترون الى انتفاخ اوداجه وحمرة عينيه، فمن احس بشى من

ذلک فلیضطجع ولیتلبد بالارض قال وذکر الدین فقال منکم من یکون حسن القضاء واذا کان له افحش فی الطلب فاحدا هما بالاخری، ومنهم من یکون سیی القضاء، وان کان له اجمل فی الطلب فاحداهما بالاخری، وخیار کم من اذا کان علیه الدین احسن القضاء وان کان له اجمل فی الطلب وشرارکم من اذا کان علیه الدین اساء القضاء وان کان له افحش فی الطلب حتی اذا کانت الشمس علی روس النخل واطراف الحیطان فقال اما انه لم یبق من الدنیا فیما مضی منها الا کما بقی من یومکم هذا فیما مضی منه۔ (رواہ الترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ شریفہ، مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف (صفحہ ۴۳۷) میں منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، قیامت تک جتنے اہم واقعات رونما ہونے والے تھے، سب کے سب بیان کردیئے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، جن کو یاد رہا ان کو یاد رہا اور جنہوں نے بھلا دیا انہوں نے بھلا دیا۔ اور جو

باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیا میٹھی ہے (لذیذ ہے، خوشنما) اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں دوسروں کے جانشین بنا رہے ہیں، پس دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو! اور عورتوں سے بچو!

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو دنیا میں اس کی عہد شکنی کے بقدر ہوگا، اور کسی کی عہد شکنی اتنی بڑی نہیں جتنی کہ مسلمانوں کے حاکم کی عہد شکنی بڑی ہے، اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔ اور تم میں کسی کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے نہ روکے، جب کہ اس کو حق کا علم ہو ——— اور ایک روایت میں ہے کہ کسی برائی کو دیکھے تو اس کو بدلنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے ——— یہ بیان کرکے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہم نے برائی کو دیکھا، مگر لوگوں کی ہیبت اس سلسلہ میں بات کرنے سے ہمیں مانع ہوئی۔

پھر فرمایا کہ سنو! بے شک لوگ مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ① بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔ ② اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ③ بعض

مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں، اور کافر مرتے ہیں۔
④ اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر جیتے ہیں، اور مؤمن مرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا ذکر فرمایا کہ بعض کو بہت جلدی غصہ آتا، اور جلدی ہی اتر بھی جاتا ہے، پس یہ ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے، پس یہ بھی ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے۔ اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے، اور دیر سے اُترے۔

پھر فرمایا غصہ سے بچو! کیونکہ یہ آگ کا انگارہ ہے جو اِبن آدم کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، پس جو شخص کچھ غصہ محسوس کرے تو لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا ذکر فرمایا، پس ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض قرض ادا کرنے میں بہت اچھا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور جب کسی سے قرض وصول کرنا ہو تو بدگوئی کرتے ہیں، پس یہ ایک بری خصلت دوسری اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔

اور بعض بری طرح قرض ادا کرتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمہ ہو تو اس کے وصول کرنے میں نرمی کرتے ہیں، پس یہ بھی ایک بری خصلت ایک اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔ اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو خوبی سے ادا کردیں، اور جب ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ میں نرمی کریں۔ اور تم میں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو ادا کرنے میں برے ہوں اور ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ کرتے ہوئے بدگوئی کریں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جاری رہا، یہاں تک کہ دھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوب یاد رکھو کہ دنیا کی جتنی عمر گزر چکی ہے اس کے مقابلہ میں اس کی صرف اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنا کہ تمہارے آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلہ میں دن کا باقی حصہ"۔

دنیا امتحان گاہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"دنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے اور اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنارہے ہیں یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنارہے ہیں کہ

ایک نسل چلی گئی، دوسری نسل اس کی جگہ آگئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو"۔

واقعی دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے، کہ ہر شخص کو اس کی رغبت ہے، یہاں کا مال ودولت، یہاں کی لذتیں اور راحتیں، یہاں کا ساز وسامان ہر شخص کو مرغوب ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ برسات کے موسم میں زمین میں خوب سبزہ اگتا ہے اور زمین خوب سرسبز ہوجاتی ہے۔ نرم اور سرسبز چارہ جانوروں، مویشیوں کو بہت بھاتا ہے۔ اب جانور نے یہ سبزہ دیکھا تو اس کو کھانا شروع کردیا، چونکہ بہت میٹھا، سرسبز اور لذیذ تھا لہٰذا مسلسل کھاتا رہا، یہاں تک کہ بدہضمی ہوگئی اور پیٹ پھول گیا اور تخمہ سے جانور مر گیا، اور ایک اور جانور وہ تھا جس نے ضرورت کے بقدر کھایا، اور بقدر ضرورت کھانے کے بعد دھوپ میں چلا گیا، جگالی کی اور اس کو ہضم کرلیا، ہضم کرنے کے بعد پھر اسی طرح کھانا شروع کردیا یعنی بقدر ضرورت کھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، پس جو شخص حرص کے ساتھ دنیا کماتا چلا جائے گا اور سمیٹتا ہی چلا جائے گا، اس کو "جوع البقر" کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے کہ کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے، یہ شخص اس جانور کی طرح ہلاک ہوجائے گا، اس کا پیٹ پھٹ جائے گا، اور اسے تخمہ ہوجائے گا۔ اور جو شخص کہ اس کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ رکھے، یعنی شریعت کے قواعد کے مطابق دنیا حاصل کرے اور جہاں اللہ نے اس کو خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہاں خرچ کرے تو وہ البتہ محفوظ رہے گا۔

یہ دنیا ایسی سرسبز ہے اور آنکھوں کو ایسی بھاتی ہے کہ اس سے کسی کا جی نہیں بھرتا اور اس کو چھوڑنے کا کسی کا جی نہیں چاہتا، بھئی! بڑی عمر ہوگئی ہے، بڑھاپا آگیا ہے، اعضاً وقویٰ کمزور ہوگئے ہیں، دماغ اب سوچتا نہیں، آنکھیں دیکھتی نہیں، ٹانگیں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی ہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، گردے کام نہیں کرتے، مثانہ کام نہیں کرتا، ظاہری اور باطنی قویٰ میں اختلال پیدا ہوگیا ہے، چلو اب چھوڑو اس قصے کو، اس مصیبت کے گھر کو چھوڑو اور اب آخرت کی فکر کرو، لیکن نہیں! کسی کا جی نہیں چاہے گا کہ اس کو چھوڑوں، پتا نہیں کہ اس میں کیا مٹھاس رکھی ہوئی ہے، حالانکہ یہاں مصائب پر مصائب ہیں، آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دکھ ہی دکھ ہیں، یہاں کی خوشی کم اور یہاں کا رنج زیادہ ہے۔ راحت کم، تکلیف زیادہ۔ اور جو راحتیں ہیں وہ ظاہری وباطنی مشقتوں اور تکلیفوں میں لپٹی ہوئی ہیں، خالص راحت جس کو کہنا چاہیئے وہ کہیں نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہے بہت میٹھی، بڑی سرسبز ہے، دل کو بھاتی ہے بلکہ لبھاتی ہے۔

دنیا کی مثال نقش و نگار والے سانپ کی ہے

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

زہر دار در دروں دنیا چوں مار
گرچہ بینی ظاہرش نقش و نگار
زہر ایں مار منقش قاتل است
باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

یعنی دنیا کی مثال منقش سانپ کی سی ہے، اوپر سے اس کی جلد بہت

خوبصورت نظر آرہی ہے، نقش و نگار نظر آتے ہیں، عقلمند آدمی اس کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ سانپ ہے، بہت زہریلا سانپ۔ لیکن ایک نادان بچہ، جس کو اس کی حقیقت کا پتہ نہیں، وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا ظاہر میں منقش ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوا ہے۔ ظاہر میں نادان اس کے نقش و نگار پر ریجھ رہے ہیں، لیکن جو دانا اس کی حقیقت سے باخبر ہیں وہ اس کے زہر سے خوف زدہ ہیں، کہ:

"یہ منقش سانپ ہے، ڈس جائے گا"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں دنیا اور دنیا والوں کی مثال سانپ اور سپیرے کی ہے، جو اس کے دانت توڑ دیتا ہو، اس کا تریاق جانتا ہو، کہ اول تو وہ اس سانپ کے دانت توڑ دیتا ہے اور اس کو اس لائق ہی نہیں چھوڑتا کہ اسے کاٹ کھائے، علاوہ ازیں اس کو معلوم ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا یہ توڑ ہے اور اس کا یہ علاج ہے، چنانچہ وہ سانپ کو کندھے پر اٹھائے پھرتا ہے، سانپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا تریاق جانتا ہے، اور جو بیچارہ سانپ کا تریاق نہیں جانتا، وہ اگر سانپ کو ہاتھ لگائے گا تو وہ اس کو کاٹ کھائے گا۔ یہی مثال ہے دنیا کی اور دنیا والوں کی، جو لوگ اس کے دانت توڑ دیتے ہیں اور اس کا علاج جانتے ہیں ان کو یہ سانپ ضرر نہیں پہنچاتا، لیکن جن لوگوں نے اس کا منتر نہیں سیکھا، اس کے دانت نہیں توڑے اور اس کے کاٹے کا علاج نہیں سیکھا وہ ان کو کاٹ کھائے گا۔ چنانچہ ہماری یہی حالت ہے، نہ مال کمانے کے احکام سیکھے، نہ اس کو رکھنے کے آداب کا علم حاصل کیا، یہ بھی نہیں معلوم کہ مال کو کہاں اور کس طرح خرچ کیا جائے، کہاں خرچ نہ کیا جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا نے

ہمیں کاٹ کھایا، اور ہماری زندگی کے تمام اعضاء میں اس کا زہر پھیل چکا ہے، اس کا زہر کیا ہے؟ آخرت سے غفلت، ہمیں بس ایک ہی بات یاد ہے کہ جی! بچوں کے لئے کمانا بھی تو فرض ہے! ہمیں بس یہی ایک فرض یاد رہا باقی سب کچھ بھول گئے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف (امیر تبلیغ) ایک بار بیان فرما رہے تھے، جوش میں آگئے، فرمانے لگے تمہیں کس نے کہا تھا کمانے کو؟ کہ دکانیں کھولو اور روٹی کماؤ؟ تم نے غلط سمجھا کہ کمانا بھی فرض ہے، جس طرح تم اندھا دھند کماتے ہو یہ فرض نہیں بلکہ حرام ہے، پہلے کمانے کا ڈھنگ سیکھو، پھر روٹی کماؤ۔ حلال وحرام اور جائز وناجائز کو پہچانو، پھر کماؤ۔ حلال اور حرام کی تم کو تمیز نہیں، جائز اور ناجائز کی تم کو پروا نہیں، تو تمہارے لئے کمانا حلال ہی نہیں۔ کہتے ہو کہ کمانا بھی تو فرض ہے!

بہرحال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ اللہ جل شانہ پہلے لوگوں کو لے گئے، اور تمہیں ان کی جگہ لے آئے ہیں۔ یہاں تمہیں عیش اڑانے کے لئے نہیں لائے ہیں، کہ یہ بچے ذرا یہاں کھا پی لیں اور عیش اڑا لیں، نہیں! بلکہ اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے تم نے اگلے سفر کے لئے اعمال کا کیا توشہ لیا؟ اور تم نے یہاں رہ کر اپنے سے پہلے لوگوں کی حالت سے بھی عبرت حاصل کی ہے کہ نہیں؟ لیکن ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے حال سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ جل شانہ ہمیں معاف فرمائیں، ہماری اس غفلت کو معاف فرمائیں۔

زندگی کے پانچ دور

میرے بھائیو! یہ دنیا کی زندگی بہت مختصر سا وقفہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، آج کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا، میں نے گورنر پنجاب کے نام خط لکھا ہے۔ جس میں دنیا کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ ماں کے پیٹ کا وقفہ، اس کے بعد دنیا کی زندگی کا وقفہ، پھر قبر میں رہنے کا وقفہ، پھر حشر کے میدان کا وقفہ، پھر اس کے بعد ابدی زندگی جنت یا جہنم۔ یہ پانچ وقفے یا یوں کہو کہ تمہاری زندگی کی پانچ منزلیں ہیں۔ ماں کے پیٹ میں آئے تھے تو چار مہینوں تک تو پہلے پانی کی شکل میں رہے، پھر جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر بے جان دھڑ کی شکل میں رہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں تھی، چار مہینے بعد روح ڈال دی گئی، اب تم انسان بن گئے، یہاں سے تمہاری زندگی شروع ہوئی، لیکن ماں کے پیٹ کی یہ زندگی ایسی زندگی تھی کہ عقلاً اس کو زندگی ہی نہیں سمجھتے، کیسی تنگی اور تاریکی کی زندگی تھی؟ لیکن یہ نادان اسی زندگی پر مطمئن تھا، چنانچہ وہاں سے آتے ہوئے بھی یہ رو رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میرا جہان مجھ سے چھڑا رہے ہیں، میری زندگی مجھ سے چھین رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چیونٹی کے انڈے کے اندر جو بچہ ہے اس کے لئے انڈے کا خول ہی زمین و آسمان ہے، اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا آسمان اور زمین اس دنیا میں ہے ہی نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے۔ بالکل یہی حال ہمارا یہاں دنیا کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا، ہم نے یہاں آکر زمین و آسمان کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس سے بڑی دنیا ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ زندگی کے اگلے ادوار، یعنی عالم برزخ، عالم حشر اور جنت و دوزخ کو بھول بھال گئے، انبیاءِ کرام علیہم السلام نے اور ان کے سچے جانشینوں نے ہمیں یاد دلایا کہ اس "بیضۂ مور" (چیونٹی کے انڈے) میں دل نہ

لگاؤ، اس زندگی کو زندگی سمجھ کر اگلی زندگی کو نہ بھول جاؤ۔ لیکن ہم نے اس زندگی کی ترقیات کو کمال سمجھ لیا، اور جو حضرات اس زندگی سے منہ موڑ کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتے ہیں ان کا مذاق اُڑانا شروع کردیا۔ اچھی بات ہے، کھاؤ، کماؤ، مُلّاؤں کا مذاق اُڑاو، کہ یہ کچھ نہیں کماتے کھاتے، ڈگریاں حاصل نہیں کرتے، دنیا کی ترقیات سے روکتے ہیں۔ بہت جلد تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مُلّا مذاق اڑانے کے لائق تھے، یا تم خود بدولت اس لائق تھے کہ تمہارا مذاق اڑایا جائے؟ شب وروز ہمارے سامنے عبرت کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں عبرت نہیں ہوتی۔

دنیا کی ڈگریوں کا انجام

میرے پاس پرسوں ایک صاحب آئے، کہنے لگے کہ امریکا سے چھ لاشیں آرہی ہیں، تابوتوں کی شکل میں۔ تو کیا ان تابوتوں کو کھول کر دفن کیا جائے یا ایسے ہی یعنی بغیر کھولے دفن کیا جائے؟ میں نے کہا کہ اگر لاشیں کچھ اچھی حالت میں ہوں تو کھول کر دفن کیا جائے؟ اور اگر اچھی حالت میں نہیں تو پھر ایسے ہی تابوت سمیت ہی دفن کردی جائیں۔ لیکن لاش کی بے حرمتی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے ان چھ میں سے دو لاشیں سگے بھائیوں کی ہیں، ایک بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے امریکا گیا تھا، اور دوسرے نے "میڈیکل" کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کرلی تھی۔ اور انگلستان کی حکومت نے اسے وہاں پر ملازمت دے دی تھی۔ (یہ بھائی اس انجینئرنگ کرنے والے بھائی کو ملنے امریکا گیا تھا) بڑی اونچی تنخواہ تھی، بڑا اونچا عہدہ تھا، بڑی اعلیٰ تعلیم اور بڑی اونچی ڈگری تھی، بھائی سے ملنے امریکا گیا تھا، دونوں بھائی کہیں گھومنے گئے، وہیں ختم

ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس یہی قیمت تھی ان ڈگریوں کی جن پر ناز کررہے تھے؟ اس زندگی کی یہی قیمت تھی جس پر ناز کررہے ہو؟ اور یہ بیچارے تو ابھی نوجوان ہی تھے کہ دھر لئے گئے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہرایک کی زندگی کا یہی نقشہ نہیں ہے؟

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں

کسی کی پچاس سال کی زندگی تھی، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی اسّی سال کی۔ اور ماں کے پیٹ میں وہ پانچ مہینے کی زندگی تھی، اس زندگی کو ذرا اسّی سال کی زندگی پر تقسیم کرو تو یہ ماں کے پیٹ والی زندگی اس پچاس، ساٹھ اور اسّی سالہ زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر نظر آئے گی؟ اور ہم میں سے ہر شخص اس پیٹ والی زندگی کے بارے میں کہے گا کہ بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی؟ اچھا اب آگے چلئے، یہاں اسّی برس گزار کر ہم قبر میں پہنچ گئے، وہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ابھی خدا جانے کب تک پڑے رہیں گے۔ اب اس دنیا کی زندگی کو اس "قبر کی طویل زندگی" پر تقسیم کرو تو ہماری یہ دنیا کی زندگی اس برزخی زندگی کے مقابلہ میں کتنی مختصر معلوم ہوگی؟ اور وہ برزخ کی زندگی بھی، خواہ دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں کتنی ہی طویل نظر آئے لیکن وہ دائمی نہیں۔ بلکہ ایک دن وہ بھی کٹ جائے گی، اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے حشر کا، جس کا ایک دن پورے پچاس ہزار سال کا ہے۔ اب برزخ کی زندگی کو (قبر والی زندگی کو) اس روز حشر کے پچاس ہزار سال پر تقسیم کرو تو برزخ کی زندگی کالعدم نظر آئے گی، پھر اس پچاس ہزار سال والے دن کے بعد اصل زندگی اب شروع ہونے والی ہے۔

قیامت کا دن ختم ہوگا تو وہ زندگی شروع ہوگی جو دائمی اور ابدی ہے، جس کا کوئی سرا ہی نہیں، کوئی انتہا ہی نہیں، تمہاری سوچ و فکر سوچتے سوچتے تھک جائے گی لیکن وہ زندگی ختم نہیں ہوگی۔ انبیاً کرام علیہم السلام ہمیں اس زندگی کی دعوت دیتے ہیں، جو لازوال ہے، جو ابدی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس زندگی کی کامیابی کی دعوت دیتے ہیں، اور وہاں کی ناکامی سے ڈراتے ہیں۔ یعنی ان اعمال سے تم وہاں کی زندگی میں کامیاب ہوجاؤ گے اور ان اعمال سے تم وہاں ناکام ہوجاؤ گے، یہ حضرات ہمیں اس زندگی کی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں، اور ہماری اس دنیا کی زندگی کو زندگی نہ سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، چونکہ لوگوں کو ان حضرات کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے کفار کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، مجنون ہے، دیوانہ ہے، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ انبیاً کرام علیہم السلام کے وقت کی بات تھی، آج تم نے، ہاں! مسلمان کہلانے والوں نے کہا کہ یہ مُلّا ہے، یہ صوفی ہے، یہ دور حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، یہ صوفی و مُلّا آج تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہے، مسجد کے مینڈھے، قل اعوذیئے، اور نہ جانے کیا کیا خطاب تم غریب مُلّا کے لئے تجویز کرتے ہو، جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آج وہی بات کہہ رہا ہے جو اپنے وقت میں انبیاً کرام علیہم السلام کہتے آئے ہیں۔

دنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو

تو یہ دنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں اس لئے لارہے ہیں اور تمہیں پہلوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ تم کچھ عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ

یہاں سے کیا توشہ لے کر جارہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

"اے ابوذر! توشہ لے لینا! کیونکہ سفر بہت لمبا ہے، اور ذرا بوجھ ہلکا رکھنا کیونکہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے، جس پر چڑھنا ہے۔ کمر پر سارا بوجھ لاد کر چڑھنا پڑے گا۔ قرآن کریم میں ہے "اور وہ لادے ہوئے ہوں گے بوجھ اپنی کمروں پر"۔

مشکوٰۃ شریف (صفحہ ۴۴۳) میں حدیث ہے کہ حضرت اُم درداؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر ابوالدرداؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کیوں روزی نہیں کماتے، جیسا کہ فلاں شخص کماتا ہے؟ کہنے لگے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ:

"تمہارے آگے ایک گھاٹی ہے، بہت دشوار گزار، جن کا بوجھ بھاری ہوگا وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کر سکیں گے"۔

اس لئے میں اس گھاٹی کی خاطر اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا چاہتا ہوں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

"عمل ذرا خالص لے کر جانا اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے"۔

وہاں کھوٹ نہیں چلے گا۔ اس دفعہ دوران طواف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بہت یاد آئی اور میں اکثر اسی کو پڑھتا رہا:

"واسئلک نفسا بک مطمئنة تومن بلقائک، وترضی بقضائک، وتقنع

بعطائک۔"

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں ایسا نفس جو آپ پر مطمئن ہو جائے، جو آپ کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، اور جو آپ کے قضا اور قدر کے فیصلوں پر راضی ہو، اور جو آپ کی عطا پر قناعت کرلے، (کہ جتنا میرے مالک نے دیا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے۔ بس اس سے زیادہ نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے)"۔

عورتوں کا فتنہ

جس خطبہ کو میں نے شروع میں ذکر کیا تھا اس میں دنیا کی بے ثباتی ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"خبردار! پس دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو"۔

یعنی ان کے فتنے سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا، مشہور ہے کہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔ زن، زر اور زمین۔ دنیا میں جتنے بھی فتنے ہورہے ہیں ان تین چیزوں کی وجہ سے ہیں یا عورت کا چکر ہے یا زر کا یا زمین کا۔

یہ بھی دنیا کی ایک مثال ہے کہ ان چیزوں سے آدمی جیسا دھوکا کھاتا ہے، ویسا ہی دنیا سے دھوکا کھاتا ہے۔ خاص طور سے عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے

حق میں عورتوں سے زیادہ مضر ہو"۔

یعنی مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان وہ فتنہ عورتوں کا ہے، پس دنیا پر فریفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ، راہ حق سے برگشتہ نہ ہو جاؤ اور زر، زمین اور عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو کر دین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو!

خاتمہ کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی مؤمن پیدا ہوتا ہے، مؤمن جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے"۔

(اللہ جل شانہ ہم سب کو ان میں سے کردے، آمین۔ پیدا بھی مسلمانوں کے گھر میں ہوا، الحمدللہ زندگی بھی مسلمانوں والی گزاری، اور الحمد للہ موت بھی مسلمانوں والی آئی۔ اللہ جل شانہ یہ بھی نصیب فرمائے، یہ سب سے بڑا خوش قسمت ہے)۔

"دوسرا شخص وہ جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ۔ یہ سب سے بدتر شخص ہے)۔ "تیسرا وہ شخص جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن مرا"۔ (اس کی خوش قسمتی کہ خاتمہ ایمان پر ہوا) "اور چوتھا آدمی اس کے برعکس کہ مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ)

برے خاتمہ سے اللہ جل شانہ پناہ میں رکھے، عملوں کا مدار خاتموں پر ہے، اگر خاتمہ اچھا ہو تو آدمی اچھا رہا، اور اگر نعوذ باللہ خاتمہ برا ہوا تو پہلے کی اچھائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ایسا شخص تو مارا گیا، اگر خدانخواستہ خاتمہ

اچھا نہیں ہوا تو اس کے نماز اور روزے کا، حج اور زکوٰۃ کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبرسنی وانقطاع عمری، واجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ۔"

ترجمہ: "یا اللہ! اپنا سب سے زیادہ وسیع رزق مجھے اس وقت عطا فرمانا جب میری عمر زیادہ ہو جائے (میں بڈھا ہو جاؤں، اور زندگی ختم ہونے والی ہو) یا اللہ! میری عمر کا سب سے اچھا حصہ اس کو بنا جو میری عمر کا سب سے آخری حصہ ہو، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے بہتر عمل اس عمل کو بنا جس پر میرا خاتمہ ہو، اور میرا سب سے بہتر دن اس دن کو بنا جس دن میں آپ سے ملاقات کروں، یعنی موت آئے"۔ (آمین! یا رب العالمین)

بہرحال اعتبار خاتمے کا ہے اور یہ وہ بات ہے جس نے عارفین کی کمر توڑ رکھی ہے، اور وہ سوء خاتمہ سے ترساں ولرزاں رہتے ہیں، کہ خدا جانے کس حالت میں خاتمہ ہو۔ (یا اللہ! ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرما، اور سوء خاتمہ سے پناہ عطا فرما) اس لئے فرماتے ہیں کہ اپنی اطاعت و عبادت پر ناز نہ کرو، اور کسی گناہ گار کو دیکھ کر اسے نظر حقارت سے نہ دیکھو اور اسے حقیر نہ جانو۔ اگر تم اچھے راستہ پر لگ گئے ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، میرے مالک کا کرم ہے، اس کی عنایت ہے، اس کا لطف ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے کسی زمانہ میں ایک رسالہ شائع کیا تھا، اب شاید کم چھپتا ہے، کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں اس قصہ کو بڑی تفصیل سے لکھا تھا، اور ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر مختصر۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی لکھا ہے مگر مختصر۔ اور میں مختصر کا بھی مختصر سنا دیتا ہوں۔ شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ ایک بزرگ تھے، بہت بڑے عالم، بہت بڑے محدث، بہت بڑے شیخ۔ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ درس میں ہوتے تھے، اور لاکھوں ان کے مرید تھے، ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ایک بستی میں پہنچے، یہ عیسائیوں کی بستی تھی، لڑکیاں کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ایک لڑکی پر شیخؒ کا دل آگیا، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا، مریدوں میں کہرام مچ گیا، شیخ بھی رو رہے تھے، لیکن کہہ رہے تھے کہ قضاوقدر کا وقت ہے، اس لڑکی کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے، جب تک اس لڑکی کو حاصل نہیں کروں گا یہاں سے قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا، تم جاؤ ـــــ لڑکی کے والد کو پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ عیسائی ہو جاؤ، زنار پہن لو۔ اور دوسری یہ کہ ایک سال تک جنگل میں سور چراؤ۔ شیخ نے کہا مجھے منظور ہے۔ نعوذ باللہ عیسائی ہو گئے، اور جنگل میں خنزیر چرانے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک شاگرد، مرید اور خلیفہ کو خیال آیا کہ شیخؒ کو دیکھنا تو چاہئے کہ کس حالت میں ہیں؟ جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ خنزیر چرا رہے ہیں، وہی عصا جس کو ہاتھ میں لے کر شیخ خطبہ پڑھا کرتے تھے اسی پر ٹیک لگا کر سور چرا رہے ہیں۔ اس مرید نے سلام کیا، انہوں نے "وعلیکم السلام" سے جواب دیا۔ مرید نے کہا کہ حضور! قرآن کے حافظ تھے، کوئی آیت یاد ہے؟ کہا کچھ یاد

نہیں، سورۃ الفاتحہ سے والناس تک سب بھول گیا ہوں، کچھ بھی یاد نہیں رہا، بس ایک آیت کا ٹکڑا یاد ہے: ومن یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ۔

یعنی ''جس کو اللہ جل شانہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا''۔

پوچھا کہ آپ احادیث کے بھی حافظ تھے، کوئی حدیث یاد ہے؟ کہا کچھ یاد نہیں، صرف ایک حدیث یاد ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ۔

یعنی ''جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرکے مرتد ہوجائے اس کو قتل کردو''۔

پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہوئی کہ ایمان سلب ہوگیا؟ فرمایا، جب ہم بستی میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کیسے گندے لوگ ہیں؟ احمق لوگ ہیں، کیسا گندا مذہب ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک بندے کو خدا بنا رکھا ہے؟ فوراً غیرت الٰہی جوش میں آئی اور فرمایا کہ تم نے اس ہدایت کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ ایمان کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ یہ تمہارا کمال نہیں، ہماری عطا ہے، اور جب اس لڑکی پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ دل سے ایک پرندہ اڑ کر نکل گیا، اور وہ ایمان تھا، اب میں خالی ہوں۔ یہ رو دھو کر واپس آگئے۔ ان کے مریدوں نے گڑگڑا کر دعا کی، اُدھر شیخ بھی اتنا روئے کہ ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر خنزیر بھی رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری سن لی اور دوبارہ نور ایمان عطا فرما دیا، یہ وہیں جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگے ایک دریا پڑتا تھا، مرید وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ شیخؒ دریا میں غسل فرما رہے ہیں۔ یہ قریب آئے تو شیخؒ نے کہا کہ مجھے کوئی چادر لنگی پاک کپڑا دو۔ بہرحال لمبا قصہ ہے۔ وہ لڑکی بھی مسلمان ہو کر

آگئی۔ شیخؒ نے ان کو اپنی خانقاہ کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ دنیا میں ملاقات نہیں ہو سکتی، آخرت میں ہوگی۔

اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو

الغرض! اپنی اچھی حالت پر ناز نہ کرو، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا جانو، اسی بنأ پر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ:

> "بندہ حقیقت تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے"۔

جس کو تم فرنگی کافر سمجھتے ہو کیا پتہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے؟ اور کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔ ناز کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ایمان کی سلامتی میسر آجائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جائے تو بڑی دولت ہے۔ ورنہ سب کچھ ہیچ اور لغو ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جارہا تھا، راستے میں ایک درویش ملے، جو اپنی کٹیا سے باہر بیٹھے تھے، پاس ان کا کتا تھا، بادشاہ نے درویش کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ میاں درویش! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا؟ درویش کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! میرے سامنے ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا تو انشأ اللہ میں کتے سے اچھا ہوں۔ ورنہ کتا مجھ سے اچھا ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے لوگوں کو چار قسم کا پیدا کیا ہے، ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، اور مؤمن مرا، اور

ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر ہی مرا، نعوذ باللہ۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن ہو کر مرا، اور ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر ہو کر مرا، نعوذ باللہ۔

ایک جنتی، جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک صاحب آئے کہنے لگے میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمان کرلیا۔ جہاد ہو ہی رہا تھا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی نماز اس پر فرض نہیں ہوئی، مسلمان ہوا شہید ہو گیا، نہ معلوم کتنی زندگی کفر میں گزاری ہوگی۔

غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد فرمایا کہ:

"غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ آدمی ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آتا ہے اور فوراً ہی اُتر جاتا ہے۔ فرمایا، یہ شخص سب سے افضل ہے"۔

مجھے ایسے لوگوں پر بڑا رشک آتا ہے کہ ان کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا ہے، اور آئے بھی تو وہ بھی بس وقتی غصہ ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب سے بہتر ہے، سب سے اچھا آدمی ہے۔ جس کو بہت دیر سے غصہ آئے اور فوراً ہی اُتر جائے۔

"دوسرا وہ ہے جس کو بہت جلدی غصہ آتا ہے اور جب آتا

ہے تو اُترتا بھی نہیں، بہت دیر کے بعد غصہ جاتا ہے"۔

اس غریب کی ہر ایک کے ساتھ لڑائی رہتی ہے کیونکہ ہر آدمی کے مزاج کے خلاف تو کوئی نہ کوئی بات پیش آئے گی، اس غریب کی مصیبت یہ ہے کہ جس سے ایک دفعہ غصہ ہوگیا پھر مان جانے کی کوئی صورت نہیں، ناراضگی دور نہیں ہوتی، فرمایا:

"یہ بدترین آدمی ہے جس کو غصہ فوراً آئے اور غصہ آنے کے بعد جانے کا نام نہ لے، ایک وہ آدمی ہے جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی دیر سے ہے، ایک وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی جلدی ہے۔ یہ دونوں برابر ہیں کہ ان میں ایک اچھائی ہے اور ایک عیب"۔

غصہ کا سبب اور اس کا علاج

ارشاد فرمایا کہ:

"غصہ دراصل آگ کا انگارہ ہے، جو آدمی کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہوجاتی ہیں؟ سو اگر کسی شخص کو غصہ کی کیفیت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے"۔

گویا غصے کا علاج یہ ہے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ ہوتا اس کے الٹ ہے کہ غصہ میں لیٹا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھتا ہے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہوجاتا ہے، کھڑا ہو تو آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے، ہر چیز کا علاج بالضد

ہو تا ہے۔ غصہ کا علاج بھی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی ضد پر عمل کرے۔ یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو لوگ جب کسی کو پکڑتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو مجھے۔ لوگ پکڑ رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے چھوڑو مجھے، ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ یہ غصہ کا اثر ہے۔ تو غصہ کا علاج یہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ، اور اس کو لازم پکڑو اس کی ایک تو ظاہری خاصیت ہے، اور ایک باطنی خاصیت ہے۔ ظاہری خاصیت تو یہ ہے کہ تجربہ ایسا ہے، کہ اگر آدمی لیٹ جائے گا تو غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا۔ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے گا تو بھی غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا، اور یوں غصہ کا علاج اس کی ضد پر عمل کرنا ہوا۔ اور باطنی خاصیت یہ ہے کہ زمین ہماری ماں ہے، اور یہ ہمارے سارے بوجھ کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، تمہارے زندوں کو بھی مردوں کو بھی''۔

یہ زمین سب کو سمیٹتی ہے، لوگ نہ جانے اس پر کیا کیا مارتے ہیں، مگر برداشت کرتی ہے۔ تو مٹی کے اندر سکون ہے، وقار ہے، تواضع ہے اور پھر ہماری ماں بھی ہے، تو جتنا ماں کی گود کے قریب آؤ گے، اتنے زیادہ اس شر سے محفوظ رہو گے، اور اتنا ہی تم میں حلم اور وقار پیدا ہو گا۔ تواضع پیدا ہوگی۔ اب اس تفصیل کا موقع نہیں کسی دوسرے وقت میں انشاً اللہ بیان کروں گا کہ غصہ کی اصل کبر ہے، جس کی وجہ سے غصہ آتا ہے، لہٰذا اپنے سے چھوٹے پر غصہ آتا ہے بڑے پر نہیں آتا، تو اگر آدمی کے اندر عجز اور تواضع پیدا ہوجائے، مسکنت پیدا ہوجائے، سکون پیدا ہوجائے، وقار پیدا ہوجائے، تواضع پیدا ہوجائے، تو پھر غصہ کا علاج ہوجائے گا، یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک

تو غصہ کی کیفیت طبعی ہے کہ غصہ آدمی کے اندر اُبھرتا ہے اور جوش مارتا ہے، یہ تو ایک طبعی بات ہے، چونکہ یہ غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہے، پکڑ نہیں ہے، اور ایک ہے اپنے غصے پر عمل کرنا، چاہے زبان سے ہو، یا ہاتھ پاؤں سے، اس پر مواخذہ ہے، اور اسی لئے اسے رفع کرنے کی تدبیر بتانے کی ضرورت پیش آئی۔ غصہ کو رفع کرنے کی تدبیر پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آدمی غصہ میں ہوتا ہے تو ایک جنون کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، آدمی آپے میں نہیں رہتا، اس سے ناشائستہ حرکات صادر ہوجاتی ہیں، اور اس کی زبان سے ناشائستہ الفاظ نکل جاتے ہیں، بے قابو ہوجاتا ہے، اس لئے غصہ کا علاج ضروری ہے، اور غصہ کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے قریب ہوجاؤ، جس سے تم میں مسکنت پیدا ہوگی، اور اس رذیلہ کی اصلاح ہوجائے گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے لمبی فہرست دی ہے غصہ کے علاج کی۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو۔ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لوگے تو تم میں خنکی پیدا ہوجائے گی اور اندر جو غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بجھ جائے گی۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ لاحول پڑھو، لیکن لاحول کا پڑھنا صرف لفظوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کا تصور کرتے ہوئے، اس لئے کہ غصہ شیطان کے اُبھارنے اور چوکا دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو "نزغۂ شیطان" فرمایا گیا ہے۔ تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو تاکہ شیطانی اثرات دور ہوجائیں۔

ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں

پھر فرمایا کہ:

"قرض کے ادا کرنے اور وصول کرنے کے لحاظ سے بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ اگر کسی کا قرض دینا ہو تو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ سامنے والے سے بار بار چکر نہیں لگواتا، بلکہ خود ہی بر وقت ادا کردیتا ہے، لیکن کسی سے وصول کرنا ہو تو اس میں ذرا بھی رواداری نہیں کرتا، بلکہ بری طرح تقاضا کرتا ہے، فرمایا کہ اس کی تو ایک اچھی عادت بری عادت کے مقابلہ میں ہوگئی، کہ بر وقت قرض ادا کرنا بڑی اچھی بات ہے، جب کہ سختی سے وصول کرنا بری بات ہے، تو اس شخص میں ایک اچھی بات پائی گئی اور ایک بری، یوں اس کا معاملہ برابر کا رہا۔ اور دوسرا آدمی وہ ہے کہ کسی کو قرضہ دینا ہو تو بری طرح دیتا ہے، دوسرے کو پریشان کرکے دیتا ہے۔ لیکن کسی سے لینا ہو تب بھی سختی نہیں کرتا، یہاں بھی ایک اچھی عادت ایک بری عادت کے ساتھ مل کر معاملہ برابر کا ہوگیا۔ اور تم میں سب سے بہتر اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا دینا ہو تو فوراً دے، بر وقت دے، بغیر مانگے کے دے، اور کسی سے لینا ہو تو سختی سے تقاضا نہ کرے۔ یہ تیسرے نمبر کا آدمی ہوا جو سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہے، کہ اس میں دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، ادا کرنے کی خوبی یہ کہ بر وقت ادا کرے۔ اور وصول کرنے کی خوبی یہ کہ اس میں سختی نہ کرے، اور تم میں سب سے بدتر آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو دینے کا نام نہ لے، اور اگر کسی سے لینا ہو تو سختی بلکہ فحش کلامی کے ساتھ تقاضا کرے اور اس معاملہ میں ذرا بھی رو رعایت نہ کرے، یہ چوتھا آدمی سب سے بدتر ہے کہ اس نے دونوں برائیاں جمع کرلیں۔ قرض لے کر واپس نہ کرنے کی برائی بھی، کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور کسی سے قرض وصول کرنے کی برائی بھی کہ نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ قرض کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ سختی اور بدکلامی کے

ساتھ تقاضا کرتا ہے۔

دنیا کی عمر ختم ہوچکی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اتنا طویل فرمایا کہ دھوپ درختوں کے سروں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عمر بس اتنی باقی رہ گئی ہے جس قدر پورے دن کے مقابلے میں اب دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو آدمی کی زندگی ناپائیدار ہے، کوئی بھروسہ نہیں کہ کب وقت موعود آجائے، علاوہ ازیں خود دنیا بھی بوڑھی ہوچکی ہے، اور اب پورے عالم کی موت کا وقت بھی کچھ زیادہ دور نہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام "نبی الساعہ" ہے، یعنی "قیامت کا نبی"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بجائے خود قرب قیامت کا اعلان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا، بس اب قیامت ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری گویا فنائے عالم کے آثار شروع ہونے کی علامت ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بیان کا منظوم خلاصہ

حضرت نے یوں بیان کیا مقصد حیات
خوش رنگ ایک سانپ ہے دنیائے بے ثبات
جو اس کے حسن ظاہری سے دھوکا کھا گیا
وہ اپنے جسم وروح کو خود ہی ڈسا گیا
دنیا تو درحقیقت ہے اک امتحان گاہ
وہ آخرت میں فیل ہے، کی جس نے اس کی چاہ
دنیا کی ڈگریوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں
عقبیٰ میں ایسے علم کی وقعت بھی کچھ نہیں
دنیاسے آخرت کیلئے توشہ لے کے چل
دنیائے بے ثبات کے دھوکے سے تو نکل
ہرگز نہ اپنے آپ کو بہتر قیاس کر
سارے جہاں سے خود کو ہی بدتر قیاس کر
غصہ نہ کر کہ غصہ علامت ہے کبر کی
غصہ کسی قوی پہ تو آتا نہیں کبھی
اور اب ذرا سی بات ہو دنیا کی عمر کی
دنیا دراصل دوستو! اب بوڑھی ہوچکی
بعثت رسول پاک کی خود اس کی ہے دلیل
دنیا کی عمر رہ گئی ہے اب بہت ہی قلیل
ختم الرسل کی دہر میں تشریف آوری
پہلی نشانی قرب قیامت کی ہے یہی
آخر میں التجا ہے ہماری کہ یامجیب
تیاری آخرت کی ہمیں بھی ہو اب نصیب

شاہین اقبال اثر جونپوری

محبتِ رسول ﷺ

اور اس کے تقاضے

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، واشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له، واشهدان سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا، اما بعد:

آج کی مجلس میں ان شاء اللہ چند باتیں ذکر کرنے کا خیال ہے۔

دستار بندی

سب سے پہلے تو یہ کہ ستائیسویں شب کو یہاں مدرسہ کے ان بچوں کی دستار بندی ہوئی تھی، جنہوں نے قاری مقبول احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا تھا، کسی کی گردان ہو گئی، کسی کی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس سال کے حفظ مکمل کرنے والے سب حفاظ کی دستار بندی ہوئی۔ میرے دوست مولانا

سعید احمد جلال پوری بھی ہمارے ساتھ اعتکاف میں ہیں، یہ میرے بہت پرانے رفیق ہیں، انہوں نے ایک عرصہ تک میری سردی گرمی، کو اور میری کڑوی، کسیلی باتوں کو برداشت کیا ہے، اور میرے عیوب سے جتنا یہ واقف ہیں شاید دوسرے رفقاء میں کوئی واقف نہیں ہوگا، میں چاہتا تھا کہ ان حفاظ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی کردوں، مگر اس دن یہ مجھے نظر نہیں آئے، اس لئے سب سے پہلے تو آج ان کی دستار بندی کرتا ہوں۔ یہ ان کے لئے دستار خلافت ہے۔ (اس کے بعد مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب مدظلہ العالی کی دستار بندی کی گئی)۔

خدمت میں کوتاہی پر معذرت

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے گھر میں اعتکاف کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے، ہمارے خدمت والے ساتھیوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو راحت پہنچائی جائے، لیکن مجمع زیادہ ہوتا ہے تو ہر آدمی کی راحت کا پورا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا، ہر شخص کے مزاج کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے، اعتکاف شروع ہونے سے پہلے مجھے بہت تشویش تھی کہ اتنے مہمانوں کا نظم کیسے ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے اس کو اتنا آسان فرمادیا کہ پتہ بھی نہیں چلا، بہرکیف کسی صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اعتکاف کے دوران پہنچی ہو، یا ہمارے منتظمین اور خدمت والے ساتھیوں میں سے کسی سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہو تو آپ ازراہ للہ معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہت ہی برکتیں عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ شانہ، ہم سب کو صحت کے ساتھ، عمر کے ساتھ عافیت کے ساتھ اس کی آئندہ

بھی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا یا نہیں؟

ایک بات یہ ذکر کرنی ہے کہ ابھی نماز کے بعد ایک صاحب نے پرچہ دیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا؟ اس پر اس وقت تو میں نے ان صاحب کو یہ لطیفہ سنادیا تھا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

"الحائک اذا صلی رکعتین انتظر الوحی"

یعنی جولاہا جب دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب وحی آنے والی ہے، وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ ارے میاں! کیا ہم؟ اور کیا ہمارا اعتکاف؟ اور کہاں کی قبولیت؟ بس یہ شکر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے مواخذہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اس کے گھر کا صحیح ادب اور صحیح حق ادا نہیں کرسکے، اور جو حقوق اعتکاف کے ہمیں بجالانے چاہئے تھے، بجا نہیں لائے، تو بس یہی بہت ہے کہ ہم پر مواخذہ نہ ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عارف کو میں نے دیکھا کہ کعبے کا غلاف پکڑے ہوئے ہیں، ملتزم پر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ:

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو برگناہم کش

ترجمہ: "یہ تو میرا منہ نہیں کہ میں کہوں کہ میری عبادت قبول کر لیجئے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دیجئے"۔

اعمال پر مواخذہ نہ ہو، یہی غنیمت ہے

قبولیت کے امیدوار تو آپ حضرات ہوں گے، بڑے لوگ ہوں گے، جہاں

تک ہمارا تعلق ہے ہم تو اسی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ واللہ العظیم! قسم کھا کر کہتا ہوں، اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، کہ نماز پڑھنے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا کہ میری نماز قبول ہوگئی ہوگی یا یہ کہ نماز قابل قبول ہے، بس یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ کرے اس پر مؤاخذہ نہ ہو کہ او نالائق! ایسی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ دل میں قبولیت کا وسوسہ آگیا ہو، بس یہی خیال ہوتا ہے کہ لپیٹ کر منہ پر نہ ماردی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعات کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی قدس سرہ عارف تھے، اپنے وقت کے قطب تھے، حضرتؒ ارشاد فرماتے تھے کہ "بھائی! اللہ تعالیٰ کا ایک نام ستار ہے، ستار کے معنی ہیں پردہ پوشی کرنے والا، ستار العیوب، عیوب کو ڈھانکنے والا، اللہ تعالیٰ نے میری بھی اور آپ کی بھی سب کی پردہ پوشی کر رکھی ہے"۔ ہمارے حضرتؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ آدمی کا پورا وجود نجاست سے بھرا ہوا ہے، یہاں ذرا سی خراش لگادو خون نکل آئے گا، خون پاک ہے کہ ناپاک؟ کیوں بھئی خون ناپاک ہے نا! پس ہمارے پورے وجود میں نجاست بھری ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ستاری دیکھو کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیسا نفیس چمڑا چڑھا دیا ہے، اندر خون ہی خون، نجاست ہی نجاست، لیکن اوپر حسین چمڑے کا غلاف۔ اسی طرح پیٹ کے اندر سیروں غلاظت لئے پھر رہے ہیں، اور یہ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اوپر اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں، باہر اس کی بدبو بھی نہیں آنے دیتے، بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں جن کا آپریشن ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور ڈاکٹر اطباء لوگ نجاست کے نکلنے کے لئے تھیلی لگادیتے

ہیں،اب اس میں سے بدبو آتی ہے، آپریشن کے دوران پیشاب کے لئے تھیلی لگادیتے ہیں، میرا جب آپریشن ہوا تھا تو میرے بھی پیشاب کے لئے تھیلی لگادی تھی، تیسرے دن میں نے کہا اتارو بھئی اس کو، یہ مجھ سے نہیں چلتی۔ تو اتنی غلاظت ہم پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اسی حالت میں تلاوت بھی کرتے ہیں، اسی حالت میں محفلوں میں بھی جاتے ہیں، میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس کو کیسا چھپا رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری عیوب کی اور باطنی عیوب کی ستاری نہ فرماتے تو خود سوچو کیا حال ہوتا؟ مثلاً ستر پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لباس عطا فرمادیا، اگر ننگے ہوتے تو کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ نہ ہٹائے، اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری نہ کرے، ہم لوگ کم ظرف ہیں کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک دوچار آدمیوں کے پاس گائیں نہیں ہماری روٹی ہضم نہیں ہوتی، پیٹ پھول جاتا ہے، لیکن میرا مالک بڑا حلیم ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ع

"گناہ بیند و پردہ پوشد ہمی"

گناہوں کو دیکھتے ہیں، ہماری ایک حالت کو جانتے ہیں لیکن پھر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں، پردہ پوشی فرماتے ہیں، رسوا نہیں کرتے، کسی کا پردہ ہٹادیا جائے، تو یہ اس کی رسوائی ہے، تو خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھئی! لوگ ستار کے معنی سمجھتے ہیں:

"عیوب کو ڈھانکنے والا پردہ پوشی کرنے والا"

لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی رو سے تو ستار ہے ہی، لیکن ہماری نیکیوں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے ہیں، اس معنی میں بھی اللہ تعالیٰ ستار ہیں کہ ہماری نیکیوں کو ڈھانک دیتے ہیں، اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، کسی نے کتنا

کمایا ہے؟ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے، نیکیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان کو چھپا کر رکھتے ہیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ پردہ ہٹا دیں گے تو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تم نے نماز پڑھی، تمہیں کیا ملا؟ تم نے اعتکاف کیا تمہیں کیا ملا؟ تم نے روزہ رکھا تمہیں کیا ملا؟ ارے! بہت کچھ ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اجر و ثواب پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا کچھ ملا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم لوگ دو چیزوں کو چھپا کر رکھا کرتے ہیں ایک تو کوئی عیب کی چیز ہو تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، کیونکہ آدمی نہیں چاہتا کہ اس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ دوسرے، کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، گھر میں پیسے وغیرہ ہوں تو ان کو بے پروائی سے یوں ہی نہیں بکھیر دیا کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں، اگر کوئی زیور وغیرہ ہو تو اس کو برتنوں کی طرح یوں ہی سب کے سامنے نہیں پھینک دیتے، بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھتے ہیں، تو ایک تو بندوں کے عیب قابل ستر ہیں، چھپانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ستاری فرماتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے اپنے بندوں کے عیوب ظاہر نہیں فرماتے، دوسرے اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ نیکیاں کمائی ہیں، کچھ اچھے کام کئے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑے قیمتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھپا کے رکھتے ہیں، تاکہ ڈاکوؤں کو پتہ نہ چلے، ورنہ یہ ساری نیکیاں لوٹ کر لے جائیں گے نفس اور شیطان دونوں انسان کے دشمن ہیں، دونوں ڈاکو ہیں، ان کو پتہ چلا تو یہ لوٹ کر لے جائیں گے، کبھی اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہو جائے گا، عُجب کہتے ہیں خود پسندی کو، اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگے گا، کبھی کبر میں مبتلا ہو جائے گا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنے لگے گا،

کبھی اپنی نیکیوں پر مغرور ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجائے گا، یہ وہ بلائیں ہیں جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کو بندے کی نظر سے بھی چھپا کے رکھتے ہیں۔

کاملین کو عُجب نہیں ہوتا

ہاں! جب آدمی اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آجائے کہ تو مقبول ہے تب بھی اس کو گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، میری بات کو آپ حضرات نے سمجھا نہیں ہوگا۔ کسی شخص کے بارے میں وحی الٰہی آجائے، آسمان سے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوجائیں اور آکے کہیں کہ یہ شخص مقبول ہے تب بھی اس کے دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی بشارتیں دی تھیں، کیا اس بشارت سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس کے باوجود ان حضرات پر کتنا خوف طاری رہتا تھا؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے زیادہ کس کی زبان سچی اور پاک ہوسکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارتیں دیں تھیں وہ وحی الٰہی سے دیں تھیں، لیکن ان قطعی بشارتوں کے باوجود ان حضرات میں عُجب پیدا نہیں ہوا، بلکہ جلال الٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف کا عالم یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

"یالیتنی شجرۃ تعضد ثم توکل۔"

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ۱۰۴ جلد ۱)

ترجمہ: "اے کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا، اور پھر جانور اس کو چر لیتے"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

اور حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ زمین سے تنکا اٹھا کر فرماتے تھے:

"اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، اے کاش! میری ماں نے مجھ کو جنم نہ دیا ہوتا، اے کاش! میں کوئی چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بھولا بسرا ہوتا"۔

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ا جلد ا)

الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے خوف کے واقعات سے حدیث وسیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حقیقت تک پہنچ گئے تھے، ان کو بشارت اس وقت ملی جب وہ حقیقت تک

پہنچ گئے، اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت آئی تب بھی ان میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عجز میں اور ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا

قرآن کریم ان حضرات سے اللہ کے راضی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

"لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم۔" (الفتح:۱۸)

ترجمہ: "راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے جب کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے درخت کے نیچے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے"۔

یعنی ان کے دلوں کو جانچ کر پرکھ کر اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عن المؤمنین کا اعلان فرمایا اور منبر و محراب پر قیامت تک یہ اعلان گونجتا رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کی رسائی حقیقت تک ہوگئی تھی، تو ایسے لوگوں کے سامنے سے اگر پردہ ہٹادیا جائے اور ان کی قبولیت عند اللہ ان کو جتا بھی دی جائے، اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے سے اس کا اعلان فرمادیں تب بھی ان میں عُجب اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ محض مولائے کریم کی عنایت ہے، اس کا فضل ہے، اور بغیر استحقاق کے اس کی عطا ہے، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے؟ وہ ان عنایاتِ ربانی کو

اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ مالک کے فضل سے اس کی عنایت اور اس کے لطف کی طرف منسوب کرتے ہیں،

قبولیت اعتکاف کی علامت

تو میاں! قطعی قبولیت کا تو خیال چھوڑ دو، اور یہ بھی کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہمارا اعتکاف قبول ہوگیا؟ کیونکہ وحی تو میرے پاس بھی نہیں آتی، اور تمہارے پاس بھی نہیں آتی، جس کے ذریعہ قبولیت کا قطعی فیصلہ ہوجائے، البتہ ایک علامت ہے، اس سے کچھ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ دس دن تک آپ حضرات مسجد میں جم کر بیٹھے تو کیا اس اعتکاف کے نتیجہ میں مسجد سے بھی تعلق پیدا ہوا؟ تم تو مسجد میں بیٹھے کیا مسجد بھی تمہارے دل میں بیٹھی؟ تم نے قرآن کریم کی تلاوت کی، کیا وہ تلاوت بھی تمہارے دل میں آئی؟ تم نے اللہ پاک کا نام لیا، کیا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اور اس کے پاک نام سے کچھ تعلق بھی پیدا ہوا؟ کچھ دل میں چاشنی بھی آئی؟ کچھ دل کو ذکر سے رغبت بھی ہوئی؟ تم مسجد کے اس نورانی ماحول میں کچھ وقت گزار کر واپس جارہے ہو اپنے ماحول کا اور اس نورانی ماحول کا کچھ فرق بھی محسوس ہوا؟ اور اس ماحول کی رغبت بھی پیدا ہوئی؟ اور اس ماحول کے اثرات بھی ساتھ لے جارہے ہو، یا سب کچھ یہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟ اور کیا آئندہ کے لئے اپنی زندگی کی لائن بدلنے کا بھی فیصلہ ہوا؟ اور کیا رضائے الٰہی کے لئے اپنی ہویٰ یعنی خواہش کو چھوڑنے کا بھی جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا؟ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہوگئی ہیں تو جس درجہ کی پیدا ہوئی ہیں.اس درجہ کی قبولیت ان شاء اللہ تمہیں حاصل ہوگئی، اور اگر یہ نہیں ہوا تو پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

حج مبرور کی فضیلت

حدیث شریف میں فرمایا ہے:

"والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة۔"

(متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ، مشکوٰۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه۔" (متفق علیہ عن حدیث ابی ہریرۃ۔ مشکوٰۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس نے نہ کسی قسم کی فحش کلامی کی اور نہ گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ اس حالت میں واپس ہوگا گویا آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہے، یعنی پاک صاف ہوکر واپس آئے گا، اور ایسا حج، "حج مبرور" کہلاتا ہے"۔

حج مبرور کی علامت

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ "حج مبرور" کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرماں برداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے، پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج وصدمہ نہیں، اسی طرح دوسری چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن حج کرنے

کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائض شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج "حج مبرور" ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کا ذکر خیر

ہمارے بزرگ مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بزرگ استاذ حدیث تھے، اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "بینات" کے مدیر تھے۔ اور وہ میرے خاص محسن تھے کہ مجھے کراچی لانے کا سبب بنے، میں ضلع فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے قصبہ ماموں کانجن میں مدرس تھا۔ ایوب خاں کے زمانے میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ اٹھا تو میں نے اس کے خلاف مضامین لکھنا شروع کئے، ایک مضمون میں نے مولانا مرحوم کو بھیج دیا، اس مضمون کو پڑھ کر انہوں نے میرے حضرت بنوریؒ سے کہا تھا کہ اس کو کراچی بلوا لو، وہ مجھے جانتے نہیں تھے، نہ حضرت بنوریؒ سے میرا تعارف تھا، لیکن مرحوم نے میرا وہ مضمون پڑھا تو بغیر کسی سابقہ تعارف کے مجھے حاضری کا خط لکھ دیا، اور میں حضرتؒ کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا، اس طرح حضرتؒ سے اور ان کے مدرسہ سے میرا تعلق ہوگیا۔ پس میرے کراچی آنے کا سبب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ بنے تھے، ماہنامہ "بینات" جس کا میں اڈیٹر ہوں، اس کے پہلے مدیر مولانا مرحوم تھے، اور اب میں ان کا جانشین ہوں، اس لئے ان کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ مولانا مرحوم شروع میں کسی سے بیعت نہیں تھے (بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری سے بیعت ہوگئے

تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی محبت و عظمت ان کے دل میں ڈال دی تھی، حج و عمرہ سے ان کو والہانہ عشق تھا۔ جتنا پیسہ کماتے سب حج و عمرہ کے لئے جمع کرتے رہتے تھے اور سال میں دو مرتبہ ایک مرتبہ عمرہ پر اور ایک مرتبہ حج پر جانا گویا اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا۔

میرا مرشد تو بیت اللہ ہے

مرحوم فرمایا کرتے کہ میرا مرشد تو بیت اللہ ہے، میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، لوگ تو حج و عمرہ کرنے کو جاتے ہوں گے، مگر میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اور واقعی انہوں نے اپنے مرشد سے عجیب فیض اٹھایا تھا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان کے مرشد (بیت اللہ شریف) نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا تھا۔

مولانا مرحوم کی نماز کی کیفیت

اتنی اچھی اور نفیس نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاس کھڑا ہونے والا بھی اس کی لذت وحلاوت محسوس کرتا تھا۔ نماز کے سجدہ میں ماثور دعائیں بڑے درد اور سوز سے کرتے تھے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے حنفیہ سجدہ میں دعائیں کیوں نہیں کرتے؟ (ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ امام سجدہ میں بس تسبیحات پڑھے، لمبی دعائیں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہو۔ جب کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ جو دعائیں حدیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھے) میں نے حضرت مولانا کے اس سوال کے جواب میں کہ "حنفیہ سجدہ میں دعا کیوں نہیں کرتے؟" ان کی خدمت میں اپنے اکابر کی توجیہ عرض کی، اس توجیہ کو وہ بھی جانتے تھے۔ لیکن

ان کا ذوق تھا کہ سجدہ میں خوب دعا کی جائے، اس لئے جھنجلا کر کہنے لگے، "نہیں جی! چھوڑو!" وہ خوب مزے کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، اور اس میں دعائیں مانگتے رہتے تھے، ایک دفعہ کچھ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے، "اب میں ٹھیک ہو جاؤں گا اس لئے کہ میں نے سجدہ میں یہ دعا کی ہے:

"انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔"

(الانبیاء:۸۳)

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"(اے میرے پروردگار!) مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں"۔

یعنی آپ ارحم الراحمین ہیں، آپ کی رحمت بھی کامل، قدرت بھی کامل، اپنی رحمت کے صدقے میری تکلیف کو دور فرمادیجئے۔

مولانا مرحوم کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ

مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دوسرے استاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھادیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے، مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے، حضرت سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطففین چل رہی تھی، اور آج کا سبق یہ تھا:

"کلا ان کتب الابرار لفی علیین ۞ وما ادرک ما علیون ۞ کتب مرقوم ۞ یشھدہ المقربون ۞ ان الابرار لفی نعیم ۞ علی الا رآئک ینظرون ۞ تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ۞ یسقون من رحیق مختوم ۞ ختمہ مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون ۞ ومزاجہ من تسنیم ۞ عینا یشرب بھا المقربون۔"

(المطففین ۱۸۔۲۸)

ترجمہ: "ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علیین میں ہے، اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرب فرشتے، بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں، تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی، جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرب حضرات)"۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ بتصرف یسیر)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کر کے اوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور انتقال ہوگیا، گیارہ بجے کے بعد سبق پڑھا رہے تھے، وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔

وفات کے بعد ان کی کرامت

وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا ہے؟ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرتؒ کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پوڈر کیوں لگادیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔

الغرض جن کو حج مقبول نصیب ہوجاتا ہے، حج سے یوں ان کی زندگیاں بدلتی ہیں، حج کرنے والے یوں حج کرتے ہیں کہ بیت اللہ ان کا مرشد بن جاتا ہے۔ تو میرے بھائی! تم نے جو اعتکاف کیا ہے اگر اس سے یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوگئیں، اور قبولیت کے یہ آثار تمہیں نصیب ہوگئے تو توقع رکھو کہ ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ لے کر گئے۔ بس یہ مضمون ختم ہوا۔

اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ

اب اصل بات جو مجھے آپ سے کہنی تھی وہ عرض کرتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ آج میں آپ حضرات سے درخواست کروں کہ یہاں سے جاتے ہوئے اس اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ۔ اور اعتکاف کی سوغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، یہاں سے جاتے ہوئے یہ سوغات لے کر جاؤ، اس لئے جی چاہا کہ آپ حضرات کو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تقسیم کروں۔

"حکایات صحابہؓ" میں عشق نبوی ﷺ کا بیان

اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے عشاء کے بعد جب "حکایات صحابہؓ" سنائی۔ تو اس میں بھی وہی مضمون نکل آیا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ماشاء اللہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ مضمون بہت والہانہ انداز میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق و محبت کے واقعات ذکر کئے ہیں۔

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ

اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

> "یارسول اللّٰہ! متی الساعۃ؟۔"
>
> "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "ویلک! وما اعددت لھا؟۔"
>
> "تیرا ناس ہوجائے، تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"۔

وہ شخص نہایت سادگی سے کہنے لگا:

> "ما اعددت لھا کثیر صلوۃ ولا صیام الا انی

احب اللّٰہ ورسولہ۔"

"میں نے اس کے لئے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انت مع من احببت۔"

"قیامت کے دن تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ صفحہ۴۲۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا یہ عظیم صلہ ہے کہ ان حضرات کو جنت میں معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔

خوب یاد رکھو! جن لوگوں سے محبت رکھتے ہو، تمہارا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، اگر اہل اللہ سے محبت رکھتے ہو تو ان شاء اللہ ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر فاسقوں بدکاروں سے محبت رکھتے ہو تو (نعوذ باللہ) ان کے ساتھ حشر ہوگا۔ قادیانیوں مرزائیوں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہو تو انہی کے ساتھ

اٹھائے جاؤ گے۔

دنیا میں محبت کا صلہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بہت سے حضرات جاہلیت کے زمانے میں شراب کے عادی تھے، اور جب تک شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا اسلام لانے کے بعد بھی پیتے تھے، پھر کایک اعلان ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس طرح چھوڑ دی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ شراب کے برتن توڑ دیئے گئے، اور شراب مدینہ کے گلی کوچوں میں سیلاب کی طرح بہنے لگی، لیکن انسان آخر انسان ہے اس سے کبھی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے، صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کا لقب حمار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خوش طبعی کی باتوں سے ہنسایا کرتے تھے، ان سے یہ غلطی ہوئی کہ شراب کے حرام ہوجانے کے بعد انہوں نے شراب پی لی، اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، ایک دن دوبارہ لائے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، تو ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا:

"اللھم العنہ، ما اکثر مایوتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟"

ترجمہ: "اس پر اللہ کی پھٹکار ہو! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنی کثرت سے بار بار لایا جاتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

"لاتلعنوہ فو اللّٰہ ماعلمت انہ یحب اللّٰہ ورسولہ" (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۲ جلد ۲، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۶)

ترجمہ: "اس پر لعنت نہ کرو! کیونکہ اللہ کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ صاحب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بڑی بشارت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوجانا۔ اور ایک مسلمان کو اپنے گناہ گار بھائی کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائیں، یہ دعا نہیں کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیں۔

کیونکہ جب کوئی شخص نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا تو شیطان خوش ہوگا کہ میں نے اس شخص کو تو اپنے جیسا بنالیا — اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس وشیطان کے بہکانے سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور پھر فوراً ہی اس کو اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی لاحق ہوجائے، اور وہ اپنے آپ کو سزائے شرعی کے لئے پیش کردے (جیسا کہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کیا) تو اس سے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! کامل ترین محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اس حدیث سے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تو آپ کے اور ہمارے اعتکاف کی سوغات یہ ہے کہ ہم اور آپ مسجد سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت لے کر جائیں۔ ایسی محبت جو ہمارے رگ وریشے میں سرایت کر جائے، اور وہ محبت ہمیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال دے۔

محبت کے تقاضے

محبت کے کچھ تقاضے ہیں، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب قلب میں محبت آتی ہے تو آدمی آداب محبت بھی سیکھ لیتا ہے۔ ؏

"محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی"

ذرا ہمت کرکے میدان محبت میں قدم تو رکھو، محبت کرکے پھر دیکھو کہ یہ تمہیں آداب کس طرح سکھاتی ہے۔ ان شاء اللہ! حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے محبت کے آداب ولوازم بھی عطا کردئے جائیں گے، اور محبت کا سلیقہ بھی دے دیا جائے گا۔

محبت کے آداب ولوازم

اب میں مختصر طور پر محبت کے چند آداب واوصاف ذکر کرتا ہوں۔

محبت کا سب سے پہلا ادب ہے محبوب کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔ محبوب، عاشق کو حکم نہیں دیا کرتے، بلکہ عاشق ان کے اشارہ چشم وابرو سے ان کا منشا پہچان لیتے ہیں، اور محبوب کے اشارہ چشم وابرو پر جان قربان کردیتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو ہم اپنی خواہش پر ترجیح دینے لگیں، اور اپنی خواہشات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک پر قربان کردیں۔

ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کو آنحضرت سے محبت ہے، لیکن ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری ہے، اس لئے جب ہماری خواہشات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو محبت کی چنگاری بھڑکتی نہیں، اور ہماری خواہشات کے خس وخاشاک کو جلاکر بھسم نہیں کرتی۔

ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت ایک اشکال ہے، فرمایا کیا؟ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں

تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب بن جاؤں اس کے
باپ سے بھی، اس کی اولاد سے بھی، اور تمام انسانوں سے
بھی"۔

اور شبہ یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے زیادہ محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنے باپ سے ہے، تو میں مؤمن نہ ہوا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا نہیں! خان صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں اپنے والد سے زیادہ ہے۔ کہنے لگا، اجی! میں تو اپنے والد میں محبت زیادہ محسوس کرتا ہوں، فرمایا، نہیں! خیر بات ختم ہوئی، اسی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریفہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت ودل ربائی کا تذکرہ فرمایا، اور ایسے انداز سے تذکرہ فرمایا کہ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے:

کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست وبے خود ہیں
بظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے، نہ پیمانہ

حضرت حکیم الامتؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرما رہے تھے اور اہل محفل پر ایک مستی کا عالم طاری تھا، بقول کسی کے ؏

"ذکر اس پرلوش کا اور پھر بیاں اپنا"

اور یہ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے سب سے زیادہ جھوم رہے تھے، حضرتؒ نے چلتے چلتے ارشاد فرمایا کہ خان صاحب! خیر اس کو تو چھوڑیئے! آپ کے والد ماجد بہت اچھے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو اس وقت رہنے دیجئے۔ آپ کے والد ماجد بہت اچھے آدمی تھے

کچھ ان کا ذکر خیر بھی ہو جائے۔ خان صاحب کہنے لگے کہ حضرت! یہ آپ نے کیا غضب ڈھایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقدس ہو رہا تھا اور آپ میرے والد کا قصہ لے بیٹھے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا، کیوں خان صاحب! آپ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبت ہے، اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باپ سے محبت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بجائے اپنے باپ کا تذکرہ شروع ہونے سے آپ کو غیرت کیوں آئی؟

آنحضرت ﷺ کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ الحمد للہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے قلب میں ہے، خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو، کتنا ہی لتھڑا ہوا ہو، جو شخص سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہے، اس کے دل میں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ضرور ہے، اور محبت بھی ایسی جو تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر ہے، نہ ماں باپ سے ایسی محبت ہو سکتی ہے، نہ اولاد سے، نہ بیوی سے، نہ کسی اور سے۔ کسی سے ایسی محبت نہیں ہو سکتی ہے جیسی کہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

لیکن محبت کی یہ چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہ اپنا اثر نہیں دکھاتی، اور وہ راکھ کیا ہے؟ خواہشات کی راکھ، نفسانی لذتوں کی راکھ، مادی تعلقات کی راکھ، آخرت سے غفلت کی راکھ، اور دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی من مانیاں کرنے کی راکھ، میرا کہنا یہ ہے کہ محبت کی اس چنگاری کو اس راکھ کے

ڈھیر سے باہر نکالو! اور ذرا اس کو ذکر الٰہی کی ہوا دو، پھر اس کی تپش دیکھو۔ بقول مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے "عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو سارے جہان کو پھونک ڈالتا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا عزم کرکے اس کو خواہشات کی راکھ میں سے نکالو! تمہارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت دبی ہوئی ہے وہ تمہارے چہروں پر نظر آئے، تمہارے لباس میں نظر آئے، تمہاری چلت پھرت میں نظر آئے، تمہارے اعمال میں نظر آئے، اخلاق میں نظر آئے، گفتگو میں نظر آئے، تمہارے معاملات میں نظر آئے، تمہارے بازار میں نظر آئے، تمہارے دفتر میں نظر آئے، تمہارے گھر میں نظر آئے۔

آپ ﷺ کی محبت کی خوشبو آنی چاہئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو وہ کستوری ہے کہ اگر اس کو بند نہ رکھا جائے اور اس کو خواہشات کی راکھ کے نیچے دبا نہ دیا جائے تو ہر جگہ مہکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک سراپا معطر تھا، تم نے سنا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سے گزر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے گلی کوچے مہک جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایسا معطر تھا کہ عنبر وکستوری کی خوشبو اس کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ تم نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور جب مسکراتے تھے تو دندان مبارک سے نور کی شعائیں نکلتی نظر آتی تھیں، تاریک اور اندھیری رات میں گھر کے اندر روشنی ہوجاتی تھی، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں کہ میں مسکراہٹ کے وقت دندان مبارک سے نکلنے والے نور کی روشنی سے سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھی۔ بہت سے اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کمرہ منور اور معطر ہوگیا اور بیدار ہونے کے بعد بھی کمرے سے خوشبو آتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جمال جہاں آراء اگر ہمارے دل میں بس جائے تو اس کی شعائیں ہمارے چہرے سے پھوٹنے لگیں، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائے تو اس کی خوشبو ہمارے وجود میں سے آنے لگے، اور ہماری اس خوشبو سے بازار مہک اٹھیں، اس سے ہمارے دفاتر مہک اٹھیں، اس سے ہمارے گھر مہک اٹھیں، ایسی محبت کا رنگ اور ایسی محبت کی جھلک تمہیں ہر جگہ نظر آئے، ہماری ہر نشست وبرخاست میں نظر آئے۔

درود شریف کی خوشبو

بہت سے اکابر کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شب جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ تو میں انکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں، محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

محبوب کے تعلق والوں سے محبت

اور دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے تعلق والوں سے محبت ہو، مشہور ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کے پاؤں چومتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے گزرا ہے، بس اتنا تعلق تھا کتے کو لیلیٰ سے، لیکن عاشق کی نظر میں اتنا سا تعلق بھی اس کے پاؤں چومنے کو کافی تھا۔ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق ہو، سچی محبت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے درجہ بدرجہ ہمارے محبوب بن جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی عزت و حرمت ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اور جزو ایمان بن جائے۔ آخر کیا بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعلق والے حضرات کے بار بار فضائل بیان فرمائے؟ کبھی عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، کبھی خاص خاص حضرات کے، کبھی مہاجرین کے، کبھی انصار کے، کبھی اصحاب بدر کے، کبھی اصحاب حدیبیہ کے؟ اس لئے کہ ان حضرات نے اللہ و رسول کی راہ میں محض رضائے الٰہی کی خاطر قربانی و جاں نثاری کے بے مثال نمونے پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعلق و محبت کا حق ادا کر دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کی عزت و حرمت ہمارے لئے جزو ایمان بن گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام و متعلقین ہمارے لئے محبوب و معظم بن گئے۔ صحابہ کرام بھی، اہل بیت عظام بھی۔

حضرت ابوبکر و عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب کے سرتاج تھے، اس لئے

وہ سب سے آگے نکل گئے۔ پوری امت میں ان کے برابر کا کوئی نہیں، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ابتدائے نبوت سے عطا فرمائی، اور آج تک روضہ "مطہرہ" میں بھی یہ رفاقت حاصل ہے۔ انشاء اللہ! حشر میں بھی حاصل ہوگی، اور جنت میں بھی ——
میں نے اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قسمت کے کیا کہنے، جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودہ راحت ہیں، ان حضرات کو ساری عمر رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل رہی، اور رفاقت کا یہ سلسلہ اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا، یہ رفاقت آج بھی باقی ہے، اس موقع پر میں نے فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ فارسی شعر نقل کیا ہے کہ:

از پاک داماناں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

یعنی: "حسن، پاک دامنوں سے احتراز نہیں کیا کرتا، بلکہ پاک دامنوں کو حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ آفتاب جو مظہر حسن ہے، آئینہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سویا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ پاک وصاف ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ آئینہ آفتاب کے سامنے کردو تو وہ آفتاب کو آغوش میں لے لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب حسن ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئینہ کی طرح پاک صاف ہیں، وہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج بھی ہم آغوش ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، اور جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھیں گے۔ گویا حشر کے دن بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل رہے گی، اور پھر جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ان دونوں بزرگوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، بزرگان دین، اولیأ عظام اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام بندے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے منظور نظر ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات والطاف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا لازم ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے دشمنی بھی رکھتے ہو؟ بھئی، یہ تو آئین وفا کے خلاف ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت رکھو۔

آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے بغض

اور آئین وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے بغض اور نفرت رکھو۔ ہمارا جذبہ محبت یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں وہ میرے دشمن ہیں۔ تمہیں کتے اور خنزیر سے اتنی نفرت نہ ہو جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہو، تمہیں کسی گندگی اور غلاظت سے اتنی بدبو نہ آئے جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بدبو آتی ہو، یہ قادیانی ٹولہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، موذی ہیں، گستاخ ہیں، لیکن تم ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو، اور دعویٰ محبت بھی رکھتے ہو؟ غلط! بالکل غلط! اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، محبت ہوتی تو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض ہوتا، ان سے نفرت ہوتی۔

قادیانی دوست؟

بعض لوگ مجھے خط لکھتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے"—— "میرا ایک عیسائی دوست ہے"—— "میرا ایک ہندو دوست ہے"۔ مجھے اس لفظ سے بہت تعجب ہوتا ہے، کہ کیا تمہاری ہر قادیانی سے، ہر عیسائی سے، ہر ہندو سے دوستی ہے؟ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو کیا کوئی قادیانی، کوئی ملحد و زندیق، کوئی بددین، بے ایمان، کوئی عیسائی اور چوہڑا تمہارا دوست ہو سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی غیرت مند کی اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی دوستی ہو سکتی ہے؟ کیا تم نے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی کبھی کہا کہ "میرا ایک دوست میرے باپ کا قاتل ہے؟" تم بلاتکلّف لکھ دیتے ہو کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے"۔ اور یہ سوچتے نہیں کہ کیا ایک قادیانی مرتد بھی کبھی کسی مسلمان کا دوست ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی بھی تمیز نہیں؟ جو لوگ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جو لوگ کہ ملعون قادیانی کو "مسیح موعود" اور "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں، تم ان کو اپنا دوست کہتے ہو؟ اس لئے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت ہو، اسی طرح ایک

تقاضائے محبت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ایسی نفرت ہو، ان سے ایسا بغض ہو کہ ایسی نفرت اور ایسا بغض پلید سے پلید چیزوں سے بھی نہ ہو۔

امیر شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے اپنی زندگی میں صرف دو چیزوں سے نفرت ہے، ایک قادیانی، دوسرے انگریز، باقی کسی سے ایسی نفرت نہیں“۔ اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ”میں ان سؤروں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے تیار ہوں جو انگریز کی کھیتی کو نقصان پہنچائے“۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں فرماتے تھے کہ ”خواجہ ناظم الدین صاحب! مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کردیجئے! میں اس کی شکر گزاری میں ہر خدمت اور ہر نوکری بجالانے کو تیار ہوں“۔ یہ قادیانیوں اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی نفرت کا اظہار تھا، اب اس سے زیادہ نفرت کا اظہار کیسے کریں؟ اور پھر اس کا صلہ بھی دیکھا؟ جو حضرت امیر شریعتؒ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا؟ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ فوت ہوگئے ہیں، ان کے صاحبزادے موجود ہیں، ان سے پوچھ لو، حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، اور وہاں پہنچ کر ہجرت کا ارادہ کرلیا، کہ باقی زندگی بس یہیں رہنا ہے، پاکستان واپس نہیں جانا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حکم فرمایا کہ ”یہاں رہنے کی اجازت نہیں، واپس پاکستان جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے، وہاں رہ کر دین کا کام کرو، اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہہ دینا“۔

محبت والوں کو بارگاہ عالی سے نوازا جاتا ہے

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرکے تو دیکھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات کا لطف دیکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر محبت رکھنے والے کو اس کی محبت کا صلہ محبت سے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وفادار ہیں، ہماری پنجابی میں اس کو "لج پال" کہتے ہیں، یعنی لاج رکھنے والے ــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اپنے محبین کی لاج رکھنے والے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے آداب و شرائط کو بجالاؤ۔ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں کہیں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بزرگ غالباً حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے یہاں ایک کتا تھا، ایک دن اس کو دیکھا کہ کتیوں کے پیچھے پھر رہا ہے، فرمایا کہ اس کو نکال دو یہاں سے، یہ ہمارے دروازے پر رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تم کتیوں کے پیچھے پھرتے ہو، اور چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے لائق بن جاؤ؟ کتوں اور کتیوں کے پیچھے پھرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں محبوب ہوجائیں؟ اور ہم مقبول بن جائیں؟

عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں جاتی

کہتے ہیں کہ "جی! بد نظری ہوجاتی ہے"۔ ارے اگر تمہاری ایک پر نظر ہوتی تو دوسرے پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں، یوں کہتے ہیں کہ ایک حسینہ جارہی تھی کوئی لونڈا اس کے پیچھے لگ گیا، وہ اس سے کہنے لگی کہ "تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہو؟" اس نے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"۔ حسینہ نے کہا "ارے تم مجھ سے محبت کرکے کیا لوگے؟ پیچھے میری بہن آرہی ہے، اگر تم اس کو دیکھ لو تو

اس پر ایسے فریفتہ ہو جاؤ کہ مجھے بھول جاؤ، میں تو حسن و جمال میں اس کی پاسنگ بھی نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ وہ دیکھو! پیچھے میری بہن آرہی ہے"۔ اس نوجوان نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس حسینہ نے نوجوان کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، اور کہنے لگی کہ "او بوالہوس! دعویٰ عشق کا؟ اور دوسروں کو دیکھنا؟" عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بس اسی کے ہو رہو، اس کے علاوہ کسی کو دیکھو ہی نہیں۔ عارف کہتے ہیں:

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم ازہمہ عالم فرو بند

ترجمہ: "تمہارا جو محبوب ہے بس اسی میں دل لگاؤ، اس کے سوا سارے عالم سے آنکھیں بند کرلو"۔

سنو!! مسجد میں بیٹھا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور صاحب جمال دلربا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا، محبت کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو، تم کن چیزوں کے پیچھے لگ گئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تم کن سفید چمڑیوں کے پیچھے لگے ہو؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قدخلقت کما تشاء

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی

کوئی شخص میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحب جمال کسی ماں نے بچہ نہیں جنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے بنادیئے گئے"۔

اور میری اماں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے"۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمال یوسفی سے ایسی مبہوت ومدہوش ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ ام المؤمنین فرماتی تھیں کہ "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اگر وہ میرے یوسف کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھ لیتیں تو چھریاں ہاتھوں پر نہ چلتیں بلکہ دلوں پر چلتیں اور اپنی گردنیں کاٹ لیتیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل دنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی وضع اور شکل وشباہت اختیار کرو

اللہ کے بندو! تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت کو چھوڑ کر غیروں کی شکل وشباہت اپناتے ہو؟ تمہیں گمراہ اور ملعون قوموں کی شکل وشباہت اور طور وطریق بھاتے ہیں؟ ہائے! تمہاری نظریں کدھر بھٹک گئیں؟ آؤ! جمال محمدی کو دیکھو! (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوب رب العالمین کے طریقوں کو اپناؤ!!

آنحضرت ﷺ محبوب رب العالمین ہیں

دیکھو! تم کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کو حسین دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہو، اب سوچو کہ جس مقدس ہستی سے رب العالمین محبت کرتا ہے اور جو ہستی حبیب کبریاء ہے اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کے حسن انتخاب نے پوری کائنات میں سے حسین ترین ہستی کو چن کر اپنا محبوب بنایا ہے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق سے محبت فرمارہے ہیں جن کو خود پیدا کیا ہے، اس سے کچھ اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے حسین وجمیل ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرمارہے ہیں؟ الغرض محبوب رب العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسروں کے طور وطریق سے نظریں ہٹادو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال پر اپنی نظریں گاڑ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ فارسی کی ایک غزل ہے اس کے دو شعر بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حال ہیں، اس کا ایک شعر تو یہ ہے:

همه آهوان صحرا سر خود نهاده بر کف
بامید آنکه روزے به شکار خواہی آمد

ترجمہ: ”جنگل کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر لئے پھر رہے ہیں، اس امید پر کہ کسی دن آپ صلی اللہ علیہ

وسلم شکار کے لئے تشریف لائیں"۔

یہ حجۃ الوداع کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربان کئے تھے، سات اونٹوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں سے ہرایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپک رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بسم اللہ فرمائیں۔

اور فرماتے تھے کہ دوسرا شعر ہے ؎

عشقے کہ بتو دارم نہ گزاردت بدیں ساں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ترجمہ: "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے وہ آپ کو ایسے تو چھوڑے گی نہیں، اگر جنازے پر نہیں، تشریف لائیں گے تو مزار پر آئیں گے"۔

اس کی شرح یہ ہے کہ قبر میں مردہ سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔

① تیرا رب کون ہے۔ ② تیرا دین کیا ہے۔ ③ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ: "تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ قبر میں مردہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراکر یہ سوال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ ثابت ہو تو مؤمن کے لئے بڑی بشارت ہے۔

سُنّت سے طبعی رغبت ہونا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے ہمیں طبعی رغبت ہوجائے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو لوکی پسند تھی، میں سات سال تک لوکی کھاتا رہا ہوں۔ دو وقت روزانہ لوکی کا سالن کھاتا تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھی، مجھے اس پورے عرصے میں کبھی اس سے اُکتاہٹ نہیں ہوئی، ایک دفعہ بیمار ہوا تو ڈاکٹر حکیموں نے یہ کہہ کرکے چھڑادی کہ مسلسل لوکی کھانے سے اس کا معدہ ٹھنڈا ہوگیا ہے اس کی لوکی چھڑاؤ، تب سے یہ چھوٹ گئی، ورنہ سات سال تک بغیر اکتاہٹ کے دو وقت کھاتا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہماری رغبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت میں فنا ہوجائیں اور ہمارا یہ ذوق اور مزاج بن جائے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ ہمیں محبوب ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے سے داڑھی کے بال نہیں رکھے جاتے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ، اور یہ معمولی سا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے؟ تم یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرتے ہو لیکن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے تمہیں بھول گئے ہیں، اور بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ ان کو ان چیزوں سے نفرت ہوگئی ہے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق سے نفرت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غور کرو اور انصاف کرو کہ کیا کسی اُمتی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوسکتی ہے؟ اور جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع اور شکل وشباہت سے نفرت ہوجائے اس کو مسلمان کہنا صحیح ہے؟

ایک حدیث

اب آخر میں ایک حدیث نقل کرکے ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"احبوا اللّٰہ لما یغذوکم من نعمہ، واحبونی لحب اللّٰہ، واحبوا اھل بیتی لحبی۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اپنی نعمتوں سے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی وجہ سے"۔

حق تعالیٰ محبوب مطلق ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت ان کی ذات عالی کی وجہ سے بھی لازم ہے، ان کی صفات کمال اور جلال وجمال کی وجہ سے بھی، اور ان کی عطاء ونوال کی وجہ سے بھی۔ چونکہ انعامات واحسانات کا استحضار عام لوگوں کے لئے محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: "الانسان عبدالانسان۔" "انسان احسان کا غلام ہے"۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات الٰہیہ کو پیش نظر رکھنے کا حکم فرمایا، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں غذائیں دیتا ہے، روزی عطا کرتا ہے، وہ تمہارا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، مربی بھی ہے، رب العالمین بھی ہے، اس لئے اس سے محبت رکھنا لازمۂ عبدیت ہے۔ اور سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی بھی اللہ کی عطاؤں میں سے ایک عطاء ہے، اصل معطی حقیقی

وہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی زندگی تمہارے سامنے گزری ہے۔ جب تم نے اس انسان کامل کو نہیں پہچانا تو رب العالمین کو کیسے پہچانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں چلتے پھرتے نظر آتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر فریفتہ نہیں ہوسکے تو پروردگار عالم جل شانہ تو ان مادی آنکھوں سے کبھی نظر بھی نہیں آتے ان سے تم کیا محبت کروگے؟ درحقیت اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب ہیں تمام انبیاؑ کرام کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ کی شان محبوبیت کا مخلوق کیا ادراک کرسکتی ہے؟ سبحان اللہ! ہمارے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجابی میں حسین اور خوبصورت کو "سوہنا" کہتے ہیں۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ دوسرے حسین تو "سوہنے" ہیں، یعنی صاحب حسن وجمال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو "سوہنا" نہیں بلکہ "سناہپ" کہنا چاہئے۔ یعنی "عین حسن وجمال" اس کا جمال اپنی آخری انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں، وہ صاحب جمال نہیں بلکہ "عین جمال" ہیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو! اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون تک تمہاری نظر نہیں جاتی، اگر اللہ تعالیٰ کی صفات جلال وجمال تک بھی تمہاری نظر نہیں پہنچتی تو اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ تمام انعامات ظاہری وباطنی اسی کی عطا ہیں، اور اس کے انعامات کسی ایک شخص تک محدود نہیں، بلکہ پورے کا پورا

جہان اس کے انعامات و احسانات کے دریا میں غرق ہے۔

ایک جامع دعائے شکر

میں نے یہاں مسجد میں ایک دعا لکھوا کے لگائی تھی، اب شاید اتار دی گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے:

> "اللهم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر۔"
>
> ترجمہ: "یا اللہ! آج کے دن مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جو کوئی بھی احسان ہے اور جو کوئی بھی نعمت ہے وہ محض اور صرف ایک آپ ہی کی جانب سے ہے، اس کی عطا میں اور کسی کا دخل نہیں، سو آپ ہی کے لئے حمد ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا صبح کو تین مرتبہ پڑھے اس نے سارے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کردیا، اور جو شخص شام کو یہ دعا تین مرتبہ پڑھے اس نے رات بھر کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کردیا۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا کی تلقین فرمائی۔ اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام انعامات کا منبع اور تمام فیوضات وبرکات کا سر چشمہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے، وہی پاک ذات لائق حمد ہے، اور وہی لائق شکر ہے۔ اللهم لك الحمد ولك الشكر۔ اس لئے اگر تم کو

حق تعالیٰ کے جلال وجمال کا ادراک نہیں تو کم سے کم اس کے بے پایاں احسانات کی وجہ سے اس سے محبت رکھو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے"۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتے ہیں تو تم کو بھی بدرجہ اولیٰ مجھ سے محبت رکھنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی بنا پر محبت رکھتے ہو تو مجھ سے بھی محبت رکھو، اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم وتربیت کے لئے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے، تمہیں محبوب حقیقی کا راستہ بتاتا ہوں، آداب عبدیت، آداب انسانیت تم کو سکھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیا وآخرت کی خیر میری پیروی میں رکھی ہے، اس لئے تمہارا اولین فرض ہے کہ مجھ سے محبت کا تعلق رکھو۔ اور فرمایا کہ:

"میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو"۔

گویا جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس کو لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت ہوگی، اور جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، آل واولاد کی محبت نہیں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت نہیں، اس کا دعوائے محبت ہی نہیں بلکہ دعوائے ایمان بھی مشکوک ہے۔

اب دعا کیجئے

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار اور اہل بیت عظام کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اس محبت کے لئے مستعد فرمادیں، اور ہمارے دلوں پر جو خواہشات کا زنگ ہے، گرد و غبار ہے، سیاہی و تاریکی ہے اور نامعلوم کیا کیا گند بلا ہمارے دلوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہمارے دلوں سے نکال کر اپنے لطف وکرم سے ان کو پاک صاف فرمادیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھردیں، اور محبت کی خوشبو ہمیں نصیب فرمائیں۔ یااللہ! ہم محتاج ہیں، یااللہ! ہمارے احتیاج پر، ہمارے فقر پر، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
محمد النبی الامی والہ واصحابہ وازواجہ
واھل بیتہ اجمعین، برحمتک یا ارحم
الراحمین۔
وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

لیلۃ القدر

کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

فضائل رمضان میں ایک جامع حدیث

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" کے خاتمہ میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ خاتمے میں ایک طویل حدیث، جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کرکے اس رسالے کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

> "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کے لئے جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے

نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام ''میثرہ'' ہے، (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑی ہو کر آواز دیتی ہیں کہ ''کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا، تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟'' پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ ''رضوان'' سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ ''رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لئے آج کھول دیئے گئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے، اور ''مالک'' یعنی جہنم کے داروغہ سے فرما دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے، اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور ''سرکش شیاطین'' کو قید کرو، اور ان کے گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک "منادی" کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ "ہے کوئی مانگنے والا کہ جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں، اور ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہوچکے تھے۔ اور جب رمضان المبارک کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔ اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں، وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو بیت اللہ شریف کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازوؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو

تقاضا (حکم) فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں، اور اس سے مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حاجتوں اور مؤمنوں کی ضرورتوں کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر عنایت اور توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو (اور اس سے توبہ نہ کرے) دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا ہو، اور ناتا توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو، جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (اس کا نام آسمانوں) پر "لیلۃ الجائزہ" یعنی "انعام والی رات" سے لیا جاتا ہے۔ اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیج دیتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں،

اور ایسی آواز سے، جس کو انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا پورا کام کرچکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان المبارک کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرماکر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو! میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے، میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا)، میری عزت کی قسم! اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت

نہیں کروں گا۔ پس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا، میں تم سے راضی ہوگیا۔ پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جوان کو عید الفطر کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔
"اللهم اجعلنا منهم" "یا اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ آمین" (فضائل رمضان صفحہ ٦٠)

شب قدر رحمت خداوندی کی رات

میں نے حدیث کا صرف ترجمہ پڑھا ہے۔ اس پر شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے کچھ فوائد بھی لکھے ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک مختصر سا نقشہ اس حدیث شریف میں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پر کتنی عنایت اور کتنی رحمت ہے، اور کریم آقا نے اپنے بندوں کو بخشنے کے لئے کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ یہ ستائیسویں رات عام طور پر شب قدر کی رات کہلاتی ہے، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ شب قدر کی رات کون سی ہے، کون سی طاق رات میں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں علما کے بہت سے اقوال ہیں، عام علما کرام کا رجحان یہ ہے کہ ستائیسویں کی رات شب قدر ہوتی ہے۔ بہرحال شب قدر خواہ کوئی سی رات میں ہو، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں ہمیں نصیب فرمائے۔ اب اس سلسلے میں کوشش کروں گا کہ مختصراً چند باتیں عرض کروں۔

حضرت عائشہؓ کی برأت کا واقعہ

پہلی بات یہ ہے کہ سورہ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں کے بہتان لگانے کے قصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقوں کی اس لب تراشی سے متأثر ہوکر ایک دو مخلص مسلمان بھی اس میں ملوث ہوگئے تھے، وہ بھی باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سخت الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی ہے:

"یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا۔ الایۃ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے۔"

کسی مسلمان پر تہمت لگانا، اور مسلمان بھی کون؟ مسلمانوں کی ماں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان پر کسی مسلمان کی طرف سے گندگی کا منسوب کیا جانا کوئی چھوٹی بات ہے؟ حضرت مسطح ابن اثاثہ مہاجرین میں سے تھے اور نادار فقیر تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز تھے، ان کے تمام خرچ اخراجات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہ بھی منافقوں کی باتوں سے متأثر ہوکر اُم المؤمنینؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب حضرت عائشہؓ کی برأت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اولئک مبرء ون مما یقولون الخ یعنی منافق لوگ جو بدزبانی کررہے ہیں، یہ حضرات اس سے بری ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رنج کا واقعہ

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کا اعلان

فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ تو آنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ انہوں نے غصے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح ابن اثاثہ کو خرچ نہیں دوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ غصہ اللہ کی خاطر تھا، کسی کی بیٹی پر ایسی تہمت لگائی گئی ہو تو خود سوچئے کہ پھر ہمارا معاملہ اس تہمت لگانے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیٹی پر بدکاری کی تہمت کون برداشت کرتا ہے؟ پھر یہ بیٹی بھی تو عام بیٹیوں جیسی نہیں تھی، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور غصہ میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کو خرچ نہیں دیں گے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اس قسم سے باز رکھنے کے لئے سفارش فرمائی، گویا مسطح کی سفارش کی کہ ان کا خرچ بند نہ کیا جائے۔ "ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعة الخ" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش ہیں، جو صاحب خیر ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں "ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللہ" کہ وہ اپنے قرابت والوں کو جو کہ فقیر ہیں اور مہاجر فی سبیل اللہ ہیں، ان پر خرچ نہیں کریں گے، اور ان کو آئندہ خرچ نہیں دیں گے۔ "ولیعفوا ولیصفحوا" یعنی ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ "الاتحبون ان یغفر اللہ لکم" یعنی کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے تو تم بھی ان لوگوں کو بخش دو اور درگزر سے کام لو، تم اللہ کے قصوروار ہو اور اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہو تو لازم ہے کہ تم قصور والوں کو معاف کردو۔ "ان اللہ غفور رحیم" بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ واقعی

اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے، کیونکہ تمہارا مجرم کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا اور اس کے مجرم بے شمار ہیں۔ تمہارا قصور کسی نے کوئی ایک آدھ کیا ہوگا، اس کے بندوں نے بے شمار جرم اور بے شمار قصور کئے ہیں، جب ان تمام جرائم کے باوجود اور ان تمام قصوروں کے باوجود بندے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے تو اگر کسی نے تمہارا ایک آدھ قصور کردیا تو تم بھی معاف کردو۔

"ولایاتل اولی الفضل منکم والسعۃ" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور گنجائش والے ہیں۔ صاحب فضیلت اس شخص کو کہتے ہیں، جس کو بڑائی حاصل ہوتی ہے، اور صاحب گنجائش وہ شخص ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی نسبت مال زیادہ عطا فرمایا۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں تقریباً پندرہ وجوہ سے، پندرہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے، اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ان کو "اولو الفضل" فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش کہ قصوروار کو معاف کردیا جائے

اور اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جن کی ہستی سے بڑی

کوئی ہستی نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصور وار کا قصور معاف کروانے کے لئے اور ایک مجرم کو درگزر کرنے کے لئے سفارش فرمارہے ہیں، اور سفارش کا انداز بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا کہ پہلے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور پھر ان کی فضیلت کے حوالے سے فرمایا کہ ہاں، ہاں، آپ جیسے آدمی کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ گویا ان کو فرمایا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی چھوٹی بات پر قسم کھاتے ہو؟ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ: "ولیعفوا ولیصفحوا" معاف کر دو اور درگزر سے کام لو، اور پھر آخری بات فرمادی: "الاتحبون ان یغفر اللہ لکم" کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے؟ ظاہر ہے کہ کون نہیں چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، جب تم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہو تو خود بھی لوگوں کے ساتھ بخشش کا معاملہ کرو۔

بخشش چاہتے ہو تو تم دوسروں کو معاف کردو

میں نے یہ جو قصہ ذکر کیا ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ کا حوالہ دیا ہے، میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ٹھیک ہے بھائی! ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا بھی کسی نے کوئی قصور کیا ہوگا، کیا ہم نے اس کو معاف کردیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے اپنے تمام قصور واروں کو معاف کردیں۔ آج کے دن تک اور آج کی رات تک ہمارا جس شخص نے بھی جو بھی قصور کیا ہو، ہمیں صدمہ پہنچایا ہو، ہمیں رنج پہنچایا ہو، کوئی نازیبا حرکت اس نے کی ہو، سب کو معاف کردیں، اور

ہم اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری طرف سے سب کو تمام قصور معاف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود ہماری معافی کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہے، ہم معاف کردیں گے تو ہمارے لئے بھی معافی کا حکم ہوجائے گا۔ جب ہم سب کو معاف کرکے بارگاہ الٰہی میں معافی طلب کرنے کے لئے آئیں گے تو انشاء اللہ ہمیں بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: "الراحمون یرحمهم الرحمٰن" "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔"

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۳)

تو ایک گزارش تو میری یہ ہے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ، اپنے تعلق والوں کے ساتھ، ہماری کوئی نہ کوئی لڑائی چلتی رہتی ہے، کون آدمی ہے جس کی کسی کے ساتھ لڑائی نہ ہو؟ بندہ، بندہ ہے، کمزور ہے، کبھی کسی کی حالت سے رنج ہوتا ہے، کبھی کسی کی بات سے آدمی کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بعض لوگ تو رنجیدہ ہو کر قسم کھالیا کرتے ہیں کہ میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا۔ اچھا بھائی! تم معاف نہیں کروگے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا یہ چاہو گے کہ اللہ تعالیٰ بھی قسم کھالیں کہ وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے؟ نہیں! ہم تو کمزور بندے ہیں، ہم تو یہ چاہیں گے کہ اللہ کریم ہمیں معاف کردیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیں تو خود سوچو کہ پھر ہمیں ایسی قسم کھانے کا کیا حق ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟

شب قدر کی دعا

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ رب العزت سے یہ کہنا کہ:

"اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ: "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ مجھے بھی معاف کر دیجئے۔" (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۸۲)

یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ آج کی رات ہی "شب قدر" ہے یا کوئی اور رات شب قدر ہے۔ بہرحال وہ ہم پر گزرے گی اور رحمتیں وبرکتیں بکھیر کر جائے گی۔ ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔ ہمیں پتہ ہونا ضروری نہیں۔ پتہ چلے گا اس دن، جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہم پر اس شب مبارک کی وجہ سے انعامات ہوں گے۔ بہرحال اس شب قدر کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی۔ "اللھم انک عفو" "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں۔" "تحب العفو" "آپ معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔" مخلوق انتقام لینا چاہتی ہے اور انتقام کو پسند کرتی ہے، لیکن یا اللہ! آپ انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ "فاعف عنی" "پس مجھے بھی معاف فرما دیجئے۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: "تخلقوا باخلاق اللہ" "اللہ تعالیٰ کے

اخلاق کو اپناؤ۔"

اگر ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں تو لازم ہے کہ ہم بھی تمام لوگوں کو معاف کردیں۔ آج سے لوگوں کے تمام کھاتے بے باق کردیں۔

چار آدمی جن کی بخشش نہیں ہوتی

اب دوسری بات، حدیث شریف جو میں نے آپ کو سنائی، اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں فرماتے۔ رمضان المبارک میں جیسا کہ آپ نے سنا، ہر رات دس لاکھ ایسے آدمیوں کی بخشش کی جاتی ہے کہ جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی، اور ان سے فرمادیا جاتا ہے کہ جاؤ آزاد کیا، اور رمضان المبارک کی آخری رات میں اتنے لوگوں کو معاف کیا جاتا ہے، جتنے لوگوں کو یکم رمضان سے آخری رات تک معاف کیا گیا تھا۔ اللہ اکبر! اتنے لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت الٰہی کا گویا سیلاب ہے، جو بندوں کے گناہوں کو بہاکر لے جاتا ہے۔ لیکن چار آدمیوں کی بخشش رمضان المبارک کی عام راتوں میں تو کیا، شب قدر میں بھی نہیں ہوتی۔ بھئی ان سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوگا۔ شب قدر میں جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی کا اعلان کیا جارہا ہے، ان کی بخشش نہیں ہورہی۔ وہ چار کون ہیں؟ ایک تو شراب کا عادی، ایسا بلانوش کہ جس نے شراب سے توبہ نہ کی ہو، اور اس گناہ سے توبہ کرنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی ہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کی ایک کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی نوّر اللہ مرقدہ کا جس دن انتقال ہوا، اس

دن ہم لوگ حضرت کے مکان پر جمع تھے، حضرتؒ کے صاحبزادے نے ایک قصہ سنایا، کہنے لگے کہ ایک شخص مطب میں آیا، مجھ سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہیں؟ اس وقت حضرتؒ کی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی جہاں پاپوش میں حضرتؒ کا مطب تھا، اور عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس لگتی تھی۔ میں نے کہا بیٹھے ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے۔ مطب کا جو دروازہ احاطے کی طرف کھلتا تھا، اس نے وہ دروازہ کھولا اور دونوں کواڑ پکڑ کر کھڑا ہوا کچھ دیر حضرتؒ کو دیکھتا رہا، اور واپس آکر دوبارہ بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، میں نہ ان کا شاگرد ہوں، نہ مرید، اور میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، مجھے شراب پینے کی عادت تھی، میری بیوی بچے، دوست احباب سب نے اس کو چھڑانے کی ہرچند کوشش کی، لیکن:

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ایک شادی کی تقریب میں، میں مدعو تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی وہاں تشریف لے گئے، اور میرے جانے سے پہلے حضرتؒ وہاں بیٹھک میں تشریف فرما تھے، اور جس طرح اس وقت محفل گرم ہے، اسی طرح لوگ حضرتؒ کے اردگرد جمع تھے، حضرتؒ اپنے ملفوظات بیان فرمارہے تھے، میں دروازے میں داخل ہوا تو حضرتؒ اپنی بات چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے، اور جب تک میں بیٹھ نہیں گیا، برابر میری طرف دیکھتے رہے، جب میں بیٹھ گیا تو حضرتؒ نے پھر اپنی بات شروع کردی، وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے دوبارہ نہیں پی۔ ایک نظر کافی ہوگئی۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی، حضرتؒ کا شعر ہے ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے میخانہ

حضرتؒ کی ایک اور کرامت

ایک قصہ اور یاد آیا جو ایک بزرگ نے سنایا تھا، ستّر (۷۰) سال کے بڑے میاں تھے، حضرتؒ سے تعلق تھا، کسی لڑکی کو ٹیوشن پڑھانے لگے اور وہ بدبخت ان کے دل میں بیٹھ گئی۔ اب ستّر سال کا بوڑھا ایک چھوکری کو دل دے بیٹھا۔

بوڑھوں سے بھی پردہ کیا جائے

بھئی! بڑے بوڑھوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ضعیف العمر باباجی ہیں، ان سے کیا پردہ؟ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ پرانا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ الغرض یہ بڑے صاحب تین چار مہینے پریشان رہے کہ کیا کروں، کسی کو کیسے بتاؤں؟ جب پریشانی حد سے سوا ہوئی تو آخر فیصلہ کرلیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہوں، وہ اس بلا سے نجات کی کوئی تدبیر بتلائیں گے، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بتایا کہ حضرت کیا کروں؟ آپ کوئی تدبیر بتلایئے؟ حضرت نے سن لیا، جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا، بس سن لیا اور خاموش رہے، اس کے بعد دوسرے لوگ آگئے، حسب معمول حضرت کے ملفوظات شروع ہوئے، کافی دیر تک مجلس جاری رہی، جب میں حضرتؒ کی مجلس سے اٹھا تو دل بالکل صاف تھا، اس میں کوئی کوڑا کرکٹ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی۔

شراب خانہ خراب کی بربادیاں

شراب اتنی گندی چیز ہے کہ دل کو گندہ کردیتی ہے، جس طرح پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اسی طرح شراب بھی نجاست غلیظہ ہے، لوگ اُس سے تو گھن

کرتے ہیں، مگر اس ''شراب خانۂ خراب'' سے گھن نہیں کرتے، حالانکہ یہ اُم الخبائث ہے، کہتے ہیں ایک بزرگ کسی بدمعاشوں کے ٹولے میں پھنس گیا تھا۔ اس کو مجبور کیا گیا کہ یہ بچہ ہے، اس کو قتل کرو، یا یہ عورت ہے، اس کے ساتھ بدکاری کرو، یا کم سے کم درجہ میں یہ شراب ہے، یہ پی لو، ورنہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ یہ پریشان ہوئے کہ یا اللہ! جان بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کروں؟ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں کاموں میں شراب پینا سب سے ہلکا کام ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو شخص دو بُرائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے، اسے چاہئے کہ سب سے کم درجہ کی بُرائی کو اختیار کرے، یہ سوچ کر انہوں نے اس کو اختیار کرلیا۔ شراب بڑی تیز تھی، شراب پینے کے بعد مدہوش ہوگئے، مدہوشی کے عالم میں بچے کو بھی قتل کیا، زنا کا بھی ارتکاب کیا، تینوں کام مکمل ہوگئے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں، واقعی یہ اُم الخبائث ہے، عقل و خرد اور ہوش و حواس کی دشمن ہے۔ تو جو لوگ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں، وہ اس اُم الخبائث سے توبہ کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

(مشکوٰۃ شریف)

مغفرت مانگنے والوں کو توبہ لازم ہے؟

اور میں نے ابھی کہا کہ اس بزرگ نے سمجھا کہ یہ ہلکا کام ہے، قتل اور زنا اس سے بدتر کام ہیں، لہٰذا ہلکا کام کرلو۔ آپ خود سوچ لیں کہ جو لوگ شراب کے عادی ہیں، جب شب قدر میں ان کی بخشش نہیں ہوتی تو اس سے بڑے گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں ان کی بخشش کیسے ہوگی، اس لئے بخشش مانگنے کے

لئے شرط ہے کہ ہم تمام گناہوں سے توبہ کرلیں، جن کو ہم جانتے ہیں ان سے بھی، اور جن کو ہم نہیں جانتے ان سے بھی، جو گناہ اعلانیہ کرتے ہیں ان سے بھی، اور جو چھپ کر کرتے ہیں ان سے بھی، اس لئے کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہے، لعنت اور رحمت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، جب تک کہ آدمی توبہ نہ کرلے، رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت کا مستحق اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کہ آدمی کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تاکہ لعنت اس کا پیچھا چھوڑ دے اور رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور "توبہ" کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہہ دو یا اللہ میری توبہ، یااللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ۔ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں۔ ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی استغفار کرتے ہیں، یا اللہ توبہ، یا اللہ معاف کردے، تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے کہ دل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کر رہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور ارادہ کرلیں، اور

گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین وایمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟ تو کہتا ہے کہ کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے۔ نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو ایمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟ تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں؟

توبہ کے قبول ہونے کے لئے شرط

توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرلیا جائے، پختہ ارادہ کرو کہ آئندہ ٹی وی نہیں دیکھیں گے، نامحرموں کو نہیں دیکھیں گے، کسی کی غیبت، یا چغلی نہیں کریں گے، عورتیں بے پردہ نہیں نکلیں گی، اسی طرح دوسرے جتنے بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ان کو چھوڑنے کا عزم کرو، میں نے مثال کے طور پر دو تین چیزیں بتائی ہیں، ورنہ ہم بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں، اور ان سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اب ہماری حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے کہ یہ کام نہ کیا کرو تو ہم اس کے ساتھ لڑ پڑتے ہیں، اس کو برا بھلا کہتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ جب دل سے سچی توبہ ہی نہ ہوئی ہو تو صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب دل تائب نہ ہو اور دل نے عزم نہ کیا ہو گناہ کو چھوڑنے کا، گناہ کی لذت، گناہ کی لعنت، گناہ کی نحوست اور گناہ کی سیاہی ہمارے قلب پر چھائی ہوئی ہے، تو پھر زبان سے توبہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور اس پر توبہ کا ثمرہ کیا مرتب ہوگا؟ میری بہنیں اور بیٹیاں اگر

بے پردگی نہ چھوڑیں اور ہزار بار روزانہ استغفار پڑھا کریں تو اس کا کوئی نفع نہیں ہے، عزم کرو گناہوں کو چھوڑنے کا، جو گناہ ہمیں معلوم ہیں اور جن گناہوں میں ہم ملوث ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا دامن ایمان نجس ہو رہا ہے، ان کو چھوڑنے کا عزم کریں، گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں اور صرف ایک دفعہ کہہ دیں کہ یا اللہ! میں نے گناہوں کو چھوڑنے کا سچے دل سے ارادہ کرلیا ہے، مجھے معاف کردیجئے، اللہ تعالیٰ فوراً معاف کردیتے ہیں، اسی (۸۰) سال کے گناہ کو بھی معاف کردیتے ہیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو ادا کریں۔ کسی کے پیسے دینے ہیں، اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دے دے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہوگے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمہ ہیں، ان سب کو ادا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا، اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کرلئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے کے لئے کافی ہے، مگر سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے

بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کرکے تو آئیں۔

ایک حدیث قدسی

حدیث قدسی میں آتا ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تو وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے) تو ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا۔ "ولا ابالی" اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۴)

مناجات مقبول میں ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے قرآن و حدیث کی دعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

"یامن لا تضرہ الذنوب ولا تنقصہ المغفرۃ،
اغفرلی مالا یضرک وھب لی مالا ینقصک"

ترجمہ: "اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔"

الغرض ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کو پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے گا، ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے۔ سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے،

اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین)۔ آپس کے جو حقوق ہیں، وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

والدین کا نافرمان

دوسرا آدمی جس کی مغفرت نہیں ہوتی، وہ والدین کا نافرمان ہے۔ یہ والدین کی نافرمانی بھی بڑی عجیب چیز ہے، آدمی کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میرے والدین اگر نہ ہوتے تو میرا وجود نہ ہوتا، میرے وجود کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بنایا، اب جن والدین کے وجود کو ہمارے وجود کا ذریعہ بنایا گیا، یہ انہی والدین کا مخالف ہے، انہی کا دشمن ہے، انہی کا نافرمان ہے۔ ماں نے ۹ مہینہ کم و بیش اس کو پیٹ میں رکھا، جس حالت میں رکھا، اور پھر جس حالت میں اس کو جنم دیا، وہ اس کی ماں سے پوچھو، پھر دو سال تک اسے اپنے جگر کا خون پلایا، جس کو دودھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے خون جگر کو دودھ میں تبدیل فرمادیتے ہیں، پھر اس کی سردی وگرمی کا، اس کی ضروریات کا احساس کیا، اس کو سوکھے میں لٹایا، خود گیلے میں لیٹی، صاحب بہادر بیمار ہوگئے تو ماں باپ دونوں نے اس کو ہاتھوں میں لے کر رات آنکھوں پر کاٹی، والدین کا اتنا حق ہے کہ اولاد کسی صورت میں اس حق کو ادا نہیں کرسکتی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے والد کا حق کس طرح ادا کرسکتا

ہوں؟ ارشاد فرمایا، نہیں! والد کا حق ادا نہیں ہو سکتا، صرف ایک صورت ہے کہ وہ غلام ہو تو اس کو خرید کر آزاد کردے تو کسی درجہ میں والد کا حق ادا ہو جائے گا۔ والدین کے اتنے احسانات ہیں اولاد پر کہ ان کا بدلہ چکانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد کے ذمہ کیا حق ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت ہیں یا تیری دوزخ ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ۴۲۱)

والدین کو دیکھنے پر حج کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو فرمانبردار اولاد نظر رحمت کے ساتھ والدین کے چہرے پر نظر ڈالے تو ہر بار نظر ڈالنے پر اس کے لئے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب لکھا جائے گا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ۴۲۱)

یعنی حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں اور رحمتیں ہمارے پیمانۂ عقل وفہم سے بالاتر ہیں، روزانہ سو حج کا ثواب لکھا جانا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے۔ پس جب والدین کا یہ درجہ ہے کہ ان کے چہرے پر ایک بار نظر رحمت ڈالنا حج مبرور کا ثواب رکھتا ہے تو والدین کی نافرمانی وگستاخی کا وبال بھی اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے، تو والدین کے نافرمان کی اس رات میں بھی اگر بخشش نہ ہو تو کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ جرم ہی اتنا بڑا اور سخت ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے

حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر اس کو لازم پکڑ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے کہ: "الجنة تحت اقدام الامهات" (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱) یعنی "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں بخش دیں، سوائے والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مرنے سے پہلے زندگی میں دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کا دنیا میں وبال

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اس حدیث کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی، چنانچہ فرماں برداروں کو پنپتے دیکھا اور والدین کے نافرمانوں کو ہلاک اور ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ دراصل دنیا دارالجزا نہیں، جزا وسزا کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن رکھا ہے۔ جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے قیامت پر اٹھا رکھی ہیں، یہاں جرم کی سزا نہیں دیتے، ہاں! تھوڑی سی گوشمالی کر دیتے ہیں، ورنہ پوری سزا آگے قیامت کے دن ملے گی، لیکن ظلم، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی "سزا" دنیا میں نقد ملتی ہے، اور ظالم، قطع رحمی کرنے والا اور والدین کا نافرمان اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اولاد کی نافرمانی میں والدین کا قصور

اس زمانے میں تو والدین کی عزت و آبرو کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اس میں قصور اکیلا صرف اولاد کا نہیں، بلکہ تھوڑا سا قصور والدین کا بھی ہے۔ مرحوم اکبر الہ آبادی کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم مادیت کی تعلیم ہے، یہ انسانیت کی تعلیم نہیں، بلکہ حیوانیت کی تعلیم ہے۔ پس جب انسانیت مفقود ہو اور انسانیت کی تعلیم مفقود ہو تو والدین کی قدر کیا ہوگی؟ یہ تو خاصۂ انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

غلط کام میں والدین کی فرمانبرداری جائز نہیں

میں اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کو بطور خاص نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔ اگر وہ ظلم کریں، ستائیں، زیادتی کریں، تب بھی تم خاموش رہو، تم کوئی گستاخی کا لفظ نہ کہو، بلکہ صبر و تحمل سے کام لو، وہ گالی نکالیں، بُرا بھلا کہیں، تب بھی پلٹ کر جواب نہ دو، بلکہ سر جھکائے خاموش رہو، لیکن اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم فلا تطعھما" (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: "اگر وہ (تیرے والدین) تجھ کو مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے ایسی شخصیت کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مانو۔"

اور حدیث شریف میں ہے کہ: "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" "یعنی اللہ کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔"

شوہر بیوی کو کسی غلط کام کا حکم کرتا ہے تو ہرگز نہ مانے۔ والدین اولاد کو غلط بات کا حکم کرتے ہیں تو ہرگز نہ مانے، لیکن ان کی گستاخی و بے ادبی بھی نہ کرے۔ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعض لوگوں کو بزرگی کا "ہیضہ" ہو جاتا ہے۔ ماں باپ گناہ گار ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، اور یہ پکّا صوفی ہے، اَب والدین کو نظر حقارت سے دیکھے گا۔ ایسا ہرگز نہ کرو، یہ غلط بات ہے، ان کی خیر خواہی کی کوشش کرتے رہو، ادب و احترام کے ساتھ ان کو سمجھاؤ، اگر تمہارا کسی طرح بس نہیں چلتا تو اتنا تو بس چل سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے گڑگڑا کر دعا کرو۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل نہیں اور تمہارے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے زیادہ برے نہیں ہیں۔ وہ دھکے دے کر ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے باہر نکال رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ نکل جا یہاں سے، میرے گھر سے، دفع ہو جا، جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو صرف اتنا فرما رہے ہیں:

"ساستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا"

(مریم: ۴۷)

ترجمہ: "میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا شفیق ہے۔"

تمہیں گھر سے نکال دیں، اُف نہ کرو۔ باقی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو میں نے ذکر نہیں کیا، وہ یہ کہ والدین کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ تمہارے ماں باپ تو جہنم کے راستے پر چل ہی رہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہ جائیں، بلکہ تم کو بھی ساتھ لے کر جائیں، اگر ان کی گستاخی کرو گے، یا ناجائز کام میں ان کی بات پر عمل کرو گے تو ان شاء اللہ دونوں

سیدھے جہنم میں پہنچو گے۔ اگر والدین اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ان کو ناجائز بات کا حکم کرتے ہیں تو ان شاء اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، لیکن اگر اولاد والدین کی گستاخی کرتی ہے، بے ادبی کرتی ہے، ان پر ہاتھ اٹھالیتی ہے، تو یہ والدین سے بھی پہلے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے والدین کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ شب قدر میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

قطع رحمی کا گناہ

اور تیسرا شخص "قطع رحمی" کرنے والا، جس نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔ قطع رحمی کا وبال اوپر ذکر کرچکا ہوں کہ ایسا شخص دنیا میں ہی سزا پاتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ: "لایدخل الجنة قاطع" "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جنت سے بھی محروم کردیتا ہے، دنیا کے آرام اور چین سے بھی اور شب قدر میں بخشش سے بھی۔ نعوذ باللہ۔

کینہ پروری کا گناہ

اور چوتھا وہ آدمی، جس کے دل میں کسی مسلمان کی جانب سے کینہ ہو۔ ان لوگوں کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

جنت میں صرف پاک لوگ جائیں گے

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ناپاک لوگ نہیں جائیں گے، صرف پاک لوگ

جائیں گے، اور پاک ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرلو۔ میں نے ابھی کہا کہ اسّی (۸۰) سال کا کافر و مشرک و بے ایمان سچے دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے، جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی۔ دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو اونٹ غائب۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا۔ اب بیاباں ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا۔ بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا۔ اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی اونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا کہ: "اللھم انت عبدی وانا ربک" یعنی اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخطاء من شدۃ الفرح" کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا کہ یااللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رب ہے۔ آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اونٹ واپس فرمادیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا، کون لوگ ہو؟ عرض کیا، ہم مسلمان ہیں، ایک خاتون آگ جلا رہی تھی، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹا دیتی، وہی خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا، ہاں! عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ الرحم الراحمین نہیں؟ فرمایا، بلاشبہ! عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟ فرمایا، بے شک! عرض کیا، میں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی، اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر رونے لگے، پھر سر اٹھا کر اس سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو، جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (لا الہ الاّ اللہ کہنے) سے انکار کردے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۸)

الغرض تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کردیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ وگرنہ اللہ اپنے

بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کررہا ہے: "ھل من مستغفر فاغفرلہ" کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تاکہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم:۸)

یعنی "اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔"

اگر سچی توبہ کے بغیر مرگئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہوگے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کرکے یہیں پاک ہوجاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کرکے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کرکے یہیں سے پاک ہوکر جائیں۔ پوری ندامت کے ساتھ، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرلیں۔

ایک جامع دعا

ایک حدیث سناتا ہوں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم

المؤمنین عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھیں، دعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی بات کرنی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عائشہؓ! تم ایک طرف ہوجاؤ، دعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہوجائے گی، انہوں نے اپنی دعا ختم کی اور ایک طرف ہوگئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رخصت ہوکر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے دعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا، ہاں! تمہیں دعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دعا کرو:

"اللهم انی اسئلک من خیر ما سالک منه نبیک محمد صلی الله علیه وسلم واعوذ بک من شرما استعاذک منه نبیک محمد صلی الله علیه وسلم۔"

ترجمہ: "یااللہ آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دعائیں کیں، وہ پرچہ بنا کر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ

تم اس دعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو۔ پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے، تو وہ ساری دعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ تو جامع ترین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو، لیکن صرف دنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت درست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دنیا خود بخود درست ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دنیا میں بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ وہ جو میں نے قرآن کریم کی آیت کی تلاوت کی تھی، اس میں یہ وعدہ موجود ہے:

"یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم:۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو۔"

"عسی ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم"

ترجمہ: "تمہارے رب سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دور کردے گا۔"

"ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار"

ترجمہ: ”اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“

”یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ“

(التحریم: ۸)

ترجمہ: ”جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔“

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔ اصل مقصود اہل ایمان کے رسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جائیے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی معیت میں اہل ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن رسوا نہ ہونا یقینی ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہل ایمان بھی یقیناً رسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے، تو اس کے اوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اولین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ”اذکر یوم کذا وکذا“

یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیئے، بندہ اقرار کرتا جائے گا، اقرار کیئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"انی سترتھا علیک فی الدنیا انا اغفر ھالک الیوم"

ترجمہ: "میں نے دنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔"

جاؤ! کسی کو پتہ ہی نہیں چلا، یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا۔ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے۔ گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔ گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدا نخواستہ غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہ الٰہی میں ایمان کا دامن داغدار نہ لے جاؤ۔ حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعتکاف

فضائل و مسائل

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و
نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور
انفسنا ومن سیّات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ
فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد
ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان
سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ،
صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ
وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اعتکاف کی نیت سے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اس کا بڑا انعام عظیم ہے۔ آپ حضرات دور ونزدیک سے تشریف لائے ہیں اور یہ آنا محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور اس کے پاک گھر میں جمع ہونے کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے۔

ایک دن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی نور اللہ مرقدہ فرمانے لگے کہ بھئی! مولانا رومیؒ کا ایک شعر ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاءؑ
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "تھوڑے سے وقت کے لئے کسی اللہ کے مقبول بندے کے پاس بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ فرمانے لگے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آئے ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے میرے پاس جمع ہوئے ہو، اس وقت تم سب کے سب اولیاءؑ ہو، اور میں تمہاری صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اللہ اکبر۔ بہت اچھی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے۔ بھائی! کوئی کسی دشمن کے گھر تو نہیں جایا کرتا، دوست کے گھر جایا کرتا ہے۔ آپ حضرات اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں، اس لئے اس وقت آپ لوگ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اعتکاف کی فضیلت

یہ اعتکاف کی عبادت بہت اونچی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"واذ بوانا لا براھیم مکان البیت ان لاتشرك بی شیئا وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود"

ترجمہ: "اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا، بیت اللہ کی جگہ بتلائی، (تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا، (یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اڈہ بنا رکھا تھا) اور (ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نماز میں) قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع سجدہ کرنے والون کے لئے (تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے) پاک رکھئے۔"

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے۔ کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے اردگرد ہے اور جس کو مسجد حرام کہتے ہیں، اس میں اعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہوسکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح وارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اعتکاف کرنا افضل ہوگا۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اعتکاف (رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف) یہ مسنون ہے بطور سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی

سُنّت موکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہوجائے گا، اور محلے والے ترک اعتکاف کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اعتکاف نہیں بیٹھتا تو پورا محلّہ مسجد کی حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ میاں تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کردیں گے تم مسجد میں اعتکاف بیٹھ جاؤ۔ وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کررہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تھا تو دوسرے سال ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی، اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے علاوہ دوسرا اعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، اور اگر کوئی شخص منت مان لے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو کام ہوجانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے، اور یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اعتکاف کا مسئلہ بیان کیا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" میں اعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا جیسے آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا، بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ بھی نہیں گزرا" یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنا دیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔

اعتکاف کے لئے اخلاص شرط ہے

اور جب ایک دن کے نفل اعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے قیاس اور اندازہ سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا استحضار نہیں تھا تو اب کرلو، بہت آسان ہے۔ بھئی نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے اگر کسی شخص کی نیت میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی، تو اس ملاوٹ کو ہٹادے، اور اب نیت کرلے کہ یا اللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کررہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزت وجاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

مسجد کا ادب بجالایا جائے

اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجالاتے ہوئے، عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور وشغب یا ہلڑبازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں ”اللہ کا گھر“ اس

میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون ووقار کے ساتھ رہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

> "اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی تو یہ بات ہے
> دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے۔"

جس قدر دل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دل میں تقویٰ آئے گا۔ ایک صاحب مکہ مکرمہ میں میرے ساتھ تراویح کی نماز میں کھڑے تھے وہ کبھی ایک طرف جھک جاتے کبھی دوسری طرف، ان صاحب نے میرا کندھا تھکادیا، اور ہاتھ کو کبھی کہیں لے جاتے اور کبھی کہیں لے جاتے (ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے)۔

دل میں خشوع ہو تو اعضا میں بھی خشوع ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسی طرح اس کے ہاتھ چل رہے تھے کبھی اِدھر کبھی اُدھر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں، اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی اس کے اثرات ہوتے۔ آپ کتنے ادب، کتنے سکون اور کتنے وقار کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے دل میں کتنا خشوع ہے

اور کتنا تقویٰ ہے۔

ہم سب فقیر ہیں

دوسری بات یہ کہ فارسی کی ضرب المثل ہے:

"سلامے روستائے بے غرض نیست"

اگر دیہاتی بدو کسی کو سلام کرتا ہے تو یہ سلام بھی بے غرض نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی مطلب پوشیدہ ہوتا ہے، بھئی! ہمارے تو سارے کام غرض کے لئے ہیں، ساری عبادتیں غرض کے لئے ہیں، اور ہم ہیں فقیر، فقیر کا کام مانگنا ہے، اور یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

تو فقیر کا تواضع کرنا درحقیقت تواضع کی بات نہیں ہے، اور ہم سب کے سب حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی کے فقیر ہیں، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، کوئی نیک ہو یا بد، کوئی نبی ہو یا ولی، سارے کے سارے اس کی بارگاہ عالی میں ناک رگڑ رہے ہیں، سب فقیر ہیں، سب منگتے ہیں، سب بھکاری ہیں، ایک وہ داتا ہے، باقی سب فقیر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید۝"

ترجمہ: "اے لوگو! تم سب فقیر ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی اور حمید ہے۔"

تم لوگ کھانے کے محتاج ہو، پینے کے محتاج ہو، بیوی کے محتاج ہو، بچے کے محتاج ہو، گھر کے محتاج ہو، کپڑوں کے محتاج ہو، الغرض ہر چیز کے محتاج ہو، ایک ایک چیز کے محتاج ہو، کوئی حد ہے تمہاری محتاجی کی؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضروریات تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہاری بے شمار حاجتیں پوری فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم محتاج کے محتاج ہی رہے۔ سیٹھ جی کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مگر رہے کنگال کے کنگال۔ کیونکہ یہ اپنی ذات ہی سے محتاج ہے، اندر سے فقیر ہے، یہ غنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔

عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق

البتہ اللہ والوں کے درمیان اور دوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے محتاج بنتے ہیں اور اپنی تمام حاجتیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے کٹ جاتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق کے در پر جاتے ہیں، وہ مخلوق سے مانگتے ہیں جو بے چارے خود فقیر ہیں۔ ایک فقیر نے چند ٹکڑے جمع کئے، بھیک مانگ کر، اور دوسرا فقیر اس سے مانگ رہا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ رذیل ہے، اس سے کہا جائے کہ بھئی! بھکاری سے مانگتے ہو، کچھ شرم تو کرو، اس غریب نے تو اپنا کشکول خود مانگ مانگ کر بھرا ہے، کوئی ٹکڑا ادھر سے لیا، کوئی ٹکڑا ادھر سے، کسی نے کچھ دیا کسی نے کچھ، اس غریب کے پاس جو بھیک کا سامان تھوڑا بہت آیا تو وہ اس سے مانگتا ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب فقیر ہیں، ان سے مانگتے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے مانگو، پرانے زمانے میں مولانا خرم علی مرحوم کی ایک نظم بہت چلا کرتی تھی، میں نے بچپن میں اپنے استاد

سے سنی تھی، پہلے تو یاد تھی مگراب تو صرف ایک دو شعر یاد رہے کہ:

خدا فرماچکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر وپیغمبر
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کوئی بادشاہ جارہا تھا، اس کو ایک عورت مل گئی جو بے چاری بھیک مانگ رہی تھی، لیکن حسین وجمیل ایسی جیسے چاند کا ٹکڑا، رشکِ حور، رشکِ پری، بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو عاشق ہوگیا، اور دل میں ٹھان لی کہ اس کو ملکہ بنایا جائے، بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم اس گداگری کی وجہ سے کیسی ذلت میں مبتلا ہو، در در کی بھیک مانگتی ہو۔ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہیں لے جاؤں اور تم سے نکاح کرلوں، اور تمہیں شاہی محلات کی رانی بنادوں، اس نے کہا ٹھیک ہے، یہ بادشاہ کے ساتھ چلی گئی۔ اب بہترین پوشاکیں، بہترین کھانے اور ہر قسم کی عیش اسے میسر تھی، جو کچھ بھی بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، سب اسے حاصل تھا، کس چیز کی کمی تھی؟ بادشاہ نے کچھ عرصہ کے بعد پوچھا کہ بتاؤ یہ حالت اچھی ہے یا وہ حالت اچھی تھی؟ کہنے لگی اس حالت میں مزہ نہیں آرہا۔ وہ جو قسم قسم کے کھانے ملتے تھے یہاں وہ مزہ نہیں، وہ ذائقہ نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ رب العزت نے اس کو شاہی محلات تو دے دیئے مگر طبیعت کی رذالت نہیں گئی، اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے شاہی محلات میں آکر بھی رذیل کی رذیل ہی رہی۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ بھئی! تم کتنے ہی بڑے بن جاؤ، اونچے چلے جاؤ، علم وفضل کی لائن میں، دنیاوی وجاہت کی لائن میں، کسی بھی لائن میں اونچے سے اونچے چلے جاؤ، تمہارے اندر کا فقر،

محتاجی اور ذلت ورذالت تو تم سے جدا ہونے کی نہیں، کیونکہ وہ تمہاری اصل ہے، اور تم اصل کے اعتبار سے ایسے ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اپنی اصل کے اعتبار سے تم فقیر ہو، بھکاری ہو۔

نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اونچا ہو گا

باقی ایک بات ضرور ہے کہ جس قدر آدمی کی نظر اونچی ہو جاتی ہے اسی قدر اس کا مقصد اور اس کی غرض بھی بلند ہو جاتی ہے، آدمی اپنی غرض سے تو کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا، ہاں! کسی کی غرض گھٹیا ہوگی، کسی کی اونچی، بقول مولانا رومیؒ تم بچے کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ صرف ٹافی کے بدلے لے سکتے ہو، اگر بچے کے ہاتھ میں ایک قیمتی ہیرا ہو، تم اس کو ایک ٹافی دو، اس کے بدلے میں وہ تمہیں بڑی آسانی سے ہیرا دے دے گا، کیونکہ اس کی نظر پست ہے، گھٹیا ہے، بس ٹافی تک محدود ہے، ہم لوگ دنیادار ہیں جن کے سامنے دنیا سجی ہوئی ہے، اور ہمیں اپنے عشوۂ ناز سے لبھا رہی ہے، اپنے جلوے دکھا رہی ہے، ہم اس پر ریجھ رہے ہیں، یا اپنی غرض دنیا سے وابستہ کر رہے ہیں، یہ وہ ٹافیاں ہیں جو شیطان نے ہم کو دے رکھی ہیں، اور ان ٹافیوں کے بدلے وہ ہم سے ایمان کا ہیرا اڑا لیتا ہے۔

شیطان کے بہکانے کا سامان

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود کیا تو شیطان نے کہا کہ میں انسان کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شوق سے کر، کہنے لگا کہ پھر ان کو بہکانے کے لئے مجھے سامان بھی تو دیا جائے، ایسا تو نہیں کہ کسی کے

ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دو، اور کہو کہ شاباش! اب تیر کر دکھاؤ، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، مجھے آپ نے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا ہے تو اس کا کچھ سامان بھی دیجئے۔ فرمایا ایک تو تجھے جال دیتا ہوں شکار کرنے کے لئے، اور وہ عورت ہے، ایک تجھے نشہ دیتا ہوں لوگوں کو مسحور کرنے کے لئے، اور یہ شراب ہے، اور ایک تجھے نغمہ دیتا ہوں، لوگوں کو اس جال میں پھانسنے کے لئے اور یہ گانے ہیں، اور شیطان ان چیزوں کو لے کر خوش ہوگیا، اور کہنے لگا اب کسی کو جانے نہیں دوں گا، کسی نہ کسی جال میں پھنسا کے چھوڑوں گا۔

دنیا کے نابالغ

تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کا مقصد دنیا ہے، ان کی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز ہے، جیسے بچے کی نظر میں ٹافی ہیرے سے زیادہ مرغوب ہے، ہیرا اس کی نظر میں بے وقعت ہے، کیونکہ وہ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے، وہ اس کی قیمت نہیں جانتا۔ اسی طرح عام لوگ جن کی چشم بصیرت بالغ نہیں ہوئی، جن کی عقل سلیم بالغ نہیں ہوئی، اور جن کو ایمانی بصیرت اور وحی کی روشنی میسر نہیں وہ اس دنیا کی مٹھائی پر ریجھ گئے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا کی غرض کو چھوڑ کر آخرت کی غرض کو اپنالیا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ دنیا بے وقعت تھی بہ مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے۔ یہ حضرات ان دنیاداروں سے بلند نظر نکلے۔ یہاں کی جتنی چیزیں ہیں یہ ان کے نزدیک مقصود نہیں بلکہ سامان زیست ہے، مقصود ان سے بالاتر ہے اور وہ ہے آخرت، جنت اور رضائے الٰہی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بلند نظری

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المؤمنین بنے اور خلافت کے منصب پر پہنچے تو ان کی کیفیت یکسر بدل گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا، ناز و نعمت کی زندگی بدل گئی، کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ خلیفہ بننے سے پہلے بہت خوش پوش تھے، بہترین لباس پہنتے تھے، خلیفہ بن جانے کے بعد کیا ہوگیا کہ یکسر حالت بدل گئی؟ ان دونوں حالتوں کا فرق صرف ایک مثال سے واضح ہوجائے گا۔ ان کے خادم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بازار سے چادر خرید لاؤ، (یہ ان کی خلافت کے زمانے کا قصہ ہے)۔ میں لے آیا، پوچھا کتنے کی لائے ہو؟ میں نے کہا پانچ درہم کی، ناراض ہوکر کہنے لگے تم نے اتنے پیسے برباد کرنے تھے؟ اتنی مہنگی چادر خرید کر لائے ہو؟ پانچ درہم کی چادر لائے ہو؟ وہ بگڑ رہے تھے اور میں ہنس رہا تھا۔ جب وہ خوب بگڑ چکے اور مجھ پر اظہار ناراضی کرچکے، اور میں خوب ہنس چکا تو کہنے لگے کہ ہنستا کیوں ہے؟ ایک تو کام خراب کرکے آیا، اُوپر سے ہنستا بھی ہے، میں نے کہا حضور مجھے ایک قصہ یاد آگیا، جن دنوں آپ مدینہ کے گورنر ہوتے تھے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی چادر لاؤ، میں بازار گیا، اور ایک نفیس ترین شال لایا، اس کی قیمت تھی پانچ سو درہم، حضور نے پوچھا کتنی قیمت ہے؟ میں نے کہا پانچ سو درہم ہے۔ ہاتھ میں لے کر کہنے لگے اتنی نکمی اور ایسی کھردری لانی تھی، تمہیں کوئی اچھی چادر نہیں ملی، ایسی گھٹیا چادر اٹھا لائے؟ میں یوں ہنستا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پانچ سو درہم کی شال آپ کو کھردری لگ رہی تھی اور اس کو گھٹیا فرمارہے تھے، اور ایک آج یہ وقت ہے کہ پانچ درہم کی معمولی سی چادر لایا ہوں، یہ آپ کو بہت مہنگی لگ رہی ہے، یہ ایک مثال ہے کہ خلافت کے بعد ان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا تھا، خلافت

سے پہلے ایسا نفیس لباس پہنتے تھے کہ پورے مدینہ میں ایسا بہترین لباس کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، اور ایسی بانکی چال چلتے تھے کہ دوشیزائیں (کنواری لڑکیاں) اس چال کی نقل اتارنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ عمری چال کہلاتی تھی۔ یا تو خلافت سے پہلے ناز و نعمت کا یہ عالم، یا خلافت کے بعد یہ تقشف۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک اور واقعہ

ایک دن جمعہ کا خطبہ دینے دیر سے پہنچے، پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک ہی کرتہ ہے جو صبح دھویا تھا، اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین جس کی سلطنت چین سے لے کر افریقہ تک تھی، وہ مسلمانوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ ذرا کپڑے کے سوکھنے میں دیر ہوگئی تھی، میرے پاس اس کا کوئی متبادل کپڑا نہیں تھا جس کو پہن کر آجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ خلافت کے بعد آپ کو کیا ہوگیا؟ گورنر پہلے بھی رہے، شاہی خاندان میں پھلے پھولے، مگر خلافت سے پہلے وہ ناز و نعمت، اور خلافت کے بعد یہ تقشف اور دنیا کی لذتوں سے بے زاری؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ نے ایسا بنادیا ہے کہ یہ کبھی چھوٹی چیز پر راضی نہیں ہوا، جب بھی مجھے کوئی مرتبہ اور کوئی منصب ملا، میرا نفس اس سے بالاتر مرتبہ و منصب کا خواستگار رہا، اور دنیا میں خلافت سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں رہا، کسی شخص کے لئے سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، جب اس مرتبہ پر میرا قدم پہنچا تو ساری دنیا میرے سامنے بے وقعت ہوگئی، اور اب میرا نفس آخرت کا طالب ہوگیا۔ اب دنیا کی کوئی چیز کیا حاصل کرنی ہے؟ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے آگئی، مجھے تو

آگے جانا ہے۔

تو کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں کہ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے ہے، اور ان کی نظر پوری دنیا سے بالاتر ہے۔ انہوں نے دنیا کی ٹافیوں کو مقصد نہیں بنایا، آخرت کے ہیرے اور جواہرات دے کر انہوں نے دنیا کی لذتوں کو نہیں خریدا، اس لئے ان کی محنت سب سے بلند اور ان کی نظر سب سے اونچی نکلی، اور کچھ حضرات ان سے بھی اوپر چلے گئے، ان کی نظر میں دنیا مطلوب نہ آخرت۔ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے، ان میں آخرت کی اور جنت کی طلب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، اصل مطلوب صرف ذات الٰہی ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کی کوئی غرض وغایت رکھتا ہے، گویا ہر شخص صاحب غرض ہے، باقی یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ کسی کی غرض چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی اس سے بھی بڑی۔ جس قدر کسی کی نظر بلند ہوگی، اسی قدر اس کی غرض بھی اونچی ہوگی، اور اسی قدر اس کا مقصد بھی اونچا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ ہم تو ہیں فقیر، ہمارا کوئی کام غرض کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔

اپنی ہمت کو اونچا رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

یعنی "اپنی ہمت کو ذرا اونچا کرو، اس لئے کہ جتنی تمہاری ہمت اونچی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور مخلوق کے

نزدیک بھی تمہاری قدر اتنی ہی بلند ہوگی۔"

اگر تم ایک ٹافی پر اپنا ایمان دے سکتے ہو تو تمہاری قیمت چار آنے نکلی۔ اگر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت پر تم اپنا ایمان بیچ سکتے ہو تو تمہاری قیمت اتنی ہی نکلی، اور اگر تم اس سے بھی اُونچے چلے گئے اور یہ کہا کہ کیا یہ دنیا میری قیمت ہے؟ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔ کیونکہ دنیا کی قیمت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

طالب علمی کا واقعہ

اپنی خود ثنائی تو نہیں کرنی چاہئے۔ مگر تمہیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف سے میں فارغ ہوچکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ تو میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کر کے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعہ کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے، انہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اور اس کی تیاری کر رہے تھے، جب بھی تکرار کے لئے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو، میں کہتا میں غریب آدمی ہوں، ۸۰ روپے داخلہ کی فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں بھردوں گا، تم داخلے کے لئے آمادہ ہوجاؤ، میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل؟ میں نے کہا کہ میں پہلے تو تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ ازراہ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف

لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں، اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں، میں نے کہا کہ اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط بھی آجائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں۔ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، وہ میرے بچپن کا لاشعوری زمانہ تھا، شعور تو اب بھی نہیں ہے۔ بچپن میں خیالات بڑے عجیب ہوتے ہیں، میرا بھائی! تم لوگ مہمان ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو۔ دنیا تمہارے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو بھئی ہمارا تو سارا کاروبار ہی غرض پر مبنی ہے۔ باقی غرض کا پیمانہ آدمی کی ہمت سے طے ہوتا ہے۔ کتنی اونچی ہمت کا ہے؟ کتنا قد آور ہے؟ جس شخص کا مقصود ذات عالی بن جائے، آسمان اس کے سامنے پست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقصد بناؤ

اگر تم اللہ کے طالب بن جاؤ تو یہاں کی زمین کی چیزیں تو کیا تم تو آسمان سے اونچے ہو۔ میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ''بھئی ایک دفعہ ہم دعا مانگ رہے تھے، دعا مانگتے مانگتے خیال آیا، ارے! کس سے مانگ

رہے ہو؟ رب العرش سے مانگ رہے ہو، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ آسمان میرے ہاتھوں کے نیچے آگیا، اور میرے ہاتھ عرش سے اوپر چلے گئے"، تم جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو، کہاں اٹھاتے ہو؟ کس داتا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ہاں تم بارگاہ رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو، غور کرو کہ عرش کی بلندیاں اس کے سامنے کیا چیز ہیں؟ اور جب تم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو تو کیا تم چھوٹے ہو؟ نہیں! تمہاری یہ گردن جو اس ذات عالی کے سامنے جھکے گی کیا کسی اور کے سامنے جھک سکتی ہے؟ اور یہ ہاتھ جو اس ذات عالی کے سامنے اٹھتے ہیں، کسی اور کے سامنے اٹھ سکتے ہیں؟ دراصل ہمیں اپنی قیمت معلوم نہیں۔ تو بھئی ہمارا سارا کام غرض پر مبنی ہے۔

اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

یہ اعتکاف میں بیٹھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے، ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ امتحان لیا، اس کے امراء و وزراء اعتراض کرتے تھے کہ بادشاہ کو اپنے غلام (ایاز) سے بڑا تعلق خاطر ہے، اس کی بڑی عزت کیا کرتا ہے، اس کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ حالانکہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، لیکن بادشاہ کی نظر میں ہماری اتنی عزت نہیں، ایک دن بادشاہ نے امتحان لیا کہ دربار میں ایک بازار لگایا محل میں قیمتی سے قیمتی چیزیں جمع کردیں اور سب کو جمع کرکے بادشاہ نے کہا آپ حضرات میں سے جس کو جو چیز پسند آئے وہ لے جائے، وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔ ہر

آدمی یہ سن کر اپنی پسند کی چیزوں کی طرف لپکا، جیسے بھوکا روٹی پر ٹوٹتا ہے، ایاز کھڑے کا کھڑا رہا، اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، سلطان نے کہا کہ تم بھی اٹھالو۔ ایاز نے کہا حضور! کیا اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہوں پسند کرلوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں اجازت ہے جو چیز چاہو پسند کرلو، ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا کہ مجھے تو یہ پسند ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کا امتحان لینا مقصود تھا، اور اس امتحان کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا، دیکھ لو یہ تم ہو اور یہ ایاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ دنیا کا بازار سجا کر ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ اے کاش! کہ ہم بھی کہیں کہ یا اللہ! ہمیں تو آپ پسند ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارا ہوگیا تو سب کچھ ہی ہمارا ہوگیا۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے الٰہی ہے۔ اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے الٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

اعتکاف کی سوغات

اب یہاں سے اعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاً آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ۔ اعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو،

اول: ایک فضول لایعنی کا ترک۔ جتنا چاہو کھاؤ جتنا چاہو سوؤ، لیکن التزام

کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے۔ فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم: ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

سوم: اپنے رفقاء کا اکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم: رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت و قوت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر و تلاوت، تسبیحات، درود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو۔ لیکن بھئی! اپنی صحت و قوت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم: میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ التجاء الی اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دنیا سے یکسو اور بے نیاز ہو کر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑ گڑا کر مانگو، اور اس طرح آہ وزاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم آجائے۔

ششم: یہاں جو اصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب ونقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کرو۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اعتکاف کے مسائل کا بیان

ذیل میں مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب ''زبدۃ الفقہ'' سے اعتکاف کے مسائل درج کئے جاتے ہیں۔

اعتکاف کی تعریف:

شرع میں اعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے جس کا امام و مؤذن مقرر ہو یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) واجب، اور وہ نذر کا اعتکاف ہے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا موقوف نہ ہو، کسی شرط پر موقوف نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اعتکاف کروں اور کسی شرط پر موقوف ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔ واجب اعتکاف کی کم سے کم مدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دن ہے کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے، اگر کسی

نے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اعتکاف کرنا واجب ہے اور اس کی مدت متعیّن نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اعتکاف واجب ہو گا، اعتکاف واجب کے لئے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے پس اگر تمام عمر کے اعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

(۲) سنت مؤکدہ: اور وہ ہر سال میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اس کے لئے بھی روزہ شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سُنّت علی الکفایہ ہے پس اگر بستی والوں میں سے کسی ایک آدمی نے یا بعض لوگوں نے اس سُنّت کو ادا کرلیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اگر بستی کے سب ہی لوگ اس کو ترک کردیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سُنّت کو ادا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

(۳) مستحب: یعنی سُنّت غیر مؤکدہ یا نفلی اعتکاف، اور وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ ہے پس جو شخص جس وقت چاہے مستحب اعتکاف ادا کرسکتا ہے۔ مستحب یعنی نفلی اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت یعنی تھوڑی دیر ہے، خواہ وہ رات کے وقت میں ہو یا دن کے وقت میں اور یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔ پس اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے سے ہی مستحب اعتکاف حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ مسجد میں سے گزرتے ہوئے ہی اعتکاف کی نیت کرلے اور مسجد میں بیٹھے نہیں اور خواہ رات کے وقت میں ایسا کرے، اس لئے کہ اس اعتکاف میں اس کا صرف مسجد میں ٹھہرنا ضروری ہے خواہ وہ اتنا تھوڑا ہو جتنا کہ قدموں کے رکھنے میں وقت لگتا ہے، جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہوا تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے

گا۔ جو شخص مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکلنے کا ارادہ کرے تو چونکہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے اس لئے اس کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہو تاکہ وہ مسجد کو راستہ بنانے والا نہ بنے۔

فائدہ: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے تاکہ وہ جب تک مسجد میں رہے اس کے لئے اعتکاف کا ثواب ملتا رہے اور اس کو مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ جائز ہوجائے، اس طرح اس کو روزانہ بہت دفعہ اعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت کے لئے یہ الفاظ کہہ لیا کرے،

"نویت الاعتکاف مادمت فی هذا المسجد" یا یوں کہے "نویت سنة الاعتکاف"

اعتکاف کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں یہ واجب اس کے ذمہ سے ادا ہوجاتا اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور نفلی اعتکاف میں اس کو صرف ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اعتکاف کا رکن:

اس کا رکن مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

(۱) نیت: خواہ اعتکاف واجب ہو یا سُنّت یا نفل ہو اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی واجب اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگا اور نفلی اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) مسجد میں اعتکاف کرنا: جس مسجد میں اذان و اقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا درست ہے اور اس مسجد میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو، جامع مسجد میں مطلقاً اعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرے، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ہے، پھر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو ورنہ اپنے محلہ کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو، وہ افضل ہے۔ عورت اپنے گھر میں اس جگہ اعتکاف کرے جو اس نے پانچ وقت نماز یا اعتکاف کے لئے مقرر کی ہو، اگر عورت نے اس مقررہ جگہ کے علاوہ گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کیا تو اس کا اعتکاف درست نہیں ہے، اگر اس نے پہلے سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر نہ کی ہو تو اب مقرر کرلے اور اس میں اعتکاف کرے۔ ہر عورت کے لئے

مستحب ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے گھر کے اندر ایک جگہ مقرر کر لے اور اس کو ہر طرح کی آلائش سے پاک صاف رکھے اگرچہ اس جگہ کے لئے مسجد کے احکام ثابت نہیں ہوتے لیکن عورت کے حق میں یہ جگہ مسجد جماعت کے حکم میں ہوجائے گی۔ مردوں کے لئے بھی نماز نوافل کے لئے اپنے گھر میں جگہ مخصوص کرنا مستحب ہے۔ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) روزہ: واجب یعنی نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ ایک مہینہ کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ ایک مہینے کا اعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔ اگر کسی نے رات کے اعتکاف کی نذر کی تو درست نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوتا اور اگر رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کرے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے، پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہوجائے گی، لیکن اگر دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن رات اس میں داخل ہوجائے گی۔ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے اور مسنون اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے پس اگر کسی نے، مثلاً مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے، رمضان کے اخیر عشرہ کے روزے نہیں رکھے اور اس عشرہ کا اعتکاف کیا تو یہ

اعتکاف سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ ادا نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہوگا۔ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح ہے، یعنی یہ نذر اس پر لازم ہوجائے گی اور رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں کی بجائے کافی ہوجائیں گے۔ لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے اور اگر کسی نے ماہ رمضان میں اعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اعتکاف کے قضا کیے تو جائز ہے۔

(۴) **مسلمان ہونا:** کیونکہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(۵) **عاقل ہونا:** کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اصل میں یہ دونوں امر نیت کے لئے شرط ہیں کیونکہ نیت اسلام اور عقل کے بغیر درست نہیں ہوتی، اور اعتکاف میں نیت شرط ہے۔

(۶) **جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا،** کیونکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس سمجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہوجاتا ہے۔ مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پس عورت کا اعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے اور غلام کا اعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے اگرچہ وہ اعتکاف واجب ہی ہو، اور جب عورت کو اسکے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دے دی تو اب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں

ہے۔

اعتکاف کی خوبیاں

اعتکاف کی بہت سے خوبیاں ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① اپنے قلب کو دنیاوی امور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا دیتا ہے اور دنیا کے اشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ اس کی طرف التجا کرنے کے لئے اس کا تقرب حاصل کرے۔

② اعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صرف ہوتے ہیں خواہ حقیقتاً ہوں یا حکماً کیونکہ وہ ہر وقت نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔

③ اعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدر امکان ترک کرتا ہے۔

④ اعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

⑤ اعتکاف کرنے والا شیطان اور دنیا کے مکروغلبہ سے محفوظ ہوتا ہے گویا کہ مضبوط قلعہ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔

⑥ اعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

⑦ اعتکاف اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اشرف الاعمال ہے۔

(۸) اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۹) اعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی وعاجزی کا اظہار کرتا اور بقدر امکان ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

اعتکاف کے آداب و مستحبات

(۱) نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام کرنا مکروہ ہے، اعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں اور باتوں کے بارے میں یہی حکم ہے اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہے۔ نیک باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو، مباح کلام کرنا ضرورت کے وقت نیک کام میں شامل ہے اور بلا ضرورت نیک کام میں شامل نہیں۔ اگر مباح کلام تقرب کے قصد سے ہو تو اس میں ثواب ملے گا۔

(۲) اعتکاف میں اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، درود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا، حدیث شریف اور دینی علم پڑھنا اور پڑھانا اور درس دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیأ علیہم السلام کی سیرت وحالات اور نیک لوگوں کے حالات وحکایات کا پڑھنا اور بیان کرنا اور دینی امور کے لکھنے میں مشغول ہونا اختیار کرے۔

(۳) رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کا التزام کرے۔

(۴) اعتکاف کے واسطے افضل مسجد کو اختیار کرے مثلاً مسجد الحرام یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا مسجد اقصیٰ یا جامع مسجد کو اختیار کرے۔

(۵) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو اکیسویں شب کو یعنی

بیں رمضان کا سورج غروب ہونے سے قدرے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور رمضان المبارک کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے باہر آجائے۔

جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا

اعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

مسجد سے باہر نکلنا: اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اعتکاف والی مسجد سے بلا عذر نہ دن میں باہر نکلے اور نہ رات میں، اگر عذر کے بغیر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر۔ اگر کسی عذر سے باہر نکلنے پر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرا رہا تب بھی اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور نفلی اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ عذر کی وجہ سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عذرات جن کی وجہ سے اعتکاف والے کا مسجد سے نکلنا جائز ہے یہ ہیں:

اول طبعی حاجت: یعنی پیشاب، پاخانہ، استنجا، وضو اور فرض غسل کے لئے یعنی اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ پس جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن قضائے حاجت کے بعد طہارت یعنی استنجا و وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرا رہا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر اعتکاف کرنے والے کے دو

گھر ہوں جن میں سے ایک نزدیک اور دوسرا دور ہو تو بعض کے نزدیک دور والے گھر میں قضائے حاجت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلاء ہو جو گھر کی بہ نسبت قریب ہے تو اس صورت میں وہی اختلاف ہے جو دو گھروں کے بارے میں بیان ہوا۔ اس لئے احتیاطاً قریب والے بیت الخلاء کو استعمال کرے، لیکن اگر وہ شخص مسجد کے بیت الخلاء سے یا اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر والے بیت الخلاء سے مانوس نہ ہو اور وہاں اس کو آسانی سے رفع حاجت نہ ہوتی ہو تو اپنے مانوس بیت الخلاء میں رفع حاجت کے لئے جانا بلا اختلاف جائز ہے، اگرچہ وہ دور ہو۔ جب حاجت طبعی کے لئے نکلے تو اس کے لئے وقار و سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنی اعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے، اس کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر اعتکاف والے کے لئے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کو گھر سے کھانا لے آنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشاب پاخانہ کی طرح طبعی حاجت میں داخل ہے (لیکن اس کو چاہئے کہ کھانا لے کر فوراً مسجد میں آجائے اور وہیں آکر کھائے)۔

دوم شرعی حاجت: مثلاً اذان دینے یا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے باہر نکلنا جائز ہے۔ پس اگر اذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا خواہ وہ مؤذن ہو یا نہ ہو، اور اگر اذان کا مینارہ اندر ہو تو بدرجۂ اولیٰ اس پر چڑھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے تحری (اٹکل) کر کے اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ کی اذان سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار

رکعتیں سُنّت جمعہ قبلیہ پڑھ لے۔ اس کا اندازہ اعتکاف کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور نماز فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد اس قدر ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے۔ فرض جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں اور بعد کی چار یا چھ رکعتیں اعتکاف والی مسجد میں بھی ادا کرسکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے، اگر زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا رہا، مثلاً ایک دن رات وہاں ٹھہرا رہا یا باقی اعتکاف وہیں پورا کیا۔ تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر کسی عذر، مثلاً مسجد کے گرجانے یا زبردستی کسی کے نکال دینے کی وجہ سے یا اپنی جان ومال کے خوف سے مسجد سے نکلا اور اسی وقت اعتکاف کی نیت سے دوسری مسجد میں داخل ہوگیا کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا، تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مذکورہ دو قسم کے عذرات کے علاوہ کسی اور عذر سے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ پس اگر بیماری یا خوف کی وجہ سے یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن اگر بشری حاجت پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے چلاگیا تو جائز ہے، جب کہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اس مقصد کے لئے نہ ہو اور وہ راستہ سے نہ پھرے اور نماز جنازہ یا مریض کی مزاج پرسی سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر نذر کرتے وقت شرط کرلی ہو کہ وہ عیادت مریض یا نماز جنازہ یا مجلس علم میں حاضر ہوگا تو اب امور کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب قدموں کا مسجد سے باہر نکالنا ہے۔ پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر نکالے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ یہ

سب احکام واجب اور سُنّت مؤکدہ اعتکاف کے ہیں، اگر نفلی اعتکاف میں عذر سے یا بلا عذر مسجد سے نکلے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر نفلی اعتکاف شروع کیا پھر توڑ دیا تو اس کی قضالازم نہیں ہے کیونکہ یہ اس اعتکاف کو ختم کرنا ہے توڑنا نہیں ہے اور سُنّت مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف بھی شروع کرکے توڑ دینے سے ختم ہوجائے گا سُنّت مؤکدہ کی بجائے ادا نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو پورے عشرہ کا ہی ہوتا ہے اس سے کم کیا ہوا اعتکاف نفلی بن جائے گا اور اس پر اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہوگی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے۔

(۲) اعتکاف توڑنے والی چیز جماع اور اس کے لوازم ہیں۔ اعتکاف والے پر جماع اور اس کے لوازم حرام ہیں۔ پس پیشاب پاخانہ کے مقام میں دخول سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور لوازم جماع مثلاً مباشرت (بدن سے بدن ملانا) بوسہ، مساس، معانقہ اور پیشاب وپاخانہ کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً ران یا پیٹ وغیرہ میں جماع کرنا، ان سب صورتوں میں اگر انزال ہوجائے تو اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، خواہ جماع ولوازم جماع دن میں واقع ہوں یا رات میں اور جان بوجھ کر ہوں یا بھول کر اور خواہ رضامندی کی حالت ہوں یا اکراہ کی حالت ہر حال میں اعتکاف فاسد ہونے کا حکم یکساں ہے، خواہ جماع مسجد سے باہر واقع ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماع ولوازم جماع کی جن صورتوں میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے ان سب صورتوں میں اعتکاف بھی ہوجاتا ہے اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا ان صورتوں میں اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے دن رات اس حکم میں برابر ہیں اور روزے میں صرف دن کے وقت یعنی

روزہ کے حالت میں یہ چیزیں روزہ کو فاسد کردیتی ہیں، جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی دوسری چیزوں سے واجب وسنت مؤکدہ اعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جب کہ روزہ کو توڑنے والی چیز دن میں یعنی روزہ کی حالت میں پائی جائے کیونکہ روزہ اعتکاف کے لئے شرط ہے اس لئے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

(۳) اعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بے ہوشی اور جنون ہے۔ بے ہوشی یا جنون سے اعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ وہ دو یا زیادہ دن تک رہے، کیونکہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہوجائے گا لیکن پہلے دن کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا جب کہ اس نے وہ دن مسجد ہی میں پورا کیا ہو کیونکہ نیت پائی گئی ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو جنون یا بے ہوشی دور ہونے کے بعد اس پر اس دن کی قضا لازم ہوگی اوراس دن کے علاوہ بے ہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اعتکاف بھی جنون و بے ہوشی دور ہونے کے بعد قضا کرے، اگرچہ وہ جنون بہت طویل ہوگیا ہو اور جب اس واجب (یعنی نذر کے) اعتکاف کی قضا پر قادر ہو تو اس کو روزہ کے ساتھ قضا کرے۔

فائدہ: اگر وہ واجب (یعنی نذر کا) اعتکاف کسی معین مہینے کا ہو تو جس قدر دن باقی رہ گئے ہوں صرف اتنے ہی دن کا اعتکاف قضا کرے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر وہ واجب اعتکاف غیر معین مہینے کا ہو تو فاسد کردینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ لگاتار ادا کرنا لازم ہوا ہے، خواہ اس اعتکاف کو اپنے فعل سے کسی عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو یا اس کے فعل کے بغیر ہی فاسد ہوا ہو۔

وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

① خاموش رہنا: اگر اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس کو عبادت نہ سمجھتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ بات کرنا کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً غیبت کرنا، اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے برے شعر پڑھنا یا سامان تجارت بیچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لئے پہلی قسم سے چپ رہنا فرض ہے اور دوسری قسم سے چپ رہنا واجب ہے۔ غیر مفید باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بچانے کے لئے خاموش رہنا مکروہ نہیں ہے لیکن زیادہ تر وقت تلاوت قرآن پاک وذکر وغیرہ عبادت میں گزارے۔ خاموش رہنے کے یہ احکام مسجد سے باہر اور اندر والے اور جو شخص اعتکاف میں نہ ہو سب کے لئے یکساں ہیں، مسجد میں اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ یہ احکام ہیں۔

② اگر اعتکاف والے شخص نے دن میں (روزہ کی حالت میں) بھول کر کچھ کھا پی لیا تو چونکہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس کا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

③ اگر اعتکاف والا شخص کھانا اور اپنی ضرورت کی چیزیں مسجد میں بیچے یا خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادہ سے کرے تو مکروہ ہے۔ اعتکاف کی حالت میں نکاح کرنا، طلاق سے رجعت کرنا، لباس پہننا، خوشبو او تیل لگانا جائز ہے۔

④ اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں تجارت کے قصد سے خرید وفروخت

کی بات کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور بغیر اعتکاف والے کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ تجارت کے لئے یا بغیر تجارت کے ہو۔ اور خواہ سامان تجارت حاضر ہو یا نہ ہو، اور خواہ اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کا محتاج ہو یا نہ ہو۔

۵ سامان تجارت کو مسجد میں موجود کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو کھانا اعتکاف والے نے خریدا اس کو مسجد میں لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۶ مسجد میں وطی (جماع) اور اس کے لوازم یعنی بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ کرنا وغیرہ حرام ہے۔

۷ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ افعال مسجد میں اور مسجد سے باہر ممنوع و حرام ہیں۔ پس اعتکاف کی حالت میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع و حرام ہیں اس لئے ان سے بچنا ہر وقت ضروری ہے۔

اعتکاف کے متفرق مسائل

۱ جب کوئی شخص اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا یعنی اعتکاف کی نذر ماننے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے صرف دل سے نیت کرنا اعتکاف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

۲ اگر تثنیہ یا جمع کے صیغہ کے ساتھ یعنی دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی یا دو راتوں یا تین یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اور ان راتوں کے ساتھ ان کے دنوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کچھ نیت نہ کی ہو یا دن

اور رات دونوں مراد لئے ہوں، لیکن اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی اور راتوں کی نذر میں خالص اعتکاف لازم ہوگا اور اس کو متفرق طور پر ادا کرنے کا اختیار ہے اس پر راتوں کا اعتکاف واجب نہیں ہوگا اور صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ راتیں روزے کا محل نہیں ہیں اور اگر صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً داخل نہیں ہوگی اسی طرح صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر کرنے میں دن ضمناً شامل نہیں ہوگا اور چونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا اس لئے وہ نذر لغو ہوجائے گی۔

(۳) جب اعتکاف کے واجب ہونے میں رات داخل نہیں ہے تو اعتکاف کرنے والے کو اختیار ہے کہ متفرق طور پر ادا کرے یا لگاتار ادا کرے اور جب رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اس کو لگاتار اعتکاف کرنا واجب ہوگا، متفرق طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوگا۔

(۴) جب اعتکاف میں رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اعتکاف کی ابتداء رات سے ہوگی۔ پس وہ اپنی نذر کے پہلے دن سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اپنی نذر کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور جب صرف دنوں کے اعتکاف کی نذر کی تو دن سے اعتکاف شروع کرے اور طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور غروب آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔

(۵) اگر ایک معین دن یا ایک معین مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور اس دن سے ایک دن پہلے یا اس مہینہ سے ایک مہینہ پہلے اعتکاف کرلیا یا مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر کی اور کسی اور مسجد میں اعتکاف کرلیا تو جائز ہے، اسی

طرح معین وقت کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے۔

(۶) اگر گزرے ہوئے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۷) اگر کسی نے ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی پھر وہ ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اگر اس نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ہر روزہ کے اعتکاف کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار گیہوں یا جو وغیرہ سے دیئے جائیں اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو اس کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اگر کسی نے مرض کی حالت میں ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور وہ تندرست نہ ہوا یہاں تک کہ مرض کی حالت میں ہی مرگیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ایک دن کے لئے اچھا ہوگیا پھر مرگیا تو سارے مہینہ کے عوض فدیہ دیا جائے گا۔

(۸) جب واجب اعتکاف فاسد ہوجائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ پس اگر کسی معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور اس نے ایک دن یا زیادہ دنوں کا روزہ توڑ دیا تو اتنے ہی دن قضا کرے جن کا روزہ توڑا ہے، اور اگر غیر معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا تو نئے سرے سے اعتکاف کرے، اس لئے کہ اس کا لگاتار ادا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے اپنے فعل سے عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا عذر کے ساتھ لیکن اگر معتبر عذر کے بغیر فاسد کردے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ اعلم

س...... ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ دیئے مجبوری کے تحت کیا وہ شخص اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

ج...... ضرور بیٹھ سکتا ہے، اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہئے۔ اعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔

س...... کیاایک مسجد میں صرف ایک اعتکاف ہو سکتا ہے یاایک سے زائد بھی؟

ج...... ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں اعتکاف بیٹھیں اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔

س...... حالت اعتکاف میں جس مخصوص کونہ میں پردہ لگا کر بیٹھا جاتا ہے کیا دن کو یا رات کو وہاں سے نکل کر مسجد کے کسی پنکھے کے نیچے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ معتکف کسے کہتے ہیں اس مخصوص کونہ کو جس میں بیٹھا جاتا ہے یا پوری مسجد کو معتکف کہا جاتا ہے؟ اور بعض علماً سے سنا ہے کہ دوران اعتکاف بلاضرورت گرمی دور کرنے کے لئے غسل کرنا بھی درست نہیں' کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر بحالت ضرورت مسجد سے نکل کر جائے' اور کسی شخص سے باتوں میں لگ جائے' تو کیا ایسی حالت میں اعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج...... مسجد کی خاص جگہ جو اعتکاف کے لئے تجویز کی گئی ہو اس میں مقید رہنا کوئی ضروری نہیں' بلکہ پوری مسجد میں جہاں چاہے دن کو یا رات کو بیٹھ سکتا ہے اور سو سکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی نیت سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں' البتہ اس کی گنجائش ہے کہ کبھی استنجا وغیرہ کے تقاضے سے باہر جائے تو وضو کے بجائے دو چار لوٹے پانی کے بدن پر ڈال لے' معتکف کو ضروری تقاضوں کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں ٹھہرنا چاہئے' بغیر ضرورت کے اگر گھڑی بھر بھی باہر رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا' اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا' حضرت امامؒ کے قول میں احتیاط ہے اور صاحبینؒ کے قول میں وسعت اور گنجائش ہے۔

س...... کیا اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے جو چاروں طرف چادریں لگا کر ایک حجرہ بنایا جاتا ہے۔ ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی اعتکاف ہو جاتا ہے؟

ج...... چادریں معتکف کی تنہائی و یکسوئی اور آرام وغیرہ کے لئے لگائی جاتی ہیں ورنہ اعتکاف ان کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

س……اعتکاف کے دوران گفتگو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو گفتگو کی نوعیت بتائیں؟

ج……اعتکاف میں دینی گفتگو کی جاسکتی ہے اور بقدر دنیوی بھی۔

س……دوران اعتکاف تلاوت کلام پاک کے علاوہ سیرت اور فقہ سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟

ج……تمام دینی علوم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

س……مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مسجد جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈوالہ یار ضلع حیدر آباد کی کالونی میں واقع ہے، اس مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر انتہائی دیندار آدمی ہیں) اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان کے اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشہ میں بیٹھتے ہیں وہاں گاؤ تکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلیفون بھی لگوا لیتے ہیں جو کہ اعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اعتکاف کے دوران اسی ٹیلیفون کے ذریعہ تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام دفتری کارروائی، فائلیں وغیرہ مسجد میں منگوا کر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگوا کر مسجد میں ہی قوالیوں کے کیسٹ سنتے ہیں جبکہ قوالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں۔ کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوالی سنی جائے؟ اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھوا کر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دینی پروگرام بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ہماری کالونی کے متعدد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔ کیا ان نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

ج……اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص انقطاع الی اللہ میں گزاریں

اور حتی الوسع تمام دنیوی مشاغل بند کردیئے جائیں۔ تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو ان کا کرنا جائز ہے۔ لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لئے دفتر میں تبدیل کردینا بے جا بات ہے اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے جو نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہے۔ آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہئے کہ اگر اعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں فقیرانہ کریں اور محرمات سے احتراز کریں ورنہ اعتکاف ان کے لئے کوئی فرض نہیں۔ خدا کے گھر کو معاف کریں' اس کے تقدس کو پامال نہ کریں۔

س...... کیا حالت اعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر) حالت پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لئے غسل کرسکتا ہے' اور کیا اس سے اعتکاف سنت ٹوٹ جاتا ہے' جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو' اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج...... غسل اور وضو سے مسجد کو ملوث کرنا جائز نہیں' اگر صحن پختہ ہے' اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے' اور پھر جگہ کو صاف کردے۔

س...... ہمارے محلہ کی مسجد میں دو آدمی اعتکاف میں بیٹھے تھے زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کے غسل خانہ میں غسل کرتے تھے۔ ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح غسل کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؟

ج...... ٹھنڈک کے لئے غسل کی نیت سے جانا معتکف کے لئے جائز نہیں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جب پیشاب کا تقاضا ہو تو پیشاب سے فارغ ہوکر غسل خانے میں دو چار لوٹے بدن پر ڈال لیا کریں' جتنی دیر میں وضو ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں بدن پر پانی ڈال کر آجایا کریں الغرض غسل کی نیت سے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں' طبعی

ضرورت کے لئے جائیں تو بدن پر پانی ڈال سکتے ہیں۔ اور کپڑے بھی مسجد میں اتار کر جائے تاکہ غسل خانے میں کپڑے اتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔

س...... میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہوگئی تو میں اعتکاف میں بیٹھوں گا مگر میں اس طرح نہ کر سکا۔ تو مجھے بتایئے کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں؟ کہ میری یہ منت پوری ہو جائے۔ باقی دو روزے نہ رکھنے کے لئے بتایئے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہوگا؟

ج...... آپ نے جتنے دن کے اعتکاف کی منت مانی تھی اتنے دن اعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے۔ اور اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہیں۔ جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے آپ کے ذمہ رہے گا اور اگر اسی طرح بغیر کئے مر گئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہوگی۔ اور آپ کے ذمہ روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہوگی۔

۲ :...... جتنے دن کے روزوں کی منت مانی تھی اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر آپ اتنے بوڑھے ہو گئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جا سکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی امید ختم ہو چکی ہے تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقتہ کھانا کھلا دیجئے یا صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔

عظمتِ قرآن

اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

یہاں آپ حضرات کی مسجد میں مدرسہ حفظ قرآن شروع ہوا ہے، اس کے سلسلہ میں حاضری ہوئی ہے، اس لئے دو چار باتیں اسی کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر وقیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" (الحشر:۲۱)

ترجمہ: "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

(اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا
اور پھٹ جاتا"۔

پہاڑ بھی اس کلام پاک کی عظمت کو برداشت نہ کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآن کریم نازل ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعہ سے ان کے دلوں تک پہنچا۔ اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا واسطہ، پھر انسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ تو اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآن کریم ہم تک پہنچا اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ یہ تو اس کلام پاک کی عظمت ہے۔ اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب پڑھو اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں

یہ کلام پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ بطور لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ شیطان کا نام اچھا ہے کہ برا؟ برے کا نام برا ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے۔ ش ی ط ا ن، شیطان کا نام

ملنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ تو جب قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ "فرعون" کے نام کے پانچ حرف ہیں۔ ف ر ع و ن۔ قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بدبخت ہے، شیطان اپنی جگہ بدبخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام آگیا تو اس کو پڑھتے ہوئے جب کوئی فرعون کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی۔ تو میں نے کہا کہ کتنی بڑی اس کی عظمت ہے؟ کتنی بڑی اس کی قیمت ہے؟

قرآن کریم سے محبت

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی۔ قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے۔ گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے، مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا اتنی ہی حق تعالیٰ شانہ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلام پاک سے تعلق ہوگا، کلام پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے اور نہ ہو تو قل ھو اللہ ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ صرف قل ھو اللہ یاد رہتی ہے وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی۔ اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے۔ اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے جس میں چھوٹی سورتیں ہیں۔ اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں۔ الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"ان الذی لیس فی جوفہ شئی من القرآن کالبیت الخرب" (مشکوٰۃ: ۱۸۶۔ بحوالہ ترمذی ودارمی)

ترجمہ: "وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر"۔

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں۔ تو جس مؤمن کے دل میں قرآن کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

تلاوت قرآن کی مقدار

قرآن کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس

پارے روزانہ قرآن کریم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا۔ اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی جو فمی بشوق پڑھتے تھے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی۔ پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۃ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، اور پانچویں منزل شعرآء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۃ ق سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فمی بشوق۔ تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم۔ جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتہ کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم۔ اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآن کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین قرآن ہوجائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآن کریم کا معمول ہو۔ جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی معمول ہونا چاہئے۔ ایک مہینے کے بعد قرآن کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے تو تم کہو کہ میں نے ۲۲ واں پارہ پڑھا ہے آج ۲۲ تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو۔ پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی

ایک رکوع۔ البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے۔ تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں۔ لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پڑھتے تھے۔ ایک قرآن دن کا ایک رات کا اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی معمول امام بخاریؒ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کا تھا، لیکن ۶۱ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعیّن ہوں گے۔ جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے۔ سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتہ چلتا نہیں۔ لیکن کتنی طاقتور محبت ہے۔ کتنے درجہ کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا۔ یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے۔ اب محبت کا کوئی پتہ نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم قرآن کی ضرورت و اہمیت

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے

ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، ان پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے۔ تعلیم دلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلہ میں کتنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دوسری تعلیم کے بجائے قرآن کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآن کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں، اور بس۔ اور یہ جو بڑے اونچے خاندان کے لوگ ہیں ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآن کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے، ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو لوگ اونچے اونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے۔ الّاماشاء اللہ۔ اس طرف سے غافل ہیں۔ البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی موذن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے۔ ان کے بچے جاکر مسجد کی پرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزت کی بات نہیں۔ اس لئے بچوں کو

مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ امراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآن کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کو بس اتنا کر دیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہوجائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ۲، ۳ سال میں قرآن یاد کرلیتا ہے اور میرے جیسا کوئی کمزور ہو تو وہ ۵، ۶ سال لے ڈوبتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے۔ قرآن کریم جس بچے نے حفظ کرلیا اس کو لے جاکر چھٹی جماعت میں داخل کردو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا۔ کیوں بھئ! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا۔ اب ۵ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کردیا اور بچے نے قرآن کریم حفظ کرلیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرادو اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآن کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ پھر بھی خسارہ نہ ہوا۔ لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہوگئے۔

تلاوت قرآن کا ثواب

اور بہت سے لوگوں نے دل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآن کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی

قرآن کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے۔ میں نے ابھی کہا کہ قرآن کریم میں فرعون "یا شیطان" کا لفظ آیا اس کے پڑھنے پر پچاس (۵۰) نیکیاں ملتی ہیں تو قرآن کریم کے "الفاظ کو دہرانا" اپنی زبان سے ادا کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں چونکہ قرآن کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رٹ لی مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا۔ جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلّق نہیں۔ یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔ ادھر قرآن کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت۔ تو ان غریبوں نے قرآن کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کرلیا۔ یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں۔ ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے۔ اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ الحمدللہ رب العالمین کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے بار بار رٹتا ہے تو الحمدللہ رب العالمین میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور

جتنی مرتبہ دہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔ اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتا الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا؟ جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمہ لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں۔ تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآن کریم کے پڑھے جتنی مرتبہ پڑھا وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

کشف قبور کا سبق آموز واقعہ

حافظ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں یہ قصہ نقل کیا ہے اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے۔ قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ کشف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے اگر دیوار ہٹادی جائے تو ادھر اس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے۔ کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دکھادیتے ہیں۔ قبر میں میت کا حال نظر آجاتا ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں۔ اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی۔ تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مردے ان کو چن رہے ہیں۔

یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے۔ یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں کہ بھائی یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو ایصال ثواب کرتے ہیں، دعا واستغفار کرتے ہیں وہ ساری کی ساری تقسیم ہو جاتی ہے اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ التحیات میں پڑھتے ہو نا؟

"رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب"

ترجمہ: "اے پروردگار میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو"۔

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے دی ہے۔ تو یہ وہ دعا اور استغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کردیا جاتا ہے اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں، اس بزرگ نے پوچھا کہ بھائی تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں، اور یہ بیچارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں، بزرگ نے پوچھا کہ بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ میرا بیٹا حافظ قرآن ہے۔ روزانہ ایک قرآن پڑھ کر مجھے ایصال ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان

صدقات وخیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا کہ تمہارا بیٹا کون ہے، کیا نام ہے؟ کہا فلاں شہر میں اس کی دکان ہے۔ اس کا نام یہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے۔ مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا، یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا، اس دکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے۔ میں نے قریب جا کر پوچھا کہ کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے پوچھا کہ آپ اپنے والد کو روزانہ ایک قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے ہاں! پھر پوچھنے لگے آپ کو کیسے پتہ لگا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتلایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا صحیح ہے، یہی میرا نام ہے، اور میں حافظ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے۔ پھر وہی منظر سامنے آ گیا۔ اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دوسروں کے ساتھ چننے میں مصروف ہے۔ بزرگ نے پوچھا اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے۔ میری پنشن بند ہو گئی۔ اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتہ نہیں۔ وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن

مسلمانوں کے دل میں اس کی قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھادو۔

خوش قسمت لوگ

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں۔ ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرت شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا)۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ موذن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا۔ اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا۔ نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے (آمین)۔

ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا ادھر گھر میں تو کیا اردگرد میں بھی کوئی حافظ نہیں تھا رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو

ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی ڈاڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجھول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ فرماتے مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا، اللہ نے ان کی دعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ ان کی اولاد میں ۲۵ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے ۴ بیٹے ہوں ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو تھوڑا تھوڑا بھی بخش دو گے تو ان شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ امام الاولیاؒ فرماتے تھے، ہاں امام الاولیاؒ! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں جاکر پتہ چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ دنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی۔ تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے۔ اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

دعا ختم قرآن

آخر میں ختم قرآن کی دعا کا ترجمہ کرتا ہوں، یہ دعا قرآن کے آخر میں سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ دعا یہ ہے۔

"اللھم آنس وحشتی فی قبری"

"اے اللہ میری قبر میں وحشت کو انس سے تبدیل کردے"۔

وحشت کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے۔ یا اللہ قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو انس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

"اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم"

"یا اللہ مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآن کریم کے ذریعہ سے"۔

"واجعله لی اماما ونورا وھدی ورحمة"

"یا اللہ بنادے اس کو میرے لئے امام۔ امام آگے ہوتا ہے مقتدی پیچھے ہوتے ہیں۔ قرآن آگے آگے چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے"۔

"اللھم ذکرنی منه مانسیت وعلمنی منه ماجھلت"

"یا اللہ یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا"۔

"وارزقنی تلاوته آناء الیل واناء النھار وجعله

لی حجة یارب العالمین"

ترجمہ: "اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں اور رات کی گھڑیوں میں، دن اور رات تلاوت کیا کروں یہ نصیب فرما اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن"۔

حدیث میں ہے کہ:

"والقرآن حجة لک او علیک" (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

"یعنی قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف"۔

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ:

"عن ابی مالک الاشعری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، الطهور شطر الایمان، والحمد لله تملاء المیزان، وسبحان الله والحمدلله تملان اوتملاء مابین السموات والارض، والصلوة نور، والصدقة برهان، والصبر ضیاء، و القرآن حجة لک او علیک، کل الناس یغدو، فبائع نفسه، فمعتقها اوموبقها"

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

ترجمہ: "حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

پاک رہنا آدھا ایمان ہے، اور الحمد للہ کہنا اعمال کی ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں۔ یا فرمایا کہ ہر کلمہ بھر دیتا ہے۔ آسمان وزمین کے درمیان کے خلاء کو، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے، اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا تیرے اوپر، ہر ایک شخص صبح کرتا ہے، پس بیچتا ہے اپنی جان کو، پس اس کو آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا ہے"۔ (ماخوذ از مظاہر حق صفحہ ۱۱۰ جلد ۱)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ قرآن کریم تیرے لئے حجت بنے گا قیامت کے دن یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

تلاوت قرآن کی عادت ڈالنے کا طریقہ

دیکھو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو۔ میں نے درجے بیان کردئے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کے، اور میں نے کہا کہ سب سے آخری درجہ کم سے کم یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کی جائے تو آخری درجہ پر تو آجاؤ۔ پرائمری پاس ہو تو اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ تعلیم یافتہ کا لفظ بولا جاتا ہے میٹرک کے بعد۔ یعنی میٹرک کے بعد اس کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ جس نے دو چار جماعتیں پڑھی ہوں اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ ایک دو رکوع اگر پڑھو گے تو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں نام آئے گا، اپنا نام تبدیل کرواؤ، کم سے کم آخری درجے پر تو آجاؤ۔ شروع شروع میں چلو پرائمری ہی سہی۔ پرائمری کرو گے تو

میٹرک بھی کرلو گے۔ پہلے پرائمری کرو گے پھر مڈل کرو گے پھر میٹرک ہوگا، تو بھئی شروع شروع میں اگر زبان نہیں چلتی تو تھوڑا پڑھو، پاؤ آدھ پاؤ، لیکن پڑھتے جاؤ۔

تم دنیا کے معاملات میں تو ترقی پر ترقی چاہتے ہو، لیکن آخرت کے معاملے میں، دین کے معاملے میں، قبر کے معاملے میں، حشر کے معاملے میں، اتنی تو ترقی کرو کہ پہلی جماعت سے ہی شروع کرو، یعنی ایک دو رکوع سے ہی شروع کرو، لیکن اس کو معمول بنالو۔ روزانہ کا۔ اپنی خوراک بنالو، قرآن کریم تمہاری خوراک بن جائے اور پھر اس پر ترقی کرتے کرتے تمہارا نمبر یہاں تک آجائے کہ ایک پارے کی تلاوت تمہاری خوراک بن جائے۔ اور پھر اس سے آگے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مجھے بھی ساتھ لے گئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمیں کافی روز ٹھہرنا پڑا، الحمدللہ پورے سفر میں چار مہینے لگ گئے۔ والد صاحب کا پورے سفر میں ۱۵ پارے کا معمول تھا، ایک دن مجھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کچھ سر میں درد رہتا ہے، میں نے کہا جی ذرا تلاوت تھوڑی کم کردیجئے۔ حفظ نہیں تھا، اور ایسے ہی پرانے زمانے میں میاں جی سے پڑھا تھا، پورا صحیح بھی نہیں تھا لیکن پندرہ پارے روزانہ کا معمول تھا۔ دوسرے دن قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ میرے کہنے پر پانچ پارے کم کردئے اور روزانہ دس پارے کا معمول بنالیا تھا، یہ تو سفر حج کا معمول رہا اور رمضان المبارک میں روزانہ کا دس پارے کا معمول تھا۔

لہٰذا تم چاہو تو ترقی کرسکتے ہو مگر تھوڑی ہمت کرو۔ دل میں شوق پیدا کرو۔ اور جب یہ چاٹ لگ جائے گی تو ان شاء اللہ چھوٹے گی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق

عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حقوق اللہ

اور ذکر اللہ کی فضیلت

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

فہرست ذکر اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق اللہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًاکثیرا، اما بعد!

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ التی خطبھا فی اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ فی سالم بن عوف: ”خذوا بحظکم ولا تفرطوا فی جنب اللّٰہ ، قد علمکم اللّٰہ کتابہ، ونھج لکم سبیلہ، لیعلم الذین صدقوا ویعلم الکاذبین، فاحسنوا کما احسن اللّٰہ الیکم، وعادوا

اعدائه، وجاهدوا فی اللّٰه حق جهاده، هو اجتباکم وسماکم المسلمین........"

(حیات الصحابہ جلد۳ صفحہ۲۹۶، بدایہ والنہایہ جلد۳ صفحہ ۲۱۳)

ترجمہ: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم فرمادی ہے، اور تمہارے لئے اپنا راستہ واضح کردیا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں، پس تم احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے، اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کا حق ہے، اس نے تم کو چن لیا ہے، اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد جیئے، اور نہیں ہے کوئی قوت مگر اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے ساتھ"۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، اس خطبہ میں پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ کا تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کے غصہ سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے بچاتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا چہروں کو سفید کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے، اور درجے کو بلند کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ جملے ہیں جو میں نے اس وقت پڑھے ہیں ان میں ارشاد فرمایا: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ "اپنا حصہ لے لو" یعنی

اعمال کا حصہ یہاں سے حاصل کر کے جاؤ، دنیوی زندگی میں تمہارا حصہ، جو تمہیں مرنے کے بعد کام آئے گا یہی اعمال صالحہ ہیں، اسی طرح جو مال تم نے رضائے الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کردیا وہ تمہارا حصہ ہے، لہٰذا جب دنیا سے جاؤ تو یہاں سے اپنا حصہ وصول کر کے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو

"اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ:

"یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ وان کنت لمن السخرین" (الزمر:۵۶)

ترجمہ: "ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملہ میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے"۔

پس اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملہ میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کسل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

ایمان ویقین لانے میں کوتاہی

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی کرنا، اس کی ایک صورت تو سب سے بڑی

کفار میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی، یعنی ایمان، یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے، لیکن ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں، ایمان، ایمان میں بھی فرق ہے، تو کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور ہمیں کامل ترین ایمان نصیب فرمائے آمین۔ محنت بھی کرنی چاہئے، دعا بھی کرنی چاہئے۔

فرائض میں کوتاہی

ایمان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا ہے، اور اعمال میں سے سب سے اول فرائض کا درجہ ہے، نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، اگر مالی و بدنی استطاعت ہے تو حج فرض ہے، اسی طرح جو حقوق واجبہ ہیں، ان کے ادا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔

ہم سے جو فرائض و واجبات ادا کرنے میں غفلت ہو جاتی ہے، کوتاہی ہو جاتی ہے، یہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں ان فرائض و واجبا کی اہمیت کا اندازہ نہیں، اور ان کو ترک کرنے کے وبال کا احساس نہیں، اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان فرائض میں کوتاہی کرنے سے ہمارا کتنا نقصان ہو رہا ہے تو ہم ان کے بجالانے میں کبھی سستی نہ کریں، کبھی سستی نام کو بھی نہ آئے، اور برا ماحول بھی سستی پیدا کرتا ہے، اچھا خاصہ دین دار آدمی اگر بے دین لوگوں میں چلا جائے، جن کو دین کی پرواہ نہیں، تو یہ بھی ڈھیلا ہو جائے گا، اور ایک آدمی جو دین کے اعتبار

سے سُست ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور وہ کسی اچھی محفل میں چلا جائے، اچھے ماحول میں چلا جائے، وہاں اس کو کچھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو اس کی سستی بھی کافور ہو جائے گی، ہمارے وہ نوجوان جو پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جب تبلیغ میں نکلتے ہیں تو تہجد بھی پڑھنے لگتے ہیں، اور چند دن میں تہجد گزار بن جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو مسجد کا پاکیزہ ماحول ملا ہے، اور معاشرے کے گندے ماحول سے ان کو نکلنے کا موقع ملا ہے، اس وقت تو ان کا ماحول محدود ہوتا ہے، شب و روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننا سنانا ہوتا ہے، ذکر ہے، تسبیح ہے، نماز ہے، دعوت ہے، الغرض تبلیغ میں نکلنے کے بعد آدمی کو سراپا خیر کا ماحول مل جاتا ہے، اور آدمی کے مزاج پر اس ماحول کے اثرات پڑتے ہیں، اس لئے میں اپنے عزیز نوجوانوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کو ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ یہاں کے زہریلے ماحول نے ان کے مزاج میں جو زہریلے اثرات پیدا کردیئے ہیں تبلیغ میں نکل کر ان کے مزاج کی اصلاح ہو جائے، اور اس زہر کا تریاق مہیا ہو جائے۔

نیک اعمال میں کوتاہی

اور تیسری قسم کی سستی یہ ہے کہ ان چیزوں میں کوتاہی جو فرض نہیں ہیں، واجب نہیں ہیں، فرائض اور واجبات کو تو آدمی ادا کرتا ہے، لیکن دوسری جو عبادتیں ہیں نفلی، ان میں نفس کہتا ہے، چلو یہ چیز کوئی فرض تو نہیں، نہ کرو، لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہم نے کتنی دولت کھودی، اور ہمارے نفس نے تساہل پسندی اور سستی سے کام لے کر کتنا خسارہ اٹھایا، اس لئے اس معاملے میں بھی جہاں تک اپنے امکان میں ہو سستی نہ کی جائے، فرائض کے بعد نوافل

ادا کرنے میں اور دوسرے نیک کام کرنے میں، اگرچہ یہ چیز فرائض میں شامل نہیں، مگر آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مرنے والے کی حسرت

ایک حدیث میں ہے:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامتہ یا رسول اللّٰہ! قال ان کان محسنا ندم ان لایکون ازداد وان کان سیئا ندم ان لایکون نزع۔ رواہ الترمذی" (مشکوٰۃ: ۴۸۴)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے اس کو ندامت ضرور ہوتی ہے، چاہے نیک ہو، چاہے بد ہو، اچھا ہو، یا برا ہو، پھر اس کی تشریح فرمائی کہ نیک آدمی کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ جمع کرلیں، اور برے آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ وہ برائیوں سے کیوں باز نہ آیا، اور اس نے توبہ و استغفار سے تدارک کیوں نہ کرلیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۴)

الغرض نیک آدمی کو بھی یہ حسرت ہوتی ہے، کیونکہ وہاں نیکیوں کا سکہ چلے گا، اب جس کی جیب میں جتنے پیسے ہیں وہ اتنی ہی چیزیں خرید سکتا ہے، اور وہاں چیزیں بہت سستی ہیں، بہت سستی ملتی ہیں، لیکن جیب میں پیسے بھی تو ہوں، تو اس وقت آدمی للچائے گا اور اس کو یہ حسرت ہوگی کہ اے کاش! میں زیادہ سے

زیادہ نیکیاں لے کر آتا، تو آج زیادہ سے زیادہ یہاں کی چیزیں خرید سکتا، وہاں کی چیزیں کیا ہیں؟ جنت کے درجات، وہاں نیکیوں کے حساب سے درجات ملیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ دنیا سے اپنا نیکیوں کا حصہ لے کر جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔

سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز

اس کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تم کو سکھادی ہے، اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے، ہدایت کو واضح کردیا ہے" اب چلنا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو، اور چلتے رہو اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے "تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کردے جھوٹوں کو"۔ سچے اور جھوٹے الگ الگ ہوجائیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ کردیتے ہیں، لیکن اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، جب یہ اعلان ہوگا: "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون" (سورۃ یٰسین)
"اے مجرمو! تم الگ ہوجاؤ"۔

نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ جب حکم ہوگا کہ اے مجرمو الگ ہوجاؤ! مجرم فرماں برداروں سے الگ ہوجائیں گے، تو اس وقت سچے اور جھوٹے کے درمیان پورا امتیاز ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری پردہ دری نہ فرمائے اور ہماری حالت پر رحم فرمائے آمین۔

مخلوق کے ساتھ انصاف کرو

آگے فرمایا "تو تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کیا تم پر"

قرآن کریم میں قارون کی قوم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ قارون کو نصیحت کرتے ہوئے لوگوں نے یہ کہا "اس خزانے پر اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، تم اپنے اس خزانے اور مال و دولت کے ذریعہ آخرت کا گھر تلاش کرو، اور دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو"۔ دنیا میں تمہارا اتنا حصہ ہے، دو روٹیاں کھالیں، کپڑا پہن لیا، رہنے کا مکان ہو ٹوٹا پھوٹا، تمہاری جو بنیادی ضروریات ہیں، جن پر زندگی کا مدار ہے یہی تمہاری ہیں اور بس، اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہیں"۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"یقول ابن آدم مالی، مالی قال وھل لک یا بن آدم الا یا اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فامضیت" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)

"آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال، میرا مال، آدم کے بیٹے! تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو نے کھالیا، کھاکر ختم کردیا، پہن لیا، پہن کر بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا اور اپنے لئے ذخیرہ کردیا، اس کے علاوہ جتنا مال ہے وہ تیرا نہیں ہے تجھے غلط فہمی ہے یہ تو دوسروں کا ہے"۔

تو قارون کی قوم اسے نصیحت کررہی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے، اس سے آخرت خریدو، ایک بات، دوسری بات یہ کہ دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو کہ تمہارا حصہ بس اتنا ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم دوسروں کو دو، اور یہ نہ سمجھو کہ دوسروں کو دوں گا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔ اپنی ضرورت رکھ کر باقی دوسروں کو دے

دو، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ خرچ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میں گھر میں صدقہ وغیرہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا ہاں کرسکتی ہو اور پھر فرمایا:

"ولا تحصی فیحصی اللّٰہ علیک ولا توعی فیوعی اللّٰہ علیک"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۴)

ترجمہ: "اور گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دیا کرے گا اور بند کرکے نہ رکھا کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بند کردے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان گنت دیا ہے، تم بھی ان گنت دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو فیاضی سے دیا ہے تم بھی فیاضی سے دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی ہے، اس طاقت کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرو، مال دیا ہے مال کو خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے۔ اسی طرح جتنی صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان کو خلق خدا پر خرچ کرو اور ان پر رحم کرو۔ مشہور حدیث ہے:

"الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۵)

ترجمہ: "مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہو"۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"الراحمون یرحمھم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

تم زمین والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو

اس کے بعد فرمایا: وعادوا اعدائہ "اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت رکھو، اگر اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی نہیں تو تمہیں پاس محبت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی نہیں تو پاس غیرت نہیں ہے، اور یہ دونوں علامتیں ہیں ضعف ایمان کی اور اللہ تعالیٰ سے کمزور تعلق کی۔ ایک حدیث میں ہے:

"من احب للّٰہ، وابغض للّٰہ، واعطی للّٰہ، ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴)

ترجمہ: "جس نے محبت کی اللہ کے لئے، اور دشمنی کی اللہ کے لئے، اور جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

"ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالٰی الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ۔ رواہ احمد" (مشکوٰۃ: ۴۲۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو سب اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل ہے اللہ کی خاطر کسی سے محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا"۔

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں یہ چیز مفقود ہے، کیونکہ ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مفقود ہے یا کمزور ہے، جب کہا جاتا ہے، کہ فلاں قسم کے لوگوں کے ساتھ لین دین نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ بھی تو لین دین کی اجازت ہے، جب کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو جو دین اسلام کے باغی ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں مثلاً مرزائی، ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلاؤ اور خود ان کی تقریبات میں نہ جاؤ، تو آپ لوگ بہانہ بنالیتے ہیں، اور میں ویسے بھی آپ لوگوں کو جیل تو نہیں بھجوادوں گا، (میرے سامنے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) لیکن اگر کل اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرلیا کہ میرے دشمنوں سے کیوں تعلق رکھا تھا تو پھر کیا جواب ہوگا؟ وہ جواب سوچ کر لے جائیے۔

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "عادوا اعدائہ" "اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ دشمن سے دوستی رکھنے والا دشمن ہوتا ہے، اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے، گویا تم اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی دشمنی کا اعلان کرتے ہو، تم اپنے دنیاوی تعلقات میں ایسے لوگوں سے تو قطع تعلق کرلیتے ہو جو تمہارے

دشمنوں سے دوستی رکھتے ہوں، تم ان کے یہاں نہیں جاتے، کیونکہ وہ فلاں فلاں آدمی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ تمہارے تعلقات کشیدہ ہیں، تمہاری انا اس کو برداشت نہیں کرتی کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے تعلق رکھو، تو ذرا سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس چیز کو کیسے برداشت کرے گی کہ تم اس کے دشمنوں سے تعلق رکھو۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کرو

آگے ارشاد فرمایا کہ: "وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ" "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا"۔

اس کے راستے میں جہاد کرنے کا کیا حق ہے؟ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کردو۔ اور کہو کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جہاد میں دو صحابیؓ گئے، ایک کہنے لگے کہ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تم دعا کرو تو میں آمین کہوں گا۔ ایک نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ! کل کافروں سے مقابلہ ہونے والا ہے، میرے مقابلہ میں بڑا سا کافر آئے، جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن ہو، میرا اس سے سخت مقابلہ ہو، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں اس کو قتل کردوں، دوسرے نے کہا آمین، اب دوسرے نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ! کل مقابلہ ہونے والا ہے، پہلے میں کافروں کو قتل کردں، اس کے بعد مجھ کو جام شہادت نصیب فرما، میں تیرے راستے میں شہید ہوجاؤں، جب آپ قیامت کے دن مجھ سے پوچھیں کہ

تجھے کیوں زخمی کیا گیا، کیوں قتل کیا گیا، کیوں تیرے تلوار ماری گئی، کیوں تجھے نیزہ لگایا گیا؟ تو میں کہوں یا اللہ یہ آپ کی خاطر کیا گیا ہے، صرف آپ کی خاطر آپ کے نام کے لئے۔ جیسے حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہ نے اپنے احباب سے فرمایا تھا کہ ہماری قبر پر یہ شعر لکھ دینا ؎

بہ لوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

"ہماری تربت کی لوح پر لوگوں کو غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی ملی کہ یہ جو اس قبر میں مقتول پڑا ہوا ہے بے گناہی کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہیں تھا"۔

حضرت قدس سرہ کو شیعوں نے شہید کر دیا تھا، مغرب کے بعد گھر میں گھس گئے اور ذبح کر دیا، شہید فی سبیل اللہ ہو گئے۔

غرضیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جان و مال پیش کر دو۔ جان مانگے تو جان حاضر، مال کا نذرانہ مانگے تو مال حاضر، قوتوں اور صلاحیتوں وغیرہ کا نذرانہ مانگیں وہ حاضر، وقت مانگیں وہ حاضر، جو مانگیں وہ حاضر، کیونکہ جو کچھ بھی مانگا ہے انہی کی امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان و مال کو خرید چکا ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون"

ترجمہ: "بے شک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے، جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوجاتے ہیں"۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی برادری کے لئے قتل ہوتا ہے، کوئی جاہ و منصب کے لئے قتل ہوتا ہے، اور مومن محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال کو خرید لیا اور ان کی قیمت ادا کی جاچکی ہے، یعنی جنت۔

آگے فرمایا:

"وعدا علیه حقا فی التوراة والانجیل والقرآن ومن اوفی بعهده من اللّٰه فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذلک هو الفوز العظیم" (التوبہ: ۱۱۱)

ترجمہ: "یہ اللہ کے ذمہ سچا وعدہ رہا، تورات میں بھی، انجیل میں بھی، اور قرآن میں بھی، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ سو تمہیں خوش ہوجانا چاہئے اللہ کے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہ ہے بڑی کامیابی"۔

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا واہ! واہ! واہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واہ، واہ؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یا رسول

اللہ! اللہ تعالیٰ خود ہی فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جان و مال کا سودا کرلیا ہے، اللہ کی قسم نہ ہم اس سودے کو خود توڑیں گے، نہ توڑنے دیں گے، اب وہ سودا ہوچکا، پکا رہے گا، جو چیز اللہ تعالیٰ نے خریدی ہم اس کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں، اللہ اس سودے کو کیوں توڑیں گے؟ بھئی یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا" مالک کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، کسی تردد اور پریشانی کی ضرورت نہیں، آگے پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں، کوئی جان، مال، عزت، آبرو سے محبت کی ضرورت نہیں، بیوی بچوں سے محبت کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہم سے خرید بھی چکا ہے، اور اس کی قیمت بھی ادا کرچکا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو جو اللہ نے چمکایا اسی بات پر چمکایا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو گھروالوں سے کہہ کر جاتے ہیں کہ چائے بناکر رکھنا، میں واپس آکر پیوں گا، اور صحابہ کرامؓ جب مسجد میں جاتے، تو گھر کہہ کر جاتے کہ مسجد میں جارہے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے نہ بھیجا تو واپس آجائیں گے، ورنہ انتظار نہ کرنا، تیار ہوکر جاتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ نصیب فرمائے۔ اللہ کے دشمنوں سے عداوت ہو، اللہ سے تعلق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دل میں عظمت ہو، اور اس محنت پر جو کچھ ملنے والا ہے، اس کی قدر و قیمت دل میں ہو، تو پھر آدمی محض رضائے الٰہی کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے، اور میاں فتویٰ دماغ سے نہیں دل سے لیا جاتا ہے، کسی جگہ دل کا اور کسی جگہ دماغ کا فتویٰ چلتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجائے تو

دماغ سے فتویٰ نہ لو، سوچوں میں نہ پڑو، دل سے فتویٰ لو۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ

اس خطبہ میں آگے ارشاد ہے:

"ھواجتباکم" "اس نے تمہیں چن لیا ہے"۔

یہ قرآن کی آیت ہے۔ غور کرو اللہ کی مخلوق کتنی پھیلی ہوئی ہے؟ پانچ ارب انسانی مخلوق بتائی جاتی ہے، لیکن ساری مخلوق میں سے اللہ نے تم کو اپنے لئے چن لیا ہے، باقی سب کو چھوڑ دیا، تم اللہ کے چنے ہوئے ہو، اور اس چناؤ پر اس کا جتنا بھی شکر بجالاؤ کم ہے۔ بہت سے لوگ ملازمت کے امیدوار بیٹھے ہوں اور گورنر ہاؤس کی نوکری کے لئے ان میں چند نوجوانوں کو چن لیا جائے اور نگاہ انتخاب خود ہی ان پر پڑجائے، نہ درخواست دی، نہ کسی کی سفارش، نہ رشوت دی۔ مالک نے تمہاری درخواست کے بغیر، سفارش کے بغیر اپنے کام کے لئے تم کو چن لیا، اپنے دین کے لئے تم کو چن لیا، تم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہو، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی مجتبیٰ ہے، مصطفیٰ بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہیں اور تم عام انسانوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہو۔ اور صحابہ کرامؓ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعتوں میں سے چنے ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رسول نہیں، صحابہ کرامؓ سے بہتر دوسرے رسولوں کے صحابہ نہیں، اور تم سے بہتر دوسرے نبیوں کی امتیں نہیں۔ مجتبیٰ ہیں، یعنی چنے ہوئے ہیں۔

مسلمان: اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے

آگے فرمایا:

"وسماکم المسلمین" "اسی نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان"۔

مسلم کی جمع ہے مسلمین، ہم مسلم ہیں، مسلم کہتے ہیں فرمانبردار کو، اسی لئے لغت کی کتابوں میں اسلام کے معنی ہیں، گردن ڈال دینا، جو کسی کے آگے اپنی گردن ڈال دے، اس کو مسلم کہتے ہیں، اور اللہ نے ہم کو مسلم کہہ دیا، ہماری سعادت ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ مالک کی طرف سے ہمیں مسلمین کا خطاب دیا جارہا ہے، کہ یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، یہ تم پر عنایت ہے، نوازش ہے، تم بھی کچھ ان کا لحاظ کرو۔ آگے فرمایا:

"لیهلك من هلك عن بینة ویحیا من حی عن بینة ولا قوة الا باللہ"

ترجمہ: "یہ اللہ نے اس لئے کیا ہے تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ حجت اور دلیل قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہو وہ بھی دلیل اور حجت کے ساتھ زندگی حاصل کرے اور کوئی طاقت نہیں اللہ کے بغیر"۔

لاؤڈ اسپیکر پر درود و سلام پڑھنا ریاکاری ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ جوش میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! تم کسی بہرے یا غائب کو

نہیں پکار رہے" آج کل لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج چل نکلا ہے، بھئ! صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ آخر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کس کو سنانا چاہتے ہو؟ اگر مخلوق کو سناتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم کو ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا؟ بلکہ الٹا موجب وبال ہے، ریاکاری ہے کہ مخلوق کو سنانے کے لئے کرتے ہو؟ اور اگر اللہ کو سنانا چاہتے ہو تو وہ لاؤڈ اسپیکر کا محتاج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاؤڈ اسپیکر تم نے شیطان کے کہنے پر لگایا ہے، اس نے تم کو پٹی پڑھائی ہے تاکہ وہ ریاکاری کے ذریعہ تمہارا ثواب غارت کرے، تمام بدعات کی یہی حالت ہے، میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ سنت میں نور ہوتا ہے اور بدعت میں شور ہوتا ہے، یہ جو گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ساری زندگی ان کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں آتی، ان کو سنت سے کوئی شغف نہیں، ان کو کبھی شرم نہیں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لے رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی بنالیں، "میرے مولا مدینہ بلالو مجھے" یوں ہی گا رہے ہیں، یہ تو کنجری بھی گاتی تھی ریڈیو پر، وہ نعت خواں بن گئی، تو ارشاد فرمایا "اے لوگو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع وبصیر ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے"۔ ایک بار صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اس کو پکار کر کہیں اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب
دعوۃ الداع اذا دعان"

ترجمہ: "کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں"۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"قال ابوموسی وانا خلفہ اقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ فی نفسی فقال یا عبداللّٰہ بن قیس الا ادلک علی کنز من کنوز الجنۃ فقلت بلی یارسول اللّٰہ! قال: لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

(مشکوٰۃ:۲۰۱)

ترجمہ: "حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اور زیر لب پڑھ رہا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے ارشاد فرمایا "یا عبد اللہ بن قیس! (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے) تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟" میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتائیے! فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے"۔

"لاحول" نہیں ہے غلطی اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، "ولا قوۃ" اور نہ نیکی اور بھلائی پر جما رہنے کی طاقت، "الا باللہ" مگر اللہ کی توفیق سے" جو کچھ ہو رہا ہے مالک کی قدرت سے ہو رہا ہے، کوئی گناہ سے بچتا ہے تو اس کی رحمت سے بچتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی رحمت سے کرتا ہے یہ

معنی ہیں۔ اس کلمہ کے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر اللہ کی فضیلت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد!

"فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الیوم، فانہ من یصلح ما بینہ وبین اللّٰہ یکفیہ اللہ ما بینہ وبین الناس، ذالک بان اللّٰہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ، ویملک من الناس ولا یملکون منہ، اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العظیم"۔

(حیات الصحابہ ج:۳ ص:۲۹۷، بدایہ والنھایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ: "پس تم زیادہ کرو اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ اور وہ لوگوں پر اختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اور نہیں قوت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ"۔

دین کی بنیادی باتیں

یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا۔ اس خطبہ میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکر الٰہی تمہارے دلوں کی صفت بن جائے، ذکر الٰہی تمہارے دلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دل منور ہوجائیں، اور تمہاری روح اس کی لذت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے "حتی یقال انه مجنون" یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور

دیوانے ہو جاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ تو کثرت ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر زبان سے بھی کرو، دل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم

ذکر کہتے ہیں یاد کرنے کو یا تذکرہ کرنے کو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ ذکر کے اصل معنی یاد کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔

فرمایا: "لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" "تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے"۔

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہو گیا۔ پس اپنی زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہو جانا چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے ؎

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور، پھر حدیث دل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے بس اللہ کے ذکر میں مشغول

ہو جاؤ، یہ ہے کثرت ذکر۔

ذکر کی کثرت مطلوب ہے

قرآن کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ کثرت ذکر کی قید بھی لگائی ہے:

"اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا "اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "کثرت سے اللہ کا ذکر کرو" یہاں پر بھی فرمایا "اللہ کو کثرت سے یاد کرو" اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دل کی صفت بن جائے، اور ذکر الٰہی تمہارے دل کی ایک کیفیت بن جانی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہو جائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دوسری کیفیتوں کو مغلوب کرلیتی ہے۔ اب اگر دن بھر تو ہم دوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کرلیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکر الٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہو جانا چاہئے تب قلب کی دوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے

اللہ کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے، اور ذکر الٰہی کے بغیر دل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مثل الذی یذکرابه والذی لایذکر مثل الحی والمیت، متفق علیه"۔ (مشکوٰۃ:۱۹۶)

"مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے"۔

ذکر الٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکر الٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ "یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دل کا"۔ کہ اپنے لطف واحسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

نفس کی ریاضت ضروری ہے

اور ایک بات خاص تجربہ کی عرض کرتا ہوں کہ آدمی کا نفس شتر بے مہار ہے، یہ جلدی سے قابو میں نہیں آتا، یہ اپنی مرضی کا مالک ہے، کبھی اس کی موج ہوئی اور اس کو نشاط ہوا تو سارے کام اس سے کروالو، اور کبھی نشاط نہیں ہوتا تو یہ فرض بھی ادا کرکے نہیں دیتا۔ البیلا قسم کا مزاج ہے نفس کا، کبھی کسی

طرف کبھی کسی طرف، اس میں پختگی اور مستقل مزاجی نہیں۔ جیسے انجان گھوڑا جو سوار کے قابو میں نہیں آتا اور صحیح رفتار نہیں پکڑتا ہے۔ تو یہی حال نفس کا بھی ہے کہ یہ بھی بغیر ریاضت اور سدھانے کے صحیح کام نہیں کرتا۔ اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر روزانہ کا کام لگادو اور اس سے کہہ دو کہ برخوردار اتنا کام تو تم سے کروانا ہے۔ تم چاہے میں کرو چاہے چیں کرو، اتنے دانے تو تجھ سے پسوا کے چھوڑنا ہے۔ تم نوکر ہو، مزدور ہو، اتنی نوکری تو تم سے لینی ہے۔ بھئی ملازم رکھتے ہو تو اس سے وقت پر ڈیوٹی لیتے ہو اور پوری ڈیوٹی لیتے ہو۔ اگر کبھی دیر سے آتا ہے تو تنبیہ کرتے ہو کہ میاں وقت پر آیا کرو، اسی طرح ہم بھی بارگاہ الٰہی کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، بندے ہیں، ہمیں بے شمار نعمتیں دے کر طاعت وبندگی کی ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ تو اللہ کے بندے نفس کے ساتھ طے کرلیتے ہیں کہ بھئی اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، اتنی تلاوت روزانہ کروانی ہے، اتنی نماز تم سے روزانہ پڑھوانی ہے۔ (ایک تو فرض نمازیں ہیں، کچھ نفل نمازیں بھی اس کے ساتھ رکھو، تھوڑی بہت کام دیں گی)۔ اتنا ذکر وتسبیحات تم سے کروانا ہے، اور اسی طرح جن حضرات کو مال عطا فرمایا ہے، وہ نفس کے ساتھ طے کرلیں کہ اتنا صدقہ تجھ سے دلوانا ہے، اسی طرح آگے چلے جایئے کہ نفس سے کہا جائے کہ محلے کے اندر ایک شخص کی اعانت بھی تجھ سے کروانی ہے، ہمارے دعوت و تبلیغ والے حضرات یہ کچھ آگے نکل جاتے ہیں، نیکی میں آدمی جتنا آگے نکل جائے اچھا ہے، اتنا کام تم سے دعوت و تبلیغ کا لینا ہے، مسجد میں آتے ہو تو اعتکاف کی نیت سے بیٹھو، اس سے یہ بھی طے کروالو کہ اتنی دیر تمہیں مسجد میں بٹھانا ہے۔

نفس سے شرائط طے کر کے پھر اس کی نگرانی کی جائے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ اس طرح باتیں طے کرنے کو "مشارطہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی نفس سے ملازمت کی شرائط طے کرنا کہ یہ یہ کام تم نے کرنے ہیں اور جس طرح ملازمین پر ایک نگراں مقرر کر دیا جاتا ہے، کہ ملازم صحیح کام بھی کر رہے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جب تم نے نفس کے ساتھ "مشارطہ" کر لیا اور شرائط طے کر کے اب اس کو کام میں لگا دیا تو اس کی نگرانی بھی کرو، اور یہ دیکھتے رہو کہ جتنا کام اس کے ذمہ لگایا تھا وہ ٹھیک سے کر بھی رہا ہے یا نہیں؟ اس کو مراقبہ کہتے ہیں، اور پھر سارے دن کے اعمال پر نظر ڈالتے ہوئے رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ جس طرح دکاندار اپنے ملازمین سے شام کو پورا حساب لیتا ہے۔ اور پھر اگر اس نے اپنے ذمہ کے کاموں میں سستی یا کوتاہی کی تھی اس پر اسے مناسب سزا بھی دو۔ الغرض اپنے نفس کو سدھانے اور رام کرنے کے لئے تمہیں اس کو چار مراحل سے گزارنا ہوگا۔

پہلے مشارطہ کرو، پھر مراقبہ کرو، پھر محاسبہ کرو، اگر کوئی صحیح عذر پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کر لو اور اگر بے جا تاویل کرتا ہے تو اس کے ساتھ "معاقبہ" کرو (یعنی مناسب سزا دینا) اگر اس کو ریاضت کے ان چار مراحل سے گزارو گے تو یہ گھوڑا صحیح چلے گا اور رفتہ رفتہ سیدھا چلنے کا عادی ہو جائے گا۔ ورنہ یہ ہمیشہ شتر بے مہار رہے گا، کہ جدھر منہ اٹھا چل دیا، جی میں آیا تو کچھ کر لیا، ورنہ اڑیل ٹٹو بن گیا، لہٰذا اپنے نفس کو کبھی شتر بے مہار نہ چھوڑو، بلکہ اس پر پابندیاں لگاؤ، اور اس کو مجاہدے کا عادی بناؤ بعض اکابر ایسے ہیں کہ بارہ سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔ چنانچہ مولانا الیاسؒ کا قصہ ہے کہ طبیب نے پانی منع کر دیا تھا تو بارہ سال نہیں پیا۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ آپ نے ذکر اللہ کے فضائل سن لئے، اور سن کر گھر چلے گئے اور بس اتنا کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی حدیث بیان فرمائی تھی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں، سب کچھ سنا مگر اپنے نفس کو عمل کی لائن پر نہیں ڈالا، اگر تم اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے اور اس کو سدھانے سے عاجز ہو تو اس کو کسی شیخ کے سپرد کردو، اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو چلاؤ، گھوڑے کو سدھانے اور اس کو رفتار سکھانے کے لئے سائیس کے حوالے کردیا کرتے ہیں، اور وہ چند دن اس کی ریاضت کراتا ہے، جس طرح گھوڑے کو سدھانے کا ایک مستقل فن ہے اسی طرح نفس کو سدھانے کا بھی فن ہے، اس کو کسی ماہر کے سپرد کرو گے تو وہ اس کے سارے کس بل نکال دے گا، اس لئے عارف فرماتے ہیں کہ ؎

نفس ناتواں کشت الاظل پیر

نفس کی فہمائش کرو

اپنے نفس کی فہمائش کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا مقرر کرلو، اور اپنے نفس کو خطاب کرو، پہلے اسے اللہ تعالیٰ کے انعام واحسانات یاد دلاؤ کہ اے نفس! دیکھ کہ اللہ نے تجھے صحت عطا فرمائی ہے، قوت عطا فرمائی ہے اور تجھ پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں، تیرے لئے خیر اور بھلائی کے تمام اسباب مہیا فرمائے ہیں، پھر اس کو قبر و حشر یاد دلاؤ کہ تجھے دنیا کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، اگر تو نیک بن کر گیا تو تیرے لئے راحت ہی راحت ہے، ورنہ قبر کی تنہائی کا، وہاں کی سختیوں کا، وہاں کے سانپ اور بچھوؤں کا تجھے سامنا کرنا ہوگا۔ الغرض جو کچھ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو یاد دلاؤ، پھر اس سے کہو کہ

تو کچھ کمالے، دنیا سے خالی ہاتھ نہ جا، جب وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس سے پوچھو کہ کتنا کام کیا کرے گا؟ وہ کام اس کے ذمہ لگادو، اگر خود فیصلہ نہیں کرسکتے تو شیخ سے مشورہ کرلو، اور استاد کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بچے بیٹھے پڑھ رہے ہوتے ہیں، اگر میاں جی نہ ہوں تو یہ بچے نہیں پڑھیں گے، استاد سر پر ڈنڈا لے کر کھڑا رہے تو پڑھتے ہیں۔ تو یہ نفس بھی بچہ ہے۔ امام بصیریؒ فرماتے ہیں کہ ''نفس مثل بچہ ہے اگر زبردستی اس کا دودھ چھڑاؤ گے تو چھوڑ گا، ورنہ بوڑھے ہونے تک نہیں چھوڑے گا'' بچہ کتنا ہی بڑا ہوجائے ماں جب تک اس سے زبردستی دودھ نہیں چھڑاتی، نہیں چھوڑتا، جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو دو چار دن ضد کرتا ہے، روتا ہے، چلاّتا ہے، پھر آخر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے، تو بھئی تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے ذمہ ایک مناسب مقدار مقرر کرلیں، کہ اتنا تو درود پڑھا کرو، اتنا استغفار پڑھا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو، یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، واللہ العظیم یہ ہمیں سونے کی کان عطا فرمائی ہے، جتنا چاہو نکالتے رہو سونا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سونا نکلتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں کہ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے؟ اگر اس کو ذکر کا عادی بنالیا جائے تو ہم اس کے ذریعہ کتنا ذخیرہ جمع کرسکتے ہیں۔ سونے کے کتنے ڈھیر اکٹھے کرسکتے ہیں، لیکن ہم سونا بنانے کے بجائے سونے میں وقت گزارتے ہیں، بس سو گئے اور جاگ گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے التجا بھی کیا کرو۔

اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان کو تالو کے ساتھ لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور پھر یوں تصور کرو کہ میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہوں اور اس سے ہم کلام ہوں، پھر اللہ کے ساتھ دل سے باتیں کرو، باتیں کیا کرو گے؟

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

ترجمہ: یا اللہ جتنی تیری نعمتیں اتنا ہی تیرا شکر، اور جتنی ہماری کوتاہیاں اتنی ہی ہماری طرف سے معذرت، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان پر شکر بھی بے شمار ہونا چاہیئے، اور ہمارے گناہ بھی شمار سے باہر ہیں ان پر توبہ بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہیئے۔ اللہ کے انعامات سوچتے رہو اور شکر بجالاؤ، یا اللہ! آپ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، یہ انعامات فرمائے مجھ سے ان میں سے ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہوسکتا، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ ایک حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی:

"اللھم ما اصبح بی من نعمۃ اوباحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک، فلک الحمد ولک الشکر"۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۲۱۱)

ترجمہ: "یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تین مرتبہ یہ دعا صبح کو پڑھے اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر ادا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کردیا، لیجئے شکر و نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر ارشاد فرمادی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمہ ہو فطرتاً اس کی محبت دل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار

دوسرا مضمون سوچنے کا اپنی کوتاہیاں اور اپنی لغزشیں۔ شیخ عطارؒ کی مناجات کا یہ شعر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

بے گناہ نہ گزشت برما ساعتے
باحضور دل نہ کردم طاعتے

ترجمہ: ''بغیر گناہ کے ہم پر ایک گھڑی بھی نہیں گزری، اور دل کی حاضری کے ساتھ میں نے آپ کی ایک بندگی بھی تو نہیں کی''۔

اپنی زندگی کی ایک نماز بتادو کہ جس میں پورے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے ہو، اور اس حاضری میں اردگرد کی کوئی قصہ کہانی نہ ہوئی ہو۔ ایک بھی نہیں۔ اس طرح اپنی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو

اور پیش کرکے اس کی مغفرت چاہو۔

اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو

ایک تیسری چیز ہے وہ تمہارے مطلب کی ہے۔ اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، بس یہ تین مضمون ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان تالو سے لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو۔ اللہ کے انعامات کا استحضار کرو، ان پر شکر بجالاؤ، اپنی کوتاہیوں کا استحضار کرو اور ان پر معافی مانگو، اور تیسرا اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھو، اور ان حاجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو، اپنی درخواست پیش کرو، یا اللہ میرا یہ کام کردیجئے۔ اس التجا اور دعا میں اپنے نفس کی اصلاح کی بھی التجا کرو۔ چلو بیڑا پار ہوگیا۔ یہ میں نے تمہیں کیمیا کا نسخہ بتایا ہے، لیکن اس کی قدر کون کرے گا؟ کوئی نہیں، بے وقت بے ضرورت چیز مل جاتی ہے، مفت میں مل جاتی ہے، لوگ قدر نہیں کرتے۔ کوئی شخص دو روپے کے جوتے کو سو روپے کی شال سے صاف کررہا تھا، کسی نے کہا کہ تو بڑا احمق ہے، اتنی قیمتی شال کے ساتھ ٹوٹا ہوا جوتا صاف کررہا ہے، کہنے لگا جوتا میں نے خود خریدا ہے، شال باپ کی وراثت میں ملی ہے۔ یہ کیمیا کا نسخہ تمہیں بہت سا خرچہ کرکے معلوم کرنا پڑتا تو تمہیں قدر ہوتی۔ بیٹھے بٹھائے مل گیا، کوئی بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بڑی بات ہے پانچ منٹ نکالو، دس منٹ نکالو، اللہ تعالیٰ سے مناجات کیا کرو، پھر دیکھو دل کو کیسی راحت نصیب ہوتی ہے، کیسا سکون نصیب ہوتا ہے، اور باطن کی ترقی کتنی ہوتی ہے، پھر اندازہ کروگے۔

خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شریفہ کا جو حصہ پڑھا اس میں دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا: "واعملوا لما بعد الیوم" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور آج کے دن کے بعد کے لئے عمل کرو"۔

کل کی تیاری آج کرو

آج کے دن کے بعد سے مراد ہے اس زندگی کے بعد والی زندگی، جو موت سے شروع ہوگی، پھر قبر کی زندگی، پھر حشر کے طویل دن کی زندگی، پھر جنت کی دائمی اور ابدی زندگی۔ اس کے لئے عمل کرو، اور اس زندگی سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے کما کر لے جاؤ۔ دنیا کے تمام عقلاء پس انداز کرنے کے قائل ہیں کہ جتنا آج کمایا جائے وہ سارے کا سارا آج ہی ختم نہ کر دیا جائے، بلکہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ آڑے وقت کے لئے جمع کر کے رکھا جائے، ہاں! کوئی قلندر قسم کا آدمی ہو، وہ تو پس انداز کرنے کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ بچا کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دے دیں گے ؏

خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکل را

یہاں ان جیسے لوگوں کی بات نہیں، ہمارے جن لوگوں کو عقلمند سمجھا جاتا ہے، ان کی بات کرتا ہوں کہ عقلمند لوگ پس انداز کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازمین سے گورنمنٹ ان کا (G.P) فنڈ کاٹ لیتی ہے۔ (گویا یہ جبری پس انداز کرنا ہے) کہ اگر ان کو پوری تنخواہ دے دی تو یہ تو خرچ کرلیں گے، بعد میں جب ریٹائر ہو جائیں گے تو ان کے پاس کچھ رہے گا نہیں۔ بعد میں جب ان

کے پاس کام نہیں رہے گا اس وقت ان کو دے دیں گے، اس لئے اس تنخواہ کا کچھ حصہ کاٹ لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اصول تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے کہ آج کما کر آج ہی نہ کھالو، بلکہ کچھ پس انداز بھی کرو، کچھ بچا کے رکھو، عقلاء کا یہی اصول ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ عقلائے زمانہ کی عقل صرف دنیا تک محدود ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری پوری دنیا کی زندگی وہ آج کا دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی "کل کا دن" ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعملوا لما بعد الیوم" یعنی کل کے لئے عمل کرو۔ اگر دنیا ہی میں کما کھا کر خالی ہاتھ چلے گئے، تو یہ عقلمندی کی بات نہیں، یہ بڑے بڑے عقلاء جو ہمیں مشورہ دے رہے ہیں پس انداز کرنے کا، بچت کرنے کا، وہ خود دنیا میں کھا پی کر چلے گئے، کل کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا، جو یہاں کمایا تھا یہیں کھا پی لیا، نہیں بھائی! ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ بے عقلی کی بات ہے، آج کے بعد کے لئے عمل کرو۔ یہ کھانا کمانا تو زندگی کے لئے ہے، اور زندگی کا مقصد کچھ اور ہے، پس اعمال کا اتنا ذخیرہ جمع کرو، جو ہمیں کل کام دے۔

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

آگے یہ فرمایا کہ "بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملہ میں اس کی کفایت فرمادیتے ہیں"۔ گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے گا

اللہ تعالیٰ اس سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم ہمارا کام کرو، تمہارا کام ہمارے ذمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط لکھا کہ "مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کیجئے، بات لمبی نہ ہو، مختصر ہو تاکہ اسے حرز جان بناؤں"۔ اکابر کا ہمیشہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ بزرگوں سے نصیحت طلب کرتے تھے۔ علامہ شعرانیؒ نے اپنی کتاب "تنبیہ المغترین" میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ جب بڑوں کی خدمت میں جاؤ تو ان سے نصیحت طلب کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ خود بھی صحابی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود بھی سنے ہیں، لیکن جن کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، ان کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں خط لکھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے عائشہ ام المؤمنینؓ کی جانب سے معاویہؓ کے نام! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی خاطر انسانوں کو ناراض کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے انسانوں کی ناراضگی کی خود کفایت فرماتے ہیں۔ (کہ ان کی پرواہ نہ کرو ان کو راضی کرنا ہمارا ذمہ رہا)، اور جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں (کہ کرو ان کو راضی، میں دیکھتا ہوں تم کتنے لوگوں کو راضی کرلیتے ہو)۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۴۳۵)

اور یہی مضمون اس خطبہ شریفہ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ صحیح کرلے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کی خود کفایت فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہم سے

تم معاملہ درست رکھو، تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو معاملہ ہے اس کو ہم پر چھوڑدو، وہ میں درست کرلوں گا، تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ کوئی ناراض ہوتا ہے، لوگ ناراض ہوجائیں گے تو ہم ان کو بھی راضی کردیں گے، بھئی یہ بھی بڑے امتحان کی بات ہے، آزمائش کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے، دوسری طرف لوگوں کی رضا مندی ہے، اگر اس کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور نہ کرے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے دوراہے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہم میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کردے گا۔ مخلوق کو راضی کرلو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود راضی ہوجائے گا، بڑا غفور اور رحیم ہے۔ اور یہیں سے لوگوں نے ایک فقرہ تصنیف کرلیا ہے، اللہ کو راضی کرنا آسان ہے لوگوں کو راضی کرنا مشکل ہے، تو آسان کام کیوں نہیں کرتے؟ مشکل کام کیوں کرتے ہو؟ واقعی بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، پہلے تو بیوی بچے ناراض ہوجاتے ہیں، پہلے اپنے گھر سے مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ لوگوں کو داڑھی رکھنے کا کہتا ہوں تو اس کے جواب میں بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بیوی نہیں مانتی۔ اور یہ بیوی کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے قاصر، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا آسان، اور بیوی کو ناراض کرنا مشکل۔ یہ جو میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بزرگوں سے اس کی اجازت لے رکھی ہے، بغیر اجازت کے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں نے اس کی سند لے رکھی ہے، میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ پر محبت کے رنگ کا بڑا غلبہ تھا۔ اور میرے

اکابر مجھ جیسے بے مروت نہیں تھے، اکابر اور ولی اللہ لوگوں پر مروت کا بڑا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر روک ٹوک کرنا، یہ تو حضرت کے مذہب ہی میں نہیں تھا، میں نے جتنی زندگی حضرت کی خدمت میں گزاری، کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سراپا محبت وشفقت تھے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ تو میں نے ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں عرض کیا کہ مجھ سے لوگوں کا داڑھی منڈوانا برداشت نہیں ہوتا، میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہہ دیتا ہوں۔ عادت مبارکہ تھی کہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیتے اور سوچ کر بات کرتے تھے، فوراً نہیں، تو حضرتؒ نے میری بات سن کر سر جھکا لیا، اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مولوی صاحب ضرور کہا کریں، تو حضرتؒ کے یہ الفاظ ہیں، تو میں نے کہا کہ الحمدللہ ہم کو تو شیخ کی سند مل گئی، اس لئے ہم کہتے ہیں اور الحمدللہ نفع بھی ہوتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ تنبیہ ہوجاتی ہے تو لوگ مان جاتے ہیں، اور اگر کوئی توجہ نہ دلائے تو خود بھی توجہ نہیں ہوتی۔ کبھی خود اتفاقاً توجہ ہوجائے تو الگ بات ہے۔ تو کہتے ہیں کہ بیوی نہیں مانتی، بعض نوجوان سختی سے شکایت کرتے ہیں کہ اماں نہیں مانتی، ابا نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اگر تم نے داڑھی نہ منڈوائی تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ الغرض بڑا امتحان ہے، خصوصاً نوجوانوں کے لئے اور بھی مشکل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ خود مختار نہیں ہوتے، والدین کے ماتحت ہوتے ہیں، اور والدین ہیں بے دین، ان کو دین کی قدر نہیں، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر ان کے دل میں نہیں، تو یہ نوجوان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، مگر والدین نہیں مانتے، ایسے نوجوان بے چارے کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اور گھر سے نجات ملے

تو دوست احباب کا حلقہ شروع ہوجاتا ہے کہ ارے تم مُلّا بن گئے ہو۔ اس کے بعد برادری پھر معاشرے کا مسئلہ آجاتا ہے۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ چلیں، لوگوں کو راضی کرکے چلیں اور وہ راضی ہوتے نہیں، "نہ نومن تیل ہو نہ رادھا ناچے" نہ مخلوق راضی ہو نہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساٹھ سال بعد تم وہیں کے وہیں ہو اور معاشرہ بھی وہیں کا وہیں ہے، تم اگر مخلوق کو راضی کرکے چلنا چاہو تو ایک قدم بھی نہیں اٹھاسکتے، اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اشکال کا حل فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے معاملے کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو خود ہی درست فرمالیں گے، انشاء اللہ۔ تم کسی کی پرواہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، لوگ جھک مار کر خود ہی تمہارے ساتھ چلنے لگیں گے، ساری دنیا راضی ہوجائے گی، سارے راضی ہوجائیں گے، تم ایک کو راضی کرلو، ساری دنیا کو ناراض کردو، وہ ایک، ساری دنیا کو راضی کردے گا، اور اگر تم دنیا کو راضی کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلوگے تو وہ تم سے سب کو ناراض کردے گا، جیسا کہ اس نے آج کل تمہارے درمیان فتنہ وفساد ڈالا ہوا ہے، بیوی، میاں کی نہیں بنتی، بھائی، بھائی کی نہیں بنتی، دوست احباب کی نہیں بنتی، اور آپس میں دو آدمی جس کام میں شریک ہیں، ان دونوں کی نہیں بنتی، کیونکہ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بنائی، وہ تمہاری نہیں بننے دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلے کرتے ہیں، لوگ اللہ پر فیصلہ نہیں کرتے، اور اللہ لوگوں پر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور تم لوگ اللہ پر اختیار نہیں رکھتے، ہم یہ آیۃ الکرسی میں پڑھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے" اللہ تعالیٰ تمام انسانوں

کے اور اس کائنات کے ماضی و مستقبل کے ذرے ذرے سے واقف ہے، اور بندوں کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بتادے، بندوں کو اس کے علم میں سے کسی شئے کا علم نہیں ہے۔ بالکل یہی قصہ ہے قدرت کا بھی، اللہ تعالیٰ کو تمام انسانوں پر قدرت کاملہ ہے، کافروں کو مومن بنادے، اس کو قدرت ہے، مسلمانوں کو کافر بنادے اس کو قدرت ہے، غنیوں کو فقیر بنادے اس کو قدرت ہے، فقیروں کو غنی بنادے اس کو قدرت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، دوستوں کو دشمن بنادے، دشمن کو دوست بنادے اس کو قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر پورا اختیار رکھتے ہیں، اور انسان اللہ پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟ تمام حکومتیں مل جائیں، تمام لوگ مل جائیں، اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتے اس کا فیصلہ تو چل کے رہے گا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے وہ تو ہو کے رہے گا، تو عقل مندی کی بات یہ ہوگی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کرلو، مخلوق کے ساتھ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو، پرواہ نہ کرو ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

چند دن میں معاملہ صحیح ہو جائے گا، یہی لوگ جو بگڑے ہوئے ہیں سر جھکا کر آئیں گے، چنانچہ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سب پر چلتا ہے، پر اس پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، وہ سب کا مالک ہے مگر اس پر کسی چیز کا کسی کو اختیار نہیں، لہٰذا اس پر کامل یقین اور توکل رکھو، اس کی خاطر سب کو چھوڑ دو، مگر کسی کی خاطر اس کو نہ چھوڑو۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ:

"اللّٰہ اکبر، ولا قوۃ الا باللہ العظیم" "اللہ اکبر" کا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، ہر بڑے سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، کوئی نہیں، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے یعنی اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے وہ ان سب سے بڑا ہے، مگر عارفین کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حد تصور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک تمہاری حد تصور جاسکتی ہے اس سے بھی بڑا ہے، مخلوق کے ہر قیاس اور پیمانے سے بڑا ہے، اس کی بڑائی تک کسی کے وہم وخیال کی رسائی نہیں، اس کی عظمت اور بڑائی تمہارے کسی پیمانے میں نہیں آسکتی، کیونکہ اس کی ذات بھی لامحدود، اور صفات بھی لامحدود، ہم کیا چیز ہیں؟ آسمان و زمین کی ساری مخلوق بھی اس کی بڑائی کا تصور کرنے سے عاجز ہے، وہاں جبرئیل (فرشتہ) کو پر مارنے کی جگہ نہیں، ہماری تمہاری کیا وقعت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ۷۰ پردے نور کے ہیں، اگر ان میں سے ایک پردے کو ہٹادیا جائے تو جہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچتی ہے وہاں وہاں تک اس کے پاک چہرے کی شعاعیں دنیا کو جلاکر راکھ کر ڈالیں گی"۔ (مسلم)

ہم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا نہیں، اور سچ یہ ہے کہ پہچان بھی نہیں سکتے، نطفے سے پیدا ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانے گی۔

> "عن زرارۃ بن اوفی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لجبرئیل ھل رایت ربک فانتفض جبرئیل وقال یا محمد ان بینی

وبینہ سبعین ھجابا من نور وکودنوت من بعضھا لاحترقت......" (مشکوۃ: صفحہ ۵۱۰)

"ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی؟ تو جبرئیل علیہ السلام کانپ گئے اور کہنے لگے توبہ اتنی طاقت جبرئیل کی آنکھوں میں کہاں، میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے ایک کے بھی قریب جاؤں تو جل کر راکھ ہو جاؤں"۔

اللہ تعالیٰ ایسی عظمت والا ہے، اور ہم اس کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دیتے، اس کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کیسی حماقت اور بے وقوفی ہے؟ نعوذ باللہ، استغفر اللہ، ہمیں ہر نماز کے ہر انتقال میں اللہ اکبر کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اوپر کھل جائے، اور مخلوق کی عظمت ہمارے دل سے نکل جائے، اللہ کا رنگ ہم پر غالب آجائے، اور مخلوق کا رنگ اتر جائے، یہ اللہ کی رنگت ہے اور اللہ کی رنگت سے بہتر کس کی رنگت ہوسکتی ہے؟ آخر میں ارشاد فرمایا: کہ "جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کی طاقت اللہ عظمت والے کی طرف سے ہوسکتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، طاقت نصیب فرمائے، اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غیبت

ایک اخلاقی برائی - ایک گناہِ کبیرہ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔ اما بعد!

”وقد اخرج ابو يعلى عن البراء رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اسمع العواتق فى بيوتها۔ او قال: فى خدورها۔ فقال: يا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الايمان قلبه، لا تغتابوا

المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه؟ الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في جوف بيته۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۳): ورجاله ثقات۔

واخرجه الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما نحوه، الا ان في روايته لا توذوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه المسلم هتك الله ستره۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۴) ورجاله ثقات۔

واخرجه البيهقي عن البراء نحوه۔ كما في الكنز (جلد۸ صفحہ۲۰۰)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، یا (یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت ان لوگوں کی، جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو

اس کے گھر بیٹھے رسوا کردیں گے۔ یہ ہی خطبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اہل ایمان کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے"۔

غیبت کے بارے میں حضور ﷺ کا خطبہ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطور خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ:

"اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا"۔

غیبت اور تجسّس منافقین کی عادت تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا مسلمانوں کا نہیں۔

غیبت کی مذمت قرآن کریم میں

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

"یا ایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منهن، ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الایمان، ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون ۞ یاایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه، واتقوا الله، ان الله تواب الرحیم ۞"

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ

پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟
اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک
اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے"۔ (بیان القرآن)

ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازے کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑا آدمی تھا (دین یا دنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا یا استاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

"میں" کہنے کے بجائے اپنا نام بتانا چاہیئے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، فرمایا "میں، میں" گویا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا، کہ میں، میں کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ۔ اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔ ایک میں کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبہ کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی، اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔

مذاق اور مزاح میں فرق

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا۔ دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزت کو ہلکا کرنا اور جس شخص کا مذاق اڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارا سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا، اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔

خوش طبعی میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلاف واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ میں تو مذاق کررہا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا۔ مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔ ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت عورتوں کا مذاق اڑائے تو یہ مروت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے تو یہ خلاف حیا ہے۔ تو گویا کہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اڑائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم۔

بڑے آدمی کا مذاق اڑانا رذالت ہے

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ درست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ

تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہوگا جس طرح کہ کوئی ماتحت انجانے میں اپنے افسر اعلیٰ کا مذاق اڑائے۔ پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اڑالیا، بعد میں جب پتہ چلا تو معذرت کرنے لگا۔ تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

کسی پر طعن کرنا

دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ سورۃ الھمزہ میں ایسے شخص کے لئے "ویل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "ویل لکل همزة لمزة" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہو جائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے۔ اکابر فرماتے ہیں "صدور الاحرار قبور الاسرار" یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ تو وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دوسرے کو طعن کرو۔

طعنے دینا عورتوں کی خصلت ہے

عورتیں بیچاری اس معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہوتی ہیں، ان کی یہ خاص بیماری ہے۔ خصوصاً اگر عورتوں کے درمیان لڑائی ہوجائے تو خوب طعن و تشنیع کرتی ہیں، اور ایک دوسری کی غیبتیں کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تھانیدار تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے بہت سارے خفیہ قتل عورتوں کے ذریعے معلوم کئے ہیں، دیہاتی عورتیں جب رات کو رفع حاجت کے لئے جاتی ہیں تو دنیا جہاں کی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں بھیس بدل کر زنانہ لباس میں چلا جاتا تھا، رات کا اندھیرا ہوتا تھا، عورتیں قصہ کہانیاں بیان کرتی تھیں اور ان کی باتوں سے قتل کا سراغ لگالیتا۔ تو ایک دوسرے کو طعن نہیں کرنا چاہئے۔

بُرے القاب سے پکارنا

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام

تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کرر کھے ہیں، ان القاب کو استعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی۔

بدگمانی اور تجسّس

دوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا۔ بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا برا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایاکم والظن، فان الظن أکذب الحدیث"

(مشکوٰۃ:)

ترجمہ: "یعنی بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے"۔

بدگمانی کی فتنہ سامانی

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اجڑ جاتا ہے اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کی بات کا الٹا مطلب لے گا اور ہر شخص دوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کر رہے ہیں، تمہیں معلوم ہی ہے، یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے۔ عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

"یمعشر النساء تصدقن ولومن حلیکن، فانی اریتکن اکثر اهل النار" (مشکوٰة شریف)

ترجمہ: "اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، چاہے تم کو اپنا زیور دینا پڑے، اس لئے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہوگی"۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں نے جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت

عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو، عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت جو بڑی دانا تھی اس نے کہا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ "تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں"۔

عورتوں کی ناشکری

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتون خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دنیا میں اس سے زیادہ دکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، "الحمد للہ! حق تعالیٰ شانہ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے" یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا۔ الاّ ماشاء اللہ۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ کا واقعہ

"الحمد للہ" پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمد الرحمٰن مرحوم، حضرت مولانا عزیر گلؒ جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرت ان دنوں صاحب فراش تھے، چند دنوں بعد انتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصہ سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئیں تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانہ کے لئے دوسروں کے محتاج تھے۔ ہم دونوں گئے تو ان کو اطلاع کی

گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا، بلالو۔ بلالیا۔ سلام کیا، جواب دیا۔ مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اتنے مزے سے "الحمد للہ" کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، "الحمد للہ" ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رواں رواں ان کا الحمد للہ کہہ رہا ہے۔

نعمتوں پر شکر کرو

الغرض ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی الحمد للہ نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی الجھن نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ناممکن ہے۔ پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے۔ ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک شکر گزار عورت کا واقعہ

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل

صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہو گئے۔ کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی۔ بس اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں، سبحان اللہ! کیسی شکر گزار بی بی ہیں۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وقليل من عبادی الشکور" (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے)۔

اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفران نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمد للہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔ الغرض عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، جو پی ڈی اے (پاکستان ڈیموکریٹک الائنس یعنی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے

اتحاد) کے مطالبات سے بھی زیادہ لمبی ہے۔ ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا اضافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: "مارایت منک خیر قط" کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھدار ہوشیار عقلمند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی الجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا

الغرض، کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا، تو اس کو طعن کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ویل لکل همزة لمزة" (خرابی ہے طعن کرنے والے عیب چین کے لئے)۔

فرمایا کہ ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو، ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں جو اس بیماری میں مبتلا ہے۔ جس طرح حجاج بن یوسف کی تلوار سے کوئی محفوظ نہیں تھا، اسی طرح شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ ہماری زبان کی تلوار سے محفوظ رہا ہو۔ یہ چوڑھے کا چھرا ہے جو نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو۔ نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی

شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم کرنے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے۔ اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو، کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو برا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو برا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کرکے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا۔ پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ جب تم کسی آدمی کی بُرائی کروگے، اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت، زنا سے بدتر ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کررہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ

ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو۔ جب بھی تذکرہ کرو گے تو بات کھینچ کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔ تو دو صحابیؓ تذکرہ کر رہے تھے کسی تیسرے شخص کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے تھے آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پڑی ہے۔ دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھا اور اس کی لاش اس کو کون کھاسکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا یعنی اس کی غیبت کی وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔ تو اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے، کسی کا غیب معلوم کرنے کے لئے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی۔ اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان لوگوں کے عیوب کو اچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا۔ اور ان کی عزت کو پامال کرنا اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے والے کی سزا

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کرکے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے۔ تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کروگے تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف

کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رسوا کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہوگیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔ جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کروگے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

دعا

یا اللہ! ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں، یا اللہ! ہمیں قیامت میں رسوا نہ کیجئے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیجئے، اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ضمیمہ
از
"تبلیغ دین" امام غزالیؒ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعظ کے آخر میں امام غزالیؒ
کے رسالہ "تبلیغ دین" سے غیبت کا بیان نقل کردیا جائے،
تاکہ یہ رسالہ اس موضوع پر کسی حد تک جامع ہو جائے۔

غیبت کی حقیقت

کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے۔ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یا رسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے"۔

مولویوں کا اندازِ غیبت

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں۔ مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے"۔ اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امرا کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ جتارہے ہیں اور ریا کاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً یوں بول اٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں" فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے، اس فقرہ کا جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کرلیتے، سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو

متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں"۔

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہوگئے۔ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچوگے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اول: مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے

اوپر ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف ؒ کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟۔

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی مدد سے کسی کی غیبت کرنا جائز ہے

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتا میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا" اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان ؓ کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے استفسار کیا جارہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت

اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کردینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحب حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے، البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم: اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے۔ البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے" یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکو کار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھاکر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں، جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے۔ پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو۔ اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ

سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرو اور خیرات کرکے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

توبہ

کیسے کریں؟

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد:

اس دن ایک دوست نے پرچہ دیا تھا کہ توبہ کیسے کی جائے تو آج مختصر طور پر توبہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں کہتے ہیں کہ توبہ سالکین کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے۔ یعنی سالک جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد رکھتا ہو، اس کا سب سے پہلا کام اور پہلا قدم سچی توبہ کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں۔ بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور جاپڑتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آجاتا ہے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں یہ مضمون پیدا ہو جائے کہ گناہ کر کے میں اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دل میں ندامت پیدا ہو گی اور اس کی علامت دل میں شرمسار اور شرمندہ ہو جانا اور آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکنا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اوپر اٹھا کر نہیں دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے اور قرآن کریم میں ان کی توبہ کی دعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین" (اعراف: ۲۳)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اپنا نقصان کرلیا ہے اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے، اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہو جائے کہ ہم گناہ کر کے مجرم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور ہمارے دل میں ندامت پیدا ہو جائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ التوبۃ الندم توبہ ندامت کا نام ہے۔ کسی شخص کے دل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے،

یہ توبہ نہیں تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں، جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کررہے ہیں، اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الزواجر عن الکبائر" اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی کبیرہ گناہوں پر "جزاالاعمال" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے "گناہ بے لذت" اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے "دوزخ کا کھٹکا" اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں، جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے

ہیں، بہت سے شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہوسکے گا تو یہ دوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

(۳) اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے تو دل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواستگار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے معاف کردیں تو تیسری چیز ہے زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو معاف کرسکتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، یہاں پر آکر شیطان دھوکہ دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تو نے کتنے جرائم کئے ہیں؟ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کر کے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہ گار ہوں کہ لائق رحمت ہی نہیں رہا، اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ۔ تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا اور جب بندہ نے حماقت سے گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

اللہ کی شانِ کریمی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو

معاف فرما دیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے سے غلطی ہوئی اور اب یہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا، اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے؟ یہ نہیں فرماتے کہ میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے اب اس کو معاف نہیں کروں گا، نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا، قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کر کے آئے، اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو بلکہ فوراً توبہ

کی تجدید کر کے معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کس کو سزا دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں کو اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں، لیکن ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے اور میں نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا، جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

گناہوں کی نقدی پر مغفرت

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعہ اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعہ بھی جب کہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن وہ ہماری صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق اور حق تعالیٰ شانہ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے اتنا چھوٹا، جتنا چیونٹی کا انڈہ ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرہ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمت خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دل سے تائب ہو کر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے

اور پوچھتا ہے کہ ''پھر کروگے؟'' وہ کہتا ہے ''میری توبہ، پھر نہیں کروں گا'' اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، انشاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا، ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم، کوئی بری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ ''چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اب توبہ ہی کیا کرنی ہے'' اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دوگے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

توبہ ٹوٹنے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بد پرہیزی نہیں کروگے، اس

نے کہا کہ جی بالکل نہیں کروں گا۔ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے؟ کبھی دنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے؟ جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ تم نے بدپرہیزی کی ہے؟ کہا جی، بس ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کرکے توجہ کے ساتھ علاج کریں، انشاء اللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا؟ کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر استقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

توبہ توڑنے اور پھر جوڑنے کا فائدہ؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا انتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا، وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دنیا سے تائب ہو کر گیا اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الاعمال بالخواتیم

یعنی ''اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے''۔

جب اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کر کے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا، اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد انشاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو دل شکستہ ہو کر توبہ سے نہ ہٹو بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔

کپڑے کا گندہ ہو جانا بُرا نہیں اس کو صاف نہ کرنا بُرا ہے

بھئی! کپڑے کو گندہ کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے لیکن اگر گندہ ہو جائے تو اس کو صابن لگا کر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھولیا، صاف کرلیا، صابن لگا کر اچھی طرح تمام کے تمام داغ دھبے خوب اتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ ملوث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہو جاتے ہیں تو کپڑوں کو گندہ کرنے سے بچانا چاہئے تھا لیکن جب گندے ہو جائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو کہ گناہوں کے ارتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندہ ہو جاتا ہے، بدبو دار اور متعفن ہو جاتا ہے، میلا ہو جاتا ہے، قابل نفرت ہو جاتا ہے اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، انشاءَ اللہ جب تم بار بار توبہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرو گے کہ یا اللہ تعالیٰ! اب مجھے بچالیجئے، میں اپنی استعداد و قوت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیجئے، اگر ایسا کرتے رہو گے تو انشاءَ اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہو جائے گی کہ توبہ کرو گے، لیکن گناہ نہیں ہو گا، انشاءَ اللہ۔

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہو گا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو گیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو،

کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہوجائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

(٦) چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہوگئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہوگئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمہ اب بھی باقی ہیں جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمہ فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمہ فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمہ باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا، اسی طرح ضروری ہے، جس طرح کہ آج کی نماز کا ادا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر ادا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔

اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمہ نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کرلئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے میں آئندہ سستی نہیں کروں گا اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہوگئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے ازراہ ترحم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو بحال ہوگیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمہ تھیں، وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دنیا کا حاکم اول تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا اور اگر کوئی رحم دل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک

مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو ادا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اڑاتے ہو توبہ کا۔

اسی طرح کسی شخص کے ذمہ روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمہ ہے اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اکسٹھ روزے اس کے ذمہ ہیں ایک روزہ تو چھوڑے ہوئے روزے کی جگہ اور ساٹھ روزے کفارے کے اور یہ ساٹھ روزے لگا تار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگا تار کفارہ کے ساٹھ روزے پورے ہو جائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو تو اس کا کفارہ قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے۔ بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہو گیا اور روزہ کا ناغہ ہو گیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کر کے ساٹھ پورے کرے، البتہ عورت کو جو اس کے خاص ایام کی وجہ سے روزے قضا کرنا پڑتے ہیں وہ اس تسلسل میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع

کردے۔ الغرض جس نے روزے نہیں رکھے تھے وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو ادا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا تو صاحب حق سے معافی مانگے، مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمہ قرض ہے، اس کو ادا کرے اور ادا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

سچی توبہ پر نصرت الٰہی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا کیا کام کرتے ہو، کہا کہ ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہو کر آیا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرتؒ فرماتے

ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اب دوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکہ ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمہ قرض ہے۔ یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ میرے ذمہ ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاءاللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا، اس شخص کے دل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ میاں! اگر اس کے سامنے جاکر اقرار کروگے تو تمہیں پکڑوادیں گے، پکڑے جائیں گے، جب تم نے کسی سے رشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکہ ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤ گے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ

میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا۔ یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا میں نے حسبتاً للہ معاف کردیا، تب حضرت نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناسچی توبہ!

تو حقوق اللہ ہوں، یا حقوق العباد ہوں، ان کو ادا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمہ قرض سمجھنا لازم ہے۔ کسی کی دکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مالک کو کہہ دیا کہ جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے، اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانہ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کر کے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکہ کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ، توبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن روٹی، روٹی کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملا کھا نہیں لیتے، اور نہ ہی تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اتاروگے، تب قوت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔

استغفراللہ العظیم، استغفراللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو لیکن دل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کیا، نہ بندوں سے معاملہ درست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہو جائے؟ کیسے ہو گی؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، دل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، ایسا استغفراللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے استغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہو جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل درست ہو جائے، اس کی لائن درست ہو جائے، یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے، جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں میں توبہ کے فضائل بیان کر چکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ارشاد ہے:

”ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطہرین“

(البقرہ:۲۲۲)

یعنی ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو“۔

خلاصہ

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہوجاتا ہے، اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے اور اس سے بدبو دار مادہ رس رہا ہے، اس بدبو دار مادہ کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوجاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ رب العزت سے عہد کرلیں تو انشاً اللہ فوراً معافی مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین

حسد

کی بیماری اور اس کا علاج

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

حسد کے معنی

حسد ایک بیماری ہے دل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہو گیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں

کے دل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو حسد کہلاتا ہے اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو غبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ رشک کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

صرف دو نعمتیں لائق رشک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”لاحسد الافی اثنین رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق، و رجل اتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھویقضی بھاویعلمھا۔“

(متفق علیہ مشکوۃ صفحہ ۳۲)

یعنی ”لائق رشک صرف دو آدمی ہیں“۔

یہاں حسد سے غبطہ اور رشک مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی

لائق رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔

> ”ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کردیا اس کے ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر حق کے راستوں میں“۔

کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابل رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا جانا قابل رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے الٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائق رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائق رشک نہیں، بلکہ لائق رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے ”اور دوسرا آدمی لائق رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے“ یہ شخص لائق رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائق رشک ہیں۔ گویا دنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا۔ اور وہ اس مال میں اللہ

تعالیٰ سے ڈرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ: "فھذا بافضل المنازل" "یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے"۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "فاجرھما سواء"۔

یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہش نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شاندار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے

کیسی دھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے۔ اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فھو نیتہ ووزرھما سواء"۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح مشکوٰۃ:۴۵۱)

اس کو اس کے ارادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا۔ نعوذ باللہ بڑا بد قسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہوگیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں۔ دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی برائی پر کیا رشک کرنا ہے۔ یہ دو آدمی ہیں قابل رشک، ان پر رشک کرو۔

حسد کا منشأ تکبر ہے

تو ایک ہوتا ہے حسد، یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دل کی بیماری ہے، اور منشأ اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مومن تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانبِ اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا۔ نعوذ باللہ۔ تبھی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا

تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقربین ہیں، حاملین عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکم الٰہی کے تابع ہیں، دل و جان کے ساتھ حکم الٰہی کے مطیع ہیں۔

"لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون
مایومرون۔" (تحریم: ٦)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ

آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدہ میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے، "الا ابلیس" مگر ابلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

"قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔"

کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کرسکتا کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا در حقیقت اعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، (نعوذ باللہ) اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دوسرا منشأ

حسد کا دوسرا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی، یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ

کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی استحقاق ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے سامنے سجدہ کریں نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی استحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی۔ تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے ـــــ

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کررہا ہے، اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا، اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جاکر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے

گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا۔ تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔"

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸)

ترجمہ: "حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے"۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی برائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوادی جائیں گی،

قیامت کے دن مفلس کون ہو گا؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اتدرون ما المفلس؟" "جانتے ہو مفلس کون ہے؟"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال ودولت نہ ہو، ارشاد فرمایا کہ "میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمہ جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا گیا"۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵ بروایت مسلم)

دوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دشمنی کررہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کرکے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یارسول اللہ! میرا اور

ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شئيا۔" (انبیاء آیت نمبر ۴۷ پارہ نمبر ۱۷)

ترجمہ: "اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا، اچھا یا برا ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے"۔

وہ صاحب کہنے لگے یارسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں۔ اور یارسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔

اپنی نیکیاں دوسروں کو دینا حماقت ہے

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کر کے پھر اپنے دشمنوں کو، جن سے وہ دشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کررہا ہے، ان کی غیبت کررہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذاء دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلہ میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادہر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم ساری نیکیاں محفوظ کرکے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان، تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں، اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں اور

جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو؟

حاسد شیطان کا چھوٹا بھائی ہے

شیخ نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندے تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے۔ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کررہا، بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کررہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر نعوذ باللہ حکمت کے خلاف کیا۔

شیخ ؒ فرماتے ہیں کہ جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم وحکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کو دیکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نوّر اللہ مرقدہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ

دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے بھی موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے، تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے لئے دعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حسد کا علاج

ہمارے حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> "حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی کی خوب دعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا"۔ (انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا۔ جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں، لیکن برائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلّف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

علماً کا حسد

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دنیا کے مال و دولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ و مرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں ملا، کبھی ہوتا ہے کسی کے علم و فضل پر، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یہ حسد مولویوں کی خاص بیماری ہے، ایک روایت میں ہے کہ چھ آدمی چھ جرموں کی وجہ سے ایک سال پہلے بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اُمراء وسلاطین ظلم وجور کی وجہ سے، عرب عصبیت (قومی تفاخر) کی وجہ سے، گاؤں کے چوہدری تکبر کی وجہ سے، تاجر لوگ جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے، علماً حسد کی وجہ سے۔ (کنزالعمال صفحہ ۶۸۷ جلدا)

ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الا مانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔" (النساء آیت ۵۸)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق وانصاف کا فیصلہ کرو"۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اقتدار عطا

فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، ارشاد فرماتے ہیں:

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلہ بینکم محرما، فلا تظالموا۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳ بروایت مسلم)

ترجمہ: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"۔

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتے، تو حکام ظلم وجور کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ گھپلا ضرور کرتے ہیں تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے۔ یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر ایجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ میاں اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی، اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ گھپلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم

گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت وامانت سے دھوکہ کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا۔ مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

بدکار تاجر

حدیث شریف میں ہے:

"التجار یحشرون یوم القیمة فجارا الامن اتقی وبر وصدق"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۴ بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ: یعنی "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقوی سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت وامانت سے کام لیا"۔

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھاکر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے۔

ایک نیک تاجر کا قصہ

لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو، مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے

ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے اس میں عیب ہے، میں لے جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتہ چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متاثر ہوا، میرے ایک اور دوست دکاندار تھے میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ حاجی صاحب کیسی ہے یہ چیز؟ وہ فرماتے کہ آپ کے سامنے ہے، کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں، بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں اور نامعلوم کیا کیا کرتے ہیں، دیانت اور امانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت وامانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان اور زمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا،

بلاشبہ! ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز وناجائز کا، حرام و حلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصور ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی برائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اسی لئے حدیث میں فرمایا:

> ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے“۔

نیک تاجر کی فضیلت

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق، سچ بولنے والا، اور امین، امانت سے کام لینے والا ہو اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشھداء۔" (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: یعنی "جو تاجر کہ صادق وامین ہو اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

اُن کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کررہا ہے اور اپنی آخرت بھی بنارہا ہے، بھئی صدق وامانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جب کہ آدمی دوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیز گار ہو۔

قاریوں اور مولویوں کا حسد

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا اس سے مراد علماً بھی ہیں۔ قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

حسد کم ظرفی کی علامت ہے

یہ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب

سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا۔

شیطان کے تین عین

حسد ایسی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی۔ وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا تھا، یعنی فرشتوں کا استاد، وہ عابد تھا اور اتنا بڑا عابد کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

"فاخرج منها فانك رجيم وان عليك اللعنة الى يوم الدين۔" (الحجر: ۳۴،۳۵)

"نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی"۔

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

"رب فانظرني الى يوم يبعثون۔" (الحجر: ۳۶)

"اے میرے رب مجھے مہلت دیجئے قیامت تک"۔

آپ مجھے راندہ درگاہ تو کررہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کر لیجئے، ظالم عین

غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصہ کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرت فرماتے ہیں کہ شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے۔ یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصہ سے مغلوب ہوجاتے ہیں، اور جب تک غصہ اترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے عالم تھا عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق محبوب کے حکم پر مرمٹتے ہیں ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علّت از کار تو

"ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے،
تیرے کاموں میں علتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں"۔

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوب حقیقی کے حکم پر چوں چرا کریں؟ محبوب کی طرف سے جو حکم ہوجائے، عاشق اس کو بجالاتا ہے، اور اگر اہل عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دوسرے لوگ اسے فہمائش کریں کہ محبوب کا جو حکم بجالائے یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے تو وہ کہے گا عقل اور ننگ ونام تمہیں مبارک ہو ؎

مانمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پروا ہے، نہ نام کی

پروا ہے، اگر اس سے عزت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

اہل علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے کچھ کچا۔ بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دھواں ہی دھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں، اور علم کچا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کررہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے اللہ کی رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دوسرا احمق حسد کررہا ہے اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"من طلب العلم ليجاری به العلماء اوليماری به السفهاء اويصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۴ بروایت ترمذی)

"جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ علماً سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے"۔

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیں حسد سے اور تمام امراض روحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دُنیا

کی محبت کے بُرے اثرات

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى أله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًاكثيرا۔ اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔

فقد اخرج ابو نعيم فى الحلية۔ عن ابى الدرداء رضى الله عنه قال لا تزال نفس احدكم شابة فى حب الشئى ولوالتقت ترقوتاه من الكبر الا الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى، وقليل ماهم۔ واخرجه ابن عساكر عن ابى الدرداء مثله

كما فى الكنز۔ (حیات الصحابہ ص: ۵۱۸ ج: ۳)

واخرج ابونعيم فى الحلية عن ابى الدرداء رضى الله تعالىٰ عنه قال: ثلاث من ملاك امر ابن آدم: لاتشك مصيبتك، ولا تحدث بوجعك، ولا تزك نفسك بلسانك۔ واخرج ابونعيم فى الحلية عن ابى الدرداء رضى الله عنه قال: اياكم ودعوة المظلوم ودعوة اليتيم فانهما تسريان بالليل والناس نيام۔ وعنده ايضا عنه قال: ان ابغض الناس الى ان اظلمه من لايستعين على الا بالله عزوجل۔ (حیات الصحابہ ص۵۱۸ ج۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک شخص کا نفس جوان ہوتا جاتا ہے کسی چیز کی محبت میں، خواہ بڑھاپے کیوجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دل کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں''

ترجمہ: ''ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: تین چیزیں بندے کے معاملہ کا مدار ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو، دوم یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔ سوم یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ یعنی اپنے منہ سے

اپنے آپ کو پاک نہ بتاؤ"۔

ترجمہ: "ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے کہ مظلوم کی اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ سب سے ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو اللہ تعالیٰ کے سوا میرے مقابلہ میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔"

یہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کے چند مواعظ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ چاہے اتنا بڑھا ہو گیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہیں۔ منہ نہیں کھلتا لیکن نفس کی جوانی نہیں جاتی وہ اب تک جوان ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو وہ تو مستثنیٰ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں بہت ہی کم۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"یهرم ابن آدم ویشب منه اثنان، الحرص علی المال والحرص علی العمر۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۴۴۹)

یعنی آدمی بڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں جیسے جیسے اس کی عمر ڈھلتی ہے ویسے ویسے اس کی یہ دو حالتیں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے طول الامل لمبی لمبی امیدیں یعنی زیادہ زندہ رہنے

کی محبت یہ انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے۔ یہ چیز رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل سرد ہو جاتا ہے تمام چیزوں سے۔ بہتیرا کھالیا، بہتیرا کمالیا اب چھوڑ دیں۔ اللہ نے گھر بار دیا ہے، آل اولاد دی ہے تو دنیا میں بہتیرا کھالیا اب آگے کی تیاری کریں لیکن نہیں بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا۔ اس حالت میں بھی کہ جب پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنی آرزوئیں بناتا رہتا ہے شیخ چلی کی طرح۔ یہ فطرتی چیز ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے خوف خدا ان کے دل میں ہے۔ ان کا دل سرد ہو جاتا ہے۔

ایک درباری شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا۔ سرکاری شیخ الاسلام جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو شیخ الاسلام بنایا ہوا تھا۔ (اللہ معاف کرے) تو بادشاہ اس بزرگ سے بہت ادب سے ملا اور بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو اخلاص سے ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام جل گئے کہ بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے اور ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی ایک تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے ہمارے کام کی یہ چیز نہیں آپ لے جائیے اور ضرورت مندوں کو تقسیم کردیجئے۔ میرے کام کی یہ چیز نہیں ہے۔ دنیا ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک تجربہ کرکے دیکھ لو، کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو۔ وہ خواہ

اپنی جگہ کتنے ہی اس دنیا کے حریص نہ ہوں لیکن جب دوسرے کے دل میں ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں اور روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے سمجھا کہ بادشاہ کے دل میں تو اس کی اور وقعت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یھرم ابن آدم ویشب منہ خصلتان"

ترجمہ: آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مال کی محبت اور دنیا میں رہنے کی محبت۔

مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے۔ لیکن نمائش کے طور پر آپ ترک دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہو گیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں؟ یہ سن کر شیخ الاسلام صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "العلماء امناء الدین" "علماء دین کے امین ہیں" "مالم یخالطوا السلطان" "جب تک حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ "بادشاہ کے قریب ہو کر نہ رہیں" "فاذا خالطوا السلطان فاحذروھم فانھم لصوص الدین" اگر وہ بادشاہ کے قریب ہو کر رہیں، حکومت کے

اقتدار کے قریب ہو کر رہیں تو ان سے بچو کیونکہ وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردہ میں دین و ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں۔

شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے۔ اور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دنیا کی اور اللہ کی محبت جمع نہیں ہو سکتیں

اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ جن کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں پاک اور ناپاک۔ اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے۔ اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس دل کے اندر اگر اللہ کی محبت ہے تو ناپاک (دنیا) کی محبت نہیں ہو سکتی۔ اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ان کے لئے مال و دولت کا آنا جانا برابر ہوتا ہے۔ دنیا آئے خوشی نہیں ہوتی، جائے تو غم نہیں۔ دنیاوی نقصان پر ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سے لوگوں کو نقصان

کی اطلاع پہنچ جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا تو دل کا دورہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مال کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔ دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے۔ دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے۔ دنیا کی محبت خارش کی طرح ہے، جتنی آدمی کو خارش ہوتی ہے، اس کو کھجلی ہوتی ہے، خارش کرتا رہتا ہے اس کو مزہ آتا رہتا ہے اور جب خارش بند کردی جلن شروع ہوگئی۔ ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے

"الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب"

ترجمہ: "سنو اللہ ہی کے ذکر سے اور اللہ ہی کی یاد سے چین آتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے، وہ بیچارے دھوکہ میں ہیں۔ غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے۔ قابل علاج ہے۔ جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی۔ جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا ہم تو بوڑھا ہونا شروع ہوگئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے اور بڑھاپے سے قبر میں قدم لٹکا ہوا ہے لیکن اس کی محبت اب تک ختم نہیں ہوئی۔ تمام عضاء قویٰ جواب دے گئے لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ساتھ لگی ہوئی تھی، یہ بوڑھی نہیں بلکہ اور جوان بلکہ جوان تر ہوتی گئی اور جب یہ مرے گا تو رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی۔ محنت کی تھی ان چیزوں کے لئے، اب ان کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا، ہائے! فلاں چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا

تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، اور نہ ہی قبر کے اندھیرے کے لئے کوئی تیاری کی، نہ کبھی بجلی کی فٹنگ وہاں کی، نہ کوئی ٹارچ کی روشنی لے کے گئے۔ نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا۔ نہ کوئی وہاں کی تنہائی اور وحشت کے لئے سوچا۔ جیسے دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے ــــ اب یہاں پر سب کما کر یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں چلے گئے۔ کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہو، اگر تو وہاں سے زرمبادلہ لانے کی اس کو اجازت مل جائے تب تو ٹھیک ہے اور اگر سب کچھ وہیں چھین لیا جائے تو اس نے بیس تیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آگیا۔ اس کے دوست احباب، بیوی، بچے پوچھنے لگے کہ کیا لائے ہو؟ کہنے لگا کہ کچھ نہیں لایا ہوں، سب کچھ چھین لیا گیا، ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کررہے ہیں اور جب جائیں گے تو سب کچھ چھین لیں گے۔ جو اپنے اندر تھا وہ تو ساتھ جائے گا۔ باہر کی سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی۔ کپڑے تک چھین لیتے ہیں، اللہ کے بندے یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے تو رہنے دو یار۔ ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کر دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے جانے دو، کہتے ہیں نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے لے جانے کی بھی اجازت نہیں۔ چادر دیں گے لٹّھے کی دو چادریں پہنا دیں گے بس۔ نہ عمامہ ہے نہ کھسّہ ہے۔ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو ذلیل کرکے آجاتے ہو لحد میں۔ کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس۔ اے کاش مرنے سے پہلے ہمیں عقل آجاتی۔ اور یہاں سے یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں۔ اللہ والوں سے ان چیزوں کا علاج کروایا جاتا ہے۔ میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ چیز قابل علاج ہے۔ یہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے،

مال کی محبت کس طرح نکل جائے اور مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں۔ شیخ سے اصلاحی تعلق ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تمام معاملات کا مدار:

دوسرا ارشاد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے تمام معاملات کا مدار تین چیزیں ہیں۔ جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ بیڑا پار ہوگیا۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔ دوسری یہ کہ اپنے دکھ کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔ اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو۔ جی میں تو بے گناہ ہوں، اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی بیان کریں گے، زبان سے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ

اپنی مصیبت کی شکایت کسی سے نہ کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ کے سامنے کرو مخلوق کے سامنے نہ کرو۔ جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا مصر میں اور بھائی خالی ہاتھ گئے انہوں نے جاکر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا "ان ابنک سرق" تیرے بیٹے نے چوری کی ہے، اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے عزیز مصر نے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بیٹے نے چوری نہیں کی ہے تمہارے نفسوں نے کوئی بات بنائی ہے، خیر میں صبر جمیل اختیار کروں گا۔

یوسف علیہ السلام تو پہلے سے گم تھے ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا۔ بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی "یا حسرتی علی یوسف" ہائے حسرت حضرت یوسف پر "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی اور اتنا شدید غم تھا کہ گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ بچوں نے کہا "تفتوا تذکر یوسف" آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے "حتی تکون حرضا اوتکون من الھلکین" یہاں تک آپ گھل گھل کر ختم ہوجائیں گے ہڈیاں بھی ختم ہوگئیں غم یوسف میں۔ میں جو سنانا چاہتا ہوں وہ اگلی بات ہے "قال انما اشکو بثی وحزنی الی اللّٰہ" میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی حضرت یعقوب علیہ السلام نے؟ میں نے کبھی تذکرہ کیا کسی بندے کے سامنے؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں، اپنی پریشانی کی بھی، اور اپنے غم کی بھی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو اور کس کے پاس کروں۔ کوئی آفت اور کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں بلکہ اپنی حالت زار کو اس کے سامنے رکھ کر اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے۔ مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو۔ اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو، آسمان والی ہو یا زمین والی ہو، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی۔ ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں "لاتشک مصیبتک" اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو صرف اُسی کے سامنے کرو۔ "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" حضرت

ایوب صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سامنے کہہ رہے ہیں پروردگار مجھے تکلیف پہنچی ہوئی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں، ہٹاسکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں۔ وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی "ارکض برجلک" حکم دیا اپنی ایڑی کو مارو زمین پر۔ جب ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا اور فرمایا: "ھذا مغتسل بارد وشراب" ٹھنڈا پانی بھی پیو اور نہاؤ بھی، غسل کیا اور پانی پیا، پھر کیا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ وہاں فوراً تکلیف دور ہوگئی۔ بتانا چاہتے تھے کہ لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور جب ہٹانا چاہیں تو ان کے لئے تدبیروں کی کوئی ضرورت نہیں۔ چشمہ کا پانی اس سے غسل کیا سب کچھ دور ہوگیا، تمام بیماریاں دور ہوگئیں۔ اپنی تکلیف کا اظہار اللہ کے سامنے کرو، سجدے میں گر جاؤ اور پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" ہمارے مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے کہ آج مجھے شفا ہوجائے گی۔ عرض کیا گیا کہ کس طرح شفاء ہوجائے گی فرمایا کہ میں نے اپنے سجدے میں یہ دعا کی ہے "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" واقعی شفاء ہوگئی۔ تم سے دعا منگواتے اس لئے ہیں کہ انہوں نے دعا قبول کرنی ہوتی ہے اگر منظوری نہ دیں تو تم سے دعا نہ کروائیں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں۔ لیکن جیسے اللہ کے دربار میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر بھی راضی رہو۔ دل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو
گر بہ کشی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے۔ مار ڈالیں آپ کی رضا ہے۔ آپ جو کچھ کریں،

آپ کی جو بھی رضا ہو اس پر راضی ہوں۔ ہمارے مولانا حضرت حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے تھے، علاج مقصود ہے شفا مقصود نہیں۔ تمہارا کام ہے تمہیں علاج بتلایا کرتے رہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ میاں کیا تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟ میں نے کہا حضرت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ پھر تم علاج کرو، کہنے لگے بہت اچھا، فرمانے لگے ہمارے ہاں نزاکت زیادہ ہے پرہیز بہت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ تم علاج شروع کرو نتیجہ مجھے معلوم ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے علاج شروع کیا تو ذرا ہومیو پیتھک کا علاج نازک اور پرہیز بہت ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تھوڑا سا پرہیز ہو۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا۔ معمولی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے۔ حضرت فرمانے لگے کہ یہ ارشاد سن کر سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا، معمولی سی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا۔ بھائی بیماری کا آخری انجام کیا ہے موت۔ کیا مرنا نہیں ہے اس سے کیا گھبرانا۔ ہاں سُنّت ہے علاج کرنا، کرو۔ علاج کی تدبیر کرکے اللہ پر چھوڑ دو۔ چاہیں گے شفا دیدیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا۔ ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے چلئے حاضر ہیں بصد خوشی حاضر ہیں۔

اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو:

اور تیسرے یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ "فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی" اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم اچھے ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں۔ اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ

تعالیٰ بہت بہتر جاننے والے ہیں جو تم میں سے بچنے والا ہے یعنی متقی ہے۔ ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو۔ کیا اللہ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو کہہ سکتے ہو کہ تمہیں بدگمانی ہوئی میرے بارے میں۔ میں ایسا نہیں تھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا اللہ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اللہ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو۔ اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی۔ ایک شخص کی نظر اس پر ہو تو وہ اپنے منہ سے اپنی پاکیزگی اور صفائی پیش نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔ تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ دو آدمیوں کی بددعاؤں سے بچو، ایک مظلوم کی بددعا اور ایک یتیم کی بددعا۔ یہ اس وقت آ کے سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں رات کے دو بجے۔ مظلوموں کی بددعا سے بچو۔ اور یتیموں کی آہ سے بچو، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت فرما رہے تھے، ساتھ چل رہے تھے، رخصت کرنے کے لئے چلتے چلتے آخری جو نصیحت فرمائی وہ یہ تھی "یا معاذ لعلنی لا ترنی بعد هذا" شاید تم اس کے بعد مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ لیکن میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔

مظلوم کی بددعا سے بچو:

"ایاک ودعوة المظلوم" مظلوم کی بددعا سے بچنا، بچتے رہنا "لیس بینه وبین الله حجاب" اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، سیدھی عرش پر جا کر پہنچتی ہے۔ اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے ؎

بترس آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت درحق بر استقبال می آید

مظلوموں کی بددعا سے بچو اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت عرش الٰہی سے اس کے استقبال کے لئے آتی ہے۔ اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ خواہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو۔ اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ۔ اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کردیتی ہے۔ کراچی میں کتنے بچے یتیم کئے گئے ان کی آہیں نہیں لگیں۔ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم اور تختۂ مشق بنایا گیا۔ کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو کہ مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا لگتی ہے واللہ مظلوم اگر کافر بھی ہو اس کی بھی بددعا لگتی ہے۔ فاجر فاسق ہو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے۔ اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی سے زیادتی کرنا کسی کا حق اپنے ذمہ لینا اس سے ڈرو۔ اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی۔ چاہے کتنی معافیاں اللہ میاں سے مانگو، معافی نہیں ملتی جب تک کہ صاحب معاملہ معاف نہ کردے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بُری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلہ میں اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں۔ کوئی تھانہ کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا نہیں جو اس کے ساتھ پیروی کرے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو، مار دو۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے

کہ "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، مجھے یہ دعا پیاری لگتی ہے۔ مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، جن کا دنیا میں کوئی شنوا نہیں ان کی کوئی سننے والا نہیں تو ان کا بھی رب ہے اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے۔ ان کی بھی فریاد رسی کرتا ہے، مدد کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمزور کا کوئی نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا مالک ان کے ساتھ ہے اور جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے، وہ ہوتا ہے۔

مظلوم کا انتقام اللہ تعالیٰ خود لیتے ہیں:

میں نے آپ کو ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے بُرا بھلا کہا وہ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ فوراً اس کے ایک تھپڑ مار دو۔ اس نے ذرا دیر کردی تاخیر کردی۔ وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ بزرگ اس ساتھی سے کہنے لگے کہ تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی تو اس کے تھپڑ لگا دیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی۔ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ٹھیک کیا، لیکن اگر میں انتقام نہ لوں وہ خود انتقام لے لیتے ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اس بزرگ میں منحصر نہیں۔ اس معاملہ میں تم سارے بزرگ ہو۔ جو شخص اپنا انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تبارک و تعالیٰ خود اس کا انتقام لیتے ہیں الاّ یہ کہ تم معاف کردو۔ اللہ سے کہدو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے۔ مقدمہ داخل دفتر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں

کرتے۔ بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ نادان ہیں شاید آپس میں معاملہ درست کرلیں۔ غرضیکہ ایسا شخص جس کا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو۔ مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو۔ اللہ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

صبر

کے درجات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفویض اور تسلیم کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا، یہ حضرات صوفیاء کی اصطلاحات ہیں، اور قرآن کریم میں بھی یہ لفظ آیا ہے: "**وافوض امری الی اللّٰہ۔**" (میں سپرد کرتا ہوں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے) اس کو تفویض و تسلیم کہتے ہیں یعنی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا اور مالک کی جانب سے جو معاملہ ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم کردینا۔ شیخؒ نے فرمایا کہ نہ تو نعمتوں کو حاصل کرنا اپنے لئے اختیار کرو اور نہ مصائب کو دفع کرنا اپنے لئے تجویز کرو۔ نعمتیں تم تک بہرحال پہنچیں گی، جو تمہاری قسمت میں لکھی جاچکی ہیں، خواہ تم ان کے لئے تگ ودو کرو یا نہ کرو، محنت کرو یا نہ کرو، اور مصیبتیں اور تکالیف تم تک آکر رہیں گی خواہ تم ان کو ناگوار سمجھو، ان پر بے قراری کا اظہار کرو یا جو چاہو کرو، یہ مصائب اور تکالیف تم سے ٹل نہیں سکتیں اس لئے اگر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کوئی نعمت آئے تو اس کا استقبال شکر کے ساتھ کرو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا استقبال صبر کے ساتھ کرو، لیکن اس معاملے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔

رونا نہ آئے تو شکل ہی بنالو:

سب سے پہلا درجہ ہے تصبر، یعنی تکلیف کے ساتھ صبر کرنے کی اور اسے سہارنے کی کوشش کرنا، اگر آدمی سے صبر نہ ہو سکے تو صابروں کی سی شکل وصورت بنالینا، جو حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں ان کی شکل وصورت بنالینا بھی اللہ کے یہاں بڑا محبوب ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔" (ابن ماجہ ص۳۰۹) (رویا کرو اور اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی شکل بنالو۔)

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا چاہئے، لیکن ہمیں رونا نہیں آتا، آنکھوں میں آنسو نہیں آتے، دل میں رقت پیدا نہیں ہوتی، بھائی اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی سی شکل تو بنالو، اللہ تعالیٰ اس بہانے سے رونا بھی عطا فرمادیں گے، ہمارے شیخ قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہ وقدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر میں دو بزرگوں کو اخیر شب میں آواز سے روتے دیکھا ہے، ایک اپنے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰؒ کو، دوسرے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو، یہ دونوں بزرگ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے اور بلبلاتے جیسے کسی بچے کی پٹائی ہورہی ہو اور وہ رورہا ہو، لیکن دن کے وقت اور لوگوں سے ملتے وقت ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے، تو اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو واقعۃً اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کا حق ادا کرتے ہیں، اللہ کے سامنے رونا اپنی عبدیت کا اظہار کرنا ہے، حضرت شیخؒ کے یہ الفاظ کہ "جس طرح بچے کی پٹائی کی جارہی ہو" بڑے عجیب الفاظ ہیں۔

تو رونے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے ہیں، تمہیں اگر رونا نہیں آتا تو رونے کی شکل ہی بنالو، اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور اگر گڑگڑانے کی کیفیت پیدا

نہیں ہوتی تو اللہ کے سامنے گڑگڑانے کی شکل بنالو، اور اگر اصل بھی نہیں ہوتی اور نقل بھی نہیں تو پھر پیچھے کیا باقی رہا؟

حضرت بنوریؒ کا جماعت نہ ملنے پر رونا:

ایک دن ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عصر کی جماعت رہ گئی، کیونکہ معتقدین تو بڑا ہجوم کرتے ہیں، پھر ماشاء اللہ جمعہ کے دن تو کیا ہی کہنے؟ غالباً کسی دکان کا افتتاح تھا، حضرتؒ کو لے کر گئے، حضرت نے فرمایا بھائی جمعہ کی عصر کی جماعت اپنی مسجد میں پڑھتا ہوں، میری عصر کی نماز جماعت سے نہ رہ جائے، انہوں نے کہا کہ نہیں جی! ہم پہنچائیں گے، لے جاتے وقت تو لوگ بہت مستعد ہوتے ہیں، اپنے کام کا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا خیال نہیں ہوتا، حضرت بنوریؒ جب واپس پہنچے تو نماز ہوچکی تھی، اس پر حضرتؒ بڑا روئے، اس دن میں نے حضرتؒ کو خوب روتے ہوئے دیکھا، بہت روئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے پاس اصل تو ہے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہے، نماز تو ہمیں پڑھنی آتی نہیں بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرلیتے ہیں، یہ نقل بھی ہمارے پاس نہ رہے تو پھر ہمارے پاس کیا رہا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہمیں اس چیز کی قدر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکبیر تحریمہ کا اہتمام:

پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو تین مواقع پر تکبیر تحریمہ میں شامل نہیں ہوسکے، ایک دفعہ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور حضرت بلالؓ سے فرماگئے تھے کہ نماز کا وقت ہوجائے

اور میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ سے کہنا نماز پڑھا دیں گے، چنانچہ نماز کا وقت ہوا، حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ نماز پڑھائیں گے؟ انہوں نے کہا "نعم ان شئت" (ہاں اگر تم کہو تو پڑھا دیں گے) چنانچہ کچھ دیر انتظار کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ نماز پڑھایئے، انہوں نے نماز شروع کردی، نماز ابھی شروع ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توجہ دلانے کے لئے تالیاں پیٹنا شروع کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں "وکان ابوبکر لایلتفت" (حضرت ابوبکرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ان کو کسی اور چیز کی طرف التفاف نہیں ہوتا تھا) جب لوگوں نے بہت تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبہ ہوا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا "کھڑے رہو" انہوں نے اظہار تشکر کے لئے دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھائے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا "تم لوگ تالیاں کیوں بجا رہے تھے؟ جب تم میں سے کسی کو نماز میں کوئی چیز پیش آجائے یعنی امام کو متنبّہ کرنے کی ضرورت ہو تو تسبیح کہا کرو کیونکہ جب تسبیح کہی جائے گی تو امام کو تنبہ ہوجائے گا "فانما التصفیق للنساء" (تالیاں بجانے کا حکم عورتوں کے لئے ہے) مردوں کے لئے نہیں، مردوں کے لئے تسبیح ہے یعنی سبحان اللہ کہے، اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب میں نے کہا تھا کہ اپنی

جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھاؤ تو تم پیچھے کیوں ہٹے؟ انہوں نے عرض کیا:

"ماکان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔"

ترجمہ: "ابوقحافہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہوکر نماز پڑھائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہوں اور میں نماز پڑھاؤں یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کا ایک واقعہ مرض الوفات میں بھی پیش آیا تھا، طبیعت مبارک ٹھیک نہیں تھی، طبیعت پر ثقل تھا، اس لئے مسجد میں تشریف نہیں لاسکتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نماز پڑھاتے تھے، ایک دن ذرا تھوڑا طبیعت میں سکون اور خفت محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے:

"فکان ابوبکر یصلی بصلوة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوة ابی بکر رضی اللّٰہ عنہ۔" (صحیح بخاری ج۱ ص۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کررہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کررہے تھے، اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اس نماز

میں امام کون تھا؟ حضرت ابوبکرؓ تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ غالباً مذکورہ بالا الفاظ کے پیش نظر صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پہلے امام تھے اب ان کی حیثیت مکبر کی بن گئی تھی۔

یہ دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع ہونے کے بعد تشریف لائے ایک اور موقع پر سفر میں، غالباً یہ سفر تبوک کا واقعہ ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ضرورت کے لئے تشریف لے گئے تھے، میں پانی کا لوٹا لے کر پیچھے پیچھے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے وضو کروایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ پہنا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، آستینیں اوپر کو نہیں آٹھتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتار کر کندھے پر ڈال لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، میں لپکا کہ ان کو اتاروں، فرمایا رہنے دو میں نے ان کو پاک حالت میں پہنا ہے چنانچہ آپ نے موزوں پر مسح فرمایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی کیونکہ ذرا دیر ہو گئی تھی، لوگوں نے انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، ممکن ہے پیچھے رہ گئے ہوں، ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز قضاء نہ ہو جائے تو حضرات صحابہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنا لیا، جماعت کی ایک رکعت ہو چکی تھی کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسبوق ہیں اور ایک رکعت رہ گئی ہے، صحابہؓ بہت پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعت پوری کرنے کے بعد ان

کو اطمینان دلانے کے لئے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ نماز شروع کرلی، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے کہ صحابہؓ کی جماعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی، یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سابقین اولین میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن پڑھا کرتے تھے، جو ان کے بچوں کے برابر تھے ان سے قرآن پڑھا کرتے تھے، یہ ان کی تواضع تھی، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المؤمنین سے فرمایا تھا:

"ان امرکن مما یھمنی بعدی ولن یصبر علیکن بعدی الا الصابرون۔" (ترمذی باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کنز ج ۱۲ حدیث: ۳۳۴۳۳، کنز ج ۱۶ حدیث: ۴۴۹۶۱)

ترجمہ: "کہ تمہارا معاملہ مجھے فکرمند کرتا ہے اپنے بعد اور تمہارے معاملہ میں صابرین ہی کچھ خدمت کریں گے۔"

یعنی میرے بعد تمہاری کفالت کی کیا شکل ہوگی؟ اس کا کبھی مجھے خیال آجاتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اہل و عیال کے بارے میں فکر مند ہونا بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے آخر انسان انسان ہے پتھر نہیں ہے گوشت پوست کا انسان ہے اور پھر فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ کے نیک ومقبول بندے صابرین تمہاری خدمت کیا کریں گے، ان حضرات میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی جو حضرات امہات المؤمنینؓ کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کے پاس اپنے ہدایا بھیجا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا ان کو بہت دعائیں دیتی تھیں، حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنے پاس کچھ نہ رکھتی تھیں جو آتا اسی وقت لٹا دیتی تھیں، وہ بھی تو آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں، لاکھوں کے عطیات آتے تھے، ایک دن ام المؤمنین کے پاس دراہم کا ڈھیر لگا ہوا تھا، تقسیم کرتی رہیں حتی کہ سارا تقسیم کردیا تو خادمہ کہنے لگی کہ حضور (رضی اللہ عنہا) کا روزہ ہے، شام کو کچھ افطار کے لئے بچا لیتیں؟ فرمانے لگیں: پہلے یاد دلادیتی، اب عورتوں کی طرح طعنہ دینے کا کیا فائدہ؟ یعنی یہ بات بھی یاد دلانے کی ہے کہ تمہارا روزہ ہے کچھ افطار کرنے کے لئے رکھ لو۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ صحیح معنی میں تو ایک ہی نماز نکلی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت نکل گئی تھی، پوری زندگی میں دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا ابتدائی حصہ نہیں ملا اور ہماری جماعت تو کیا پوری نماز بھی رہ جائے تو ہماری مسلمانی میں کچھ فرق نہیں آتا، بھئی نقل تو اتارو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، اللہ کے بندو! اگر اصل بھی نہ ہو اور نقل بھی نہ ہو تو پھر کیا رہے، کچھ بھی نہیں رہے گا۔

اصل نہیں تو نقل ہی اتارو:

نقل تو اتارو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور یہ نقل بھی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، فکر مند نہ ہوا کرو کہ ہمارے پاس اصل نہیں یا جیسی نماز ہونی چاہئے ویسی نماز نہیں ہے ہمارے پاس، جیسی تلاوت ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، جیسا درجہ احسان کا عبادت میں ہونا چاہئے ویسا درجہ حاصل نہیں، ہو بھی نہیں سکتا، کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میں زیادہ فکر مند نہ ہوا کرو بس کوشش کرو کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ کھینچو بس انشاء اللہ وہ نماز قبول ہوجائے گی۔

صبر نہیں تو صبر والوں کی شکل ہی بنالو:

تو شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر صبر نہیں کرسکتے تو تصبر کرو یعنی صبر کرنے والوں کا نقشہ لو، تکلیف اور بناوٹ کے ساتھ ہی صبر کا اہتمام کرو، شروع شروع میں ایسا ہوگا لیکن رفتہ رفتہ مشق ہوجائے گی۔ بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ کے پہلے ریا ہوگی پھر عادت بنے گی پھر عبادت بنے گی، پہلے تو صرف دکھاوا ہوگا، نام ہوگا، پھر مشق کرتے کرتے عبادت کی ایسی عادت ہوجائے گی کہ کوئی تم سے چھڑانا چاہے تو تم چھوڑ نہیں سکو گے، اور جب اتنی پختگی ہوجائے گی تو پھر عبادت کی طرف تیسرا قدم اٹھے گا کہ اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں، اس میں حقیقت آنا شروع ہوجائے گی، اور اسی کا نام مجاہدہ ہے، یہی محنت ہے جو مطلوب ہے، ہم لوگ چاہتے ہیں کہ پہلے دن جنید بغدادیؒ بن جائیں، اگر جنید بغدادیؒ جیسی نماز پڑھیں تو پڑھیں ورنہ پھر نماز سے کیا فائدہ؟ یہ بات غلط ہے۔

صبر کے درجات:

تو شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، کوئی مصیبت آئے تو صبر کے ذریعہ اس کا استقبال کرو اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔

پہلا درجہ تصبر کا ہے یعنی بتکلّف صبر کرو، پھر اس کے بعد دوسرا درجہ آئے گا

صبر کا۔

مصائب کی حکمت؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تکلیف ہمیں پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ تو تمہارا ہو گا ہی کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اب یہ چیز جو منجانب اللہ آتی ہے یہ کسی مقصد کے لئے ہے یا بے فائدہ ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، حکیم کا کوئی کام مقصد سے خالی نہیں ہوتا، چلو یہ بات بھی طے ہوگئی کہ اس میں کوئی فائدہ ضرور بہ ضرور ہو گا، اب فائدے میں تین احتمال ہیں، ایک یہ کہ اللہ میاں کا کوئی فائدہ ہو گا، دوم یہ کہ تمہارا کوئی فائدہ ہو گا، سوم کہ مشترکہ فائدہ ہو کہ تھوڑا سا اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے اور کچھ تمہارا بھی ہے، لیکن پہلی اور تیسری صورت غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فائدہ حاصل کرنے سے بے نیاز ہیں، وہ تو مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں، یہ اس کا عام فیض ہے کہ سب کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن مخلوق سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو منعم حقیقی کہتے ہیں کہ وہ سب کو نعمتیں عطا کرتے ہیں، سب پر احسان کرتے ہیں مگر مخلوق سے کوئی نفع اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے منعم ہیں، احسان کرنے والے ہیں وہ احسان وانعام میں کوئی نہ کوئی اپنا فائدہ ضرور رکھتے ہیں، کوئی شخص ثواب کی نیت کرتا ہے کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا یہ بھی فائدہ حاصل کرنا ہوا، اور اگر کوئی اور فائدہ نہ ہو تو کم از کم یہی ہے کہ کسی کی بدحالی کو دیکھ کر دل میں جو کڑھن پیدا ہوگئی تھی احسان کے ذریعہ وہ کڑھن دل سے جاتی رہے گی، کسی کو دیکھ کر جو ہمارے دل کو تکلیف ہوتی تھی

وہ ہمارے دل کی تکلیف دور ہوگی، بعض لوگ ووٹوں کے لئے احسان کرتے ہیں، خدمت خلق کرتے ہیں مگر نام آوری کے لئے، سرداری حاصل کرنے کے لئے، قیادت حاصل کرنے کے لئے، کوئی احسان کرتا ہے آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے: "انما الاعمال بالنیات۔" جیسی کسی کی نیت ہوگی حق تعالیٰ شانہ ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے، لیکن بہر حال مخلوق کی طرف سے کسی پر جو احسانات ہورہے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ بھی اپنا ہوتا ہے، خواہ کسی درجہ کا بھی ہو اپنا فائدہ بھی مدنظر ہوتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے کہ تمام مخلوق پر انعام فرمارہے ہیں لیکن اپنا کوئی فائدہ نہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تاسودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مخلوق اس لئے نہیں بنائی کہ میں ان سے کوئی نفع کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں، کوئی سودا کرنا چاہتا ہوں، نہیں بلکہ صرف بندوں پر احسان کرنے کے لئے یہ تخلیق فرمائی ہے، پس اللہ تعالیٰ کا محض احسان ہی احسان ہے، فضل ہی فضل، انعام ہی انعام ہے، تو اللہ کی طرف سے اگر کوئی تکلیف آتی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، وہ فائدے سے پاک ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

"مایفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے تمہیں تکلیف دے کر کیا کریں گے اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ۔"

تو یہ طے ہوگیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے فائدے کے لئے ہورہاہے، اللہ

تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن بات یہ کہ فائدہ کبھی محسوس ہوتا ہے کبھی محسوس نہیں ہوتا، مولانا فرماتے ہیں:

طفل می لرزد زنیش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچے کے پھوڑا نکل آیا تھا، ماں نشتر لگانے والے کے پاس لے گئی تاکہ اس کا آپریشن کردیا جائے، نشتر تو بعد میں لگے گا بچے نے اس جراح کو دیکھ کر ہی چلانا شروع کردیا، بہرحال اس کو جیسے کیسے پکڑ کر نشتر لگوادیا اور پیپ گندگی سب نکل گئی، زخم کو صاف کر کے مرہم لگادیا، تو بچہ لرز رہا ہے، کانپ رہا ہے لیکن ماں خوش ہورہی ہے کہ بچے کی تکلیف دور ہوگئی، شکریہ بھی ادا کرتی ہے ڈاکٹر صاحب کا اور اس کو فیس بھی دیتی ہے، احسان بھی مانتی ہے، تو ماں جو اپنے بچے کے نشتر لگواتی ہے یہ بچے کے ساتھ اس کی شفقت و محبت ہے مگر بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ ماں اس پر بڑا ظلم کررہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ دراصل ہمارے گندے مواد کا آپریشن ہوتا ہے، ہم اپنی کم عقلی اور نادانی کی وجہ سے اس کو نہیں سمجھتے، یہ بھی رحمت ہی کا معاملہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب نظر ذرا زیادہ صحیح کردیتے ہیں تو بات سمجھ میں بھی آنے لگتی ہے کہ یہ معاملہ میرے ساتھ کیوں ہورہا ہے، اس کی وجہ بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

دوسرا درجہ:

بہرحال دوسرا درجہ صبر کا ہے جس کا مطلب کسی مصیبت کو من جانب اللہ سمجھتے ہوتے اس کو سہارنا، اس پر شکایت نہ کرنا۔ صبر کے بڑے درجات ہیں اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں: "وبشر الصابرین۔" (اور خوش خبری دیدو صبر کرنے والوں کو۔) "الذین اذا اصابتھم مصیبۃ۔" (صبر کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔) "قالو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔" (تو یوں کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اللہ کا مال ہیں اور اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔) "اولئک علیھم صلوۃ من ربھم ورحمۃ۔"

شاہ عبدالقادر دہلویؒ ترجمہ فرماتے ہیں: (یہ لوگ ہیں کہ ان کو شاباشیں ان کے رب کی جانب سے اور ان پر رحمت ہے۔)

یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہیں۔ "واولئک ھم المھتدون۔" (اور یہی لوگ ہیں صحیح راستہ پانے والے۔) "ان اللّٰہ مع الصابرین۔" (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

تکلیف محبوب کا عطیہ ہے:

پس جو تکلیف آئے اسے محبوب کا عطیہ سمجھتے ہیں اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس کی شکایت نہ کرو، بس یہی صبر ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ صبر کی تین علامتیں ہیں، ایک یہ کہ شکوہ شکایت نہ کرے، دوسری یہ کہ ضرورت سے زیادہ جزع فزع نہ کرے، ویسے آدمی کمزور ہے جب تکلیف ہو تو ہائے کرے گا، اس کی اجازت ہے، اس کا مضائقہ نہیں، بھئی ہم تو بندے ہیں، ہائے کہنا بندگی کا اظہار ہے، اپنے عجز کا اظہار ہے، اپنی کمزوری کے اظہار کے لئے منہ سے ہائے بھی نکلے گی، تکلیف بھی ہوگی لیکن جزع فزع کی اجازت نہیں جس سے بے صبری کا اظہار ہو اور شکوہ شکایت کی

کیفیت پیدا ہو جائے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کوئی مزاج پرسی کرے تو بیمار کو چاہئے کے پہلے الحمد للہ کہے اس کے بعد اپنی بیماری کو بیان کرے تاکہ بیماری کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ سمجھا جائے۔

تیسرے یہ کہ مصیبت کی وجہ سے تمہارے اعمال شرعیہ یا طبعیہ میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ ہو، اگر تکلیف کی وجہ سے مصیبت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں یا اور معمولات میں فرق آنے لگا تو یہ صبر کے خلاف ہے، یہ تین چیزیں اگر پائی جائیں تو یہ صبر جمیل ہے اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سی عنایتیں ہیں، بڑی ہی عنایتیں ہیں۔

تیسرا درجہ:

شیخؒ فرماتے ہیں کہ تیسرا درجہ موافقت ہے، جو معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اس پر رضائے الٰہی کی موافقت کرو، جب اس طرف نظر چلی جائے کہ معاملہ مالک کی طرف کیا جارہا ہے تو موافقت پیدا ہو جاتی ہے، یہ صبر سے اونچا درجہ ہے، وہ قصہ مشہور ہے کہ شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے کہا کہ دریا میں کٹاؤ لگا ہوا ہے آپ ذرا دعا کر دیجئے کہ دریا کا رخ بدل جائے، فرمایا کہ مجھے وہاں لے چلو، لے گئے، فرمایا ذرا کدال دے دو، کدال دے دیا گیا، تو خود بھی گرانے لگے، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا غضب ہے، فرمایا جدھر مولا ادھر شاہ دولہ، اگر مولا ہی چاہتا ہے کہ اس کو گرایا جائے تو شاہ دولہ کون ہوتا ہے جو کہے کہ نہ گراؤ، اور ان کی اس موافقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دریا کا بہاؤ دوسری طرف پھیر دیا، کٹاؤ بند ہوگیا، اور دریا کا بہاؤ دوسری طرف مڑ گیا، اللہ تعالیٰ کا

معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہوتا ہے، تو یہ تیسرا درجہ ہے بھئی، جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

چوتھا درجہ:

شیخ ؒ فرماتے ہیں چوتھا درجہ اس سے بھی اوپر کا ہے اور وہ ہے تنعم و تلذذ کا، جب یہ چیز اور آگے بڑھتی ہے تو جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصائب اور تکالیف آتی ہیں ان سے آدمی کو لذت حاصل ہونے لگتی ہے، جیسے بچے حلوہ کھاتے ہیں، ان کو لذیذ لگتا ہے لیکن بعض لوگ مرچیں کھاتے ہیں، ناک سے پانی بہہ رہا ہے، آنکھوں سے بھی پانی بہہ رہا ہے، سی سی بھی کررہے ہیں لیکن کھارہے ہیں، اس کے بغیر کھانا لذیذ معلوم نہیں ہوتا، ہم لوگوں کو جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح ان مقبولان الٰہی کو ان معاملات سے جن کو تکالیف و مصائب کہتے ہیں لذت حاصل ہوتی ہے، یہ چھوٹا درجہ نہیں بہت بڑا درجہ ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں، حضرت عمرانؓ بہت اونچے درجے کے بہت پیارے صحابی ہیں، وہ بھی تکلیف میں مبتلا ہوگئے تھے، انہوں نے داغ لگوالیا، پرانے زمانے میں داغ دے کر، یعنی لوہا گرم کرکے داغ لگاتے تھے اور اس کے ذریعے بعض بیماریوں کا علاج کرتے تھے، تو آپؓ نے کسی آدمی سے شکایت کی کہ میں جب سے اس تکلیف میں مبتلا ہوا تھا تو مجھے فرشتے روزانہ سلام کرتے تھے جب سے داغ لگوایا تو انہوں نے سلام بند کردیا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ دولت دوبارہ نصیب فرمادی۔

الغرض چوتھا درجہ یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت کو محبوب کی جانب سے جان کر اس سے لذت حاصل کی جائے کیونکہ محبوب کی جانب سے جو تکلیف

آئے وہ عاشق کے لئے موجب مسرت ہوا کرتی ہے، ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کئی سالوں کے فراق کے بعد کسی کا محبوب اچانک ملا ہو، اور وہ پیچھے سے آکر اس کو دبا دے اب محبوب موٹا تازہ فربہ اور عاشق بیچارہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے، محبوب نے جو اس کو زور سے دبایا تو عاشق کی ہائے نکل گئی، محبوب نے کہا کہ تمہیں تکلیف ہورہی ہو تو تمہیں چھوڑ کر رقیب کو پکڑ لوں؟ اس حال پر عاشق کیا کہے گا، وہ تو یہی کہے گا:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ: ''دشمن کو یہ بات نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہوا کرے دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں۔''

صبر کرنے والوں کے بڑے درجات ہیں، یہاں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت عجیب بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں ایک ہے مصیبت پر اجر، ایک ہے صبر پر اجر، یہ دونوں الگ الگ اجر ہیں، اگر کوئی صبر نہ کرے گا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ تکلیف اور مصیبت کا اجر عطا کریں گے، اور اگر صبر کرے گا تو صبر کا اجر الگ ملے گا اور تکلیف کا اجر الگ عطا فرمائیں گے۔

درجہ تلذذ:

شیخؒ فرماتے ہیں دوسرا درجہ صبر کا ہے اور تیسرا درجہ اس سے بڑھ کر آگے ہے یعنی یہ دیکھ کر کہ یہ مالک کی طرف سے ہے پھر آدمی میں جذبہ موافقت پیدا ہو جاتا ہے اور چوتھا درجہ مصیبت سے تلذذ کا ہے، ہمارے حضرت مفتی محمد حسن

صاحبؒ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کی ٹانگ میں تکلیف ہوگئی تھی، ڈاکٹروں نے کہا ٹانگ کاٹنا پڑے گی، فرمایا بہتر ہے، ڈاکٹروں نے بے ہوش کرنے کو کہا تو فرمایا تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کریں گے بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس تم اپنا کام کرو، اب اندازہ کیجئے کہ زندہ آدمی ہے، اس کی ٹانگ کاٹی جارہی ہے مگر وہ اف تک نہیں کرتا، سی بھی نہیں کرتا، ہائے بھی نہیں کہا، سبحان اللہ ان لوگوں کا کیا مقام ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے ان پر جو گذری وہ آپ کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "انا وجدنا صابرا نعم العبد انه اواب۔" ترجمہ: "ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، بڑا اچھا بندہ تھا، بڑا رجوع کرنے والا تھا۔"

سبحان اللہ کیا بات ہے! مالک کہہ رہا ہے بندے کو کہ وہ بڑا رجوع کرنے والا تھا۔

تو جب موافقت کے مقام سے بندہ ترقی کرتا ہے تو تنعم اور تلذذ کے مقام پر پہنچتا ہے کہ جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل کرتا ہے اسی طرح اس کو تکلیف ومصائب سے راحت ملتی ہے۔

درجہ فنا:

لیکن قصہ یہیں ختم نہیں ہوا، اس سے اوپر بھی ایک درجہ ہے شیخؒ فرماتے ہیں وہ درجہ فناء کا ہے کہ مالک کے سامنے بندے کا ارادہ واختیار ختم ہوجائے، اس کے حکم کے سامنے ہماری کوئی خواہش باقی نہیں رہ گئی فنا ہوگئی "مردہ بدست

زندہ" والا مضمون ہوگیا، اب مردے بے چارے کی کیا خواہش ہے؟ اس کو جہاں چاہو رکھ دو، جس طرف چاہو پلٹ دو، اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا کہ نہ لذت رہے نہ تکلیف، نہ راحت نہ تکلّف، اس کی کوئی چاہت ہی نہیں رہی، یہ فنا کا مقام ہے، یہ آخری مرتبہ ہے، اس کے بعد کوئی مرتبہ نہیں، اور یہ اصل مقام عبدیت ہے، یہ ہے بندے کا اصل مقام، یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، اور بندہ چاہے نہ چاہے اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوگا، جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے، جس کو چاہے غنی کردے، جس کو چاہے فقیر کردے، صحت اس کے قبضے میں ہے، بیماری اس کے قبضہ میں ہے، راحت اس کے قبضے میں ہے، تکلیف اس کے قبضہ میں ہے، یہ سب چیزیں جو اسباب کی دنیا میں ہیں ان اسباب کو تمہارے موافق کردیں یہ اس کے قبضے میں ہے، اور تمہارے خلاف برگشتہ کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، دشمن کو سرنگوں کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، کمزوروں کو تم پر مسلّط کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، یہ تو ظاہر ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہی ہوتا ہے لیکن بندہ عملی طور پر اس مقام پر آجائے یہ مقام بندگی ہے، بندہ اس مقام پر نہ آئے سرکش رہے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی شکایتیں کرتا پھرے تب بھی ہوگا وہی جو وہ چاہے گا لیکن یہ محروم رہا۔

یہ اصل مقام عبدیت ہے شیخؒ فرماتے ہیں جب اس مقام عبدیت پر آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دیں گے اور اپنی رحمت ورضا کی آغوش میں اس کی پرورش فرمائیں گے، حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی اپنی رضا کی دولت نصیب فرمائے۔

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات... ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد دوم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد اوّل

مکتبہ لدھیانوی

اِصلاحی مواعظ

جلد اوّل

❀❀

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

❀❀

مکتبہ لدھیانوی

اشاعت اول .... اگست ۱۹۹۹ء

تعداد .... گیارہ سو

قیمت ....

ناشر .... مکتبہ لدھیانوی

برائے رابطہ : جامع مسجد باب رحمت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون : ۷۷۸۰۳۳۷ ـــــ ۷۷۸۰۳۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل بے پایاں کا مورد بنایا اور ہمیں اپنے والد گرامی! داعی کبیر اور حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے علوم و معارف تشنگانِ علم و معرفت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

میرے مرشد و مربی حضرت ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی تحریر وبیان میں جو لذت و مٹھاس ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس میخانۂ محبت سے لطف اندوز ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک مخدوم و محسن اور حضرت والد صاحب کے سچے محب و دوست ایک دن حضرت ابا جان سے فرمانے لگے حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ہیروئن کا نشہ پلاتے ہیں۔ حضرت ابا جان نے ان کا یہ جملہ سنا تو خفگی کے انداز میں فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کیا میں لوگوں کو ہیروئن پلاتا ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے وضاحت کی کہ حضرت آپ ہیروئن ہی تو پلاتے ہیں کہ جو شخص آپ کا بیان سن لیتا ہے اس کے بعد اسے کسی کا بیان اچھا نہیں لگتا! ایسا عشق تو لوگوں کو ہیروئن ہی سے ہوتا ہے۔

سچ ہے جو شخص حضرت کا بیان سن لیتا ہے اس کی نظر کسی اور جگہ نہیں ٹکتی۔ چنانچہ حضرت کے متعلقین، محبین اور عوام الناس کا حضرت کی تالیفات کی اشاعت کے بعد ہم پر مسلسل دباؤ تھا کہ حضرت کے مواعظ بھی شائع کئے جائیں چنانچہ پیش نظر کتاب اصلاحی مواعظ کے نام سے دس مواعظ پر مشتمل اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو مزید جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب اور پوری امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد طیب لدھیانوی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

صفحہ	عنوان
۷۰	* وفات کے بعد ان کی کرامت
۷۰	* اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ
۷۱	* حکایات صحابہ میں عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان
۷۱	* محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ
۷۳	* دنیا میں محبت کا صلہ
۷۵	* محبت کے تقاضے
۷۵	* محبت کے آداب ولوازم
۷۶	* ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی ہے
۷۶	* ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الامتؒ کا جواب
۷۸	* آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے
۷۹	* آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو آنی چاہئے
۸۰	* درود شریف کی خوشبو
۸۱	* دوسری علامت: محبوب کے تعلّق والوں سے محبت
۸۱	* حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام صحابہؓ سے افضل ہیں
۸۳	* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض
۸۴	* قادیانی دوست؟
۸۵	* امیر شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت
۸۶	* محبت والوں کو بارگاہ عالی سے نوازا جاتا ہے
۸۶	* عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں جاتی
۸۸	* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع اور شکل وشباہت اختیار کرو
۸۹	* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العلمین ہیں

صفحہ	عنوان

لیلۃ القدر کی برکات اور اُس کے حصول کا طریقہ

عنوان	صفحہ

اعتکاف فضائل ومسائل

صفحہ	عنوان
۱۴۴	* مسجد کا ادب بجالایا جائے
۱۴۵	* دل میں خشوع ہو تو اعضائیں بھی خشوع ہو گا
۱۴۶	* ہم سب فقیر ہیں
۱۴۷	* عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق
۱۴۹	* نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اُونچا ہو گا
۱۴۹	* شیطان کے بہکانے کا سامان
۱۵۰	* دنیا کے نابالغ
۱۵۱	* حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بلند نظری
۱۵۲	* حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک اور واقعہ
۱۵۳	* اپنی ہمت کو اونچا رکھو
۱۵۴	* طالب علمی کا واقعہ
۱۵۵	* اللہ کی ذات کو اپنا مقصد بناؤ
۱۵۶	* اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے
۱۵۷	* اعتکاف کی سوغات
۱۶۰	* اعتکاف کے مسائل
۱۶۰	* اعتکاف کی اقسام
۱۶۲	* اعتکاف کی شرائط
۱۶۶	* اعتکاف کی خوبیاں
۱۶۷	* اعتکاف کے آداب و مستحبات
۱۶۸	* جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوتا ہے اور جن سے نہیں
۱۷۳	* وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

صفحہ	عنوان

عظمت قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

حقوق اللہ اور ذکر اللہ کی فضیلت

صفحہ	عنوان
۲۱۳	* سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز
۲۱۳	* مخلوق کے ساتھ انصاف کرو
۲۱۶	* اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو
۲۱۸	* اللہ کے راستے میں جہاد کرو
۲۱۹	* اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان ومال کو خرید چکا ہے
۲۲۲	* اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ
۲۲۳	* مسلمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے
۲۲۳	* لاؤڈ اسپیکر پر درود وسلام پڑھنا ریاکاری ہے
۲۲۸	* دین کی بنیادی باتیں
۲۲۹	* ذکر کا مفہوم
۲۳۰	* ذکر کی کثرت مطلوب ہے
۲۳۱	* ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے
۲۳۱	* نفس کی ریاضت ضروری ہے
۲۳۳	* نفس سے شرائط طے کرکے پھر اس کی نگرانی کی جائے
۲۳۴	* نفس کی فہمائش کرو
۲۳۶	* اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ
۲۳۷	* اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار
۲۳۸	* اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو
۲۳۹	* خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون
۲۳۹	* کل کی تیاری آج کرو
۲۴۰	* اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

صفحہ	عنوان

غیبت ایک اخلاقی بُرائی — ایک گناہِ کبیرہ

توبہ کیسے کریں؟

حسد کی بیماری اور اس کا علاج

صفحہ	عنوان
۳۱۹	* حسد کا علاج
۳۲۰	* علماً کا حسد
۳۲۱	* ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے
۳۲۳	* بدکار تاجر
۳۲۳	* ایک نیک تاجر کا قصہ
۳۲۵	* نیک تاجر کی فضیلت
۳۲۵	* قاریوں اور مولویوں کا حسد
۳۲۵	* حسد کم ظرفی کی علامت ہے
۳۲۶	* شیطان کے تین عین
۳۲۸	* حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

دنیا کی محبت کے بُرے اثرات

عنوان	صفحہ

صبر کے درجات

مقصدِ حیات

دنیا نہیں - بلکہ آخرت

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و
نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور
انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهده الله
فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهد ان
سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله
صلى الله تعالى عليه وعلى أله واصحابه
وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرًا - اما بعد!
عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالى عنه
قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه
وسلم خطيبا بعد العصر، فلم يدع شيئا
يكون الى قيام الساعة الاذكره، حفظه من
حفظه ونسيه من نسيه، وكان فيما قال: ان
الدنيا حلوة خضرة وان الله مستخلفكم
فيها فناظر كيف تعملون، الا فاتقوا الدنيا

واتقوا النساء- وذكر ان لكل غادر لواء يوم القيمة بقدر غدرته في الدنيا، ولا غدر اكبر من غدر امير العامة، يغرز لواءه عند استه، قال ولا يمنعن احدامنكم هيبة الناس ان يقول بحق اذا علمه، وفي رواية ان راى منكرا ان يغيره، فبكى ابوسعيد وقال قد راينا فمنعتنا هيبة الناس ان نتكلم فيه، ثم قال الا ان بنى ادم خلقوا على طبقات شتى، فمنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت مومنا، ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت كافرا، ومنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت مومنا قال وذكر الغضب فمنهم من يكون سريع الغضب سريع الفئى فاحداهما با لاخرى ومنهم من يكون بطى الغضب بطى الفى فاحدا هما بالاخرى وخياركم من يكون بطى الغضب سريع الفى، وشرار كم من يكون سريع الغضب بطى الفى قال اتقوا الغضب فانه جمرة على قلب ابن ادم الا ترون الى انتفاخ اوداجه وحمرة عينيه، فمن احس بشى من

ذلک فلیضطجع ولیتلبد بالارض قال وذکر الدین فقال منکم من یکون حسن القضاء واذا کان له افحش فی الطلب فاحدا هما بالاخری، ومنهم من یکون سیی القضاء، وان کان له اجمل فی الطلب فاحداهما بالاخری، وخیار کم من اذا کان علیه الدین احسن القضاء وان کان له اجمل فی الطلب وشرارکم من اذا کان علیه الدین اساء القضاء وان کان له افحش فی الطلب حتی اذا کانت الشمس علی روس النخل واطراف الحیطان فقال اما انه لم یبق من الدنیا فیما مضی منها الاکما بقی من یومکم هذا فیما مضی منه۔ (رواہ الترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ شریفہ، مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف (صفحہ ۴۳۷) میں منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، قیامت تک جتنے اہم واقعات رونما ہونے والے تھے، سب کے سب بیان کردیئے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، جن کو یاد رہا ان کو یاد رہا اور جنہوں نے بھلا دیا انہوں نے بھلا دیا۔ اور جو

باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیا میٹھی ہے (لذیذ ہے، خوشنما) اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں دوسروں کے جانشین بنا رہے ہیں، پس دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو! اور عورتوں سے بچو!

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو دنیا میں اس کی عہد شکنی کے بقدر ہوگا، اور کسی کی عہد شکنی اتنی بڑی نہیں جتنی کہ مسلمانوں کے حاکم کی عہد شکنی بڑی ہے، اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔ اور تم میں کسی کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے نہ روکے، جب کہ اس کو حق کا علم ہو ــــ اور ایک روایت میں ہے کہ کسی برائی کو دیکھے تو اس کو بدلنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے ــــ یہ بیان کرکے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہم نے برائی کو دیکھا، مگر لوگوں کی ہیبت اس سلسلہ میں بات کرنے سے ہمیں مانع ہوئی۔

پھر فرمایا کہ سنو! بے شک لوگ مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ① بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔ ② اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ③ بعض

مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں، اور کافر مرتے ہیں۔
④ اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر جیتے ہیں، اور مؤمن مرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا ذکر فرمایا کہ بعض کو بہت جلدی غصہ آتا، اور جلدی ہی اتر بھی جاتا ہے، پس یہ ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے، پس یہ بھی ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے۔ اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے، اور دیر سے اُترے۔

پھر فرمایا غصہ سے بچو! کیونکہ یہ آگ کا انگارہ ہے جو اِبن آدم کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، پس جو شخص کچھ غصہ محسوس کرے تو لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا ذکر فرمایا، پس ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض قرض ادا کرنے میں بہت اچھا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور جب کسی سے قرض وصول کرنا ہو تو بدگوئی کرتے ہیں، پس یہ ایک بری خصلت دوسری اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔

اور بعض بری طرح قرض ادا کرتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمہ ہو تو اس کے وصول کرنے میں نرمی کرتے ہیں، پس یہ بھی ایک بری خصلت ایک اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔ اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو خوبی سے ادا کردیں، اور جب ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ میں نرمی کریں۔ اور تم میں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو ادا کرنے میں برے ہوں اور ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ کرتے ہوئے بدگوئی کریں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جاری رہا، یہاں تک کہ دھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوب یاد رکھو کہ دنیا کی جتنی عمر گزر چکی ہے اس کے مقابلہ میں اس کی صرف اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنا کہ تمہارے آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلہ میں دن کا باقی حصہ"۔

دنیا امتحان گاہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"دنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے اور اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنارہے ہیں یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنارہے ہیں کہ

ایک نسل چلی گئی، دوسری نسل اس کی جگہ آگئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو"۔

واقعی دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے، کہ ہر شخص کو اس کی رغبت ہے، یہاں کا مال ودولت، یہاں کی لذتیں اور راحتیں، یہاں کا ساز وسامان ہر شخص کو مرغوب ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ برسات کے موسم میں زمین میں خوب سبزہ اگتا ہے اور زمین خوب سرسبز ہو جاتی ہے۔ نرم اور سرسبز چارہ جانوروں، مویشیوں کو بہت بھاتا ہے۔ اب جانور نے یہ سبزہ دیکھا تو اس کو کھانا شروع کردیا، چونکہ بہت میٹھا، سرسبز اور لذیذ تھا لہٰذا مسلسل کھاتا رہا، یہاں تک کہ بدہضمی ہوگئی اور پیٹ پھول گیا اور تخمہ سے جانور مرگیا، اور ایک اور جانور وہ تھا جس نے ضرورت کے بقدر کھایا، اور بقدر ضرورت کھانے کے بعد دھوپ میں چلا گیا، جگالی کی اور اس کو ہضم کرلیا، ہضم کرنے کے بعد پھر اسی طرح کھانا شروع کردیا یعنی بقدر ضرورت کھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، پس جو شخص حرص کے ساتھ دنیا کماتا چلا جائے گا اور سمیٹتا ہی چلا جائے گا، اس کو "جوع البقر" کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے کہ کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے، یہ شخص اس جانور کی طرح ہلاک ہو جائے گا، اس کا پیٹ پھٹ جائے گا، اور اسے تخمہ ہوجائے گا۔ اور جو شخص کہ اس کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ رکھے، یعنی شریعت کے قواعد کے مطابق دنیا حاصل کرے اور جہاں اللہ نے اس کو خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہاں خرچ کرے تو وہ البتہ محفوظ رہے گا۔

یہ دنیا ایسی سرسبز ہے اور آنکھوں کو ایسی بھاتی ہے کہ اس سے کسی کا جی نہیں بھرتا اور اس کو چھوڑنے کا کسی کا جی نہیں چاہتا، بھئی! بڑی عمر ہوگئی ہے، بڑھاپا آگیا ہے، اعضاً وقویٰ کمزور ہوگئے ہیں، دماغ اب سوچتا نہیں، آنکھیں دیکھتی نہیں، ٹانگیں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی ہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، گردے کام نہیں کرتے، مثانہ کام نہیں کرتا، ظاہری اور باطنی قویٰ میں اختلال پیدا ہوگیا ہے، چلو اب چھوڑو اس قصے کو، اس مصیبت کے گھر کو چھوڑو اور اب آخرت کی فکر کرو، لیکن نہیں! کسی کا جی نہیں چاہے گا کہ اس کو چھوڑوں، پتا نہیں کہ اس میں کیا مٹھاس رکھی ہوئی ہے، حالانکہ یہاں مصائب پر مصائب ہیں، آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دکھ ہی دکھ ہیں، یہاں کی خوشی کم اور یہاں کا رنج زیادہ ہے۔ راحت کم، تکلیف زیادہ۔ اور جو راحتیں ہیں وہ ظاہری وباطنی مشقتوں اور تکلیفوں میں لپٹی ہوئی ہیں، خالص راحت جس کو کہنا چاہیئے وہ کہیں نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہے بہت میٹھی، بڑی سرسبز ہے، دل کو بھاتی ہے بلکہ لبھاتی ہے۔

دنیا کی مثال نقش و نگار والے سانپ کی ہے

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

زہر دار در دروں دنیا چوں مار
گرچہ بینی ظاہرش نقش و نگار
زہر ایں مار منقش قاتل است
باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

یعنی دنیا کی مثال منقش سانپ کی سی ہے، اوپر سے اس کی جلد بہت

خوبصورت نظر آرہی ہے، نقش و نگار نظر آتے ہیں، عقلمند آدمی اس کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ سانپ ہے، بہت زہریلا سانپ۔ لیکن ایک نادان بچہ، جس کو اس کی حقیقت کا پتہ نہیں، وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا ظاہر میں منقش ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوا ہے۔ ظاہر میں نادان اس کے نقش و نگار پر ریجھ رہے ہیں، لیکن جو دانا اس کی حقیقت سے باخبر ہیں وہ اس کے زہر سے خوف زدہ ہیں، کہ:

"یہ منقش سانپ ہے، ڈس جائے گا"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں دنیا اور دنیا والوں کی مثال سانپ اور سپیرے کی ہے، جو اس کے دانت توڑ دیتا ہو، اس کا تریاق جانتا ہو، کہ اول تو وہ اس سانپ کے دانت توڑ دیتا ہے اور اس کو اس لائق ہی نہیں چھوڑتا کہ اسے کاٹ کھائے، علاوہ ازیں اس کو معلوم ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا یہ توڑ ہے اور اس کا یہ علاج ہے، چنانچہ وہ سانپ کو کندھے پر اٹھائے پھرتا ہے، سانپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا تریاق جانتا ہے، اور جو بیچارہ سانپ کا تریاق نہیں جانتا، وہ اگر سانپ کو ہاتھ لگائے گا تو وہ اس کو کاٹ کھائے گا۔ یہی مثال ہے دنیا کی اور دنیا والوں کی، جو لوگ اس کے دانت توڑ دیتے ہیں اور اس کا علاج جانتے ہیں ان کو یہ سانپ ضرر نہیں پہنچاتا، لیکن جن لوگوں نے اس کا منتر نہیں سیکھا، اس کے دانت نہیں توڑے اور اس کے کاٹے کا علاج نہیں سیکھا وہ ان کو کاٹ کھائے گا۔ چنانچہ ہماری یہی حالت ہے، نہ مال کمانے کے احکام سیکھے، نہ اس کو رکھنے کے آداب کا علم حاصل کیا، یہ بھی نہیں معلوم کہ مال کو کہاں اور کس طرح خرچ کیا جائے، کہاں خرچ نہ کیا جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا نے

ہمیں کاٹ کھایا، اور ہماری زندگی کے تمام اعضأ میں اس کا زہر پھیل چکا ہے، اس کا زہر کیا ہے؟ آخرت سے غفلت، ہمیں بس ایک ہی بات یاد ہے کہ جی! بچوں کے لئے کمانا بھی تو فرض ہے! ہمیں بس یہی ایک فرض یاد رہا باقی سب کچھ بھول گئے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف ؒ (امیر تبلیغ) ایک بار بیان فرما رہے تھے، جوش میں آگئے، فرمانے لگے تمہیں کس نے کہا تھا کمانے کو؟ کہ دکانیں کھولو اور روٹی کماؤ؟ تم نے غلط سمجھا کہ کمانا بھی فرض ہے، جس طرح تم اندھا دھند کماتے ہو یہ فرض نہیں بلکہ حرام ہے، پہلے کمانے کا ڈھنگ سیکھو، پھر روٹی کماؤ۔ حلال وحرام اور جائز وناجائز کو پہچانو، پھر کماؤ۔ حلال اور حرام کی تم کو تمیز نہیں، جائز اور ناجائز کی تم کو پروا نہیں، تو تمہارے لئے کمانا حلال ہی نہیں۔ کہتے ہو کہ کمانا بھی تو فرض ہے!

بہرحال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ اللہ جل شانہ پہلے لوگوں کو لے گئے، اور تمہیں ان کی جگہ لے آئے ہیں۔ یہاں تمہیں عیش اڑانے کے لئے نہیں لائے ہیں، کہ یہ بچے ذرا یہاں کھا پی لیں اور عیش اڑا لیں، نہیں! بلکہ اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے تم نے اگلے سفر کے لئے اعمال کا کیا توشہ لیا؟ اور تم نے یہاں رہ کر اپنے سے پہلے لوگوں کی حالت سے بھی عبرت حاصل کی ہے کہ نہیں؟ لیکن ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے حال سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ جل شانہ ہمیں معاف فرمائیں، ہماری اس غفلت کو معاف فرمائیں۔

زندگی کے پانچ دور

میرے بھائیو! یہ دنیا کی زندگی بہت مختصر سا وقفہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، آج کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا، میں نے گورنر پنجاب کے نام خط لکھا ہے۔ جس میں دنیا کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ ماں کے پیٹ کا وقفہ، اس کے بعد دنیا کی زندگی کا وقفہ، پھر قبر میں رہنے کا وقفہ، پھر حشر کے میدان کا وقفہ، پھر اس کے بعد ابدی زندگی جنت یا جہنم۔ یہ پانچ وقفے یا یوں کہو کہ تمہاری زندگی کی پانچ منزلیں ہیں۔ ماں کے پیٹ میں آئے تھے تو چار مہینوں تک تو پہلے پانی کی شکل میں رہے، پھر جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر بے جان دھڑ کی شکل میں رہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں تھی، چار مہینے بعد روح ڈال دی گئی، اب تم انسان بن گئے، یہاں سے تمہاری زندگی شروع ہوئی، لیکن ماں کے پیٹ کی یہ زندگی ایسی زندگی تھی کہ عقلاً اس کو زندگی ہی نہیں سمجھتے، کیسی تنگی اور تاریکی کی زندگی تھی؟ لیکن یہ نادان اسی زندگی پر مطمئن تھا، چنانچہ وہاں سے آتے ہوئے بھی یہ رو رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میرا جہان مجھ سے چھڑا رہے ہیں، میری زندگی مجھ سے چھین رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چیونٹی کے انڈے کے اندر جو بچہ ہے اس کے لئے انڈے کا خول ہی زمین و آسمان ہے، اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا آسمان اور زمین اس دنیا میں ہے ہی نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے۔ بالکل یہی حال ہمارا یہاں دنیا کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا، ہم نے یہاں آکر زمین و آسمان کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس سے بڑی دنیا ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ زندگی کے اگلے ادوار، یعنی عالم برزخ، عالم حشر اور جنت و دوزخ کو بھول بھال گئے، انبیاءؑ کرام علیہم السلام نے اور ان کے سچے جانشینوں نے ہمیں یاد دلایا کہ اس "بیضۂ مور" (چیونٹی کے انڈے) میں دل نہ

لگاؤ، اس زندگی کو زندگی سمجھ کر اگلی زندگی کو نہ بھول جاؤ۔ لیکن ہم نے اس زندگی کی ترقیات کو کمال سمجھ لیا، اور جو حضرات اس زندگی سے منہ موڑ کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتے ہیں ان کا مذاق اُڑانا شروع کردیا۔ اچھی بات ہے، کھاؤ، کماؤ، مُلّاؤں کا مذاق اُڑاو، کہ یہ کچھ نہیں کماتے کھاتے، ڈگریاں حاصل نہیں کرتے، دنیا کی ترقیات سے روکتے ہیں۔ بہت جلد تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مُلّا مذاق اڑانے کے لائق تھے، یا تم خود بدولت اس لائق تھے کہ تمہارا مذاق اڑایا جائے؟ شب وروز ہمارے سامنے عبرت کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں عبرت نہیں ہوتی۔

دنیا کی ڈگریوں کا انجام

میرے پاس پرسوں ایک صاحب آئے، کہنے لگے کہ امریکا سے چھ لاشیں آرہی ہیں، تابوتوں کی شکل میں۔ تو کیا ان تابوتوں کو کھول کر دفن کیا جائے یا ایسے ہی یعنی بغیر کھولے دفن کیا جائے؟ میں نے کہا کہ اگر لاشیں کچھ اچھی حالت میں ہوں تو کھول کر دفن کیا جائے؟ اور اگر اچھی حالت میں نہیں تو پھر ایسے ہی تابوت سمیت ہی دفن کردی جائیں۔ لیکن لاش کی بے حرمتی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے ان چھ میں سے دو لاشیں سگے بھائیوں کی ہیں، ایک بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے امریکا گیا تھا، اور دوسرے نے "میڈیکل" کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کرلی تھی۔ اور انگلستان کی حکومت نے اسے وہاں پر ملازمت دے دی تھی۔ (یہ بھائی اس انجینئرنگ کرنے والے بھائی کو ملنے امریکا گیا تھا) بڑی اونچی تنخواہ تھی، بڑا اونچا عہدہ تھا، بڑی اعلیٰ تعلیم اور بڑی اونچی ڈگری تھی، بھائی سے ملنے امریکا گیا تھا، دونوں بھائی کہیں گھومنے گئے، وہیں ختم

ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس یہی قیمت تھی ان ڈگریوں کی جن پر ناز کررہے تھے؟ اس زندگی کی یہی قیمت تھی جس پر ناز کررہے ہو؟ اور یہ بیچارے تو ابھی نوجوان ہی تھے کہ دھرلئے گئے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا یہی نقشہ نہیں ہے؟

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں

کسی کی پچاس سال کی زندگی تھی، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی اسّی سال کی۔ اور ماں کے پیٹ میں وہ پانچ مہینے کی زندگی تھی، اس زندگی کو ذرا اسّی سال کی زندگی پر تقسیم کرو تو یہ ماں کے پیٹ والی زندگی اس پچاس، ساٹھ اور اسّی سالہ زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر نظر آئے گی؟ اور ہم میں سے ہر شخص اس پیٹ والی زندگی کے بارے میں کہے گا کہ بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی؟ اچھا اب آگے چلئے، یہاں اسّی برس گزار کر ہم قبر میں پہنچ گئے، وہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ابھی خدا جانے کب تک پڑے رہیں گے۔ اب اس دنیا کی زندگی کو اس "قبر کی طویل زندگی" پر تقسیم کرو تو ہماری یہ دنیا کی زندگی اس برزخی زندگی کے مقابلہ میں کتنی مختصر معلوم ہوگی؟ اور وہ برزخ کی زندگی بھی، خواہ دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں کتنی ہی طویل نظر آئے لیکن وہ دائمی نہیں۔ بلکہ ایک دن وہ بھی کٹ جائے گی، اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے حشر کا، جس کا ایک دن پورے پچاس ہزار سال کا ہے۔ اب برزخ کی زندگی کو (قبر والی زندگی کو) اس روز حشر کے پچاس ہزار سال پر تقسیم کرو تو برزخ کی زندگی کالعدم نظر آئے گی، پھر اس پچاس ہزار سال والے دن کے بعد اصل زندگی اب شروع ہونے والی ہے۔

قیامت کا دن ختم ہو گا تو وہ زندگی شروع ہوگی جو دائمی اور ابدی ہے، جس کا کوئی سرا ہی نہیں، کوئی انتہا ہی نہیں، تمہاری سوچ و فکر سوچتے سوچتے تھک جائے گی لیکن وہ زندگی ختم نہیں ہوگی۔ انبیاء کرام علیہم السلام ہمیں اس زندگی کی دعوت دیتے ہیں، جو لازوال ہے، جو ابدی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس زندگی کی کامیابی کی دعوت دیتے ہیں، اور وہاں کی ناکامی سے ڈراتے ہیں۔ یعنی ان اعمال سے تم وہاں کی زندگی میں کامیاب ہو جاؤ گے اور ان اعمال سے تم وہاں ناکام ہو جاؤ گے، یہ حضرات ہمیں اس زندگی کی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں، اور ہماری اس دنیا کی زندگی کو زندگی نہ سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، چونکہ لوگوں کو ان حضرات کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے کفار کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، مجنون ہے، دیوانہ ہے، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے وقت کی بات تھی، آج تم نے، ہاں! مسلمان کہلانے والوں نے کہا کہ یہ مُلّا ہے، یہ صوفی ہے، یہ دور حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، یہ صوفی و مُلّا آج تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہے، مسجد کے مینڈھے، قل اعوذیئے، اور نہ جانے کیا کیا خطاب تم غریب مُلّا کے لئے تجویز کرتے ہو، جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آج وہی بات کہہ رہا ہے جو اپنے وقت میں انبیاء کرام علیہم السلام کہتے آئے ہیں۔

دنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو

تو یہ دنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں اس لئے لا رہے ہیں اور تمہیں پہلوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ تم کچھ عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ

یہاں سے کیا توشہ لے کر جارہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

"اے ابوذر! توشہ لے لینا! کیونکہ سفر بہت لمبا ہے، اور ذرا بوجھ ہلکا رکھنا کیونکہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے، جس پر چڑھنا ہے۔ کمر پر سارا بوجھ لاد کر چڑھنا پڑے گا۔ قرآن کریم میں ہے "اور وہ لادے ہوئے ہوں گے بوجھ اپنی کمروں پر"۔

مشکوٰۃ شریف (صفحہ ۴۴۳) میں حدیث ہے کہ حضرت اُم درداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر ابوالدرداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کیوں روزی نہیں کماتے، جیسا کہ فلاں شخص کماتا ہے؟ کہنے لگے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ:

"تمہارے آگے ایک گھاٹی ہے، بہت دشوار گزار، جن کا بوجھ بھاری ہوگا وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کرسکیں گے"۔

اس لئے میں اس گھاٹی کی خاطر اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا چاہتا ہوں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

"عمل ذرا خالص لے کر جانا اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے"۔

وہاں کھوٹ نہیں چلے گا۔ اس دفعہ دوران طواف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بہت یاد آئی اور میں اکثر اسی کو پڑھتا رہا:

"واسئلک نفسا بک مطمئنة تومن بلقائک، وترضی بقضائک، وتقنع

بعطائک۔"

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں ایسا نفس جو آپ پر مطمئن ہو جائے، جو آپ کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، اور جو آپ کے قضا اور قدر کے فیصلوں پر راضی ہو، اور جو آپ کی عطا پر قناعت کرلے، (کہ جتنا میرے مالک نے دیا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے۔ بس اس سے زیادہ نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے)"۔

عورتوں کا فتنہ

جس خطبہ کو میں نے شروع میں ذکر کیا تھا اس میں دنیا کی بے ثباتی ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"خبردار! پس دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو"۔

یعنی ان کے فتنے سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا، مشہور ہے کہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔ زن، زر اور زمین۔ دنیا میں جتنے بھی فتنے ہو رہے ہیں ان تین چیزوں کی وجہ سے ہیں یا عورت کا چکر ہے یا زر کا یا زمین کا۔

یہ بھی دنیا کی ایک مثال ہے کہ ان چیزوں سے آدمی جیسا دھوکا کھاتا ہے، ویسا ہی دنیا سے دھوکا کھاتا ہے۔ خاص طور سے عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے

حق میں عورتوں سے زیادہ مضر ہو"۔

یعنی مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان وہ فتنہ عورتوں کا ہے، پس دنیا پر فریفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ، راہ حق سے برگشتہ نہ ہو جاؤ اور زر، زمین اور عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو کر دین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو!

خاتمہ کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی مؤمن پیدا ہوتا ہے، مؤمن جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے"۔

(اللہ جل شانہ ہم سب کو ان میں سے کردے، آمین۔ پیدا بھی مسلمانوں کے گھر میں ہوا، الحمدللہ زندگی بھی مسلمانوں والی گزاری، اور الحمد للہ موت بھی مسلمانوں والی آئی۔ اللہ جل شانہ یہ بھی نصیب فرمائے، یہ سب سے بڑا خوش قسمت ہے)۔

"دوسرا شخص وہ جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ۔ یہ سب سے بدتر شخص ہے)۔ "تیسرا وہ شخص جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن مرا"۔ (اس کی خوش قسمتی کہ خاتمہ ایمان پر ہوا) "اور چوتھا آدمی اس کے برعکس کہ مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ)

برے خاتمہ سے اللہ جل شانہ پناہ میں رکھے، عملوں کا مدار خاتموں پر ہے، اگر خاتمہ اچھا ہو تو آدمی اچھا رہا، اور اگر نعوذ باللہ خاتمہ برا ہوا تو پہلے کی اچھائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ایسا شخص تو مارا گیا، اگر خدانخواستہ خاتمہ

اچھا نہیں ہوا تو اس کے نماز اور روزے کا، حج اور زکوٰۃ کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبرسنی وانقطاع عمری، واجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ۔"

ترجمہ: "یا اللہ! اپنا سب سے زیادہ وسیع رزق مجھے اس وقت عطا فرمانا جب میری عمر زیادہ ہوجائے (میں بڈھا ہو جاؤں، اور زندگی ختم ہونے والی ہو) یا اللہ! میری عمر کا سب سے اچھا حصہ اس کو بنا جو میری عمر کا سب سے آخری حصہ ہو، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے بہتر عمل اس عمل کو بنا جس پر میرا خاتمہ ہو، اور میرا سب سے بہتر دن اس دن کو بنا جس دن میں آپ سے ملاقات کروں، یعنی موت آئے"۔ (آمین! یارب العالمین)

بہرحال اعتبار خاتمے کا ہے اور یہ وہ بات ہے جس نے عارفین کی کمر توڑ رکھی ہے، اور وہ سوء خاتمہ سے ترساں ولرزاں رہتے ہیں، کہ خدا جانے کس حالت میں خاتمہ ہو۔ (یا اللہ! ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرما، اور سوء خاتمہ سے پناہ عطا فرما) اس لئے فرماتے ہیں کہ اپنی اطاعت وعبادت پر ناز نہ کرو، اور کسی گناہ گار کو دیکھ کر اسے نظر حقارت سے نہ دیکھو اور اسے حقیر نہ جانو۔ اگر تم اچھے راستہ پر لگ گئے ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، میرے مالک کا کرم ہے، اس کی عنایت ہے، اس کا لطف ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے کسی زمانہ میں ایک رسالہ شائع کیا تھا، اب شاید کم چھپتا ہے، کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں اس قصہ کو بڑی تفصیل سے لکھا تھا، اور ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر مختصر۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی لکھا ہے مگر مختصر۔ اور میں مختصر کا بھی مختصر سنا دیتا ہوں۔ شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ ایک بزرگ تھے، بہت بڑے عالم، بہت بڑے محدث، بہت بڑے شیخ۔ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ درس میں ہوتے تھے، اور لاکھوں ان کے مرید تھے، ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ایک بستی میں پہنچے، یہ عیسائیوں کی بستی تھی، لڑکیاں کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ایک لڑکی پر شیخؒ کا دل آگیا، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا، مریدوں میں کہرام مچ گیا، شیخ بھی رو رہے تھے، لیکن کہہ رہے تھے کہ قضا و قدر کا وقت ہے، اس لڑکی کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے، جب تک اس لڑکی کو حاصل نہیں کروں گا یہاں سے قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا، تم جاؤ ــــ لڑکی کے والد کو پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ عیسائی ہو جاؤ، زنار پہن لو۔ اور دوسری یہ کہ ایک سال تک جنگل میں سور چراؤ۔ شیخ نے کہا مجھے منظور ہے۔ نعوذ باللہ عیسائی ہو گئے، اور جنگل میں خنزیر چرانے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک شاگرد، مرید اور خلیفہ کو خیال آیا کہ شیخؒ کو دیکھنا تو چاہئے کہ کس حالت میں ہیں؟ جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ خنزیر چرا رہے ہیں، وہی عصا جس کو ہاتھ میں لے کر شیخ خطبہ پڑھا کرتے تھے اسی پر ٹیک لگا کر سور چرا رہے ہیں۔ اس مرید نے سلام کیا، انہوں نے "وعلیکم السلام" سے جواب دیا۔ مرید نے کہا کہ حضور! قرآن کے حافظ تھے، کوئی آیت یاد ہے؟ کہا کچھ یاد

نہیں، سورۃ الفاتحہ سے والناس تک سب بھول گیا ہوں، کچھ بھی یاد نہیں رہا، بس ایک آیت کا ٹکڑا یاد ہے: ومن یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ۔

یعنی ”جس کو اللہ جل شانہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا“۔

پوچھا کہ آپ احادیث کے بھی حافظ تھے، کوئی حدیث یاد ہے؟ کہا کچھ یاد نہیں، صرف ایک حدیث یاد ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ۔

یعنی ”جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرکے مرتد ہوجائے اس کو قتل کردو“۔

پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہوئی کہ ایمان سلب ہوگیا؟ فرمایا، جب ہم بستی میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کیسے گندے لوگ ہیں؟ احمق لوگ ہیں، کیسا گندا مذہب ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک بندے کو خدا بنا رکھا ہے؟ فوراً غیرت الٰہی جوش میں آئی اور فرمایا کہ تم نے اس ہدایت کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ ایمان کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ یہ تمہارا کمال نہیں، ہماری عطا ہے، اور جب اس لڑکی پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ دل سے ایک پرندہ اڑ کر نکل گیا، اور وہ ایمان تھا، اب میں خالی ہوں۔ یہ رو دھو کر واپس آگئے۔ ان کے مریدوں نے گڑگڑا کر دعا کی، اُدھر شیخ بھی اتنا روئے کہ ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر خنزیر بھی رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری سن لی اور دوبارہ نور ایمان عطا فرما دیا، یہ وہیں جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگے ایک دریا پڑتا تھا، مرید وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ شیخؒ دریا میں غسل فرما رہے ہیں۔ یہ قریب آئے تو شیخؒ نے کہا کہ مجھے کوئی چادر لنگی پاک کپڑا دو۔ بہرحال لمبا قصہ ہے۔ وہ لڑکی بھی مسلمان ہوکر

آگئی۔ شیخؒ نے ان کو اپنی خانقاہ کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ دنیا میں ملاقات نہیں ہوسکتی، آخرت میں ہوگی۔

اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو

الغرض! اپنی اچھی حالت پر ناز نہ کرو، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا جانو، اسی بنأ پر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ:

"بندہ حقیقت تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے"۔

جس کو تم فرنگی کافر سمجھتے ہو کیا پتہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے؟ اور کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔ ناز کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ایمان کی سلامتی میسر آجائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوجائے تو بڑی دولت ہے۔ ورنہ سب کچھ ہیچ اور لغو ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جارہا تھا، راستے میں ایک درویش ملے، جو اپنی کٹیا سے باہر بیٹھے تھے، پاس ان کا کتا تھا، بادشاہ نے درویش کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ میاں درویش! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا؟ درویش کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! میرے سامنے ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا تو انشأ اللہ میں کتے سے اچھا ہوں۔ ورنہ کتا مجھ سے اچھا ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے لوگوں کو چار قسم کا پیدا کیا ہے، ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، اور مؤمن مرا، اور

ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر ہی مرا، نعوذ باللہ۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن ہو کر مرا، اور ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر ہو کر مرا، نعوذ باللہ۔

ایک جنتی، جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک صاحب آئے کہنے لگے میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمان کرلیا۔ جہاد ہو ہی رہا تھا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی نماز اس پر فرض نہیں ہوئی، مسلمان ہوا شہید ہو گیا، نہ معلوم کتنی زندگی کفر میں گزاری ہوگی۔

غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد فرمایا کہ:

"غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ آدمی ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آتا ہے اور فوراً ہی اُتر جاتا ہے۔ فرمایا، یہ شخص سب سے افضل ہے"۔

مجھے ایسے لوگوں پر بڑا رشک آتا ہے کہ ان کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا ہے، اور آئے بھی تو وہ بھی بس وقتی غصہ ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب سے بہتر ہے، سب سے اچھا آدمی ہے۔ جس کو بہت دیر سے غصہ آئے اور فوراً ہی اُتر جائے۔

"دوسرا وہ ہے جس کو بہت جلدی غصہ آتا ہے اور جب آتا

ہے تو اُترتا بھی نہیں، بہت دیر کے بعد غصہ جاتا ہے"۔

اس غریب کی ہر ایک کے ساتھ لڑائی رہتی ہے کیونکہ ہر آدمی کے مزاج کے خلاف تو کوئی نہ کوئی بات پیش آئے گی، اس غریب کی مصیبت یہ ہے کہ جس سے ایک دفعہ غصہ ہوگیا پھر مان جانے کی کوئی صورت نہیں، ناراضگی دور نہیں ہوتی، فرمایا:

"یہ بدترین آدمی ہے جس کو غصہ فوراً آئے اور غصہ آنے کے بعد جانے کا نام نہ لے، ایک وہ آدمی ہے جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی دیر سے ہے، ایک وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی جلدی ہے۔ یہ دونوں برابر ہیں کہ ان میں ایک اچھائی ہے اور ایک عیب"۔

غصہ کا سبب اور اس کا علاج

ارشاد فرمایا کہ:

"غصہ دراصل آگ کا انگارہ ہے، جو آدمی کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہوجاتی ہیں؟ سو اگر کسی شخص کو غصہ کی کیفیت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے"۔

گویا غصے کا علاج یہ ہے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ ہوتا اس کے الٹ ہے کہ غصہ میں لیٹا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھتا ہے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہوجاتا ہے، کھڑا ہو تو آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے، ہر چیز کا علاج بالضد

ہوتا ہے۔ غصہ کا علاج بھی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی ضد پر عمل کرے۔ یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو لوگ جب کسی کو پکڑتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو مجھے۔ لوگ پکڑ رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے چھوڑو مجھے، ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ یہ غصہ کا اثر ہے۔ تو غصہ کا علاج یہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ، اور اس کو لازم پکڑو اس کی ایک تو ظاہری خاصیت ہے، اور ایک باطنی خاصیت ہے۔ ظاہری خاصیت تو یہ ہے کہ تجربہ ایسا ہے، کہ اگر آدمی لیٹ جائے گا تو غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا۔ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے گا تو بھی غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا، اور یوں غصہ کا علاج اس کی ضد پر عمل کرنا ہوا۔ اور باطنی خاصیت یہ ہے کہ زمین ہماری ماں ہے، اور یہ ہمارے سارے بوجھ کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، تمہارے زندوں کو بھی مردوں کو بھی''۔

یہ زمین سب کو سمیٹتی ہے، لوگ نہ جانے اس پر کیا کیا مارتے ہیں، مگر برداشت کرتی ہے۔ تو مٹی کے اندر سکون ہے، وقار ہے، تواضع ہے اور پھر ہماری ماں بھی ہے، تو جتنا ماں کی گود کے قریب آؤ گے، اتنے زیادہ اس شر سے محفوظ رہو گے، اور اتنا ہی تم میں حلم اور وقار پیدا ہوگا۔ تواضع پیدا ہوگی۔ اب اس تفصیل کا موقع نہیں کسی دوسرے وقت میں انشاءاللہ بیان کروں گا کہ غصہ کی اصل کبر ہے، جس کی وجہ سے غصہ آتا ہے، لہٰذا اپنے سے چھوٹے پر غصہ آتا ہے بڑے پر نہیں آتا، تو اگر آدمی کے اندر عجز اور تواضع پیدا ہوجائے، مسکنت پیدا ہوجائے، سکون پیدا ہوجائے، وقار پیدا ہوجائے، تواضع پیدا ہوجائے، تو پھر غصہ کا علاج ہوجائے گا، یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک

تو غصہ کی کیفیت طبعی ہے کہ غصہ آدمی کے اندر اُبھرتا ہے اور جوش مارتا ہے، یہ تو ایک طبعی بات ہے، چونکہ یہ غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہے، پکڑ نہیں ہے، اور ایک ہے اپنے غصے پر عمل کرنا، چاہے زبان سے ہو، یا ہاتھ پاؤں سے، اس پر مواخذہ ہے، اور اسی لئے اسے رفع کرنے کی تدبیر بتانے کی ضرورت پیش آئی۔ غصہ کو رفع کرنے کی تدبیر پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آدمی غصہ میں ہوتا ہے تو ایک جنون کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، آدمی آپے میں نہیں رہتا، اس سے ناشائستہ حرکات صادر ہوجاتی ہیں، اور اس کی زبان سے ناشائستہ الفاظ نکل جاتے ہیں، بے قابو ہوجاتا ہے، اس لئے غصہ کا علاج ضروری ہے، اور غصہ کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے قریب ہوجاؤ، جس سے تم میں مسکنت پیدا ہوگی، اور اس رذیلہ کی اصلاح ہوجائے گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے لمبی فہرست دی ہے غصہ کے علاج کی۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو۔ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لوگے تو تم میں خنکی پیدا ہوجائے گی اور اندر جو غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بجھ جائے گی۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ لاحول پڑھو، لیکن لاحول کا پڑھنا صرف لفظوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کا تصور کرتے ہوئے، اس لئے کہ غصہ شیطان کے اُبھارنے اور چوکا دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو "نزغۂ شیطان" فرمایا گیا ہے۔ تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو تاکہ شیطانی اثرات دور ہوجائیں۔

ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں

پھر فرمایا کہ:

"قرض کے ادا کرنے اور وصول کرنے کے لحاظ سے بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ اگر کسی کا قرض دینا ہو تو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ سامنے والے سے بار بار چکر نہیں لگواتا، بلکہ خود ہی بر وقت ادا کردیتا ہے، لیکن کسی سے وصول کرنا ہو تو اس میں ذرا بھی رواداری نہیں کرتا، بلکہ بری طرح تقاضا کرتا ہے، فرمایا کہ اس کی تو ایک اچھی عادت بری عادت کے مقابلہ میں ہوگئی، کہ بر وقت قرض ادا کرنا بڑی اچھی بات ہے، جب کہ سختی سے وصول کرنا بری بات ہے، تو اس شخص میں ایک اچھی بات پائی گئی اور ایک بری، یوں اس کا معاملہ برابر کا رہا۔ اور دوسرا آدمی وہ ہے کہ کسی کو قرضہ دینا ہو تو بری طرح دیتا ہے، دوسرے کو پریشان کرکے دیتا ہے۔ لیکن کسی سے لینا ہو تب بھی سختی نہیں کرتا، یہاں بھی ایک اچھی عادت ایک بری عادت کے ساتھ مل کر معاملہ برابر کا ہوگیا۔ اور تم میں سب سے بہتر اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا دینا ہو تو فوراً دے، بر وقت دے، بغیر مانگے کے دے، اور کسی سے لینا ہو تو سختی سے تقاضا نہ کرے۔ یہ تیسرے نمبر کا آدمی ہوا جو سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہے، کہ اس میں دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، ادا کرنے کی خوبی یہ کہ بر وقت ادا کرے۔ اور وصول کرنے کی خوبی یہ کہ اس میں سختی نہ کرے، اور تم میں سب سے بدتر آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو دینے کا نام نہ لے، اور اگر کسی سے لینا ہو تو سختی بلکہ فحش کلامی کے ساتھ تقاضا کرے اور اس معاملہ میں ذرا بھی رو رعایت نہ کرے، یہ چوتھا آدمی سب سے بدتر ہے کہ اس نے دونوں برائیاں جمع کرلیں۔ قرض لے کر واپس نہ کرنے کی برائی بھی، کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور کسی سے قرض وصول کرنے کی برائی بھی کہ نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ قرض کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ سختی اور بدکلامی کے

ساتھ تقاضا کرتا ہے۔

دنیا کی عمر ختم ہو چکی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اتنا طویل فرمایا کہ دھوپ درختوں کے سروں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عمر بس اتنی باقی رہ گئی ہے جس قدر پورے دن کے مقابلے میں اب دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو آدمی کی زندگی ناپائیدار ہے، کوئی بھروسہ نہیں کہ کب وقت موعود آجائے، علاوہ ازیں خود دنیا بھی بوڑھی ہو چکی ہے، اور اب پورے عالم کی موت کا وقت بھی کچھ زیادہ دور نہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام "نبی الساعہ" ہے، یعنی "قیامت کا نبی"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بجائے خود قرب قیامت کا اعلان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا، بس اب قیامت ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری گویا فنائے عالم کے آثار شروع ہونے کی علامت ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بیان کا منظوم خلاصہ

حضرت نے یوں بیان کیا مقصد حیات
خوش رنگ ایک سانپ ہے دنیائے بے ثبات
جو اس کے حسن ظاہری سے دھوکا کھا گیا
وہ اپنے جسم وروح کو خود ہی ڈسا گیا

دنیا تو درحقیقت ہے اک امتحان گاہ
وہ آخرت میں فیل ہے، کی جس نے اس کی چاہ
دنیا کی ڈگریوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں
عقبٰی میں ایسے علم کی وقعت بھی کچھ نہیں

دنیا سے آخرت کیلئے توشہ لے کے چل
دنیائے بے ثبات کے دھوکے سے تو نکل
ہرگز نہ اپنے آپ کو بہتر قیاس کر
سارے جہاں سے خود کو ہی بدتر قیاس کر

غصہ نہ کر کہ غصہ علامت ہے کبر کی
غصہ کسی قوی پہ تو آتا نہیں کبھی
اور اب ذرا سی بات ہو دنیا کی عمر کی
دنیا دراصل دوستو! اب بوڑھی ہوچکی

بعثت رسول پاک کی خود اس کی ہے دلیل
دنیا کی عمر رہ گئی ہے اب بہت ہی قلیل
ختم الرسل کی دہر میں تشریف آوری
پہلی نشانی قرب قیامت کی ہے یہی

آخر میں التجا ہے ہماری کہ یامجیب
تیاری آخرت کی ہمیں بھی ہو اب نصیب

شاہین اقبال اثر جونپوری

محبتِ رسول ﷺ

اور اس کے تقاضے

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، واشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، واشھدان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد:

آج کی مجلس میں ان شاء اللہ چند باتیں ذکر کرنے کا خیال ہے۔

دستار بندی

سب سے پہلے تو یہ کہ ستائیسویں شب کو یہاں مدرسہ کے ان بچوں کی دستار بندی ہوئی تھی، جنہوں نے قاری مقبول احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا تھا، کسی کی گردان ہو گئی، کسی کی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس سال کے حفظ مکمل کرنے والے سب حفاظ کی دستار بندی ہوئی۔ میرے دوست مولانا

سعید احمد جلال پوری بھی ہمارے ساتھ اعتکاف میں ہیں، یہ میرے بہت پرانے رفیق ہیں، انہوں نے ایک عرصہ تک میری سردی گرمی، کو اور میری کڑوی، کسیلی باتوں کو برداشت کیا ہے، اور میرے عیوب سے جتنا یہ واقف ہیں شاید دوسرے رفقاء میں کوئی واقف نہیں ہوگا، میں چاہتا تھا کہ ان حفاظ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی کردوں، مگر اس دن یہ مجھے نظر نہیں آئے، اس لئے سب سے پہلے تو آج ان کی دستار بندی کرتا ہوں۔ یہ ان کے لئے دستار خلافت ہے۔ (اس کے بعد مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب مدظلہ العالی کی دستار بندی کی گئی)۔

خدمت میں کوتاہی پر معذرت

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے گھر میں اعتکاف کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے، ہمارے خدمت والے ساتھیوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو راحت پہنچائی جائے، لیکن مجمع زیادہ ہوتا ہے تو ہر آدمی کی راحت کا پورا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا، ہر شخص کے مزاج کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے، اعتکاف شروع ہونے سے پہلے مجھے بہت تشویش تھی کہ اتنے مہمانوں کا نظم کیسے ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے اس کو اتنا آسان فرمادیا کہ پتہ بھی نہیں چلا، بہرکیف کسی صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اعتکاف کے دوران پہنچی ہو، یا ہمارے منتظمین اور خدمت والے ساتھیوں میں سے کسی سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہو تو آپ ازراہ للہ معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہت ہی برکتیں عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ شانہ، ہم سب کو صحت کے ساتھ، عمر کے ساتھ عافیت کے ساتھ اس کی آئندہ

بھی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا یا نہیں؟

ایک بات یہ ذکر کرنی ہے کہ ابھی نماز کے بعد ایک صاحب نے پرچہ دیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا؟ اس پر اس وقت تو میں نے ان صاحب کو یہ لطیفہ سنادیا تھا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

"الحائک اذا صلی رکعتین انتظر الوحی"

یعنی جولاہا جب دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب وحی آنے والی ہے، وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ ارے میاں! کیا ہم؟ اور کیا ہمارا اعتکاف؟ اور کہاں کی قبولیت؟ بس یہ شکر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے مواخذہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اس کے گھر کا صحیح ادب اور صحیح حق ادا نہیں کر سکے، اور جو حقوق اعتکاف کے ہمیں بجالانے چاہئے تھے، بجا نہیں لائے، تو بس یہی بہت ہے کہ ہم پر مواخذہ نہ ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عارف کو میں نے دیکھا کہ کعبے کا غلاف پکڑے ہوئے ہیں، ملتزم پر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ:

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو برگناہم کش

ترجمہ: "یہ تو میرا منہ نہیں کہ میں کہوں کہ میری عبادت قبول کر لیجئے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دیجئے"۔

اعمال پر مواخذہ نہ ہو، یہی غنیمت ہے

قبولیت کے امیدوار تو آپ حضرات ہوں گے، بڑے لوگ ہوں گے، جہاں

تک ہمارا تعلق ہے ہم تو اسی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ واللہ العظیم! قسم کھا کر کہتا ہوں، اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، کہ نماز پڑھنے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا کہ میری نماز قبول ہوگئی ہوگی یا یہ کہ نماز قابل قبول ہے، بس یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ کرے اس پر مؤاخذہ نہ ہو کہ او نالائق! ایسی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ دل میں قبولیت کا وسوسہ آگیا ہو، بس یہی خیال ہوتا ہے کہ لپیٹ کر منہ پر نہ ماردی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعات کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس سرہ عارف تھے، اپنے وقت کے قطب تھے، حضرتؒ ارشاد فرماتے تھے کہ ”بھائی! اللہ تعالیٰ کا ایک نام ستار ہے، ستار کے معنی ہیں پردہ پوشی کرنے والا، ستار العیوب، عیوب کو ڈھانکنے والا، اللہ تعالیٰ نے میری بھی اور آپ کی بھی سب کی پردہ پوشی کر رکھی ہے“۔ ہمارے حضرتؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ آدمی کا پورا وجود نجاست سے بھرا ہوا ہے، یہاں ذرا سی خراش لگادو خون نکل آئے گا، خون پاک ہے کہ ناپاک؟ کیوں بھئی خون ناپاک ہے نا! پس ہمارے پورے وجود میں نجاست بھری ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ستاری دیکھو کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیسا نفیس چمڑا چڑھا دیا ہے، اندر خون ہی خون، نجاست ہی نجاست، لیکن اوپر حسین چمڑے کا غلاف۔ اسی طرح پیٹ کے اندر سیروں غلاظت لئے پھر رہے ہیں، اور یہ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اوپر اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں، باہر اس کی بدبو بھی نہیں آنے دیتے، بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں جن کا آپریشن ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور ڈاکٹر اطباء لوگ نجاست کے نکلنے کے لئے تھیلی لگادیتے

ہیں،اب اس میں سے بدبو آتی ہے، آپریشن کے دوران پیشاب کے لئے تھیلی لگادیتے ہیں، میرا جب آپریشن ہوا تھا تو میرے بھی پیشاب کے لئے تھیلی لگادی تھی، تیسرے دن میں نے کہا اتارو بھئی اس کو، یہ مجھ سے نہیں چلتی۔ تو اتنی غلاظت ہم پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اسی حالت میں تلاوت بھی کرتے ہیں، اسی حالت میں محفلوں میں بھی جاتے ہیں، میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس کو کیسا چھپا رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری عیوب کی اور باطنی عیوب کی ستاری نہ فرماتے تو خود سوچو کیا حال ہوتا؟ مثلاً ستر پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لباس عطا فرمادیا، اگر ننگے ہوتے تو کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ نہ ہٹائے، اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری نہ کرے، ہم لوگ کم ظرف ہیں کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک دوچار آدمیوں کے پاس گائیں نہیں ہماری روٹی ہضم نہیں ہوتی، پیٹ پھول جاتا ہے، لیکن میرا مالک بڑا حلیم ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ؏

"گناہ بیند و پردہ پوشد ہمی"

گناہوں کو دیکھتے ہیں، ہماری ایک حالت کو جانتے ہیں لیکن پھر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں، پردہ پوشی فرماتے ہیں، رسوا نہیں کرتے، کسی کا پردہ ہٹادیا جائے، تو یہ اس کی رسوائی ہے، تو خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھئی! لوگ ستار کے معنی سمجھتے ہیں:

"عیوب کو ڈھانکنے والا پردہ پوشی کرنے والا"

لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی رو سے تو ستار ہے ہی، لیکن ہماری نیکیوں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے ہیں، اس معنی میں بھی اللہ تعالیٰ ستار ہیں کہ ہماری نیکیوں کو ڈھانک دیتے ہیں، اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، کسی نے کتنا

کمایا ہے؟ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے، نیکیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان کو چھپا کر رکھتے ہیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ پردہ ہٹا دیں گے تو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تم نے نماز پڑھی، تمہیں کیا ملا؟ تم نے اعتکاف کیا تمہیں کیا ملا؟ تم نے روزہ رکھا تمہیں کیا ملا؟ ارے! بہت کچھ ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اجر و ثواب پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا کچھ ملا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم لوگ دو چیزوں کو چھپا کر رکھا کرتے ہیں ایک تو کوئی عیب کی چیز ہو تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، کیونکہ آدمی نہیں چاہتا کہ اس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ دوسرے، کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، گھر میں پیسے وغیرہ ہوں تو ان کو بے پروائی سے یوں ہی نہیں بکھیر دیا کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں، اگر کوئی زیور وغیرہ ہو تو اس کو برتنوں کی طرح یوں ہی سب کے سامنے نہیں پھینک دیتے، بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھتے ہیں، تو ایک تو بندوں کے عیب قابل ستر ہیں، چھپانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ستاری فرماتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے اپنے بندوں کے عیوب ظاہر نہیں فرماتے، دوسرے اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ نیکیاں کمائی ہیں، کچھ اچھے کام کئے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑے قیمتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھپا کے رکھتے ہیں، تاکہ ڈاکوؤں کو پتہ نہ چلے، ورنہ یہ ساری نیکیاں لوٹ کر لے جائیں گے نفس اور شیطان دونوں انسان کے دشمن ہیں، دونوں ڈاکو ہیں، ان کو پتہ چلا تو یہ لوٹ کر لے جائیں گے، کبھی اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہو جائے گا، عُجب کہتے ہیں خود پسندی کو، اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگے گا، کبھی کبر میں مبتلا ہو جائے گا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنے لگے گا،

کبھی اپنی نیکیوں پر مغرور ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجائے گا، یہ وہ بلائیں ہیں جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کو بندے کی نظر سے بھی چھپا کے رکھتے ہیں۔

کاملین کو عُجب نہیں ہوتا

ہاں! جب آدمی اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آجائے کہ تو مقبول ہے تب بھی اس کو گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، میری بات کو آپ حضرات نے سمجھا نہیں ہوگا۔ کسی شخص کے بارے میں وحی الٰہی آجائے، آسمان سے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوجائیں اور آکے کہیں کہ یہ شخص مقبول ہے تب بھی اس کے دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی بشارتیں دی تھیں، کیا اس بشارت سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس کے باوجود ان حضرات پر کتنا خوف طاری رہتا تھا؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے زیادہ کس کی زبان سچی اور پاک ہوسکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارتیں دیں تھیں وہ وحی الٰہی سے دیں تھیں، لیکن ان قطعی بشارتوں کے باوجود ان حضرات میں عُجب پیدا نہیں ہوا، بلکہ جلال الٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف کا عالم یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

"یالیتنی شجرۃ تعضد ثم توکل۔"

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ۱۰۴ جلد ۱)

ترجمہ: "اے کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا، اور پھر جانور اس کو چر لیتے"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

اور حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ زمین سے تنکا اٹھا کر فرماتے تھے:

"اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، اے کاش! میری ماں نے مجھ کو جنم نہ دیا ہوتا، اے کاش! میں کوئی چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بھولا بسرا ہوتا"۔

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ا جلد ا)

الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے خوف کے واقعات سے حدیث وسیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حقیقت تک پہنچ گئے تھے، ان کو بشارت اس وقت ملی جب وہ حقیقت تک

پہنچ گئے، اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت آئی تب بھی ان میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عجز میں اور ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا

قرآن کریم ان حضرات سے اللہ کے راضی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

"لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم۔" (الفتح:۱۸)

ترجمہ: "راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے جب کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے درخت کے نیچے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے"۔

یعنی ان کے دلوں کو جانچ کر پرکھ کر اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عن المؤمنین کا اعلان فرمایا اور منبر و محراب پر قیامت تک یہ اعلان گونجتا رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کی رسائی حقیقت تک ہوگئی تھی، تو ایسے لوگوں کے سامنے سے اگر پردہ ہٹادیا جائے اور ان کی قبولیت عند اللہ ان کو جتا بھی دی جائے، اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے سے اس کا اعلان فرمادیں تب بھی ان میں عُجب اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ محض مولائے کریم کی عنایت ہے، اس کا فضل ہے، اور بغیر استحقاق کے اس کی عطا ہے، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے؟ وہ ان عنایاتِ ربانی کو

اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ مالک کے فضل سے اس کی عنایت اور اس کے لطف کی طرف منسوب کرتے ہیں،

قبولیت اعتکاف کی علامت

تو میاں! قطعی قبولیت کا تو خیال چھوڑ دو، اور یہ بھی کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہمارا اعتکاف قبول ہوگیا؟ کیونکہ وحی تو میرے پاس بھی نہیں آتی، اور تمہارے پاس بھی نہیں آتی، جس کے ذریعہ قبولیت کا قطعی فیصلہ ہوجائے، البتہ ایک علامت ہے، اس سے کچھ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ دس دن تک آپ حضرات مسجد میں جم کر بیٹھے تو کیا اس اعتکاف کے نتیجہ میں مسجد سے بھی تعلق پیدا ہوا؟ تم تو مسجد میں بیٹھے کیا مسجد بھی تمہارے دل میں بیٹھی؟ تم نے قرآن کریم کی تلاوت کی، کیا وہ تلاوت بھی تمہارے دل میں آئی؟ تم نے اللہ پاک کا نام لیا، کیا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اور اس کے پاک نام سے کچھ تعلق بھی پیدا ہوا؟ کچھ دل میں چاشنی بھی آئی؟ کچھ دل کو ذکر سے رغبت بھی ہوئی؟ تم مسجد کے اس نورانی ماحول میں کچھ وقت گزار کر واپس جارہے ہو اپنے ماحول کا اور اس نورانی ماحول کا کچھ فرق بھی محسوس ہوا؟ اور اس ماحول کی رغبت بھی پیدا ہوئی؟ اور اس ماحول کے اثرات بھی ساتھ لے جارہے ہو، یا سب کچھ یہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟ اور کیا آئندہ کے لئے اپنی زندگی کی لائن بدلنے کا بھی فیصلہ ہوا؟ اور کیا رضائے الٰہی کے لئے اپنی ہویٰ یعنی خواہش کو چھوڑنے کا بھی جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا؟ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہوگئی ہیں تو جس درجہ کی پیدا ہوئی ہیں۔اس درجہ کی قبولیت ان شاء اللہ تمہیں حاصل ہوگئی، اور اگر یہ نہیں ہوا تو پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

حج مبرور کی فضیلت

حدیث شریف میں فرمایا ہے:

"والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة۔"

(متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ، مشکوۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه۔" (متفق علیہ عن حدیث ابی ہریرۃ۔ مشکوۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس نے نہ کسی قسم کی فحش کلامی کی اور نہ گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ اس حالت میں واپس ہوگا گویا آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہے، یعنی پاک صاف ہوکر واپس آئے گا، اور ایسا حج، "حج مبرور" کہلاتا ہے"۔

حج مبرور کی علامت

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ "حج مبرور" کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرماں برداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے، پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج وصدمہ نہیں، اسی طرح دوسری چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن حج کرنے

کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائض شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج "حج مبرور" ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کا ذکر خیر

ہمارے بزرگ مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بزرگ استاذ حدیث تھے، اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "بینات" کے مدیر تھے۔ اور وہ میرے خاص محسن تھے کہ مجھے کراچی لانے کا سبب بنے، میں ضلع فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے قصبہ ماموں کانجن میں مدرس تھا۔ ایوب خاں کے زمانے میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ اٹھا تو میں نے اس کے خلاف مضامین لکھنا شروع کئے، ایک مضمون میں نے مولانا مرحوم کو بھیج دیا، اس مضمون کو پڑھ کر انہوں نے میرے حضرت بنوریؒ سے کہا تھا کہ اس کو کراچی بلوا لو، وہ مجھے جانتے نہیں تھے، نہ حضرت بنوریؒ سے میرا تعارف تھا، لیکن مرحوم نے میرا وہ مضمون پڑھا تو بغیر کسی سابقہ تعارف کے مجھے حاضری کا خط لکھ دیا، اور میں حضرتؒ کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا، اس طرح حضرتؒ سے اور ان کے مدرسہ سے میرا تعلق ہوگیا۔ پس میرے کراچی آنے کا سبب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ بنے تھے، ماہنامہ "بینات" جس کا میں ایڈیٹر ہوں، اس کے پہلے مدیر مولانا مرحوم تھے، اور اب میں ان کا جانشین ہوں، اس لئے ان کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ مولانا مرحوم شروع میں کسی سے بیعت نہیں تھے (بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری سے بیعت ہوگئے

تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی محبت و عظمت ان کے دل میں ڈال دی تھی، حج و عمرہ سے ان کو والہانہ عشق تھا۔ جتنا پیسہ کماتے سب حج و عمرہ کے لئے جمع کرتے رہتے تھے اور سال میں دو مرتبہ ایک مرتبہ عمرہ پر اور ایک مرتبہ حج پر جانا گویا اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا۔

میرا مرشد تو بیت اللہ ہے

مرحوم فرمایا کرتے کہ میرا مرشد تو بیت اللہ ہے، میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، لوگ تو حج و عمرہ کرنے کو جاتے ہوں گے، مگر میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اور واقعی انہوں نے اپنے مرشد سے عجیب فیض اٹھایا تھا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان کے مرشد (بیت اللہ شریف) نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا تھا۔

مولانا مرحوم کی نماز کی کیفیت

اتنی اچھی اور نفیس نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاس کھڑا ہونے والا بھی اس کی لذت وحلاوت محسوس کرتا تھا۔ نماز کے سجدہ میں ماثور دعائیں بڑے درد اور سوز سے کرتے تھے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے حنفیہ سجدہ میں دعائیں کیوں نہیں کرتے؟ (ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ امام سجدہ میں بس تسبیحات پڑھے، لمبی دعائیں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہو۔ جب کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ جو دعائیں حدیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھے) میں نے حضرت مولانا کے اس سوال کے جواب میں کہ "حنفیہ سجدہ میں دعا کیوں نہیں کرتے؟" ان کی خدمت میں اپنے اکابر کی توجیہ عرض کی، اس توجیہ کو وہ بھی جانتے تھے۔ لیکن

ان کا ذوق تھا کہ سجدہ میں خوب دعا کی جائے، اس لئے جھنجلا کر کہنے لگے، "نہیں جی! چھوڑو!" وہ خوب مزے کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، اور اس میں دعائیں مانگتے رہتے تھے، ایک دفعہ کچھ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے، "اب میں ٹھیک ہوجاؤں گا اس لئے کہ میں نے سجدہ میں یہ دعا کی ہے:

"انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔"

(الانبیاء:۸۳)

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"(اے میرے پروردگار!) مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں"۔

یعنی آپ ارحم الراحمین ہیں، آپ کی رحمت بھی کامل، قدرت بھی کامل، اپنی رحمت کے صدقے میری تکلیف کو دور فرمادیجئے۔

مولانا مرحوم کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ

مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دوسرے استاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھادیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے، مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے، حضرت سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطففین چل رہی تھی، اور آج کا سبق یہ تھا:

"کلا ان کتب الابرار لفی علیین ۝ وما ادرک ما علیون ۝ کتب مرقوم ۝ یشهده المقربون ۝ ان الابرار لفی نعیم ۝ علی الارآئک ینظرون ۝ تعرف فی وجوههم نضرة النعیم ۝ یسقون من رحیق مختوم ۝ ختمه مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون ۝ ومزاجه من تسنیم ۝ عینا یشرب بها المقربون۔"

(المطففین ۱۸۔ ۲۸)

ترجمہ: "ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علیین میں ہے، اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرب فرشتے، بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں، تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی، جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرب حضرات)"۔ (ترجمہ شیخ الہند" بتصرف یسیر)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کر کے اوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور انتقال ہوگیا، گیارہ بجے کے بعد سبق پڑھا رہے تھے، وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔

وفات کے بعد ان کی کرامت

وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا ہے؟ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرتؒ کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پوڈر کیوں لگادیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔

الغرض جن کو حج مقبول نصیب ہوجاتا ہے، حج سے یوں ان کی زندگیاں بدلتی ہیں، حج کرنے والے یوں حج کرتے ہیں کہ بیت اللہ ان کا مرشد بن جاتا ہے۔ تو میرے بھائی! تم نے جو اعتکاف کیا ہے اگر اس سے یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوگئیں، اور قبولیت کے یہ آثار تمہیں نصیب ہوگئے تو توقع رکھو کہ ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ لے کر گئے۔ بس یہ مضمون ختم ہوا۔

اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ

اب اصل بات جو مجھے آپ سے کہنی تھی وہ عرض کرتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ آج میں آپ حضرات سے درخواست کروں کہ یہاں سے جاتے ہوئے اس اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ۔ اور اعتکاف کی سوغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، یہاں سے جاتے ہوئے یہ سوغات لے کر جاؤ، اس لئے جی چاہا کہ آپ حضرات کو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تقسیم کروں۔

"حکایات صحابہؓ" میں عشق نبوی ﷺ کا بیان

اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے عشاء کے بعد جب "حکایات صحابہؓ" سنائی۔ تو اس میں بھی وہی مضمون نکل آیا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ماشاء اللہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ مضمون بہت والہانہ انداز میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق و محبت کے واقعات ذکر کئے ہیں۔

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ

اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللّٰہ! متی الساعۃ؟۔"

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ویلک! وما اعددت لھا؟۔"

"تیرا ناس ہوجائے، تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"۔

وہ شخص نہایت سادگی سے کہنے لگا:

"ما اعددت لھا کثیر صلوۃ ولا صیام الا انی

احب اللّٰہ ورسولہ۔"

"میں نے اس کے لئے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انت مع من احببت۔"

"قیامت کے دن تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ۴۲۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا یہ عظیم صلہ ہے کہ ان حضرات کو جنت میں معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔

خوب یاد رکھو! جن لوگوں سے محبت رکھتے ہو، تمہارا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، اگر اہل اللہ سے محبت رکھتے ہو تو ان شاء اللہ ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر فاسقوں بدکاروں سے محبت رکھتے ہو تو (نعوذ باللہ) ان کے ساتھ حشر ہوگا۔ قادیانیوں مرزائیوں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہو تو انہی کے ساتھ

اٹھائے جاؤ گے۔

دنیا میں محبت کا صلہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بہت سے حضرات جاہلیت کے زمانے میں شراب کے عادی تھے، اور جب تک شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا اسلام لانے کے بعد بھی پیتے تھے، پھر یکایک اعلان ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس طرح چھوڑ دی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ شراب کے برتن توڑ دیئے گئے، اور شراب مدینہ کے گلی کوچوں میں سیلاب کی طرح بہنے لگی، لیکن انسان آخر انسان ہے اس سے کبھی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے، صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کا لقب حمار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خوش طبعی کی باتوں سے ہنسایا کرتے تھے، ان سے یہ غلطی ہوئی کہ شراب کے حرام ہوجانے کے بعد انہوں نے شراب پی لی، اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، ایک دن دوبارہ لائے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، تو ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا:

> "اللھم العنہ، ما اکثر مایوتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟"
>
> ترجمہ: "اس پر اللہ کی پھٹکار ہو! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنی کثرت سے بار بار لایا جاتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

"لاتلعنوه فو اللّٰہ ماعلمت انه یحب اللّٰہ ورسولہ" (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۲ جلد ۲، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۶)

ترجمہ: "اس پر لعنت نہ کرو! کیونکہ اللہ کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ صاحب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بڑی بشارت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوجانا۔ اور ایک مسلمان کو اپنے گناہ گار بھائی کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائیں، یہ دعا نہیں کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیں۔

کیونکہ جب کوئی شخص نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا تو شیطان خوش ہوگا کہ میں نے اس شخص کو تو اپنے جیسا بنالیا — اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس و شیطان کے بہکانے سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور پھر فوراً ہی اس کو اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی لاحق ہوجائے، اور وہ اپنے آپ کو سزائے شرعی کے لئے پیش کردے (جیسا کہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کیا) تو اس سے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! کامل ترین محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اس حدیث سے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تو آپ کے اور ہمارے اعتکاف کی سوغات یہ ہے کہ ہم اور آپ مسجد سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت لے کر جائیں۔ ایسی محبت جو ہمارے رگ وریشے میں سرایت کر جائے، اور وہ محبت ہمیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال دے۔

محبت کے تقاضے

محبت کے کچھ تقاضے ہیں، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب قلب میں محبت آتی ہے تو آدمی آداب محبت بھی سیکھ لیتا ہے۔ ؏

"محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی"

ذرا ہمت کر کے میدان محبت میں قدم تو رکھو، محبت کر کے پھر دیکھو کہ یہ تمہیں آداب کس طرح سکھاتی ہے۔ ان شاء اللہ! حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے محبت کے آداب ولوازم بھی عطا کردئے جائیں گے، اور محبت کا سلیقہ بھی دے دیا جائے گا۔

محبت کے آداب ولوازم

اب میں مختصر طور پر محبت کے چند آداب واوصاف ذکر کرتا ہوں۔

محبت کا سب سے پہلا ادب ہے محبوب کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔ محبوب، عاشق کو حکم نہیں دیا کرتے، بلکہ عاشق ان کے اشارہ چشم و ابرو سے ان کا منشا پہچان لیتے ہیں، اور محبوب کے اشارہ چشم وابرو پر جان قربان کردیتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو ہم اپنی خواہش پر ترجیح دینے لگیں، اور اپنی خواہشات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک پر قربان کردیں۔

ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کو آنحضرت سے محبت ہے، لیکن ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری ہے، اس لئے جب ہماری خواہشات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو محبت کی چنگاری بھڑکتی نہیں، اور ہماری خواہشات کے خس وخاشاک کو جلاکر بھسم نہیں کرتی۔

ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت ایک اشکال ہے، فرمایا کیا؟ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں

تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب بن جاؤں اس کے
باپ سے بھی، اس کی اولاد سے بھی، اور تمام انسانوں سے
بھی"۔

اور شبہ یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے زیادہ محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنے باپ سے ہے، تو میں مؤمن نہ ہوا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا نہیں! خان صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں اپنے والد سے زیادہ ہے۔ کہنے لگا، اجی! میں تو اپنے والد میں محبت زیادہ محسوس کرتا ہوں، فرمایا، نہیں! خیر بات ختم ہوئی، اسی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریفہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت ودل ربائی کا تذکرہ فرمایا، اور ایسے انداز سے تذکرہ فرمایا کہ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے:

کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست وبے خود ہیں
بظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے، نہ پیمانہ

حضرت حکیم الامتؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمار ہے تھے اور اہل محفل پر ایک مستی کا عالم طاری تھا، بقول کسی کے ع

"ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا"

اور یہ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے سب سے زیادہ جھوم رہے تھے، حضرتؒ نے چلتے چلتے ارشاد فرمایا کہ خان صاحب! خیر اس کو تو چھوڑیئے! آپ کے والد ماجد بہت اچھے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو اس وقت رہنے دیجئے۔ آپ کے والد ماجد بہت اچھے آدمی تھے

کچھ ان کا ذکر خیر بھی ہو جائے۔ خان صاحب کہنے لگے کہ حضرت! یہ آپ نے کیا غضب ڈھایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقدس ہو رہا تھا اور آپ میرے والد کا قصہ لے بیٹھے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا، کیوں خان صاحب! آپ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبت ہے، اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باپ سے محبت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بجائے اپنے باپ کا تذکرہ شروع ہونے سے آپ کو غیرت کیوں آئی؟

آنحضرت ﷺ کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ الحمد للہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے قلب میں ہے، خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو، کتنا ہی لتھڑا ہوا ہو، جو شخص سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہے، اس کے دل میں اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ضرور ہے، اور محبت بھی ایسی جو تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر ہے، نہ ماں باپ سے ایسی محبت ہو سکتی ہے، نہ اولاد سے، نہ بیوی سے، نہ کسی اور سے۔ کسی سے ایسی محبت نہیں ہو سکتی ہے جیسی کہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

لیکن محبت کی یہ چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہ اپنا اثر نہیں دکھاتی، اور وہ راکھ کیا ہے؟ خواہشات کی راکھ، نفسانی لذتوں کی راکھ، مادی تعلقات کی راکھ، آخرت سے غفلت کی راکھ، اور دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی من مانیاں کرنے کی راکھ، میرا کہنا یہ ہے کہ محبت کی اس چنگاری کو اس راکھ کے

ڈھیر سے باہر نکالو! اور ذرا اس کو ذکر الٰہی کی ہوا دو، پھر اس کی تپش دیکھو۔ بقول مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ”عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو سارے جہان کو پھونک ڈالتا ہے“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا عزم کر کے اس کو خواہشات کی راکھ میں سے نکالو! تمہارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت دبی ہوئی ہے وہ تمہارے چہروں پر نظر آئے، تمہارے لباس میں نظر آئے، تمہاری چلت پھرت میں نظر آئے، تمہارے اعمال میں نظر آئے، اخلاق میں نظر آئے، گفتگو میں نظر آئے، تمہارے معاملات میں نظر آئے، تمہارے بازار میں نظر آئے، تمہارے دفتر میں نظر آئے، تمہارے گھر میں نظر آئے۔

آپ ﷺ کی محبت کی خوشبو آنی چاہیے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو وہ کستوری ہے کہ اگر اس کو بند نہ رکھا جائے اور اس کو خواہشات کی راکھ کے نیچے دبا نہ دیا جائے تو ہر جگہ مہکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک سراپا معطر تھا، تم نے سنا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سے گزر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے گلی کوچے مہک جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایسا معطر تھا کہ عنبر و کستوری کی خوشبو اس کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ تم نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور جب مسکراتے تھے تو دندان مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی نظر آتی تھیں، تاریک اور اندھیری رات میں گھر کے اندر روشنی ہو جاتی تھی، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں کہ میں مسکراہٹ کے وقت دندان مبارک سے نکلنے والے نور کی روشنی سے سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھی۔ بہت سے اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کمرہ منور اور معطر ہوگیا اور بیدار ہونے کے بعد بھی کمرے سے خوشبو آتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جمال جہاں آراء اگر ہمارے دل میں بس جائے تو اس کی شعائیں ہمارے چہرے سے پھوٹنے لگیں، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائے تو اس کی خوشبو ہمارے وجود میں سے آنے لگے، اور ہماری اس خوشبو سے بازار مہک اٹھیں، اس سے ہمارے دفاتر مہک اٹھیں، اس سے ہمارے گھر مہک اٹھیں، ایسی محبت کا رنگ اور ایسی محبت کی جھلک تمہیں ہر جگہ نظر آئے، ہماری ہر نشست وبرخاست میں نظر آئے۔

درود شریف کی خوشبو

بہت سے اکابر کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شب جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ تو میں انکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں، محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

محبوب کے تعلق والوں سے محبت

اور دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے تعلق والوں سے محبت ہو، مشہور ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کے پاؤں چومتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے گزرا ہے، بس اتنا تعلق تھا کتے کو لیلیٰ سے، لیکن عاشق کی نظر میں اتنا سا تعلق بھی اس کے پاؤں چومنے کو کافی تھا۔ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق ہو، سچی محبت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے درجہ بدرجہ ہمارے محبوب بن جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی عزت و حرمت ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اور جزو ایمان بن جائے۔ آخر کیا بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعلق والے حضرات کے بار بار فضائل بیان فرمائے؟ کبھی عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، کبھی خاص خاص حضرات کے، کبھی مہاجرین کے، کبھی انصار کے، کبھی اصحاب بدر کے، کبھی اصحاب حدیبیہ کے؟ اس لئے کہ ان حضرات نے اللہ و رسول کی راہ میں محض رضائے الٰہی کی خاطر قربانی وجاں نثاری کے بے مثال نمونے پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعلق و محبت کا حق ادا کردیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کی عزت و حرمت ہمارے لئے جزو ایمان بن گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام و متعلقین ہمارے لئے محبوب و معظم بن گئے۔ صحابہ کرام بھی، اہل بیت عظام بھی۔

حضرت ابوبکر و عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب کے سرتاج تھے، اس لئے

وہ سب سے آگے نکل گئے۔ پوری امت میں ان کے برابر کا کوئی نہیں، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ابتدائے نبوت سے عطا فرمائی، اور آج تک روضہ "مطہرہ" میں بھی یہ رفاقت حاصل ہے۔ انشاء اللہ! حشر میں بھی حاصل ہوگی، اور جنت میں بھی ——

میں نے اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قسمت کے کیا کہنے، جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودہ راحت ہیں، ان حضرات کو ساری عمر رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل رہی، اور رفاقت کا یہ سلسلہ اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا، یہ رفاقت آج بھی باقی ہے، اس موقع پر میں نے فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ فارسی شعر نقل کیا ہے کہ:

از پاک داماں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

یعنی: "حسن، پاک دامنوں سے احتراز نہیں کیا کرتا، بلکہ پاک دامنوں کو حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ آفتاب جو مظہر حسن ہے، آئینہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سویا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ پاک وصاف ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ آئینہ آفتاب کے سامنے کردو تو وہ آفتاب کو آغوش میں لے لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب حسن ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئینہ کی طرح پاک صاف ہیں، وہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج بھی ہم آغوش ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، اور جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھیں گے۔ گویا حشر کے دن بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل رہے گی، اور پھر جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ان دونوں بزرگوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، بزرگان دین، اولیأ عظام اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام بندے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے منظور نظر ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات والطاف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا لازم ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے دشمنی بھی رکھتے ہو؟ بھئی، یہ تو آئین وفا کے خلاف ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت رکھو۔

آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے بغض

اور آئین وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے بغض اور نفرت رکھو۔ ہمارا جذبہ محبت یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں وہ میرے دشمن ہیں۔ تمہیں کتے اور خنزیر سے اتنی نفرت نہ ہو جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہو، تمہیں کسی گندگی اور غلاظت سے اتنی بدبو نہ آئے جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بدبو آتی ہو، یہ قادیانی ٹولہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، موذی ہیں، گستاخ ہیں، لیکن تم ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو، اور دعویٰ محبت بھی رکھتے ہو؟ غلط! بالکل غلط! اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، محبت ہوتی تو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض ہوتا، ان سے نفرت ہوتی۔

قادیانی دوست؟

بعض لوگ مجھے خط لکھتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے" —— "میرا ایک عیسائی دوست ہے" —— "میرا ایک ہندو دوست ہے"۔ مجھے اس لفظ سے بہت تعجب ہوتا ہے، کہ کیا تمہاری ہر قادیانی سے، ہر عیسائی سے، ہر ہندو سے دوستی ہے؟ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو کیا کوئی قادیانی، کوئی ملحد و زندیق، کوئی بد دین، بے ایمان، کوئی عیسائی اور چوہڑا تمہارا دوست ہو سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی غیرت مند کی اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی دوستی ہو سکتی ہے؟ کیا تم نے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی کبھی کہا کہ "میرا ایک دوست میرے باپ کا قاتل ہے؟" تم بلاتکلّف لکھ دیتے ہو کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے"۔ اور یہ سوچتے نہیں کہ کیا ایک قادیانی مرتد بھی کبھی کسی مسلمان کا دوست ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی بھی تمیز نہیں؟ جو لوگ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جو لوگ کہ ملعون قادیانی کو "مسیح موعود" اور "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں، تم ان کو اپنا دوست کہتے ہو؟ اس لئے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت ہو، اسی طرح ایک

تقاضائے محبت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ایسی نفرت ہو، ان سے ایسا بغض ہو کہ ایسی نفرت اور ایسا بغض پلید سے پلید چیزوں سے بھی نہ ہو۔

امیر شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اپنی زندگی میں صرف دو چیزوں سے نفرت ہے، ایک قادیانی، دوسرے انگریز، باقی کسی سے ایسی نفرت نہیں"۔ اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں ان سؤروں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے تیار ہوں جو انگریز کی کھیتی کو نقصان پہنچائے"۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں فرماتے تھے کہ "خواجہ ناظم الدین صاحب! مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کردیجئے! میں اس کی شکر گزاری میں ہر خدمت اور ہر نوکری بجالانے کو تیار ہوں"۔ یہ قادیانیوں اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی نفرت کا اظہار تھا، اب اس سے زیادہ نفرت کا اظہار کیسے کریں؟ اور پھر اس کا صلہ بھی دیکھا؟ جو حضرت امیر شریعتؒ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا؟ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ فوت ہوگئے ہیں، ان کے صاحبزادے موجود ہیں، ان سے پوچھ لو، حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، اور وہاں پہنچ کر ہجرت کا ارادہ کرلیا، کہ باقی زندگی بس یہیں رہنا ہے، پاکستان واپس نہیں جانا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حکم فرمایا کہ "یہاں رہنے کی اجازت نہیں، واپس پاکستان جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے، وہاں رہ کر دین کا کام کرو، اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہہ دینا"۔

محبت والوں کو بارگاہ عالی سے نوازا جاتا ہے

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرکے تو دیکھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات کا لطف دیکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر محبت رکھنے والے کو اس کی محبت کا صلہ محبت سے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وفادار ہیں، ہماری پنجابی میں اس کو "لج پال" کہتے ہیں، یعنی لاج رکھنے والے ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اپنے محبین کی لاج رکھنے والے ہیں، لیکن آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے آداب و شرائط کو بجالاؤ۔ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں کہیں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بزرگ غالباً حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے یہاں ایک کتا تھا، ایک دن اس کو دیکھا کہ کتیوں کے پیچھے پھر رہا ہے، فرمایا کہ اس کو نکال دو یہاں سے، یہ ہمارے دروازے پر رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تم کتیوں کے پیچھے پھرتے ہو، اور چاہتے ہو کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے لائق بن جاؤ؟ کتوں اور کتیوں کے پیچھے پھرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں محبوب ہو جائیں؟ اور ہم مقبول بن جائیں؟

عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں جاتی

کہتے ہیں کہ "جی! بدنظری ہو جاتی ہے"۔ ارے اگر تمہاری ایک پر نظر ہوتی تو دوسرے پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں، یوں کہتے ہیں کہ ایک حسینہ جارہی تھی کوئی لونڈا اس کے پیچھے لگ گیا، وہ اس سے کہنے لگی کہ "تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہو؟" اس نے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"۔ حسینہ نے کہا "ارے تم مجھ سے محبت کرکے کیا لوگے؟ پیچھے میری بہن آرہی ہے، اگر تم اس کو دیکھ لو تو

اس پر ایسے فریفتہ ہو جاؤ کہ مجھے بھول جاؤ، میں تو حسن و جمال میں اس کی پاسنگ بھی نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ وہ دیکھو! پیچھے میری بہن آرہی ہے"۔ اس نوجوان نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس حسینہ نے نوجوان کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، اور کہنے لگی کہ "او بوالہوس! دعویٰ عشق کا؟ اور دوسروں کو دیکھنا؟" عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بس اسی کے ہو رہو، اس کے علاوہ کسی کو دیکھو ہی نہیں۔ عارف کہتے ہیں:

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم ازہمہ عالم فرو بند

ترجمہ: "تمہارا جو محبوب ہے بس اسی میں دل لگاؤ، اس کے سوا سارے عالم سے آنکھیں بند کرلو"۔

سنو!! مسجد میں بیٹھا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور صاحب جمال دلربا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا، محبت کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو، تم کن چیزوں کے پیچھے لگ گئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تم کن سفید چمڑیوں کے پیچھے لگے ہو؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قدخلقت کما تشاء

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی

کوئی شخص میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحب جمال کسی ماں نے بچہ نہیں جنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے بنادیئے گئے"۔

اور میری اماں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے"۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمال یوسفی سے ایسی مبہوت ومدہوش ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ ام المؤمنین فرماتی تھیں کہ "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اگر وہ میرے یوسف کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھ لیتیں تو چھریاں ہاتھوں پر نہ چلتیں بلکہ دلوں پر چلتیں اور اپنی گردنیں کاٹ لیتیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل دنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی وضع اور شکل وشباہت اختیار کرو

اللہ کے بندو! تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت کو چھوڑ کر غیروں کی شکل وشباہت اپناتے ہو؟ تمہیں گمراہ اور ملعون قوموں کی شکل وشباہت اور طور وطریق بھاتے ہیں؟ ہائے! تمہاری نظریں کدھر بھٹک گئیں؟ آؤ! جمال محمدی کو دیکھو! (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوب رب العالمین کے طریقوں کو اپناؤ!!

آنحضرت ﷺ محبوب رب العالمین ہیں

دیکھو! تم کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کو حسین دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہو، اب سوچو کہ جس مقدس ہستی سے رب العالمین محبت کرتا ہے اور جو ہستی حبیب کبریاء ہے اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کے حسن انتخاب نے پوری کائنات میں سے حسین ترین ہستی کو چن کر اپنا محبوب بنایا ہے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق سے محبت فرمارہے ہیں جن کو خود پیدا کیا ہے، اس سے کچھ اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے حسین وجمیل ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرمارہے ہیں؟ الغرض محبوب رب العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسروں کے طور وطریق سے نظریں ہٹادو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال پر اپنی نظریں گاڑ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ فارسی کی ایک غزل ہے اس کے دو شعر بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حال ہیں، اس کا ایک شعر تو یہ ہے:

ہمہ آہواں صحرا سرخود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

ترجمہ: ”جنگل کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر لئے پھر رہے ہیں، اس امید پر کہ کسی دن آپ صلی اللہ علیہ

وسلم شکار کے لئے تشریف لائیں"۔

یہ حجۃ الوداع کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربان کئے تھے، سات اونٹوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپک رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بسم اللہ فرمائیں۔

اور فرماتے تھے کہ دوسرا شعر ہے ؎

عشقے کہ بتو دارم نہ گزاردت بدیں ساں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ترجمہ: "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے وہ آپ کو ایسے تو چھوڑے گی نہیں، اگر جنازے پر نہیں، تشریف لائیں گے تو مزار پر آئیں گے"۔

اس کی شرح یہ ہے کہ قبر میں مردہ سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔

① تیرا رب کون ہے۔ ② تیرا دین کیا ہے۔ ③ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ: "تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ قبر میں مردہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کر یہ سوال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ ثابت ہو تو مؤمن کے لئے بڑی بشارت ہے۔

سُنّت سے طبعی رغبت ہونا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے ہمیں طبعی رغبت ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو لوکی پسند تھی، میں سات سال تک لوکی کھاتا رہا ہوں۔ دو وقت روزانہ لوکی کا سالن کھاتا تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھی، مجھے اس پورے عرصے میں کبھی اس سے اُکتاہٹ نہیں ہوئی، ایک دفعہ بیمار ہوا تو ڈاکٹر حکیموں نے یہ کہہ کرکے چھڑادی کہ مسلسل لوکی کھانے سے اس کا معدہ ٹھنڈا ہوگیا ہے اس کی لوکی چھڑاؤ، تب سے یہ چھوٹ گئی، ورنہ سات سال تک بغیر اکتاہٹ کے دو وقت کھاتا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہماری رغبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت میں فنا ہوجائیں اور ہمارا یہ ذوق اور مزاج بن جائے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ ہمیں محبوب ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے سے داڑھی کے بال نہیں رکھے جاتے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ، اور یہ معمولی سا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے؟ تم یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرتے ہو لیکن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے تمہیں بھول گئے ہیں، اور بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ ان کو ان چیزوں سے نفرت ہوگئی ہے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق سے نفرت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غور کرو اور انصاف کرو کہ کیا کسی اُمتی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوسکتی ہے؟ اور جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع اور شکل وشباہت سے نفرت ہوجائے اس کو مسلمان کہنا صحیح ہے؟

ایک حدیث

اب آخر میں ایک حدیث نقل کرکے ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"احبوا اللّٰہ لما یغذوکم من نعمہ، واحبونی لحب اللّٰہ، واحبوا اھل بیتی لحبی۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اپنی نعمتوں سے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی وجہ سے"۔

حق تعالیٰ محبوب مطلق ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت ان کی ذات عالی کی وجہ سے بھی لازم ہے، ان کی صفات کمال اور جلال وجمال کی وجہ سے بھی، اور ان کی عطاء ونوال کی وجہ سے بھی۔ چونکہ انعامات واحسانات کا استحضار عام لوگوں کے لئے محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: "الانسان عبدالانسان۔" "انسان احسان کا غلام ہے"۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات الٰہیہ کو پیش نظر رکھنے کا حکم فرمایا، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں غذائیں دیتا ہے، روزی عطا کرتا ہے، وہ تمہارا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، مربی بھی ہے، رب العالمین بھی ہے، اس لئے اس سے محبت رکھنا لازمۂ عبدیت ہے۔ اور سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی بھی اللہ کی عطاؤں میں سے ایک عطاء ہے، اصل معطی حقیقی

وہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی زندگی تمہارے سامنے گزری ہے۔ جب تم نے اس انسان کامل کو نہیں پہچانا تو رب العالمین کو کیسے پہچانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں چلتے پھرتے نظر آتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر فریفتہ نہیں ہوسکے تو پروردگار عالم جل شانہ تو ان مادی آنکھوں سے کبھی نظر بھی نہیں آتے ان سے تم کیا محبت کروگے؟ درحقیت اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب ہیں تمام انبیاؑ کرام کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ کی شان محبوبیت کا مخلوق کیا ادراک کرسکتی ہے؟ سبحان اللہ! ہمارے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجابی میں حسین اور خوبصورت کو "سوہنا" کہتے ہیں۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ دوسرے حسین تو "سوہنے" ہیں، یعنی صاحب حسن وجمال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو "سوہنا" نہیں بلکہ "سناہپ" کہنا چاہئے۔ یعنی "عین حسن وجمال" اس کا جمال اپنی آخری انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں، وہ صاحب جمال نہیں بلکہ "عین جمال" ہیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو! اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون تک تمہاری نظر نہیں جاتی، اگر اللہ تعالیٰ کی صفات جلال وجمال تک بھی تمہاری نظر نہیں پہنچتی تو اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ تمام انعامات ظاہری وباطنی اسی کی عطا ہیں، اور اس کے انعامات کسی ایک شخص تک محدود نہیں، بلکہ پورے کا پورا

جہان اس کے انعامات واحسانات کے دریا میں غرق ہے۔

ایک جامع دعائے شکر

میں نے یہاں مسجد میں ایک دعا لکھوا کے لگائی تھی، اب شاید اتار دی گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے:

"اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر۔"

ترجمہ: "یا اللہ! آج کے دن مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جو کوئی بھی احسان ہے اور جو کوئی بھی نعمت ہے وہ محض اور صرف ایک آپ ہی کی جانب سے ہے، اس کی عطا میں اور کسی کا دخل نہیں، سو آپ ہی کے لئے حمد ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا صبح کو تین مرتبہ پڑھے اس نے سارے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کردیا، اور جو شخص شام کو یہ دعا تین مرتبہ پڑھے اس نے رات بھر کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کردیا۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا کی تلقین فرمائی۔ اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام انعامات کا منبع اور تمام فیوضات وبرکات کا سرچشمہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے، وہی پاک ذات لائق حمد ہے، اور وہی لائق شکر ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ اس لئے اگر تم کو

حق تعالیٰ کے جلال وجمال کا ادراک نہیں تو کم سے کم اس کے بے پایاں احسانات کی وجہ سے اس سے محبت رکھو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے"۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتے ہیں تو تم کو بھی بدرجہ اولیٰ مجھ سے محبت رکھنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی بنا پر محبت رکھتے ہو تو مجھ سے بھی محبت رکھو، اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم وتربیت کے لئے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے، تمہیں محبوب حقیقی کا راستہ بتاتا ہوں، آداب عبدیت، آداب انسانیت تم کو سکھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیا و آخرت کی خیر میری پیروی میں رکھی ہے، اس لئے تمہارا اولین فرض ہے کہ مجھ سے محبت کا تعلق رکھو۔ اور فرمایا کہ:

"میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو"۔

گویا جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس کو لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت ہوگی، اور جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، آل واولاد کی محبت نہیں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت نہیں، اس کا دعوائے محبت ہی نہیں بلکہ دعوائے ایمان بھی مشکوک ہے۔

اب دعا کیجئے

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار اور اہل بیت عظام کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اس محبت کے لئے مستعد فرمادیں، اور ہمارے دلوں پر جو خواہشات کا زنگ ہے، گرد و غبار ہے، سیاہی و تاریکی ہے اور نامعلوم کیا کیا گند بلا ہمارے دلوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہمارے دلوں سے نکال کر اپنے لطف وکرم سے ان کو پاک صاف فرمادیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھردیں، اور محبت کی خوشبو ہمیں نصیب فرمائیں۔ یااللہ! ہم محتاج ہیں، یااللہ! ہمارے احتیاج پر، ہمارے فقر پر، ہماری بے کسی وبے بسی پر رحم فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد النبی الامی والہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

لیلۃ القدر

کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی اعبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

فضائل رمضان میں ایک جامع حدیث

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" کے خاتمہ میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ خاتمے میں ایک طویل حدیث، جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کرکے اس رسالے کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

> "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کے لئے جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے

نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام ''میثرہ'' ہے، (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑی ہو کر آواز دیتی ہیں کہ ''کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا، تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟'' پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ ''رضوان'' سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ ''رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لئے آج کھول دیئے گئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے، اور ''مالک'' یعنی جہنم کے داروغہ سے فرما دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے، اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور ''سرکش شیاطین'' کو قید کرو، اور ان کے گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک "منادی" کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ "ہے کوئی مانگنے والا کہ جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں، اور ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے۔ اور جب رمضان المبارک کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔ اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں، وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو بیت اللہ شریف کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازوؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو

تقاضا (حکم) فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں، اور اس سے مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حاجتوں اور مؤمنوں کی ضرورتوں کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر عنایت اور توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو (اور اس سے توبہ نہ کرے) دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا ہو، اور ناتا توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو، جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (اس کا نام آسمانوں) پر ”لیلۃ الجائزہ“ یعنی ”انعام والی رات“ سے لیا جاتا ہے۔ اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیج دیتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں،

اور ایسی آواز سے، جس کو انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا پورا کام کرچکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان المبارک کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرماکر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو! میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے، میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا)، میری عزت کی قسم! اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت

نہیں کروں گا۔ پس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا، میں تم سے راضی ہوگیا۔ پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جوان کو عید الفطر کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔ "اللھم اجعلنا منھم" "یا اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ آمین" (فضائل رمضان صفحہ ٦٠)

شب قدر رحمت خداوندی کی رات

میں نے حدیث کا صرف ترجمہ پڑھا ہے۔ اس پر شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے کچھ فوائد بھی لکھے ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک مختصر سا نقشہ اس حدیث شریف میں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پر کتنی عنایت اور کتنی رحمت ہے، اور کریم آقا نے اپنے بندوں کو بخشنے کے لئے کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ یہ ستائیسویں رات عام طور پر شب قدر کی رات کہلاتی ہے، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ شب قدر کی رات کون سی ہے، کون سی طاق رات میں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں علما کے بہت سے اقوال ہیں، عام علما کرام کا رجحان یہ ہے کہ ستائیسویں کی رات شب قدر ہوتی ہے۔ بہرحال شب قدر خواہ کوئی سی رات میں ہو، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں ہمیں نصیب فرمائے۔ اب اس سلسلے میں کوشش کروں گا کہ مختصراً چند باتیں عرض کروں۔

حضرت عائشہؓ کی برأت کا واقعہ

پہلی بات یہ ہے کہ سورہ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں کے بہتان لگانے کے قصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقوں کی اس لب تراشی سے متأثر ہوکر ایک دو مخلص مسلمان بھی اس میں ملوث ہوگئے تھے، وہ بھی باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سخت الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی ہے:

"یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا۔ الایۃ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے۔"

کسی مسلمان پر تہمت لگانا، اور مسلمان بھی کون؟ مسلمانوں کی ماں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان پر کسی مسلمان کی طرف سے گندگی کا منسوب کیا جانا کوئی چھوٹی بات ہے؟ حضرت مسطح ابن اثاثہ مہاجرین میں سے تھے اور نادار فقیر تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز تھے، ان کے تمام خرچ اخراجات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہ بھی منافقوں کی باتوں سے متأثر ہوکر اُم المؤمنینؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب حضرت عائشہؓ کی برأت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اولئک مبرءون مما یقولون الخ یعنی منافق لوگ جو بدزبانی کررہے ہیں، یہ حضرات اس سے بری ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رنج کا واقعہ

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کا اعلان

فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ تو آنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ انہوں نے غصے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح ابن اثاثہ کو خرچ نہیں دوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ غصہ اللہ کی خاطر تھا، کسی کی بیٹی پر ایسی تہمت لگائی گئی ہو تو خود سوچئے کہ پھر ہمارا معاملہ اس تہمت لگانے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیٹی پر بدکاری کی تہمت کون برداشت کرتا ہے؟ پھر یہ بیٹی بھی تو عام بیٹیوں جیسی نہیں تھی، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور غصہ میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کو خرچ نہیں دیں گے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اس قسم سے باز رکھنے کے لئے سفارش فرمائی، گویا مسطح کی سفارش کی کہ ان کا خرچ بند نہ کیا جائے۔ "ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعة الخ" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش ہیں، جو صاحب خیر ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں "ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله" کہ وہ اپنے قرابت والوں کو جو کہ فقیر ہیں اور مہاجر فی سبیل اللہ ہیں، ان پر خرچ نہیں کریں گے، اور ان کو آئندہ خرچ نہیں دیں گے۔ "ولیعفوا ولیصفحوا" یعنی ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ "الاتحبون ان یغفر الله لکم" یعنی کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے تو تم بھی ان لوگوں کو بخش دو اور درگزر سے کام لو، تم اللہ کے قصوروار ہو اور اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہو تو لازم ہے کہ تم قصور والوں کو معاف کردو۔ "ان الله غفور رحیم" بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ واقعی

اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے، کیونکہ تمہارا مجرم کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا اور اس کے مجرم بے شمار ہیں۔ تمہارا قصور کسی نے کوئی ایک آدھ کیا ہوگا، اس کے بندوں نے بے شمار جرم اور بے شمار قصور کئے ہیں، جب ان تمام جرائم کے باوجود اور ان تمام قصوروں کے باوجود بندے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے تو اگر کسی نے تمہارا ایک آدھ قصور کردیا تو تم بھی معاف کردو۔

"ولایاتل اولی الفضل منکم والسعة" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور گنجائش والے ہیں۔ صاحب فضیلت اس شخص کو کہتے ہیں، جس کو بڑائی حاصل ہوتی ہے، اور صاحب گنجائش وہ شخص ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی نسبت مال زیادہ عطا فرمایا۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں تقریباً پندرہ وجوہ سے، پندرہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے، اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ان کو "اولو الفضل" فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش کہ قصوروار کو معاف کردیا جائے

اور اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جن کی ہستی سے بڑی

کوئی ہستی نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصور وار کا قصور معاف کروانے کے لئے اور ایک مجرم کو درگزر کرنے کے لئے سفارش فرمارہے ہیں، اور سفارش کا انداز بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا کہ پہلے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور پھران کی فضیلت کے حوالے سے فرمایا کہ ہاں، ہاں، آپ جیسے آدمی کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ گویا ان کو فرمایا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی چھوٹی بات پر قسم کھاتے ہو؟ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ: "ولیعفوا ولیصفحوا" معاف کردو اور درگزر سے کام لو، اور پھر آخری بات فرمادی: "الاتحبون ان یغفر اللہ لکم" کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے؟ ظاہر ہے کہ کون نہیں چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، جب تم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہو تو خود بھی لوگوں کے ساتھ بخشش کا معاملہ کرو۔

بخشش چاہتے ہو تو تم دوسروں کو معاف کردو

میں نے یہ جو قصہ ذکر کیا ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ کا حوالہ دیا ہے، میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ٹھیک ہے بھائی! ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا بھی کسی نے کوئی قصور کیا ہوگا، کیا ہم نے اس کو معاف کردیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے اپنے تمام قصور واروں کو معاف کردیں۔ آج کے دن تک اور آج کی رات تک ہمارا جس شخص نے بھی جو بھی قصور کیا ہو، ہمیں صدمہ پہنچایا ہو، ہمیں رنج پہنچایا ہو، کوئی نازیبا حرکت اس نے کی ہو، سب کو معاف کردیں، اور

ہم اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری طرف سے سب کو تمام قصور معاف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود ہماری معافی کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہے، ہم معاف کردیں گے تو ہمارے لئے بھی معافی کا حکم ہوجائے گا۔ جب ہم سب کو معاف کرکے بارگاہ الٰہی میں معافی طلب کرنے کے لئے آئیں گے تو انشاء اللہ ہمیں بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: "الراحمون یرحمهم الرحمن" "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔"

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۳)

تو ایک گزارش تو میری یہ ہے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ، اپنے تعلق والوں کے ساتھ، ہماری کوئی نہ کوئی لڑائی چلتی رہتی ہے، کون آدمی ہے جس کی کسی کے ساتھ لڑائی نہ ہو؟ بندہ، بندہ ہے، کمزور ہے، کبھی کسی کی حالت سے رنج ہوتا ہے، کبھی کسی کی بات سے آدمی کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بعض لوگ تو رنجیدہ ہو کر قسم کھالیا کرتے ہیں کہ میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا۔ اچھا بھائی! تم معاف نہیں کروگے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا یہ چاہو گے کہ اللہ تعالیٰ بھی قسم کھالیں کہ وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے؟ نہیں! ہم تو کمزور بندے ہیں، ہم تو یہ چاہیں گے کہ اللہ کریم ہمیں معاف کردیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیں تو خود سوچو کہ پھر ہمیں ایسی قسم کھانے کا کیا حق ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟

شب قدر کی دعا

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ رب العزت سے یہ کہنا کہ:

"اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ: "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ مجھے بھی معاف کر دیجئے۔" (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۲)

یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ آج کی رات ہی "شب قدر" ہے یا کوئی اور رات شب قدر ہے۔ بہرحال وہ ہم پر گزرے گی اور رحمتیں وبرکتیں بکھیر کر جائے گی۔ ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔ ہمیں پتہ ہونا ضروری نہیں۔ پتہ چلے گا اس دن، جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہم پر اس شب مبارک کی وجہ سے انعامات ہوں گے۔ بہرحال اس شب قدر کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی۔ "اللھم انک عفو" "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں۔" "تحب العفو" "آپ معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔" مخلوق انتقام لینا چاہتی ہے اور انتقام کو پسند کرتی ہے، لیکن یا اللہ! آپ انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ "فاعف عنی" "پس مجھے بھی معاف فرما دیجئے۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: "تخلقوا باخلاق اللہ" "اللہ تعالیٰ کے

اخلاق کو اپناؤ۔"

اگر ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں تو لازم ہے کہ ہم بھی تمام لوگوں کو معاف کردیں۔ آج سے لوگوں کے تمام کھاتے بے باق کردیں۔

چار آدمی جن کی بخشش نہیں ہوتی

اب دوسری بات، حدیث شریف جو میں نے آپ کو سنائی، اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں فرماتے۔ رمضان المبارک میں جیسا کہ آپ نے سنا، ہر رات دس لاکھ ایسے آدمیوں کی بخشش کی جاتی ہے کہ جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی، اور ان سے فرمادیا جاتا ہے کہ جاؤ آزاد کیا، اور رمضان المبارک کی آخری رات میں اتنے لوگوں کو معاف کیا جاتا ہے، جتنے لوگوں کو یکم رمضان سے آخری رات تک معاف کیا گیا تھا۔ اللہ اکبر! اتنے لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت الٰہی کا گویا سیلاب ہے، جو بندوں کے گناہوں کو بہاکر لے جاتا ہے۔ لیکن چار آدمیوں کی بخشش رمضان المبارک کی عام راتوں میں تو کیا، شب قدر میں بھی نہیں ہوتی۔ بھئی ان سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوگا۔ شب قدر میں جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی کا اعلان کیا جارہا ہے، ان کی بخشش نہیں ہورہی۔ وہ چار کون ہیں؟ ایک تو شراب کا عادی، ایسا بلانوش کہ جس نے شراب سے توبہ نہ کی ہو، اور اس گناہ سے توبہ کرنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی ہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفیؒ کی ایک کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ کا جس دن انتقال ہوا، اس

دن ہم لوگ حضرت کے مکان پر جمع تھے، حضرتؒ کے صاحبزادے نے ایک قصہ سنایا، کہنے لگے کہ ایک شخص مطب میں آیا، مجھ سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہیں؟ اس وقت حضرتؒ کی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی جہاں پاپوش میں حضرتؒ کا مطب تھا، اور عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس لگتی تھی۔ میں نے کہا بیٹھے ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے۔ مطب کا جو دروازہ احاطے کی طرف کھلتا تھا، اس نے وہ دروازہ کھولا اور دونوں کواڑ پکڑ کر کھڑا ہوا کچھ دیر حضرتؒ کو دیکھتا رہا، اور واپس آکر دوبارہ بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، میں نہ ان کا شاگرد ہوں، نہ مرید، اور میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، مجھے شراب پینے کی عادت تھی، میری بیوی بچے، دوست احباب سب نے اس کو چھڑانے کی ہرچند کوشش کی، لیکن:

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ایک شادی کی تقریب میں، میں مدعو تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی وہاں تشریف لے گئے، اور میرے جانے سے پہلے حضرتؒ وہاں بیٹھک میں تشریف فرما تھے، اور جس طرح اس وقت محفل گرم ہے، اسی طرح لوگ حضرتؒ کے اردگرد جمع تھے، حضرتؒ اپنے ملفوظات بیان فرمارہے تھے، میں دروازے میں داخل ہوا تو حضرتؒ اپنی بات چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے، اور جب تک میں بیٹھ نہیں گیا، برابر میری طرف دیکھتے رہے، جب میں بیٹھ گیا تو حضرتؒ نے پھر اپنی بات شروع کردی، وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے دوبارہ نہیں پی۔ ایک نظر کافی ہوگئی۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی، حضرتؒ کا شعر ہے ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے میخانہ

حضرتؒ کی ایک اور کرامت

ایک قصہ اور یاد آیا جو ایک بزرگ نے سنایا تھا، ستر (۷۰) سال کے بڑے میاں تھے، حضرتؒ سے تعلق تھا، کسی لڑکی کو ٹیوشن پڑھانے لگے اور وہ بدبخت ان کے دل میں بیٹھ گئی۔ اب ستر سال کا بوڑھا ایک چھوکری کو دل دے بیٹھا۔

بوڑھوں سے بھی پردہ کیا جائے

بھئی! بڑے بوڑھوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ضعیف العمر باباجی ہیں، ان سے کیا پردہ؟ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ پرانا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ الغرض یہ بڑے صاحب تین چار مہینے پریشان رہے کہ کیا کروں، کسی کو کیسے بتاؤں؟ جب پریشانی حد سے سوا ہوئی تو آخر فیصلہ کرلیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہوں، وہ اس بلا سے نجات کی کوئی تدبیر بتلائیں گے، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بتایا کہ حضرت کیا کروں؟ آپ کوئی تدبیر بتلایئے؟ حضرت نے سن لیا، جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا، بس سن لیا اور خاموش رہے، اس کے بعد دوسرے لوگ آگئے، حسب معمول حضرت کے ملفوظات شروع ہوئے، کافی دیر تک مجلس جاری رہی، جب میں حضرتؒ کی مجلس سے اٹھا تو دل بالکل صاف تھا، اس میں کوئی کوڑا کرکٹ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی۔

شراب خانہ خراب کی بربادیاں

شراب اتنی گندی چیز ہے کہ دل کو گندہ کردیتی ہے، جس طرح پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اسی طرح شراب بھی نجاست غلیظہ ہے، لوگ اُس سے تو گھن

کرتے ہیں، مگر اس ''شراب خانۂ خراب'' سے گھن نہیں کرتے، حالانکہ یہ اُم الخبائث ہے، کہتے ہیں ایک بزرگ کسی بدمعاشوں کے ٹولے میں پھنس گیا تھا۔ اس کو مجبور کیا گیا کہ یہ بچہ ہے، اس کو قتل کرو، یا یہ عورت ہے، اس کے ساتھ بدکاری کرو، یا کم سے کم درجہ میں یہ شراب ہے، یہ پی لو، ورنہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ یہ پریشان ہوئے کہ یا اللہ! جان بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کروں؟ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں کاموں میں شراب پینا سب سے ہلکا کام ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو شخص دو بُرائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے، اسے چاہئے کہ سب سے کم درجہ کی بُرائی کو اختیار کرے، یہ سوچ کر انہوں نے اس کو اختیار کرلیا۔ شراب بڑی تیز تھی، شراب پینے کے بعد مدہوش ہوگئے، مدہوشی کے عالم میں بچے کو بھی قتل کیا، زنا کا بھی ارتکاب کیا، تینوں کام مکمل ہوگئے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں، واقعی یہ اُم الخبائث ہے، عقل وخرد اور ہوش و حواس کی دشمن ہے۔ تو جو لوگ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں، وہ اس اُم الخبائث سے توبہ کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

(مشکوٰۃ شریف)

مغفرت مانگنے والوں کو توبہ لازم ہے؟

اور میں نے ابھی کہا کہ اس بزرگ نے سمجھا کہ یہ ہلکا کام ہے، قتل اور زنا اس سے بدتر کام ہیں، لہٰذا ہلکا کام کرلو۔ آپ خود سوچ لیں کہ جو لوگ شراب کے عادی ہیں، جب شب قدر میں ان کی بخشش نہیں ہوتی تو اس سے بڑے گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں ان کی بخشش کیسے ہوگی، اس لئے بخشش مانگنے کے

لئے شرط ہے کہ ہم تمام گناہوں سے توبہ کرلیں، جن کو ہم جانتے ہیں ان سے بھی، اور جن کو ہم نہیں جانتے ان سے بھی، جو گناہ اعلانیہ کرتے ہیں ان سے بھی، اور جو چھپ کر کرتے ہیں ان سے بھی، اس لئے کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلاً ہونے کی وجہ سے یہ شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہے، لعنت اور رحمت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ آدمی توبہ نہ کرلے، رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت کا مستحق اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ آدمی کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تاکہ لعنت اس کا پیچھا چھوڑ دے اور رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور "توبہ" کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہہ دو یا اللہ میری توبہ، یااللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ۔ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں۔ ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی استغفار کرتے ہیں، یااللہ توبہ، یااللہ معاف کردے، تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے کہ دل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کررہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور ارادہ کرلیں، اور

گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین وایمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟ تو کہتا ہے کہ کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے۔ نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو ایمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟ تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں؟

توبہ کے قبول ہونے کے لئے شرط

توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرلیا جائے، پختہ ارادہ کرو کہ آئندہ ٹی وی نہیں دیکھیں گے، نامحرموں کو نہیں دیکھیں گے، کسی کی غیبت، یا چغلی نہیں کریں گے، عورتیں بے پردہ نہیں نکلیں گی، اسی طرح دوسرے جتنے بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ان کو چھوڑنے کا عزم کرو، میں نے مثال کے طور پر دو تین چیزیں بتائی ہیں، ورنہ ہم بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں، اور ان سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اب ہماری حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے کہ یہ کام نہ کیا کرو تو ہم اس کے ساتھ لڑ پڑتے ہیں، اس کو برا بھلا کہتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ جب دل سے سچی توبہ ہی نہ ہوئی ہو تو صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب دل تائب نہ ہو اور دل نے عزم نہ کیا ہو گناہ کو چھوڑنے کا، گناہ کی لذت، گناہ کی لعنت، گناہ کی نحوست اور گناہ کی سیاہی ہمارے قلب پر چھائی ہوئی ہے، تو پھر زبان سے توبہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور اس پر توبہ کا ثمرہ کیا مرتب ہوگا؟ میری بہنیں اور بیٹیاں اگر

بے پردگی نہ چھوڑیں اور ہزار بار روزانہ استغفار پڑھا کریں تو اس کا کوئی نفع نہیں ہے، عزم کرو گناہوں کو چھوڑنے کا، جو گناہ ہمیں معلوم ہیں اور جن گناہوں میں ہم ملوث ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا دامن ایمان نجس ہو رہا ہے، ان کو چھوڑنے کا عزم کریں، گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں اور صرف ایک دفعہ کہہ دیں کہ یا اللہ! میں نے گناہوں کو چھوڑنے کا سچے دل سے ارادہ کرلیا ہے، مجھے معاف کردیجئے، اللہ تعالیٰ فوراً معاف کردیتے ہیں، اسّی (۸۰) سال کے گناہ کو بھی معاف کردیتے ہیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو ادا کریں۔ کسی کے پیسے دینے ہیں، اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دے دے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہوگے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمہ ہیں، ان سب کو ادا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا، اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کرلئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے کے لئے کافی ہے، مگر سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے

بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کرکے تو آئیں۔

ایک حدیث قدسی

حدیث قدسی میں آتا ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تو وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے) تو ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا۔ "ولا ابالی" اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۴)

مناجات مقبول میں ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے قرآن و حدیث کی دعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

"یامن لا تضرہ الذنوب ولا تنقصہ المغفرۃ،
اغفرلی مالا یضرک وھب لی مالا ینقصک"

ترجمہ: ”اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ اور
مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے
آپ کی کمی نہیں ہوتی وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو
نقصان نہیں دیتی وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔“

الغرض ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کو پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے گا، ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے۔ سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے،

اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین)۔ آپس کے جو حقوق ہیں، وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

والدین کا نافرمان

دوسرا آدمی جس کی مغفرت نہیں ہوتی، وہ والدین کا نافرمان ہے۔ یہ والدین کی نافرمانی بھی بڑی عجیب چیز ہے، آدمی کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میرے والدین اگر نہ ہوتے تو میرا وجود نہ ہوتا، میرے وجود کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بنایا، اب جن والدین کے وجود کو ہمارے وجود کا ذریعہ بنایا گیا، یہ انہی والدین کا مخالف ہے، انہی کا دشمن ہے، انہی کا نافرمان ہے۔ ماں نے ۹ مہینہ کم و بیش اس کو پیٹ میں رکھا، جس حالت میں رکھا، اور پھر جس حالت میں اس کو جنم دیا، وہ اس کی ماں سے پوچھو، پھر دو سال تک اسے اپنے جگر کا خون پلایا، جس کو دودھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے خون جگر کو دودھ میں تبدیل فرمادیتے ہیں، پھر اس کی سردی و گرمی کا، اس کی ضروریات کا احساس کیا، اس کو سوکھے میں لٹایا، خود گیلے میں لیٹی، صاحب بہادر بیمار ہوگئے تو ماں باپ دونوں نے اس کو ہاتھوں میں لے کر رات آنکھوں پر کاٹی، والدین کا اتنا حق ہے کہ اولاد کسی صورت میں اس حق کو ادا نہیں کرسکتی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے والد کا حق کس طرح ادا کرسکتا

ہوں؟ ارشاد فرمایا، نہیں! والد کا حق ادا نہیں ہو سکتا، صرف ایک صورت ہے کہ وہ غلام ہو تو اس کو خرید کر آزاد کردے تو کسی درجہ میں والد کا حق ادا ہو جائے گا۔ والدین کے اتنے احسانات ہیں اولاد پر کہ ان کا بدلہ چکانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد کے ذمہ کیا حق ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت ہیں یا تیری دوزخ ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

والدین کو دیکھنے پر حج کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو فرمانبردار اولاد نظر رحمت کے ساتھ والدین کے چہرے پر نظر ڈالے تو ہر بار نظر ڈالنے پر اس کے لئے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب لکھا جائے گا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

یعنی حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں اور رحمتیں ہمارے پیمانۂ عقل وفہم سے بالاتر ہیں، روزانہ سو حج کا ثواب لکھا جانا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے۔ پس جب والدین کا یہ درجہ ہے کہ ان کے چہرے پر ایک بار نظر رحمت ڈالنا حج مبرور کا ثواب رکھتا ہے تو والدین کی نافرمانی وگستاخی کا وبال بھی اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے، تو والدین کے نافرمان کی اس رات میں بھی اگر بخشش نہ ہو تو کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ جرم ہی اتنا بڑا اور سخت ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے

حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر اس کو لازم پکڑ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے کہ: "الجنة تحت اقدام الامهات" (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱) یعنی "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں بخش دیں، سوائے والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مرنے سے پہلے زندگی میں دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کا دنیا میں وبال

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اس حدیث کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی، چنانچہ فرماں برداروں کو پنپتے دیکھا اور والدین کے نافرمانوں کو ہلاک اور ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ دراصل دنیا دارالجزا نہیں، جزا وسزا کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن رکھا ہے۔ جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے قیامت پر اٹھا رکھی ہیں، یہاں جرم کی سزا نہیں دیتے، ہاں! تھوڑی سی گوشمالی کر دیتے ہیں، ورنہ پوری سزا آگے قیامت کے دن ملے گی، لیکن ظلم، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی "سزا" دنیا میں نقد ملتی ہے، اور ظالم، قطع رحمی کرنے والا اور والدین کا نافرمان اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اولاد کی نافرمانی میں والدین کا قصور

اس زمانے میں تو والدین کی عزت و آبرو کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اس میں قصور اکیلا صرف اولاد کا نہیں، بلکہ تھوڑا سا قصور والدین کا بھی ہے۔ مرحوم اکبر الہ آبادی کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم مادیت کی تعلیم ہے، یہ انسانیت کی تعلیم نہیں، بلکہ حیوانیت کی تعلیم ہے۔ پس جب انسانیت مفقود ہو اور انسانیت کی تعلیم مفقود ہو تو والدین کی قدر کیا ہوگی؟ یہ تو خاصۂ انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

غلط کام میں والدین کی فرمانبرداری جائز نہیں

میں اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کو بطور خاص نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔ اگر وہ ظلم کریں، ستائیں، زیادتی کریں، تب بھی تم خاموش رہو، تم کوئی گستاخی کا لفظ نہ کہو، بلکہ صبر و تحمل سے کام لو، وہ گالی نکالیں، بُرا بھلا کہیں، تب بھی پلٹ کر جواب نہ دو، بلکہ سر جھکائے خاموش رہو، لیکن اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وان جاهداك على ان تشرك بي ماليس لك به علم فلاتطعهما" (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: "اگر وہ (تیرے والدین) تجھ کو مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے ایسی شخصیت کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مانو۔"

اور حدیث شریف میں ہے کہ: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" "یعنی اللہ کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔"

شوہر بیوی کو کسی غلط کام کا حکم کرتا ہے تو ہرگز نہ مانے۔ والدین اولاد کو غلط بات کا حکم کرتے ہیں تو ہر گز نہ مانے، لیکن ان کی گستاخی و بے ادبی بھی نہ کرے۔ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعض لوگوں کو بزرگی کا "ہیضہ" ہوجاتا ہے۔ ماں باپ گناہ گار ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، اور یہ پکّا صوفی ہے، اَب والدین کو نظر حقارت سے دیکھے گا۔ ایسا ہرگز نہ کرو، یہ غلط بات ہے، ان کی خیر خواہی کی کوشش کرتے رہو، ادب و احترام کے ساتھ ان کو سمجھاؤ، اگر تمہارا کسی طرح بس نہیں چلتا تو اتنا تو بس چل سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے گڑگڑا کر دعا کرو۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل نہیں اور تمہارے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے زیادہ برے نہیں ہیں۔ وہ دھکے دے کر ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے باہر نکال رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ نکل جا یہاں سے، میرے گھر سے، دفع ہوجا، جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو صرف اتنا فرما رہے ہیں:

"ساستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا"

(مریم:۴۷)

ترجمہ: "میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا شفیق ہے۔"

تمہیں گھر سے نکال دیں، اُف نہ کرو۔ باقی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو میں نے ذکر نہیں کیا، وہ یہ کہ والدین کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ تمہارے ماں باپ تو جہنم کے راستے پر چل ہی رہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہ جائیں، بلکہ تم کو بھی ساتھ لے کر جائیں، اگر ان کی گستاخی کروگے، یا ناجائز کام میں ان کی بات پر عمل کروگے تو ان شاء اللہ دونوں

سیدھے جہنم میں پہنچو گے۔ اگر والدین اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ان کو ناجائز بات کا حکم کرتے ہیں تو ان شاء اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، لیکن اگر اولاد والدین کی گستاخی کرتی ہے، بے ادبی کرتی ہے، ان پر ہاتھ اٹھالیتی ہے، تو یہ والدین سے بھی پہلے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے والدین کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ شب قدر میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

قطع رحمی کا گناہ

اور تیسرا شخص "قطع رحمی" کرنے والا، جس نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔ قطع رحمی کا وبال اوپر ذکر کرچکا ہوں کہ ایسا شخص دنیا میں ہی سزا پاتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ: "لایدخل الجنة قاطع" "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جنت سے بھی محروم کردیتا ہے، دنیا کے آرام اور چین سے بھی اور شب قدر میں بخشش سے بھی۔ نعوذ باللہ۔

کینہ پروری کا گناہ

اور چوتھا وہ آدمی، جس کے دل میں کسی مسلمان کی جانب سے کینہ ہو۔ ان لوگوں کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

جنت میں صرف پاک لوگ جائیں گے

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ناپاک لوگ نہیں جائیں گے، صرف پاک لوگ

جائیں گے، اور پاک ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرلو۔ میں نے ابھی کہا کہ اسّی (۸۰) سال کا کافر و مشرک و بے ایمان سچے دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے، جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی۔ دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو اونٹ غائب۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا۔ اب بیاباں ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا۔ بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا۔ اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی اونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا کہ: "اللھم انت عبدی وانا ربک" یعنی اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخطاء من شدة الفرح" کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا کہ یااللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رب ہے۔ آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اونٹ واپس فرمادیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا، کون لوگ ہو؟ عرض کیا، ہم مسلمان ہیں، ایک خاتون آگ جلا رہی تھی، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹا دیتی، وہی خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا، ہاں! عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ الرحم الراحمین نہیں؟ فرمایا، بلاشبہ! عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟ فرمایا، بے شک! عرض کیا، میں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی، اس خاتون کی بات سن تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر رونے لگے، پھر سر اٹھا کر اس سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو، جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (لا الٰہ الاّ اللہ کہنے) سے انکار کردے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۸)

الغرض تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کردیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ وگرنہ اللہ اپنے

بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کررہا ہے: "ھل من مستغفر فاغفرلہ" کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تاکہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم:۸)

یعنی "اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔"

اگر سچی توبہ کے بغیر مرگئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہوگے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کرکے یہیں پاک ہوجاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کرکے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کرکے یہیں سے پاک ہوکر جائیں۔ پوری ندامت کے ساتھ، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرلیں۔

ایک جامع دعا

ایک حدیث سناتا ہوں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم

المؤمنین عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھیں، دعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی بات کرنی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عائشہؓ! تم ایک طرف ہوجاؤ، دعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہوجائے گی، انہوں نے اپنی دعا ختم کی اور ایک طرف ہوگئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رخصت ہوکر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے دعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا، ہاں! تمہیں دعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دعا کرو:

"اللھم انی اسئلک من خیر ما سالک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم واعوذ بک من شرما استعاذک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔"

ترجمہ: "یااللہ آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دعائیں کیں، وہ پرچہ بناکر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ

تم اس دعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو۔ پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے، تو وہ ساری دعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ تو جامع ترین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو، لیکن صرف دنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت درست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دنیا خود بخود درست ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دنیا میں بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ وہ جو میں نے قرآن کریم کی آیت کی تلاوت کی تھی، اس میں یہ وعدہ موجود ہے:

"یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم: ۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو۔"

"عسی ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم"

ترجمہ: "تمہارے رب سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دور کردے گا۔"

"ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار"

ترجمہ: "اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔"

"یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ"

(التحریم:۸)

ترجمہ: "جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔"

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔ اصل مقصود اہل ایمان کے رسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جایئے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی معیت میں اہل ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن رسوا نہ ہونا یقینی ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہل ایمان بھی یقیناً رسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے، تو اس کے اوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو گا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اولین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: "اذکر یوم کذا وکذا"

یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیئے، بندہ اقرار کرتا جائے گا، اقرار کیئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہو گا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہو گیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"انی سترتها علیک فی الدنیا انا اغفر هالک الیوم"

ترجمہ: "میں نے دنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔"

جاؤ! کسی کو پتہ ہی نہیں چلا، یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا۔ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے۔ گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔ گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدا نخواستہ غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہ الٰہی میں ایمان کا دامن داغدار نہ لے جاؤ۔ حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

اعتکاف

فضائل و مسائل

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و
نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور
انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ
فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد
ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان
سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ،
صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ
وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ امابعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اعتکاف کی نیت سے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اس کا بڑا انعام عظیم ہے۔ آپ حضرات دور ونزدیک سے تشریف لائے ہیں اور یہ آنا محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور اس کے پاک گھر میں جمع ہونے کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے۔

ایک دن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی نور اللہ مرقدہ فرمانے لگے کہ بھئی! مولانا رومیؒ کا ایک شعر ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاءؑ
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "تھوڑے سے وقت کے لئے کسی اللہ کے مقبول بندے کے پاس بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ فرمانے لگے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آئے ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے میرے پاس جمع ہوئے ہو، اس وقت تم سب کے سب اولیاءؑ ہو، اور میں تمہاری صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اللہ اکبر۔ بہت اچھی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے۔ بھائی! کوئی کسی دشمن کے گھر تو نہیں جایا کرتا، دوست کے گھر جایا کرتا ہے۔ آپ حضرات اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں، اس لئے اس وقت آپ لوگ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اعتکاف کی فضیلت

یہ اعتکاف کی عبادت بہت اونچی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"واذ بوانا لا براهيم مكان البيت ان لاتشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود"

ترجمہ: "اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا، بیت اللہ کی جگہ بتلائی، (تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا، (یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اڈہ بنا رکھا تھا) اور (ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نماز میں) قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے (تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے) پاک رکھئے۔"

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے۔ کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے ارد گرد ہے اور جس کو مسجد حرام کہتے ہیں، اس میں اعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہو سکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح و ارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اعتکاف کرنا افضل ہوگا۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اعتکاف (رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف) یہ مسنون ہے بطور سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی

سُنّت مؤکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہو جائے گا، اور محلے والے ترک اعتکاف کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اعتکاف نہیں بیٹھتا تو پورا محلّہ مسجد کی حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ میاں تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کر دیں گے تم مسجد میں اعتکاف بیٹھ جاؤ۔ وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کر رہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہو گیا تھا تو دوسرے سال ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی، اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے علاوہ دوسرا اعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، اور اگر کوئی شخص منت مان لے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو کام ہو جانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے، اور یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اعتکاف کا مسئلہ بیان کیا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" میں اعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا جیسے آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا، بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ بھی نہیں گزرا" یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنا دیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔

اعتکاف کے لئے اخلاص شرط ہے

اور جب ایک دن کے نفل اعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے قیاس اور اندازہ سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا استحضار نہیں تھا تو اب کرلو، بہت آسان ہے۔ بھئی نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے اگر کسی شخص کی نیت میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی، تو اس ملاوٹ کو ہٹادے، اور اب نیت کرلے کہ یا اللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کررہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزت وجاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

مسجد کا ادب بجالایا جائے

اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجالاتے ہوئے، عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور وشغب یا ہلڑبازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں ''اللہ کا گھر'' اس

میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون ووقار کے ساتھ رہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی تو یہ بات ہے
دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے۔"

جس قدر دل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دل میں تقویٰ آئے گا۔ ایک صاحب مکہ مکرمہ میں میرے ساتھ تراویح کی نماز میں کھڑے تھے وہ کبھی ایک طرف جھک جاتے کبھی دوسری طرف، ان صاحب نے میرا کندھا تھکادیا، اور ہاتھ کو کبھی کہیں لے جاتے اور کبھی کہیں لے جاتے (ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے)۔

دل میں خشوع ہو تو اعضاً میں بھی خشوع ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسی طرح اس کے ہاتھ چل رہے تھے کبھی اِدھر کبھی اُدھر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں، اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاً میں بھی اس کے اثرات ہوتے۔ آپ کتنے ادب، کتنے سکون اور کتنے وقار کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے دل میں کتنا خشوع ہے

اور کتنا تقویٰ ہے۔

ہم سب فقیر ہیں

دوسری بات یہ کہ فارسی کی ضرب المثل ہے:

"سلامے روستائے بے غرض نیست"

اگر دیہاتی بدو کسی کو سلام کرتا ہے تو یہ سلام بھی بے غرض نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی مطلب پوشیدہ ہوتا ہے، بھئی! ہمارے تو سارے کام غرض کے لئے ہیں، ساری عبادتیں غرض کے لئے ہیں، اور ہم ہیں فقیر، فقیر کا کام مانگنا ہے، اور یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

تو فقیر کا تواضع کرنا درحقیقت تواضع کی بات نہیں ہے، اور ہم سب کے سب حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی کے فقیر ہیں، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، کوئی نیک ہو یا بد، کوئی نبی ہو یا ولی، سارے کے سارے اس کی بارگاہ عالی میں ناک رگڑ رہے ہیں، سب فقیر ہیں، سب منگتے ہیں، سب بھکاری ہیں، ایک وہ داتا ہے، باقی سب فقیر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید ○"

ترجمہ: "اے لوگو! تم سب فقیر ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی اور حمید ہے۔"

تم لوگ کھانے کے محتاج ہو، پینے کے محتاج ہو، بیوی کے محتاج ہو، بچے کے محتاج ہو، گھر کے محتاج ہو، کپڑوں کے محتاج ہو، الغرض ہر چیز کے محتاج ہو، ایک ایک چیز کے محتاج ہو، کوئی حد ہے تمہاری محتاجی کی؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضروریات تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہاری بے شمار حاجتیں پوری فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم محتاج کے محتاج ہی رہے۔ سیٹھ جی کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مگر رہے کنگال کے کنگال۔ کیونکہ یہ اپنی ذات ہی سے محتاج ہے، اندر سے فقیر ہے، یہ غنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔

عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق

البتہ اللہ والوں کے درمیان اور دوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے محتاج بنتے ہیں اور اپنی تمام حاجتیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے کٹ جاتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق کے در پر جاتے ہیں، وہ مخلوق سے مانگتے ہیں جو بے چارے خود فقیر ہیں۔ ایک فقیر نے چند ٹکڑے جمع کئے، بھیک مانگ کر، اور دوسرا فقیر اس سے مانگ رہا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ رذیل ہے، اس سے کہا جائے کہ بھئی! بھکاری سے مانگتے ہو، کچھ شرم تو کرو، اس غریب نے تو اپنا کشکول خود مانگ مانگ کر بھرا ہے، کوئی ٹکڑا ادھر سے لیا، کوئی ٹکڑا ادھر سے، کسی نے کچھ دیا کسی نے کچھ، اس غریب کے پاس جو بھیک کا سامان تھوڑا بہت آیا تو وہ اس سے مانگتا ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب فقیر ہیں، ان سے مانگتے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے مانگو، پرانے زمانے میں مولانا خرم علی مرحوم کی ایک نظم بہت چلا کرتی تھی، میں نے بچپن میں اپنے استاد

سے سنی تھی، پہلے تو یاد تھی مگر اب تو صرف ایک دو شعر یاد رہے کہ:

خدا فرماچکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر وپیغمبر
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کوئی بادشاہ جارہا تھا، اس کو ایک عورت مل گئی جو بے چاری بھیک مانگ رہی تھی، لیکن حسین وجمیل ایسی جیسے چاند کا ٹکڑا، رشک حور، رشک پری، بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو عاشق ہوگیا، اور دل میں ٹھان لی کہ اس کو ملکہ بنایا جائے، بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم اس گداگری کی وجہ سے کیسی ذلت میں مبتلا ہو، در در کی بھیک مانگتی ہو۔ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہیں لے جاؤں اور تم سے نکاح کرلوں، اور تمہیں شاہی محلات کی رانی بنادوں، اس نے کہا ٹھیک ہے، یہ بادشاہ کے ساتھ چلی گئی۔ اب بہترین پوشاکیں، بہترین کھانے اور ہر قسم کی عیش اسے میسر تھی، جو کچھ بھی بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، سب اسے حاصل تھا، کس چیز کی کمی تھی؟ بادشاہ نے کچھ عرصہ کے بعد پوچھا کہ بتاؤ یہ حالت اچھی ہے یا وہ حالت اچھی تھی؟ کہنے لگی اس حالت میں مزہ نہیں آرہا۔ وہ جو قسم قسم کے کھانے ملتے تھے یہاں وہ مزہ نہیں، وہ ذائقہ نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ رب العزت نے اس کو شاہی محلات تو دے دیئے مگر طبیعت کی رذالت نہیں گئی، اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے شاہی محلات میں آکر بھی رذیل کی رذیل ہی رہی۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ بھئی! تم کتنے ہی بڑے بن جاؤ، اونچے چلے جاؤ، علم وفضل کی لائن میں، دنیاوی وجاہت کی لائن میں، کسی بھی لائن میں اونچے سے اونچے چلے جاؤ، تمہارے اندر کا فقر،

محتاجی اور ذلت ورذالت تو تم سے جدا ہونے کی نہیں، کیونکہ وہ تمہاری اصلی ہے، اور تم اصل کے اعتبار سے ایسے ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اپنی اصل کے اعتبار سے تم فقیر ہو، بھکاری ہو۔

نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اونچا ہو گا

باقی ایک بات ضرور ہے کہ جس قدر آدمی کی نظر اونچی ہو جاتی ہے اسی قدر اس کا مقصد اور اس کی غرض بھی بلند ہو جاتی ہے، آدمی اپنی غرض سے تو کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا، ہاں! کسی کی غرض گھٹیا ہو گی، کسی کی اونچی، بقول مولانا رومیؒ تم بچے کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ صرف ٹافی کے بدلے لے سکتے ہو، اگر بچے کے ہاتھ میں ایک قیمتی ہیرا ہو، تم اس کو ایک ٹافی دو، اس کے بدلے میں وہ تمہیں بڑی آسانی سے ہیرا دے دے گا، کیونکہ اس کی نظر پست ہے، گھٹیا ہے، بس ٹافی تک محدود ہے، ہم لوگ دنیادار ہیں جن کے سامنے دنیا سجی ہوئی ہے، اور ہمیں اپنے عشوۂ ناز سے لبھا رہی ہے، اپنے جلوے دکھا رہی ہے، ہم اس پر ریجھ رہے ہیں، یا اپنی غرض دنیا سے وابستہ کر رہے ہیں، یہ وہ ٹافیاں ہیں جو شیطان نے ہم کو دے رکھی ہیں، اور ان ٹافیوں کے بدلے وہ ہم سے ایمان کا ہیرا اڑا لیتا ہے۔

شیطان کے بہکانے کا سامان

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود کیا تو شیطان نے کہا کہ میں انسان کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شوق سے کر، کہنے لگا کہ پھر ان کو بہکانے کے لئے مجھے سامان بھی تو دیا جائے، ایسا تو نہیں کہ کسی کے

ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دو، اور کہو کہ شاباش! اب تیر کر دکھاؤ، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، مجھے آپ نے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا ہے تو اس کا کچھ سامان بھی دیجئے۔ فرمایا ایک تو تجھے جال دیتا ہوں شکار کرنے کے لئے، اور وہ عورت ہے، ایک تجھے نشہ دیتا ہوں لوگوں کو مسحور کرنے کے لئے، اور یہ شراب ہے، اور ایک تجھے نغمہ دیتا ہوں، لوگوں کو اس جال میں پھانسنے کے لئے اور یہ گانے ہیں، اور شیطان ان چیزوں کو لے کر خوش ہوگیا، اور کہنے لگا اب کسی کو جانے نہیں دوں گا، کسی نہ کسی جال میں پھنسا کے چھوڑوں گا۔

دنیا کے نابالغ

تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کا مقصد دنیا ہے، ان کی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز ہے، جیسے بچے کی نظر میں ٹافی ہیرے سے زیادہ مرغوب ہے، ہیرا اس کی نظر میں بے وقعت ہے، کیونکہ وہ اس کی قدر وقیمت سے ناواقف ہے، وہ اس کی قیمت نہیں جانتا۔ اسی طرح عام لوگ جن کی چشم بصیرت بالغ نہیں ہوئی، جن کی عقل سلیم بالغ نہیں ہوئی، اور جن کو ایمانی بصیرت اور وحی کی روشنی میسر نہیں وہ اس دنیا کی مٹھائی پر ریجھ گئے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا کی غرض کو چھوڑ کر آخرت کی غرض کو اپنالیا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ دنیا بے وقعت تھی بہ مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے۔ یہ حضرات ان دنیاداروں سے بلند نظر نکلے۔ یہاں کی جتنی چیزیں ہیں یہ ان کے نزدیک مقصود نہیں بلکہ سامان زیست ہے، مقصود ان سے بالاتر ہے اور وہ ہے آخرت، جنت اور رضائے الٰہی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بلند نظری

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المؤمنین بنے اور خلافت کے منصب پر پہنچے تو ان کی کیفیت یکسر بدل گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا، ناز و نعمت کی زندگی بدل گئی، کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ خلیفہ بننے سے پہلے بہت خوش پوش تھے، بہترین لباس پہنتے تھے، خلیفہ بن جانے کے بعد کیا ہو گیا کہ یکسر حالت بدل گئی؟ ان دونوں حالتوں کا فرق صرف ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ ان کے خادم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بازار سے چادر خرید لاؤ، (یہ ان کی خلافت کے زمانے کا قصہ ہے)۔ میں لے آیا، پوچھا کتنے کی لائے ہو؟ میں نے کہا پانچ درہم کی، ناراض ہو کر کہنے لگے تم نے اتنے پیسے برباد کرنے تھے؟ اتنی مہنگی چادر خرید کر لائے ہو؟ پانچ درہم کی چادر لائے ہو؟ وہ بگڑ رہے تھے اور میں ہنس رہا تھا۔ جب وہ خوب بگڑ چکے اور مجھ پر اظہار ناراضی کر چکے، اور میں خوب ہنس چکا تو کہنے لگے کہ ہنستا کیوں ہے؟ ایک تو کام خراب کر کے آیا، اُوپر سے ہنستا بھی ہے، میں نے کہا حضور مجھے ایک قصہ یاد آگیا، جن دنوں آپ مدینہ کے گورنر ہوتے تھے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی چادر لاؤ، میں بازار گیا، اور ایک نفیس ترین شال لایا، اس کی قیمت تھی پانچ سو درہم، حضور نے پوچھا کتنی قیمت ہے؟ میں نے کہا پانچ سو درہم ہے۔ ہاتھ میں لے کر کہنے لگے اتنی نکمی اور ایسی کھردری لانی تھی، تمہیں کوئی اچھی چادر نہیں ملی، ایسی گھٹیا چادر اٹھا لائے؟ میں یوں ہنستا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پانچ سو درہم کی شال آپ کو کھردری لگ رہی تھی اور اس کو گھٹیا فرما رہے تھے، اور ایک آج یہ وقت ہے کہ پانچ درہم کی معمولی سی چادر لایا ہوں، یہ آپ کو بہت مہنگی لگ رہی ہے، یہ ایک مثال ہے کہ خلافت کے بعد ان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا تھا، خلافت

سے پہلے ایسا نفیس لباس پہنتے تھے کہ پورے مدینہ میں ایسا بہترین لباس کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، اور ایسی بانکی چال چلتے تھے کہ دوشیزائیں (کنواری لڑکیاں) اس چال کی نقل اتارنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ عمری چال کہلاتی تھی۔ یا تو خلافت سے پہلے ناز و نعمت کا یہ عالم، یا خلافت کے بعد یہ تقشف۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک اور واقعہ

ایک دن جمعہ کا خطبہ دینے دیر سے پہنچے، پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک ہی کرتہ ہے جو صبح دھویا تھا، اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین جس کی سلطنت چین سے لے کر افریقہ تک تھی، وہ مسلمانوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ ذرا کپڑے کے سوکھنے میں دیر ہوگئی تھی، میرے پاس اس کا کوئی متبادل کپڑا نہیں تھا جس کو پہن کر آجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ خلافت کے بعد آپ کو کیا ہوگیا؟ گورنر پہلے بھی رہے، شاہی خاندان میں پھلے پھولے، مگر خلافت سے پہلے وہ ناز و نعمت، اور خلافت کے بعد یہ تقشف اور دنیا کی لذتوں سے بے زاری؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ نے ایسا بنادیا ہے کہ یہ کبھی چھوٹی چیز پر راضی نہیں ہوا، جب بھی مجھے کوئی مرتبہ اور کوئی منصب ملا، میرا نفس اس سے بالاتر مرتبہ و منصب کا خواستگار رہا، اور دنیا میں خلافت سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں رہا، کسی شخص کے لئے سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، جب اس مرتبہ پر میرا قدم پہنچا تو ساری دنیا میرے سامنے بے وقعت ہوگئی، اور اب میرا نفس آخرت کا طالب ہوگیا۔ اب دنیا کی کوئی چیز کیا حاصل کرنی ہے؟ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے آگئی، مجھے تو

آگے جانا ہے۔

تو کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں کہ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے ہے، اور ان کی نظر پوری دنیا سے بالاتر ہے۔ انہوں نے دنیا کی ٹافیوں کو مقصد نہیں بنایا، آخرت کے ہیرے اور جواہرات دے کر انہوں نے دنیا کی لذتوں کو نہیں خریدا، اس لئے ان کی محنت سب سے بلند اور ان کی نظر سب سے اونچی نکلی، اور کچھ حضرات ان سے بھی اوپر چلے گئے، ان کی نظر میں دنیا مطلوب نہ آخرت۔ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے، ان میں آخرت کی اور جنت کی طلب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، اصل مطلوب صرف ذات الٰہی ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کی کوئی غرض وغایت رکھتا ہے، گویا ہر شخص صاحب غرض ہے، باقی یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ کسی کی غرض چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی اس سے بھی بڑی۔ جس قدر کسی کی نظر بلند ہوگی، اسی قدر اس کی غرض بھی اونچی ہوگی، اور اسی قدر اس کا مقصد بھی اونچا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کررہا تھا کہ ہم تو ہیں فقیر، ہمارا کوئی کام غرض کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔

اپنی ہمت کو اونچا رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

یعنی "اپنی ہمت کو ذرا اونچا کرو، اس لئے کہ جتنی تمہاری ہمت اونچی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور مخلوق کے

نزدیک بھی تمہاری قدر اتنی ہی بلند ہوگی۔"

اگر تم ایک ٹافی پر اپنا ایمان دے سکتے ہو تو تمہاری قیمت چار آنے نکلی۔ اگر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت پر تم اپنا ایمان بیچ سکتے ہو تو تمہاری قیمت اتنی ہی نکلی، اور اگر تم اس سے بھی اُونچے چلے گئے اور یہ کہا کہ کیا یہ دنیا میری قیمت ہے؟ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔ کیونکہ دنیا کی قیمت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

طالب علمی کا واقعہ

اپنی خود ثنائی تو نہیں کرنی چاہئے۔ مگر تمہیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف سے میں فارغ ہوچکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ تو میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کرکے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعہ کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے، انہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اور اس کی تیاری کررہے تھے، جب بھی تکرار کے لئے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو، میں کہتا میں غریب آدمی ہوں، ۸۰ روپے داخلہ کی فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں بھردوں گا، تم داخلے کے لئے آمادہ ہوجاؤ، میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل؟ میں نے کہا کہ میں پہلے تو تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ ازراہ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف

لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں، اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں، میں نے کہا کہ اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط بھی آجائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں۔ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، وہ میرے بچپن کا لاشعوری زمانہ تھا، شعور تو اب بھی نہیں ہے۔ بچپن میں خیالات بڑے عجیب ہوتے ہیں، میرا بھائی! تم لوگ مہمان ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو۔ دنیا تمہارے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو بھئی ہمارا تو سارا کاروبار ہی غرض پر مبنی ہے۔ باقی غرض کا پیمانہ آدمی کی ہمت سے طے ہوتا ہے۔ کتنی اونچی ہمت کا ہے؟ کتنا قد آور ہے؟ جس شخص کا مقصود ذات عالی بن جائے، آسمان اس کے سامنے پست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقصد بناؤ

اگر تم اللہ کے طالب بن جاؤ تو یہاں کی زمین کی چیزیں تو کیا تم تو آسمان سے اونچے ہو۔ میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ”بھئی ایک دفعہ ہم دعا مانگ رہے تھے، دعا مانگتے مانگتے خیال آیا، ارے! کس سے مانگ

رہے ہو؟ رب العرش سے مانگ رہے ہو، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ آسمان میرے ہاتھوں کے نیچے آگیا، اور میرے ہاتھ عرش سے اوپر چلے گئے"، تم جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو، کہاں اٹھاتے ہو؟ کس داتا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ہاں تم بارگاہ رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو، غور کرو کہ عرش کی بلندیاں اس کے سامنے کیا چیز ہیں؟ اور جب تم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو تو کیا تم چھوٹے ہو؟ نہیں! تمہاری یہ گردن جو اس ذات عالی کے سامنے جھکے گی کیا کسی اور کے سامنے جھک سکتی ہے؟ اور یہ ہاتھ جو اس ذات عالی کے سامنے اٹھتے ہیں، کسی اور کے سامنے اٹھ سکتے ہیں؟ دراصل ہمیں اپنی قیمت معلوم نہیں۔ تو بھئی ہمارا سارا کام غرض پر مبنی ہے۔

اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

یہ اعتکاف میں بیٹھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے، ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ امتحان لیا، اس کے امراء و وزراء اعتراض کرتے تھے کہ بادشاہ کو اپنے غلام (ایاز) سے بڑا تعلق خاطر ہے، اس کی بڑی عزت کیا کرتا ہے، اس کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ حالانکہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، لیکن بادشاہ کی نظر میں ہماری اتنی عزت نہیں، ایک دن بادشاہ نے امتحان لیا کہ دربار میں ایک بازار لگایا محل میں قیمتی سے قیمتی چیزیں جمع کردیں اور سب کو جمع کرکے بادشاہ نے کہا آپ حضرات میں سے جس کو جو چیز پسند آئے وہ لے جائے، وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔ ہر

آدمی یہ سن کر اپنی پسند کی چیزوں کی طرف لپکا، جیسے بھوکا روٹی پر ٹوٹتا ہے، ایاز کھڑے کا کھڑا رہا، اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، سلطان نے کہا کہ تم بھی اٹھالو۔ ایاز نے کہا حضور! کیا اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہوں پسند کرلوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں اجازت ہے جو چیز چاہو پسند کرلو، ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا کہ مجھے تو یہ پسند ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کا امتحان لینا مقصود تھا، اور اس امتحان کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا، دیکھ لو یہ تم ہو اور یہ ایاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ دنیا کا بازار سجا کر ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ اے کاش! کہ ہم بھی کہیں کہ یا اللہ! ہمیں تو آپ پسند ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارا ہو گیا تو سب کچھ ہی ہمارا ہو گیا۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے الٰہی ہے۔ اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے الٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

اعتکاف کی سوغات

اب یہاں سے اعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاً آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ۔ اعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو،

اول: ایک فضول لایعنی کا ترک۔ جتنا چاہو کھاؤ جتنا چاہو سوؤ، لیکن التزام

کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے۔ فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم: ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

سوم: اپنے رفقاء کا اکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم: رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت و قوت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر و تلاوت، تسبیحات، درود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو۔ لیکن بھئی! اپنی صحت و قوت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم: میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ التجاء الی اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دنیا سے یکسو اور بے نیاز ہو کر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑ گڑا کر مانگو، اور اس طرح آہ و زاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم آجائے۔

ششم: یہاں جو اصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب و نقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کرو۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اعتکاف کے مسائل کا بیان

ذیل میں مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب ''زبدۃ الفقہ'' سے اعتکاف کے مسائل درج کیے جاتے ہیں۔

اعتکاف کی تعریف:

شرع میں اعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے جس کا امام و مؤذن مقرر ہو یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) واجب، اور وہ نذر کا اعتکاف ہے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا موقوف نہ ہو، کسی شرط پر موقوف نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اعتکاف کروں اور کسی شرط پر موقوف ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔ واجب اعتکاف کی کم سے کم مدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دن ہے کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے، اگر کسی

نے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اعتکاف کرنا واجب ہے اور اس کی مدت متعیّن نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اعتکاف واجب ہو گا، اعتکاف واجب کے لئے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے پس اگر تمام عمر کے اعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

(۲) سنت مؤکدہ: اور وہ ہر سال میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اس کے لئے بھی روزہ شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سُنّت علی الکفایہ ہے پس اگر بستی والوں میں سے کسی ایک آدمی نے یا بعض لوگوں نے اس سُنّت کو ادا کرلیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اگر بستی کے سب ہی لوگ اس کو ترک کردیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سُنّت کو ادا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

(۳) مستحب: یعنی سُنّت غیر مؤکدہ یا نفلی اعتکاف، اور وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ ہے پس جو شخص جس وقت چاہے مستحب اعتکاف ادا کرسکتا ہے۔ مستحب یعنی نفلی اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت یعنی تھوڑی دیر ہے، خواہ وہ رات کے وقت میں ہو یا دن کے وقت میں اور یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔ پس اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے سے ہی مستحب اعتکاف حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ مسجد میں سے گزرتے ہوئے ہی اعتکاف کی نیت کرلے اور مسجد میں بیٹھے نہیں اور خواہ رات کے وقت میں ایسا کرے، اس لئے کہ اس اعتکاف میں اس کا صرف مسجد میں ٹھہرنا ضروری ہے خواہ وہ اتنا تھوڑا ہو جتنا کہ قدموں کے رکھنے میں وقت لگتا ہے، جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہوا تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے

گا۔ جو شخص مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکلنے کا ارادہ کرے تو چونکہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے اس لئے اس کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہو تاکہ وہ مسجد کو راستہ بنانے والا نہ بنے۔

فائدہ: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے تاکہ وہ جب تک مسجد میں رہے اس کے لئے اعتکاف کا ثواب ملتا رہے اور اس کو مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ جائز ہو جائے، اس طرح اس کو روزانہ بہت دفعہ اعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت کے لئے یہ الفاظ کہہ لیا کرے،
"نویت الاعتکاف مادمت فی هذا المسجد" یا یوں کہے
"نویت سنة الاعتکاف"

اعتکاف کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں یہ واجب اس کے ذمہ سے ادا ہوجاتا اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور نفلی اعتکاف میں اس کو صرف ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اعتکاف کا رکن:

اس کا رکن مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

(۱) نیت: خواہ اعتکاف واجب ہو یا سُنّت یا نفل ہو اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی واجب اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگا اور نفلی اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) مسجد میں اعتکاف کرنا: جس مسجد میں اذان و اقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا درست ہے اور اس مسجد میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو، جامع مسجد میں مطلقاً اعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرے، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ہے، پھر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو ورنہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو، وہ افضل ہے۔ عورت اپنے گھر میں اس جگہ اعتکاف کرے جو اس نے پانچ وقت نماز یا اعتکاف کے لئے مقرر کی ہو، اگر عورت نے اس مقررہ جگہ کے علاوہ گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کیا تو اس کا اعتکاف درست نہیں ہے، اگر اس نے پہلے سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر نہ کی ہو تو اب مقرر کرلے اور اس میں اعتکاف کرے۔ ہر عورت کے لئے

مستحب ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے گھر کے اندر ایک جگہ مقرر کرلے اور اس کو ہر طرح کی آلائش سے پاک صاف رکھے اگرچہ اس جگہ کے لئے مسجد کے احکام ثابت نہیں ہوتے لیکن عورت کے حق میں یہ جگہ مسجد جماعت کے حکم میں ہوجائے گی۔ مردوں کے لئے بھی نماز نوافل کے لئے اپنے گھر میں جگہ مخصوص کرنا مستحب ہے۔ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) روزہ: واجب یعنی نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ ایک مہینہ کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ ایک مہینے کا اعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔ اگر کسی نے رات کے اعتکاف کی نذر کی تو درست نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوتا اور اگر رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کرے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے، پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہوجائے گی، لیکن اگر دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن رات اس میں داخل ہوجائے گی۔ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے اور مسنون اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے پس اگر کسی نے، مثلاً مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے، رمضان کے اخیر عشرہ کے روزے نہیں رکھے اور اس عشرہ کا اعتکاف کیا تو یہ

اعتکاف سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ ادا نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہوگا۔ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح ہے، یعنی یہ نذر اس پر لازم ہوجائے گی اور رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں کی بجائے کافی ہوجائیں گے۔ لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے اور اگر کسی نے ماہ رمضان میں اعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اعتکاف کے قضا کیئے تو جائز ہے۔

(۴) **مسلمان ہونا:** کیونکہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(۵) **عاقل ہونا:** کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اصل میں یہ دونوں امر نیت کے لئے شرط ہیں کیونکہ نیت اسلام اور عقل کے بغیر درست نہیں ہوتی، اور اعتکاف میں نیت شرط ہے۔

(۶) **جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا،** کیونکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس سمجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہوجاتا ہے۔ مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پس عورت کا اعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے اور غلام کا اعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے اگرچہ وہ اعتکاف واجب ہی ہو، اور جب عورت کو اسکے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دے دی تو اب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں

ہے۔

اعتکاف کی خوبیاں

اعتکاف کی بہت سے خوبیاں ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① اپنے قلب کو دنیاوی امور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا دیتا ہے اور دنیا کے اشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ اس کی طرف التجا کرنے کے لئے اس کا تقرب حاصل کرے۔

② اعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صرف ہوتے ہیں خواہ حقیقتاً ہوں یا حکماً کیونکہ وہ ہر وقت نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔

③ اعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدر امکان ترک کرتا ہے۔

④ اعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

⑤ اعتکاف کرنے والا شیطان اور دنیا کے مکروغلبہ سے محفوظ ہوتا ہے گویا کہ مضبوط قلعہ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔

⑥ اعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

⑦ اعتکاف اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اشرف الاعمال ہے۔

(۸) اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

(۹) اعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی وعاجزی کا اظہار کرتا اور بقدر امکان ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

اعتکاف کے آداب و مستحبات

(۱) نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام کرنا مکروہ ہے، اعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں اور باتوں کے بارے میں یہی حکم ہے اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہے۔ نیک باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو، مباح کلام کرنا ضرورت کے وقت نیک کام میں شامل ہے اور بلا ضرورت نیک کام میں شامل نہیں۔ اگر مباح کلام تقرب کے قصد سے ہو تو اس میں ثواب ملے گا۔

(۲) اعتکاف میں اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، درود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا، حدیث شریف اور دینی علم پڑھنا اور پڑھانا اور درس دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیأ علیہم السلام کی سیرت وحالات اور نیک لوگوں کے حالات وحکایات کا پڑھنا اور بیان کرنا اور دینی امور کے لکھنے میں مشغول ہونا اختیار کرے۔

(۳) رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کا التزام کرے۔

(۴) اعتکاف کے واسطے افضل مسجد کو اختیار کرے مثلاً مسجد الحرام یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا مسجد اقصیٰ یا جامع مسجد کو اختیار کرے۔

(۵) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو اکیسویں شب کو یعنی

بیس رمضان کا سورج غروب ہونے سے قدرے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور رمضان المبارک کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے باہر آجائے۔

جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا

اعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

مسجد سے باہر نکلنا: اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اعتکاف والی مسجد سے بلا عذر نہ دن میں باہر نکلے اور نہ رات میں، اگر عذر کے بغیر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر۔ اگر کسی عذر سے باہر نکلنے پر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرا رہا تب بھی اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور نفلی اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ عذر کی وجہ سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عذرات جن کی وجہ سے اعتکاف والے کا مسجد سے نکلنا جائز ہے یہ ہیں:

اول طبعی حاجت: یعنی پیشاب، پاخانہ، استنجا، وضو اور فرض غسل کے لئے یعنی اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ پس جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن قضائے حاجت کے بعد طہارت یعنی استنجا و وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرا رہا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر اعتکاف کرنے والے کے دو

گھر ہوں جن میں سے ایک نزدیک اور دوسرا دور ہو تو بعض کے نزدیک دور والے گھر میں قضائے حاجت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلاء ہو جو گھر کی بہ نسبت قریب ہے تو اس صورت میں وہی اختلاف ہے جو دو گھروں کے بارے میں بیان ہوا۔ اس لئے احتیاطاً قریب والے بیت الخلاء کو استعمال کرے، لیکن اگر وہ شخص مسجد کے بیت الخلاء سے یا اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر والے بیت الخلاء سے مانوس نہ ہو اور وہاں اس کو آسانی سے رفع حاجت نہ ہوتی ہو تو اپنے مانوس بیت الخلاء میں رفع حاجت کے لئے جانا بلا اختلاف جائز ہے، اگرچہ وہ دور ہو۔ جب حاجت طبعی کے لئے نکلے تو اس کے لئے وقار و سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنی اعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے، اس کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر اعتکاف والے کے لئے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کو گھر سے کھانا لے آنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشاب پاخانہ کی طرح طبعی حاجت میں داخل ہے (لیکن اس کو چاہئے کہ کھانا لے کر فوراً مسجد میں آجائے اور وہیں آکر کھائے)۔

دوم شرعی حاجت: مثلاً اذان دینے یا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے باہر نکلنا جائز ہے۔ پس اگر اذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا خواہ وہ مؤذن ہو یا نہ ہو، اور اگر اذان کا مینارہ اندر ہو تو بدرجۂ اولیٰ اس پر چڑھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے تحری (اٹکل) کر کے اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ کی اذان سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار

رکعتیں سُنت جمعہ قبلیہ پڑھ لے۔ اس کا اندازہ اعتکاف کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور نماز فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد اس قدر ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے۔ فرض جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں اور بعد کی چار یا چھ رکعتیں اعتکاف والی مسجد میں بھی ادا کرسکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے، اگر زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا رہا، مثلاً ایک دن رات وہاں ٹھہرا رہا یا باقی اعتکاف وہیں پورا کیا۔ تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر کسی عذر، مثلاً مسجد کے گرجانے یا زبردستی کسی کے نکال دینے کی وجہ سے یا اپنی جان ومال کے خوف سے مسجد سے نکلا اور اسی وقت اعتکاف کی نیت سے دوسری مسجد میں داخل ہوگیا کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا، تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مذکورہ دو قسم کے عذرات کے علاوہ کسی اور عذر سے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ پس اگر بیماری یا خوف کی وجہ سے یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن اگر بشری حاجت پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے چلاگیا تو جائز ہے، جب کہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اس مقصد کے لئے نہ ہو اور وہ راستہ سے نہ پھرے اور نماز جنازہ یا مریض کی مزاج پرسی سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر نذر کرتے وقت شرط کرلی ہو کہ وہ عیادت مریض یا نماز جنازہ یا مجلس علم میں حاضر ہوگا تو اب امور کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب قدموں کا مسجد سے باہر نکالنا ہے۔ پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر نکالے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ یہ

سب احکام واجب اور سُنّت مؤکدہ اعتکاف کے ہیں، اگر نفلی اعتکاف میں عذر سے یا بلا عذر مسجد سے نکلے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر نفلی اعتکاف شروع کیا پھر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ اس اعتکاف کو ختم کرنا ہے توڑنا نہیں ہے اور سُنّت مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف بھی شروع کرکے توڑ دینے سے ختم ہو جائے گا سُنّت مؤکدہ کی بجائے ادا نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو پورے عشرہ کا ہی ہوتا ہے اس سے کم کیا ہوا اعتکاف نفلی بن جائے گا اور اس پر اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہو گی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے۔

(۲) اعتکاف توڑنے والی چیز جماع اور اس کے لوازم ہیں۔ اعتکاف والے پر جماع اور اس کے لوازم حرام ہیں۔ پس پیشاب پاخانہ کے مقام میں دخول سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور لوازم جماع مثلاً مباشرت (بدن سے بدن ملانا) بوسہ، مساس، معانقہ اور پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً ران یا پیٹ وغیرہ میں جماع کرنا، ان سب صورتوں میں اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، خواہ جماع ولوازم جماع دن میں واقع ہوں یا رات میں اور جان بوجھ کر ہوں یا بھول کر اور خواہ رضامندی کی حالت ہوں یا اکراہ کی حالت ہر حال میں اعتکاف فاسد ہونے کا حکم یکساں ہے، خواہ جماع مسجد سے باہر واقع ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماع ولوازم جماع کی جن صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے ان سب صورتوں میں اعتکاف بھی ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا ان صورتوں میں اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے دن رات اس حکم میں برابر ہیں اور روزے میں صرف دن کے وقت یعنی

روزہ کے حالت میں یہ چیزیں روزہ کو فاسد کردیتی ہیں، جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی دوسری چیزوں سے واجب وسنت مؤکدہ اعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جب کہ روزہ کو توڑنے والی چیز دن میں یعنی روزہ کی حالت میں پائی جائے کیونکہ روزہ اعتکاف کے لئے شرط ہے اس لئے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

(۳) اعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بے ہوشی اور جنون ہے۔ بے ہوشی یا جنون سے اعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ وہ دو یا زیادہ دن تک رہے، کیونکہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہوجائے گا لیکن پہلے دن کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا جب کہ اس نے وہ دن مسجد ہی میں پورا کیا ہو کیونکہ نیت پائی گئی ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو جنون یا بے ہوشی دور ہونے کے بعد اس پر اس دن کی قضا لازم ہوگی اوراس دن کے علاوہ بے ہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اعتکاف بھی جنون و بے ہوشی دور ہونے کے بعد قضا کرے، اگرچہ وہ جنون بہت طویل ہوگیا ہو اور جب اس واجب (یعنی نذر کے) اعتکاف کی قضا پر قادر ہو تو اس کو روزہ کے ساتھ قضا کرے۔

فائدہ: اگر وہ واجب (یعنی نذر کا) اعتکاف کسی معین مہینے کا ہو تو جس قدر دن باقی رہ گئے ہوں صرف اتنے ہی دن کا اعتکاف قضا کرے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر وہ واجب اعتکاف غیر معین مہینے کا ہو تو فاسد کردینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ لگاتار ادا کرنا لازم ہوا ہے، خواہ اس اعتکاف کو اپنے فعل سے کسی عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو یا اس کے فعل کے بغیر ہی فاسد ہوا ہو۔

وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

(۱) خاموش رہنا: اگر اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس کو عبادت نہ سمجھتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ بات کرنا کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً غیبت کرنا، اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے برے شعر پڑھنا یا سامان تجارت بیچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لئے پہلی قسم سے چپ رہنا فرض ہے اور دوسری قسم سے چپ رہنا واجب ہے۔ غیر مفید باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بچانے کے لئے خاموش رہنا مکروہ نہیں ہے لیکن زیادہ تر وقت تلاوت قرآن پاک وذکر وغیرہ عبادت میں گزارے۔ خاموش رہنے کے یہ احکام مسجد سے باہر اور اندر والے اور جو شخص اعتکاف میں نہ ہو سب کے لئے یکساں ہیں، مسجد میں اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ یہ احکام ہیں۔

(۲) اگر اعتکاف والے شخص نے دن میں (روزہ کی حالت میں) بھول کر کچھ کھا پی لیا تو چونکہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس کا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

(۳) اگر اعتکاف والا شخص کھانا اور اپنی ضرورت کی چیزیں مسجد میں بیچے یا خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادہ سے کرے تو مکروہ ہے۔ اعتکاف کی حالت میں نکاح کرنا، طلاق سے رجعت کرنا، لباس پہننا، خوشبو او تیل لگانا جائز ہے۔

(۴) اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں تجارت کے قصد سے خرید و فروخت

کی بات کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور بغیر اعتکاف والے کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ تجارت کے لئے یا بغیر تجارت کے ہو۔ اور خواہ سامان تجارت حاضر ہو یا نہ ہو، اور خواہ اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کا محتاج ہو یا نہ ہو۔

⑤ سامان تجارت کو مسجد میں موجود کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو کھانا اعتکاف والے نے خریدا اس کو مسجد میں لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

⑥ مسجد میں وطی (جماع) اور اس کے لوازم یعنی بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ کرنا وغیرہ حرام ہے۔

⑦ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ افعال مسجد میں اور مسجد سے باہر ممنوع و حرام ہیں۔ پس اعتکاف کی حالت میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع و حرام ہیں اس لئے ان سے بچنا ہر وقت ضروری ہے۔

اعتکاف کے متفرق مسائل

① جب کوئی شخص اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا یعنی اعتکاف کی نذر ماننے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے صرف دل سے نیت کرنا اعتکاف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

② اگر تثنیہ یا جمع کے صیغہ کے ساتھ یعنی دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی یا دو راتوں یا تین یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اور ان راتوں کے ساتھ ان کے دنوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کچھ نیت نہ کی ہو یا دن

اور رات دونوں مراد لئے ہوں، لیکن اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی اور راتوں کی نذر میں خالص اعتکاف لازم ہوگا اور اس کو متفرق طور پر ادا کرنے کا اختیار ہے اس پر راتوں کا اعتکاف واجب نہیں ہوگا اور صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ راتیں روزے کا محل نہیں ہیں اور اگر صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً داخل نہیں ہوگی اسی طرح صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر کرنے میں دن ضمناً شامل نہیں ہوگا اور چونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا اس لئے وہ نذر لغو ہوجائے گی۔

(۳) جب اعتکاف کے واجب ہونے میں رات داخل نہیں ہے تو اعتکاف کرنے والے کو اختیار ہے کہ متفرق طور پر ادا کرے یا لگاتار ادا کرے اور جب رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اس کو لگاتار اعتکاف کرنا واجب ہوگا، متفرق طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوگا۔

(۴) جب اعتکاف میں رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اعتکاف کی ابتداء رات سے ہوگی۔ پس وہ اپنی نذر کے پہلے دن سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اپنی نذر کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور جب صرف دنوں کے اعتکاف کی نذر کی تو دن سے اعتکاف شروع کرے اور طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور غروب آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔

(۵) اگر ایک معین دن یا ایک معین مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور اس دن سے ایک دن پہلے یا اس مہینہ سے ایک مہینہ پہلے اعتکاف کرلیا یا مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر کی اور کسی اور مسجد میں اعتکاف کرلیا تو جائز ہے، اسی

طرح معین وقت کے بعد بھی ادا کرسکتا ہے۔

(۶) اگر گزرے ہوئے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۷) اگر کسی نے ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی پھر وہ ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اگر اس نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ہر روزہ کے اعتکاف کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار گیہوں یا جو وغیرہ سے دیئے جائیں اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو اس کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اگر کسی نے مرض کی حالت میں ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور وہ تندرست نہ ہوا یہاں تک کہ مرض کی حالت میں ہی مرگیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ایک دن کے لئے اچھا ہوگیا پھر مرگیا تو سارے مہینہ کے عوض فدیہ دیا جائے گا۔

(۸) جب واجب اعتکاف فاسد ہوجائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ پس اگر کسی معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور اس نے ایک دن یا زیادہ دنوں کا روزہ توڑ دیا تو اتنے ہی دن قضا کرے جن کا روزہ توڑا ہے، اور اگر غیر معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا تو نئے سرے سے اعتکاف کرے، اس لئے کہ اس کا لگاتار ادا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے اپنے فعل سے عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا عذر کے ساتھ لیکن اگر معتبر عذر کے بغیر فاسد کردے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ اعلم

س...... ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ دیئے مجبوری کے تحت کیا وہ شخص اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

ج...... ضرور بیٹھ سکتا ہے' اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہئے۔ اعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔

س…… کیا ایک مسجد میں صرف ایک اعتکاف ہو سکتا ہے یا ایک سے زائد بھی؟
ج…… ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں اعتکاف بیٹھیں اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔

س…… حالت اعتکاف میں جس مخصوص کونہ میں پردہ لگا کر بیٹھا جاتا ہے کیا دن کو یا رات کو وہاں سے نکل کر مسجد کے کسی پنکھے کے نیچے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ معتکف کسے کہتے ہیں اس مخصوص کونہ کو جس میں بیٹھا جاتا ہے یا پوری مسجد کو معتکف کہا جاتا ہے؟ اور بعض علماً سے سنا ہے کہ دوران اعتکاف بلاضرورت گرمی دور کرنے کے لئے غسل کرنا بھی درست نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر بحالت ضرورت مسجد سے نکل کر جائے اور کسی شخص سے باتوں میں لگ جائے، تو کیا ایسی حالت میں اعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج…… مسجد کی خاص جگہ جو اعتکاف کے لئے تجویز کی گئی ہو اس میں مقید رہنا کوئی ضروری نہیں، بلکہ پوری مسجد میں جہاں چاہے دن کو یا رات کو بیٹھ سکتا ہے اور سو سکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی نیت سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اس کی گنجائش ہے کہ کبھی استنجا وغیرہ کے تقاضے سے باہر جائے تو وضو کے بجائے دو چار لوٹے پانی کے بدن پر ڈال لے، معتکف کو ضروری تقاضوں کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں ٹھہرنا چاہئے، بغیر ضرورت کے اگر گھڑی بھر بھی باہر رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، حضرت امامؒ کے قول میں احتیاط ہے اور صاحبینؒ کے قول میں وسعت اور گنجائش ہے۔

س…… کیا اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے جو چاروں طرف چادریں لگا کر ایک حجرہ بنایا جاتا ہے۔ ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی اعتکاف ہو جاتا ہے؟

ج…… چادریں معتکف کی تنہائی و یکسوئی اور آرام وغیرہ کے لئے لگائی جاتی ہیں ورنہ اعتکاف ان کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

س...... اعتکاف کے دوران گفتگو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو گفتگو کی نوعیت بتائیں؟

ج...... اعتکاف میں دینی گفتگو کی جاسکتی ہے اور بقدر دنیوی بھی۔

س...... دوران اعتکاف تلاوت کلام پاک کے علاوہ سیرت اور فقہ سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟

ج...... تمام دینی علوم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

س...... مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مسجد جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈوالہ یار ضلع حیدر آباد کی کالونی میں واقع ہے' اس مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر انتہائی دیندار آدمی ہیں) اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان کے اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشہ میں بیٹھتے ہیں وہاں گاؤ تکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلیفون بھی لگوا لیتے ہیں جو کہ اعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اعتکاف کے دوران اسی ٹیلیفون کے ذریعہ تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام دفتری کارروائی' فائلیں وغیرہ مسجد میں منگوا کر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگوا کر مسجد میں ہی قوالیوں کے کیسٹ سنتے ہیں جبکہ قوالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں۔ کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوالی سنی جائے؟ اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھوا کر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دینی پروگرام بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ہماری کالونی کے متعدد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔ کیا ان نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

ج...... اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص انقطاع الی اللہ میں گزاریں

اور حتی الوسع تمام دنیوی مشاغل بند کر دیئے جائیں۔ تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو ان کا کرنا جائز ہے۔ لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لئے دفتر میں تبدیل کر دینا بے جا بات ہے اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے جو نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہے۔ آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہئے کہ اگر اعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں فقیرانہ کریں اور محرمات سے احتراز کریں ورنہ اعتکاف ان کے لئے کوئی فرض نہیں۔ خدا کے گھر کو معاف کریں' اس کے تقدس کو پامال نہ کریں۔

س...... کیا حالت اعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر) حالت پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لئے غسل کر سکتا ہے' اور کیا اس سے اعتکاف سنت ٹوٹ جاتا ہے' جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو' اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج...... غسل اور وضو سے مسجد کو ملوث کرنا جائز نہیں' اگر صحن پختہ ہے' اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے' اور پھر جگہ کو صاف کر دے۔

س...... ہمارے محلہ کی مسجد میں دو آدمی اعتکاف میں بیٹھے تھے زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کے غسل خانہ میں غسل کرتے تھے۔ ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح غسل کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؟

ج...... ٹھنڈک کے لئے غسل کی نیت سے جانا معتکف کے لئے جائز نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب پیشاب کا تقاضا ہو تو پیشاب سے فارغ ہو کر غسل خانے میں دو چار لوٹے بدن پر ڈال لیا کریں' جتنی دیر میں وضو ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں بدن پر پانی ڈال کر آجایا کریں الغرض غسل کی نیت سے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، طبعی

ضرورت کے لئے جائیں تو بدن پر پانی ڈال سکتے ہیں۔اور کپڑے بھی مسجد میں اتار کر جائے تاکہ غسل خانے میں کپڑے اتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔

س...... میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہو گئی تو میں اعتکاف میں بیٹھوں گا مگر میں اس طرح نہ کر سکا۔ تو مجھے بتایئے کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں؟ کہ میری یہ منت پوری ہو جائے۔باقی دو روزے نہ رکھنے کے لئے بتایئے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہو گا؟

ج...... آپ نے جتنے دن کے اعتکاف کی منت مانی تھی اتنے دن اعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے۔ اور اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہیں۔جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے آپ کے ذمہ رہے گا اور اگر اسی طرح بغیر کئے مر گئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہو گی۔اور آپ کے ذمہ روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہو گی۔

۲ :...... جتنے دن کے روزوں کی منت مانی تھی اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔البتہ اگر آپ اتنے بوڑھے ہو گئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جا سکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی امید ختم ہو چکی ہے تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقتہ کھانا کھلا دیجئے یا صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔

عظمتِ قرآن

اور اس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

یہاں آپ حضرات کی مسجد میں مدرسہ حفظ قرآن شروع ہوا ہے، اس کے سلسلہ میں حاضری ہوئی ہے، اس لئے دو چار باتیں اسی کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر وقیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" (الحشر:۲۱)

ترجمہ: "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

(اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا"۔

پہاڑ بھی اس کلام پاک کی عظمت کو برداشت نہ کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآن کریم نازل ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعہ سے ان کے دلوں تک پہنچا۔ اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا واسطہ، پھر انسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ تو اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآن کریم ہم تک پہنچا اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ یہ تو اس کلام پاک کی عظمت ہے۔ اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب پڑھو اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں

یہ کلام پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ بطور لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ شیطان کا نام اچھا ہے کہ برا؟ برے کا نام برا ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے۔ ش ی ط ا ن، شیطان کا نام

ملنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ تو جب قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ "فرعون" کے نام کے پانچ حرف ہیں۔ ف ر ع و ن۔ قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بد بخت ہے، شیطان اپنی جگہ بد بخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام آگیا تو اس کو پڑھتے ہوئے جب کوئی فرعون کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی۔ تو میں نے کہا کہ کتنی بڑی اس کی عظمت ہے؟ کتنی بڑی اس کی قیمت ہے؟

قرآن کریم سے محبت

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی۔ قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے۔ گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے، مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے کسی کو تعلق ہو گا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہو گا، جتنا ایمان قوی ہو گا، جتنا یقین قوی ہو گا اتنی ہی حق تعالیٰ شانہ سے محبت زیادہ ہو گی، اور اتنا ہی کلام پاک سے تعلق ہو گا، کلام پاک سے محبت ہو گی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے اور نہ ہو تو قل ھو اللہ ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ صرف قل ھو اللہ یاد رہتی ہے وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی۔ اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے۔ اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے جس میں چھوٹی سورتیں ہیں۔ اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں۔ الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"ان الذی لیس فی جوفہ شئی من القرآن کالبیت الخرب" (مشکوٰۃ: ۱۸۶۔ بحوالہ ترمذی ودارمی)

ترجمہ: "وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر"۔

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں۔ تو جس مؤمن کے دل میں قرآن کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

تلاوت قرآن کی مقدار

قرآن کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس

پارے روزانہ قرآن کریم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا۔ اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی جو فمی بشوق پڑھتے تھے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی۔ پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۃ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، اور پانچویں منزل شعرآء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۃ ق سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فمی بشوق۔ تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم۔ جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتہ کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم۔ اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآن کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین قرآن ہوجائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآن کریم کا معمول ہو۔ جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی معمول ہونا چاہئے۔ ایک مہینے کے بعد قرآن کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے تو تم کہو کہ میں نے ۲۲ واں پارہ پڑھا ہے آج ۲۲ تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو۔ پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی

ایک رکوع۔ البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے۔ تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں۔ لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے امام ابو حنیفہؒ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پڑھتے تھے۔ ایک قرآن دن کا ایک رات کا اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی معمول امام بخاریؒ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کا تھا، لیکن ۶۱ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعیّن ہوں گے۔ جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے۔ سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتہ چلتا نہیں۔ لیکن کتنی طاقتور محبت ہے۔ کتنے درجہ کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا۔ یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے۔ اب محبت کا کوئی پتہ نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم قرآن کی ضرورت و اہمیت

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے

ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، ان پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے۔ تعلیم دلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلہ میں کتنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دوسری تعلیم کے بجائے قرآن کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآن کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں، اور بس۔ اور یہ جو بڑے اونچے خاندان کے لوگ ہیں ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآن کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے، ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو لوگ اونچے اونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے۔ الاّماشاء اللہ۔ اس طرف سے غافل ہیں۔ البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی موذن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے۔ ان کے بچے جاکر مسجد کی پرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزت کی بات نہیں۔ اس لئے بچوں کو

مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ امراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآن کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کو بس اتنا کردیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہوجائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ۲، ۳ سال میں قرآن یاد کرلیتا ہے اور میرے جیسا کوئی کمزور ہو تو وہ ۵، ٦ سال لے ڈوبتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے۔ قرآن کریم جس بچے نے حفظ کرلیا اس کو لے جاکر چھٹی جماعت میں داخل کردو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا۔ کیوں بھئی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا۔ اب ۵ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کردیا اور بچے نے قرآن کریم حفظ کرلیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرادو اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآن کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ پھر بھی خسارہ نہ ہوا۔ لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہوگئے۔

تلاوت قرآن کا ثواب

اور بہت سے لوگوں نے دل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآن کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی

قرآن کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے۔ میں نے ابھی کہا کہ قرآن کریم میں فرعون "یا شیطان" کا لفظ آیا اس کے پڑھنے پر پچاس (۵۰) نیکیاں ملتی ہیں تو قرآن کریم کے "الفاظ کو دہرانا" اپنی زبان سے ادا کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں چونکہ قرآن کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رٹ لی مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا۔ جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلّق نہیں۔ یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔ ادھر قرآن کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت۔ تو ان غریبوں نے قرآن کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کرلیا۔ یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں۔ ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے۔ اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ الحمدللہ رب العالمین کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے بار بار رٹتا ہے تو الحمدللہ رب العالمین میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور

جتنی مرتبہ دہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔ اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتا الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا؟ جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمہ لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں۔ تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآن کریم کے پڑھے جتنی مرتبہ پڑھا وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

کشف قبور کا سبق آموز واقعہ

حافظ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں یہ قصہ نقل کیا ہے اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے۔ قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ کشف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے اگر دیوار ہٹادی جائے تو ادھر اس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے۔ کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دکھادیتے ہیں۔ قبر میں میت کا حال نظر آجاتا ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں۔ اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی۔ تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مردے ان کو چن رہے ہیں۔

یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے۔ یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں کہ بھائی یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو ایصال ثواب کرتے ہیں، دعا واستغفار کرتے ہیں وہ ساری کی ساری تقسیم ہو جاتی ہے اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ التحیات میں پڑھتے ہو نا؟

”رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب“

ترجمہ: ”اے پروردگار میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو“۔

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے دی ہے۔ تو یہ وہ دعا اور استغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کردیا جاتا ہے اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں، اس بزرگ نے پوچھا کہ بھائی تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں، اور یہ بیچارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں، بزرگ نے پوچھا کہ بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ میرا بیٹا حافظ قرآن ہے۔ روزانہ ایک قرآن پڑھ کر مجھے ایصال ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان

صدقات و خیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا کہ تمہارا بیٹا کون ہے، کیا نام ہے؟ کہا فلاں شہر میں اس کی دکان ہے۔ اس کا نام یہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے۔ مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا، یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا، اس دکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے۔ میں نے قریب جا کر پوچھا کہ کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے پوچھا کہ آپ اپنے والد کو روزانہ ایک قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے ہاں! پھر پوچھنے لگے آپ کو کیسے پتہ لگا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتلایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا صحیح ہے، یہی میرا نام ہے، اور میں حافظ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے۔ پھر وہی منظر سامنے آ گیا۔ اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دوسروں کے ساتھ چلنے میں مصروف ہے۔ بزرگ نے پوچھا اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے۔ میری پنشن بند ہو گئی۔ اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتہ نہیں۔ وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن

مسلمانوں کے دل میں اس کی قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھادو۔

خوش قسمت لوگ

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں۔ ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرت شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا)۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ موذن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا۔اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا۔ نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے (آمین)۔

ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا ادھر گھر میں تو کیا اردگرد میں بھی کوئی حافظ نہیں تھا رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو

ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی ڈاڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجہول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ فرماتے مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا، اللہ نے ان کی دعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ ان کی اولاد میں ۲۵ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے ۴ بیٹے ہوں ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو تھوڑا تھوڑا بھی بخش دو گے تو ان شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ امام الاولیاءؒ فرماتے تھے، ہاں امام الاولیاءؒ! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں جاکر پتہ چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ دنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی۔ تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے۔ اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

دعا ختم قرآن

آخر میں ختم قرآن کی دعا کا ترجمہ کرتا ہوں، یہ دعا قرآن کے آخر میں سورة الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ دعا یہ ہے۔

"اللھم آنس وحشتی فی قبری"

"اے اللہ میری قبر میں وحشت کو انس سے تبدیل کردے"۔

وحشت کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے۔ یا اللہ قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو انس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

"اللهم ارحمنی بالقرآن العظیم"

"یا اللہ مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآن کریم کے ذریعہ سے"۔

"واجعله لی اماما ونورا وهدی ورحمة"

"یا اللہ بنادے اس کو میرے لئے امام۔ امام آگے ہوتا ہے مقتدی پیچھے ہوتے ہیں۔ قرآن آگے آگے چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے"۔

"اللهم ذکرنی منه مانسیت وعلمنی منه ماجهلت"

"یا اللہ یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا"۔

"وارزقنی تلاوته آناء الیل وانآء النهار وجعله

لی حجۃ یارب العالمین"

ترجمہ: "اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں اور رات کی گھڑیوں میں، دن اور رات تلاوت کیا کروں یہ نصیب فرما اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن"۔

حدیث میں ہے کہ:

"والقرآن حجۃ لک اوعلیک" (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

"یعنی قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف"۔

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ:

"عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الطہور شطر الایمان، والحمد للہ تملاء المیزان، وسبحان اللہ والحمدللہ تملان اوتملاء مابین السموات والارض، والصلوۃ نور، والصدقۃ برھان، والصبر ضیاء، و القرآن حجۃ لک اوعلیک، کل الناس یغدو، فبائع نفسہ، فمعتقھا اوموبقھا"

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

ترجمہ: "حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

پاک رہنا آدھا ایمان ہے، اور الحمد للہ کہنا اعمال کی ترازو
کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں۔ یا
فرمایا کہ ہر کلمہ بھر دیتا ہے۔ آسمان وزمین کے درمیان کے
خلاء کو، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے،
اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا
تیرے اوپر، ہر ایک شخص صبح کرتا ہے، پس بیچتا ہے اپنی
جان کو، پس اس کو آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا
ہے"۔ (ماخوذ از مظاہر حق صفحہ ۱۱۰ جلد ۱)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ قرآن کریم تیرے لئے حجت بنے گا قیامت کے دن یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

تلاوت قرآن کی عادت ڈالنے کا طریقہ

دیکھو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو۔ میں نے درجے بیان کردئے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کے، اور میں نے کہا کہ سب سے آخری درجہ کم سے کم یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کی جائے تو آخری درجہ پر تو آجاؤ۔ پرائمری پاس ہو تو اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ تعلیم یافتہ کا لفظ بولا جاتا ہے میٹرک کے بعد۔ یعنی میٹرک کے بعد اس کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ جس نے دو چار جماعتیں پڑھی ہوں اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ ایک دو رکوع اگر پڑھو گے تو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں نام آئے گا، اپنا نام تبدیل کرواؤ، کم سے کم آخری درجے پر تو آجاؤ۔ شروع شروع میں چلو پرائمری ہی سہی۔ پرائمری کروگے تو

میٹرک بھی کرلو گے۔ پہلے پرائمری کرو گے پھر مڈل کرو گے پھر میٹرک ہو گا، تو بھئی شروع شروع میں اگر زبان نہیں چلتی تو تھوڑا پڑھو، پاؤ آدھ پاؤ، لیکن پڑھتے جاؤ۔

تم دنیا کے معاملات میں تو ترقی پر ترقی چاہتے ہو، لیکن آخرت کے معاملے میں، دین کے معاملے میں، قبر کے معاملے میں، حشر کے معاملے میں، اتنی تو ترقی کرو کہ پہلی جماعت سے ہی شروع کرو، یعنی ایک دو رکوع سے ہی شروع کرو، لیکن اس کو معمول بنالو۔ روزانہ کا۔ اپنی خوراک بنالو، قرآن کریم تمہاری خوراک بن جائے اور پھر اس پر ترقی کرتے کرتے تمہارا نمبر یہاں تک آجائے کہ ایک پارے کی تلاوت تمہاری خوراک بن جائے۔ اور پھر اس سے آگے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مجھے بھی ساتھ لے گئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمیں کافی روز ٹھہرنا پڑا، الحمدللہ پورے سفر میں چار مہینے لگ گئے۔ والد صاحب کا پورے سفر میں ۱۵ پارے کا معمول تھا، ایک دن مجھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کچھ سر میں درد رہتا ہے، میں نے کہا جی ذرا تلاوت تھوڑی کم کردیجئے۔ حفظ نہیں تھا، اور ایسے ہی پرانے زمانے میں میاں جی سے پڑھا تھا، پورا صحیح بھی نہیں تھا لیکن پندرہ پارے روزانہ کا معمول تھا۔ دوسرے دن قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ میرے کہنے پر پانچ پارے کم کردئے اور روزانہ دس پارے کا معمول بنالیا تھا، یہ تو سفر حج کا معمول رہا اور رمضان المبارک میں روزانہ کا دس پارے کا معمول تھا۔

لہٰذا تم چاہو تو ترقی کرسکتے ہو مگر تھوڑی ہمت کرو۔ دل میں شوق پیدا کرو۔ اور جب یہ چاٹ لگ جائے گی تو ان شاء اللہ چھوٹے گی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق

عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حقوق اللہ

اور ذکر اللہ کی فضیلت

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

فہرست ذکر اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

حقوق اللّٰہ

الحمد للّٰه نحمدہ ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا، اما بعد!

فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم فى الخطبة التى خطبها فى اول جمعة صلاها بالمدينة فى سالم بن عوف: ”خذوا بحظكم ولا تفرطوا فى جنب اللّٰه ، قد علمكم اللّٰه كتابه، ونهج لكم سبيله، ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين، فاحسنوا كما احسن اللّٰه اليكم، وعادوا

اعدائه، وجاهدوا فی اللّٰه حق جهاده، هو اجتباکم وسماکم المسلمین......"

(حیات الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۶، بدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)

ترجمہ: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم فرمادی ہے، اور تمہارے لئے اپنا راستہ واضح کردیا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں، پس تم احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے، اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کا حق ہے، اس نے تم کو چن لیا ہے، اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد جئے، اور نہیں ہے کوئی قوت مگر اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے ساتھ"۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، اس خطبہ میں پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ کا تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کے غصہ سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے بچاتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا چہروں کو سفید کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے، اور درجے کو بلند کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ جملے ہیں جو میں نے اس وقت پڑھے ہیں ان میں ارشاد فرمایا: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ "اپنا حصہ لے لو" یعنی

اعمال کا حصہ یہاں سے حاصل کر کے جاؤ، دنیوی زندگی میں تمہارا حصہ، جو تمہیں مرنے کے بعد کام آئے گا یہی اعمال صالحہ ہیں، اسی طرح جو مال تم نے رضائے الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کردیا وہ تمہارا حصہ ہے، لہٰذا جب دنیا سے جاؤ تو یہاں سے اپنا حصہ وصول کر کے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو

"اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ:

"یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ وان کنت لمن السخرین" (الزمر:۵۶)

ترجمہ: "ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملہ میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے"۔

پس اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملہ میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کسل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

ایمان و یقین لانے میں کوتاہی

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی کرنا، اس کی ایک صورت تو سب سے بڑی

کفار میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی، یعنی ایمان، یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے، لیکن ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں، ایمان، ایمان میں بھی فرق ہے، تو کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور ہمیں کامل ترین ایمان نصیب فرمائے آمین۔ محنت بھی کرنی چاہئے، دعا بھی کرنی چاہئے۔

فرائض میں کوتاہی

ایمان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا ہے، اور اعمال میں سے سب سے اول فرائض کا درجہ ہے، نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، اگر مالی و بدنی استطاعت ہے تو حج فرض ہے، اسی طرح جو حقوق واجبہ ہیں، ان کے ادا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔

ہم سے جو فرائض و واجبات ادا کرنے میں غفلت ہو جاتی ہے، کوتاہی ہو جاتی ہے، یہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں ان فرائض و واجبا کی اہمیت کا اندازہ نہیں، اور ان کو ترک کرنے کے وبال کا احساس نہیں، اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان فرائض میں کوتاہی کرنے سے ہمارا کتنا نقصان ہو رہا ہے تو ہم ان کے بجالانے میں کبھی سستی نہ کریں، کبھی سستی نام کو بھی نہ آئے، اور برا ماحول بھی سستی پیدا کرتا ہے، اچھا خاصہ دین دار آدمی اگر بے دین لوگوں میں چلا جائے، جن کو دین کی پرواہ نہیں، تو یہ بھی ڈھیلا ہو جائے گا، اور ایک آدمی جو دین کے اعتبار

سے سُست ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور وہ کسی اچھی محفل میں چلا جائے، اچھے ماحول میں چلا جائے، وہاں اس کو کچھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو اس کی سستی بھی کافور ہوجائے گی، ہمارے وہ نوجوان جو پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جب تبلیغ میں نکلتے ہیں تو تہجد بھی پڑھنے لگتے ہیں، اور چند دن میں تہجد گزار بن جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو مسجد کا پاکیزہ ماحول ملا ہے، اور معاشرے کے گندے ماحول سے ان کو نکلنے کا موقع ملا ہے، اس وقت تو ان کا ماحول محدود ہوتا ہے، شب و روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننا سنانا ہوتا ہے، ذکر ہے، تسبیح ہے، نماز ہے، دعوت ہے، الغرض تبلیغ میں نکلنے کے بعد آدمی کو سراپا خیر کا ماحول مل جاتا ہے، اور آدمی کے مزاج پر اس ماحول کے اثرات پڑتے ہیں، اس لئے میں اپنے عزیز نوجوانوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کو ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ یہاں کے زہریلے ماحول نے ان کے مزاج میں جو زہریلے اثرات پیدا کردیئے ہیں تبلیغ میں نکل کر ان کے مزاج کی اصلاح ہوجائے، اور اس زہر کا تریاق مہیا ہوجائے۔

نیک اعمال میں کوتاہی

اور تیسری قسم کی سستی یہ ہے کہ ان چیزوں میں کوتاہی جو فرض نہیں ہیں، واجب نہیں ہیں، فرائض اور واجبات کو تو آدمی ادا کرتا ہے، لیکن دوسری جو عبادتیں ہیں نفلی، ان میں نفس کہتا ہے، چلو یہ چیز کوئی فرض تو نہیں، نہ کرو، لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہم نے کتنی دولت کھودی، اور ہمارے نفس نے تساہل پسندی اور سستی سے کام لے کر کتنا خسارہ اٹھایا، اس لئے اس معاملے میں بھی جہاں تک اپنے امکان میں ہو سستی نہ کی جائے، فرائض کے بعد نوافل

ادا کرنے میں اور دوسرے نیک کام کرنے میں، اگرچہ یہ چیز فرائض میں شامل نہیں، مگر آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مرنے والے کی حسرت

ایک حدیث میں ہے:

”قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامتہ یا رسول اللّٰہ! قال ان کان محسنا ندم ان لایکون ازداد وان کان سیئا ندم ان لایکون نزع۔ رواہ الترمذی“ (مشکوٰۃ: ۴۸۴)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے اس کو ندامت ضرور ہوتی ہے، چاہے نیک ہو، چاہے بد ہو، اچھا ہو، یا برا ہو، پھر اس کی تشریح فرمائی کہ نیک آدمی کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ جمع کرلیں، اور برے آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ وہ برائیوں سے کیوں باز نہ آیا، اور اس نے توبہ و استغفار سے تدارک کیوں نہ کرلیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۴)

الغرض نیک آدمی کو بھی یہ حسرت ہوتی ہے، کیونکہ وہاں نیکیوں کا سکہ چلے گا، اب جس کی جیب میں جتنے پیسے ہیں وہ اتنی ہی چیزیں خرید سکتا ہے، اور وہاں چیزیں بہت سستی ہیں، بہت سستی ملتی ہیں، لیکن جیب میں پیسے بھی تو ہوں، تو اس وقت آدمی للچائے گا اور اس کو یہ حسرت ہوگی کہ اے کاش! میں زیادہ سے

زیادہ نیکیاں لے کر آتا، تو آج زیادہ سے زیادہ یہاں کی چیزیں خرید سکتا، وہاں کی چیزیں کیا ہیں؟ جنت کے درجات، وہاں نیکیوں کے حساب سے درجات ملیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ دنیا سے اپنا نیکیوں کا حصہ لے کر جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔

سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز

اس کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تم کو سکھادی ہے، اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے، ہدایت کو واضح کردیا ہے" اب چلنا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو، اور چلتے رہو اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے "تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کردے جھوٹوں کو"۔ سچے اور جھوٹے الگ الگ ہوجائیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ کردیتے ہیں، لیکن اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، جب یہ اعلان ہوگا: "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون" (سورۃ یٰسین)
"اے مجرمو! تم الگ ہوجاؤ"۔

نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ جب حکم ہوگا کہ اے مجرمو الگ ہوجاؤ! مجرم فرماں برداروں سے الگ ہوجائیں گے، تو اس وقت سچے اور جھوٹے کے درمیان پورا امتیاز ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری پردہ دری نہ فرمائے اور ہماری حالت پر رحم فرمائے آمین۔

مخلوق کے ساتھ انصاف کرو

آگے فرمایا "تو تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کیا تم پر"

قرآن کریم میں قارون کی قوم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ قارون کو نصیحت کرتے ہوئے لوگوں نے یہ کہا "اس خزانے پر اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، تم اپنے اس خزانے اور مال و دولت کے ذریعہ آخرت کا گھر تلاش کرو، اور دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو"۔ دنیا میں تمہارا اتنا حصہ ہے، دو روٹیاں کھالیں، کپڑا پہن لیا، رہنے کا مکان ہو ٹوٹا پھوٹا، تمہاری جو بنیادی ضروریات ہیں، جن پر زندگی کا مدار ہے یہی تمہاری ہیں اور بس، اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہیں"۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"یقول ابن آدم مالی، مالی قال وھل لک یا بن آدم الا یا اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فامضیت" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)

"آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال، میرا مال، آدم کے بیٹے! تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو نے کھالیا، کھاکر ختم کردیا، پہن لیا، پہن کر بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا اور اپنے لئے ذخیرہ کردیا، اس کے علاوہ جتنا مال ہے وہ تیرا نہیں ہے تجھے غلط فہمی ہے یہ تو دوسروں کا ہے"۔

تو قارون کی قوم اسے نصیحت کررہی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے، اس سے آخرت خریدو، ایک بات، دوسری بات یہ کہ دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو کہ تمہارا حصہ بس اتنا ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم دوسروں کو دو، اور یہ نہ سمجھو کہ دوسروں کو دوں گا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔ اپنی ضرورت رکھ کر باقی دوسروں کو دے

دو، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ خرچ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میں گھر میں صدقہ وغیرہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا ہاں کرسکتی ہو اور پھر فرمایا:

"ولا تحصی فیحصی اللّٰہ علیک ولا توعی فیوعی اللّٰہ علیک"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۴)

ترجمہ: "اور گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دیا کرے گا اور بند کرکے نہ رکھا کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بند کردے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان گنت دیا ہے، تم بھی ان گنت دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو فیاضی سے دیا ہے تم بھی فیاضی سے دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی ہے، اس طاقت کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرو، مال دیا ہے مال کو خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے۔ اسی طرح جتنی صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان کو خلق خدا پر خرچ کرو اور ان پر رحم کرو۔ مشہور حدیث ہے:

"الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۵)

ترجمہ: "مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہو"۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"الراحمون یرحمھم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

تم زمین والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو

اس کے بعد فرمایا: وعادوا اعدائہ "اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت رکھو، اگر اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی نہیں تو تمہیں پاس محبت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی نہیں تو پاس غیرت نہیں ہے، اور یہ دونوں علامتیں ہیں ضعف ایمان کی اور اللہ تعالیٰ سے کمزور تعلق کی۔ ایک حدیث میں ہے:

"من احب للّٰہ، وابغض للّٰہ، واعطی للّٰہ، ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴)

ترجمہ: "جس نے محبت کی اللہ کے لئے، اور دشمنی کی اللہ کے لئے، اور جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

"ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالٰی الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ۔ رواہ احمد" (مشکوٰۃ: ۴۲۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو سب اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل ہے اللہ کی خاطر کسی سے محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا"۔

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں یہ چیز مفقود ہے، کیونکہ ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مفقود ہے یا کمزور ہے، جب کہا جاتا ہے، کہ فلاں قسم کے لوگوں کے ساتھ لین دین نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ بھی تو لین دین کی اجازت ہے، جب کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو جو دین اسلام کے باغی ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں مثلاً مرزائی، ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلاؤ اور خود ان کی تقریبات میں نہ جاؤ، تو آپ لوگ بہانہ بنالیتے ہیں، اور میں ویسے بھی آپ لوگوں کو جیل تو نہیں بھجوادوں گا، (میرے سامنے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) لیکن اگر کل اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرلیا کہ میرے دشمنوں سے کیوں تعلق رکھا تھا تو پھر کیا جواب ہوگا؟ وہ جواب سوچ کر لے جائیے۔

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "عادوا اعدائہ" "اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ دشمن سے دوستی رکھنے والا دشمن ہوتا ہے، اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے، گویا تم اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی دشمنی کا اعلان کرتے ہو، تم اپنے دنیاوی تعلقات میں ایسے لوگوں سے تو قطع تعلق کرلیتے ہو جو تمہارے

دشمنوں سے دوستی رکھتے ہوں، تم ان کے یہاں نہیں جاتے، کیونکہ وہ فلاں فلاں آدمی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ تمہارے تعلقات کشیدہ ہیں، تمہاری انا اس کو برداشت نہیں کرتی کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے تعلق رکھو، تو ذرا سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس چیز کو کیسے برداشت کرے گی کہ تم اس کے دشمنوں سے تعلق رکھو۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کرو

آگے ارشاد فرمایا کہ: "وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ" "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا"۔

اس کے راستے میں جہاد کرنے کا کیا حق ہے؟ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کردو۔ اور کہو کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جہاد میں دو صحابیؓ گئے، ایک کہنے لگے کہ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تم دعا کرو تو میں آمین کہوں گا۔ ایک نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ! کل کافروں سے مقابلہ ہونے والا ہے، میرے مقابلہ میں بڑا سا کافر آئے، جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن ہو، میرا اس سے سخت مقابلہ ہو، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں اس کو قتل کردوں، دوسرے نے کہا آمین، اب دوسرے نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ! کل مقابلہ ہونے والا ہے، پہلے میں کافروں کو قتل کردں، اس کے بعد مجھ کو جام شہادت نصیب فرما، میں تیرے راستے میں شہید ہوجاؤں، جب آپ قیامت کے دن مجھ سے پوچھیں کہ

تجھے کیوں زخمی کیا گیا، کیوں قتل کیا گیا، کیوں تیرے تلوار ماری گئی، کیوں تجھے نیزہ لگایا گیا؟ تو میں کہوں یا اللہ یہ آپ کی خاطر کیا گیا ہے، صرف آپ کی خاطر آپ کے نام کے لئے۔ جیسے حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہ نے اپنے احباب سے فرمایا تھا کہ ہماری قبر پر یہ شعر لکھ دینا ؎

بہ لوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

"ہماری تربت کی لوح پر لوگوں کو غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی ملی کہ یہ جو اس قبر میں مقتول پڑا ہوا ہے بے گناہی کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہیں تھا"۔

حضرت قدس سرہ کو شیعوں نے شہید کر دیا تھا، مغرب کے بعد گھر میں گھس گئے اور ذبح کر دیا، شہید فی سبیل اللہ ہو گئے۔

غرضیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جان و مال پیش کر دو۔ جان مانگے تو جان حاضر، مال کا نذرانہ مانگے تو مال حاضر، قوتوں اور صلاحیتوں وغیرہ کا نذرانہ مانگیں وہ حاضر، وقت مانگیں وہ حاضر، جو مانگیں وہ حاضر، کیونکہ جو کچھ بھی مانگا ہے انہی کی امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان و مال کو خرید چکا ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون"

ترجمہ: "بے شک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے، جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں"۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی برادری کے لئے قتل ہوتا ہے، کوئی جاہ و منصب کے لئے قتل ہوتا ہے، اور مومن محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال کو خرید لیا اور ان کی قیمت ادا کی جاچکی ہے، یعنی جنت۔

آگے فرمایا:

"وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم" (التوبہ: ۱۱۱)

ترجمہ: "یہ اللہ کے ذمہ سچا وعدہ رہا، تورات میں بھی، انجیل میں بھی، اور قرآن میں بھی، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ سو تمہیں خوش ہو جانا چاہئے اللہ کے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہ ہے بڑی کامیابی"۔

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا واہ! واہ! واہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واہ، واہ؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یا رسول

اللہ! اللہ تعالیٰ خود ہی فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جان و مال کا سودا کرلیا ہے، اللہ کی قسم نہ ہم اس سودے کو خود توڑیں گے، نہ توڑنے دیں گے، اب وہ سودا ہوچکا، پکا رہے گا، جو چیز اللہ تعالیٰ نے خریدی ہم اس کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں، اللہ اس سودے کو کیوں توڑیں گے؟ بھئی یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا" مالک کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، کسی تردد اور پریشانی کی ضرورت نہیں، آگے پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں، کوئی جان، مال، عزت، آبرو سے محبت کی ضرورت نہیں، بیوی بچوں سے محبت کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہم سے خرید بھی چکا ہے، اور اس کی قیمت بھی ادا کرچکا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو جو اللہ نے چمکایا اسی بات پر چمکایا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو گھر والوں سے کہہ کر جاتے ہیں کہ چائے بنا کر رکھنا، میں واپس آکر پیئوں گا، اور صحابہ کرامؓ جب مسجد میں جاتے، تو گھر کہہ کر جاتے کہ مسجد میں جارہے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے نہ بھیجا تو واپس آجائیں گے، ورنہ انتظار نہ کرنا، تیار ہو کر جاتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ نصیب فرمائے۔ اللہ کے دشمنوں سے عداوت ہو، اللہ سے تعلق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دل میں عظمت ہو، اور اس محنت پر جو کچھ ملنے والا ہے، اس کی قدر و قیمت دل میں ہو، تو پھر آدمی محض رضائے الٰہی کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے، اور میاں فتویٰ دماغ سے نہیں دل سے لیا جاتا ہے، کسی جگہ دل کا اور کسی جگہ دماغ کا فتویٰ چلتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجائے تو

دماغ سے فتویٰ نہ لو، سوچوں میں نہ پڑو، دل سے فتویٰ لو۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ

اس خطبہ میں آگے ارشاد ہے:

"ھواجتباکم" "اس نے تمہیں چن لیا ہے"۔

یہ قرآن کی آیت ہے۔ غور کرو اللہ کی مخلوق کتنی پھیلی ہوئی ہے؟ پانچ ارب انسانی مخلوق بتائی جاتی ہے، لیکن ساری مخلوق میں سے اللہ نے تم کو اپنے لئے چن لیا ہے، باقی سب کو چھوڑ دیا، تم اللہ کے چنے ہوئے ہو، اور اس چناؤ پر اس کا جتنا بھی شکر بجالاؤ کم ہے۔ بہت سے لوگ ملازمت کے امیدوار بیٹھے ہوں اور گورنر ہاؤس کی نوکری کے لئے ان میں چند نوجوانوں کو چن لیا جائے اور نگاہ انتخاب خود ہی ان پر پڑجائے، نہ درخواست دی، نہ کسی کی سفارش، نہ رشوت دی۔ مالک نے تمہاری درخواست کے بغیر، سفارش کے بغیر اپنے کام کے لئے تم کو چن لیا، اپنے دین کے لئے تم کو چن لیا، تم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہو، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی مجتبیٰ ہے، مصطفیٰ بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہیں اور تم عام انسانوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہو۔ اور صحابہ کرامؓ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعتوں میں سے چنے ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رسول نہیں، صحابہ کرامؓ سے بہتر دوسرے رسولوں کے صحابہ نہیں، اور تم سے بہتر دوسرے نبیوں کی امتیں نہیں۔ مجتبیٰ ہیں، یعنی چنے ہوئے ہیں۔

مسلمان: اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے

آگے فرمایا:

"وسماکم المسلمین" "اسی نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان"۔

مسلم کی جمع ہے مسلمین، ہم مسلم ہیں، مسلم کہتے ہیں فرمانبردار کو، اسی لئے لغت کی کتابوں میں اسلام کے معنی ہیں، گردن ڈال دینا، جو کسی کے آگے اپنی گردن ڈال دے، اس کو مسلم کہتے ہیں، اور اللہ نے ہم کو مسلم کہہ دیا، ہماری سعادت ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ مالک کی طرف سے ہمیں مسلمین کا خطاب دیا جارہا ہے، کہ یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، یہ تم پر عنایت ہے، نوازش ہے، تم بھی کچھ ان کا لحاظ کرو۔ آگے فرمایا:

"لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیا من حی عن بینۃ ولا قوۃ الا باللہ"

ترجمہ: "یہ اللہ نے اس لئے کیا ہے تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ حجت اور دلیل قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہو وہ بھی دلیل اور حجت کے ساتھ زندگی حاصل کرے اور کوئی طاقت نہیں اللہ کے بغیر"۔

لاؤڈ اسپیکر پر درود و سلام پڑھنا ریاکاری ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ جوش میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! تم کسی بہرے یا غائب کو

نہیں پکار رہے" آج کل لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج چل نکلا ہے، بھئی! صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ آخر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کس کو سنانا چاہتے ہو؟ اگر مخلوق کو سناتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم کو ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا؟ بلکہ الٹا موجب وبال ہے، ریاکاری ہے کہ مخلوق کو سنانے کے لئے کرتے ہو؟ اور اگر اللہ کو سنانا چاہتے ہو تو وہ لاؤڈ اسپیکر کا محتاج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاؤڈ اسپیکر تم نے شیطان کے کہنے پر لگایا ہے، اس نے تم کو پٹی پڑھائی ہے تاکہ وہ ریاکاری کے ذریعہ تمہارا ثواب غارت کرے، تمام بدعات کی یہی حالت ہے، میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ سنت میں نور ہوتا ہے اور بدعت میں شور ہوتا ہے، یہ جو گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ساری زندگی ان کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں آتی، ان کو سنت سے کوئی شغف نہیں، ان کو کبھی شرم نہیں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لے رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی بنالیں، "میرے مولا مدینہ بلالو مجھے" یوں ہی گارہے ہیں، یہ تو کنجری بھی گاتی تھی ریڈیو پر، وہ نعت خواں بن گئی، تو ارشاد فرمایا "اے لوگو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع وبصیر ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے"۔ ایک بار صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اس کو پکار کر کہیں اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب
دعوۃ الداع اذا دعان"

ترجمہ: ”کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں“۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”قال ابوموسی وانا خلفه اقول لاحول ولا قوة الا بالله فی نفسی فقال یا عبد الله بن قیس الا ادلک علی کنز من کنوز الجنة فقلت بلی یارسول الله! قال: لا حول ولا قوة الا بالله“۔

(مشکوٰۃ:۲۰۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اور زیر لب پڑھ رہا تھا لا حول ولا قوة الا بالله مجھ سے ارشاد فرمایا ”یا عبد اللہ بن قیس! (ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے) تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟“ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے! فرمایا لا حول ولا قوة الا بالله جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے“۔

”لاحول“ نہیں ہے غلطی اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، ”ولا قوة“ اور نہ نیکی اور بھلائی پر جما رہنے کی طاقت، ”الا بالله“ مگر اللہ کی توفیق سے“ جو کچھ ہو رہا ہے مالک کی قدرت سے ہو رہا ہے، کوئی گناہ سے بچتا ہے تو اس کی رحمت سے بچتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی رحمت سے کرتا ہے یہ

معنی ہیں۔ اس کلمہ کے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر اللہ کی فضیلت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد!

"فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الیوم، فانہ من یصلح ما بینہ وبین اللّٰہ یکفیہ اللہ ما بینہ وبین الناس، ذالک بان اللّٰہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ، ویملک من الناس ولا یملکون منہ، اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العظیم"۔

(حیات الصحابہ ج:۳ ص:۳۹۷، بدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ: "پس تم زیادہ کرو اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ اور وہ لوگوں پر اختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اور نہیں قوت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ"۔

دین کی بنیادی باتیں

یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا۔ اس خطبہ میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکر الٰہی تمہارے دلوں کی صفت بن جائے، ذکر الٰہی تمہارے دلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دل منور ہوجائیں، اور تمہاری روح اس کی لذت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے "حتی یقال انه مجنون" یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور

دیوانے ہو جاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ تو کثرت ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر زبان سے بھی کرو، دل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم

ذکر کہتے ہیں یاد کرنے کو یا تذکرہ کرنے کو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ ذکر کے اصل معنی یاد کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔

فرمایا: "لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" "تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے"۔

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہو گیا۔ پس اپنی زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہو جانا چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے ؎

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور، پھر حدیث دل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے بس اللہ کے ذکر میں مشغول

ہو جاؤ، یہ ہے کثرت ذکر۔

ذکر کی کثرت مطلوب ہے

قرآن کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ کثرت ذکر کی قید بھی لگائی ہے:
"اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا "اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "کثرت سے اللہ کا ذکر کرو" یہاں پر بھی فرمایا "اللہ کو کثرت سے یاد کرو" اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دل کی صفت بن جائے، اور ذکر الٰہی تمہارے دل کی ایک کیفیت بن جانی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہو جائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دوسری کیفیتوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔ اب اگر دن بھر تو ہم دوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کر لیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکر الٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہو جانا چاہیئے تب قلب کی دوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے

اللہ کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے، اور ذکر الٰہی کے بغیر دل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل الذی یذکرابہ والذی لایذکر مثل الحی والمیت، متفق علیہ"۔ (مشکوٰۃ:۱۹۶)

"مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے"۔

ذکر الٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکر الٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ "یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دل کا"۔ کہ اپنے لطف واحسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

نفس کی ریاضت ضروری ہے

اور ایک بات خاص تجربہ کی عرض کرتا ہوں کہ آدمی کا نفس شتر بے مہار ہے، یہ جلدی سے قابو میں نہیں آتا، یہ اپنی مرضی کا مالک ہے، کبھی اس کی موج ہوئی اور اس کو نشاط ہوا تو سارے کام اس سے کروالو، اور کبھی نشاط نہیں ہوتا تو یہ فرض بھی ادا کرکے نہیں دیتا۔ البیلا قسم کا مزاج ہے نفس کا، کبھی کسی

طرف کبھی کسی طرف، اس میں پختگی اور مستقل مزاجی نہیں۔ جیسے انجان گھوڑا جو سوار کے قابو میں نہیں آتا اور صحیح رفتار نہیں پکڑتا ہے۔ تو یہی حال نفس کا بھی ہے کہ یہ بھی بغیر ریاضت اور سدھانے کے صحیح کام نہیں کرتا۔ اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر روزانہ کا کام لگادو اور اس سے کہہ دو کہ برخوردار اتنا کام تو تم سے کروانا ہے۔ تم چاہے میں کرو چاہے چیں کرو، اتنے دانے تو تجھ سے پسوا کے چھوڑنا ہے۔ تم نوکر ہو، مزدور ہو، اتنی نوکری تو تم سے لینی ہے۔ بھئی ملازم رکھتے ہو تو اس سے وقت پر ڈیوٹی لیتے ہو اور پوری ڈیوٹی لیتے ہو۔ اگر کبھی دیر سے آتا ہے تو تنبیہ کرتے ہو کہ میاں وقت پر آیا کرو، اسی طرح ہم بھی بارگاہ الٰہی کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، بندے ہیں، ہمیں بے شمار نعمتیں دے کر طاعت وبندگی کی ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ تو اللہ کے بندے نفس کے ساتھ طے کرلیتے ہیں کہ بھئی اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، اتنی تلاوت روزانہ کروانی ہے، اتنی نماز تم سے روزانہ پڑھوانی ہے۔ (ایک تو فرض نمازیں ہیں، کچھ نفل نمازیں بھی اس کے ساتھ رکھو، تھوڑی بہت کام دیں گی)۔ اتنا ذکر وتسبیحات تم سے کروانا ہے، اور اسی طرح جن حضرات کو مال عطا فرمایا ہے، وہ نفس کے ساتھ طے کرلیں کہ اتنا صدقہ تجھ سے دلوانا ہے، اسی طرح آگے چلے جایئے کہ نفس سے کہا جائے کہ محلے کے اندر ایک شخص کی اعانت بھی تجھ سے کروانی ہے، ہمارے دعوت و تبلیغ والے حضرات یہ کچھ آگے نکل جاتے ہیں، نیکی میں آدمی جتنا آگے نکل جائے اچھا ہے، اتنا کام تم سے دعوت و تبلیغ کا لینا ہے، مسجد میں آتے ہو تو اعتکاف کی نیت سے بیٹھو، اس سے یہ بھی طے کروالو کہ اتنی دیر تمہیں مسجد میں بٹھانا ہے۔

نفس سے شرائط طے کر کے پھر اس کی نگرانی کی جائے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ اس طرح باتیں طے کرنے کو "مشارطہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی نفس سے ملازمت کی شرائط طے کرنا کہ یہ یہ کام تم نے کرنے ہیں اور جس طرح ملازمین پر ایک نگراں مقرر کر دیا جاتا ہے، کہ ملازم صحیح کام بھی کر رہے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جب تم نے نفس کے ساتھ "مشارطہ" کر لیا اور شرائط طے کر کے اب اس کو کام میں لگادیا تو اس کی نگرانی بھی کرو، اور یہ دیکھتے رہو کہ جتنا کام اس کے ذمہ لگایا تھا وہ ٹھیک سے کر بھی رہا ہے یا نہیں؟ اس کو مراقبہ کہتے ہیں، اور پھر سارے دن کے اعمال پر نظر ڈالتے ہوئے رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ جس طرح دکاندار اپنے ملازمین سے شام کو پورا حساب لیتا ہے۔ اور پھر اگر اس نے اپنے ذمہ کے کاموں میں سستی یا کوتاہی کی تھی اس پر اسے مناسب سزا بھی دو۔ الغرض اپنے نفس کو سدھانے اور رام کرنے کے لئے تمہیں اس کو چار مراحل سے گزارنا ہو گا۔

پہلے مشارطہ کرو، پھر مراقبہ کرو، پھر محاسبہ کرو، اگر کوئی صحیح عذر پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کر لو اور اگر بے جا تاویل کرتا ہے تو اس کے ساتھ "معاقبہ" کرو (یعنی مناسب سزا دینا) اگر اس کو ریاضت کے ان چار مراحل سے گزارو گے تو یہ گھوڑا صحیح چلے گا اور رفتہ رفتہ سیدھا چلنے کا عادی ہو جائے گا۔ ورنہ یہ ہمیشہ شتر بے مہار رہے گا، کہ جدھر منہ اٹھا چل دیا، جی میں آیا تو کچھ کر لیا، ورنہ اڑیل ٹٹو بن گیا، لہٰذا اپنے نفس کو کبھی شتر بے مہار نہ چھوڑو، بلکہ اس پر پابندیاں لگاؤ، اور اس کو مجاہدے کا عادی بناؤ بعض اکابر ایسے ہیں کہ بارہ سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔ چنانچہ مولانا الیاسؒ کا قصہ ہے کہ طبیب نے پانی منع کر دیا تھا تو بارہ سال نہیں پیا۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ آپ نے ذکر اللہ کے فضائل سن لئے، اور سن کر گھر چلے گئے اور بس اتنا کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی حدیث بیان فرمائی تھی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں، سب کچھ سنا مگر اپنے نفس کو عمل کی لائن پر نہیں ڈالا، اگر تم اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے اور اس کو سدھانے سے عاجز ہو تو اس کو کسی شیخ کے سپرد کردو، اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو چلاؤ، گھوڑے کو سدھانے اور اس کو رفتار سکھانے کے لئے سائیس کے حوالے کردیا کرتے ہیں، اور وہ چند دن اس کی ریاضت کراتا ہے، جس طرح گھوڑے کو سدھانے کا ایک مستقل فن ہے اسی طرح نفس کو سدھانے کا بھی فن ہے، اس کو کسی ماہر کے سپرد کرو گے تو وہ اس کے سارے کس بل نکال دے گا، اس لئے عارف فرماتے ہیں کہ ؎

نفس ناتواں کشت الاظل پیر

نفس کی فہمائش کرو

اپنے نفس کی فہمائش کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا مقرر کرلو، اور اپنے نفس کو خطاب کرو، پہلے اسے اللہ تعالیٰ کے انعام واحسانات یاد دلاؤ کہ اے نفس! دیکھ کہ اللہ نے تجھے صحت عطا فرمائی ہے، قوت عطا فرمائی ہے اور تجھ پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں، تیرے لئے خیر اور بھلائی کے تمام اسباب مہیا فرمائے ہیں، پھر اس کو قبر وحشر یاد دلاؤ کہ تجھے دنیا کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، اگر تو نیک بن کر گیا تو تیرے لئے راحت ہی راحت ہے، ورنہ قبر کی تنہائی کا، وہاں کی سختیوں کا، وہاں کے سانپ اور بچھوؤں کا تجھے سامنا کرنا ہوگا۔ الغرض جو کچھ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو یاد دلاؤ، پھر اس سے کہو کہ

تو کچھ کمالے، دنیا سے خالی ہاتھ نہ جا، جب وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس سے پوچھو کہ کتنا کام کیا کرے گا؟ وہ کام اس کے ذمہ لگادو، اگر خود فیصلہ نہیں کرسکتے تو شیخ سے مشورہ کرلو، اور استاد کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بچے بیٹھے پڑھ رہے ہوتے ہیں، اگر میاں جی نہ ہوں تو یہ بچے نہیں پڑھیں گے، استاد سر پر ڈنڈا لے کر کھڑا رہے تو پڑھتے ہیں۔ تو یہ نفس بھی بچہ ہے۔ امام بصیریؒ فرماتے ہیں کہ ''نفس مثل بچہ ہے اگر زبردستی اس کا دودھ چھڑاؤ گے تو چھوڑ گا، ورنہ بوڑھے ہونے تک نہیں چھوڑے گا'' بچہ کتنا ہی بڑا ہوجائے ماں جب تک اس سے زبردستی دودھ نہیں چھڑاتی، نہیں چھوڑتا، جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو دو چار دن ضد کرتا ہے، روتا ہے، چلاّتا ہے، پھر آخر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے، تو بھئی تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے ذمہ ایک مناسب مقدار مقرر کرلیں، کہ اتنا تو درود پڑھا کرو، اتنا استغفار پڑھا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو، یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، واللہ العظیم یہ ہمیں سونے کی کان عطا فرمائی ہے، جتنا چاہو نکالتے رہو سونا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سونا نکلتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں کہ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے؟ اگر اس کو ذکر کا عادی بنالیا جائے تو ہم اس کے ذریعہ کتنا ذخیرہ جمع کرسکتے ہیں۔ سونے کے کتنے ڈھیر اکٹھے کرسکتے ہیں، لیکن ہم سونا بنانے کے بجائے سونے میں وقت گزارتے ہیں، بس سوگئے اور جاگ گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے التجا بھی کیا کرو۔

اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان کو تالو کے ساتھ لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور پھر یوں تصور کرو کہ میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہوں اور اس سے ہم کلام ہوں، پھر اللہ کے ساتھ دل سے باتیں کرو، باتیں کیا کرو گے؟

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

ترجمہ: یا اللہ جتنی تیری نعمتیں اتنا ہی تیرا شکر، اور جتنی ہماری کوتاہیاں اتنی ہی ہماری طرف سے معذرت، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان پر شکر بھی بے شمار ہونا چاہیئے، اور ہمارے گناہ بھی شمار سے باہر ہیں ان پر توبہ بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہیئے۔ اللہ کے انعامات سوچتے رہو اور شکر بجالاؤ، یا اللہ! آپ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، یہ انعامات فرمائے مجھ سے ان میں سے ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہوسکتا، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ ایک حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی:

"اللھم ما اصبح بی من نعمة اوباحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک، فلک الحمد ولک الشکر"۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۲۱۱)

ترجمہ: "یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تین مرتبہ یہ دعا صبح کو پڑھے اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر ادا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کردیا، لیجئے شکر و نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر ارشاد فرمادی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمہ ہو فطرتاً اس کی محبت دل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار

دوسرا مضمون سوچنے کا اپنی کوتاہیاں اور اپنی لغزشیں۔ شیخ عطارؒ کی مناجات کا یہ شعر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

بے گناہ نہ گزشت برما ساعتے
باحضور دل نہ کردم طاعتے

ترجمہ: ”بغیر گناہ کے ہم پر ایک گھڑی بھی نہیں گزری، اور دل کی حاضری کے ساتھ میں نے آپ کی ایک بندگی بھی تو نہیں کی“۔

اپنی زندگی کی ایک نماز بتادو کہ جس میں پورے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے ہو، اور اس حاضری میں اردگرد کی کوئی قصہ کہانی نہ ہوئی ہو۔ ایک بھی نہیں۔ اس طرح اپنی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو

اور پیش کر کے اس کی مغفرت چاہو۔

اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو

ایک تیسری چیز ہے وہ تمہارے مطلب کی ہے۔ اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، بس یہ تین مضمون ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان تالو سے لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو۔ اللہ کے انعامات کا استحضار کرو، ان پر شکر بجالاؤ، اپنی کوتاہیوں کا استحضار کرو اور ان پر معافی مانگو، اور تیسرا اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھو، اور ان حاجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو، اپنی درخواست پیش کرو، یا اللہ میرا یہ کام کردیجئے۔ اس التجا اور دعا میں اپنے نفس کی اصلاح کی بھی التجا کرو۔ چلو بیڑا پار ہوگیا۔ یہ میں نے تمہیں کیمیا کا نسخہ بتایا ہے، لیکن اس کی قدر کون کرے گا؟ کوئی نہیں، بے وقت بے ضرورت چیز مل جاتی ہے، مفت میں مل جاتی ہے، لوگ قدر نہیں کرتے۔ کوئی شخص دو روپے کے جوتے کو سو روپے کی شال سے صاف کررہا تھا، کسی نے کہا کہ تو بڑا احمق ہے، اتنی قیمتی شال کے ساتھ ٹوٹا ہوا جوتا صاف کررہا ہے، کہنے لگا جوتا میں نے خود خریدا ہے، شال باپ کی وراثت میں ملی ہے۔ یہ کیمیا کا نسخہ تمہیں بہت سا خرچہ کر کے معلوم کرنا پڑتا تو تمہیں قدر ہوتی۔ بیٹھے بٹھائے مل گیا، کوئی بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بڑی بات ہے پانچ منٹ نکالو، دس منٹ نکالو، اللہ تعالیٰ سے مناجات کیا کرو، پھر دیکھو دل کو کیسی راحت نصیب ہوتی ہے، کیسا سکون نصیب ہوتا ہے، اور باطن کی ترقی کتنی ہوتی ہے، پھر اندازہ کرو گے۔

خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شریفہ کا جو حصہ پڑھا اس میں دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا: "واعملوا لما بعد الیوم" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور آج کے دن کے بعد کے لئے عمل کرو"۔

کل کی تیاری آج کرو

آج کے دن کے بعد سے مراد ہے اس زندگی کے بعد والی زندگی، جو موت سے شروع ہوگی، پھر قبر کی زندگی، پھر حشر کے طویل دن کی زندگی، پھر جنت کی دائمی اور ابدی زندگی۔ اس کے لئے عمل کرو، اور اس زندگی سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے کما کرلے جاؤ۔ دنیا کے تمام عقلاء پس انداز کرنے کے قائل ہیں کہ جتنا آج کمایا جائے وہ سارے کا سارا آج ہی ختم نہ کردیا جائے، بلکہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ آڑے وقت کے لئے جمع کرکے رکھا جائے، ہاں! کوئی قلندر قسم کا آدمی ہو، وہ تو پس انداز کرنے کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ بچاکر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دے دیں گے ع

خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکل را

یہاں ان جیسے لوگوں کی بات نہیں، ہمارے جن لوگوں کو عقلمند سمجھا جاتا ہے، ان کی بات کرتا ہوں کہ عقلمند لوگ پس انداز کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازمین سے گورنمنٹ ان کا (G.P) فنڈ کاٹ لیتی ہے۔ (گویا یہ جبری پس انداز کرنا ہے) کہ اگر ان کو پوری تنخواہ دے دی تو یہ تو خرچ کرلیں گے، بعد میں جب ریٹائر ہوجائیں گے تو ان کے پاس کچھ رہے گا نہیں۔ بعد میں جب ان

کے پاس کام نہیں رہے گا اس وقت ان کو دے دیں گے، اس لئے اس تنخواہ کا کچھ حصہ کاٹ لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اصول تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے کہ آج کما کر آج ہی نہ کھالو، بلکہ کچھ پس انداز بھی کرو، کچھ بچا کے رکھو، عقلاء کا یہی اصول ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ عقلائے زمانہ کی عقل صرف دنیا تک محدود ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری پوری دنیا کی زندگی وہ آج کا دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی "کل کا دن" ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعملوا لما بعد الیوم" یعنی کل کے لئے عمل کرو۔ اگر دنیا ہی میں کما کھا کر خالی ہاتھ چلے گئے، تو یہ عقلمندی کی بات نہیں، یہ بڑے بڑے عقلاء جو ہمیں مشورہ دے رہے ہیں پس انداز کرنے کا، بچت کرنے کا، وہ خود دنیا میں کھا پی کر چلے گئے، کل کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا، جو یہاں کمایا تھا یہیں کھا پی لیا، نہیں بھائی! ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ بے عقلی کی بات ہے، آج کے بعد کے لئے عمل کرو۔ یہ کھانا کمانا تو زندگی کے لئے ہے، اور زندگی کا مقصد کچھ اور ہے، پس اعمال کا اتنا ذخیرہ جمع کرو، جو ہمیں کل کام دے۔

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

آگے یہ فرمایا کہ "بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملہ میں اس کی کفایت فرمادیتے ہیں"۔ گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے گا

اللہ تعالیٰ اس سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم ہمارا کام کرو، تمہارا کام ہمارے ذمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط لکھا کہ "مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کیجئے، بات لمبی نہ ہو، مختصر ہو تاکہ اسے حرزِ جان بناؤں"۔ اکابر کا ہمیشہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ بزرگوں سے نصیحت طلب کرتے تھے۔ علامہ شعرانیؒ نے اپنی کتاب "تنبیہ المغترین" میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ جب بڑوں کی خدمت میں جاؤ تو ان سے نصیحت طلب کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ خود بھی صحابی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود بھی سنے ہیں، لیکن جن کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، ان کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں خط لکھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے عائشہ ام المؤمنینؓ کی جانب سے معاویہؓ کے نام! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی خاطر انسانوں کو ناراض کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے انسانوں کی ناراضگی کی خود کفایت فرماتے ہیں۔ (کہ ان کی پرواہ نہ کرو ان کو راضی کرنا ہمارا ذمہ رہا)، اور جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کردیتے ہیں (کہ کرو ان کو راضی، میں دیکھتا ہوں تم کتنے لوگوں کو راضی کرلیتے ہو)۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۴۳۵)

اور یہی مضمون اس خطبہ شریفہ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ صحیح کرلے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کی خود کفایت فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہم سے

تم معاملہ درست رکھو، تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو معاملہ ہے اس کو ہم پر چھوڑدو، وہ میں درست کرلوں گا، تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ کوئی ناراض ہوتا ہے، لوگ ناراض ہوجائیں گے تو ہم ان کو بھی راضی کردیں گے، بھئ یہ بھی بڑے امتحان کی بات ہے، آزمائش کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے، دوسری طرف لوگوں کی رضامندی ہے، اگر اس کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور نہ کرے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے دوراہے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہم میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کردے گا۔ مخلوق کو راضی کرلو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود راضی ہوجائے گا، بڑا غفور اور رحیم ہے۔ اور یہیں سے لوگوں نے ایک فقرہ تصنیف کرلیا ہے، اللہ کو راضی کرنا آسان ہے لوگوں کو راضی کرنا مشکل ہے، تو آسان کام کیوں نہیں کرتے؟ مشکل کام کیوں کرتے ہو؟ واقعی بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، پہلے تو بیوی بچے ناراض ہوجاتے ہیں، پہلے اپنے گھر سے مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ لوگوں کو داڑھی رکھنے کا کہتا ہوں تو اس کے جواب میں بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بیوی نہیں مانتی۔ اور یہ بیوی کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے قاصر، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا آسان، اور بیوی کو ناراض کرنا مشکل۔ یہ جو میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بزرگوں سے اس کی اجازت لے رکھی ہے، بغیر اجازت کے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں نے اس کی سند لے رکھی ہے، میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ پر محبت کے رنگ کا بڑا غلبہ تھا۔ اور میرے

اکابر مجھ جیسے بے مروت نہیں تھے، اکابر اور ولی اللہ لوگوں پر مروت کا بڑا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر روک ٹوک کرنا، یہ تو حضرت کے مذہب ہی میں نہیں تھا، میں نے جتنی زندگی حضرت کی خدمت میں گزاری، کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سراپا محبت وشفقت تھے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ تو میں نے ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں عرض کیا کہ مجھ سے لوگوں کا داڑھی منڈوانا برداشت نہیں ہوتا، میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہہ دیتا ہوں۔ عادت مبارکہ تھی کہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیتے اور سوچ کر بات کرتے تھے، فوراً نہیں، تو حضرتؒ نے میری بات سن کر سر جھکا لیا، اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مولوی صاحب ضرور کہا کریں، تو حضرتؒ کے یہ الفاظ ہیں، تو میں نے کہا کہ الحمدللہ ہم کو تو شیخ کی سند مل گئی، اس لئے ہم کہتے ہیں اور الحمدللہ نفع بھی ہوتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ تنبیہ ہوجاتی ہے تو لوگ مان جاتے ہیں، اور اگر کوئی توجہ نہ دلائے تو خود بھی توجہ نہیں ہوتی۔ کبھی خود اتفاقاً توجہ ہوجائے تو الگ بات ہے۔ تو کہتے ہیں کہ بیوی نہیں مانتی، بعض نوجوان سختی سے شکایت کرتے ہیں کہ اماں نہیں مانتی، ابا نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اگر تم نے داڑھی نہ منڈوائی تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ الغرض بڑا امتحان ہے، خصوصاً نوجوانوں کے لئے اور بھی مشکل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ خود مختار نہیں ہوتے، والدین کے ماتحت ہوتے ہیں، اور والدین ہیں بے دین، ان کو دین کی قدر نہیں، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر ان کے دل میں نہیں، تو یہ نوجوان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، مگر والدین نہیں مانتے، ایسے نوجوان بے چارے کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اور گھر سے نجات ملے

تو دوست احباب کا حلقہ شروع ہوجاتا ہے کہ ارے تم مُلّا بن گئے ہو۔ اس کے بعد برادری پھر معاشرے کا مسئلہ آجاتا ہے۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ چلیں، لوگوں کو راضی کرکے چلیں اور وہ راضی ہوتے نہیں، ''نہ نومن تیل ہو نہ رادھا ناچے'' نہ مخلوق راضی ہو نہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساٹھ سال بعد تم وہیں کے وہیں ہو اور معاشرہ بھی وہیں کا وہیں ہے، تم اگر مخلوق کو راضی کرکے چلنا چاہو تو ایک قدم بھی نہیں اٹھاسکتے، اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اشکال کا حل فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے معاملے کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو خود ہی درست فرمالیں گے، انشاء اللہ۔ تم کسی کی پرواہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، لوگ جھک مار کر خود ہی تمہارے ساتھ چلنے لگیں گے، ساری دنیا راضی ہوجائے گی، سارے راضی ہوجائیں گے، تم ایک کو راضی کرلو، ساری دنیا کو ناراض کردو، وہ ایک، ساری دنیا کو راضی کردے گا، اور اگر تم دنیا کو راضی کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلوگے تو وہ تم سے سب کو ناراض کردے گا، جیسا کہ اس نے آج کل تمہارے درمیان فتنہ وفساد ڈالا ہوا ہے، بیوی، میاں کی نہیں بنتی، بھائی، بھائی کی نہیں بنتی، دوست احباب کی نہیں بنتی، اور آپس میں دو آدمی جس کام میں شریک ہیں، ان دونوں کی نہیں بنتی، کیونکہ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بنائی، وہ تمہاری نہیں بننے دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلے کرتے ہیں، لوگ اللہ پر فیصلہ نہیں کرتے، اور اللہ لوگوں پر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور تم لوگ اللہ پر اختیار نہیں رکھتے، ہم یہ آیۃ الکرسی میں پڑھتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے'' اللہ تعالیٰ تمام انسانوں

کے اور اس کائنات کے ماضی و مستقبل کے ذرے ذرے سے واقف ہے، اور بندوں کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بتادے، بندوں کو اس کے علم میں سے کسی شئے کا علم نہیں ہے۔ بالکل یہی قصہ ہے قدرت کا بھی، اللہ تعالیٰ کو تمام انسانوں پر قدرت کاملہ ہے، کافروں کو مومن بنادے، اس کو قدرت ہے، مسلمانوں کو کافر بنادے اس کو قدرت ہے، غنیوں کو فقیر بنادے اس کو قدرت ہے، فقیروں کو غنی بنادے اس کو قدرت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، دوستوں کو دشمن بنادے، دشمن کو دوست بنادے اس کو قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں پر پورا اختیار رکھتے ہیں، اور انسان اللہ پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟ تمام حکومتیں مل جائیں، تمام لوگ مل جائیں، اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتے اس کا فیصلہ تو چل کے رہے گا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے وہ تو ہو کے رہے گا، تو عقل مندی کی بات یہ ہوگی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کرلو، مخلوق کے ساتھ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو، پرواہ نہ کرو ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

چند دن میں معاملہ صحیح ہو جائے گا، یہی لوگ جو بگڑے ہوئے ہیں سر جھکا کر آئیں گے، چنانچہ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سب پر چلتا ہے، پر اس پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، وہ سب کا مالک ہے مگر اس پر کسی چیز کا کسی کو اختیار نہیں، لہٰذا اس پر کامل یقین اور توکل رکھو، اس کی خاطر سب کو چھوڑ دو، مگر کسی کی خاطر اس کو نہ چھوڑو۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ:

"اللّٰہ اکبر، ولا قوۃ الا باللہ العظیم" "اللہ اکبر" کا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، ہر بڑے سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، کوئی نہیں، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے یعنی اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے وہ ان سب سے بڑا ہے، مگر عارفین کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حد تصور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک تمہاری حد تصور جاسکتی ہے اس سے بھی بڑا ہے، مخلوق کے ہر قیاس اور پیمانے سے بڑا ہے، اس کی بڑائی تک کسی کے وہم وخیال کی رسائی نہیں، اس کی عظمت اور بڑائی تمہارے کسی پیمانے میں نہیں آسکتی، کیونکہ اس کی ذات بھی لامحدود، اور صفات بھی لامحدود، ہم کیا چیز ہیں؟ آسمان و زمین کی ساری مخلوق بھی اس کی بڑائی کا تصور کرنے سے عاجز ہے، وہاں جبرئیل (فرشتہ) کو پر مارنے کی جگہ نہیں، ہماری تمہاری کیا وقعت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ۷۰ پردے نور کے ہیں، اگر ان میں سے ایک پردے کو ہٹادیا جائے تو جہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچتی ہے وہاں وہاں تک اس کے پاک چہرے کی شعاعیں دنیا کو جلاکر راکھ کر ڈالیں گی"۔ (مسلم)

ہم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا نہیں، اور سچ یہ ہے کہ پہچان بھی نہیں سکتے، نطفے سے پیدا ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانے گی۔

> "عن زرارۃ بن اونی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لجبرئیل ھل رایت ربک فانتفض جبرئیل وقال یا محمد ان بینی

وبینہ سبعین حجابا من نور وکودنوت من بعضھا لاحترقت......" (مشکوٰۃ: صفحہ ۵۱۰)

"ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی؟ تو جبرئیل علیہ السلام کانپ گئے اور کہنے لگے توبہ اتنی طاقت جبرئیل کی آنکھوں میں کہاں، میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے ایک کے بھی قریب جاؤں تو جل کر راکھ ہو جاؤں"۔

اللہ تعالیٰ ایسی عظمت والا ہے، اور ہم اس کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دیتے، اس کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کیسی حماقت اور بے وقوفی ہے؟ نعوذ باللہ، استغفر اللہ، ہمیں ہر نماز کے ہر انتقال میں اللہ اکبر کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اوپر کھل جائے، اور مخلوق کی عظمت ہمارے دل سے نکل جائے، اللہ کا رنگ ہم پر غالب آجائے، اور مخلوق کا رنگ اتر جائے، یہ اللہ کی رنگت ہے اور اللہ کی رنگت سے بہتر کس کی رنگت ہو سکتی ہے؟ آخر میں ارشاد فرمایا: کہ "جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کی طاقت اللہ عظمت والے کی طرف سے ہو سکتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، طاقت نصیب فرمائے، اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غیبت

ایک اخلاقی برائی - ایک گناہِ کبیرہ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمده ونستعینه ونستغفره و
نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور
انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یهده اللّٰہ
فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد
ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشریک له ونشهدان
سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله
صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اٰله واصحابه
وبارک وسلم تسلیماً کثیرًاکثیرا۔ اما بعد!
”وقد اخرج ابو یعلی عن البراء رضی اللہ
تعالی عنه قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم حتی اسمع العواتق فی بیوتها۔
او قال: فی خدورها۔ فقال: یا معشر من آمن
بلسانه ولم یدخل الایمان قلبه، لا تغتابوا

المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه؟ الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في جوف بيته۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۳): ورجاله ثقات۔

واخرجه الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما نحوه، الا ان في روايته لا توذوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه المسلم هتك الله ستره۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۴) ورجاله ثقات۔

واخرجه البيهقي عن البراء نحوه۔ كما في الكنز (جلد۸ صفحہ۲۰۰)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، یا (یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت ان لوگوں کی، جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو

اس کے گھر بیٹھے رسوا کردیں گے۔ یہ ہی خطبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اہل ایمان کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے"۔

غیبت کے بارے میں حضور ﷺ کا خطبہ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطور خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ:

"اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا"۔

غیبت اور تجسّس منافقین کی عادت تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا مسلمانوں کا نہیں۔

غیبت کی مذمت قرآن کریم میں

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

"یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن، ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الایمان، ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون ○ یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ، واتقوا اللہ، ان اللہ تواب الرحیم ○"

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ

پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟
اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک
اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے"۔ (بیان القرآن)

ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازے کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑا آدمی تھا (دین یا دنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا یا استاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

"میں" کہنے کے بجائے اپنا نام بتانا چاہیئے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، فرمایا "میں، میں" گویا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا، کہ میں، میں کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ۔ اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔ ایک میں کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبہ کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی، اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔

مذاق اور مزاح میں فرق

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا۔ دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزت کو ہلکا کرنا اور جس شخص کا مذاق اڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارا سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کررہا تھا، اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔

خوش طبعی میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلاف واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ میں تو مذاق کررہا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا۔ مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔ ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت عورتوں کا مذاق اڑائے تو یہ مروت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے تو یہ خلاف حیا ہے۔ تو گویا کہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اڑائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم۔

بڑے آدمی کا مذاق اڑانا رذالت ہے

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ درست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ

تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہوگا جس طرح کہ کوئی ماتحت انجانے میں اپنے افسر اعلیٰ کا مذاق اڑائے۔ پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اڑالیا، بعد میں جب پتہ چلا تو معذرت کرنے لگا۔ تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

کسی پر طعن کرنا

دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ سورۃ الھمزہ میں ایسے شخص کے لئے "ویل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہو جائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے۔ اکابر فرماتے ہیں "صدور الاحرار قبور الاسرار" یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ تو وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دوسرے کو طعن کرو۔

طعنے دینا عورتوں کی خصلت ہے

عورتیں بیچاری اس معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہوتی ہیں، ان کی یہ خاص بیماری ہے۔ خصوصاً اگر عورتوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو خوب طعن و تشنیع کرتی ہیں، اور ایک دوسری کی غیبتیں کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تھانیدار تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے بہت سارے خفیہ قتل عورتوں کے ذریعے معلوم کئے ہیں، دیہاتی عورتیں جب رات کو رفع حاجت کے لئے جاتی ہیں تو دنیا جہاں کی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں بھیس بدل کر زنانہ لباس میں چلا جاتا تھا، رات کا اندھیرا ہوتا تھا، عورتیں قصہ کہانیاں بیان کرتی تھیں اور ان کی باتوں سے قتل کا سراغ لگالیتا۔ تو ایک دوسرے کو طعن نہیں کرنا چاہئے۔

بُرے القاب سے پکارنا

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام

تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کرر کھے ہیں، ان القاب کو استعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی۔

بدگمانی اور تجسّس

دوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا۔ بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا برا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایاکم والظن، فان الظن أکذب۔ الحدیث"

(مشکوٰۃ:)

ترجمہ: "یعنی بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے"۔

بدگمانی کی فتنہ سامانی

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اجڑ جاتا ہے اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کی بات کا الٹا مطلب لے گا اور ہر شخص دوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کر رہے ہیں، تمہیں معلوم ہی ہے، یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے۔ عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

"یمعشر النساء تصدقن ولومن حلیکن، فانی اریتکن اکثر اهل النار" (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: "اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، چاہے تم کو اپنا زیور دینا پڑے، اس لئے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہوگی"۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں نے جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت

عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو، عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت جو بڑی دانا تھی اس نے کہا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ "تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں"۔

عورتوں کی ناشکری

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتون خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دنیا میں اس سے زیادہ دکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، "الحمد للہ! حق تعالیٰ شانہ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے" یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا۔ الاّ ماشاء اللہ۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ کا واقعہ

"الحمد للہ" پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمد الرحمٰن مرحوم، حضرت مولانا عزیر گلؒ جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرت ان دنوں صاحب فراش تھے، چند دنوں بعد انتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصہ سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئیں تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانہ کے لئے دوسروں کے محتاج تھے۔ ہم دونوں گئے تو ان کو اطلاع کی

گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا، بلالو۔ بلالیا۔ سلام کیا، جواب دیا۔ مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اتنے مزے سے "الحمد للہ" کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، "الحمد للہ" ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رواں رواں ان کا الحمد للہ کہہ رہا ہے۔

نعمتوں پر شکر کرو

الغرض ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی الحمد للہ نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی الجھن نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ناممکن ہے۔ پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے۔ ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک شکر گزار عورت کا واقعہ

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل

صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہوگئے۔ کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی۔ بس اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں، سبحان اللہ! کیسی شکر گزار بی بی ہیں۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وقلیل من عبادی الشکور" (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے)۔

اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفران نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمد للہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔ الغرض عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، جو پی ڈی اے (پاکستان ڈیموکریٹک الائنس یعنی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے

اتحاد) کے مطالبات سے بھی زیادہ لمبی ہے۔ ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا اضافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: "مارایت منک خیر قط" کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھدار ہوشیار عقلمند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی الجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا

الغرض، کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا، تو اس کو طعن کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ویل لکل همزة لمزة" (خرابی ہے طعن کرنے والے عیب چین کے لئے)۔

فرمایا کہ ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو، ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں جو اس بیماری میں مبتلا ہے۔ جس طرح حجاج بن یوسف کی تلوار سے کوئی محفوظ نہیں تھا، اسی طرح شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ ہماری زبان کی تلوار سے محفوظ رہا ہو۔ یہ چوڑھے کا چھرا ہے جو نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو۔ نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی

شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم کرنے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے۔ اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو، کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو برا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو برا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کرکے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا۔ پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ جب تم کسی آدمی کی بُرائی کروگے، اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت، زنا سے بدتر ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کررہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ

ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو۔ جب بھی تذکرہ کروگے تو بات کھینچ کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔ تو دو صحابیؓ تذکرہ کررہے تھے کسی تیسرے شخص کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے تھے آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پڑی ہے۔ دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھا اور اس کی لاش اس کو کون کھاسکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا یعنی اس کی غیبت کی وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔ تو اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے، کسی کا غیب معلوم کرنے کے لئے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی۔ اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان لوگوں کے عیوب کو اچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا۔ اور ان کی عزت کو پامال کرنا اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے والے کی سزا

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کرکے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے۔ تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کروگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف

کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رسوا کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہوگیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔ جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کروگے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

دعا

یا اللہ! ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں، یا اللہ! ہمیں قیامت میں رسوا نہ کیجئے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیجئے، اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ضمیمہ
از
"تبلیغ دین" امام غزالیؒ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعظ کے آخر میں امام غزالیؒ
کے رسالہ "تبلیغ دین" سے غیبت کا بیان نقل کر دیا جائے،
تاکہ یہ رسالہ اس موضوع پر کسی حد تک جامع ہو جائے۔

غیبت کی حقیقت

کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے۔ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یا رسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے"۔

مولویوں کا اندازِ غیبت

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں۔ مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے"۔ اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امرا کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ جتارہے ہیں اور ریاکاری کا گناہ کمارہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً یوں بول اٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں" فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے، اس فقرہ کا جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کرلیتے، سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو

متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں"۔

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کرکے گناہ سے سبکدوش ہوگئے۔ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچوگے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اول: مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے

اوپر ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟۔

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی مدد سے کسی کی غیبت کرنا جائز ہے

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتا میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا" اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت

اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کردینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحب حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے، البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم: اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے۔ البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے" یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکو کار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھاکر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہو گا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں، جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے۔ پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو۔ اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ

سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرو اور خیرات کرکے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

توبہ

کیسے کریں؟

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

اس دن ایک دوست نے پرچہ دیا تھا کہ توبہ کیسے کی جائے تو آج مختصر طور پر توبہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں کہتے ہیں کہ توبہ سالکین کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے۔ یعنی سالک جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد رکھتا ہو، اس کا سب سے پہلا کام اور پہلا قدم سچی توبہ کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں۔ بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آجاتا ہے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں یہ مضمون پیدا ہوجائے کہ گناہ کر کے میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوگیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دل میں ندامت پیدا ہوگی اور اس کی علامت دل میں شرمسار اور شرمندہ ہوجانا اور آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکنا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اوپر اٹھا کر نہیں دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے اور قرآن کریم میں ان کی توبہ کی دعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین" (اعراف: ۲۳)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اپنا نقصان کرلیا ہے اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے، اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے"۔

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہوجائے کہ ہم گناہ کر کے مجرم کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں اور ہمارے دل میں ندامت پیدا ہوجائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ التوبۃ الندم توبہ ندامت کا نام ہے۔ کسی شخص کے دل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے،

یہ توبہ نہیں تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں، جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کررہے ہیں، اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الزواجر عن الکبائر" اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی کبیرہ گناہوں پر "جزاالاعمال" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے "گناہ بے لذت" اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے "دوزخ کا کھٹکا" اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں، جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے

ہیں، بہت سے شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہوسکے گا تو یہ دوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

(۳) اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے تو دل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواستگار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے معاف کردیں تو تیسری چیز ہے زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو معاف کرسکتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، یہاں پر آکر شیطان دھوکہ دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تونے کتنے جرائم کئے ہیں؟ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کر کے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہ گار ہوں کہ لائق رحمت ہی نہیں رہا، اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ۔ تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا اور جب بندہ نے حماقت سے گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

اللہ کی شانِ کریمی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو

معاف فرما دیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے سے غلطی ہوئی اور اب یہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا، اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے؟ یہ نہیں فرماتے کہ میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے اب اس کو معاف نہیں کروں گا، نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا، قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کر کے آئے، اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو بلکہ فوراً توبہ

کی تجدید کر کے معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کس کو سزا دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں کو اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں، لیکن ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے اور میں نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا، جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

گناہوں کی نقدی پر مغفرت

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعہ اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعہ بھی جب کہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن وہ ہماری صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق اور حق تعالیٰ شانہ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے اتنا چھوٹا، جتنا چیونٹی کا انڈہ ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرہ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمت خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دل سے تائب ہو کر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے

اور پوچھتا ہے کہ "پھر کروگے؟" وہ کہتا ہے "میری توبہ، پھر نہیں کروں گا" اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، انشاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا، ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم، کوئی بری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ "چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اب توبہ ہی کیا کرنی ہے" اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دوگے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

توبہ ٹوٹنے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بد پرہیزی نہیں کروگے، اس

نے کہا کہ جی بالکل نہیں کروں گا۔ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے ؟ کبھی دنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے ؟ جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ تم نے بدپرہیزی کی ہے؟ کہا جی، بس ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کرکے توجہ کے ساتھ علاج کریں، انشاءاللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا؟ کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر استقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

توبہ توڑنے اور پھر جوڑنے کا فائدہ؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا انتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا، وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دنیا سے تائب ہو کر گیا اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الاعمال بالخواتیم

یعنی "اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے"۔

جب اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کر کے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا، اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد انشاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو دل شکستہ ہو کر توبہ سے نہ ہٹو بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔

کپڑے کا گندہ ہو جانا بُرا نہیں اس کو صاف نہ کرنا بُرا ہے

بھئی! کپڑے کو گندہ کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے لیکن اگر گندہ ہو جائے تو اس کو صابن لگا کر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھو لیا، صاف کر لیا، صابن لگا کر اچھی طرح تمام کے تمام داغ دھبے خوب اتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ ملوث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہو جاتے ہیں تو کپڑوں کو گندہ کرنے سے بچانا چاہئے تھا لیکن جب گندے ہو جائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو کہ گناہوں کے ارتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندہ ہو جاتا ہے، بدبو دار اور متعفن ہو جاتا ہے، میلا ہو جاتا ہے، قابل نفرت ہو جاتا ہے اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، انشاءَ اللہ جب تم بار بار توبہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرو گے کہ یا اللہ تعالیٰ! اب مجھے بچا لیجئے، میں اپنی استعداد و قوت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیجئے، اگر ایسا کرتے رہو گے تو انشاءَ اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہو جائے گی کہ توبہ کرو گے، لیکن گناہ نہیں ہو گا، انشاءَ اللہ۔

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہو گا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو گیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو،

کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہوجائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

(۶) چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہوگئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہوگئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمہ اب بھی باقی ہیں جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمہ فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمہ فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمہ باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا، اسی طرح ضروری ہے، جس طرح کہ آج کی نماز کا ادا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر ادا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمہ نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کرلئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے میں آئندہ سستی نہیں کروں گا اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہوگئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے ازراہ ترحم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو بحال ہوگیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمہ تھیں، وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دنیا کا حاکم اول تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا اور اگر کوئی رحم دل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک

مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو ادا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اڑاتے ہو توبہ کا۔

اسی طرح کسی شخص کے ذمہ روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمہ ہے اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اکسٹھ روزے اس کے ذمہ ہیں ایک روزہ تو چھوڑے ہوئے روزے کی جگہ اور ساٹھ روزے کفارے کے اور یہ ساٹھ روزے لگاتار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہوجائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگاتار کفارہ کے ساٹھ روزے پورے ہوجائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو تو اس کا کفارہ قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے۔ بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کردیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہوگیا اور روزہ کا ناغہ ہوگیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کرکے ساٹھ پورے کرے، البتہ عورت کو جو اس کے خاص ایام کی وجہ سے روزے قضا کرنا پڑتے ہیں وہ اس تسلسل میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع

کردے۔ الغرض جس نے روزے نہیں رکھے تھے وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو ادا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا تو صاحب حق سے معافی مانگے، مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمہ قرض ہے، اس کو ادا کرے اور ادا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

سچی توبہ پر نصرت الٰہی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا کیا کام کرتے ہو، کہا کہ ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہو کر آیا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرتؒ فرماتے

ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اب دوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکہ ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمہ قرض ہے۔ یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ میرے ذمہ ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا، اس شخص کے دل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ میاں! اگر اس کے سامنے جاکر اقرار کرو گے تو تمہیں پکڑوادیں گے، پکڑے جائیں گے، جب تم نے کسی سے رشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکہ ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤ گے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ

میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا۔ یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا میں نے حسبتاً للہ معاف کردیا، تب حضرت نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناسچی توبہ!

تو حقوق اللہ ہوں، یا حقوق العباد ہوں، ان کو ادا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمہ قرض سمجھنا لازم ہے۔ کسی کی دکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مالک کو کہہ دیا کہ جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے، اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانہ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کر کے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکہ کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ، توبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن روٹی، روٹی کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ ہی تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اتاروگے، تب قوت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔

استغفراللہ العظیم، استغفراللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو لیکن دل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کیا، نہ بندوں سے معاملہ درست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہو جائے؟ کیسے ہوگی؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، دل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، ایسا استغفراللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے استغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہو جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل درست ہو جائے، اس کی لائن درست ہو جائے، یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے، جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں میں توبہ کے فضائل بیان کرچکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ارشاد ہے:

”ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطہرین“

(البقرۃ: ۲۲۲)

یعنی "اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو"۔

خلاصہ

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہوجاتا ہے، اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے اور اس سے بدبو دار مادہ رس رہا ہے، اس بدبو دار مادہ کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوجاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ رب العزت سے عہد کرلیں تو انشاءاللہ فوراً معافی مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین

حسد

کی بیماری اور اس کا علاج

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و
نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور
انفسنا ومن سیّات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ
فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد
ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان
سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ،
صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ
وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ امابعد!

حسد کے معنی

حسد ایک بیماری ہے دل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہو گیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں

کے دل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو حسد کہلاتا ہے اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو غبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ رشک کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

صرف دو نعمتیں لائق رشک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

”لاحسد الافی اثنین رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق، ورجل اتاہ اللّٰہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا۔“

(متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

یعنی ”لائق رشک صرف دو آدمی ہیں“۔

یہاں حسد سے غبطہ اور رشک مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی

لائق رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔

"ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کردیا اس کے ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر حق کے راستوں میں"۔

کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابل رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا جانا قابل رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے الٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائق رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائق رشک نہیں، بلکہ لائق رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے "اور دوسرا آدمی لائق رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے" یہ شخص لائق رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائق رشک ہیں۔ گویا دنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا۔ اور وہ اس مال میں اللہ

تعالیٰ سے ڈرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ: "فھذا بافضل المنازل" "یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے"۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "فاجرھما سواء"۔

یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہش نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شاندار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے

کیسی دھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے۔ اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فھو نیتہ ووزرھما سواء"۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح مشکوٰۃ:۴۵۱)

اس کو اس کے ارادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا۔ نعوذ باللہ بڑا بد قسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہوگیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں۔ دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی برائی پر کیا رشک کرنا ہے۔ یہ دو آدمی ہیں قابل رشک، ان پر رشک کرو۔

حسد کا منشأ تکبر ہے

تو ایک ہوتا ہے حسد، یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دل کی بیماری ہے، اور منشأ اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مومن تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانبِ اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا۔ نعوذ باللہ۔ تبھی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا

تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقربین ہیں، حاملین عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکم الٰہی کے تابع ہیں، دل و جان کے ساتھ حکم الٰہی کے مطیع ہیں۔

"لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون۔" (تحریم: ٦)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ

آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدہ میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے، "الا ابلیس" مگر ابلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

"قال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین۔"

کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کرسکتا کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا در حقیقت اعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، (نعوذ باللہ) اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دوسرا منشأ

حسد کا دوسرا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی، یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ

کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی استحقاق ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے سامنے سجدہ کریں نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی استحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی۔ تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے ــــ

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کررہا ہے، اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا، اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جاکر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے

گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا۔ تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب۔"

(رواہ ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۲۸)

ترجمہ: "حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے"۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی برائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوادی جائیں گی،

قیامت کے دن مفلس کون ہو گا؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اتدرون ما المفلس؟" "جانتے ہو مفلس کون ہے؟"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال ودولت نہ ہو، ارشاد فرمایا کہ "میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمہ جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا گیا"۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵ بروایت مسلم)

دوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دشمنی کر رہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کر کے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یارسول اللہ! میرا اور

ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> "ونضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شیئا۔" (انبیاء آیت نمبر ۴۷ پارہ نمبر ۱۷)
>
> ترجمہ: "اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا، اچھا یا برا ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے"۔

وہ صاحب کہنے لگے یارسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں۔ اور یارسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔

اپنی نیکیاں دوسروں کو دینا حماقت ہے

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کر کے پھر اپنے دشمنوں کو، جن سے وہ دشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کررہا ہے، ان کی غیبت کررہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذاء دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلہ میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادہر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم ساری نیکیاں محفوظ کرکے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان، تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں، اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں اور

جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو؟

حاسد شیطان کا چھوٹا بھائی ہے

شیخ نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندے تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے۔ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کررہا، بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کررہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر نعوذ باللہ حکمت کے خلاف کیا۔

شیخؒ فرماتے ہیں کہ جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم وحکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کو دیکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نوّر اللہ مرقدہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ

دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے بھی موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے، تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے لئے دعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حسد کا علاج

ہمارے حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ”حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی کی خوب دعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا“۔ (انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا۔ جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں، لیکن برائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلّف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

علماً کا حسد

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دنیا کے مال ودولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ ومرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں ملا، کبھی ہوتا ہے کسی کے علم وفضل پر، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یہ حسد مولویوں کی خاص بیماری ہے، ایک روایت میں ہے کہ چھ آدمی چھ جرموں کی وجہ سے ایک سال پہلے بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اُمراء وسلاطین ظلم وجور کی وجہ سے، عرب عصبیت (قومی تفاخر) کی وجہ سے، گاؤں کے چوہدری تکبر کی وجہ سے، تاجر لوگ جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے، علماً حسد کی وجہ سے۔ (کنزالعمال صفحہ ۶۸۷ جلدا)

ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الا مانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔" (النساء آیت ۵۸)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق وانصاف کا فیصلہ کرو"۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اقتدار عطا

فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، ارشاد فرماتے ہیں:

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلہ بینکم محرما، فلا تظالموا۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳ بروایت مسلم)

ترجمہ: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"۔

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتے، تو حکام ظلم وجور کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ گھپلا ضرور کرتے ہیں تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے۔ یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر ایجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ میاں اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی، اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ گھپلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم

گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت وامانت سے دھوکہ کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا۔ مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

بدکار تاجر

حدیث شریف میں ہے:

"التجار یحشرون یوم القیمۃ فجارا الامن اتقی وبروصدق"۔ (مشکوۃ صفحہ ۲۴۴ بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ: یعنی "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقوی سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت وامانت سے کام لیا"۔

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھاکر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے۔

ایک نیک تاجر کا قصہ

لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو، مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے

ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے اس میں عیب ہے، میں لے جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتہ چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متاثر ہوا، میرے ایک اور دوست دکاندار تھے میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ حاجی صاحب کیسی ہے یہ چیز؟ وہ فرماتے کہ آپ کے سامنے ہے، کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں، بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں اور نامعلوم کیا کیا کرتے ہیں، دیانت اور امانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت وامانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان اور زمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا،

بلاشبہ! ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز وناجائز کا، حرام و حلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصور ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی برائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اسی لئے حدیث میں فرمایا:

> ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے“۔

نیک تاجر کی فضیلت

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق، سچ بولنے والا، اور امین، امانت سے کام لینے والا ہو اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشھداء۔" (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: یعنی "جو تاجر کہ صادق وامین ہو اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

اُن کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کررہا ہے اور اپنی آخرت بھی بنارہا ہے، بھئی صدق وامانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جب کہ آدمی دوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیز گار ہو۔

قاریوں اور مولویوں کا حسد

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا اس سے مراد علماً بھی ہیں۔ قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

حسد کم ظرفی کی علامت ہے

یہ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب

سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا۔

شیطان کے تین عین

حسد ایسی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی۔ وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا تھا، یعنی فرشتوں کا استاد، وہ عابد تھا اور اتنا بڑا عابد کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

"فاخرج منها فانك رجيم وان عليك اللعنة الى يوم الدين۔" (الحجر: ۳۴، ۳۵)

"نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی"۔

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

"رب فانظرني الى يوم يبعثون۔" (الحجر: ۳۶)

"اے میرے رب مجھے مہلت دیجئے قیامت تک"۔

آپ مجھے راندہ درگاہ تو کررہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کرلیجئے، ظالم عین

غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصہ کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرت فرماتے ہیں کہ شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے۔ یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور جب تک غصہ اترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے عالم تھا عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق محبوب کے حکم پر مرمٹتے ہیں ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علّت ازکار تو

”ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے،
تیرے کاموں میں علتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں“۔

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوب حقیقی کے حکم پر چوں چرا کریں؟ محبوب کی طرف سے جو حکم ہو جائے، عاشق اس کو بجالاتا ہے، اور اگر اہل عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دوسرے لوگ اسے فہمائش کریں کہ محبوب کا جو حکم بجالائے یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے تو وہ کہے گا عقل اور ننگ و نام تمہیں مبارک ہو ؎

مانمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پروا ہے، نہ نام کی

پروا ہے، اگر اس سے عزت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

اہل علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے کچھ کچا۔ بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دھواں ہی دھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں، اور علم کچا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کررہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے اللہ کی رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دوسرا احمق حسد کررہا ہے اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"من طلب العلم ليجاری به العلماء اوليماری به السفهاء اويصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۴ بروایت ترمذی)

''جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے
ذریعہ علماؔ سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا
لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ
میں داخل کریں گے''۔

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیں حسد سے اور تمام امراض روحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دُنیا

کی محبت کے بُرے اثرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یهدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریک له ونشهدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلی اٰله واصحابه وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

فقد اخرج ابو نعیم فی الحلیة۔ عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنه قال لا تزال نفس احدکم شابة فی حب الشئی ولو التقت ترقوتاہ من الکبر الا الذین امتحن اللّٰہ قلوبهم للتقوی، وقلیل ماهم۔ واخرجه ابن عساکر عن ابی الدرداء مثله

كما في الكنز۔ (حیات الصحابہ ص: ۵۱۸ ج: ۳)

واخرج ابونعيم في الحلية عن ابي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: ثلاث من ملاك امر ابن آدم: لا تشك مصيبتك، ولا تحدث بوجعك، ولا تزك نفسك بلسانك۔ واخرج ابونعيم في الحلية عن ابي الدرداء رضي الله عنه قال: اياكم ودعوة المظلوم ودعوة اليتيم فانهما تسريان بالليل والناس نيام۔ وعنده ايضا عنه قال: ان ابغض الناس الي ان اظلمه من لا يستعين على الا بالله عزوجل۔ (حیات الصحابہ ص۵۱۸ ج۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک شخص کا نفس جوان ہوتا جاتا ہے کسی چیز کی محبت میں، خواہ بڑھاپے کیوجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دل کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں''

ترجمہ: ''ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: تین چیزیں بندے کے معاملہ کا مدار ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو، دوم یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔ سوم یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ یعنی اپنے منہ سے

اپنے آپ کو پاک نہ بتاؤ"۔

ترجمہ: "ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے کہ مظلوم کی اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ سب سے ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو اللہ تعالیٰ کے سوا میرے مقابلہ میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔"

یہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کے چند مواعظ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ چاہے اتنا بڈھا ہوگیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہیں۔ منہ نہیں کھلتا لیکن نفس کی جوانی نہیں جاتی وہ اب تک جوان ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو وہ تو مستثنیٰ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں بہت ہی کم۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"یهرم ابن آدم ویشب منه اثنان، الحرص علی المال والحرص علی العمر۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۴۴۹)

یعنی آدمی بڈھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں جیسے جیسے اس کی عمر ڈھلتی ہے ویسے ویسے اس کی یہ دو حالتیں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے طول الامل لمبی لمبی امیدیں یعنی زیادہ زندہ رہنے

کی محبت یہ انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے۔ یہ چیز رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل سرد ہوجاتا ہے تمام چیزوں سے۔ بہتیرا کھالیا، بہتیرا کمالیا اب چھوڑ دیں۔ اللہ نے گھر بار دیا ہے، آل اولاد دی ہے تو دنیا میں بہتیرا کھالیا اب آگے کی تیاری کریں لیکن نہیں بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا۔ اس حالت میں بھی کہ جب پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنی آرزوئیں بناتا رہتا ہے شیخ چلی کی طرح۔ یہ فطرتی چیز ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے خوف خدا ان کے دل میں ہے۔ ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔

ایک درباری شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا۔ سرکاری شیخ الاسلام جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو شیخ الاسلام بنایا ہوا تھا۔ (اللہ معاف کرے) تو بادشاہ اس بزرگ سے بہت ادب سے ملا اور بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو اخلاص سے ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام جل گئے کہ بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے اور ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی ایک تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے ہمارے کام کی یہ چیز نہیں آپ لے جائیے اور ضرورت مندوں کو تقسیم کردیجئے۔ میرے کام کی یہ چیز نہیں ہے۔ دنیا ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک تجربہ کرکے دیکھ لو، کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو۔ وہ خواہ

اپنی جگہ کتنے ہی اس دنیا کے حریص نہ ہوں لیکن جب دوسرے کے دل میں ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں اور روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے سمجھا کہ بادشاہ کے دل میں تو اس کی اور وقعت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یھرم ابن آدم ویشب منه خصلتان"

ترجمہ: آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مال کی محبت اور دنیا میں رہنے کی محبت۔

مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے۔ لیکن نمائش کے طور پر آپ ترک دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہو گیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں؟ یہ سن کر شیخ الاسلام صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "العلماء امناء الدین" "علماء دین کے امین ہیں" "مالم یخالطوا السلطان" "جب تک حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ "بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں" "فاذا خالطوا السلطان فاحذروھم فانھم لصوص الدین" اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے

اقتدار کے قریب ہو کر رہیں تو ان سے بچو کیونکہ وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردہ میں دین و ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں۔

شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے۔ اور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دنیا کی اور اللہ کی محبت جمع نہیں ہو سکتیں

اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ جن کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں پاک اور ناپاک۔ اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے۔ اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس دل کے اندر اگر اللہ کی محبت ہے تو ناپاک (دنیا) کی محبت نہیں ہوسکتی۔ اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ان کے لئے مال و دولت کا آنا جانا برابر ہوتا ہے۔ دنیا آئے خوشی نہیں ہوتی، جائے تو غم نہیں۔ دنیاوی نقصان پر ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سے لوگوں کو نقصان

کی اطلاع پہنچ جائے کہ مال کا نقصان ہو گیا تو دل کا دورہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مال کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔ دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے۔ دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے۔ دنیا کی محبت خارش کی طرح ہے، جتنی آدمی کو خارش ہوتی ہے، اس کو کھجلی ہوتی ہے، خارش کرتا رہتا ہے اس کو مزہ آتا رہتا ہے اور جب خارش بند کر دی جلن شروع ہو گئی۔ ہم لوگ بے حس ہو گئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے

"الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب"

ترجمہ: "سنو اللہ ہی کے ذکر سے اور اللہ ہی کی یاد سے چین آتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے، وہ بیچارے دھوکہ میں ہیں۔ غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے۔ قابل علاج ہے۔ جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی۔ جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا ہم تو بوڑھا ہونا شروع ہو گئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے اور بڑھاپے سے قبر میں قدم لٹکا ہوا ہے لیکن اس کی محبت اب تک ختم نہیں ہوئی۔ تمام عضاء قویٰ جواب دے گئے لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ساتھ لگی ہوئی تھی، یہ بوڑھی نہیں بلکہ اور جوان بلکہ جوان تر ہوتی گئی اور جب یہ مرے گا تو رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی۔ محنت کی تھی ان چیزوں کے لئے، اب ان کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا، ہائے! فلاں چیز کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا

تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، اور نہ ہی قبر کے اندھیرے کے لئے کوئی تیاری کی، نہ کبھی بجلی کی فٹنگ وہاں کی، نہ کوئی ٹارچ کی روشنی لے کے گئے۔ نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا۔ نہ کوئی وہاں کی تنہائی اور وحشت کے لئے سوچا۔ جیسے دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے —— اب یہاں پر سب کما کر یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں چلے گئے۔ کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہو، اگر تو وہاں سے زرمبادلہ لانے کی اس کو اجازت مل جائے تب تو ٹھیک ہے اور اگر سب کچھ وہیں چھین لیا جائے تو اس نے بیس تیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آگیا۔ اس کے دوست احباب، بیوی، بچے پوچھنے لگے کہ کیا لائے ہو؟ کہنے لگا کہ کچھ نہیں لایا ہوں، سب کچھ چھین لیا گیا، ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کررہے ہیں اور جب جائیں گے تو سب کچھ چھین لیں گے۔ جو اپنے اندر تھا وہ تو ساتھ جائے گا۔ باہر کی سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی۔ کپڑے تک چھین لیتے ہیں، اللہ کے بندے یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے تو رہنے دو یار۔ ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کر دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے جانے دو، کہتے ہیں نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے لے جانے کی بھی اجازت نہیں۔ چادر دیں گے لٹھے کی دو چادریں پہنا دیں گے بس۔ نہ عمامہ ہے نہ کھسّہ ہے۔ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو ذلیل کرکے آجاتے ہو لحد میں۔ کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس۔ اے کاش مرنے سے پہلے ہمیں عقل آجاتی۔ اور یہاں سے یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں۔ اللہ والوں سے ان چیزوں کا علاج کروایا جاتا ہے۔ میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ چیز قابل علاج ہے۔ یہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے،

مال کی محبت کس طرح نکل جائے اور مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں۔ شیخ سے اصلاحی تعلق ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تمام معاملات کا مدار:

دوسرا ارشاد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے تمام معاملات کا مدار تین چیزیں ہیں۔ جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ بیڑا پار ہوگیا۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔ دوسری یہ کہ اپنے دکھ کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔ اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو۔ جی میں تو بے گناہ ہوں، اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی بیان کریں گے، زبان سے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ

اپنی مصیبت کی شکایت کسی سے نہ کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ کے سامنے کرو مخلوق کے سامنے نہ کرو۔ جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا مصر میں اور بھائی خالی ہاتھ گئے انہوں نے جاکر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا ”ان ابنکۂ سرق“ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے، اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے عزیز مصر نے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بیٹے نے چوری نہیں کی ہے تمہارے نفسوں نے کوئی بات بنائی ہے، خیر میں صبر جمیل اختیار کروں گا۔

یوسف علیہ السلام تو پہلے سے گم تھے ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا۔ بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی "یا حسرتی علی یوسف" ہائے حسرت حضرت یوسف پر "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی اور اتنا شدید غم تھا کہ گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ بچوں نے کہا "تفتوا تذکر یوسف" آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے "حتی تکون حرضا اوتکون من الھلکین" یہاں تک آپ گھل گھل کر ختم ہوجائیں گے ہڈیاں بھی ختم ہوگئیں غم یوسف میں۔ میں جو سنانا چاہتا ہوں وہ اگلی بات ہے "قال انما اشکو بثی وحزنی الی اللّٰہ" میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی حضرت یعقوب علیہ السلام نے؟ میں نے کبھی تذکرہ کیا کسی بندے کے سامنے؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں، اپنی پریشانی کی بھی، اور اپنے غم کی بھی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو اور کس کے پاس کروں۔ کوئی آفت اور کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں بلکہ اپنی حالت زار کو اس کے سامنے رکھ کر اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے۔ مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو۔ اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو، آسمان والی ہو یا زمین والی ہو، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی۔ ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں "لاتشکُ مصیبتکُ" اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو صرف اُسی کے سامنے کرو۔ "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" حضرت

ایوب صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سامنے کہہ رہے ہیں پروردگار مجھے تکلیف پہنچی ہوئی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں، ہٹاسکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں۔ وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی "ارکض برجلکَ" حکم دیا اپنی ایڑی کو مارو زمین پر۔ جب ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا اور فرمایا: "ھذا مغتسل بارد وشراب" ٹھنڈا پانی بھی پیو اور نہاؤ بھی، غسل کیا اور پانی پیا، پھر کیا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ وہاں فوراً تکلیف دور ہوگئی۔ بتانا چاہتے تھے کہ لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور جب ہٹانا چاہیں تو ان کے لئے تدبیروں کی کوئی ضرورت نہیں۔ چشمہ کا پانی اس سے غسل کیا سب کچھ دور ہوگیا، تمام بیماریاں دور ہوگئیں۔ اپنی تکلیف کا اظہار اللہ کے سامنے کرو، سجدے میں گر جاؤ اور پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" ہمارے مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے کہ آج مجھے شفا ہوجائے گی۔ عرض کیا گیا کہ کس طرح شفاء ہوجائے گی فرمایا کہ میں نے اپنے سجدے میں یہ دعا کی ہے "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" واقعی شفاء ہوگئی۔ تم سے دعا منگواتے اس لئے ہیں کہ انہوں نے دعا قبول کرنی ہوتی ہے اگر منظوری نہ دیں تو تم سے دعا نہ کروائیں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں۔ لیکن جیسے اللہ کے دربار میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر بھی راضی رہو۔ دل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو
گر بہ کشی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے۔ مار ڈالیں آپ کی رضا ہے۔ آپ جو کچھ کریں،

آپ کی جو بھی رضا ہو اس پر راضی ہوں۔ ہمارے مولانا حضرت حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے تھے، علاج مقصود ہے شفا مقصود نہیں۔ تمہارا کام ہے تمہیں علاج بتلایا کرتے رہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ میاں کیا تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟ میں نے کہا حضرت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ پھر تم علاج کرو، کہنے لگے بہت اچھا، فرمانے لگے ہمارے ہاں نزاکت زیادہ ہے پرہیز بہت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ تم علاج شروع کرو نتیجہ مجھے معلوم ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے علاج شروع کیا تو ذرا ہومیو پیتھک کا علاج نازک اور پرہیز بہت ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تھوڑا سا پرہیز ہو۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا۔ معمولی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے۔ حضرت فرمانے لگے کہ یہ ارشاد سن کر سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا، معمولی سی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا۔ بھائی بیماری کا آخری انجام کیا ہے موت۔ کیا مرنا نہیں ہے اس سے کیا گھبرانا۔ ہاں سُنّت ہے علاج کرنا، کرو۔ علاج کی تدبیر کرکے اللہ پر چھوڑ دو۔ چاہیں گے شفا دیدیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا۔ ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے چلئے حاضر ہیں بصد خوشی حاضر ہیں۔

اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو:

اور تیسرے یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ "فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی" اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم اچھے ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں۔ اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ

تعالیٰ بہت بہتر جاننے والے ہیں جو تم میں سے بچنے والا ہے یعنی متقی ہے۔ ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو۔ کیا اللہ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو کہہ سکتے ہو کہ تمہیں بدگمانی ہوئی میرے بارے میں۔ میں ایسا نہیں تھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا اللہ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اللہ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو۔ اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی۔ ایک شخص کی نظر اس پر ہو تو وہ اپنے منہ سے اپنی پاکیزگی اور صفائی پیش نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔ تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ دو آدمیوں کی بددعاؤں سے بچو، ایک مظلوم کی بددعا اور ایک یتیم کی بددعا۔ یہ اس وقت آ کے سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں رات کے دو بجے۔ مظلوموں کی بددعا سے بچو۔ اور یتیموں کی آہ سے بچو، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت فرما رہے تھے، ساتھ چل رہے تھے، رخصت کرنے کے لئے چلتے چلتے آخری جو نصیحت فرمائی وہ یہ تھی "یا معاذ لعلنی لا ترنی بعد ھذا" شاید تم اس کے بعد مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ لیکن میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔

مظلوم کی بددعا سے بچو:

"ایاک ودعوۃ المظلوم" مظلوم کی بددعا سے بچنا، بچتے رہنا "لیس بینہ وبین اللّٰہ حجاب" اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، سیدھی عرش پر جا کر پہنچتی ہے۔ اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے ؎

بترس آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت درحق بر استقبال می آید

مظلوموں کی بددعا سے بچو اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت عرش الٰہی سے اس کے استقبال کے لئے آتی ہے۔ اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ خواہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو۔ اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ۔ اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کردیتی ہے۔ کراچی میں کتنے بچے یتیم کئے گئے ان کی آہیں نہیں لگیں۔ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم اور تختۂ مشق بنایا گیا۔ کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو کہ مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا لگتی ہے واللہ مظلوم اگر کافر بھی ہو اس کی بھی بددعا لگتی ہے۔ فاجر فاسق ہو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے۔ اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی سے زیادتی کرنا کسی کا حق اپنے ذمہ لینا اس سے ڈرو۔ اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی۔ چاہے کتنی معافیاں اللہ میاں سے مانگو، معافی نہیں ملتی جب تک کہ صاحب معاملہ معاف نہ کردے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بُری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلہ میں اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں۔ کوئی تھانہ کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا نہیں جو اس کے ساتھ پیروی کرے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو، مار دو۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے

کہ "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، مجھے یہ دعا پیاری لگتی ہے۔ مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، جن کا دنیا میں کوئی شنوا نہیں ان کی کوئی سننے والا نہیں تو ان کا بھی رب ہے اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے۔ ان کی بھی فریاد رسی کرتا ہے، مدد کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمزور کا کوئی نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا مالک ان کے ساتھ ہے اور جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے، وہ ہوتا ہے۔

مظلوم کا انتقام اللہ تعالیٰ خود لیتے ہیں:

میں نے آپ کو ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے بُرا بھلا کہا وہ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ فوراً اس کے ایک تھپڑ مار دو۔ اس نے ذرا دیر کردی تاخیر کردی۔ وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ بزرگ اس ساتھی سے کہنے لگے کہ تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی تو اس کے تھپڑ لگا دیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی۔ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ٹھیک کیا، لیکن اگر میں انتقام نہ لوں وہ خود انتقام لے لیتے ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اس بزرگ میں منحصر نہیں۔ اس معاملہ میں تم سارے بزرگ ہو۔ جو شخص اپنا انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تبارک و تعالیٰ خود اس کا انتقام لیتے ہیں الاّ یہ کہ تم معاف کردو۔ اللہ سے کہدو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے۔ مقدمہ داخل دفتر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں

کرتے۔ بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ نادان ہیں شاید آپس میں معاملہ درست کرلیں۔ غرضیکہ ایسا شخص جس کا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو۔ مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو۔ اللہ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

صبر

کے درجات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفویض اور تسلیم کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا، یہ حضرات صوفیاء کی اصطلاحات ہیں، اور قرآن کریم میں بھی یہ لفظ آیا ہے: "**وافوض امری الی اللّٰہ**۔" (میں سپرد کرتا ہوں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے) اس کو تفویض و تسلیم کہتے ہیں یعنی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا اور مالک کی جانب سے جو معاملہ ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم کردینا۔ شیخؒ نے فرمایا کہ نہ تو نعمتوں کو حاصل کرنا اپنے لئے اختیار کرو اور نہ مصائب کو دفع کرنا اپنے لئے تجویز کرو۔ نعمتیں تم تک بہرحال پہنچیں گی، جو تمہاری قسمت میں لکھی جاچکی ہیں، خواہ تم ان کے لئے تگ ودو کرو یا نہ کرو، محنت کرو یا نہ کرو، اور مصیبتیں اور تکالیف تم تک آکر رہیں گی خواہ تم ان کو ناگوار سمجھو، ان پر بے قراری کا اظہار کرو یا جو چاہو کرو، یہ مصائب اور تکالیف تم سے ٹل نہیں سکتیں اس لئے اگر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کوئی نعمت آئے تو اس کا استقبال شکر کے ساتھ کرو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا استقبال صبر کے ساتھ کرو، لیکن اس معاملے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔

رونا نہ آئے تو شکل ہی بنالو:

سب سے پہلا درجہ ہے تصبر، یعنی تکلیف کے ساتھ صبر کرنے کی اور اسے سہارنے کی کوشش کرنا، اگر آدمی سے صبر نہ ہو سکے تو صابروں کی سی شکل وصورت بنالینا، جو حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں ان کی شکل وصورت بنالینا بھی اللہ کے یہاں بڑا محبوب ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔" (ابن ماجہ ص۳۰۹) (رویا کرو اور اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی شکل بنالو۔)

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا چاہئے، لیکن ہمیں رونا نہیں آتا، آنکھوں میں آنسو نہیں آتے، دل میں رقت پیدا نہیں ہوتی، بھائی اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی سی شکل تو بنالو، اللہ تعالیٰ اس بہانے سے رونا بھی عطا فرمادیں گے، ہمارے شیخ قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہ وقدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اکابر میں دو بزرگوں کو اخیر شب میں آواز سے روتے دیکھا ہے، ایک اپنے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰؒ کو، دوسرے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو، یہ دونوں بزرگ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے اور بلبلاتے جیسے کسی بچے کی پٹائی ہورہی ہو اور وہ رورہا ہو، لیکن دن کے وقت اور لوگوں سے ملتے وقت ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے، تو اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو واقعۃً اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کا حق ادا کرتے ہیں، اللہ کے سامنے رونا اپنی عبدیت کا اظہار کرنا ہے، حضرت شیخؒ کے یہ الفاظ کہ "جس طرح بچے کی پٹائی کی جارہی ہو" بڑے عجیب الفاظ ہیں۔

تو رونے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے ہیں، تمہیں اگر رونا نہیں آتا تو رونے کی شکل ہی بنالو، اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور اگر گڑگڑانے کی کیفیت پیدا

نہیں ہوتی تو اللہ کے سامنے گڑگڑانے کی شکل بنالو، اور اگر اصل بھی نہیں ہوتی اور نقل بھی نہیں تو پھر پیچھے کیا باقی رہا؟

حضرت بنوریؒ کا جماعت نہ ملنے پر رونا:

ایک دن ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عصر کی جماعت رہ گئی، کیونکہ معتقدین تو بڑا ہجوم کرتے ہیں، پھر ماشاء اللہ جمعہ کے دن تو کیا ہی کہنے؟ غالباً کسی دکان کا افتتاح تھا، حضرتؒ کو لے کر گئے، حضرت نے فرمایا بھائی جمعہ کی عصر کی جماعت اپنی مسجد میں پڑھتا ہوں، میری عصر کی نماز جماعت سے نہ رہ جائے، انہوں نے کہا کہ نہیں جی! ہم پہنچائیں گے، لے جاتے وقت تو لوگ بہت مستعد ہوتے ہیں، اپنے کام کا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا خیال نہیں ہوتا، حضرت بنوریؒ جب واپس پہنچے تو نماز ہوچکی تھی، اس پر حضرتؒ بڑا روئے، اس دن میں نے حضرتؒ کو خوب روتے ہوئے دیکھا، بہت روئے اور فرمانے لگے کہ ہمارے پاس اصل تو ہے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہے، نماز تو ہمیں پڑھنی آتی نہیں بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرلیتے ہیں، یہ نقل بھی ہمارے پاس نہ رہے تو پھر ہمارے پاس کیا رہا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہمیں اس چیز کی قدر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکبیر تحریمہ کا اہتمام:

پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو تین مواقع پر تکبیر تحریمہ میں شامل نہیں ہوسکے، ایک دفعہ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور حضرت بلالؓ سے فرما گئے تھے کہ نماز کا وقت ہوجائے

اور میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ سے کہنا نماز پڑھا دیں گے، چنانچہ نماز کا وقت ہوا، حضرت بلالؓ نے اذان کہی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ نماز پڑھائیں گے؟ انہوں نے کہا "نعم ان شئت" (ہاں اگر تم کہو تو پڑھا دیں گے) چنانچہ کچھ دیر انتظار کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ نماز پڑھائیے، انہوں نے نماز شروع کردی، نماز ابھی شروع ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توجہ دلانے کے لئے تالیاں پیٹنا شروع کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں "وکان ابوبکر لایلتفت" (حضرت ابوبکرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ان کو کسی اور چیز کی طرف التفاف نہیں ہوتا تھا) جب لوگوں نے بہت تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنبہ ہوا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا "کھڑے رہو" انہوں نے اظہار تشکر کے لئے دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھائے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھا دی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا "تم لوگ تالیاں کیوں بجا رہے تھے؟ جب تم میں سے کسی کو نماز میں کوئی چیز پیش آجائے یعنی امام کو متنبّہ کرنے کی ضرورت ہو تو تسبیح کہا کرو کیونکہ جب تسبیح کہی جائے گی تو امام کو تنبہ ہوجائے گا "فانما التصفیق للنساء" (تالیاں بجانے کا حکم عورتوں کے لئے ہے) مردوں کے لئے نہیں، مردوں کے لئے تسبیح ہے یعنی سبحان اللہ کہے، اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب میں نے کہا تھا کہ اپنی

جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھاؤ تو تم پیچھے کیوں ہٹے؟ انہوں نے عرض کیا:

"ماکان لا ابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔"

ترجمہ: "ابوقحافہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہوکر نماز پڑھائے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہوں اور میں نماز پڑھاؤں یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کا ایک واقعہ مرض الوفات میں بھی پیش آیا تھا، طبیعت مبارک ٹھیک نہیں تھی، طبیعت پر ثقل تھا، اس لئے مسجد میں تشریف نہیں لاسکتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نماز پڑھاتے تھے، ایک دن ذرا تھوڑا طبیعت میں سکون اور خفت محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے:

"فکان ابوبکر یصلی بصلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم والناس یصلون بصلوة ابی بکر رضی الله عنه۔" (صحیح بخاری ج۱ ص۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتداء کررہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کررہے تھے، اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اس نماز

میں امام کون تھا؟ حضرت ابوبکرؓ تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ غالباً مذکورہ بالا الفاظ کے پیش نظر صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو پہلے امام تھے اب ان کی حیثیت مکبر کی بن گئی تھی۔

یہ دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع ہونے کے بعد تشریف لائے ایک اور موقع پر سفر میں، غالباً یہ سفر تبوک کا واقعہ ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ضرورت کے لئے تشریف لے گئے تھے، میں پانی کا لوٹا لے کر پیچھے پیچھے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے وضو کروایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ پہنا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، آستینیں اوپر کو نہیں آٹھتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اتار کر کندھے پر ڈال لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، میں لپکا کہ ان کو اتاروں، فرمایا رہنے دو میں نے ان کو پاک حالت میں پہنا ہے چنانچہ آپ نے موزوں پر مسح فرمایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو جماعت کھڑی ہوچکی تھی کیونکہ ذرا دیر ہوگئی تھی، لوگوں نے انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، ممکن ہے پیچھے رہ گئے ہوں، ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز قضاء نہ ہو جائے تو حضرات صحابہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنالیا، جماعت کی ایک رکعت ہوچکی تھی کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مسبوق ہیں اور ایک رکعت رہ گئی ہے، صحابہؓ بہت پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعت پوری کرنے کے بعد ان

کو اطمینان دلانے کے لئے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ نماز شروع کرلی، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے کہ صحابہؓ کی جماعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی، یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سابقین اولین میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن پڑھا کرتے تھے، جو ان کے بچوں کے برابر تھے ان سے قرآن پڑھا کرتے تھے، یہ ان کی تواضع تھی، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المؤمنین سے فرمایا تھا:

"ان امرکن مما یھمنی بعدی ولن یصبر علیکن بعدی الا الصابرون۔" (ترمذی باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کنز ج ۱۲ حدیث: ۳۳۴۳۳، کنز ج ۱۶ حدیث: ۴۴۹۶۱)

ترجمہ: "کہ تمہارا معاملہ مجھے فکرمند کرتا ہے اپنے بعد اور تمہارے معاملہ میں صابرین ہی کچھ خدمت کریں گے۔"

یعنی میرے بعد تمہاری کفالت کی کیا شکل ہوگی؟ اس کا کبھی مجھے خیال آجاتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اہل و عیال کے بارے میں فکر مند ہونا بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے آخر انسان انسان ہے پتھر نہیں ہے گوشت پوست کا انسان ہے اور پھر فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ کے نیک و مقبول بندے صابرین تمہاری خدمت کیا کریں گے، ان حضرات میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی جو حضرات امہات المؤمنینؓ کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کے پاس اپنے ہدایا بھیجا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا ان کو بہت دعائیں دیتی تھیں، حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اپنے پاس کچھ نہ رکھتی تھیں جو آتا اسی وقت لٹادیتی تھیں، وہ بھی تو آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں، لاکھوں کے عطیات آتے تھے، ایک دن ام المؤمنین کے پاس دراہم کا ڈھیر لگا ہوا تھا، تقسیم کرتی رہیں حتی کہ سارا تقسیم کردیا تو خادمہ کہنے لگی کہ حضور (رضی اللہ عنہا) کا روزہ ہے، شام کو کچھ افطار کے لئے بچالیتیں؟ فرمانے لگیں: پہلے یاد دلادیتی، اب عورتوں کی طرح طعنہ دینے کا کیا فائدہ؟ یعنی یہ بات بھی یاد دلانے کی ہے کہ تمہارا روزہ ہے کچھ افطار کرنے کے لئے رکھ لو۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ صحیح معنی میں تو ایک ہی نماز نکلی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت نکل گئی تھی، پوری زندگی میں دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا ابتدائی حصہ نہیں ملا اور ہماری جماعت تو کیا پوری نماز بھی رہ جائے تو ہماری مسلمانی میں کچھ فرق نہیں آتا، بھئی نقل تو اتارو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، اللہ کے بندو! اگر اصل بھی نہ ہو اور نقل بھی نہ ہو تو پھر کیا رہے، کچھ بھی نہیں رہے گا۔

اصل نہیں تو نقل ہی اتارو:

نقل تو اتارو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور یہ نقل بھی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، فکر مند نہ ہوا کرو کہ ہمارے پاس اصل نہیں یا جیسی نماز ہونی چاہئے ویسی نماز نہیں ہے ہمارے پاس، جیسی تلاوت ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، جیسا درجہ احسان کا عبادت میں ہونا چاہئے ویسا درجہ حاصل نہیں، ہو بھی نہیں سکتا، کیسے ہو سکتا ہے؟ اس میں زیادہ فکر مند نہ ہوا کرو بس کوشش کرو کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ کھینچو بس انشاء اللہ وہ نماز قبول ہوجائے گی۔

صبر نہیں تو صبر والوں کی شکل ہی بنالو:

تو شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر صبر نہیں کرسکتے تو تصبر کرو یعنی صبر کرنے والوں کا نقشہ لو، تکلیف اور بناوٹ کے ساتھ ہی صبر کا اہتمام کرو، شروع شروع میں ایسا ہوگا لیکن رفتہ رفتہ مشق ہوجائے گی۔ بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ کے پہلے ریا ہوگی پھر عادت بنے گی پھر عبادت بنے گی، پہلے تو صرف دکھاوا ہوگا، نام ہوگا، پھر مشق کرتے کرتے عبادت کی ایسی عادت ہوجائے گی کہ کوئی تم سے چھڑانا چاہے تو تم چھوڑ نہیں سکو گے، اور جب اتنی پختگی ہوجائے گی تو پھر عبادت کی طرف تیسرا قدم اٹھے گا کہ اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں، اس میں حقیقت آنا شروع ہوجائے گی، اور اسی کا نام مجاہدہ ہے، یہی محنت ہے جو مطلوب ہے، ہم لوگ چاہتے ہیں کہ پہلے دن جنید بغدادیؒ بن جائیں، اگر جنید بغدادیؒ جیسی نماز پڑھیں تو پڑھیں ورنہ پھر نماز سے کیا فائدہ؟ یہ بات غلط ہے۔

صبر کے درجات:

تو شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، کوئی مصیبت آئے تو صبر کے ذریعہ اس کا استقبال کرو اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔

پہلا درجہ تصبر کا ہے یعنی بتکلّف صبر کرو، پھر اس کے بعد دوسرا درجہ آئے گا

صبر کا۔

مصائب کی حکمت؟

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو تکلیف ہمیں پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ تو تمہارا ہو گا ہی کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اب یہ چیز جو منجانب اللہ آتی ہے یہ کسی مقصد کے لئے ہے یا بے فائدہ ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، حکیم کا کوئی کام مقصد سے خالی نہیں ہوتا، چلو یہ بات بھی طے ہوگئی کہ اس میں کوئی فائدہ ضرور بہ ضرور ہو گا، اب فائدے میں تین احتمال ہیں، ایک یہ کہ اللہ میاں کا کوئی فائدہ ہو گا، دوم یہ کہ تمہارا کوئی فائدہ ہو گا، سوم کہ مشترکہ فائدہ ہو کہ تھوڑا سا اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے اور کچھ تمہارا بھی ہے، لیکن پہلی اور تیسری صورت غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فائدہ حاصل کرنے سے بے نیاز ہیں، وہ تو مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں، یہ اس کا عام فیض ہے کہ سب کو فائدہ پہنچاتے ہیں لیکن مخلوق سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو منعم حقیقی کہتے ہیں کہ وہ سب کو نعمتیں عطا کرتے ہیں، سب پر احسان کرتے ہیں مگر مخلوق سے کوئی نفع اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے منعم ہیں، احسان کرنے والے ہیں وہ احسان وانعام میں کوئی نہ کوئی اپنا فائدہ ضرور رکھتے ہیں، کوئی شخص ثواب کی نیت کرتا ہے کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا یہ بھی فائدہ حاصل کرنا ہوا، اور اگر کوئی اور فائدہ نہ ہو تو کم از کم یہی ہے کہ کسی کی بدحالی کو دیکھ کر دل میں جو کڑھن پیدا ہوگئی تھی احسان کے ذریعہ وہ کڑھن دل سے جاتی رہے گی، کسی کو دیکھ کر جو ہمارے دل کو تکلیف ہوتی تھی

وہ ہمارے دل کی تکلیف دور ہوگی، بعض لوگ ووٹوں کے لئے احسان کرتے ہیں، خدمت خلق کرتے ہیں مگر نام آوری کے لئے، سرداری حاصل کرنے کے لئے، قیادت حاصل کرنے کے لئے، کوئی احسان کرتا ہے آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے: "انما الاعمال بالنیات۔" جیسی کسی کی نیت ہوگی حق تعالیٰ شانہ ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے، لیکن بہر حال مخلوق کی طرف سے کسی پر جو احسانات ہو رہے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ بھی اپنا ہوتا ہے، خواہ کسی درجہ کا بھی ہو اپنا فائدہ بھی مدنظر ہوتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی ہے کہ تمام مخلوق پر انعام فرما رہے ہیں لیکن اپنا کوئی فائدہ نہیں، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تاسودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ مخلوق اس لئے نہیں بنائی کہ میں ان سے کوئی نفع کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں، کوئی سودا کرنا چاہتا ہوں، نہیں بلکہ صرف بندوں پر احسان کرنے کے لئے یہ تخلیق فرمائی ہے، پس اللہ تعالیٰ کا محض احسان ہی احسان ہے، فضل ہی فضل، انعام ہی انعام ہے، تو اللہ کی طرف سے اگر کوئی تکلیف آتی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، وہ فائدے سے پاک ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

"مایفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے تمہیں تکلیف دے کر کیا کریں گے اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ۔"

تو یہ طے ہوگیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے فائدے کے لئے ہو رہا ہے، اللہ

تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن بات یہ کہ فائدہ کبھی محسوس ہوتا ہے کبھی محسوس نہیں ہوتا، مولانا فرماتے ہیں:

طفل می لرزد زنیش احتجام
مادر مشفق ازاں غم شاد کام

بچے کے پھوڑا نکل آیا تھا، ماں نشتر لگانے والے کے پاس لے گئی تاکہ اس کا آپریشن کردیا جائے، نشتر تو بعد میں لگے گا بچے نے اس جراح کو دیکھ کر ہی چلانا شروع کردیا، بہرحال اس کو جیسے کیسے پکڑ کر نشتر لگوادیا اور پیپ گندگی سب نکل گئی، زخم کو صاف کر کے مرہم لگادیا، تو بچہ لرز رہا ہے، کانپ رہا ہے لیکن ماں خوش ہورہی ہے کہ بچے کی تکلیف دور ہوگئی، شکریہ بھی ادا کرتی ہے ڈاکٹر صاحب کا اور اس کو فیس بھی دیتی ہے، احسان بھی مانتی ہے، تو ماں جو اپنے بچے کے نشتر لگواتی ہے یہ بچے کے ساتھ اس کی شفقت و محبت ہے مگر بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ ماں اس پر بڑا ظلم کر رہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ دراصل ہمارے گندے مواد کا آپریشن ہوتا ہے، ہم اپنی کم عقلی اور نادانی کی وجہ سے اس کو نہیں سمجھتے، یہ بھی رحمت ہی کا معاملہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب نظر ذرا زیادہ صحیح کر دیتے ہیں تو بات سمجھ میں بھی آنے لگتی ہے کہ یہ معاملہ میرے ساتھ کیوں ہورہا ہے، اس کی وجہ بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

دوسرا درجہ:

بہرحال دوسرا درجہ صبر کا ہے جس کا مطلب کسی مصیبت کو من جانب اللہ سمجھتے ہوتے اس کو سہارنا، اس پر شکایت نہ کرنا۔ صبر کے بڑے درجات ہیں اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں: "وبشر الصابرین۔" (اور خوش خبری دیدو صبر کرنے والوں کو۔) "الذین اذا اصابتھم مصیبة۔" (صبر کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔) "قالو انا للّٰہ وانا الیه راجعون۔" (تو یوں کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہیں اللہ کا مال ہیں اور اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔) "اولئك علیھم صلوة من ربھم ورحمة۔"

شاہ عبدالقادر دہلویؒ ترجمہ فرماتے ہیں: (یہ لوگ ہیں کہ ان کو شاباشیں ان کے رب کی جانب سے اور ان پر رحمت ہے۔)

یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہیں۔ "واولئك ھم المھتدون۔" (اور یہی لوگ ہیں صحیح راستہ پانے والے۔) "ان اللّٰہ مع الصابرین۔" (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

تکلیف محبوب کا عطیہ ہے:

پس جو تکلیف آئے اسے محبوب کا عطیہ سمجھتے ہیں اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس کی شکایت نہ کرو، بس یہی صبر ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ صبر کی تین علامتیں ہیں، ایک یہ کہ شکوہ شکایت نہ کرے، دوسری یہ کہ ضرورت سے زیادہ جزع فزع نہ کرے، ویسے آدمی کمزور ہے جب تکلیف ہو تو ہائے کرے گا، اس کی اجازت ہے، اس کا مضائقہ نہیں، بھئی ہم تو بندے ہیں، ہائے کہنا بندگی کا اظہار ہے، اپنے عجز کا اظہار ہے، اپنی کمزوری کے اظہار کے لئے منہ سے ہائے بھی نکلے گی، تکلیف بھی ہوگی لیکن جزع فزع کی اجازت نہیں جس سے بے صبری کا اظہار ہو اور شکوہ شکایت کی

کیفیت پیدا ہو جائے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کوئی مزاج پرسی کرے تو بیمار کو چاہئے کے پہلے الحمد للہ کہے اس کے بعد اپنی بیماری کو بیان کرے تاکہ بیماری کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ سمجھا جائے۔

تیسرے یہ کہ مصیبت کی وجہ سے تمہارے اعمال شرعیہ یا طبعیہ میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ ہو، اگر تکلیف کی وجہ سے مصیبت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں یا اور معمولات میں فرق آنے لگا تو یہ صبر کے خلاف ہے، یہ تین چیزیں اگر پائی جائیں تو یہ صبر جمیل ہے اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سی عنایتیں ہیں، بڑی ہی عنایتیں ہیں۔

تیسرا درجہ:

شیخؒ فرماتے ہیں کہ تیسرا درجہ موافقت ہے، جو معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اس پر رضائے الٰہی کی موافقت کرو، جب اس طرف نظر چلی جائے کہ معاملہ مالک کی طرف کیا جارہا ہے تو موافقت پیدا ہوجاتی ہے، یہ صبر سے اونچا درجہ ہے، وہ قصہ مشہور ہے کہ شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے کہا کہ دریا میں کٹاؤ لگا ہوا ہے آپ ذرا دعا کر دیجئے کہ دریا کا رخ بدل جائے، فرمایا کہ مجھے وہاں لے چلو، لے گئے، فرمایا ذرا کدال دے دو، کدال دے دیا گیا، تو خود بھی گرانے لگے، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا غضب ہے، فرمایا جدھر مولا ادھر شاہ دولہ، اگر مولا ہی چاہتا ہے کہ اس کو گرایا جائے تو شاہ دولہ کون ہوتا ہے جو کہے کہ نہ گراؤ، اور ان کی اس موافقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دریا کا بہاؤ دوسری طرف پھیر دیا، کٹاؤ بند ہوگیا، اور دریا کا بہاؤ دوسری طرف مڑگیا، اللہ تعالیٰ کا

معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہوتا ہے، تو یہ تیسرا درجہ ہے بھئی، جدھر مولا ادھر شاہ دولہ۔

چوتھا درجہ:

شیخؒ فرماتے ہیں چوتھا درجہ اس سے بھی اوپر کا ہے اور وہ ہے تنعم وتلذذ کا، جب یہ چیز اور آگے بڑھتی ہے تو جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصائب اور تکالیف آتی ہیں ان سے آدمی کو لذت حاصل ہونے لگتی ہے، جیسے بچے حلوہ کھاتے ہیں، ان کو لذیذ لگتا ہے لیکن بعض لوگ مرچیں کھاتے ہیں، ناک سے پانی بہہ رہا ہے، آنکھوں سے بھی پانی بہہ رہا ہے، سی سی بھی کررہے ہیں لیکن کھارہے ہیں، اس کے بغیر کھانا لذیذ معلوم نہیں ہوتا، ہم لوگوں کو جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح ان مقبولان الٰہی کو ان معاملات سے جن کو تکالیف ومصائب کہتے ہیں لذت حاصل ہوتی ہے، یہ چھوٹا درجہ نہیں بہت بڑا درجہ ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں، حضرت عمرانؓ بہت اونچے درجے کے بہت پیارے صحابی ہیں، وہ بھی تکلیف میں مبتلا ہوگئے تھے، انہوں نے داغ لگوالیا، پرانے زمانے میں داغ دے کر، یعنی لوہا گرم کرکے داغ لگاتے تھے اور اس کے ذریعے بعض بیماریوں کا علاج کرتے تھے، تو آپؓ نے کسی آدمی سے شکایت کی کہ میں جب سے اس تکلیف میں مبتلا ہوا تھا تو مجھے فرشتے روزانہ سلام کرتے تھے جب سے داغ لگوایا تو انہوں نے سلام بند کردیا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ دولت دوبارہ نصیب فرمادی۔

الغرض چوتھا درجہ یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت کو محبوب کی جانب سے جان کر اس سے لذت حاصل کی جائے کیونکہ محبوب کی جانب سے جو تکلیف

آئے وہ عاشق کے لئے موجب مسرت ہوا کرتی ہے، ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کئی سالوں کے فراق کے بعد کسی کا محبوب اچانک ملا ہو، اور وہ پیچھے سے آکر اس کو دبا دے اب محبوب موٹا تازہ فربہ اور عاشق بیچارہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے، محبوب نے جو اس کو زور سے دبایا تو عاشق کی ہائے نکل گئی، محبوب نے کہا کہ تمہیں تکلیف ہو رہی ہو تو تمہیں چھوڑ کر رقیب کو پکڑ لوں؟ اس حال پر عاشق کیا کہے گا، وہ تو یہی کہے گا:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ: ”دشمن کو یہ بات نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہوا کرے دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں۔“

صبر کرنے والوں کے بڑے درجات ہیں، یہاں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت عجیب بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں ایک ہے مصیبت پر اجر، ایک ہے صبر پر اجر، یہ دونوں الگ الگ اجر ہیں، اگر کوئی صبر نہ کرے گا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ تکلیف اور مصیبت کا اجر عطا کریں گے، اور اگر صبر کرے گا تو صبر کا اجر الگ ملے گا اور تکلیف کا اجر الگ عطا فرمائیں گے۔

درجہ تلذذ:

شیخ ؒ فرماتے ہیں دوسرا درجہ صبر کا ہے اور تیسرا درجہ اس سے بڑھ کر آگے ہے یعنی یہ دیکھ کر کہ یہ مالک کی طرف سے ہے پھر آدمی میں جذبہ موافقت پیدا ہو جاتا ہے اور چوتھا درجہ مصیبت سے تلذذ کا ہے، ہمارے حضرت مفتی محمد حسن

صاحبؒ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کی ٹانگ میں تکلیف ہوگئی تھی، ڈاکٹروں نے کہا ٹانگ کاٹنا پڑے گی، فرمایا بہتر ہے، ڈاکٹروں نے بے ہوش کرنے کو کہا تو فرمایا تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کریں گے بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس تم اپنا کام کرو، اب اندازہ کیجئے کہ زندہ آدمی ہے، اس کی ٹانگ کاٹی جارہی ہے مگر وہ اف تک نہیں کرتا، سی بھی نہیں کرتا، ہائے بھی نہیں کہا، سبحان اللہ ان لوگوں کا کیا مقام ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے ان پر جو گذری وہ آپ کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "انا وجدنا صابرا نعم العبد انه اواب۔" ترجمہ: "ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، بڑا اچھا بندہ تھا، بڑا رجوع کرنے والا تھا۔"

سبحان اللہ کیا بات ہے! مالک کہہ رہا ہے بندے کو کہ وہ بڑا رجوع کرنے والا تھا۔

تو جب موافقت کے مقام سے بندہ ترقی کرتا ہے تو تنعم اور تلذذ کے مقام پر پہنچتا ہے کہ جس طرح نعمتوں سے لذت حاصل کرتا ہے اسی طرح اس کو تکلیف ومصائب سے راحت ملتی ہے۔

درجہ فنا:

لیکن قصہ یہیں ختم نہیں ہوا، اس سے اوپر بھی ایک درجہ ہے شیخؒ فرماتے ہیں وہ درجہ فناء کا ہے کہ مالک کے سامنے بندے کا ارادہ واختیار ختم ہوجائے، اس کے حکم کے سامنے ہماری کوئی خواہش باقی نہیں رہ گئی فنا ہوگئی "مردہ بدست

زندہ" والا مضمون ہوگیا، اب مردے بے چارے کی کیا خواہش ہے؟ اس کو جہاں چاہو رکھ دو، جس طرف چاہو پلٹ دو، اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا کہ نہ لذت رہے نہ تکلیف، نہ راحت نہ تکلّف، اس کی کوئی چاہت ہی نہیں رہی، یہ فنا کا مقام ہے، یہ آخری مرتبہ ہے، اس کے بعد کوئی مرتبہ نہیں، اور یہ اصل مقام عبدیت ہے، یہ ہے بندے کا اصل مقام، یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، اور بندہ چاہے نہ چاہے اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوگا، جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے، جس کو چاہے غنی کردے، جس کو چاہے فقیر کردے، صحت اس کے قبضے میں ہے، بیماری اس کے قبضہ میں ہے، راحت اس کے قبضے میں ہے، تکلیف اس کے قبضہ میں ہے، یہ سب چیزیں جو اسباب کی دنیا میں ہیں ان اسباب کو تمہارے موافق کردیں یہ اس کے قبضے میں ہے، اور تمہارے خلاف برگشتہ کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، دشمن کو سرنگوں کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، کمزوروں کو تم پر مسلّط کردیں یہ اس کے قبضہ میں ہے، یہ تو ظاہر ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہی ہوتا ہے لیکن بندہ عملی طور پر اس مقام پر آجائے یہ مقام بندگی ہے، بندہ اس مقام پر نہ آئے سرکش رہے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی شکایتیں کرتا پھرے تب بھی ہوگا وہی جو وہ چاہے گا لیکن یہ محروم رہا۔

یہ اصل مقام عبدیت ہے شیخؒ فرماتے ہیں جب اس مقام عبدیت پر آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دیں گے اور اپنی رحمت ورضا کی آغوش میں اس کی پرورش فرمائیں گے، حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی اپنی رضا کی دولت نصیب فرمائے۔

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات۔۔۔ ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد دوم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

- حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
- انسان پر گزرنے والے ادوار
- روضہ اقدس پر حاضری
- شب برات ۔۔۔ ایک تحقیقی جائزہ
- صبر و شکر
- زبان کی حفاظت
- بہترین تاجر کی علامت
- خوف خدا اور فکر آخرت
- قبر کی تیاری ضروری ہے
- مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد دوم

شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشاعت اول: ستمبر ۲۰۰۱ء

تعداد: گیارہ سو

کمپوزنگ: صدیقی کمپوزرز، کراچی۔فون:450-4007

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

18-سلام کتب مارکیٹ

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ:

جامع مسجد باب الرحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ۔کراچی

فون:7780337

بسم الله الرحمن الرحيم

شہیدِ اسلام کیسٹ لائبریری کا قیام:

ہم اپنے قارئین کو ایک خوشخبری سنانا ضروری سمجھتے ہیں کہ بحمداللہ شہید اسلام کیسٹ لائبریری کا قیام عمل میں آگیا ہے، لہٰذا جو حضرات، حضرت شہیدؒ کے مواعظ، تفسیر، حدیث اور خطبات جمعہ کی کیسٹ حاصل کرنا چاہیں وہ مکتبہ لدھیانوی سے رجوع کریں۔ اسی طرح جن حضرات کے پاس حضرتؒ کے مواعظ ہوں وہ ہمیں اس کی ایک نقل بھیج کر امت کو حضرت شہیدؒ کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں۔

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے کن کن صفات و کمالات سے نوازا تھا، ظاہری طور پر اس کا کوئی احاطہ اور احصاء کرنا چاہے تو ممکن ہے کہ شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جو باطنی کمالات عطا فرمائے تھے ان کا ہم ایسے کم فہموں کے لئے احصاء تو کیا ادراک بھی مشکل ہے۔

آپؒ نے اپنی چندروزہ زندگی میں جس قدر اپنی صلاحیتوں اور کمالات کا لوہا منوایا اس کے اپنے اور پرائے سب ہی معترف ہیں۔ تصنیف و تالیف کا میدان ہو یا وعظ و بیان کی مجلس، درس و تدریس کی مسند ہو یا بحث و مناظرہ کی نشست، اصلاح و ارشاد کا عنوان ہو یا سلوک واحسان کی لائن، آپؒ ہر جگہ سیادت و قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آپؒ نے تصنیفی میدان میں دفاعِ اسلام کی جو مبارک سعی فرمائی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

پیش نظر کتاب آپؒ کے ان شاہکار مواعظ کا مجموعہ ہے جو آپؒ نے اصلاح

امت کے جذبے، خوف وخشیت الٰہی میں ڈوب کر ارشاد فرمائے ہیں۔ خطبات کیا ہیں؟ اس کا صحیح اندازہ تو قاری ہی لگا سکتا ہے، مگر اتنی بات ضرور ہے جو انہیں پڑھے گا پڑھتا جائے گا، اور اس کے ایک ایک حرف میں اس کو اپنے اعمال کی تصویر نظر آئے گی۔

یہ اصلاحی مواعظ کی جلد دوم ہے، اس کی جلد اول آج سے دو سال قبل شائع ہوکر عوام وخواص اور حلقہ اہل علم سے دادِ تحسین حاصل کرچکی ہے، جب کہ اس کی مزید جلدوں کی ترتیب پر کام جاری ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے کسی بھی درجہ میں تعاون کیا ہے وہ قابل تشکر ہیں، خصوصاً برادر عزیز مولانا محمد اعجاز صاحب جنہوں نے ان مواعظ کی نقل، تیاری، تخریج اور پروف پڑھنے میں محنت کی۔ اسی طرح جناب مولانا محمد طیب لدھیانوی، محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی، بھائی محمد اجمل، عبداللہ ملک، حاجی عبداللطیف اور کمپوزر بھائی عامر صدیقی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے خلوص و اخلاص سے اپنی خدمات پیش کیں۔

سعید احمد جلال پوری

۱۴۲۲/۵/۲ھ

فہرست مقالات

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد اوّل

مکتبہ لدھیانوی

اِصلاحی مواعظ

جلد اوّل

❁❁

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

❁❁

مکتبہ لدھیانوی

اشاعت اول .... اگست ۱۹۹۹ء

تعداد .... گیارہ سو

قیمت ....

ناشر .... مکتبہ لدھیانوی

برائے رابطہ : جامع مسجد باب رحمت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ، کراچی

فون : ۷۷۸۰۳۳۷ ـــــ ۷۷۸۰۳۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل بے پایاں کا مورد بنایا اور ہمیں اپنے والد گرامی! داعی کبیر اور حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے علوم و معارف تشنگانِ علم و معرفت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

میرے مرشد و مربی حضرت ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی تحریر و بیان میں جو لذت و مٹھاس ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس میخانۂ محبت سے لطف اندوز ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک مخدوم و محسن اور حضرت والد صاحب کے سچے محب و دوست ایک دن حضرت ابا جان سے فرمانے لگے حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ہیروئن کا نشہ پلاتے ہیں۔ حضرت ابا جان نے ان کا یہ جملہ سنا تو خفگی کے انداز میں فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کیا میں لوگوں کو ہیروئن پلاتا ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے وضاحت کی کہ حضرت آپ ہیروئن ہی تو پلاتے ہیں کہ جو شخص آپ کا بیان سن لیتا ہے اس کے بعد اسے کسی کا بیان اچھا نہیں لگتا! ایسا عشق تو لوگوں کو ہیروئن ہی سے ہوتا ہے۔

سچ ہے جو شخص حضرت کا بیان سن لیتا ہے اس کی نظر کسی اور جگہ نہیں ٹکتی۔ چنانچہ حضرت کے متعلقین، محبین اور عوام الناس کا حضرت کی تالیفات کی اشاعت کے بعد ہم پر مسلسل دباؤ تھا کہ حضرت کے مواعظ بھی شائع کئے جائیں چنانچہ پیش نظر کتاب اصلاحی مواعظ کے نام سے دس مواعظ پر مشتمل اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو مزید جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب اور پوری امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد طیب لدھیانوی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

لیلۃ القدر کی برکات اور اُس کے حصول کا طریقہ

صفحہ	عنوان

اعتکاف فضائل و مسائل

صفحہ	عنوان

عظمت قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد وثمرات

حقوق اللہ اور ذکر اللہ کی فضیلت

صفحہ	عنوان

غیبت ایک اخلاقی بُرائی ___ ایک گناہِ کبیرہ

صفحہ	عنوان

توبہ کیسے کریں؟

حسد کی بیماری اور اس کا علاج

صفحہ	عنوان
۳۱۹	* حسد کا علاج
۳۲۰	* علمأ کا حسد
۳۲۱	* ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے
۳۲۳	* بدکار تاجر
۳۲۳	* ایک نیک تاجر کا قصہ
۳۲۵	* نیک تاجر کی فضیلت
۳۲۵	* قاریوں اور مولویوں کا حسد
۳۲۵	* حسد کم ظرفی کی علامت ہے
۳۲۶	* شیطان کے تین عین
۳۲۸	* حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

دنیا کی محبت کے بُرے اثرات

صفحہ	عنوان

صبر کے درجات

مقصدِ حیات

دنیا نہیں - بلکہ آخرت

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرًا۔ اما بعد!

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال قام فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطیبا بعد العصر، فلم یدع شیئا یکون الی قیام الساعۃ الاذکرہ، حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ، وکان فیما قال: ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللّٰہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون، الا فاتقوا الدنیا

واتقوا النساء- وذكر ان لكل غادر لواء يوم القيمة بقدر غدرته في الدنيا، ولا غدر اكبر من غدر امير العامة، يغرزلواء ه عند استه، قال ولا يمنعن احدامنكم هيبة الناس ان يقول بحق اذا علمه، وفي رواية ان راى منكرا ان يغيره، فبكى ابوسعيد وقال قد رايناه فمنعتنا هيبة الناس ان نتكلم فيه، ثم قال الا ان بني ادم خلقوا على طبقات شتى، فمنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت مومنا، ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت كافرا، ومنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت مومنا قال وذكر الغضب فمنهم من يكون سريع الغضب سريع الفئى فاحداهما با لاخرى ومنهم من يكون بطى الغضب بطى الفى فاحدا هما بالاخرى وخياركم من يكون بطى الغضب سريع الفى، وشرار كم من يكون سريع الغضب بطى الفى قال اتقوا الغضب فانه جمرة على قلب ابن ادم الا ترون الى انتفاخ اوداجه وحمرة عينيه، فمن احس بشى من

ذلک فلیضطجع ولیتلبد بالارض قال وذکر
الدین فقال منکم من یکون حسن القضاء
واذا کان لہ افحش فی الطلب فاحدا ھما
بالاخری، ومنھم من یکون سیی القضاء، وان
کان لہ اجمل فی الطلب فاحداھما
بالاخری، وخیارکم من اذا کان علیہ الدین
احسن القضاء وان کان لہ اجمل فی الطلب
وشرارکم من اذا کان علیہ الدین اساء القضاء
وان کان لہ افحش فی الطلب حتی اذا کانت
الشمس علی روس النخل واطراف الحیطان
فقال اما انہ لم یبق من الدنیا فیما مضی
منھا الا کما بقی من یومکم ھذا فیما مضی
منہ۔ (رواہ الترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ شریفہ، مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف (صفحہ ۴۳۷) میں منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، قیامت تک جتنے اہم واقعات رونما ہونے والے تھے، سب کے سب بیان کردیئے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، جن کو یاد رہا ان کو یاد رہا اور جنہوں نے بھلا دیا انہوں نے بھلا دیا۔ اور جو

باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیا میٹھی ہے (لذیذ ہے، خوشنما) اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں دوسروں کے جانشین بنا رہے ہیں، پس دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو! اور عورتوں سے بچو!

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو دنیا میں اس کی عہد شکنی کے بقدر ہوگا، اور کسی کی عہد شکنی اتنی بڑی نہیں جتنی کہ مسلمانوں کے حاکم کی عہد شکنی بڑی ہے، اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔ اور تم میں کسی کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے نہ روکے، جب کہ اس کو حق کا علم ہو —— اور ایک روایت میں ہے کہ کسی برائی کو دیکھے تو اس کو بدلنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے —— یہ بیان کر کے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہم نے برائی کو دیکھا، مگر لوگوں کی ہیبت اس سلسلہ میں بات کرنے سے ہمیں مانع ہوئی۔

پھر فرمایا کہ سنو! بے شک لوگ مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ① بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔ ② اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ③ بعض

مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں، اور کافر مرتے ہیں۔
④ اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر جیتے ہیں، اور مؤمن مرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا ذکر فرمایا کہ بعض کو بہت جلدی غصہ آتا، اور جلدی ہی اتر بھی جاتا ہے، پس یہ ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے، پس یہ بھی ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے۔ اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے، اور دیر سے اُترے۔

پھر فرمایا غصہ سے بچو! کیونکہ یہ آگ کا انگارہ ہے جو اِبن آدم کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، پس جو شخص کچھ غصہ محسوس کرے تو لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا ذکر فرمایا، پس ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض قرض ادا کرنے میں بہت اچھا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور جب کسی سے قرض وصول کرنا ہو تو بدگوئی کرتے ہیں، پس یہ ایک بری خصلت دوسری اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔

اور بعض بری طرح قرض ادا کرتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمہ ہو تو اس کے وصول کرنے میں نرمی کرتے ہیں، پس یہ بھی ایک بری خصلت ایک اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔ اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو خوبی سے ادا کردیں، اور جب ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ میں نرمی کریں۔ اور تم میں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو ادا کرنے میں برے ہوں اور ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ کرتے ہوئے بدگوئی کریں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جاری رہا، یہاں تک کہ دھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوب یاد رکھو کہ دنیا کی جتنی عمر گزر چکی ہے اس کے مقابلہ میں اس کی صرف اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنا کہ تمہارے آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلہ میں دن کا باقی حصہ"۔

دنیا امتحان گاہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"دنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے اور اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا رہے ہیں یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ

ایک نسل چلی گئی، دوسری نسل اس کی جگہ آگئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو"۔

واقعی دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے، کہ ہر شخص کو اس کی رغبت ہے، یہاں کا مال ودولت، یہاں کی لذتیں اور راحتیں، یہاں کا ساز وسامان ہر شخص کو مرغوب ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ برسات کے موسم میں زمین میں خوب سبزہ اگتا ہے اور زمین خوب سرسبز ہوجاتی ہے۔ نرم اور سرسبز چارہ جانوروں، مویشیوں کو بہت بھاتا ہے۔ اب جانور نے یہ سبزہ دیکھا تو اس کو کھانا شروع کردیا، چونکہ بہت میٹھا، سرسبز اور لذیذ تھا لہٰذا مسلسل کھاتا رہا، یہاں تک کہ بدہضمی ہوگئی اور پیٹ پھول گیا اور تخمہ سے جانور مر گیا، اور ایک اور جانور وہ تھا جس نے ضرورت کے بقدر کھایا، اور بقدر ضرورت کھانے کے بعد دھوپ میں چلا گیا، جگالی کی اور اس کو ہضم کرلیا، ہضم کرنے کے بعد پھر اسی طرح کھانا شروع کردیا یعنی بقدر ضرورت کھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، پس جو شخص حرص کے ساتھ دنیا کماتا چلا جائے گا اور سمیٹتا ہی چلا جائے گا، اس کو "جوع البقر" کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے کہ کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے، یہ شخص اس جانور کی طرح ہلاک ہوجائے گا، اس کا پیٹ پھٹ جائے گا، اور اسے تخمہ ہوجائے گا۔ اور جو شخص کہ اس کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ رکھے، یعنی شریعت کے قواعد کے مطابق دنیا حاصل کرے اور جہاں اللہ نے اس کو خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہاں خرچ کرے تو وہ البتہ محفوظ رہے گا۔

یہ دنیا ایسی سرسبز ہے اور آنکھوں کو ایسی بھاتی ہے کہ اس سے کسی کا جی نہیں بھرتا اور اس کو چھوڑنے کا کسی کا جی نہیں چاہتا، بھئی! بڑی عمر ہوگئی ہے، بڑھاپا آگیا ہے، اعضاءً وقویٰ کمزور ہوگئے ہیں، دماغ اب سوچتا نہیں، آنکھیں دیکھتی نہیں، ٹانگیں چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی ہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، گردے کام نہیں کرتے، مثانہ کام نہیں کرتا، ظاہری اور باطنی قویٰ میں اختلال پیدا ہوگیا ہے، چلو اب چھوڑو اس قصے کو، اس مصیبت کے گھر کو چھوڑو اور اب آخرت کی فکر کرو، لیکن نہیں! کسی کا جی نہیں چاہے گا کہ اس کو چھوڑوں، پتا نہیں کہ اس میں کیا مٹھاس رکھی ہوئی ہے، حالانکہ یہاں مصائب پر مصائب ہیں، آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دکھ ہی دکھ ہیں، یہاں کی خوشی کم اور یہاں کا رنج زیادہ ہے۔ راحت کم، تکلیف زیادہ۔ اور جو راحتیں ہیں وہ ظاہری وباطنی مشقتوں اور تکلیفوں میں لپٹی ہوئی ہیں، خالص راحت جس کو کہنا چاہیئے وہ کہیں نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہے بہت میٹھی، بڑی سرسبز ہے، دل کو بھاتی ہے بلکہ لبھاتی ہے۔

دنیا کی مثال نقش ونگار والے سانپ کی ہے

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

زہر دار در دروں دنیا چوں مار
گرچہ بینی ظاہرش نقش و نگار
زہر ایں مار منقش قاتل است
باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

یعنی دنیا کی مثال منقش سانپ کی سی ہے، اوپر سے اس کی جلد بہت

خوبصورت نظر آرہی ہے، نقش و نگار نظر آتے ہیں، عقلمند آدمی اس کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ سانپ ہے، بہت زہریلا سانپ۔ لیکن ایک نادان بچہ، جس کو اس کی حقیقت کا پتہ نہیں، وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا ظاہر میں منقش ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوا ہے۔ ظاہر میں نادان اس کے نقش و نگار پر ریجھ رہے ہیں، لیکن جو دانا اس کی حقیقت سے باخبر ہیں وہ اس کے زہر سے خوف زدہ ہیں، کہ:

"یہ منقش سانپ ہے، ڈس جائے گا"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں دنیا اور دنیا والوں کی مثال سانپ اور سپیرے کی ہے، جو اس کے دانت توڑ دیتا ہو، اس کا تریاق جانتا ہو، کہ اول تو وہ اس سانپ کے دانت توڑ دیتا ہے اور اس کو اس لائق ہی نہیں چھوڑتا کہ اسے کاٹ کھائے، علاوہ ازیں اس کو معلوم ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا یہ توڑ ہے اور اس کا یہ علاج ہے، چنانچہ وہ سانپ کو کندھے پر اٹھائے پھرتا ہے، سانپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا تریاق جانتا ہے، اور جو بیچارہ سانپ کا تریاق نہیں جانتا، وہ اگر سانپ کو ہاتھ لگائے گا تو وہ اس کو کاٹ کھائے گا۔ یہی مثال ہے دنیا کی اور دنیا والوں کی، جو لوگ اس کے دانت توڑ دیتے ہیں اور اس کا علاج جانتے ہیں ان کو یہ سانپ ضرر نہیں پہنچاتا، لیکن جن لوگوں نے اس کا منتر نہیں سیکھا، اس کے دانت نہیں توڑے اور اس کے کاٹے کا علاج نہیں سیکھا وہ ان کو کاٹ کھائے گا۔ چنانچہ ہماری یہی حالت ہے، نہ مال کمانے کے احکام سیکھے، نہ اس کو رکھنے کے آداب کا علم حاصل کیا، یہ بھی نہیں معلوم کہ مال کو کہاں اور کس طرح خرچ کیا جائے، کہاں خرچ نہ کیا جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا نے

ہمیں کاٹ کھایا، اور ہماری زندگی کے تمام اعضأ میں اس کا زہر پھیل چکا ہے، اس کا زہر کیا ہے؟ آخرت سے غفلت، ہمیں بس ایک ہی بات یاد ہے کہ جی! بچوں کے لئے کمانا بھی تو فرض ہے! ہمیں بس یہی ایک فرض یاد رہا باقی سب کچھ بھول گئے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ (امیر تبلیغ) ایک بار بیان فرما رہے تھے، جوش میں آگئے، فرمانے لگے تمہیں کس نے کہا تھا کمانے کو؟ کہ دکانیں کھولو اور روٹی کماؤ؟ تم نے غلط سمجھا کہ کمانا بھی فرض ہے، جس طرح تم اندھا دھند کماتے ہو یہ فرض نہیں بلکہ حرام ہے، پہلے کمانے کا ڈھنگ سیکھو، پھر روٹی کماؤ۔ حلال وحرام اور جائز وناجائز کو پہچانو، پھر کماؤ۔ حلال اور حرام کی تم کو تمیز نہیں، جائز اور ناجائز کی تم کو پروا نہیں، تو تمہارے لئے کمانا حلال ہی نہیں۔ کہتے ہو کہ کمانا بھی تو فرض ہے!

بہرحال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ اللہ جل شانہ پہلے لوگوں کو لے گئے، اور تمہیں ان کی جگہ لے آئے ہیں۔ یہاں تمہیں عیش اڑانے کے لئے نہیں لائے ہیں، کہ یہ بچے ذرا یہاں کھا پی لیں اور عیش اڑا لیں، نہیں! بلکہ اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے تم نے اگلے سفر کے لئے اعمال کا کیا توشہ لیا؟ اور تم نے یہاں رہ کر اپنے سے پہلے لوگوں کی حالت سے بھی عبرت حاصل کی ہے کہ نہیں؟ لیکن ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے حال سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ جل شانہ ہمیں معاف فرمائیں، ہماری اس غفلت کو معاف فرمائیں۔

زندگی کے پانچ دور

میرے بھائیو! یہ دنیا کی زندگی بہت مختصر سا وقفہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، آج کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا، میں نے گورنر پنجاب کے نام خط لکھا ہے۔ جس میں دنیا کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ ماں کے پیٹ کا وقفہ، اس کے بعد دنیا کی زندگی کا وقفہ، پھر قبر میں رہنے کا وقفہ، پھر حشر کے میدان کا وقفہ، پھر اس کے بعد ابدی زندگی جنت یا جہنم۔ یہ پانچ وقفے یا یوں کہو کہ تمہاری زندگی کی پانچ منزلیں ہیں۔ ماں کے پیٹ میں آئے تھے تو چار مہینوں تک تو پہلے پانی کی شکل میں رہے، پھر جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر بے جان دھڑ کی شکل میں رہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں تھی، چار مہینے بعد روح ڈال دی گئی، اب تم انسان بن گئے، یہاں سے تمہاری زندگی شروع ہوئی، لیکن ماں کے پیٹ کی یہ زندگی ایسی زندگی تھی کہ عقلاً اس کو زندگی ہی نہیں سمجھتے، کیسی تنگی اور تاریکی کی زندگی تھی؟ لیکن یہ نادان اسی زندگی پر مطمئن تھا، چنانچہ وہاں سے آتے ہوئے بھی یہ رو رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میرا جہان مجھ سے چھڑا رہے ہیں، میری زندگی مجھ سے چھین رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چیونٹی کے انڈے کے اندر جو بچہ ہے اس کے لئے انڈے کا خول ہی زمین و آسمان ہے، اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا آسمان اور زمین اس دنیا میں ہے ہی نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے۔ بالکل یہی حال ہمارا یہاں دنیا کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا، ہم نے یہاں آکر زمین و آسمان کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس سے بڑی دنیا ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ زندگی کے اگلے ادوار، یعنی عالم برزخ، عالم حشر اور جنت ودوزخ کو بھول بھال گئے، انبیاؑ کرام علیہم السلام نے اور ان کے سچے جانشینوں نے ہمیں یاد دلایا کہ اس "بیضۂ مور" (چیونٹی کے انڈے) میں دل نہ

لگاؤ، اس زندگی کو زندگی سمجھ کر اگلی زندگی کو نہ بھول جاؤ۔ لیکن ہم نے اس زندگی کی ترقیات کو کمال سمجھ لیا، اور جو حضرات اس زندگی سے منہ موڑ کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتے ہیں ان کا مذاق اُڑانا شروع کردیا۔ اچھی بات ہے، کھاؤ، کماؤ، مُلّاؤں کا مذاق اُڑاو، کہ یہ کچھ نہیں کماتے کھاتے، ڈگریاں حاصل نہیں کرتے، دنیا کی ترقیات سے روکتے ہیں۔ بہت جلد تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مُلّا مذاق اڑانے کے لائق تھے، یا تم خود بدولت اس لائق تھے کہ تمہارا مذاق اڑایا جائے؟ شب وروز ہمارے سامنے عبرت کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں عبرت نہیں ہوتی۔

دنیا کی ڈگریوں کا انجام

میرے پاس پرسوں ایک صاحب آئے، کہنے لگے کہ امریکا سے چھ لاشیں آرہی ہیں، تابوتوں کی شکل میں۔ تو کیا ان تابوتوں کو کھول کر دفن کیا جائے یا ایسے ہی یعنی بغیر کھولے دفن کیا جائے؟ میں نے کہا کہ اگر لاشیں کچھ اچھی حالت میں ہوں تو کھول کر دفن کیا جائے؟ اور اگر اچھی حالت میں نہیں تو پھر ایسے ہی تابوت سمیت ہی دفن کردی جائیں۔ لیکن لاش کی بے حرمتی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے ان چھ میں سے دو لاشیں سگے بھائیوں کی ہیں، ایک بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے امریکا گیا تھا، اور دوسرے نے "میڈیکل" کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کرلی تھی۔ اور انگلستان کی حکومت نے اسے وہاں پر ملازمت دے دی تھی۔ (یہ بھائی اس انجینئرنگ کرنے والے بھائی کو ملنے امریکا گیا تھا) بڑی اونچی تنخواہ تھی، بڑا اونچا عہدہ تھا، بڑی اعلیٰ تعلیم اور بڑی اونچی ڈگری تھی، بھائی سے ملنے امریکا گیا تھا، دونوں بھائی کہیں گھومنے گئے، وہیں ختم

ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس یہی قیمت تھی ان ڈگریوں کی جن پر ناز کررہے تھے؟ اس زندگی کی یہی قیمت تھی جس پر ناز کررہے ہو؟ اور یہ بیچارے تو ابھی نوجوان ہی تھے کہ دھر لئے گئے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا یہی نقشہ نہیں ہے؟

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں

کسی کی پچاس سال کی زندگی تھی، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی اسّی سال کی۔ اور ماں کے پیٹ میں وہ پانچ مہینے کی زندگی تھی، اس زندگی کو ذرا اسّی سال کی زندگی پر تقسیم کرو تو یہ ماں کے پیٹ والی زندگی اس پچاس، ساٹھ اور اسّی سالہ زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر نظر آئے گی؟ اور ہم میں سے ہر شخص اس پیٹ والی زندگی کے بارے میں کہے گا کہ بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی؟ اچھا اب آگے چلئے، یہاں اسّی برس گزار کر ہم قبر میں پہنچ گئے، وہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ابھی خدا جانے کب تک پڑے رہیں گے۔ اب اس دنیا کی زندگی کو اس "قبر کی طویل زندگی" پر تقسیم کرو تو ہماری یہ دنیا کی زندگی اس برزخی زندگی کے مقابلہ میں کتنی مختصر معلوم ہوگی؟ اور وہ برزخ کی زندگی بھی، خواہ دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں کتنی ہی طویل نظر آئے لیکن وہ دائمی نہیں۔ بلکہ ایک دن وہ بھی کٹ جائے گی، اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے حشر کا، جس کا ایک دن پورے پچاس ہزار سال کا ہے۔ اب برزخ کی زندگی کو (قبر والی زندگی کو) اس روز حشر کے پچاس ہزار سال پر تقسیم کرو تو برزخ کی زندگی کا لعدم نظر آئے گی، پھر اس پچاس ہزار سال والے دن کے بعد اصل زندگی اب شروع ہونے والی ہے۔

قیامت کا دن ختم ہو گا تو وہ زندگی شروع ہو گی جو دائمی اور ابدی ہے، جس کا کوئی سرا ہی نہیں، کوئی انتہاٰ ہی نہیں، تمہاری سوچ و فکر سوچتے سوچتے تھک جائے گی لیکن وہ زندگی ختم نہیں ہو گی۔ انبیاٰ کرام علیہم السلام ہمیں اس زندگی کی دعوت دیتے ہیں، جو لازوال ہے، جو ابدی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس زندگی کی کامیابی کی دعوت دیتے ہیں، اور وہاں کی ناکامی سے ڈراتے ہیں۔ یعنی ان اعمال سے تم وہاں کی زندگی میں کامیاب ہو جاؤ گے اور ان اعمال سے تم وہاں ناکام ہو جاؤ گے، یہ حضرات ہمیں اس زندگی کی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں، اور ہماری اس دنیا کی زندگی کو زندگی نہ سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، چونکہ لوگوں کو ان حضرات کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے کفار کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، مجنون ہے، دیوانہ ہے، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ انبیاٰ کرام علیہم السلام کے وقت کی بات تھی، آج تم نے، ہاں! مسلمان کہلانے والوں نے کہا کہ یہ مُلّا ہے، یہ صوفی ہے، یہ دور حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، یہ صوفی و مُلّا آج تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہے، مسجد کے مینڈھے، قل اعوذیئے، اور نہ جانے کیا کیا خطاب تم غریب مُلّا کے لئے تجویز کرتے ہو، جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آج وہی بات کہہ رہا ہے جو اپنے وقت میں انبیاٰ کرام علیہم السلام کہتے آئے ہیں۔

دنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو

تو یہ دنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں اس لئے لارہے ہیں اور تمہیں پہلوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ تم کچھ عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ

یہاں سے کیا توشہ لے کر جارہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

"اے ابوذر! توشہ لے لینا! کیونکہ سفر بہت لمبا ہے، اور ذرا بوجھ ہلکا رکھنا کیونکہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے، جس پر چڑھنا ہے۔ کمر پر سارا بوجھ لاد کر چڑھنا پڑے گا۔ قرآن کریم میں ہے "اور وہ لادے ہوئے ہوں گے بوجھ اپنی کمروں پر"۔

مشکوٰۃ شریف (صفحہ ۲۴۳) میں حدیث ہے کہ حضرت اُم درداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر ابوالدرداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کیوں روزی نہیں کماتے، جیسا کہ فلاں شخص کماتا ہے؟ کہنے لگے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ:

"تمہارے آگے ایک گھاٹی ہے، بہت دشوار گزار، جن کا بوجھ بھاری ہوگا وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کرسکیں گے"۔

اس لئے میں اس گھاٹی کی خاطر اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا چاہتا ہوں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

"عمل ذرا خالص لے کر جانا اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے"۔

وہاں کھوٹ نہیں چلے گا۔ اس دفعہ دوران طواف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بہت یاد آئی اور میں اکثر اسی کو پڑھتا رہا:

"واسئلک نفسا بک مطمئنة تومن بلقائک، وترضی بقضائک، وتقنع

بعطائک۔"

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں ایسا نفس جو آپ پر مطمئن ہو جائے، جو آپ کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، اور جو آپ کے قضا اور قدر کے فیصلوں پر راضی ہو، اور جو آپ کی عطا پر قناعت کرلے، (کہ جتنا میرے مالک نے دیا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے۔ بس اس سے زیادہ نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے)"۔

عورتوں کا فتنہ

جس خطبہ کو میں نے شروع میں ذکر کیا تھا اس میں دنیا کی بے ثباتی ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"خبردار! پس دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو"۔

یعنی ان کے فتنے سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا، مشہور ہے کہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔ زن، زر اور زمین۔ دنیا میں جتنے بھی فتنے ہو رہے ہیں ان تین چیزوں کی وجہ سے ہیں یا عورت کا چکر ہے یا زر کا یا زمین کا۔

یہ بھی دنیا کی ایک مثال ہے کہ ان چیزوں سے آدمی جیسا دھوکا کھاتا ہے، ویسا ہی دنیا سے دھوکا کھاتا ہے۔ خاص طور سے عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے

حق میں عورتوں سے زیادہ مضر ہو"۔

یعنی مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں کا ہے، پس دنیا پر فریفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ، راہ حق سے برگشتہ نہ ہو جاؤ اور زر، زمین اور عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو کر دین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو!

خاتمہ کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی مؤمن پیدا ہوتا ہے، مؤمن جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے"۔

(اللہ جل شانہ ہم سب کو ان میں سے کردے، آمین۔ پیدا بھی مسلمانوں کے گھر میں ہوا، الحمدللہ زندگی بھی مسلمانوں والی گزاری، اور الحمد للہ موت بھی مسلمانوں والی آئی۔ اللہ جل شانہ یہ بھی نصیب فرمائے، یہ سب سے بڑا خوش قسمت ہے)۔

"دوسرا شخص وہ جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ۔ یہ سب سے بدتر شخص ہے)۔ "تیسرا وہ شخص جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن مرا"۔ (اس کی خوش قسمتی کہ خاتمہ ایمان پر ہوا) "اور چوتھا آدمی اس کے برعکس کہ مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ)

برے خاتمہ سے اللہ جل شانہ پناہ میں رکھے، عملوں کا مدار خاتموں پر ہے، اگر خاتمہ اچھا ہو تو آدمی اچھا رہا، اور اگر نعوذ باللہ خاتمہ برا ہوا تو پہلے کی اچھائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ایسا شخص تو مارا گیا، اگر خدانخواستہ خاتمہ

اچھا نہیں ہوا تو اس کے نماز اور روزے کا، حج اور زکوٰۃ کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللھم اجعل اوسع رزقک علی عند کبرسنی وانقطاع عمری، واجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاک فیہ۔"

ترجمہ: "یا اللہ! اپنا سب سے زیادہ وسیع رزق مجھے اس وقت عطا فرمانا جب میری عمر زیادہ ہوجائے (میں بڈھا ہو جاؤں، اور زندگی ختم ہونے والی ہو) یا اللہ! میری عمر کا سب سے اچھا حصہ اس کو بنا جو میری عمر کا سب سے آخری حصہ ہو، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے بہتر عمل اس عمل کو بنا جس پر میرا خاتمہ ہو، اور میرا سب سے بہتر دن اس دن کو بنا جس دن میں آپ سے ملاقات کروں، یعنی موت آئے"۔ (آمین! یارب العالمین)

بہرحال اعتبار خاتمے کا ہے اور یہ وہ بات ہے جس نے عارفین کی کمر توڑ رکھی ہے، اور وہ سوء خاتمہ سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں، کہ خدا جانے کس حالت میں خاتمہ ہو۔ (یا اللہ! ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرما، اور سوء خاتمہ سے پناہ عطا فرما) اس لئے فرماتے ہیں کہ اپنی اطاعت و عبادت پر ناز نہ کرو، اور کسی گناہ گار کو دیکھ کر اسے نظر حقارت سے نہ دیکھو اور اسے حقیر نہ جانو۔ اگر تم اچھے راستہ پر لگ گئے ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، میرے مالک کا کرم ہے، اس کی عنایت ہے، اس کا لطف ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے کسی زمانہ میں ایک رسالہ شائع کیا تھا، اب شاید کم چھپتا ہے، کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں اس قصہ کو بڑی تفصیل سے لکھا تھا، اور ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر مختصر۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی لکھا ہے مگر مختصر۔ اور میں مختصر کا بھی مختصر سنا دیتا ہوں۔ شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ ایک بزرگ تھے، بہت بڑے عالم، بہت بڑے محدث، بہت بڑے شیخ۔ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ درس میں ہوتے تھے، اور لاکھوں ان کے مرید تھے، ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، ایک بستی میں پہنچے، یہ عیسائیوں کی بستی تھی، لڑکیاں کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ایک لڑکی پر شیخؒ کا دل آگیا، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا، مریدوں میں کہرام مچ گیا، شیخ بھی رو رہے تھے، لیکن کہہ رہے تھے کہ قضا وقدر کا وقت ہے، اس لڑکی کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے، جب تک اس لڑکی کو حاصل نہیں کروں گا یہاں سے قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا، تم جاؤ ـــــ لڑکی کے والد کو پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ عیسائی ہو جاؤ، زنار پہن لو۔ اور دوسری یہ کہ ایک سال تک جنگل میں سور چراؤ۔ شیخ نے کہا مجھے منظور ہے۔ نعوذ باللہ عیسائی ہو گئے، اور جنگل میں خنزیر چرانے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک شاگرد، مرید اور خلیفہ کو خیال آیا کہ شیخؒ کو دیکھنا تو چاہئے کہ کس حالت میں ہیں؟ جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ خنزیر چرا رہے ہیں، وہی عصا جس کو ہاتھ میں لے کر شیخ خطبہ پڑھا کرتے تھے اسی پر ٹیک لگا کر سور چرا رہے ہیں۔ اس مرید نے سلام کیا، انہوں نے "وعلیکم السلام" سے جواب دیا۔ مرید نے کہا کہ حضور! قرآن کے حافظ تھے، کوئی آیت یاد ہے؟ کہا کچھ یاد

نہیں، سورۃ الفاتحہ سے والناس تک سب بھول گیا ہوں، کچھ بھی یاد نہیں رہا، بس ایک آیت کا ٹکڑا یاد ہے: ومن یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ۔

یعنی ”جس کو اللہ جل شانہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا“۔

پوچھا کہ آپ احادیث کے بھی حافظ تھے، کوئی حدیث یاد ہے؟ کہا کچھ یاد نہیں، صرف ایک حدیث یاد ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ۔

یعنی ”جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرکے مرتد ہوجائے اس کو قتل کردو“۔

پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہوئی کہ ایمان سلب ہوگیا؟ فرمایا، جب ہم بستی میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کیسے گندے لوگ ہیں؟ احمق لوگ ہیں، کیسا گندا مذہب ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک بندے کو خدا بنا رکھا ہے؟ فوراً غیرت الٰہی جوش میں آئی اور فرمایا کہ تم نے اس ہدایت کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ ایمان کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ یہ تمہارا کمال نہیں، ہماری عطا ہے، اور جب اس لڑکی پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ دل سے ایک پرندہ اڑ کر نکل گیا، اور وہ ایمان تھا، اب میں خالی ہوں۔ یہ رو دھو کر واپس آگئے۔ ان کے مریدوں نے گڑگڑا کر دعا کی، اُدھر شیخ بھی اتنا روئے کہ ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر خنزیر بھی رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری سن لی اور دوبارہ نور ایمان عطا فرما دیا، یہ وہیں جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگے ایک دریا پڑتا تھا، مرید وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ شیخؒ دریا میں غسل فرما رہے ہیں۔ یہ قریب آئے تو شیخؒ نے کہا کہ مجھے کوئی چادر لنگی پاک کپڑا دو۔ بہرحال لمبا قصہ ہے۔ وہ لڑکی بھی مسلمان ہوکر

آگئی۔ شیخؒ نے ان کو اپنی خانقاہ کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ دنیا میں ملاقات نہیں ہو سکتی، آخرت میں ہو گی۔

اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو

الغرض! اپنی اچھی حالت پر ناز نہ کرو، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا جانو، اسی بنأ پر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ:

"بندہ حقیقت تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے آپ
کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے"۔

جس کو تم فرنگی کافر سمجھتے ہو کیا پتہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے؟ اور کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔ ناز کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ایمان کی سلامتی میسر آجائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جائے تو بڑی دولت ہے۔ ورنہ سب کچھ ہیچ اور لغو ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جارہا تھا، راستے میں ایک درویش ملے، جو اپنی کٹیا سے باہر بیٹھے تھے، پاس ان کا کتا تھا، بادشاہ نے درویش کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ میاں درویش! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا؟ درویش کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! میرے سامنے ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا تو انشأ اللہ میں کتے سے اچھا ہوں۔ ورنہ کتا مجھ سے اچھا ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے لوگوں کو چار قسم کا پیدا کیا ہے، ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، اور مؤمن مرا، اور

ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر ہی مرا، نعوذ باللہ۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن ہو کر مرا، اور ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر ہو کر مرا، نعوذ باللہ۔

ایک جنتی، جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک صاحب آئے کہنے لگے میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمان کرلیا۔ جہاد ہو ہی رہا تھا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی نماز اس پر فرض نہیں ہوئی، مسلمان ہوا شہید ہو گیا، نہ معلوم کتنی زندگی کفر میں گزاری ہو گی۔

غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد فرمایا کہ:

"غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ آدمی ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آتا ہے اور فوراً ہی اُتر جاتا ہے۔ فرمایا، یہ شخص سب سے افضل ہے"۔

مجھے ایسے لوگوں پر بڑا رشک آتا ہے کہ ان کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا ہے، اور آئے بھی تو وہ بھی بس وقتی غصہ ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب سے بہتر ہے، سب سے اچھا آدمی ہے۔ جس کو بہت دیر سے غصہ آئے اور فوراً ہی اُتر جائے۔

"دوسرا وہ ہے جس کو بہت جلدی غصہ آتا ہے اور جب آتا

ہے تو اُترتا بھی نہیں، بہت دیر کے بعد غصہ جاتا ہے"۔

اس غریب کی ہر ایک کے ساتھ لڑائی رہتی ہے کیونکہ ہر آدمی کے مزاج کے خلاف تو کوئی نہ کوئی بات پیش آئے گی، اس غریب کی مصیبت یہ ہے کہ جس سے ایک دفعہ غصہ ہوگیا پھر مان جانے کی کوئی صورت نہیں، ناراضگی دور نہیں ہوتی، فرمایا:

> "یہ بدترین آدمی ہے جس کو غصہ فوراً آئے اور غصہ آنے کے بعد جانے کا نام نہ لے، ایک وہ آدمی ہے جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی دیر سے ہے، ایک وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی جلدی ہے۔ یہ دونوں برابر ہیں کہ ان میں ایک اچھائی ہے اور ایک عیب"۔

غصہ کا سبب اور اس کا علاج

ارشاد فرمایا کہ:

> "غصہ دراصل آگ کا انگارہ ہے، جو آدمی کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہوجاتی ہیں؟ سو اگر کسی شخص کو غصہ کی کیفیت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے"۔

گویا غصے کا علاج یہ ہے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ ہوتا اس کے الٹ ہے کہ غصہ میں لیٹا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھتا ہے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہوجاتا ہے، کھڑا ہو تو آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے، ہر چیز کا علاج بالضد

ہوتا ہے۔ غصہ کا علاج بھی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی ضد پر عمل کرے۔ یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو لوگ جب کسی کو پکڑتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو مجھے۔ لوگ پکڑ رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے چھوڑو مجھے، ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ یہ غصہ کا اثر ہے۔ تو غصہ کا علاج یہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ، اور اس کو لازم پکڑو اس کی ایک تو ظاہری خاصیت ہے، اور ایک باطنی خاصیت ہے۔ ظاہری خاصیت تو یہ ہے کہ تجربہ ایسا ہے، کہ اگر آدمی لیٹ جائے گا تو غصہ پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے گا تو بھی غصہ پر عمل نہیں ہو سکے گا، اور یوں غصہ کا علاج اس کی ضد پر عمل کرنا ہوا۔ اور باطنی خاصیت یہ ہے کہ زمین ہماری ماں ہے، اور یہ ہمارے سارے بوجھ کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، تمہارے زندوں کو بھی مردوں کو بھی''۔

یہ زمین سب کو سمیٹتی ہے، لوگ نہ جانے اس پر کیا کیا مارتے ہیں، مگر برداشت کرتی ہے۔ تو مٹی کے اندر سکون ہے، وقار ہے، تواضع ہے اور پھر ہماری ماں بھی ہے، تو جتنا ماں کی گود کے قریب آؤ گے، اتنے زیادہ اس شر سے محفوظ رہو گے، اور اتنا ہی تم میں حلم اور وقار پیدا ہو گا۔ تواضع پیدا ہو گی۔ اب اس تفصیل کا موقع نہیں کسی دوسرے وقت میں انشاءاللہ بیان کروں گا کہ غصہ کی اصل کبر ہے، جس کی وجہ سے غصہ آتا ہے، لہٰذا اپنے سے چھوٹے پر غصہ آتا ہے بڑے پر نہیں آتا، تو اگر آدمی کے اندر عجز اور تواضع پیدا ہو جائے، مسکنت پیدا ہو جائے، سکون پیدا ہو جائے، وقار پیدا ہو جائے، تواضع پیدا ہو جائے، تو پھر غصہ کا علاج ہو جائے گا، یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک

تو غصہ کی کیفیت طبعی ہے کہ غصہ آدمی کے اندر اُبھرتا ہے اور جوش مارتا ہے، یہ تو ایک طبعی بات ہے، چونکہ یہ غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہے، پکڑ نہیں ہے، اور ایک ہے اپنے غصے پر عمل کرنا، چاہے زبان سے ہو، یا ہاتھ پاؤں سے، اس پر مواخذہ ہے، اور اسی لئے اسے رفع کرنے کی تدبیر بتانے کی ضرورت پیش آئی۔ غصہ کو رفع کرنے کی تدبیر پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آدمی غصہ میں ہوتا ہے تو ایک جنون کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، آدمی آپے میں نہیں رہتا، اس سے ناشائستہ حرکات صادر ہوجاتی ہیں، اور اس کی زبان سے ناشائستہ الفاظ نکل جاتے ہیں، بے قابو ہوجاتا ہے، اس لئے غصہ کا علاج ضروری ہے، اور غصہ کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے قریب ہوجاؤ، جس سے تم میں مسکنت پیدا ہوگی، اور اس رذیلہ کی اصلاح ہوجائے گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے لمبی فہرست دی ہے غصہ کے علاج کی۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو۔ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لوگے تو تم میں خنکی پیدا ہوجائے گی اور اندر جو غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بجھ جائے گی۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ لاحول پڑھو، لیکن لاحول کا پڑھنا صرف لفظوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کا تصور کرتے ہوئے، اس لئے کہ غصہ شیطان کے اُبھارنے اور چوکا دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو "نزغۂ شیطان" فرمایا گیا ہے۔ تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو تاکہ شیطانی اثرات دور ہوجائیں۔

ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں

پھر فرمایا کہ:

"قرض کے ادا کرنے اور وصول کرنے کے لحاظ سے بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ اگر کسی کا قرض دینا ہو تو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ سامنے والے سے بار بار چکر نہیں لگواتا، بلکہ خود ہی بر وقت ادا کردیتا ہے، لیکن کسی سے وصول کرنا ہو تو اس میں ذرا بھی رواداری نہیں کرتا، بلکہ بری طرح تقاضا کرتا ہے، فرمایا کہ اس کی تو ایک اچھی عادت بری عادت کے مقابلہ میں ہوگئی، کہ بر وقت قرض ادا کرنا بڑی اچھی بات ہے، جب کہ سختی سے وصول کرنا بری بات ہے، تو اس شخص میں ایک اچھی بات پائی گئی اور ایک بری، یوں اس کا معاملہ برابر کا رہا۔ اور دوسرا آدمی وہ ہے کہ کسی کو قرضہ دینا ہو تو بری طرح دیتا ہے، دوسرے کو پریشان کرکے دیتا ہے۔ لیکن کسی سے لینا ہو تب بھی سختی نہیں کرتا، یہاں بھی ایک اچھی عادت ایک بری عادت کے ساتھ مل کر معاملہ برابر کا ہوگیا۔ اور تم میں سب سے بہتر اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا دینا ہو تو فوراً دے، بر وقت دے، بغیر مانگے کے دے، اور کسی سے لینا ہو تو سختی سے تقاضا نہ کرے۔ یہ تیسرے نمبر کا آدمی ہوا جو سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہے، کہ اس میں دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، ادا کرنے کی خوبی یہ کہ بر وقت ادا کرے۔ اور وصول کرنے کی خوبی یہ کہ اس میں سختی نہ کرے، اور تم میں سب سے بدتر آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو دینے کا نام نہ لے، اور اگر کسی سے لینا ہو تو سختی بلکہ فحش کلامی کے ساتھ تقاضا کرے اور اس معاملہ میں ذرا بھی رو رعایت نہ کرے، یہ چوتھا آدمی سب سے بدتر ہے کہ اس نے دونوں برائیاں جمع کرلیں۔ قرض لے کر واپس نہ کرنے کی برائی بھی، کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور کسی سے قرض وصول کرنے کی برائی بھی کہ نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ قرض کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ سختی اور بدکلامی کے

ساتھ تقاضا کرتا ہے۔

دنیا کی عمر ختم ہوچکی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اتنا طویل فرمایا کہ دھوپ درختوں کے سروں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عمر بس اتنی باقی رہ گئی ہے جس قدر پورے دن کے مقابلے میں اب دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو آدمی کی زندگی ناپائیدار ہے، کوئی بھروسہ نہیں کہ کب وقت موعود آجائے، علاوہ ازیں خود دنیا بھی بوڑھی ہوچکی ہے، اور اب پورے عالم کی موت کا وقت بھی کچھ زیادہ دور نہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام "نبی الساعہ" ہے، یعنی "قیامت کا نبی"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بجائے خود قرب قیامت کا اعلان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا، بس اب قیامت ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری گویا فنائے عالم کے آثار شروع ہونے کی علامت ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بیان کا منظوم خلاصہ

حضرت نے یوں بیان کیا مقصد حیات
خوش رنگ ایک سانپ ہے دنیائے بے ثبات
جو اس کے حسن ظاہری سے دھوکا کھا گیا
وہ اپنے جسم وروح کو خود ہی ڈسا گیا
دنیا تو درحقیقت ہے اک امتحان گاہ
وہ آخرت میں فیل ہے، کی جس نے اس کی چاہ
دنیا کی ڈگریوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں
عقبیٰ میں ایسے علم کی وقعت بھی کچھ نہیں
دنیاسے آخرت کیلئے توشہ لے کے چل
دنیائے بے ثبات کے دھوکے سے تو نکل
ہرگز نہ اپنے آپ کو بہتر قیاس کر
سارے جہاں سے خود کو ہی بدتر قیاس کر
غصہ نہ کر کہ غصہ علامت ہے کبر کی
غصہ کسی قوی پہ تو آتا نہیں کبھی
اور اب ذرا سی بات ہو دنیا کی عمر کی
دنیا دراصل دوستو! اب بوڑھی ہوچکی
بعثت رسول پاک کی خود اس کی ہے دلیل
دنیا کی عمر رہ گئی ہے اب بہت ہی قلیل
ختم الرسل کی دہر میں تشریف آوری
پہلی نشانی قرب قیامت کی ہے یہی
آخر میں التجا ہے ہماری کہ یامجیب
تیاری آخرت کی ہمیں بھی ہو اب نصیب

شاہین اقبال اثر جونپوری

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس کے تقاضے

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، واشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، واشھدان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد:

آج کی مجلس میں ان شاء اللہ چند باتیں ذکر کرنے کا خیال ہے۔

دستار بندی

سب سے پہلے تو یہ کہ ستائیسویں شب کو یہاں مدرسہ کے ان بچوں کی دستار بندی ہوئی تھی، جنہوں نے قاری مقبول احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا تھا، کسی کی گردان ہو گئی، کسی کی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس سال کے حفظ مکمل کرنے والے سب حفاظ کی دستار بندی ہوئی۔ میرے دوست مولانا

سعید احمد جلال پوری بھی ہمارے ساتھ اعتکاف میں ہیں، یہ میرے بہت پرانے رفیق ہیں، انہوں نے ایک عرصہ تک میری سردی گرمی، کو اور میری کڑوی، کسیلی باتوں کو برداشت کیا ہے، اور میرے عیوب سے جتنا یہ واقف ہیں شاید دوسرے رفقاء میں کوئی واقف نہیں ہوگا، میں چاہتا تھا کہ ان حفاظ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی کردوں، مگر اس دن یہ مجھے نظر نہیں آئے، اس لئے سب سے پہلے تو آج ان کی دستار بندی کرتا ہوں۔ یہ ان کے لئے دستار خلافت ہے۔ (اس کے بعد مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب مدظلہ العالی کی دستار بندی کی گئی)۔

خدمت میں کوتاہی پر معذرت

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے گھر میں اعتکاف کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے، ہمارے خدمت والے ساتھیوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو راحت پہنچائی جائے، لیکن مجمع زیادہ ہوتا ہے تو ہر آدمی کی راحت کا پورا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا، ہر شخص کے مزاج کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے، اعتکاف شروع ہونے سے پہلے مجھے بہت تشویش تھی کہ اتنے مہمانوں کا نظم کیسے ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے اس کو اتنا آسان فرمادیا کہ پتہ بھی نہیں چلا، بہرکیف کسی صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اعتکاف کے دوران پہنچی ہو، یا ہمارے منتظمین اور خدمت والے ساتھیوں میں سے کسی سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہو تو آپ ازراہ للہ معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہت ہی برکتیں عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ شانہ، ہم سب کو صحت کے ساتھ، عمر کے ساتھ عافیت کے ساتھ اس کی آئندہ

بھی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا یا نہیں؟

ایک بات یہ ذکر کرنی ہے کہ ابھی نماز کے بعد ایک صاحب نے پرچہ دیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا؟ اس پر اس وقت تو میں نے ان صاحب کو یہ لطیفہ سنا دیا تھا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

"الحائک اذا صلی رکعتین انتظر الوحی"

یعنی جولاہا جب دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب وحی آنے والی ہے، وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ ارے میاں! کیا ہم؟ اور کیا ہمارا اعتکاف؟ اور کہاں کی قبولیت؟ بس یہ شکر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے مواخذہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اس کے گھر کا صحیح ادب اور صحیح حق ادا نہیں کر سکے، اور جو حقوق اعتکاف کے ہمیں بجالانے چاہئے تھے، بجا نہیں لائے، تو بس یہی بہت ہے کہ ہم پر مواخذہ نہ ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عارف کو میں نے دیکھا کہ کعبے کا غلاف پکڑے ہوئے ہیں، ملتزم پر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ:

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو برگناہم کش

ترجمہ: "یہ تو میرا منہ نہیں کہ میں کہوں کہ میری عبادت قبول کر لیجئے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دیجئے"۔

اعمال پر مواخذہ نہ ہو، یہی غنیمت ہے

قبولیت کے امیدوار تو آپ حضرات ہوں گے، بڑے لوگ ہوں گے، جہاں

تک ہمارا تعلق ہے ہم تو اسی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ واللہ العظیم! قسم کھا کر کہتا ہوں، اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، کہ نماز پڑھنے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا کہ میری نماز قبول ہوگئی ہوگی یا یہ کہ نماز قابل قبول ہے، بس یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ کرے اس پر مؤاخذہ نہ ہو کہ او نالائق! ایسی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ دل میں قبولیت کا وسوسہ آگیا ہو، بس یہی خیال ہوتا ہے کہ لپیٹ کر منہ پر نہ مار دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعات کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئ عارفی قدس سرہ عارف تھے، اپنے وقت کے قطب تھے، حضرتؒ ارشاد فرماتے تھے کہ "بھائی! اللہ تعالیٰ کا ایک نام ستار ہے، ستار کے معنی ہیں پردہ پوشی کرنے والا، ستار العیوب، عیوب کو ڈھانکنے والا، اللہ تعالیٰ نے میری بھی اور آپ کی بھی سب کی پردہ پوشی کر رکھی ہے"۔ ہمارے حضرتؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ آدمی کا پورا وجود نجاست سے بھرا ہوا ہے، یہاں ذرا سی خراش لگادو خون نکل آئے گا، خون پاک ہے کہ ناپاک؟ کیوں بھئی خون ناپاک ہے نا! پس ہمارے پورے وجود میں نجاست بھری ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ستاری دیکھو کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیسا نفیس چمڑا چڑھا دیا ہے، اندر خون ہی خون، نجاست ہی نجاست، لیکن اوپر حسین چمڑے کا غلاف۔ اسی طرح پیٹ کے اندر سیروں غلاظت لئے پھر رہے ہیں، اور یہ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اوپر اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں، باہر اس کی بدبو بھی نہیں آنے دیتے، بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں جن کا آپریشن ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور ڈاکٹر اطباء لوگ نجاست کے نکلنے کے لئے تھیلی لگادیتے

ہیں،اب اس میں سے بدبو آتی ہے، آپریشن کے دوران پیشاب کے لئے تھیلی لگادیتے ہیں، میرا جب آپریشن ہوا تھا تو میرے بھی پیشاب کے لئے تھیلی لگادی تھی، تیسرے دن میں نے کہا اتارو بھئی اس کو، یہ مجھ سے نہیں چلتی۔ تو اتنی غلاظت ہم پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اسی حالت میں تلاوت بھی کرتے ہیں، اسی حالت میں محفلوں میں بھی جاتے ہیں، میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس کو کیسا چھپا رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری عیوب کی اور باطنی عیوب کی ستاری نہ فرماتے تو خود سوچو کیا حال ہوتا؟ مثلاً ستر پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لباس عطا فرمادیا، اگر ننگے ہوتے تو کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ نہ ہٹائے، اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری نہ کرے، ہم لوگ کم ظرف ہیں کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک دوچار آدمیوں کے پاس گائیں نہیں ہماری روٹی ہضم نہیں ہوتی، پیٹ پھول جاتا ہے، لیکن میرا مالک بڑا حلیم ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ع

"گناہ بیند و پردہ پوشد ہمی"

گناہوں کو دیکھتے ہیں، ہماری ایک حالت کو جانتے ہیں لیکن پھر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں، پردہ پوشی فرماتے ہیں، رسوا نہیں کرتے، کسی کا پردہ ہٹادیا جائے، تو یہ اس کی رسوائی ہے، تو خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھئی!لوگ ستار کے معنی سمجھتے ہیں:

"عیوب کو ڈھانکنے والا پردہ پوشی کرنے والا"

لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی رو سے تو ستار ہے ہی، لیکن ہماری نیکیوں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے ہیں، اس معنی میں بھی اللہ تعالیٰ ستار ہیں کہ ہماری نیکیوں کو ڈھانک دیتے ہیں، اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، کسی نے کتنا

کمایا ہے؟ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے، نیکیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان کو چھپا کر رکھتے ہیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ پردہ ہٹا دیں گے تو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تم نے نماز پڑھی، تمہیں کیا ملا؟ تم نے اعتکاف کیا تمہیں کیا ملا؟ تم نے روزہ رکھا تمہیں کیا ملا؟ ارے! بہت کچھ ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اجر وثواب پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا کچھ ملا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم لوگ دو چیزوں کو چھپا کر رکھا کرتے ہیں ایک تو کوئی عیب کی چیز ہو تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، کیونکہ آدمی نہیں چاہتا کہ اس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ دوسرے، کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، گھر میں پیسے وغیرہ ہوں تو ان کو بے پروائی سے یوں ہی نہیں بکھیر دیا کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں، اگر کوئی زیور وغیرہ ہو تو اس کو برتنوں کی طرح یوں ہی سب کے سامنے نہیں پھینک دیتے، بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھتے ہیں، تو ایک تو بندوں کے عیب قابل ستر ہیں، چھپانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ستاری فرماتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے اپنے بندوں کے عیوب ظاہر نہیں فرماتے، دوسرے اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ نیکیاں کمائی ہیں، کچھ اچھے کام کئے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑے قیمتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھپا کے رکھتے ہیں، تاکہ ڈاکوؤں کو پتہ نہ چلے، ورنہ یہ ساری نیکیاں لوٹ کر لے جائیں گے نفس اور شیطان دونوں انسان کے دشمن ہیں، دونوں ڈاکو ہیں، ان کو پتہ چلا تو یہ لوٹ کر لے جائیں گے، کبھی اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہو جائے گا، عُجب کہتے ہیں خود پسندی کو، اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگے گا، کبھی کبر میں مبتلا ہو جائے گا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنے لگے گا،

کبھی اپنی نیکیوں پر مغرور ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجائے گا، یہ وہ بلائیں ہیں جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کو بندے کی نظر سے بھی چھپا کے رکھتے ہیں۔

کاملین کو عُجب نہیں ہوتا

ہاں! جب آدمی اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آجائے کہ تومقبول ہے تب بھی اس کو گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، میری بات کو آپ حضرات نے سمجھا نہیں ہوگا۔ کسی شخص کے بارے میں وحی الٰہی آجائے، آسمان سے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوجائیں اور آکے کہیں کہ یہ شخص مقبول ہے تب بھی اس کے دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی بشارتیں دی تھیں، کیا اس بشارت سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس کے باوجود ان حضرات پر کتنا خوف طاری رہتا تھا؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے زیادہ کس کی زبان سچی اور پاک ہوسکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارتیں دیں تھیں وہ وحی الٰہی سے دیں تھیں، لیکن ان قطعی بشارتوں کے باوجود ان حضرات میں عُجب پیدا نہیں ہوا، بلکہ جلال الٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف کا عالم یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

"یالیتنی شجرۃ تعضد ثم توکل۔"

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ۱۰۴ جلد ۱)

ترجمہ: "اے کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا، اور پھر جانور اس کو چر لیتے"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

اور حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ زمین سے تنکا اٹھا کر فرماتے تھے:

"اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، اے کاش! میری ماں نے مجھ کو جنم نہ دیا ہوتا، اے کاش! میں کوئی چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بھولا بسرا ہوتا"۔

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ا جلد ا)

الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے خوف کے واقعات سے حدیث وسیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حقیقت تک پہنچ گئے تھے، ان کو بشارت اس وقت ملی جب وہ حقیقت تک

پہنچ گئے، اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت آئی تب بھی ان میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عجز میں اور ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا

قرآن کریم ان حضرات سے اللہ کے راضی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

"لقد رضی اللّٰه عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم۔" (الفتح: ۱۸)

ترجمہ: "راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے جب کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے درخت کے نیچے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے"۔

یعنی ان کے دلوں کو جانچ کر پرکھ کر اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عن المؤمنین کا اعلان فرمایا اور منبر و محراب پر قیامت تک یہ اعلان گونجتا رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کی رسائی حقیقت تک ہوگئی تھی، تو ایسے لوگوں کے سامنے سے اگر پردہ ہٹادیا جائے اور ان کی قبولیت عند اللہ ان کو جتا بھی دی جائے، اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے سے اس کا اعلان فرمادیں تب بھی ان میں عُجب اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ محض مولائے کریم کی عنایت ہے، اس کا فضل ہے، اور بغیر استحقاق کے اس کی عطا ہے، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے؟ وہ ان عنایاتِ ربانی کو

اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ مالک کے فضل سے اس کی عنایت اور اس کے لطف کی طرف منسوب کرتے ہیں،

قبولیت اعتکاف کی علامت

تو میاں! قطعی قبولیت کا تو خیال چھوڑ دو، اور یہ بھی کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہمارا اعتکاف قبول ہوگیا؟ کیونکہ وحی تو میرے پاس بھی نہیں آتی، اور تمہارے پاس بھی نہیں آتی، جس کے ذریعہ قبولیت کا قطعی فیصلہ ہوجائے، البتہ ایک علامت ہے، اس سے کچھ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ دس دن تک آپ حضرات مسجد میں جم کر بیٹھے تو کیا اس اعتکاف کے نتیجہ میں مسجد سے بھی تعلق پیدا ہوا؟ تم تو مسجد میں بیٹھے کیا مسجد بھی تمہارے دل میں بیٹھی؟ تم نے قرآن کریم کی تلاوت کی، کیا وہ تلاوت بھی تمہارے دل میں آئی؟ تم نے اللہ پاک کا نام لیا، کیا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اور اس کے پاک نام سے کچھ تعلق بھی پیدا ہوا؟ کچھ دل میں چاشنی بھی آئی؟ کچھ دل کو ذکر سے رغبت بھی ہوئی؟ تم مسجد کے اس نورانی ماحول میں کچھ وقت گزار کر واپس جارہے ہو اپنے ماحول کا اور اس نورانی ماحول کا کچھ فرق بھی محسوس ہوا؟ اور اس ماحول کی رغبت بھی پیدا ہوئی؟ اور اس ماحول کے اثرات بھی ساتھ لے جارہے ہو، یا سب کچھ یہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟ اور کیا آئندہ کے لئے اپنی زندگی کی لائن بدلنے کا بھی فیصلہ ہوا؟ اور کیا رضائے الٰہی کے لئے اپنی ہویٰ یعنی خواہش کو چھوڑنے کا بھی جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا؟ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہوگئی ہیں تو جس درجہ کی پیدا ہوئی ہیں.اس درجہ کی قبولیت ان شاء اللہ تمہیں حاصل ہوگئی، اور اگر یہ نہیں ہوا تو پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

حج مبرور کی فضیلت

حدیث شریف میں فرمایا ہے:

"والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة۔"

(متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ، مشکوۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"من حج لله فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدته امه۔" (متفق علیہ عن حدیث ابی ہریرۃ۔ مشکوۃ صفحہ۲۲۱)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس نے نہ کسی قسم کی فحش کلامی کی اور نہ گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ اس حالت میں واپس ہوگا گویا آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہے، یعنی پاک صاف ہوکر واپس آئے گا، اور ایسا حج، "حج مبرور" کہلاتا ہے"۔

حج مبرور کی علامت

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ "حج مبرور" کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرماں برداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے، پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج وصدمہ نہیں، اسی طرح دوسری چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن حج کرنے

کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائض شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج "حج مبرور" ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کا ذکر خیر

ہمارے بزرگ مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بزرگ استاذ حدیث تھے، اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "بینات" کے مدیر تھے۔ اور وہ میرے خاص محسن تھے کہ مجھے کراچی لانے کا سبب بنے، میں ضلع فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے قصبہ ماموں کانجن میں مدرس تھا۔ ایوب خاں کے زمانے میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ اٹھا تو میں نے اس کے خلاف مضامین لکھنا شروع کئے، ایک مضمون میں نے مولانا مرحوم کو بھیج دیا، اس مضمون کو پڑھ کر انہوں نے میرے حضرت بنوریؒ سے کہا تھا کہ اس کو کراچی بلوا لو، وہ مجھے جانتے نہیں تھے، نہ حضرت بنوریؒ سے میرا تعارف تھا، لیکن مرحوم نے میرا وہ مضمون پڑھا تو بغیر کسی سابقہ تعارف کے مجھے حاضری کا خط لکھ دیا، اور میں حضرتؒ کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا، اس طرح حضرتؒ سے اور ان کے مدرسہ سے میرا تعلق ہوگیا۔ پس میرے کراچی آنے کا سبب حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ بنے تھے، ماہنامہ "بینات" جس کا میں اڈیٹر ہوں، اس کے پہلے مدیر مولانا مرحوم تھے، اور اب میں ان کا جانشین ہوں، اس لئے ان کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ مولانا مرحوم شروع میں کسی سے بیعت نہیں تھے (بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری سے بیعت ہوگئے

تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی محبت و عظمت ان کے دل میں ڈال دی تھی، حج و عمرہ سے ان کو والہانہ عشق تھا۔ جتنا پیسہ کماتے سب حج و عمرہ کے لئے جمع کرتے رہتے تھے اور سال میں دو مرتبہ ایک مرتبہ عمرہ پر اور ایک مرتبہ حج پر جانا گویا اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا۔

میرا مرشد تو بیت اللہ ہے

مرحوم فرمایا کرتے کہ میرا مرشد تو بیت اللہ ہے، میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، لوگ تو حج و عمرہ کرنے کو جاتے ہوں گے، مگر میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اور واقعی انہوں نے اپنے مرشد سے عجیب فیض اٹھایا تھا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان کے مرشد (بیت اللہ شریف) نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔

مولانا مرحوم کی نماز کی کیفیت

اتنی اچھی اور نفیس نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاس کھڑا ہونے والا بھی اس کی لذت وحلاوت محسوس کرتا تھا۔ نماز کے سجدہ میں ماثور دعائیں بڑے درد اور سوز سے کرتے تھے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے حنفیہ سجدہ میں دعائیں کیوں نہیں کرتے؟ (ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ امام سجدہ میں بس تسبیحات پڑھے، لمبی دعائیں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہو۔ جب کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ جو دعائیں حدیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھے) میں نے حضرت مولانا کے اس سوال کے جواب میں کہ "حنفیہ سجدہ میں دعا کیوں نہیں کرتے؟" ان کی خدمت میں اپنے اکابر کی توجیہ عرض کی، اس توجیہ کو وہ بھی جانتے تھے۔ لیکن

ان کا ذوق تھا کہ سجدہ میں خوب دعا کی جائے، اس لئے جھنجلا کر کہنے لگے، "نہیں جی! چھوڑو!" وہ خوب مزے کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، اور اس میں دعائیں مانگتے رہتے تھے، ایک دفعہ کچھ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے، "اب میں ٹھیک ہوجاؤں گا اس لئے کہ میں نے سجدہ میں یہ دعا کی ہے:

"انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔"

(الانبیاء:۸۳)

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"(اے میرے پروردگار!) مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں"۔

یعنی آپ ارحم الراحمین ہیں، آپ کی رحمت بھی کامل، قدرت بھی کامل، اپنی رحمت کے صدقے میری تکلیف کو دور فرمادیجئے۔

مولانا مرحوم کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ

مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دوسرے استاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھادیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے، مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے، حضرت سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطففین چل رہی تھی، اور آج کا سبق یہ تھا:

"کلا ان کتب الابرار لفی علیین ۞ وما ادرک ما علیون ۞ کتب مرقوم ۞ یشهده المقربون ۞ ان الابرار لفی نعیم ۞ علی الارآئک ینظرون ۞ تعرف فی وجوههم نضرة النعیم ۞ یسقون من رحیق مختوم ۞ ختمه مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون ۞ ومزاجه من تسنیم ۞ عینا یشرب بها المقربون۔"

(المطففین ۱۸۔ ۲۸)

ترجمہ: "ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علیین میں ہے، اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرب فرشتے، بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں، تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی، جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرب حضرات)"۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ بتصرف یسیر)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کرکے اوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور انتقال ہوگیا، گیارہ بجے کے بعد سبق پڑھا رہے تھے، وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔

وفات کے بعد ان کی کرامت

وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا ہے؟ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرتؒ کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پوڈر کیوں لگادیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔

الغرض جن کو حج مقبول نصیب ہوجاتا ہے، حج سے یوں ان کی زندگیاں بدلتی ہیں، حج کرنے والے یوں حج کرتے ہیں کہ بیت اللہ ان کا مرشد بن جاتا ہے۔ تو میرے بھائی! تم نے جو اعتکاف کیا ہے اگر اس سے یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوگئیں، اور قبولیت کے یہ آثار تمہیں نصیب ہوگئے تو توقع رکھو کہ ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ لے کر گئے۔ بس یہ مضمون ختم ہوا۔

اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ

اب اصل بات جو مجھے آپ سے کہنی تھی وہ عرض کرتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ آج میں آپ حضرات سے درخواست کروں کہ یہاں سے جاتے ہوئے اس اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ۔ اور اعتکاف کی سوغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، یہاں سے جاتے ہوئے یہ سوغات لے کر جاؤ، اس لئے جی چاہا کہ آپ حضرات کو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تقسیم کروں۔

"حکایات صحابہؓ" میں عشق نبوی ﷺ کا بیان

اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے عشاء کے بعد جب "حکایات صحابہؓ" سنائی۔ تو اس میں بھی وہی مضمون نکل آیا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ماشاء اللہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ مضمون بہت والہانہ انداز میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق و محبت کے واقعات ذکر کئے ہیں۔

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ

اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللّٰہ! متی الساعۃ؟۔"

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ویلک! وما اعددت لھا؟۔"

"تیرا ناس ہوجائے، تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"۔

وہ شخص نہایت سادگی سے کہنے لگا:

"ما اعددت لھا کثیر صلوۃ ولا صیام الا انی

احب اللّٰہ ورسولہ۔"

"میں نے اس کے لئے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انت مع من احببت۔"

"قیامت کے دن تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ۴۲۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا یہ عظیم صلہ ہے کہ ان حضرات کو جنت میں معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔

خوب یاد رکھو! جن لوگوں سے محبت رکھتے ہو، تمہارا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، اگر اہل اللہ سے محبت رکھتے ہو تو ان شاء اللہ ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر فاسقوں بدکاروں سے محبت رکھتے ہو تو (نعوذ باللہ) ان کے ساتھ حشر ہوگا۔ قادیانیوں مرزائیوں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہو تو انہی کے ساتھ

اٹھائے جاؤ گے۔

دنیا میں محبت کا صلہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بہت سے حضرات جاہلیت کے زمانے میں شراب کے عادی تھے، اور جب تک شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا اسلام لانے کے بعد بھی پیتے تھے، پھر یکایک اعلان ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس طرح چھوڑ دی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ شراب کے برتن توڑ دیئے گئے، اور شراب مدینہ کے گلی کوچوں میں سیلاب کی طرح بہنے لگی، لیکن انسان آخر انسان ہے اس سے کبھی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے، صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کا لقب حمار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خوش طبعی کی باتوں سے ہنسایا کرتے تھے، ان سے یہ غلطی ہوئی کہ شراب کے حرام ہوجانے کے بعد انہوں نے شراب پی لی، اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، ایک دن دوبارہ لائے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، تو ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا:

"اللھم العنہ، ما اکثر مایوتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟"

ترجمہ: "اس پر اللہ کی پھٹکار ہو! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنی کثرت سے بار بار لایا جاتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

"لاتلعنوه فو اللّٰہ ماعلمت انہ یحب اللّٰہ ورسولہ" (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۲ جلد ۲، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۶)

ترجمہ: "اس پر لعنت نہ کرو! کیونکہ اللہ کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ صاحب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بڑی بشارت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوجانا۔ اور ایک مسلمان کو اپنے گناہ گار بھائی کے لئے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائیں، یہ دعا نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیں۔

کیونکہ جب کوئی شخص نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا تو شیطان خوش ہوگا کہ میں نے اس شخص کو تو اپنے جیسا بنالیا —— اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس وشیطان کے بہکانے سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور پھر فوراً ہی اس کو اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی لاحق ہوجائے، اور وہ اپنے آپ کو سزائے شرعی کے لئے پیش کردے (جیسا کہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کیا) تو اس سے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! کامل ترین محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اس حدیث سے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تو آپ کے اور ہمارے اعتکاف کی سوغات یہ ہے کہ ہم اور آپ مسجد سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت لے کر جائیں۔ ایسی محبت جو ہمارے رگ وریشے میں سرایت کر جائے، اور وہ محبت ہمیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال دے۔

محبت کے تقاضے

محبت کے کچھ تقاضے ہیں، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب قلب میں محبت آتی ہے تو آدمی آداب محبت بھی سیکھ لیتا ہے۔ ؏

"محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی"

ذرا ہمت کرکے میدان محبت میں قدم تو رکھو، محبت کرکے پھر دیکھو کہ یہ تمہیں آداب کس طرح سکھاتی ہے۔ ان شاء اللہ! حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے محبت کے آداب ولوازم بھی عطا کردئے جائیں گے، اور محبت کا سلیقہ بھی دے دیا جائے گا۔

محبت کے آداب ولوازم

اب میں مختصر طور پر محبت کے چند آداب واوصاف ذکر کرتا ہوں۔

محبت کا سب سے پہلا ادب ہے محبوب کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔ محبوب، عاشق کو حکم نہیں دیا کرتے، بلکہ عاشق ان کے اشارہ چشم وابرو سے ان کا منشا پہچان لیتے ہیں، اور محبوب کے اشارہ چشم وابرو پر جان قربان کردیتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو ہم اپنی خواہش پر ترجیح دینے لگیں، اور اپنی خواہشات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک پر قربان کردیں۔

ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کو آنحضرت سے محبت ہے، لیکن ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری ہے، اس لئے جب ہماری خواہشات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو محبت کی چنگاری بھڑکتی نہیں، اور ہماری خواہشات کے خس وخاشاک کو جلاکر بھسم نہیں کرتی۔

ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت ایک اشکال ہے، فرمایا کیا؟ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں

تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب بن جاؤں اس کے
باپ سے بھی، اس کی اولاد سے بھی، اور تمام انسانوں سے
بھی"۔

اور شبہ یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے زیادہ محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنے باپ سے ہے، تو میں مؤمن نہ ہوا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا نہیں! خان صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں اپنے والد سے زیادہ ہے۔ کہنے لگا، اجی! میں تو اپنے والد میں محبت زیادہ محسوس کرتا ہوں، فرمایا، نہیں! خیر بات ختم ہوئی، اسی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریفہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت ودل ربائی کا تذکرہ فرمایا، اور ایسے انداز سے تذکرہ فرمایا کہ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے:

کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست وبے خود ہیں
بظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے، نہ پیمانہ

حضرت حکیم الامتؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمارہے تھے اور اہل محفل پر ایک مستی کا عالم طاری تھا، بقول کسی کے ع

"ذکر اس پرلوش کا اور پھر بیاں اپنا"

اور یہ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے سب سے زیادہ جھوم رہے تھے، حضرتؒ نے چلتے چلتے ارشاد فرمایا کہ خان صاحب! خیر اس کو تو چھوڑیئے! آپ کے والد ماجد بہت اچھے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو اس وقت رہنے دیجئے۔ آپ کے والد ماجد بہت اچھے آدمی تھے

کچھ ان کا ذکر خیر بھی ہو جائے۔ خان صاحب کہنے لگے کہ حضرت! یہ آپ نے کیا غضب ڈھایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقدس ہو رہا تھا اور آپ میرے والد کا قصہ لے بیٹھے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا، کیوں خان صاحب! آپ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبت ہے، اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باپ سے محبت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بجائے اپنے باپ کا تذکرہ شروع ہونے سے آپ کو غیرت کیوں آئی؟

آنحضرت ﷺ کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ الحمد للہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے قلب میں ہے، خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو، کتنا ہی لتھڑا ہوا ہو، جو شخص سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہے، اس کے دل میں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ضرور ہے، اور محبت بھی ایسی جو تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر ہے، نہ ماں باپ سے ایسی محبت ہو سکتی ہے، نہ اولاد سے، نہ بیوی سے، نہ کسی اور سے۔ کسی سے ایسی محبت نہیں ہو سکتی ہے جیسی کہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

لیکن محبت کی یہ چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہ اپنا اثر نہیں دکھاتی، اور وہ راکھ کیا ہے؟ خواہشات کی راکھ، نفسانی لذتوں کی راکھ، مادی تعلقات کی راکھ، آخرت سے غفلت کی راکھ، اور دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی من مانیاں کرنے کی راکھ، میرا کہنا یہ ہے کہ محبت کی اس چنگاری کو اس راکھ کے

ڈھیر سے باہر نکالو! اور ذرا اس کو ذکر الٰہی کی ہوا دو، پھر اس کی تپش دیکھو۔ بقول مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے "عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو سارے جہان کو پھونک ڈالتا ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا عزم کرکے اس کو خواہشات کی راکھ میں سے نکالو! تمہارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت دبی ہوئی ہے وہ تمہارے چہروں پر نظر آئے، تمہارے لباس میں نظر آئے، تمہاری چلت پھرت میں نظر آئے، تمہارے اعمال میں نظر آئے، اخلاق میں نظر آئے، گفتگو میں نظر آئے، تمہارے معاملات میں نظر آئے، تمہارے بازار میں نظر آئے، تمہارے دفتر میں نظر آئے، تمہارے گھر میں نظر آئے۔

آپ ﷺ کی محبت کی خوشبو آنی چاہئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو وہ کستوری ہے کہ اگر اس کو بند نہ رکھا جائے اور اس کو خواہشات کی راکھ کے نیچے دبا نہ دیا جائے تو ہر جگہ مہکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک سراپا معطر تھا، تم نے سنا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سے گزر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے گلی کوچے مہک جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایسا معطر تھا کہ عنبر و کستوری کی خوشبو اس کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ تم نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور جب مسکراتے تھے تو دندان مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی نظر آتی تھیں، تاریک اور اندھیری رات میں گھر کے اندر روشنی ہو جاتی تھی، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں کہ میں مسکراہٹ کے وقت دندان مبارک سے نکلنے والے نور کی روشنی سے سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھی۔ بہت سے اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کمرہ منور اور معطر ہو گیا اور بیدار ہونے کے بعد بھی کمرے سے خوشبو آتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جمال جہاں آراء اگر ہمارے دل میں بس جائے تو اس کی شعائیں ہمارے چہرے سے پھوٹنے لگیں، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائے تو اس کی خوشبو ہمارے وجود میں سے آنے لگے، اور ہماری اس خوشبو سے بازار مہک اٹھیں، اس سے ہمارے دفاتر مہک اٹھیں، اس سے ہمارے گھر مہک اٹھیں، ایسی محبت کا رنگ اور ایسی محبت کی جھلک تمہیں ہر جگہ نظر آئے، ہماری ہر نشست وبرخاست میں نظر آئے۔

درود شریف کی خوشبو

بہت سے اکابر کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شب جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ تو میں انکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں، محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

محبوب کے تعلق والوں سے محبت

اور دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے تعلق والوں سے محبت ہو، مشہور ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کے پاؤں چومتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے گزرا ہے، بس اتنا تعلق تھا کتے کو لیلیٰ سے، لیکن عاشق کی نظر میں اتنا سا تعلق بھی اس کے پاؤں چومنے کو کافی تھا۔ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق ہو، سچی محبت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے درجہ بدرجہ ہمارے محبوب بن جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی عزت وحرمت ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اور جزو ایمان بن جائے۔ آخر کیا بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعلق والے حضرات کے بار بار فضائل بیان فرمائے؟ کبھی عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، کبھی خاص خاص حضرات کے، کبھی مہاجرین کے، کبھی انصار کے، کبھی اصحاب بدر کے، کبھی اصحاب حدیبیہ کے؟ اس لئے کہ ان حضرات نے اللہ ورسول کی راہ میں محض رضائے الٰہی کی خاطر قربانی وجاں نثاری کے بے مثال نمونے پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعلق ومحبت کا حق ادا کردیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کی عزت وحرمت ہمارے لئے جزو ایمان بن گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام و متعلقین ہمارے لئے محبوب ومعظم بن گئے۔ صحابہ کرام بھی، اہل بیت عظام بھی۔

حضرت ابوبکر و عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب کے سرتاج تھے، اس لئے

وہ سب سے آگے نکل گئے۔ پوری امت میں ان کے برابر کا کوئی نہیں، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ابتدائے نبوت سے عطا فرمائی، اور آج تک روضہ "مطہرہ" میں بھی یہ رفاقت حاصل ہے۔ انشاء اللہ! حشر میں بھی حاصل ہوگی، اور جنت میں بھی ــــ

میں نے اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قسمت کے کیا کہنے، جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودہ راحت ہیں، ان حضرات کو ساری عمر رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل رہی، اور رفاقت کا یہ سلسلہ اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا، یہ رفاقت آج بھی باقی ہے، اس موقع پر میں نے فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ فارسی شعر نقل کیا ہے کہ:

از پاک داماں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

یعنی: "حسن، پاک دامنوں سے احتراز نہیں کیا کرتا، بلکہ پاک دامنوں کو حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ آفتاب جو مظہر حسن ہے، آئینہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سویا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ پاک وصاف ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ آئینہ آفتاب کے سامنے کردو تو وہ آفتاب کو آغوش میں لے لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب حسن ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئینہ کی طرح پاک صاف ہیں، وہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج بھی ہم آغوش ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، اور جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھیں گے۔ گویا حشر کے دن بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل رہے گی، اور پھر جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ان دونوں بزرگوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، بزرگانِ دین، اولیائے عظام اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام بندے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے منظورِ نظر ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات والطاف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا لازم ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے دشمنی بھی رکھتے ہو؟ بھئی، یہ تو آئینِ وفا کے خلاف ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت رکھو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض

اور آئینِ وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے بغض اور نفرت رکھو۔ ہمارا جذبہ محبت یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں وہ میرے دشمن ہیں۔ تمہیں کتے اور خنزیر سے اتنی نفرت نہ ہو جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہو، تمہیں کسی گندگی اور غلاظت سے اتنی بدبو نہ آئے جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بدبو آتی ہو، یہ قادیانی ٹولہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، موذی ہیں، گستاخ ہیں، لیکن تم ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو، اور دعویٰ محبت بھی رکھتے ہو؟ غلط! بالکل غلط! اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، محبت ہوتی تو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض ہوتا، ان سے نفرت ہوتی۔

قادیانی دوست؟

بعض لوگ مجھے خط لکھتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے" —— "میرا ایک عیسائی دوست ہے" —— "میرا ایک ہندو دوست ہے"۔ مجھے اس لفظ سے بہت تعجب ہوتا ہے، کہ کیا تمہاری ہر قادیانی سے، ہر عیسائی سے، ہر ہندو سے دوستی ہے؟ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو کیا کوئی قادیانی، کوئی ملحد و زندیق، کوئی بددین، بے ایمان، کوئی عیسائی اور چوہڑا تمہارا دوست ہو سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی غیرت مند کی اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی دوستی ہو سکتی ہے؟ کیا تم نے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی کبھی کہا کہ "میرا ایک دوست میرے باپ کا قاتل ہے؟" تم بلاتکلّف لکھ دیتے ہو کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے"۔ اور یہ سوچتے نہیں کہ کیا ایک قادیانی مرتد بھی کبھی کسی مسلمان کا دوست ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی بھی تمیز نہیں؟ جو لوگ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جو لوگ کہ ملعون قادیانی کو "مسیح موعود" اور "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں، تم ان کو اپنا دوست کہتے ہو؟ اس لئے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت ہو، اسی طرح ایک

تقاضائے محبت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ایسی نفرت ہو، ان سے ایسا بغض ہو کہ ایسی نفرت اور ایسا بغض پلید سے پلید چیزوں سے بھی نہ ہو۔

امیر شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اپنی زندگی میں صرف دو چیزوں سے نفرت ہے، ایک قادیانی، دوسرے انگریز، باقی کسی سے ایسی نفرت نہیں"۔ اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں ان سؤروں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے تیار ہوں جو انگریز کی کھیتی کو نقصان پہنچائے"۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں فرماتے تھے کہ "خواجہ ناظم الدین صاحب! مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کردیجئے! میں اس کی شکر گزاری میں ہر خدمت اور ہر نوکری بجالانے کو تیار ہوں"۔ یہ قادیانیوں اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی نفرت کا اظہار تھا، اب اس سے زیادہ نفرت کا اظہار کیسے کریں؟ اور پھر اس کا صلہ بھی دیکھا؟ جو حضرت امیر شریعتؒ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا؟ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ فوت ہوگئے ہیں، ان کے صاجزادے موجود ہیں، ان سے پوچھ لو، حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، اور وہاں پہنچ کر ہجرت کا ارادہ کرلیا، کہ باقی زندگی بس یہیں رہنا ہے، پاکستان واپس نہیں جانا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حکم فرمایا کہ "یہاں رہنے کی اجازت نہیں، واپس پاکستان جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے، وہاں رہ کر دین کا کام کرو، اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہہ دینا"۔

محبت والوں کو بارگاہ عالی سے نوازا جاتا ہے

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کر کے تو دیکھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات کا لطف دیکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر محبت رکھنے والے کو اس کی محبت کا صلہ محبت سے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وفادار ہیں، ہماری پنجابی میں اس کو "لج پال" کہتے ہیں، یعنی لاج رکھنے والے — آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اپنے محبین کی لاج رکھنے والے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے آداب و شرائط کو بجالاؤ۔ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں کہیں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بزرگ غالباً حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے یہاں ایک کتا تھا، ایک دن اس کو دیکھا کہ کتیوں کے پیچھے پھر رہا ہے، فرمایا کہ اس کو نکال دو یہاں سے، یہ ہمارے دروازے پر رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تم کتیوں کے پیچھے پھرتے ہو، اور چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے لائق بن جاؤ؟ کتوں اور کتیوں کے پیچھے پھرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں محبوب ہو جائیں؟ اور ہم مقبول بن جائیں؟

عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں جاتی

کہتے ہیں کہ "جی! بد نظری ہو جاتی ہے"۔ ارے اگر تمہاری ایک پر نظر ہوتی تو دوسرے پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں، یوں کہتے ہیں کہ ایک حسینہ جارہی تھی کوئی لونڈا اس کے پیچھے لگ گیا، وہ اس سے کہنے لگی کہ "تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہو؟" اس نے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"۔ حسینہ نے کہا "ارے تم مجھ سے محبت کر کے کیا لوگے؟ پیچھے میری بہن آرہی ہے، اگر تم اس کو دیکھ لو تو

اس پر ایسے فریفتہ ہو جاؤ کہ مجھے بھول جاؤ، میں تو حسن و جمال میں اس کی پاسنگ بھی نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ وہ دیکھو! پیچھے میری بہن آرہی ہے"۔ اس نوجوان نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس حسینہ نے نوجوان کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، اور کہنے لگی کہ "او بوالہوس! دعویٰ عشق کا؟ اور دوسروں کو دیکھنا؟" عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بس اسی کے ہو رہو، اس کے علاوہ کسی کو دیکھو ہی نہیں۔ عارف کہتے ہیں:

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم ازہمہ عالم فرو بند

ترجمہ: "تمہارا جو محبوب ہے بس اسی میں دل لگاؤ، اس کے سوا سارے عالم سے آنکھیں بند کرلو"۔

سنو!! مسجد میں بیٹھا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور صاحب جمال دلربا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا، محبت کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو، تم کن چیزوں کے پیچھے لگ گئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تم کن سفید چمڑیوں کے پیچھے لگے ہو؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قدخلقت کما تشاء

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی

کوئی شخص میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحب جمال کسی ماں نے بچہ نہیں جنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے بنادیئے گئے"۔

اور میری اماں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے"۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمال یوسفی سے ایسی مبہوت ومدہوش ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ ام المؤمنین فرماتی تھیں کہ "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اگر وہ میرے یوسف کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھ لیتیں تو چھریاں ہاتھوں پر نہ چلتیں بلکہ دلوں پر چلتیں اور اپنی گردنیں کاٹ لیتیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل دنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی وضع اور شکل وشباہت اختیار کرو

اللہ کے بندو! تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت کو چھوڑ کر غیروں کی شکل وشباہت اپناتے ہو؟ تمہیں گمراہ اور ملعون قوموں کی شکل وشباہت اور طور وطریق بھاتے ہیں؟ ہائے! تمہاری نظریں کدھر بھٹک گئیں؟ آؤ! جمال محمدی کو دیکھو! (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوب رب العالمین کے طریقوں کو اپناؤ!!

آنحضرت ﷺ محبوب رب العالمین ہیں

دیکھو! تم کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کو حسین دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہو، اب سوچو کہ جس مقدس ہستی سے رب العالمین محبت کرتا ہے اور جو ہستی حبیب کبریاء ہے اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کے حسن انتخاب نے پوری کائنات میں سے حسین ترین ہستی کو چن کر اپنا محبوب بنایا ہے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق سے محبت فرمارہے ہیں جن کو خود پیدا کیا ہے، اس سے کچھ اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے حسین و جمیل ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرمارہے ہیں؟ الغرض محبوب رب العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسروں کے طور وطریق سے نظریں ہٹادو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال پر اپنی نظریں گاڑ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ فارسی کی ایک غزل ہے اس کے دو شعر بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حال ہیں، اس کا ایک شعر تو یہ ہے:

ہمہ آہوان صحرا سرخود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

ترجمہ: ”جنگل کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر لئے
پھر رہے ہیں، اس امید پر کہ کسی دن آپ صلی اللہ علیہ

وسلم شکار کے لئے تشریف لائیں"۔

یہ حجۃ الوداع کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربان کئے تھے، سات اونٹوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپک رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بسم اللہ فرمائیں۔

اور فرماتے تھے کہ دوسرا شعر ہے ؎

عشقے کہ بتو دارم نہ گزاردت بدیں ساں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ترجمہ: "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے وہ آپ کو ایسے تو چھوڑے گی نہیں، اگر جنازے پر نہیں، تشریف لائیں گے تو مزار پر آئیں گے"۔

اس کی شرح یہ ہے کہ قبر میں مردہ سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔
① تیرا رب کون ہے۔ ② تیرا دین کیا ہے۔ ③ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ: "تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ قبر میں مردہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کر یہ سوال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ ثابت ہو تو مؤمن کے لئے بڑی بشارت ہے۔

سُنّت سے طبعی رغبت ہونا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے ہمیں طبعی رغبت ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو لوکی پسند تھی، میں سات سال تک لوکی کھاتا رہا ہوں۔ دو وقت روزانہ لوکی کا سالن کھاتا تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھی، مجھے اس پورے عرصے میں کبھی اس سے اُکتاہٹ نہیں ہوئی، ایک دفعہ بیمار ہوا تو ڈاکٹر حکیموں نے یہ کہہ کرکے چھڑادی کہ مسلسل لوکی کھانے سے اس کا معدہ ٹھنڈا ہوگیا ہے اس کی لوکی چھڑاؤ، تب سے یہ چھوٹ گئی، ورنہ سات سال تک بغیر اکتاہٹ کے دو وقت کھاتا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہماری رغبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت میں فنا ہوجائیں اور ہمارا یہ ذوق اور مزاج بن جائے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ ہمیں محبوب ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے سے داڑھی کے بال نہیں رکھے جاتے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ، اور یہ معمولی سا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے؟ تم یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرتے ہو لیکن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے تمہیں بھول گئے ہیں، اور بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ ان کو ان چیزوں سے نفرت ہوگئی ہے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق سے نفرت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غور کرو اور انصاف کرو کہ کیا کسی اُمتی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوسکتی ہے؟ اور جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع اور شکل وشباہت سے نفرت ہوجائے اس کو مسلمان کہنا صحیح ہے؟

ایک حدیث

اب آخر میں ایک حدیث نقل کرکے ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"احبوا اللّٰہ لما یغذوکم من نعمہ، واحبونی لحب اللّٰہ، واحبوا اھل بیتی لحبی۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اپنی نعمتوں سے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی وجہ سے"۔

حق تعالیٰ محبوب مطلق ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت ان کی ذات عالی کی وجہ سے بھی لازم ہے، ان کی صفات کمال اور جلال وجمال کی وجہ سے بھی، اور ان کی عطاء ونوال کی وجہ سے بھی۔ چونکہ انعامات واحسانات کا استحضار عام لوگوں کے لئے محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: "الانسان عبدالانسان۔" "انسان احسان کا غلام ہے"۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات الٰہیہ کو پیش نظر رکھنے کا حکم فرمایا، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں غذائیں دیتا ہے، روزی عطا کرتا ہے، وہ تمہارا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، مربی بھی ہے، رب العالمین بھی ہے، اس لئے اس سے محبت رکھنا لازمۂ عبدیت ہے۔ اور سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی بھی اللہ کی عطاؤں میں سے ایک عطاء ہے، اصل معطی حقیقی

وہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی زندگی تمہارے سامنے گزری ہے۔ جب تم نے اس انسان کامل کو نہیں پہچانا تو رب العالمین کو کیسے پہچانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں چلتے پھرتے نظر آتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر فریفتہ نہیں ہوسکے تو پروردگار عالم جل شانہ تو ان مادی آنکھوں سے کبھی نظر بھی نہیں آتے ان سے تم کیا محبت کروگے؟ درحقیت اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب ہیں تمام انبیاءؑ کرام کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ کی شان محبوبیت کا مخلوق کیا ادراک کرسکتی ہے؟ سبحان اللہ! ہمارے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجابی میں حسین اور خوبصورت کو "سوہنا" کہتے ہیں۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ دوسرے حسین تو "سوہنے" ہیں، یعنی صاحب حسن وجمال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو "سوہنا" نہیں بلکہ "سناہپ" کہنا چاہئے۔ یعنی "عین حسن وجمال" اس کا جمال اپنی آخری انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں، وہ صاحب جمال نہیں بلکہ "عین جمال" ہیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو! اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون تک تمہاری نظر نہیں جاتی، اگر اللہ تعالیٰ کی صفات جلال وجمال تک بھی تمہاری نظر نہیں پہنچتی تو اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ تمام انعامات ظاہری وباطنی اسی کی عطا ہیں، اور اس کے انعامات کسی ایک شخص تک محدود نہیں، بلکہ پورے کا پورا

جہان اس کے انعامات واحسانات کے دریا میں غرق ہے۔

ایک جامع دعائے شکر

میں نے یہاں مسجد میں ایک دعا لکھوا کے لگائی تھی، اب شاید اتار دی گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے:

"اللھم ما اصبح بی من نعمۃ او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر۔"

ترجمہ: "یا اللہ! آج کے دن مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جو کوئی بھی احسان ہے اور جو کوئی بھی نعمت ہے وہ محض اور صرف ایک آپ ہی کی جانب سے ہے، اس کی عطا میں اور کسی کا دخل نہیں، سو آپ ہی کے لئے حمد ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا صبح کو تین مرتبہ پڑھے اس نے سارے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کردیا، اور جو شخص شام کو یہ دعا تین مرتبہ پڑھے اس نے رات بھر کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کردیا۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا کی تلقین فرمائی۔ اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام انعامات کا منبع اور تمام فیوضات وبرکات کا سر چشمہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے، وہی پاک ذات لائق حمد ہے، اور وہی لائق شکر ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ اس لئے اگر تم کو

حق تعالیٰ کے جلال وجمال کا ادراک نہیں تو کم سے کم اس کے بے پایاں احسانات کی وجہ سے اس سے محبت رکھو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے"۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتے ہیں تو تم کو بھی بدرجہ اولیٰ مجھ سے محبت رکھنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی بنا پر محبت رکھتے ہو تو مجھ سے بھی محبت رکھو، اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم وتربیت کے لئے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے، تمہیں محبوب حقیقی کا راستہ بتاتا ہوں، آداب عبدیت، آداب انسانیت تم کو سکھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیا و آخرت کی خیر میری پیروی میں رکھی ہے، اس لئے تمہارا اولین فرض ہے کہ مجھ سے محبت کا تعلق رکھو۔ اور فرمایا کہ:

"میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو"۔

گویا جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس کو لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت ہوگی، اور جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، آل واولاد کی محبت نہیں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت نہیں، اس کا دعوائے محبت ہی نہیں بلکہ دعوائے ایمان بھی مشکوک ہے۔

اب دعا کیجئے

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار اور اہل بیت عظام کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اس محبت کے لئے مستعد فرمادیں، اور ہمارے دلوں پر جو خواہشات کا زنگ ہے، گرد و غبار ہے، سیاہی و تاریکی ہے اور نامعلوم کیا کیا گند بلا ہمارے دلوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہمارے دلوں سے نکال کر اپنے لطف وکرم سے ان کو پاک صاف فرمادیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھردیں، اور محبت کی خوشبو ہمیں نصیب فرمائیں۔ یااللہ! ہم محتاج ہیں، یااللہ! ہمارے احتیاج پر، ہمارے فقر پر، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
محمد النبی الامی والہ واصحابہ وازواجہ
واھل بیتہ اجمعین، برحمتک یا ارحم
الراحمین۔
وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

لیلۃ القدر

کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

فضائل رمضان میں ایک جامع حدیث

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" کے خاتمہ میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ خاتمے میں ایک طویل حدیث، جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کرکے اس رسالے کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کے لئے جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے

نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام ''میثرہ'' ہے، (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑی ہو کر آواز دیتی ہیں کہ ''کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا، تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟'' پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ ''رضوان'' سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ ''رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لئے آج کھول دیئے گئے۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے، اور ''مالک'' یعنی جہنم کے داروغہ سے فرما دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے، اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور ''سرکش شیاطین'' کو قید کرو، اور ان کے گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک "منادی" کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ "ہے کوئی مانگنے والا کہ جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں، اور ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے۔ اور جب رمضان المبارک کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔ اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں، وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو بیت اللہ شریف کے اوپر کھڑا کر دیتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازوؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو

تقاضا (حکم) فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں، اور اس سے مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حاجتوں اور مؤمنوں کی ضرورتوں کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر عنایت اور توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو (اور اس سے توبہ نہ کرے) دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا ہو، اور ناتا توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو، جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (اس کا نام آسمانوں) پر "لیلۃ الجائزہ" یعنی "انعام والی رات" سے لیا جاتا ہے۔ اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیج دیتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں،

اور ایسی آواز سے، جس کو انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا پورا کام کرچکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان المبارک کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرماکر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو! میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے، میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا)، میری عزت کی قسم! اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت

نہیں کروں گا۔ پس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا، میں تم سے راضی ہوگیا۔ پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جوان کو عید الفطر کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔ "اللھم اجعلنا منھم" "یا اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرما۔ آمین" (فضائل رمضان صفحہ ۶۰)

شب قدر رحمت خداوندی کی رات

میں نے حدیث کا صرف ترجمہ پڑھا ہے۔ اس پر شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے کچھ فوائد بھی لکھے ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک مختصر سا نقشہ اس حدیث شریف میں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پر کتنی عنایت اور کتنی رحمت ہے، اور کریم آقا نے اپنے بندوں کو بخشنے کے لئے کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ یہ ستائیسویں رات عام طور پر شب قدر کی رات کہلاتی ہے، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ شب قدر کی رات کون سی ہے، کون سی طاق رات میں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں علما کے بہت سے اقوال ہیں، عام علما کرام کا رجحان یہ ہے کہ ستائیسویں کی رات شب قدر ہوتی ہے۔ بہرحال شب قدر خواہ کوئی سی رات میں ہو، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں ہمیں نصیب فرمائے۔ اب اس سلسلے میں کوشش کروں گا کہ مختصراً چند باتیں عرض کروں۔

حضرت عائشہؓ کی برأت کا واقعہ

پہلی بات یہ ہے کہ سورہ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں کے بہتان لگانے کے قصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقوں کی اس لب تراشی سے متأثر ہو کر ایک دو مخلص مسلمان بھی اس میں ملوث ہوگئے تھے، وہ بھی باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سخت الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی ہے:

"یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا۔ الآیۃ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیئے۔"

کسی مسلمان پر تہمت لگانا، اور مسلمان بھی کون؟ مسلمانوں کی ماں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان پر کسی مسلمان کی طرف سے گندگی کا منسوب کیا جانا کوئی چھوٹی بات ہے؟ حضرت مسطح ابن اثاثہ مہاجرین میں سے تھے اور نادار فقیر تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز تھے، ان کے تمام خرچ اخراجات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہ بھی منافقوں کی باتوں سے متأثر ہو کر اُم المؤمنینؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب حضرت عائشہؓ کی برأت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اولئک مبرءون مما یقولون الخ یعنی منافق لوگ جو بدزبانی کر رہے ہیں، یہ حضرات اس سے بری ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رنج کا واقعہ

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کا اعلان

فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ تو آنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ انہوں نے غصے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح ابن اثاثہ کو خرچ نہیں دوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ غصہ اللہ کی خاطر تھا، کسی کی بیٹی پر ایسی تہمت لگائی گئی ہو تو خود سوچئے کہ پھر ہمارا معاملہ اس تہمت لگانے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیٹی پر بدکاری کی تہمت کون برداشت کرتا ہے؟ پھر یہ بیٹی بھی تو عام بیٹیوں جیسی نہیں تھی، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور غصہ میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کو خرچ نہیں دیں گے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اس قسم سے باز رکھنے کے لئے سفارش فرمائی، گویا مسطح کی سفارش کی کہ ان کا خرچ بند نہ کیا جائے۔ "ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعة الخ" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش ہیں، جو صاحب خیر ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں "ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله" کہ وہ اپنے قرابت والوں کو جو کہ فقیر ہیں اور مہاجر فی سبیل اللہ ہیں، ان پر خرچ نہیں کریں گے، اور ان کو آئندہ خرچ نہیں دیں گے۔ "ولیعفوا ولیصفحوا" یعنی ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ "الاتحبون ان یغفر الله لکم" یعنی کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے تو تم بھی ان لوگوں کو بخش دو اور درگزر سے کام لو، تم اللہ کے قصوروار ہو اور اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہو تو لازم ہے کہ تم قصور والوں کو معاف کردو۔ "ان الله غفور رحیم" بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ واقعی

اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے، کیونکہ تمہارا مجرم کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا اور اس کے مجرم بے شمار ہیں۔ تمہارا قصور کسی نے کوئی ایک آدھ کیا ہوگا، اس کے بندوں نے بے شمار جرم اور بے شمار قصور کئے ہیں، جب ان تمام جرائم کے باوجود اور ان تمام قصوروں کے باوجود بندے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے تو اگر کسی نے تمہارا ایک آدھ قصور کردیا تو تم بھی معاف کردو۔

"ولایاتل اولی الفضل منکم والسعة" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور گنجائش والے ہیں۔ صاحب فضیلت اس شخص کو کہتے ہیں، جس کو بڑائی حاصل ہوتی ہے، اور صاحب گنجائش وہ شخص ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی نسبت مال زیادہ عطا فرمایا۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں تقریباً پندرہ وجوہ سے، پندرہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے، اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ان کو "اولو الفضل" فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش کہ قصور وار کو معاف کردیا جائے

اور اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جن کی ہستی سے بڑی

کوئی ہستی نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصور وار کا قصور معاف کروانے کے لئے اور ایک مجرم کو درگزر کرنے کے لئے سفارش فرمارہے ہیں، اور سفارش کا انداز بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا کہ پہلے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور پھر ان کی فضیلت کے حوالے سے فرمایا کہ ہاں، ہاں، آپ جیسے آدمی کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ گویا ان کو فرمایا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی چھوٹی بات پر قسم کھاتے ہو؟ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ: "ولیعفوا ولیصفحوا" معاف کر دو اور درگزر سے کام لو، اور پھر آخری بات فرمادی: "الاتحبون ان یغفر اللہ لکم" کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے؟ ظاہر ہے کہ کون نہیں چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، جب تم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہو تو خود بھی لوگوں کے ساتھ بخشش کا معاملہ کرو۔

بخشش چاہتے ہو تو تم دوسروں کو معاف کردو

میں نے یہ جو قصہ ذکر کیا ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ کا حوالہ دیا ہے، میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ٹھیک ہے بھائی! ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا بھی کسی نے کوئی قصور کیا ہوگا، کیا ہم نے اس کو معاف کردیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے اپنے تمام قصور واروں کو معاف کردیں۔ آج کے دن تک اور آج کی رات تک ہمارا جس شخص نے بھی جو بھی قصور کیا ہو، ہمیں صدمہ پہنچایا ہو، ہمیں رنج پہنچایا ہو، کوئی نازیبا حرکت اس نے کی ہو، سب کو معاف کردیں، اور

ہم اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری طرف سے سب کو تمام قصور معاف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود ہماری معافی کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہے، ہم معاف کردیں گے تو ہمارے لئے بھی معافی کا حکم ہوجائے گا۔ جب ہم سب کو معاف کرکے بارگاہ الٰہی میں معافی طلب کرنے کے لئے آئیں گے تو انشاء اللہ ہمیں بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: "الراحمون یرحمهم الرحمن" "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔"

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۳)

تو ایک گزارش تو میری یہ ہے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ، اپنے تعلق والوں کے ساتھ، ہماری کوئی نہ کوئی لڑائی چلتی رہتی ہے، کون آدمی ہے جس کی کسی کے ساتھ لڑائی نہ ہو؟ بندہ، بندہ ہے، کمزور ہے، کبھی کسی کی حالت سے رنج ہوتا ہے، کبھی کسی کی بات سے آدمی کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بعض لوگ تو رنجیدہ ہو کر قسم کھالیا کرتے ہیں کہ میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا۔ اچھا بھائی! تم معاف نہیں کروگے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا یہ چاہو گے کہ اللہ تعالیٰ بھی قسم کھالیں کہ وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے؟ نہیں! ہم تو کمزور بندے ہیں، ہم تو یہ چاہیں گے کہ اللہ کریم ہمیں معاف کردیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیں تو خود سوچو کہ پھر ہمیں ایسی قسم کھانے کا کیا حق ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟

شب قدر کی دعاء

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ رب العزت سے یہ کہنا کہ:

"اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ: "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ مجھے بھی معاف کر دیجئے۔" (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۲)

یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ آج کی رات ہی "شب قدر" ہے یا کوئی اور رات شب قدر ہے۔ بہرحال وہ ہم پر گزرے گی اور رحمتیں و برکتیں بکھیر کر جائے گی۔ ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔ ہمیں پتہ ہونا ضروری نہیں۔ پتہ چلے گا اس دن، جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہم پر اس شب مبارک کی وجہ سے انعامات ہوں گے۔ بہرحال اس شب قدر کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی۔ "اللھم انک عفو" "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں۔" "تحب العفو" "آپ معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔" مخلوق انتقام لینا چاہتی ہے اور انتقام کو پسند کرتی ہے، لیکن یا اللہ! آپ انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ "فاعف عنی" "پس مجھے بھی معاف فرما دیجئے۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: "تخلقوا باخلاق اللہ" "اللہ تعالیٰ کے

اخلاق کو اپناؤ۔"

اگر ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں تو لازم ہے کہ ہم بھی تمام لوگوں کو معاف کردیں۔ آج سے لوگوں کے تمام کھاتے بے باق کردیں۔

چار آدمی جن کی بخشش نہیں ہوتی

اب دوسری بات، حدیث شریف جو میں نے آپ کو سنائی، اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں فرماتے۔ رمضان المبارک میں جیسا کہ آپ نے سنا، ہر رات دس لاکھ ایسے آدمیوں کی بخشش کی جاتی ہے کہ جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی، اور ان سے فرمادیا جاتا ہے کہ جاؤ آزاد کیا، اور رمضان المبارک کی آخری رات میں اتنے لوگوں کو معاف کیا جاتا ہے، جتنے لوگوں کو یکم رمضان سے آخری رات تک معاف کیا گیا تھا۔ اللہ اکبر! اتنے لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت الٰہی کا گویا سیلاب ہے، جو بندوں کے گناہوں کو بہاکر لے جاتا ہے۔ لیکن چار آدمیوں کی بخشش رمضان المبارک کی عام راتوں میں تو کیا، شب قدر میں بھی نہیں ہوتی۔ بھئی ان سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوگا۔ شب قدر میں جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی کا اعلان کیا جارہا ہے، ان کی بخشش نہیں ہورہی۔ وہ چار کون ہیں؟ ایک تو شراب کا عادی، ایسا بلانوش کہ جس نے شراب سے توبہ نہ کی ہو، اور اس گناہ سے توبہ کرنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی ہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحؒ کی ایک کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی نوّر اللہ مرقدہ کا جس دن انتقال ہوا، اس

دن ہم لوگ حضرت کے مکان پر جمع تھے، حضرتؒ کے صاحبزادے نے ایک قصہ سنایا، کہنے لگے کہ ایک شخص مطب میں آیا، مجھ سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہیں؟ اس وقت حضرتؒ کی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی جہاں پاپوش میں حضرتؒ کا مطب تھا، اور عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس لگتی تھی۔ میں نے کہا بیٹھے ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے۔ مطب کا جو دروازہ احاطے کی طرف کھلتا تھا، اس نے وہ دروازہ کھولا اور دونوں کواڑ پکڑ کر کھڑا ہوا کچھ دیر حضرتؒ کو دیکھتا رہا، اور واپس آکر دوبارہ بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، میں نہ ان کا شاگرد ہوں، نہ مرید، اور میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، مجھے شراب پینے کی عادت تھی، میری بیوی بچے، دوست احباب سب نے اس کو چھڑانے کی ہرچند کوشش کی، لیکن:

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ایک شادی کی تقریب میں، میں مدعو تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی وہاں تشریف لے گئے، اور میرے جانے سے پہلے حضرتؒ وہاں بیٹھک میں تشریف فرما تھے، اور جس طرح اس وقت محفل گرم ہے، اسی طرح لوگ حضرتؒ کے اردگرد جمع تھے، حضرتؒ اپنے ملفوظات بیان فرمارہے تھے، میں دروازے میں داخل ہوا تو حضرتؒ اپنی بات چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے، اور جب تک میں بیٹھ نہیں گیا، برابر میری طرف دیکھتے رہے، جب میں بیٹھ گیا تو حضرتؒ نے پھر اپنی بات شروع کردی، وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے دوبارہ نہیں پی۔ ایک نظر کافی ہوگئی۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی، حضرتؒ کا شعر ہے ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے میخانہ

حضرتؒ کی ایک اور کرامت

ایک قصہ اور یاد آیا جو ایک بزرگ نے سنایا تھا، ستر (۷۰) سال کے بڑے میاں تھے، حضرتؒ سے تعلق تھا، کسی لڑکی کو ٹیوشن پڑھانے لگے اور وہ بدبخت ان کے دل میں بیٹھ گئی۔ اب ستر سال کا بوڑھا ایک چھوکری کو دل دے بیٹھا۔

بوڑھوں سے بھی پردہ کیا جائے

بھئی! بڑے بوڑھوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ضعیف العمر باباجی ہیں، ان سے کیا پردہ؟ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ پرانا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ الغرض یہ بڑے صاحب تین چار مہینے پریشان رہے کہ کیا کروں، کسی کو کیسے بتاؤں؟ جب پریشانی حد سے سوا ہوئی تو آخر فیصلہ کرلیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہوں، وہ اس بلا سے نجات کی کوئی تدبیر بتلائیں گے، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بتایا کہ حضرت کیا کروں؟ آپ کوئی تدبیر بتلایئے؟ حضرت نے سن لیا، جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا، بس سن لیا اور خاموش رہے، اس کے بعد دوسرے لوگ آگئے، حسب معمول حضرت کے ملفوظات شروع ہوئے، کافی دیر تک مجلس جاری رہی، جب میں حضرتؒ کی مجلس سے اٹھا تو دل بالکل صاف تھا، اس میں کوئی کوڑا کرکٹ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی۔

شراب خانہ خراب کی بربادیاں

شراب اتنی گندی چیز ہے کہ دل کو گندہ کردیتی ہے، جس طرح پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اسی طرح شراب بھی نجاست غلیظہ ہے، لوگ اُس سے تو گھن

کرتے ہیں، مگر اس ''شراب خانۂ خراب'' سے گھن نہیں کرتے، حالانکہ یہ اُم الخبائث ہے، کہتے ہیں ایک بزرگ کسی بدمعاشوں کے ٹولے میں پھنس گیا تھا۔ اس کو مجبور کیا گیا کہ یہ بچہ ہے، اس کو قتل کرو، یا یہ عورت ہے، اس کے ساتھ بدکاری کرو، یا کم سے کم درجہ میں یہ شراب ہے، یہ پی لو، ورنہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ یہ پریشان ہوئے کہ یا اللہ! جان بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کروں؟ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں کاموں میں شراب پینا سب سے ہلکا کام ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو شخص دو بُرائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے، اسے چاہئے کہ سب سے کم درجہ کی بُرائی کو اختیار کرے، یہ سوچ کر انہوں نے اس کو اختیار کرلیا۔ شراب بڑی تیز تھی، شراب پینے کے بعد مدہوش ہوگئے، مدہوشی کے عالم میں بچے کو بھی قتل کیا، زنا کا بھی ارتکاب کیا، تینوں کام مکمل ہوگئے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں، واقعی یہ اُم الخبائث ہے، عقل وخرد اور ہوش و حواس کی دشمن ہے۔ تو جو لوگ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں، وہ اس اُم الخبائث سے توبہ کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

(مشکوٰۃ شریف)

مغفرت مانگنے والوں کو توبہ لازم ہے؟

اور میں نے ابھی کہا کہ اس بزرگ نے سمجھا کہ یہ ہلکا کام ہے، قتل اور زنا اس سے بدتر کام ہیں، لہٰذا ہلکا کام کرلو۔ آپ خود سوچ لیں کہ جو لوگ شراب کے عادی ہیں، جب شب قدر میں ان کی بخشش نہیں ہوتی تو اس سے بڑے گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں ان کی بخشش کیسے ہوگی، اس لئے بخشش مانگنے کے

لئے شرط ہے کہ ہم تمام گناہوں سے توبہ کرلیں، جن کو ہم جانتے ہیں ان سے بھی، اور جن کو ہم نہیں جانتے ان سے بھی، جو گناہ اعلانیہ کرتے ہیں ان سے بھی، اور جو چھپ کر کرتے ہیں ان سے بھی، اس لئے کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلاً ہونے کی وجہ سے یہ شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہے، لعنت اور رحمت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ آدمی توبہ نہ کرلے، رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت کا مستحق اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ آدمی کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تاکہ لعنت اس کا پیچھا چھوڑ دے اور رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور ''توبہ'' کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہہ دو یا اللہ میری توبہ، یااللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ۔ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں۔ ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی استغفار کرتے ہیں، یااللہ توبہ، یااللہ معاف کردے، تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے کہ دل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کررہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور ارادہ کرلیں، اور

گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین وایمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟ تو کہتا ہے کہ کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے۔ نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو ایمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟ تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں؟

توبہ کے قبول ہونے کے لئے شرط

توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرلیا جائے، پختہ ارادہ کرو کہ آئندہ ٹی وی نہیں دیکھیں گے، نامحرموں کو نہیں دیکھیں گے، کسی کی غیبت، یا چغلی نہیں کریں گے، عورتیں بے پردہ نہیں نکلیں گی، اسی طرح دوسرے جتنے بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ان کو چھوڑنے کا عزم کرو، میں نے مثال کے طور پر دو تین چیزیں بتائی ہیں، ورنہ ہم بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں، اور ان سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اب ہماری حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے کہ یہ کام نہ کیا کرو تو ہم اس کے ساتھ لڑ پڑتے ہیں، اس کو برا بھلا کہتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ جب دل سے سچی توبہ ہی نہ ہوئی ہو تو صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب دل تائب نہ ہو اور دل نے عزم نہ کیا ہو گناہ کو چھوڑنے کا، گناہ کی لذت، گناہ کی لعنت، گناہ کی نحوست اور گناہ کی سیاہی ہمارے قلب پر چھائی ہوئی ہے، تو پھر زبان سے توبہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور اس پر توبہ کا ثمرہ کیا مرتب ہوگا؟ میری بہنیں اور بیٹیاں اگر

بے پردگی نہ چھوڑیں اور ہزار بار روزانہ استغفار پڑھا کریں تو اس کا کوئی نفع نہیں ہے، عزم کرو گناہوں کو چھوڑنے کا، جو گناہ ہمیں معلوم ہیں اور جن گناہوں میں ہم ملوث ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا دامن ایمان نجس ہو رہا ہے، ان کو چھوڑنے کا عزم کریں، گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں اور صرف ایک دفعہ کہہ دیں کہ یا اللہ! میں نے گناہوں کو چھوڑنے کا سچے دل سے ارادہ کرلیا ہے، مجھے معاف کر دیجئے، اللہ تعالیٰ فوراً معاف کر دیتے ہیں، اسّی (۸۰) سال کے گناہ کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو ادا کریں۔ کسی کے پیسے دینے ہیں، اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دے دے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہو گے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمہ ہیں، ان سب کو ادا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا، اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کرلئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے کے لئے کافی ہے، مگر سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے

بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کرکے تو آئیں۔

ایک حدیث قدسی

حدیث قدسی میں آتا ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تو وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے) تو ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا۔ "ولا ابالی" اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۴)

مناجات مقبول میں ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے قرآن و حدیث کی دعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

"یامن لا تضرہ الذنوب ولا تنقصہ المغفرۃ،
اغفرلی مالا یضرک وھب لی مالا ینقصک"

ترجمہ: "اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔"

الغرض ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کو پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے گا، ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے۔ سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے،

اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین)۔ آپس کے جو حقوق ہیں، وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

والدین کا نافرمان

دوسرا آدمی جس کی مغفرت نہیں ہوتی، وہ والدین کا نافرمان ہے۔ یہ والدین کی نافرمانی بھی بڑی عجیب چیز ہے، آدمی کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میرے والدین اگر نہ ہوتے تو میرا وجود نہ ہوتا، میرے وجود کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بنایا، اب جن والدین کے وجود کو ہمارے وجود کا ذریعہ بنایا گیا، یہ انہی والدین کا مخالف ہے، انہی کا دشمن ہے، انہی کا نافرمان ہے۔ ماں نے ۹ مہینہ کم و بیش اس کو پیٹ میں رکھا، جس حالت میں رکھا، اور پھر جس حالت میں اس کو جنم دیا، وہ اس کی ماں سے پوچھو، پھر دو سال تک اسے اپنے جگر کا خون پلایا، جس کو دودھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے خون جگر کو دودھ میں تبدیل فرمادیتے ہیں، پھر اس کی سردی وگرمی کا، اس کی ضروریات کا احساس کیا، اس کو سوکھے میں لٹایا، خود گیلے میں لیٹی، صاحب بہادر بیمار ہوگئے تو ماں باپ دونوں نے اس کو ہاتھوں میں لے کر رات آنکھوں پر کاٹی، والدین کا اتنا حق ہے کہ اولاد کسی صورت میں اس حق کو ادا نہیں کرسکتی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے والد کا حق کس طرح ادا کرسکتا

ہوں؟ ارشاد فرمایا، نہیں! والد کا حق ادا نہیں ہو سکتا، صرف ایک صورت ہے کہ وہ غلام ہو تو اس کو خرید کر آزاد کردے تو کسی درجہ میں والد کا حق ادا ہو جائے گا۔ والدین کے اتنے احسانات ہیں اولاد پر کہ ان کا بدلہ چکانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد کے ذمہ کیا حق ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت ہیں یا تیری دوزخ ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

والدین کو دیکھنے پر حج کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو فرمانبردار اولاد نظر رحمت کے ساتھ والدین کے چہرے پر نظر ڈالے تو ہر بار نظر ڈالنے پر اس کے لئے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب لکھا جائے گا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

یعنی حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں اور رحمتیں ہمارے پیمانۂ عقل و فہم سے بالاتر ہیں، روزانہ سو حج کا ثواب لکھا جانا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے۔ پس جب والدین کا یہ درجہ ہے کہ ان کے چہرے پر ایک بار نظر رحمت ڈالنا حج مبرور کا ثواب رکھتا ہے تو والدین کی نافرمانی و گستاخی کا وبال بھی اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے، تو والدین کے نافرمان کی اس رات میں بھی اگر بخشش نہ ہو تو کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ جرم ہی اتنا بڑا اور سخت ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے

حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر اس کو لازم پکڑ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے کہ: "الجنة تحت اقدام الامھات" (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ۴۲۱) یعنی "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں بخش دیں، سوائے والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مرنے سے پہلے زندگی میں دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کا دنیا میں وبال

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اس حدیث کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی، چنانچہ فرماں برداروں کو پنپتے دیکھا اور والدین کے نافرمانوں کو ہلاک اور ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ دراصل دنیا دارالجزا نہیں، جزا و سزا کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن رکھا ہے۔ جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے قیامت پر اٹھا رکھی ہیں، یہاں جرم کی سزا نہیں دیتے، ہاں! تھوڑی سی گوشمالی کر دیتے ہیں، ورنہ پوری سزا آگے قیامت کے دن ملے گی، لیکن ظلم، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی "سزا" دنیا میں نقد ملتی ہے، اور ظالم، قطع رحمی کرنے والا اور والدین کا نافرمان اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اولاد کی نافرمانی میں والدین کا قصور

اس زمانے میں تو والدین کی عزت و آبرو کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اس میں قصور اکیلا صرف اولاد کا نہیں، بلکہ تھوڑا سا قصور والدین کا بھی ہے۔ مرحوم اکبر الہ آبادی کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم مادیت کی تعلیم ہے، یہ انسانیت کی تعلیم نہیں، بلکہ حیوانیت کی تعلیم ہے۔ پس جب انسانیت مفقود ہو اور انسانیت کی تعلیم مفقود ہو تو والدین کی قدر کیا ہوگی؟ یہ تو خاصۂ انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

غلط کام میں والدین کی فرمانبرداری جائز نہیں

میں اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کو بطور خاص نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔ اگر وہ ظلم کریں، ستائیں، زیادتی کریں، تب بھی تم خاموش رہو، تم کوئی گستاخی کا لفظ نہ کہو، بلکہ صبر و تحمل سے کام لو، وہ گالی نکالیں، بُرا بھلا کہیں، تب بھی پلٹ کر جواب نہ دو، بلکہ سر جھکائے خاموش رہو، لیکن اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما“ (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: ”اگر وہ (تیرے والدین) تجھ کو مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے ایسی شخصیت کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو۔“

اور حدیث شریف میں ہے کہ: ”لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق“ ”یعنی اللہ کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔“

شوہر بیوی کو کسی غلط کام کا حکم کرتا ہے تو ہرگز نہ مانے۔ والدین اولاد کو غلط بات کا حکم کرتے ہیں تو ہرگز نہ مانے، لیکن ان کی گستاخی و بے ادبی بھی نہ کرے۔ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعض لوگوں کو بزرگی کا "ہیضہ" ہوجاتا ہے۔ ماں باپ گناہ گار ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، اور یہ پکّا صوفی ہے، اَب والدین کو نظر حقارت سے دیکھے گا۔ ایسا ہرگز نہ کرو، یہ غلط بات ہے، ان کی خیر خواہی کی کوشش کرتے رہو، ادب و احترام کے ساتھ ان کو سمجھاؤ، اگر تمہارا کسی طرح بس نہیں چلتا تو اتنا تو بس چل سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے گڑگڑا کر دعا کرو۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل نہیں اور تمہارے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے زیادہ برے نہیں ہیں۔ وہ دھکے دے کر ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے باہر نکال رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ نکل جا یہاں سے، میرے گھر سے، دفع ہوجا، جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو صرف اتنا فرما رہے ہیں:

"ساستغفر لک ربی انه کان بی حفیا"

(مریم: ۴۷)

ترجمہ: "میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا شفیق ہے۔"

تمہیں گھر سے نکال دیں، اُف نہ کرو۔ باقی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو میں نے ذکر نہیں کیا، وہ یہ کہ والدین کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ تمہارے ماں باپ تو جہنم کے راستے پر چل ہی رہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہ جائیں، بلکہ تم کو بھی ساتھ لے کر جائیں، اگر ان کی گستاخی کروگے، یا ناجائز کام میں ان کی بات پر عمل کروگے تو ان شاء اللہ دونوں

سیدھے جہنم میں پہنچو گے۔ اگر والدین اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ان کو ناجائز بات کا حکم کرتے ہیں تو ان شاء اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، لیکن اگر اولاد والدین کی گستاخی کرتی ہے، بے ادبی کرتی ہے، ان پر ہاتھ اٹھالیتی ہے، تو یہ والدین سے بھی پہلے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے والدین کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ شب قدر میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

قطع رحمی کا گناہ

اور تیسرا شخص "قطع رحمی" کرنے والا، جس نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔ قطع رحمی کا وبال اوپر ذکر کرچکا ہوں کہ ایسا شخص دنیا میں ہی سزا پاتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ: "لایدخل الجنة قاطع" "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جنت سے بھی محروم کردیتا ہے، دنیا کے آرام اور چین سے بھی اور شب قدر میں بخشش سے بھی۔ نعوذ باللہ۔

کینہ پروری کا گناہ

اور چوتھا وہ آدمی، جس کے دل میں کسی مسلمان کی جانب سے کینہ ہو۔ ان لوگوں کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

جنت میں صرف پاک لوگ جائیں گے

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ناپاک لوگ نہیں جائیں گے، صرف پاک لوگ

جائیں گے، اور پاک ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرلو۔ میں نے ابھی کہا کہ اسّی (۸۰) سال کا کافر و مشرک و بے ایمان سچے دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے، جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی۔ دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو اونٹ غائب۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا۔ اب بیاباں ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا۔ بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا۔ اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی اونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا کہ: ”اللھم انت عبدی وانا ربک“ یعنی اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اخطاء من شدۃ الفرح“ کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا کہ یااللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رب ہے۔ آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اونٹ واپس فرمادیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا، کون لوگ ہو؟ عرض کیا، ہم مسلمان ہیں، ایک خاتون آگ جلا رہی تھی، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹا دیتی، وہی خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا، ہاں! عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ الرحم الراحمین نہیں؟ فرمایا، بلاشبہ! عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟ فرمایا، بے شک! عرض کیا، میں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی، اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر رونے لگے، پھر سر اٹھا کر اس سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو، جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (لا الٰہ الاّ اللہ کہنے) سے انکار کردے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۸)

الغرض تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کردیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ وگرنہ اللہ اپنے

بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کررہا ہے: "ھل من مستغفر فاغفرلہ" کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تاکہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم: ۸)

یعنی "اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔"

اگر سچی توبہ کے بغیر مرگئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہوگے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کرکے یہیں پاک ہوجاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کرکے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کرکے یہیں سے پاک ہوکر جائیں۔ پوری ندامت کے ساتھ، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرلیں۔

ایک جامع دعا

ایک حدیث سناتا ہوں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم

المؤمنین عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھیں، دعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی بات کرنی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عائشہؓ! تم ایک طرف ہوجاؤ، دعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہوجائے گی، انہوں نے اپنی دعا ختم کی اور ایک طرف ہوگئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رخصت ہوکر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے دعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا، ہاں! تمہیں دعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دعا کرو:

"اللھم انی اسئلک من خیر ما سالک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم واعوذ بک من شر ما استعاذک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔"

ترجمہ: "یااللہ آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دعائیں کیں، وہ پرچہ بنا کر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ

تم اس دعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو۔ پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے، تو وہ ساری دعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ تو جامع ترین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو، لیکن صرف دنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت درست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دنیا خود بخود درست ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دنیا میں بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ وہ جو میں نے قرآن کریم کی آیت کی تلاوت کی تھی، اس میں یہ وعدہ موجود ہے:

"یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم: ۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو۔"

"عسی ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم"

ترجمہ: "تمہارے رب سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دور کردے گا۔"

"ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار"

ترجمہ: ”اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“

”یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ“

(التحریم: ۸)

ترجمہ: ”جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔“

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔ اصل مقصود اہل ایمان کے رسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جائیے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی معیت میں اہل ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن رسوا نہ ہونا یقینی ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہل ایمان بھی یقیناً رسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے، تو اس کے اوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے۔ اس کے ساتھ کیا ہورہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اولین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہورہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ”اذکر یوم کذا وکذا“

یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے، بندہ اقرار کرتا جائے گا، اقرار کئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"انی سترتها علیک فی الدنیا انا اغفر هالک الیوم"

ترجمہ: "میں نے دنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔"

جاؤ! کسی کو پتہ ہی نہیں چلا، یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا۔ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے۔ گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔ گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدانخواستہ غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہ الٰہی میں ایمان کا دامن داغدار نہ لے جاؤ۔ حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعتکاف

فضائل ومسائل

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اعتکاف کی نیت سے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اس کا بڑا انعام عظیم ہے۔ آپ حضرات دور ونزدیک سے تشریف لائے ہیں اور یہ آنا محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور اس کے پاک گھر میں جمع ہونے کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے۔

ایک دن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئیؒ عارفی نور اللہ مرقدہ فرمانے لگے کہ بھئی! مولانا رومیؒ کا ایک شعر ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاءؒ
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "تھوڑے سے وقت کے لئے کسی اللہ کے مقبول بندے کے پاس بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ فرمانے لگے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آئے ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے میرے پاس جمع ہوئے ہو، اس وقت تم سب کے سب اولیاءؒ ہو، اور میں تمہاری صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اللہ اکبر۔ بہت اچھی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے۔ بھائی! کوئی کسی دشمن کے گھر تو نہیں جایا کرتا، دوست کے گھر جایا کرتا ہے۔ آپ حضرات اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں، اس لئے اس وقت آپ لوگ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اعتکاف کی فضیلت

یہ اعتکاف کی عبادت بہت اونچی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"واذ بوانا لا براهيم مكان البيت ان لاتشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود"

ترجمہ: "اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا، بیت اللہ کی جگہ بتلائی، (تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا، (یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اڈہ بنا رکھا تھا) اور (ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نماز میں) قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع سجدہ کرنے والون کے لئے (تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے) پاک رکھئے۔"

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے۔ کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے اردگرد ہے اور جس کو مسجد حرام کہتے ہیں، اس میں اعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہو سکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح وارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اعتکاف کرنا افضل ہوگا۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اعتکاف (رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف) یہ مسنون ہے بطور سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی

سُنّت موٴکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہوجائے گا، اور محلے والے ترک اعتکاف کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اعتکاف نہیں بیٹھتا تو پورا محلّہ مسجد کی حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ میاں تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کردیں گے تم مسجد میں اعتکاف بیٹھ جاوٴ۔ وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کررہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تھا تو دوسرے سال ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی، اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے علاوہ دوسرا اعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، اور اگر کوئی شخص منت مان لے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو کام ہوجانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے، اور یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اعتکاف کا مسئلہ بیان کیا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" میں اعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا جیسے آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا، بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ بھی نہیں گزرا" یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنا دیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔

اعتکاف کے لئے اخلاص شرط ہے

اور جب ایک دن کے نفل اعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے قیاس اور اندازہ سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا استحضار نہیں تھا تو اب کرلو، بہت آسان ہے۔ بھئی نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے اگر کسی شخص کی نیت میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی، تو اس ملاوٹ کو ہٹادے، اور اب نیت کرلے کہ یا اللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کررہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزت وجاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

مسجد کا ادب بجالایا جائے

اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجالاتے ہوئے، عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور وشغب یا ہلڑبازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں "اللہ کا گھر" اس

میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون ووقار کے ساتھ رہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی تو یہ بات ہے
دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے۔"

جس قدر دل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دل میں تقویٰ آئے گا۔ ایک صاحب مکہ مکرمہ میں میرے ساتھ تراویح کی نماز میں کھڑے تھے وہ کبھی ایک طرف جھک جاتے کبھی دوسری طرف، ان صاحب نے میرا کندھا تھکادیا، اور ہاتھ کو کبھی کہیں لے جاتے اور کبھی کہیں لے جاتے (ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے)۔

دل میں خشوع ہو تو اعضا میں بھی خشوع ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسی طرح اس کے ہاتھ چل رہے تھے کبھی اِدھر کبھی اُدھر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں، اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی اس کے اثرات ہوتے۔ آپ کتنے ادب، کتنے سکون اور کتنے وقار کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے دل میں کتنا خشوع ہے

اور کتنا تقویٰ ہے۔

ہم سب فقیر ہیں

دوسری بات یہ کہ فارسی کی ضرب المثل ہے:

"سلامے روستائے بے غرض نیست"

اگر دیہاتی بدو کسی کو سلام کرتا ہے تو یہ سلام بھی بے غرض نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی مطلب پوشیدہ ہوتا ہے، بھئی! ہمارے تو سارے کام غرض کے لئے ہیں، ساری عبادتیں غرض کے لئے ہیں، اور ہم ہیں فقیر، فقیر کا کام مانگنا ہے، اور یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

تو فقیر کا تواضع کرنا درحقیقت تواضع کی بات نہیں ہے، اور ہم سب کے سب حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی کے فقیر ہیں، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، کوئی نیک ہو یا بد، کوئی نبی ہو یا ولی، سارے کے سارے اس کی بارگاہ عالی میں ناک رگڑ رہے ہیں، سب فقیر ہیں، سب منگتے ہیں، سب بھکاری ہیں، ایک وہ داتا ہے، باقی سب فقیر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید ۝"

ترجمہ: "اے لوگو! تم سب فقیر ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی اور حمید ہے۔"

تم لوگ کھانے کے محتاج ہو، پینے کے محتاج ہو، بیوی کے محتاج ہو، بچے کے محتاج ہو، گھر کے محتاج ہو، کپڑوں کے محتاج ہو، الغرض ہر چیز کے محتاج ہو، ایک ایک چیز کے محتاج ہو، کوئی حد ہے تمہاری محتاجی کی؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضروریات تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہاری بے شمار حاجتیں پوری فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم محتاج کے محتاج ہی رہے۔ سیٹھ جی کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مگر رہے کنگال کے کنگال۔ کیونکہ یہ اپنی ذات ہی سے محتاج ہے، اندر سے فقیر ہے، یہ غنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔

عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق

البتہ اللہ والوں کے درمیان اور دوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے محتاج بنتے ہیں اور اپنی تمام حاجتیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے کٹ جاتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق کے در پر جاتے ہیں، وہ مخلوق سے مانگتے ہیں جو بے چارے خود فقیر ہیں۔ ایک فقیر نے چند ٹکڑے جمع کئے، بھیک مانگ کر، اور دوسرا فقیر اس سے مانگ رہا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ رذیل ہے، اس سے کہا جائے کہ بھئی! بھکاری سے مانگتے ہو، کچھ شرم تو کرو، اس غریب نے تو اپنا کشکول خود مانگ مانگ کر بھرا ہے، کوئی ٹکڑا ادھر سے لیا، کوئی ٹکڑا ادھر سے، کسی نے کچھ دیا کسی نے کچھ، اس غریب کے پاس جو بھیک کا سامان تھوڑا بہت آیا تو وہ اس سے مانگتا ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب فقیر ہیں، ان سے مانگتے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے مانگو، پرانے زمانے میں مولانا خرم علی مرحوم کی ایک نظم بہت چلا کرتی تھی، میں نے بچپن میں اپنے استاد

سے سنی تھی، پہلے تو یاد تھی مگر اب تو صرف ایک دو شعر یاد رہے کہ:

خدا فرماچکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر وپیغمبر
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کوئی بادشاہ جارہا تھا، اس کو ایک عورت مل گئی جو بے چاری بھیک مانگ رہی تھی، لیکن حسین وجمیل ایسی جیسے چاند کا ٹکڑا، رشک حور، رشک پری، بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو عاشق ہوگیا، اور دل میں ٹھان لی کہ اس کو ملکہ بنایا جائے، بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم اس گداگری کی وجہ سے کیسی ذلت میں مبتلا ہو، در در کی بھیک مانگتی ہو۔ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہیں لے جاؤں اور تم سے نکاح کرلوں، اور تمہیں شاہی محلات کی رانی بنادوں، اس نے کہا ٹھیک ہے، یہ بادشاہ کے ساتھ چلی گئی۔ اب بہترین پوشاکیں، بہترین کھانے اور ہر قسم کی عیش اسے میسر تھی، جو کچھ بھی بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، سب اسے حاصل تھا، کس چیز کی کمی تھی؟ بادشاہ نے کچھ عرصہ کے بعد پوچھا کہ بتاؤ یہ حالت اچھی ہے یا وہ حالت اچھی تھی؟ کہنے لگی اس حالت میں مزہ نہیں آرہا۔ وہ جو قسم قسم کے کھانے ملتے تھے یہاں وہ مزہ نہیں، وہ ذائقہ نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ رب العزت نے اس کو شاہی محلات تو دے دیئے مگر طبیعت کی رذالت نہیں گئی، اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے شاہی محلات میں آکر بھی رذیل کی رذیل ہی رہی۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ بھئی! تم کتنے ہی بڑے بن جاؤ، اونچے چلے جاؤ، علم وفضل کی لائن میں، دنیاوی وجاہت کی لائن میں، کسی بھی لائن میں اونچے سے اونچے چلے جاؤ، تمہارے اندر کا فقر،

محتاجی اور ذلت ورذالت تو تم سے جدا ہونے کی نہیں، کیونکہ وہ تمہاری اصل ہے، اور تم اصل کے اعتبار سے ایسے ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اپنی اصل کے اعتبار سے تم فقیر ہو، بھکاری ہو۔

نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اونچا ہو گا

باقی ایک بات ضرور ہے کہ جس قدر آدمی کی نظر اونچی ہو جاتی ہے اسی قدر اس کا مقصد اور اس کی غرض بھی بلند ہو جاتی ہے، آدمی اپنی غرض سے تو کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا، ہاں! کسی کی غرض گھٹیا ہوگی، کسی کی اونچی، بقول مولانا رومیؒ تم بچے کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ صرف ٹافی کے بدلے لے سکتے ہو، اگر بچے کے ہاتھ میں ایک قیمتی ہیرا ہو، تم اس کو ایک ٹافی دو، اس کے بدلے میں وہ تمہیں بڑی آسانی سے ہیرا دے دے گا، کیونکہ اس کی نظر پست ہے، گھٹیا ہے، بس ٹافی تک محدود ہے، ہم لوگ دنیادار ہیں جن کے سامنے دنیا سجی ہوئی ہے، اور ہمیں اپنے عشوۂ ناز سے لبھا رہی ہے، اپنے جلوے دکھا رہی ہے، ہم اس پر ریجھ رہے ہیں، یا اپنی غرض دنیا سے وابستہ کر رہے ہیں، یہ وہ ٹافیاں ہیں جو شیطان نے ہم کو دے رکھی ہیں، اور ان ٹافیوں کے بدلے وہ ہم سے ایمان کا ہیرا اڑا لیتا ہے۔

شیطان کے بہکانے کا سامان

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود کیا تو شیطان نے کہا کہ میں انسان کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شوق سے کر، کہنے لگا کہ پھر ان کو بہکانے کے لئے مجھے سامان بھی تو دیا جائے، ایسا تو نہیں کہ کسی کے

ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دو، اور کہو کہ شاباش! اب تیر کر دکھاؤ، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، مجھے آپ نے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا ہے تو اس کا کچھ سامان بھی دیجئے۔ فرمایا ایک تو تجھے جال دیتا ہوں شکار کرنے کے لئے، اور وہ عورت ہے، ایک تجھے نشہ دیتا ہوں لوگوں کو مسحور کرنے کے لئے، اور یہ شراب ہے، اور ایک تجھے نغمہ دیتا ہوں، لوگوں کو اس جال میں پھانسنے کے لئے اور یہ گانے ہیں، اور شیطان ان چیزوں کو لے کر خوش ہوگیا، اور کہنے لگا اب کسی کو جانے نہیں دوں گا، کسی نہ کسی جال میں پھنسا کے چھوڑوں گا۔

دنیا کے نابالغ

تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کا مقصد دنیا ہے، ان کی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز ہے، جیسے بچے کی نظر میں ٹافی ہیرے سے زیادہ مرغوب ہے، ہیرا اس کی نظر میں بے وقعت ہے، کیونکہ وہ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے، وہ اس کی قیمت نہیں جانتا۔ اسی طرح عام لوگ جن کی چشم بصیرت بالغ نہیں ہوئی، جن کی عقل سلیم بالغ نہیں ہوئی، اور جن کو ایمانی بصیرت اور وحی کی روشنی میسر نہیں وہ اس دنیا کی مٹھائی پر ریجھ گئے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا کی غرض کو چھوڑ کر آخرت کی غرض کو اپنالیا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ دنیا بے وقعت تھی بہ مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے۔ یہ حضرات ان دنیاداروں سے بلند نظر نکلے۔ یہاں کی جتنی چیزیں ہیں یہ ان کے نزدیک مقصود نہیں بلکہ سامان زیست ہے، مقصود ان سے بالاتر ہے اور وہ ہے آخرت، جنت اور رضائے الٰہی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بلند نظری

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المؤمنین بنے اور خلافت کے منصب پر پہنچے تو ان کی کیفیت یکسر بدل گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا، ناز و نعمت کی زندگی بدل گئی، کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ خلیفہ بننے سے پہلے بہت خوش پوش تھے، بہترین لباس پہنتے تھے، خلیفہ بن جانے کے بعد کیا ہو گیا کہ یکسر حالت بدل گئی؟ ان دونوں حالتوں کا فرق صرف ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ ان کے خادم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بازار سے چادر خرید لاؤ، (یہ ان کی خلافت کے زمانے کا قصہ ہے)۔ میں لے آیا، پوچھا کتنے کی لائے ہو؟ میں نے کہا پانچ درہم کی، ناراض ہو کر کہنے لگے تم نے اتنے پیسے برباد کرنے تھے؟ اتنی مہنگی چادر خرید کر لائے ہو؟ پانچ درہم کی چادر لائے ہو؟ وہ بگڑ رہے تھے اور میں ہنس رہا تھا۔ جب وہ خوب بگڑ چکے اور مجھ پر اظہار ناراضی کر چکے، اور میں خوب ہنس چکا تو کہنے لگے کہ ہنستا کیوں ہے؟ ایک تو کام خراب کر کے آیا، اُوپر سے ہنستا بھی ہے، میں نے کہا حضور مجھے ایک قصہ یاد آگیا، جن دنوں آپ مدینہ کے گورنر ہوتے تھے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی چادر لاؤ، میں بازار گیا، اور ایک نفیس ترین شال لایا، اس کی قیمت تھی پانچ سو درہم، حضور نے پوچھا کتنی قیمت ہے؟ میں نے کہا پانچ سو درہم ہے۔ ہاتھ میں لے کر کہنے لگے اتنی نکمی اور ایسی کھردری لانی تھی، تمہیں کوئی اچھی چادر نہیں ملی، ایسی گھٹیا چادر اٹھا لائے؟ میں یوں ہنستا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پانچ سو درہم کی شال آپ کو کھردری لگ رہی تھی اور اس کو گھٹیا فرما رہے تھے، اور ایک آج یہ وقت ہے کہ پانچ درہم کی معمولی سی چادر لایا ہوں، یہ آپ کو بہت مہنگی لگ رہی ہے، یہ ایک مثال ہے کہ خلافت کے بعد ان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا تھا، خلافت

سے پہلے ایسا نفیس لباس پہنتے تھے کہ پورے مدینہ میں ایسا بہترین لباس کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، اور ایسی بانکی چال چلتے تھے کہ دوشیزائیں (کنواری لڑکیاں) اس چال کی نقل اتارنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ عمری چال کہلاتی تھی۔ یا تو خلافت سے پہلے ناز و نعمت کا یہ عالم، یا خلافت کے بعد یہ تقشف۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک اور واقعہ

ایک دن جمعہ کا خطبہ دینے دیر سے پہنچے، پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک ہی کرتہ ہے جو صبح دھویا تھا، اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین جس کی سلطنت چین سے لے کر افریقہ تک تھی، وہ مسلمانوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ ذرا کپڑے کے سوکھنے میں دیر ہوگئی تھی، میرے پاس اس کا کوئی متبادل کپڑا نہیں تھا جس کو پہن کر آجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ خلافت کے بعد آپ کو کیا ہوگیا؟ گورنر پہلے بھی رہے، شاہی خاندان میں پھلے پھولے، مگر خلافت سے پہلے وہ ناز و نعمت، اور خلافت کے بعد یہ تقشف اور دنیا کی لذتوں سے بے زاری؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ نے ایسا بنادیا ہے کہ یہ کبھی چھوٹی چیز پر راضی نہیں ہوا، جب بھی مجھے کوئی مرتبہ اور کوئی منصب ملا، میرا نفس اس سے بالاتر مرتبہ و منصب کا خواستگار رہا، اور دنیا میں خلافت سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں رہا، کسی شخص کے لئے سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، جب اس مرتبہ پر میرا قدم پہنچا تو ساری دنیا میرے سامنے بے وقعت ہوگئی، اور اب میرا نفس آخرت کا طالب ہوگیا۔ اب دنیا کی کوئی چیز کیا حاصل کرنی ہے؟ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے آگئی، مجھے تو

آگے جانا ہے۔

تو کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں کہ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے ہے، اور ان کی نظر پوری دنیا سے بالاتر ہے۔ انہوں نے دنیا کی ٹافیوں کو مقصد نہیں بنایا، آخرت کے ہیرے اور جواہرات دے کر انہوں نے دنیا کی لذتوں کو نہیں خریدا، اس لئے ان کی محنت سب سے بلند اور ان کی نظر سب سے اونچی نکلی، اور کچھ حضرات ان سے بھی اوپر چلے گئے، ان کی نظر میں دنیا مطلوب نہ آخرت۔ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے، ان میں آخرت کی اور جنت کی طلب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، اصل مطلوب صرف ذات الٰہی ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کی کوئی غرض وغایت رکھتا ہے، گویا ہر شخص صاحب غرض ہے، باقی یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ کسی کی غرض چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی اس سے بھی بڑی۔ جس قدر کسی کی نظر بلند ہوگی، اسی قدر اس کی غرض بھی اونچی ہوگی، اور اسی قدر اس کا مقصد بھی اونچا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کررہا تھا کہ ہم تو ہیں فقیر، ہمارا کوئی کام غرض کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔

اپنی ہمت کو اونچا رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

یعنی "اپنی ہمت کو ذرا اونچا کرو، اس لئے کہ جتنی تمہاری ہمت اونچی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور مخلوق کے

نزدیک بھی تمہاری قدر اتنی ہی بلند ہوگی۔"

اگر تم ایک ٹافی پر اپنا ایمان دے سکتے ہو تو تمہاری قیمت چار آنے نکلی۔ اگر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت پر تم اپنا ایمان بیچ سکتے ہو تو تمہاری قیمت اتنی ہی نکلی، اور اگر تم اس سے بھی اُونچے چلے گئے اور یہ کہا کہ کیا یہ دنیا میری قیمت ہے؟ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔ کیونکہ دنیا کی قیمت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

طالب علمی کا واقعہ

اپنی خود ثنائی تو نہیں کرنی چاہئے۔ مگر تمہیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف سے میں فارغ ہوچکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ تو میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کر کے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعہ کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے، انہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اور اس کی تیاری کر رہے تھے، جب بھی تکرار کے لئے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو، میں کہتا میں غریب آدمی ہوں، ۸۰ روپے داخلہ کی فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں بھردوں گا، تم داخلے کے لئے آمادہ ہو جاؤ، میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل؟ میں نے کہا کہ میں پہلے تو تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ ازراہ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف

لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں، اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں، میں نے کہا کہ اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط بھی آجائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں۔ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، وہ میرے بچپن کا لاشعوری زمانہ تھا، شعور تو اب بھی نہیں ہے۔ بچپن میں خیالات بڑے عجیب ہوتے ہیں، میرا بھائی! تم لوگ مہمان ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو۔ دنیا تمہارے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو بھئی ہمارا تو سارا کاروبار ہی غرض پر مبنی ہے۔ باقی غرض کا پیمانہ آدمی کی ہمت سے طے ہوتا ہے۔ کتنی اونچی ہمت کا ہے؟ کتنا قد آور ہے؟ جس شخص کا مقصود ذات عالی بن جائے، آسمان اس کے سامنے پست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقصد بناؤ

اگر تم اللہ کے طالب بن جاؤ تو یہاں کی زمین کی چیزیں تو کیا تم تو آسمان سے اونچے ہو۔ میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ”بھئی ایک دفعہ ہم دعا مانگ رہے تھے، دعا مانگتے مانگتے خیال آیا، ارے! کس سے مانگ

رہے ہو؟ رب العرش سے مانگ رہے ہو، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ آسمان میرے ہاتھوں کے نیچے آگیا، اور میرے ہاتھ عرش سے اوپر چلے گئے"، تم جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو، کہاں اٹھاتے ہو؟ کس داتا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ہاں تم بارگاہ رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو، غور کرو کہ عرش کی بلندیاں اس کے سامنے کیا چیز ہیں؟ اور جب تم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو تو کیا تم چھوٹے ہو؟ نہیں! تمہاری یہ گردن جو اس ذات عالی کے سامنے جھکے گی کیا کسی اور کے سامنے جھک سکتی ہے؟ اور یہ ہاتھ جو اس ذات عالی کے سامنے اٹھتے ہیں، کسی اور کے سامنے اٹھ سکتے ہیں؟ دراصل ہمیں اپنی قیمت معلوم نہیں۔ تو بھئی ہمارا سارا کام غرض پر مبنی ہے۔

اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

یہ اعتکاف میں بیٹھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے، ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ امتحان لیا، اس کے امراء و وزراء اعتراض کرتے تھے کہ بادشاہ کو اپنے غلام (ایاز) سے بڑا تعلق خاطر ہے، اس کی بڑی عزت کیا کرتا ہے، اس کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ حالانکہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، لیکن بادشاہ کی نظر میں ہماری اتنی عزت نہیں، ایک دن بادشاہ نے امتحان لیا کہ دربار میں ایک بازار لگایا محل میں قیمتی سے قیمتی چیزیں جمع کردیں اور سب کو جمع کر کے بادشاہ نے کہا آپ حضرات میں سے جس کو جو چیز پسند آئے وہ لے جائے، وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔ ہر

آدمی یہ سن کر اپنی پسند کی چیزوں کی طرف لپکا، جیسے بھوکا روٹی پر ٹوٹتا ہے، ایاز کھڑے کا کھڑا رہا، اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، سلطان نے کہا کہ تم بھی اٹھالو۔ ایاز نے کہا حضور! کیا اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہوں پسند کرلوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں اجازت ہے جو چیز چاہو پسند کرلو، ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا کہ مجھے تو یہ پسند ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کا امتحان لینا مقصود تھا، اور اس امتحان کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا، دیکھ لو یہ تم ہو اور یہ ایاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ دنیا کا بازار سجا کر ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ اے کاش! کہ ہم بھی کہیں کہ یا اللہ! ہمیں تو آپ پسند ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارا ہوگیا تو سب کچھ ہی ہمارا ہوگیا۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے الٰہی ہے۔ اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے الٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

اعتکاف کی سوغات

اب یہاں سے اعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاً آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ۔ اعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو،

اول: ایک فضول لایعنی کا ترک۔ جتنا چاہو کھاؤ جتنا چاہو سوؤ، لیکن التزام

کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے۔ فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم: ذکر وتلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

سوم: اپنے رفقاء کا اکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم: رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت وقوت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر وتلاوت، تسبیحات، درود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو۔ لیکن بھئی! اپنی صحت وقوت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم: میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ التجاء الی اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دنیا سے یکسو اور بے نیاز ہو کر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑگڑا کر مانگو، اور اس طرح آہ وزاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی وبے بسی پر رحم آجائے۔

ششم: یہاں جو اصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب ونقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کرو۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اعتکاف کے مسائل کا بیان

ذیل میں مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب "زبدۃ الفقہ" سے اعتکاف کے مسائل درج کیے جاتے ہیں۔

اعتکاف کی تعریف:

شرع میں اعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے جس کا امام و مؤذن مقرر ہو یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) واجب، اور وہ نذر کا اعتکاف ہے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا موقوف نہ ہو، کسی شرط پر موقوف نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اعتکاف کروں اور کسی شرط پر موقوف ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔ واجب اعتکاف کی کم سے کم مدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دن ہے کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے، اگر کسی

نے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اعتکاف کرنا واجب ہے اور اس کی مدت متعیّن نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اعتکاف واجب ہو گا، اعتکاف واجب کے لئے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے پس اگر تمام عمر کے اعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

(۲) سنت مؤکدہ: اور وہ ہر سال میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اس کے لئے بھی روزہ شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سُنّت علی الکفایہ ہے پس اگر بستی والوں میں سے کسی ایک آدمی نے یا بعض لوگوں نے اس سُنّت کو ادا کرلیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اگر بستی کے سب ہی لوگ اس کو ترک کردیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سُنّت کو ادا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

(۳) مستحب: یعنی سُنّت غیر مؤکدہ یا نفلی اعتکاف، اور وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ ہے پس جو شخص جس وقت چاہے مستحب اعتکاف ادا کرسکتا ہے۔ مستحب یعنی نفلی اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت یعنی تھوڑی دیر ہے، خواہ وہ رات کے وقت میں ہو یا دن کے وقت میں اور یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔ پس اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے سے ہی مستحب اعتکاف حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ مسجد میں سے گزرتے ہوئے ہی اعتکاف کی نیت کرلے اور مسجد میں بیٹھے نہیں اور خواہ رات کے وقت میں ایسا کرے، اس لئے کہ اس اعتکاف میں اس کا صرف مسجد میں ٹھہرنا ضروری ہے خواہ وہ اتنا تھوڑا ہو جتنا کہ قدموں کے رکھنے میں وقت لگتا ہے، جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہوا تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے

گا۔ جو شخص مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہوکر دوسرے دروازے سے نکلنے کا ارادہ کرے تو چونکہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے اس لئے اس کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہو تاکہ وہ مسجد کو راستہ بنانے والا نہ بنے۔

فائدہ: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے تاکہ وہ جب تک مسجد میں رہے اس کے لئے اعتکاف کا ثواب ملتا رہے اور اس کو مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ جائز ہو جائے، اس طرح اس کو روزانہ بہت دفعہ اعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت کے لئے یہ الفاظ کہہ لیا کرے،
"نویت الاعتکاف مادمت فی هذا المسجد" یا یوں کہے "نویت سنة الاعتکاف"

اعتکاف کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں یہ واجب اس کے ذمہ سے ادا ہوجاتا اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور نفلی اعتکاف میں اس کو صرف ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اعتکاف کا رکن:

اس کا رکن مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

(۱) نیت: خواہ اعتکاف واجب ہو یا سُنّت یا نفل ہو اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی واجب اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگا اور نفلی اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) مسجد میں اعتکاف کرنا: جس مسجد میں اذان و اقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا درست ہے اور اس مسجد میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو، جامع مسجد میں مطلقاً اعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرے، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ہے، پھر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو ورنہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو، وہ افضل ہے۔ عورت اپنے گھر میں اس جگہ اعتکاف کرے جو اس نے پانچ وقت نماز یا اعتکاف کے لئے مقرر کی ہو، اگر عورت نے اس مقررہ جگہ کے علاوہ گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کیا تو اس کا اعتکاف درست نہیں ہے، اگر اس نے پہلے سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر نہ کی ہو تو اب مقرر کرلے اور اس میں اعتکاف کرے۔ ہر عورت کے لئے

مستحب ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے گھر کے اندر ایک جگہ مقرر کرلے اور اس کو ہر طرح کی آلائش سے پاک صاف رکھے اگرچہ اس جگہ کے لئے مسجد کے احکام ثابت نہیں ہوتے لیکن عورت کے حق میں یہ جگہ مسجد جماعت کے حکم میں ہوجائے گی۔ مردوں کے لئے بھی نماز نوافل کے لئے اپنے گھر میں جگہ مخصوص کرنا مستحب ہے۔ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) **روزہ:** واجب یعنی نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ ایک مہینہ کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ ایک مہینے کا اعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔ اگر کسی نے رات کے اعتکاف کی نذر کی تو درست نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوتا اور اگر رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کرے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے، پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہوجائے گی، لیکن اگر دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن رات اس میں داخل ہوجائے گی۔ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے اور مسنون اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے پس اگر کسی نے، مثلاً مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے، رمضان کے اخیر عشرہ کے روزے نہیں رکھے اور اس عشرہ کا اعتکاف کیا تو یہ

اعتکاف سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ ادا نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہوگا۔ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح ہے، یعنی یہ نذر اس پر لازم ہوجائے گی اور رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں کی بجائے کافی ہوجائیں گے۔ لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے اور اگر کسی نے ماہ رمضان میں اعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اعتکاف کے قضا کیے تو جائز ہے۔

(۴) **مسلمان ہونا:** کیونکہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(۵) **عاقل ہونا:** کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اصل میں یہ دونوں امر نیت کے لئے شرط ہیں کیونکہ نیت اسلام اور عقل کے بغیر درست نہیں ہوتی، اور اعتکاف میں نیت شرط ہے۔

(۶) **جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا،** کیونکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس سمجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہوجاتا ہے۔ مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پس عورت کا اعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے اور غلام کا اعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے اگرچہ وہ اعتکاف واجب ہی ہو، اور جب عورت کو اسکے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دے دی تو اب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں

ہے۔

اعتکاف کی خوبیاں

اعتکاف کی بہت سے خوبیاں ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) اپنے قلب کو دنیاوی امور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا دیتا ہے اور دنیا کے اشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ اس کی طرف التجا کرنے کے لئے اس کا تقرب حاصل کرے۔

(۲) اعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صرف ہوتے ہیں خواہ حقیقتاً ہوں یا حکماً کیونکہ وہ ہروقت نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔

(۳) اعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدر امکان ترک کرتا ہے۔

(۴) اعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

(۵) اعتکاف کرنے والا شیطان اور دنیا کے مکروغلبہ سے محفوظ ہوتا ہے گویا کہ مضبوط قلعہ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔

(۶) اعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

(۷) اعتکاف اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اشرف الاعمال ہے۔

⑧ اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
⑨ اعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی وعاجزی کا اظہار کرتا اور بقدر امکان ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

اعتکاف کے آداب ومستحبات

① نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام کرنا مکروہ ہے، اعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں اور باتوں کے بارے میں یہی حکم ہے اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہے۔ نیک باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو، مباح کلام کرنا ضرورت کے وقت نیک کام میں شامل ہے اور بلا ضرورت نیک کام میں شامل نہیں۔ اگر مباح کلام تقرب کے قصد سے ہو تو اس میں ثواب ملے گا۔
② اعتکاف میں اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، درود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا، حدیث شریف اور دینی علم پڑھنا اور پڑھانا اور درس دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاؑ علیہم السلام کی سیرت وحالات اور نیک لوگوں کے حالات وحکایات کا پڑھنا اور بیان کرنا اور دینی امور کے لکھنے میں مشغول ہونا اختیار کرے۔
③ رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کا التزام کرے۔
④ اعتکاف کے واسطے افضل مسجد کو اختیار کرے مثلاً مسجد الحرام یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا مسجد اقصیٰ یا جامع مسجد کو اختیار کرے۔
⑤ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو اکیسویں شب کو یعنی

بیس رمضان کا سورج غروب ہونے سے قدرے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور رمضان المبارک کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے باہر آجائے۔

جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا

اعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

مسجد سے باہر نکلنا: اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اعتکاف والی مسجد سے بلا عذر نہ دن میں باہر نکلے اور نہ رات میں، اگر عذر کے بغیر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر۔ اگر کسی عذر سے باہر نکلنے پر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرا رہا تب بھی اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور نفلی اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ عذر کی وجہ سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عذرات جن کی وجہ سے اعتکاف والے کا مسجد سے نکلنا جائز ہے یہ ہیں:

اول طبعی حاجت: یعنی پیشاب، پاخانہ، استنجا، وضو اور فرض غسل کے لئے یعنی اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ پس جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن قضائے حاجت کے بعد طہارت یعنی استنجا و وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرا رہا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر اعتکاف کرنے والے کے دو

گھر ہوں جن میں سے ایک نزدیک اور دوسرا دور ہو تو بعض کے نزدیک دور والے گھر میں قضائے حاجت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلاء ہو جو گھر کی بہ نسبت قریب ہے تو اس صورت میں وہی اختلاف ہے جو دو گھروں کے بارے میں بیان ہوا۔ اس لئے احتیاطاً قریب والے بیت الخلاء کو استعمال کرے، لیکن اگر وہ شخص مسجد کے بیت الخلاء سے یا اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر والے بیت الخلاء سے مانوس نہ ہو اور وہاں اس کو آسانی سے رفع حاجت نہ ہوتی ہو تو اپنے مانوس بیت الخلاء میں رفع حاجت کے لئے جانا بلا اختلاف جائز ہے، اگرچہ وہ دور ہو۔ جب حاجت طبعی کے لئے نکلے تو اس کے لئے وقار وسکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنی اعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے، اس کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر اعتکاف والے کے لئے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کو گھر سے کھانا لے آنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشاب پاخانہ کی طرح طبعی حاجت میں داخل ہے (لیکن اس کو چاہئے کہ کھانا لے کر فوراً مسجد میں آجائے اور وہیں آکر کھائے)۔

دوم شرعی حاجت: مثلاً اذان دینے یا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے باہر نکلنا جائز ہے۔ پس اگر اذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا خواہ وہ مؤذن ہو یا نہ ہو، اور اگر اذان کا مینارہ اندر ہو تو بدرجۂ اولیٰ اس پر چڑھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے تحری (اٹکل) کر کے اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ کی اذان سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار

رکعتیں سُنت جمعہ قبلیہ پڑھ لے۔ اس کا اندازہ اعتکاف کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور نماز فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد اس قدر ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے۔ فرض جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں اور بعد کی چار یا چھ رکعتیں اعتکاف والی مسجد میں بھی ادا کرسکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے، اگر زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا رہا، مثلاً ایک دن رات وہاں ٹھہرا رہا یا باقی اعتکاف وہیں پورا کیا۔ تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر کسی عذر، مثلاً مسجد کے گر جانے یا زبردستی کسی کے نکال دینے کی وجہ سے یا اپنی جان ومال کے خوف سے مسجد سے نکلا اور اسی وقت اعتکاف کی نیت سے دوسری مسجد میں داخل ہوگیا کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا، تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مذکورہ دو قسم کے عذرات کے علاوہ کسی اور عذر سے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ پس اگر بیماری یا خوف کی وجہ سے یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن اگر بشری حاجت پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے چلا گیا تو جائز ہے، جب کہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اس مقصد کے لئے نہ ہو اور وہ راستہ سے نہ پھرے اور نماز جنازہ یا مریض کی مزاج پرسی سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر نذر کرتے وقت شرط کرلی ہو کہ وہ عیادت مریض یا نماز جنازہ یا مجلس علم میں حاضر ہوگا تو اب امور کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب قدموں کا مسجد سے باہر نکالنا ہے۔ پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر نکالے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ یہ

سب احکام واجب اور سُنّت مؤکدہ اعتکاف کے ہیں، اگر نفلی اعتکاف میں عذر سے یا بلا عذر مسجد سے نکلے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر نفلی اعتکاف شروع کیا پھر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ اس اعتکاف کو ختم کرنا ہے توڑنا نہیں ہے اور سُنّت مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف بھی شروع کر کے توڑ دینے سے ختم ہو جائے گا سُنّت مؤکدہ کی بجائے ادا نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو پورے عشرہ کا ہی ہوتا ہے اس سے کم کیا ہوا اعتکاف نفلی بن جائے گا اور اس پر اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہو گی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے۔

(۲) اعتکاف توڑنے والی چیز جماع اور اس کے لوازم ہیں۔ اعتکاف والے پر جماع اور اس کے لوازم حرام ہیں۔ پس پیشاب پاخانہ کے مقام میں دخول سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور لوازم جماع مثلاً مباشرت (بدن سے بدن ملانا) بوسہ، مساس، معانقہ اور پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً ران یا پیٹ وغیرہ میں جماع کرنا، ان سب صورتوں میں اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، خواہ جماع و لوازم جماع دن میں واقع ہوں یا رات میں اور جان بوجھ کر ہوں یا بھول کر اور خواہ رضامندی کی حالت ہوں یا اکراہ کی حالت ہر حال میں اعتکاف فاسد ہونے کا حکم یکساں ہے، خواہ جماع مسجد سے باہر واقع ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماع و لوازم جماع کی جن صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے ان سب صورتوں میں اعتکاف بھی ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا ان صورتوں میں اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے دن رات اس حکم میں برابر ہیں اور روزے میں صرف دن کے وقت یعنی

روزہ کے حالت میں یہ چیزیں روزہ کو فاسد کردیتی ہیں، جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی دوسری چیزوں سے واجب وسنت مؤکدہ اعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جب کہ روزہ کو توڑنے والی چیز دن میں یعنی روزہ کی حالت میں پائی جائے کیونکہ روزہ اعتکاف کے لئے شرط ہے اس لئے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

(۳) اعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بے ہوشی اور جنون ہے۔ بے ہوشی یا جنون سے اعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ وہ دو یا زیادہ دن تک رہے، کیونکہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہوجائے گا لیکن پہلے دن کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا جب کہ اس نے وہ دن مسجد ہی میں پورا کیا ہو کیونکہ نیت پائی گئی ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو جنون یا بے ہوشی دور ہونے کے بعد اس پر اس دن کی قضا لازم ہوگی اوراس دن کے علاوہ بے ہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اعتکاف بھی جنون و بے ہوشی دور ہونے کے بعد قضا کرے، اگرچہ وہ جنون بہت طویل ہوگیا ہو اور جب اس واجب (یعنی نذر کے) اعتکاف کی قضا پر قادر ہو تو اس کو روزہ کے ساتھ قضا کرے۔

فائدہ: اگر وہ واجب (یعنی نذر کا) اعتکاف کسی معین مہینے کا ہو تو جس قدر دن باقی رہ گئے ہوں صرف اتنے ہی دن کا اعتکاف قضا کرے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر وہ واجب اعتکاف غیر معین مہینے کا ہو تو فاسد کردینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ لگاتار ادا کرنا لازم ہوا ہے، خواہ اس اعتکاف کو اپنے فعل سے کسی عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو یا اس کے فعل کے بغیر ہی فاسد ہوا ہو۔

وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

① خاموش رہنا: اگر اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس کو عبادت نہ سمجھتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ بات کرنا کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً غیبت کرنا، اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے برے شعر پڑھنا یا سامان تجارت بیچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لئے پہلی قسم سے چپ رہنا فرض ہے اور دوسری قسم سے چپ رہنا واجب ہے۔ غیر مفید باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بچانے کے لئے خاموش رہنا مکروہ نہیں ہے لیکن زیادہ تر وقت تلاوت قرآن پاک وذکر وغیرہ عبادت میں گزارے۔ خاموش رہنے کے یہ احکام مسجد سے باہر اور اندر والے اور جو شخص اعتکاف میں نہ ہو سب کے لئے یکساں ہیں، مسجد میں اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ یہ احکام ہیں۔

② اگر اعتکاف والے شخص نے دن میں (روزہ کی حالت میں) بھول کر کچھ کھا پی لیا تو چونکہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس کا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

③ اگر اعتکاف والا شخص کھانا اور اپنی ضرورت کی چیزیں مسجد میں بیچے یا خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادہ سے کرے تو مکروہ ہے۔ اعتکاف کی حالت میں نکاح کرنا، طلاق سے رجعت کرنا، لباس پہننا، خوشبو او تیل لگانا جائز ہے۔

④ اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں تجارت کے قصد سے خرید وفروخت

کی بات کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور بغیر اعتکاف والے کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ تجارت کے لئے یا بغیر تجارت کے ہو۔ اور خواہ سامان تجارت حاضر ہو یا نہ ہو، اور خواہ اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کا محتاج ہو یا نہ ہو۔

(۵) سامان تجارت کو مسجد میں موجود کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو کھانا اعتکاف والے نے خریدا اس کو مسجد میں لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(۶) مسجد میں وطی (جماع) اور اس کے لوازم یعنی بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ کرنا وغیرہ حرام ہے۔

(۷) گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ افعال مسجد میں اور مسجد سے باہر ممنوع و حرام ہیں۔ پس اعتکاف کی حالت میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع و حرام ہیں اس لئے ان سے بچنا ہر وقت ضروری ہے۔

اعتکاف کے متفرق مسائل

(۱) جب کوئی شخص اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا یعنی اعتکاف کی نذر ماننے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے صرف دل سے نیت کرنا اعتکاف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

(۲) اگر تثنیہ یا جمع کے صیغہ کے ساتھ یعنی دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی یا دو راتوں یا تین یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اور ان راتوں کے ساتھ ان کے دنوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کچھ نیت نہ کی ہو یا دن

اور رات دونوں مراد لئے ہوں، لیکن اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی اور راتوں کی نذر میں خالص اعتکاف لازم ہوگا اور اس کو متفرق طور پر ادا کرنے کا اختیار ہے اس پر راتوں کا اعتکاف واجب نہیں ہوگا اور صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ راتیں روزے کا محل نہیں ہیں اور اگر صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً داخل نہیں ہوگی اسی طرح صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر کرنے میں دن ضمناً شامل نہیں ہوگا اور چونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا اس لئے وہ نذر لغو ہوجائے گی۔

(۳) جب اعتکاف کے واجب ہونے میں رات داخل نہیں ہے تو اعتکاف کرنے والے کو اختیار ہے کہ متفرق طور پر ادا کرے یا لگاتار ادا کرے اور جب رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اس کو لگاتار اعتکاف کرنا واجب ہوگا، متفرق طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوگا۔

(۴) جب اعتکاف میں رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اعتکاف کی ابتداء رات سے ہوگی۔ پس وہ اپنی نذر کے پہلے دن سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اپنی نذر کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور جب صرف دنوں کے اعتکاف کی نذر کی تو دن سے اعتکاف شروع کرے اور طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور غروب آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔

(۵) اگر ایک معین دن یا ایک معین مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور اس دن سے ایک دن پہلے یا اس مہینہ سے ایک مہینہ پہلے اعتکاف کرلیا یا مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر کی اور کسی اور مسجد میں اعتکاف کرلیا تو جائز ہے، اسی

طرح معین وقت کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے۔

(۶) اگر گزرے ہوئے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۷) اگر کسی نے ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی پھر وہ ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اگر اس نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ہر روزہ کے اعتکاف کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار گیہوں یا جو وغیرہ سے دیئے جائیں اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو اس کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اگر کسی نے مرض کی حالت میں ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور وہ تندرست نہ ہوا یہاں تک کہ مرض کی حالت میں ہی مر گیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ایک دن کے لئے اچھا ہو گیا پھر مر گیا تو سارے مہینہ کے عوض فدیہ دیا جائے گا۔

(۸) جب واجب اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ پس اگر کسی معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور اس نے ایک دن یا زیادہ دنوں کا روزہ توڑ دیا تو اتنے ہی دن قضا کرے جن کا روزہ توڑا ہے، اور اگر غیر معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا تو نئے سرے سے اعتکاف کرے، اس لئے کہ اس کا لگاتار ادا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے اپنے فعل سے عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا عذر کے ساتھ لیکن اگر معتبر عذر کے بغیر فاسد کر دے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ اعلم

س...... ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ دیئے مجبوری کے تحت کیا وہ شخص اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

ج...... ضرور بیٹھ سکتا ہے، اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہئے۔ اعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔

س...... کیاایک مسجد میں صرف ایک اعتکاف ہو سکتا ہے یاایک سے زائد بھی؟

ج...... ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں اعتکاف بیٹھیں اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔

س...... حالت اعتکاف میں جس مخصوص کونہ میں پردہ لگاکر بیٹھا جاتا ہے کیا دن کو یا رات کو وہاں سے نکل کر مسجد کے کسی پنکھے کے نیچے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ معتکف کسے کہتے ہیں اس مخصوص کونہ کو جس میں بیٹھا جاتا ہے یاپوری مسجد کو معتکف کہا جاتا ہے؟ اور بعض علماً سے سنا ہے کہ دوران اعتکاف بلا ضرورت گرمی دور کرنے کے لئے غسل کرنا بھی درست نہیں' کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر بحالت ضرورت مسجد سے نکل کر جائے' اور کسی شخص سے باتوں میں لگ جائے' تو کیا ایسی حالت میں اعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج...... مسجد کی خاص جگہ جو اعتکاف کے لئے تجویز کی گئی ہو اس میں مقید رہنا کوئی ضروری نہیں' بلکہ پوری مسجد میں جہاں چاہے دن کو یا رات کو بیٹھ سکتا ہے اور سو سکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی نیت سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں' البتہ اس کی گنجائش ہے کہ کبھی استنجا وغیرہ کے تقاضے سے باہر جائے تو وضو کے بجائے دو چار لوٹے پانی کے بدن پر ڈال لے' معتکف کو ضروری تقاضوں کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں ٹھہرنا چاہئے' بغیر ضرورت کے اگر گھڑی بھر بھی باہر رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا' اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا' حضرت امامؒ کے قول میں احتیاط ہے اور صاحبینؒ کے قول میں وسعت اور گنجائش ہے۔

س...... کیا اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے جو چاروں طرف چادریں لگاکر ایک حجرہ بنایا جاتا ہے۔ ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی اعتکاف ہو جاتا ہے؟

ج...... چادریں معتکف کی تنہائی و یکسوئی اور آرام وغیرہ کے لئے لگائی جاتی ہیں ورنہ اعتکاف ان کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

س...... اعتکاف کے دوران گفتگو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو گفتگو کی نوعیت بتائیں؟

ج...... اعتکاف میں دینی گفتگو کی جاسکتی ہے اور بقدر دنیوی بھی۔

س...... دوران اعتکاف تلاوت کلام پاک کے علاوہ سیرت اور فقہ سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟

ج...... تمام دینی علوم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

س...... مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مسجد جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈوالہ یار ضلع حیدر آباد کی کالونی میں واقع ہے' اس مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر انتہائی دیندار آدمی ہیں) اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان کے اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشہ میں بیٹھتے ہیں وہاں گاؤ تکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلیفون بھی لگوالیتے ہیں جو کہ اعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اعتکاف کے دوران اسی ٹیلیفون کے ذریعہ تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام دفتری کارروائی' فائلیں وغیرہ مسجد میں منگواکر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگواکر مسجد میں ہی قوالیوں کے کیسٹ سنتے ہیں جبکہ قوالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں۔ کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوالی سنی جائے؟ اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھواکر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دینی پروگرام بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ہماری کالونی کے متعدد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔ کیا ان نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

ج...... اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص انقطاع الی اللہ میں گزاریں

اور حتی الوسع تمام دنیوی مشاغل بند کردیئے جائیں۔ تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو ان کا کرنا جائز ہے۔ لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لئے دفتر میں تبدیل کردینا بے جا بات ہے اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے جو نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہے۔ آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہئے کہ اگر اعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں فقیرانہ کریں اور محرمات سے احتراز کریں ورنہ اعتکاف ان کے لئے کوئی فرض نہیں۔ خدا کے گھر کو معاف کریں' اس کے تقدس کو پامال نہ کریں۔

س...... کیا حالت اعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر) حالت پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لئے غسل کر سکتا ہے' اور کیا اس سے اعتکاف سنت ٹوٹ جاتا ہے' جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو' اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج...... غسل اور وضو سے مسجد کو ملوث کرنا جائز نہیں' اگر صحن پختہ ہے' اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے' اور پھر جگہ کو صاف کردے۔

س...... ہمارے محلّہ کی مسجد میں دو آدمی اعتکاف میں بیٹھے تھے زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کے غسل خانہ میں غسل کرتے تھے۔ ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح غسل کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؟

ج...... ٹھنڈک کے لئے غسل کی نیت سے جانا معتکف کے لئے جائز نہیں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جب پیشاب کا تقاضا ہو تو پیشاب سے فارغ ہو کر غسل خانے میں دوچار لوٹے بدن پر ڈال لیا کریں' جتنی دیر میں وضو ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں بدن پر پانی ڈال کر آجایا کریں الغرض غسل کی نیت سے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں' طبعی

ضرورت کے لئے جائیں تو بدن پر پانی ڈال سکتے ہیں۔اور کپڑے بھی مسجد میں اتار کر جائے تاکہ غسل خانے میں کپڑے اتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔

س...... میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہو گئی تو میں اعتکاف میں بیٹھوں گا مگر میں اس طرح نہ کر سکا۔ تو مجھے بتایئے کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں؟ کہ میری یہ منت پوری ہو جائے۔باقی دو روزے نہ رکھنے کے لئے بتایئے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہو گا؟

ج...... آپ نے جتنے دن کے اعتکاف کی منت مانی تھی اتنے دن اعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے۔ اور اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہیں۔جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے آپ کے ذمہ رہے گا اور اگر اسی طرح بغیر کئے مر گئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہو گی۔اور آپ کے ذمہ روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہو گی۔

۲ :...... جتنے دن کے روزوں کی منت مانی تھی اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔البتہ اگر آپ اتنے بوڑھے ہو گئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جا سکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی امید ختم ہو چکی ہے تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقتہ کھانا کھلا دیجئے یا صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔

عظمتِ قرآن

اوراس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

یہاں آپ حضرات کی مسجد میں مدرسہ حفظ قرآن شروع ہوا ہے، اس کے سلسلہ میں حاضری ہوئی ہے، اس لئے دو چار باتیں اسی کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر وقیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" (الحشر:۲۱)

ترجمہ: "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

(اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا
اور پھٹ جاتا"۔

پہاڑ بھی اس کلام پاک کی عظمت کو برداشت نہ کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآن کریم نازل ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعہ سے ان کے دلوں تک پہنچا۔ اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا واسطہ، پھر انسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ تو اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآن کریم ہم تک پہنچا اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ یہ تو اس کلام پاک کی عظمت ہے۔ اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب پڑھو اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں

یہ کلام پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ بطور لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ شیطان کا نام اچھا ہے کہ برا؟ برے کا نام برا ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے۔ ش ی ط ا ن، شیطان کا نام

ملنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ تو جب قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ "فرعون" کے نام کے پانچ حرف ہیں۔ ف ر ع و ن۔ قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بد بخت ہے، شیطان اپنی جگہ بد بخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام آگیا تو اس کو پڑھتے ہوئے جب کوئی فرعون کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی۔ تو میں نے کہا کہ کتنی بڑی اس کی عظمت ہے؟ کتنی بڑی اس کی قیمت ہے؟

قرآن کریم سے محبت

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی۔ قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے۔ گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے، مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا اتنی ہی حق تعالیٰ شانہ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلام پاک سے تعلق ہوگا، کلام پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے اور نہ ہو تو قل ھو اللہ ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ صرف قل ھو اللہ یاد رہتی ہے وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی۔ اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے۔ اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے جس میں چھوٹی سورتیں ہیں۔ اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں۔ الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"ان الذی لیس فی جو فہ شئی من القرآن کالبیت الخرب" (مشکوٰۃ: ۱۸۶۔ بحوالہ ترمذی ودارمی)

ترجمہ: "وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر"۔

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں۔ تو جس مؤمن کے دل میں قرآن کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

تلاوت قرآن کی مقدار

قرآن کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس

پارے روزانہ قرآن کریم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا۔ اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی جو فمی بشوق پڑھتے تھے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی۔ پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۃ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، اور پانچویں منزل شعرآء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۃ ق سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فمی بشوق۔ تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم۔ جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتہ کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم۔ اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآن کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین قرآن ہوجائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآن کریم کا معمول ہو۔ جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی معمول ہونا چاہئے۔ ایک مہینے کے بعد قرآن کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے تو تم کہو کہ میں نے ۲۲ واں پارہ پڑھا ہے آج ۲۲ تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو۔ پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی

ایک رکوع۔ البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے۔ تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں۔ لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پڑھتے تھے۔ ایک قرآن دن کا ایک رات کا اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی معمول امام بخاریؒ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کا تھا، لیکن ۶۱ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعیّن ہوں گے۔ جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے۔ سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتہ چلتا نہیں۔ لیکن کتنی طاقتور محبت ہے۔ کتنے درجہ کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا۔ یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے۔ اب محبت کا کوئی پتہ نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم قرآن کی ضرورت و اہمیت

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے

ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، ان پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے۔ تعلیم دلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلہ میں کتنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دوسری تعلیم کے بجائے قرآن کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآن کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں، اور بس۔ اور یہ جو بڑے اونچے خاندان کے لوگ ہیں ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآن کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے، ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو لوگ اونچے اونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے۔ الّاماشاء اللہ۔ اس طرف سے غافل ہیں۔ البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی موذن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے۔ ان کے بچے جاکر مسجد کی پرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزت کی بات نہیں۔ اس لئے بچوں کو

مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ امراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآن کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کو بس اتنا کردیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہوجائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ۲، ۳ سال میں قرآن یاد کرلیتا ہے اور میرے جیسا کوئی کمزور ہو تو وہ ۵، ۶ سال لے ڈوبتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے۔ قرآن کریم جس بچے نے حفظ کرلیا اس کو لے جاکر چھٹی جماعت میں داخل کردو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا۔ کیوں بھئی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا۔ اب ۵ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کردیا اور بچے نے قرآن کریم حفظ کرلیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرادو اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآن کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ پھر بھی خسارہ نہ ہوا۔ لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہوگئے۔

تلاوت قرآن کا ثواب

اور بہت سے لوگوں نے دل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآن کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی

قرآن کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے۔ میں نے ابھی کہا کہ قرآن کریم میں فرعون "یا شیطان" کا لفظ آیا اس کے پڑھنے پر پچاس (۵۰) نیکیاں ملتی ہیں تو قرآن کریم کے "الفاظ کو دہرانا" اپنی زبان سے ادا کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں چونکہ قرآن کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رٹ لی مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا۔ جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلّق نہیں۔ یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔ ادھر قرآن کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت۔ تو ان غریبوں نے قرآن کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کرلیا۔ یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں۔ ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے۔ اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ الحمدللہ رب العالمین کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے بار بار رٹتا ہے تو الحمدللہ رب العالمین میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور

جتنی مرتبہ دہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔ اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتا الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا؟ جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمہ لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں۔ تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآن کریم کے پڑھے جتنی مرتبہ پڑھا وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

کشف قبور کا سبق آموز واقعہ

حافظ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں یہ قصہ نقل کیا ہے اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے۔ قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ کشف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے اگر دیوار ہٹادی جائے تو ادھر اس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے۔ کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دکھادیتے ہیں۔ قبر میں میت کا حال نظر آجاتا ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں۔ اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی۔ تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مردے ان کو چن رہے ہیں۔

یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے۔ یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں کہ بھائی یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو ایصال ثواب کرتے ہیں، دعا واستغفار کرتے ہیں وہ ساری کی ساری تقسیم ہو جاتی ہے اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ التحیات میں پڑھتے ہو نا؟

"رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب"

ترجمہ: "اے پروردگار میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو"۔

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے دی ہے۔ تو یہ وہ دعا اور استغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کردیا جاتا ہے اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں، اس بزرگ نے پوچھا کہ بھائی تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں، اور یہ بیچارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں، بزرگ نے پوچھا کہ بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ میرا بیٹا حافظ قرآن ہے۔ روزانہ ایک قرآن پڑھ کر مجھے ایصال ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان

صدقات وخیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا کہ تمہارا بیٹا کون ہے، کیا نام ہے؟ کہا فلاں شہر میں اس کی دکان ہے۔ اس کا نام یہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے۔ مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا، یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا، اس دکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے۔ میں نے قریب جاکر پوچھا کہ کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے پوچھا کہ آپ اپنے والد کو روزانہ ایک قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے ہاں! پھر پوچھنے لگے آپ کو کیسے پتہ لگا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتلایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا صحیح ہے، یہی میرا نام ہے، اور میں حافظ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے۔ پھر وہی منظر سامنے آ گیا۔ اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دوسروں کے ساتھ چننے میں مصروف ہے۔ بزرگ نے پوچھا اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے۔ میری پنشن بند ہو گئی۔ اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتہ نہیں۔ وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن

مسلمانوں کے دل میں اس کی قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھادو۔

خوش قسمت لوگ

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں۔ ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرت شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا)۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ موذن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا۔اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا۔ نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے (آمین)۔

ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا ادھر گھر میں تو کیا اردگرد میں بھی کوئی حافظ نہیں تھا رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو

ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی ڈاڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجہول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ فرماتے مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا، اللہ نے ان کی دعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ ان کی اولاد میں ۲۵ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے ۴ بیٹے ہوں ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو تھوڑا تھوڑا بھی بخش دو گے تو ان شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ امام الاولیاؒ فرماتے تھے، ہاں امام الاولیاؒ! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں جاکر پتہ چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ دنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی۔ تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے۔ اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

دعا ختم قرآن

آخر میں ختم قرآن کی دعا کا ترجمہ کرتا ہوں، یہ دعا قرآن کے آخر میں سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ دعا یہ ہے۔

"اللھم آنس وحشتی فی قبری"

"اے اللہ میری قبر میں وحشت کو انس سے تبدیل کردے"۔

وحشت کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے۔ یا اللہ قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو انس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

"اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم"

"یا اللہ مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآن کریم کے ذریعہ سے"۔

"واجعلہ لی اماما ونورا وھدی ورحمۃ"

"یا اللہ بنادے اس کو میرے لئے امام۔ امام آگے ہوتا ہے مقتدی پیچھے ہوتے ہیں۔ قرآن آگے آگے چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے"۔

"اللھم ذکرنی منہ مانسیت وعلمنی منہ ماجھلت"

"یا اللہ یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا"۔

"وارزقنی تلاوتہ آناء الیل واناء النھار وجعلہ

لی حجة یارب العالمین"

ترجمہ: "اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں اور رات کی گھڑیوں میں، دن اور رات تلاوت کیا کروں یہ نصیب فرما اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن"۔

حدیث میں ہے کہ:

"والقرآن حجة لک اوعلیک" (مشکوۃ صفحہ ۳۸)

"یعنی قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف"۔

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ:

"عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الطہور شطر الایمان، والحمد للہ تملاء المیزان، وسبحان اللہ والحمدللہ تملان اوتملاء مابین السموات والارض، والصلوۃ نور، والصدقة برھان، والصبر ضیاء، و القرآن حجة لک اوعلیک، کل الناس یغدو، فبائع نفسه، فمعتقھا اوموبقھا"

(رواہ مسلم، مشکوۃ صفحہ ۳۸)

ترجمہ: "حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

پاک رہنا آدھا ایمان ہے، اور الحمد للہ کہنا اعمال کی ترازو
کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں۔ یا
فرمایا کہ ہر کلمہ بھر دیتا ہے۔ آسمان وزمین کے درمیان کے
خلاء کو، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے،
اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا
تیرے اوپر، ہر ایک شخص صبح کرتا ہے، پس بیچتا ہے اپنی
جان کو، پس اس کو آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا
ہے"۔ (ماخوذ از مظاہر حق صفحہ ۱۱۰ جلد ۱)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ قرآن کریم تیرے لئے حجت بنے گا قیامت کے دن یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

تلاوت قرآن کی عادت ڈالنے کا طریقہ

دیکھو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو۔ میں نے درجے بیان کردئے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کے، اور میں نے کہا کہ سب سے آخری درجہ کم سے کم یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کی جائے تو آخری درجہ پر تو آجاؤ۔ پرائمری پاس ہو تو اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ تعلیم یافتہ کا لفظ بولا جاتا ہے میٹرک کے بعد۔ یعنی میٹرک کے بعد اس کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ جس نے دو چار جماعتیں پڑھی ہوں اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ ایک دو رکوع اگر پڑھو گے تو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں نام آئے گا، اپنا نام تبدیل کرواؤ، کم سے کم آخری درجے پر تو آجاؤ۔ شروع شروع میں چلو پرائمری ہی سہی۔ پرائمری کروگے تو

میٹرک بھی کرلو گے۔ پہلے پرائمری کرو گے پھر مڈل کرو گے پھر میٹرک ہو گا، تو بھئی شروع شروع میں اگر زبان نہیں چلتی تو تھوڑا پڑھو، پاؤ آدھ پاؤ، لیکن پڑھتے جاؤ۔

تم دنیا کے معاملات میں تو ترقی پر ترقی چاہتے ہو، لیکن آخرت کے معاملے میں، دین کے معاملے میں، قبر کے معاملے میں، حشر کے معاملے میں، اتنی تو ترقی کرو کہ پہلی جماعت سے ہی شروع کرو، یعنی ایک دو رکوع سے ہی شروع کرو، لیکن اس کو معمول بنالو۔ روزانہ کا۔ اپنی خوراک بنالو، قرآن کریم تمہاری خوراک بن جائے اور پھر اس پر ترقی کرتے کرتے تمہارا نمبر یہاں تک آجائے کہ ایک پارے کی تلاوت تمہاری خوراک بن جائے۔ اور پھر اس سے آگے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مجھے بھی ساتھ لے گئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمیں کافی روز ٹھہرنا پڑا، الحمدللہ پورے سفر میں چار مہینے لگ گئے۔ والد صاحب کا پورے سفر میں ۱۵ پارے کا معمول تھا، ایک دن مجھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کچھ سر میں درد رہتا ہے، میں نے کہا جی ذرا تلاوت تھوڑی کم کردیجئے۔ حفظ نہیں تھا، اور ایسے ہی پرانے زمانے میں میاں جی سے پڑھا تھا، پورا صحیح بھی نہیں تھا لیکن پندرہ پارے روزانہ کا معمول تھا۔ دوسرے دن قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ میرے کہنے پر پانچ پارے کم کردئے اور روزانہ دس پارے کا معمول بنالیا تھا، یہ تو سفر حج کا معمول رہا اور رمضان المبارک میں روزانہ کا دس پارے کا معمول تھا۔

لہٰذا تم چاہو تو ترقی کرسکتے ہو مگر تھوڑی ہمت کرو۔ دل میں شوق پیدا کرو۔ اور جب یہ چاٹ لگ جائے گی تو ان شاء اللہ چھوٹے گی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق

عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حقوق اللہ

اور ذکر اللہ کی فضیلت

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

فہرست ذکر اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق اللہ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد!

فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ التی خطبھا فی اول جمعۃ صلاھا بالمدینۃ فی سالم بن عوف: "خذوا بحظکم ولا تفرطوا فی جنب اللّٰہ ، قد علمکم اللّٰہ کتابہ، ونھج لکم سبیلہ، لیعلم الذین صدقوا ویعلم الکاذبین، فاحسنوا کما احسن اللّٰہ الیکم، وعادوا

اعدائه، وجاهدوا فی اللّٰه حق جهاده، هو اجتباکم وسماکم المسلمین ......"

(حیات الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۶، بدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳)

ترجمہ: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم فرمادی ہے، اور تمہارے لئے اپنا راستہ واضح کردیا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں، پس تم احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے، اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کا حق ہے، اس نے تم کو چن لیا ہے، اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد جیئے، اور نہیں ہے کوئی قوت مگر اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے ساتھ"۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، اس خطبہ میں پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ کا تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کے غصہ سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے بچاتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا چہروں کو سفید کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے، اور درجے کو بلند کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ جملے ہیں جو میں نے اس وقت پڑھے ہیں ان میں ارشاد فرمایا: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ "اپنا حصہ لے لو" یعنی

اعمال کا حصہ یہاں سے حاصل کرکے جاؤ، دنیوی زندگی میں تمہارا حصہ، جو تمہیں مرنے کے بعد کام آئے گا یہی اعمال صالحہ ہیں، اسی طرح جو مال تم نے رضائے الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کردیا وہ تمہارا حصہ ہے، لہٰذا جب دنیا سے جاؤ تو یہاں سے اپنا حصہ وصول کرکے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو

"اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ:

"یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ وان کنت لمن السخرین" (الزمر:۵۶)

ترجمہ: "ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملہ میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے"۔

پس اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملہ میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کسل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

ایمان و یقین لانے میں کوتاہی

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی کرنا، اس کی ایک صورت تو سب سے بڑی

کفار میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی، یعنی ایمان، یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے، لیکن ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں، ایمان، ایمان میں بھی فرق ہے، تو کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور ہمیں کامل ترین ایمان نصیب فرمائے آمین۔ محنت بھی کرنی چاہیے، دعا بھی کرنی چاہیے۔

فرائض میں کوتاہی

ایمان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا ہے، اور اعمال میں سے سب سے اول فرائض کا درجہ ہے، نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، اگر مالی و بدنی استطاعت ہے تو حج فرض ہے، اسی طرح جو حقوق واجبہ ہیں، ان کے ادا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔

ہم سے جو فرائض و واجبات ادا کرنے میں غفلت ہو جاتی ہے، کوتاہی ہو جاتی ہے، یہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں ان فرائض و واجبا کی اہمیت کا اندازہ نہیں، اور ان کو ترک کرنے کے وبال کا احساس نہیں، اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان فرائض میں کوتاہی کرنے سے ہمارا کتنا نقصان ہو رہا ہے تو ہم ان کے بجالانے میں کبھی سستی نہ کریں، کبھی سستی نام کو بھی نہ آئے، اور برا ماحول بھی سستی پیدا کرتا ہے، اچھا خاصہ دین دار آدمی اگر بے دین لوگوں میں چلا جائے، جن کو دین کی پرواہ نہیں، تو یہ بھی ڈھیلا ہو جائے گا، اور ایک آدمی جو دین کے اعتبار

سے سُست ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور وہ کسی اچھی محفل میں چلا جائے، اچھے ماحول میں چلا جائے، وہاں اس کو کچھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو اس کی سستی بھی کافور ہوجائے گی، ہمارے وہ نوجوان جو پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جب تبلیغ میں نکلتے ہیں تو تہجد بھی پڑھنے لگتے ہیں، اور چند دن میں تہجد گزار بن جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو مسجد کا پاکیزہ ماحول ملا ہے، اور معاشرے کے گندے ماحول سے ان کو نکلنے کا موقع ملا ہے، اس وقت تو ان کا ماحول محدود ہوتا ہے، شب و روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننا سنانا ہوتا ہے، ذکر ہے، تسبیح ہے، نماز ہے، دعوت ہے، الغرض تبلیغ میں نکلنے کے بعد آدمی کو سراپا خیر کا ماحول مل جاتا ہے، اور آدمی کے مزاج پر اس ماحول کے اثرات پڑتے ہیں، اس لئے میں اپنے عزیز نوجوانوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کو ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ یہاں کے زہریلے ماحول نے ان کے مزاج میں جو زہریلے اثرات پیدا کردیئے ہیں تبلیغ میں نکل کر ان کے مزاج کی اصلاح ہوجائے، اور اس زہر کا تریاق مہیا ہوجائے۔

نیک اعمال میں کوتاہی

اور تیسری قسم کی سستی یہ ہے کہ ان چیزوں میں کوتاہی جو فرض نہیں ہیں، واجب نہیں ہیں، فرائض اور واجبات کو تو آدمی ادا کرتا ہے، لیکن دوسری جو عبادتیں ہیں نفلی، ان میں نفس کہتا ہے، چلو یہ چیز کوئی فرض تو نہیں، نہ کرو، لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہم نے کتنی دولت کھودی، اور ہمارے نفس نے تساہل پسندی اور سستی سے کام لے کر کتنا خسارہ اٹھایا، اس لئے اس معاملے میں بھی جہاں تک اپنے امکان میں ہو سستی نہ کی جائے، فرائض کے بعد نوافل

ادا کرنے میں اور دوسرے نیک کام کرنے میں، اگرچہ یہ چیز فرائض میں شامل نہیں، مگر آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مرنے والے کی حسرت

ایک حدیث میں ہے:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامتہ یا رسول اللّٰہ ! قال ان کان محسنا ندم ان لایکون ازداد وان کان سیئا ندم ان لایکون نزع۔ رواہ الترمذی" (مشکوٰۃ: ۴۸۴)

ترجمہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے اس کو ندامت ضرور ہوتی ہے، چاہے نیک ہو، چاہے بد ہو، اچھا ہو، یا برا ہو، پھر اس کی تشریح فرمائی کہ نیک آدمی کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ جمع کرلیں، اور برے آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ وہ برائیوں سے کیوں باز نہ آیا، اور اس نے توبہ و استغفار سے تدارک کیوں نہ کرلیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۴)

الغرض نیک آدمی کو بھی یہ حسرت ہوتی ہے، کیونکہ وہاں نیکیوں کا سکہ چلے گا، اب جس کی جیب میں جتنے پیسے ہیں وہ اتنی ہی چیزیں خرید سکتا ہے، اور وہاں چیزیں بہت سستی ہیں، بہت سستی ملتی ہیں، لیکن جیب میں پیسے بھی تو ہوں، تو اس وقت آدمی للچائے گا اور اس کو یہ حسرت ہوگی کہ اے کاش! میں زیادہ سے

زیادہ نیکیاں لے کر آتا، تو آج زیادہ سے زیادہ یہاں کی چیزیں خرید سکتا، وہاں کی چیزیں کیا ہیں؟ جنت کے درجات، وہاں نیکیوں کے حساب سے درجات ملیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ دنیا سے اپنا نیکیوں کا حصہ لے کر جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔

سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز

اس کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تم کو سکھادی ہے، اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے، ہدایت کو واضح کردیا ہے" اب چلنا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو، اور چلتے رہو اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے "تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کردے جھوٹوں کو"۔ سچے اور جھوٹے الگ الگ ہوجائیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ کردیتے ہیں، لیکن اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، جب یہ اعلان ہوگا: "وامتازوا الیوم ایھا المجرمون" (سورۃ یٰسین)
"اے مجرمو! تم الگ ہوجاؤ"۔

نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ جب حکم ہوگا کہ اے مجرمو الگ ہوجاؤ! مجرم فرماں برداروں سے الگ ہوجائیں گے، تو اس وقت سچے اور جھوٹے کے درمیان پورا امتیاز ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری پردہ دری نہ فرمائے اور ہماری حالت پر رحم فرمائے آمین۔

مخلوق کے ساتھ انصاف کرو

آگے فرمایا "تو تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کیا تم پر"

قرآن کریم میں قارون کی قوم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ قارون کو نصیحت کرتے ہوئے لوگوں نے یہ کہا "اس خزانے پر اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، تم اپنے اس خزانے اور مال و دولت کے ذریعہ آخرت کا گھر تلاش کرو، اور دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو"۔ دنیا میں تمہارا اتنا حصہ ہے، دو روٹیاں کھالیں، کپڑا پہن لیا، رہنے کا مکان ہو ٹوٹا پھوٹا، تمہاری جو بنیادی ضروریات ہیں، جن پر زندگی کا مدار ہے یہی تمہاری ہیں اور بس، اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہیں"۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"یقول ابن آدم مالی، مالی قال وهل لك یا بن آدم الا یا اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فامضیت" (مشکوۃ صفحہ ۴۴۰)

"آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال، میرا مال، آدم کے بیٹے! تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو نے کھالیا، کھاکر ختم کردیا، پہن لیا، پہن کر بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا اور اپنے لئے ذخیرہ کردیا، اس کے علاوہ جتنا مال ہے وہ تیرا نہیں ہے تجھے غلط فہمی ہے یہ تو دوسروں کا ہے"۔

تو قارون کی قوم اسے نصیحت کررہی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے، اس سے آخرت خریدو، ایک بات، دوسری بات یہ کہ دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو کہ تمہارا حصہ بس اتنا ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم دوسروں کو دو، اور یہ نہ سمجھو کہ دوسروں کو دوں گا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔ اپنی ضرورت رکھ کر باقی دوسروں کو دے

دو، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ خرچ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میں گھر میں صدقہ وغیرہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا ہاں کرسکتی ہو اور پھر فرمایا:

"ولا تحصی فیحصی اللّٰہ علیک ولا توعی فیوعی اللّٰہ علیک"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۴)

ترجمہ: "اور گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دیا کرے گا اور بند کرکے نہ رکھا کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بند کردے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان گنت دیا ہے، تم بھی ان گنت دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو فیاضی سے دیا ہے تم بھی فیاضی سے دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی ہے، اس طاقت کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرو، مال دیا ہے مال کو خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے۔ اسی طرح جتنی صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان کو خلق خدا پر خرچ کرو اور ان پر رحم کرو۔ مشہور حدیث ہے:

"الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۵)

ترجمہ: "مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہو"۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"الراحمون یرحمهم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

تم زمین والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو

اس کے بعد فرمایا: وعادوا اعدائہ "اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت رکھو، اگر اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی نہیں تو تمہیں پاس محبت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی نہیں تو پاس غیرت نہیں ہے، اور یہ دونوں علامتیں ہیں ضعف ایمان کی اور اللہ تعالیٰ سے کمزور تعلق کی۔ ایک حدیث میں ہے:

"من احب للّٰہ، وابغض للّٰہ، واعطی للّٰہ، ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴)

ترجمہ: "جس نے محبت کی اللہ کے لئے، اور دشمنی کی اللہ کے لئے، اور جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

"ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالٰی الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ۔ رواہ احمد" (مشکوٰۃ: ۴۲۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو سب اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل ہے اللہ کی خاطر کسی سے محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا"۔

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں یہ چیز مفقود ہے، کیونکہ ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مفقود ہے یا کمزور ہے، جب کہا جاتا ہے، کہ فلاں قسم کے لوگوں کے ساتھ لین دین نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ بھی تو لین دین کی اجازت ہے، جب کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو جو دین اسلام کے باغی ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں مثلاً مرزائی، ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلاؤ اور خود ان کی تقریبات میں نہ جاؤ، تو آپ لوگ بہانہ بنالیتے ہیں، اور میں ویسے بھی آپ لوگوں کو جیل تو نہیں بھجوادوں گا، (میرے سامنے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) لیکن اگر کل اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرلیا کہ میرے دشمنوں سے کیوں تعلق رکھا تھا تو پھر کیا جواب ہوگا؟ وہ جواب سوچ کر لے جایئے۔

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "عادوا اعدائہ" "اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ دشمن سے دوستی رکھنے والا دشمن ہوتا ہے، اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے، گویا تم اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی دشمنی کا اعلان کرتے ہو، تم اپنے دنیاوی تعلقات میں ایسے لوگوں سے تو قطع تعلق کرلیتے ہو جو تمہارے

دشمنوں سے دوستی رکھتے ہوں، تم ان کے یہاں نہیں جاتے، کیونکہ وہ فلاں فلاں آدمی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ تمہارے تعلقات کشیدہ ہیں، تمہاری انا اس کو برداشت نہیں کرتی کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے تعلق رکھو، تو ذرا سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس چیز کو کیسے برداشت کرے گی کہ تم اس کے دشمنوں سے تعلق رکھو۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کرو

آگے ارشاد فرمایا کہ: "وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ" "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا"۔

اس کے راستے میں جہاد کرنے کا کیا حق ہے؟ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کردو۔ اور کہو کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جہاد میں دو صحابیؓ گئے، ایک کہنے لگے کہ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تم دعا کرو تو میں آمین کہوں گا۔ ایک نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ! کل کافروں سے مقابلہ ہونے والا ہے، میرے مقابلہ میں بڑا سا کافر آئے، جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن ہو، میرا اس سے سخت مقابلہ ہو، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں اس کو قتل کردوں، دوسرے نے کہا آمین، اب دوسرے نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ! کل مقابلہ ہونے والا ہے، پہلے میں کافروں کو قتل کردں، اس کے بعد مجھ کو جام شہادت نصیب فرما، میں تیرے راستے میں شہید ہوجاؤں، جب آپ قیامت کے دن مجھ سے پوچھیں کہ

تجھے کیوں زخمی کیا گیا، کیوں قتل کیا گیا، کیوں تیرے تلوار ماری گئی، کیوں تجھے نیزہ لگایا گیا؟ تو میں کہوں یا اللہ یہ آپ کی خاطر کیا گیا ہے، صرف آپ کی خاطر آپ کے نام کے لئے۔ جیسے حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہ نے اپنے احباب سے فرمایا تھا کہ ہماری قبر پر یہ شعر لکھ دینا ۔

به لوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
که ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

"ہماری تربت کی لوح پر لوگوں کو غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی ملی کہ یہ جو اس قبر میں مقتول پڑا ہوا ہے بے گناہی کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہیں تھا"۔

حضرت قدس سرہ کو شیعوں نے شہید کر دیا تھا، مغرب کے بعد گھر میں گھس گئے اور ذبح کر دیا، شہید فی سبیل اللہ ہو گئے۔

غرضیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جان و مال پیش کر دو۔ جان مانگے تو جان حاضر، مال کا نذرانہ مانگے تو مال حاضر، قوتوں اور صلاحیتوں وغیرہ کا نذرانہ مانگیں وہ حاضر، وقت مانگیں وہ حاضر، جو مانگیں وہ حاضر، کیونکہ جو کچھ بھی مانگا ہے انہی کی امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان و مال کو خرید چکا ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون"

ترجمہ: "بے شک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے، جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوجاتے ہیں"۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی برادری کے لئے قتل ہوتا ہے، کوئی جاہ و منصب کے لئے قتل ہوتا ہے، اور مومن محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال کو خرید لیا اور ان کی قیمت ادا کی جاچکی ہے، یعنی جنت۔

آگے فرمایا:

"وعدا علیه حقا فی التوراة والانجیل والقرآن ومن اوفی بعهده من اللّٰه فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذلک هو الفوز العظیم" (التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ: "یہ اللہ کے ذمہ سچا وعدہ رہا، تورات میں بھی، انجیل میں بھی، اور قرآن میں بھی، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ سو تمہیں خوش ہوجانا چاہئے اللہ کے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہ ہے بڑی کامیابی"۔

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا واہ! واہ! واہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واہ، واہ؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یا رسول

اللہ! اللہ تعالیٰ خود ہی فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جان و مال کا سودا کرلیا ہے، اللہ کی قسم نہ ہم اس سودے کو خود توڑیں گے، نہ توڑنے دیں گے، اب وہ سودا ہوچکا، پکا رہے گا، جو چیز اللہ تعالیٰ نے خریدی ہم اس کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں، اللہ اس سودے کو کیوں توڑیں گے؟ بھئی یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا" مالک کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، کسی تردد اور پریشانی کی ضرورت نہیں، آگے پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں، کوئی جان، مال، عزت، آبرو سے محبت کی ضرورت نہیں، بیوی بچوں سے محبت کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہم سے خرید بھی چکا ہے، اور اس کی قیمت بھی ادا کرچکا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو جو اللہ نے چمکایا اسی بات پر چمکایا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو گھر والوں سے کہہ کر جاتے ہیں کہ چائے بنا کر رکھنا، میں واپس آکر پیوں گا، اور صحابہ کرامؓ جب مسجد میں جاتے، تو گھر کہہ کر جاتے کہ مسجد میں جارہے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے نہ بھیجا تو واپس آجائیں گے، ورنہ انتظار نہ کرنا، تیار ہوکر جاتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ نصیب فرمائے۔ اللہ کے دشمنوں سے عداوت ہو، اللہ سے تعلق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دل میں عظمت ہو، اور اس محنت پر جو کچھ ملنے والا ہے، اس کی قدر و قیمت دل میں ہو، تو پھر آدمی محض رضائے الٰہی کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے، اور میاں فتویٰ دماغ سے نہیں دل سے لیا جاتا ہے، کسی جگہ دل کا اور کسی جگہ دماغ کا فتویٰ چلتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجائے تو

دماغ سے فتویٰ نہ لو، سوچوں میں نہ پڑو، دل سے فتویٰ لو۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ

اس خطبہ میں آگے ارشاد ہے:

"ھواجتباکم" "اس نے تمہیں چن لیا ہے"۔

یہ قرآن کی آیت ہے۔ غور کرو اللہ کی مخلوق کتنی پھیلی ہوئی ہے؟ پانچ ارب انسانی مخلوق بتائی جاتی ہے، لیکن ساری مخلوق میں سے اللہ نے تم کو اپنے لئے چن لیا ہے، باقی سب کو چھوڑ دیا، تم اللہ کے چنے ہوئے ہو، اور اس چناؤ پر اس کا جتنا بھی شکر بجالاؤ کم ہے۔ بہت سے لوگ ملازمت کے امیدوار بیٹھے ہوں اور گورنر ہاؤس کی نوکری کے لئے ان میں چند نوجوانوں کو چن لیا جائے اور نگاہ انتخاب خود ہی ان پر پڑجائے، نہ درخواست دی، نہ کسی کی سفارش، نہ رشوت دی۔ مالک نے تمہاری درخواست کے بغیر، سفارش کے بغیر اپنے کام کے لئے تم کو چن لیا، اپنے دین کے لئے تم کو چن لیا، تم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہو، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی مجتبیٰ ہے، مصطفیٰ بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہیں اور تم عام انسانوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہو۔ اور صحابہ کرامؓ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعتوں میں سے چنے ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رسول نہیں، صحابہ کرامؓ سے بہتر دوسرے رسولوں کے صحابہ نہیں، اور تم سے بہتر دوسرے نبیوں کی امتیں نہیں۔ مجتبیٰ ہیں، یعنی چنے ہوئے ہیں۔

مسلمان: اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے

آگے فرمایا:

"وسماکم المسلمین" "اسی نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان"۔

مسلم کی جمع ہے مسلمین، ہم مسلم ہیں، مسلم کہتے ہیں فرمانبردار کو، اسی لئے لغت کی کتابوں میں اسلام کے معنی ہیں، گردن ڈال دینا، جو کسی کے آگے اپنی گردن ڈال دے، اس کو مسلم کہتے ہیں، اور اللہ نے ہم کو مسلم کہہ دیا، ہماری سعادت ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ مالک کی طرف سے ہمیں مسلمین کا خطاب دیا جارہا ہے، کہ یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، یہ تم پر عنایت ہے، نوازش ہے، تم بھی کچھ ان کا لحاظ کرو۔ آگے فرمایا:

"لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیا من حی عن بینۃ ولا قوۃ الا باللہ"

ترجمہ: "یہ اللہ نے اس لئے کیا ہے تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ حجت اور دلیل قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہو وہ بھی دلیل اور حجت کے ساتھ زندگی حاصل کرے اور کوئی طاقت نہیں اللہ کے بغیر"۔

لاؤڈ اسپیکر پر درود و سلام پڑھنا ریاکاری ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ جوش میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! تم کسی بہرے یا غائب کو

نہیں پکار رہے" آج کل لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج چل نکلا ہے، بھئی! صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ آخر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کس کو سنانا چاہتے ہو؟ اگر مخلوق کو سناتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم کو ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا؟ بلکہ الٹا موجب وبال ہے، ریاکاری ہے کہ مخلوق کو سنانے کے لئے کرتے ہو؟ اور اگر اللہ کو سنانا چاہتے ہو تو وہ لاؤڈ اسپیکر کا محتاج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاؤڈ اسپیکر تم نے شیطان کے کہنے پر لگایا ہے، اس نے تم کو پٹی پڑھائی ہے تاکہ وہ ریاکاری کے ذریعہ تمہارا ثواب غارت کرے، تمام بدعات کی یہی حالت ہے، میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ سنت میں نور ہوتا ہے اور بدعت میں شور ہوتا ہے، یہ جو گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ساری زندگی ان کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں آتی، ان کو سنت سے کوئی شغف نہیں، ان کو کبھی شرم نہیں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لے رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی بنالیں، "میرے مولا مدینہ بلالو مجھے" یوں ہی گا رہے ہیں، یہ تو کنجری بھی گاتی تھی ریڈیو پر، وہ نعت خواں بن گئی، تو ارشاد فرمایا "اے لوگو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع وبصیر ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے"۔ ایک بار صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اس کو پکار کر کہیں اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب
دعوۃ الداع اذا دعان"

ترجمہ: ”کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں“۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”قال ابوموسی وانا خلفه اقول لاحول ولا قوة الا بالله فی نفسی فقال یا عبد الله بن قیس الا ادلک علی کنز من کنوز الجنة فقلت بلی یا رسول الله! قال: لا حول ولا قوة الا بالله“۔

(مشکوٰۃ:۲۰۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اور زیر لب پڑھ رہا تھا لا حول ولا قوة الا بالله مجھ سے ارشاد فرمایا ”یا عبد اللہ بن قیس! (ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے) تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟“ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے! فرمایا لا حول ولا قوة الا بالله جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے“۔

”لاحول“ نہیں ہے غلطی اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، ”ولا قوة“ اور نہ نیکی اور بھلائی پر جما رہنے کی طاقت، ”الا بالله“ مگر اللہ کی توفیق سے“ جو کچھ ہو رہا ہے مالک کی قدرت سے ہو رہا ہے، کوئی گناہ سے بچتا ہے تو اس کی رحمت سے بچتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی رحمت سے کرتا ہے یہ

معنی ہیں۔ اس کلمہ کے ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر اللہ کی فضیلت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد!

"فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الیوم، فانہ من یصلح ما بینہ وبین اللّٰہ یکفیہ اللہ ما بینہ وبین الناس، ذالک بان اللّٰہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ، ویملک من الناس ولا یملکون منہ، اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العظیم"۔

(حیات الصحابہ ج:۳ ص:۳۹۷، بدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ: ”پس تم زیادہ کرو اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ اور وہ لوگوں پر اختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اور نہیں قوت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ“۔

دین کی بنیادی باتیں

یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا۔ اس خطبہ میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکر الٰہی تمہارے دلوں کی صفت بن جائے، ذکر الٰہی تمہارے دلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دل منور ہوجائیں، اور تمہاری روح اس کی لذت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے ”حتی یقال انه مجنون“ یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور

دیوانے ہوجاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ تو کثرت ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر زبان سے بھی کرو، دل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم

ذکر کہتے ہیں یاد کرنے کو یا تذکرہ کرنے کو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کا ذکر کررہا تھا یعنی آپ کا تذکرہ کررہا تھا۔ ذکر کے اصل معنی یاد کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔

فرمایا: "لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" "تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے"۔

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہوگیا۔ پس اپنی زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہوجانا چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے ؎

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور، پھر حدیث دل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے بس اللہ کے ذکر میں مشغول

ہوجاؤ، یہ ہے کثرت ذکر۔

ذکر کی کثرت مطلوب ہے

قرآن کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ کثرت ذکر کی قید بھی لگائی ہے:

"اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا "اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "کثرت سے اللہ کا ذکر کرو" یہاں پر بھی فرمایا "اللہ کو کثرت سے یاد کرو" اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دل کی صفت بن جائے، اور ذکر الٰہی تمہارے دل کی ایک کیفیت بن جانی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہوجائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دوسری کیفیتوں کو مغلوب کرلیتی ہے۔ اب اگر دن بھر تو ہم دوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کرلیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکر الٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہوجانا چاہئے تب قلب کی دوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے

اللہ کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے، اور ذکر الٰہی کے بغیر دل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل الذی یذکرابہ والذی لایذکر مثل الحی والمیت، متفق علیہ"۔ (مشکوٰۃ:۱۹۶)

"مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے"۔

ذکر الٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکر الٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ "یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دل کا"۔ کہ اپنے لطف واحسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

نفس کی ریاضت ضروری ہے

اور ایک بات خاص تجربہ کی عرض کرتا ہوں کہ آدمی کا نفس شتر بے مہار ہے، یہ جلدی سے قابو میں نہیں آتا، یہ اپنی مرضی کا مالک ہے، کبھی اس کی موج ہوئی اور اس کو نشاط ہوا تو سارے کام اس سے کروالو، اور کبھی نشاط نہیں ہوتا تو یہ فرض بھی ادا کرکے نہیں دیتا۔ البیلا قسم کا مزاج ہے نفس کا، کبھی کسی

طرف کبھی کسی طرف، اس میں پختگی اور مستقل مزاجی نہیں۔ جیسے انجان گھوڑا جو سوار کے قابو میں نہیں آتا اور صحیح رفتار نہیں پکڑتا ہے۔ تو یہی حال نفس کا بھی ہے کہ یہ بھی بغیر ریاضت اور سدھانے کے صحیح کام نہیں کرتا۔ اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر روزانہ کا کام لگادو اور اس سے کہہ دو کہ برخوردار اتنا کام تو تم سے کروانا ہے۔ تم چاہے میں کرو چاہے چیں کرو، اتنے دانے تو تجھ سے پسوا کے چھوڑنا ہے۔ تم نوکر ہو، مزدور ہو، اتنی نوکری تو تم سے لینی ہے۔ بھئی ملازم رکھتے ہو تو اس سے وقت پر ڈیوٹی لیتے ہو اور پوری ڈیوٹی لیتے ہو۔ اگر کبھی دیر سے آتا ہے تو تنبیہ کرتے ہو کہ میاں وقت پر آیا کرو، اسی طرح ہم بھی بارگاہ الٰہی کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، بندے ہیں، ہمیں بے شمار نعمتیں دے کر طاعت وبندگی کی ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ تو اللہ کے بندے نفس کے ساتھ طے کرلیتے ہیں کہ بھئی اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، اتنی تلاوت روزانہ کروانی ہے، اتنی نماز تم سے روزانہ پڑھوانی ہے۔ (ایک تو فرض نمازیں ہیں، کچھ نفل نمازیں بھی اس کے ساتھ رکھو، تھوڑی بہت کام دیں گی)۔ اتنا ذکر وتسبیحات تم سے کروانا ہے، اور اسی طرح جن حضرات کو مال عطا فرمایا ہے، وہ نفس کے ساتھ طے کرلیں کہ اتنا صدقہ تجھ سے دلوانا ہے، اسی طرح آگے چلے جایئے کہ نفس سے کہا جائے کہ محلے کے اندر ایک شخص کی اعانت بھی تجھ سے کروانی ہے، ہمارے دعوت و تبلیغ والے حضرات یہ کچھ آگے نکل جاتے ہیں، نیکی میں آدمی جتنا آگے نکل جائے اچھا ہے، اتنا کام تم سے دعوت و تبلیغ کا لینا ہے، مسجد میں آتے ہو تو اعتکاف کی نیت سے بیٹھو، اس سے یہ بھی طے کروالو کہ اتنی دیر تمہیں مسجد میں بٹھانا ہے۔

نفس سے شرائط طے کر کے پھر اس کی نگرانی کی جائے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ اس طرح باتیں طے کرنے کو "مشارطہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی نفس سے ملازمت کی شرائط طے کرنا کہ یہ یہ کام تم نے کرنے ہیں اور جس طرح ملازمین پر ایک نگراں مقرر کردیا جاتا ہے، کہ ملازم صحیح کام بھی کرر ہے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جب تم نے نفس کے ساتھ "مشارطہ" کرلیا اور شرائط طے کر کے اب اس کو کام میں لگادیا تو اس کی نگرانی بھی کرو، اور یہ دیکھتے رہو کہ جتنا کام اس کے ذمہ لگایا تھا وہ ٹھیک سے کر بھی رہا ہے یا نہیں؟ اس کو مراقبہ کہتے ہیں، اور پھر سارے دن کے اعمال پر نظر ڈالتے ہوئے رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ جس طرح دکاندار اپنے ملازمین سے شام کو پورا حساب لیتا ہے۔ اور پھر اگر اس نے اپنے ذمہ کے کاموں میں سستی یا کوتاہی کی تھی اس پر اسے مناسب سزا بھی دو۔ الغرض اپنے نفس کو سدھانے اور رام کرنے کے لئے تمہیں اس کو چار مراحل سے گزارنا ہوگا۔

پہلے مشارطہ کرو، پھر مراقبہ کرو، پھر محاسبہ کرو، اگر کوئی صحیح عذر پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کرلو اور اگر بے جا تاویل کرتا ہے تو اس کے ساتھ "معاقبہ" کرو (یعنی مناسب سزا دینا) اگر اس کو ریاضت کے ان چار مراحل سے گزارو گے تو یہ گھوڑا صحیح چلے گا اور رفتہ رفتہ سیدھا چلنے کا عادی ہوجائے گا۔ ورنہ یہ ہمیشہ شتر بے مہار رہے گا، کہ جدھر منہ اٹھا چل دیا، جی میں آیا تو کچھ کرلیا، ورنہ اڑیل ٹٹو بن گیا، لہٰذا اپنے نفس کو کبھی شتر بے مہار نہ چھوڑو، بلکہ اس پر پابندیاں لگاؤ، اور اس کو مجاہدے کا عادی بناؤ بعض اکابر ایسے ہیں کہ بارہ سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔ چنانچہ مولانا الیاسؒ کا قصہ ہے کہ طبیب نے پانی منع کردیا تھا تو بارہ سال نہیں پیا۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ آپ نے ذکر اللہ کے فضائل سن لئے، اور سن کر گھر چلے گئے اور بس اتنا کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی حدیث بیان فرمائی تھی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں، سب کچھ سنا مگر اپنے نفس کو عمل کی لائن پر نہیں ڈالا، اگر تم اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے اور اس کو سدھانے سے عاجز ہو تو اس کو کسی شیخ کے سپرد کردو، اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو چلاؤ، گھوڑے کو سدھانے اور اس کو رفتار سکھانے کے لئے سائیس کے حوالے کردیا کرتے ہیں، اور وہ چند دن اس کی ریاضت کراتا ہے، جس طرح گھوڑے کو سدھانے کا ایک مستقل فن ہے اسی طرح نفس کو سدھانے کا بھی فن ہے، اس کو کسی ماہر کے سپرد کرو گے تو وہ اس کے سارے کس بل نکال دے گا، اس لئے عارف فرماتے ہیں کہ ؎

نفس ناتواں کشت الاظل پیر

نفس کی فہمائش کرو

اپنے نفس کی فہمائش کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا مقرر کرلو، اور اپنے نفس کو خطاب کرو، پہلے اسے اللہ تعالیٰ کے انعام واحسانات یاد دلاؤ کہ اے نفس! دیکھ کہ اللہ نے تجھے صحت عطا فرمائی ہے، قوت عطا فرمائی ہے اور تجھ پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں، تیرے لئے خیر اور بھلائی کے تمام اسباب مہیا فرمائے ہیں، پھر اس کو قبر و حشر یاد دلاؤ کہ تجھے دنیا کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، اگر تو نیک بن کر گیا تو تیرے لئے راحت ہی راحت ہے، ورنہ قبر کی تنہائی کا، وہاں کی سختیوں کا، وہاں کے سانپ اور بچھوؤں کا تجھے سامنا کرنا ہوگا۔ الغرض جو کچھ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو یاد دلاؤ، پھر اس سے کہو کہ

تو کچھ کمالے، دنیا سے خالی ہاتھ نہ جا، جب وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس سے پوچھو کہ کتنا کام کیا کرے گا؟ وہ کام اس کے ذمہ لگادو، اگر خود فیصلہ نہیں کرسکتے تو شیخ سے مشورہ کرلو، اور استاد کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بچے بیٹھے پڑھ رہے ہوتے ہیں، اگر میاں جی نہ ہوں تو یہ بچے نہیں پڑھیں گے، استاد سر پر ڈنڈا لے کر کھڑا رہے تو پڑھتے ہیں۔ تو یہ نفس بھی بچہ ہے۔ امام بصیریؒ فرماتے ہیں کہ "نفس مثل بچہ ہے اگر زبردستی اس کا دودھ چھڑاؤ گے تو چھوڑ گا، ورنہ بوڑھے ہونے تک نہیں چھوڑے گا" بچہ کتنا ہی بڑا ہوجائے ماں جب تک اس سے زبردستی دودھ نہیں چھڑاتی، نہیں چھوڑتا، جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو دو چار دن ضد کرتا ہے، روتا ہے، چلاّتا ہے، پھر آخر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے، تو بھئی تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے ذمہ ایک مناسب مقدار مقرر کرلیں، کہ اتنا تو درود پڑھا کرو، اتنا استغفار پڑھا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو، یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، واللہ العظیم یہ ہمیں سونے کی کان عطا فرمائی ہے، جتنا چاہو نکالتے رہو سونا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سونا نکلتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں کہ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے؟ اگر اس کو ذکر کا عادی بنالیا جائے تو ہم اس کے ذریعہ کتنا ذخیرہ جمع کرسکتے ہیں۔ سونے کے کتنے ڈھیر اکٹھے کرسکتے ہیں، لیکن ہم سونا بنانے کے بجائے سونے میں وقت گزارتے ہیں، بس سو گئے اور جاگ گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے التجا بھی کیا کرو۔

اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان کو تالو کے ساتھ لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور پھر یوں تصور کرو کہ میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہوں اور اس سے ہم کلام ہوں، پھر اللہ کے ساتھ دل سے باتیں کرو، باتیں کیا کرو گے؟

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

ترجمہ: یا اللہ جتنی تیری نعمتیں اتنا ہی تیرا شکر، اور جتنی ہماری کوتاہیاں اتنی ہی ہماری طرف سے معذرت، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان پر شکر بھی بے شمار ہونا چاہئے، اور ہمارے گناہ بھی شمار سے باہر ہیں ان پر توبہ بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہئے۔ اللہ کے انعامات سوچتے رہو اور شکر بجالاؤ، یا اللہ! آپ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، یہ انعامات فرمائے مجھ سے ان میں سے ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ ایک حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی:

"اللھم ما اصبح بی من نعمة اوباحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک، فلک الحمد ولک الشکر"۔ (مشکوۃ: صفحہ ۲۱۱)

ترجمہ: "یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تین مرتبہ یہ دعا صبح کو پڑھے اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر ادا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کردیا، لیجئے شکر و نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر ارشاد فرمادی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمہ ہو فطرتاً اس کی محبت دل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار

دوسرا مضمون سوچنے کا اپنی کوتاہیاں اور اپنی لغزشیں۔ شیخ عطارؒ کی مناجات کا یہ شعر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

بے گناہ نہ گزشت برما ساعتے
باحضور دل نہ کردم طاعتے

ترجمہ: ”بغیر گناہ کے ہم پر ایک گھڑی بھی نہیں گزری، اور دل کی حاضری کے ساتھ میں نے آپ کی ایک بندگی بھی تو نہیں کی“۔

اپنی زندگی کی ایک نماز بتادو کہ جس میں پورے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے ہو، اور اس حاضری میں ادرگرد کی کوئی قصہ کہانی نہ ہوئی ہو۔ ایک بھی نہیں۔ اس طرح اپنی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو

اور پیش کر کے اس کی مغفرت چاہو۔

اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو

ایک تیسری چیز ہے وہ تمہارے مطلب کی ہے۔ اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، بس یہ تین مضمون ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان تالو سے لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو۔ اللہ کے انعامات کا استحضار کرو، ان پر شکر بجالاؤ، اپنی کوتاہیوں کا استحضار کرو اور ان پر معافی مانگو، اور تیسرا اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھو، اور ان حاجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو، اپنی درخواست پیش کرو، یا اللہ میرا یہ کام کردیجئے۔ اس التجا اور دعا میں اپنے نفس کی اصلاح کی بھی التجا کرو۔ چلو بیڑا پار ہوگیا۔ یہ میں نے تمہیں کیمیا کا نسخہ بتایا ہے، لیکن اس کی قدر کون کرے گا؟ کوئی نہیں، بے وقت بے ضرورت چیز مل جاتی ہے، مفت میں مل جاتی ہے، لوگ قدر نہیں کرتے۔ کوئی شخص دو روپے کے جوتے کو سو روپے کی شال سے صاف کررہا تھا، کسی نے کہا کہ تو بڑا احمق ہے، اتنی قیمتی شال کے ساتھ ٹوٹا ہوا جوتا صاف کررہا ہے، کہنے لگا جوتا میں نے خود خریدا ہے، شال باپ کی وراثت میں ملی ہے۔ یہ کیمیا کا نسخہ تمہیں بہت سا خرچہ کر کے معلوم کرنا پڑتا تو تمہیں قدر ہوتی۔ بیٹھے بٹھائے مل گیا، کوئی بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بڑی بات ہے پانچ منٹ نکالو، دس منٹ نکالو، اللہ تعالیٰ سے مناجات کیا کرو، پھر دیکھو دل کو کیسی راحت نصیب ہوتی ہے، کیسا سکون نصیب ہوتا ہے، اور باطن کی ترقی کتنی ہوتی ہے، پھر اندازہ کرو گے۔

خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شریفہ کا جو حصہ پڑھا اس میں دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا: "واعملوا لما بعد الیوم" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور آج کے دن کے بعد کے لئے عمل کرو"۔

کل کی تیاری آج کرو

آج کے دن کے بعد سے مراد ہے اس زندگی کے بعد والی زندگی، جو موت سے شروع ہوگی، پھر قبر کی زندگی، پھر حشر کے طویل دن کی زندگی، پھر جنت کی دائمی اور ابدی زندگی۔ اس کے لئے عمل کرو، اور اس زندگی سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے کما کر لے جاؤ۔ دنیا کے تمام عقلاء پس انداز کرنے کے قائل ہیں کہ جتنا آج کمایا جائے وہ سارے کا سارا آج ہی ختم نہ کر دیا جائے، بلکہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ آڑے وقت کے لئے جمع کر کے رکھا جائے، ہاں! کوئی قلندر قسم کا آدمی ہو، وہ تو پس انداز کرنے کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ بچا کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دے دیں گے ؂

خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکل را

یہاں ان جیسے لوگوں کی بات نہیں، ہمارے جن لوگوں کو عقلمند سمجھا جاتا ہے، ان کی بات کرتا ہوں کہ عقلمند لوگ پس انداز کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازمین سے گورنمنٹ ان کا (G.P) فنڈ کاٹ لیتی ہے۔ (گویا یہ جبری پس انداز کرنا ہے) کہ اگر ان کو پوری تنخواہ دے دی تو یہ تو خرچ کر لیں گے، بعد میں جب ریٹائر ہو جائیں گے تو ان کے پاس کچھ رہے گا نہیں۔ بعد میں جب ان

کے پاس کام نہیں رہے گا اس وقت ان کو دے دیں گے، اس لئے اس تنخواہ کا کچھ حصہ کاٹ لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اصول تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے کہ آج کما کر آج ہی نہ کھالو، بلکہ کچھ پس انداز بھی کرو، کچھ بچا کے رکھو، عقلاء کا یہی اصول ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ عقلائے زمانہ کی عقل صرف دنیا تک محدود ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری پوری دنیا کی زندگی وہ آج کا دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی "کل کا دن" ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعملوا لما بعد الیوم" یعنی کل کے لئے عمل کرو۔ اگر دنیا ہی میں کما کھا کر خالی ہاتھ چلے گئے، تو یہ عقلمندی کی بات نہیں، یہ بڑے بڑے عقلاء جو ہمیں مشورہ دے رہے ہیں پس انداز کرنے کا، بچت کرنے کا، وہ خود دنیا میں کھاپی کر چلے گئے، کل کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا، جو یہاں کمایا تھا یہیں کھاپی لیا، نہیں بھائی! ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ بے عقلی کی بات ہے، آج کے بعد کے لئے عمل کرو۔ یہ کھانا کمانا تو زندگی کے لئے ہے، اور زندگی کا مقصد کچھ اور ہے، پس اعمال کا اتنا ذخیرہ جمع کرو، جو ہمیں کل کام دے۔

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

آگے یہ فرمایا کہ "بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملہ میں اس کی کفایت فرمادیتے ہیں"۔ گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے گا

اللہ تعالیٰ اس سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم ہمارا کام کرو، تمہارا کام ہمارے ذمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط لکھا کہ "مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کیجئے، بات لمبی نہ ہو، مختصر ہو تاکہ اسے حرزجان بناؤں"۔ اکابر کا ہمیشہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ بزرگوں سے نصیحت طلب کرتے تھے۔ علامہ شعرانیؒ نے اپنی کتاب "تنبیہ المغترین" میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ جب بڑوں کی خدمت میں جاؤ تو ان سے نصیحت طلب کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ خود بھی صحابی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود بھی سنے ہیں، لیکن جن کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، ان کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں خط لکھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے عائشہ ام المؤمنینؓ کی جانب سے معاویہؓ کے نام! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی خاطر انسانوں کو ناراض کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے انسانوں کی ناراضگی کی خود کفایت فرماتے ہیں۔ (کہ ان کی پرواہ نہ کرو ان کو راضی کرنا ہمارا ذمہ رہا)، اور جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کردیتے ہیں (کہ کرو ان کو راضی، میں دیکھتا ہوں تم کتنے لوگوں کو راضی کرلیتے ہو)۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۴۳۵)

اور یہی مضمون اس خطبہ شریفہ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ صحیح کرلے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کی خود کفایت فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہم سے

تم معاملہ درست رکھو، تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو معاملہ ہے اس کو ہم پر چھوڑدو، وہ میں درست کرلوں گا، تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ کوئی ناراض ہوتا ہے، لوگ ناراض ہوجائیں گے تو ہم ان کو بھی راضی کردیں گے، بھئی یہ بھی بڑے امتحان کی بات ہے، آزمائش کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے، دوسری طرف لوگوں کی رضامندی ہے، اگر اس کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور نہ کرے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے دوراہے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہم میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کردے گا۔ مخلوق کو راضی کرلو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود راضی ہوجائے گا، بڑا غفور اور رحیم ہے۔ اور یہیں سے لوگوں نے ایک فقرہ تصنیف کرلیا ہے، اللہ کو راضی کرنا آسان ہے لوگوں کو راضی کرنا مشکل ہے، تو آسان کام کیوں نہیں کرتے؟ مشکل کام کیوں کرتے ہو؟ واقعی بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، پہلے تو بیوی بچے ناراض ہوجاتے ہیں، پہلے اپنے گھر سے مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ لوگوں کو داڑھی رکھنے کا کہتا ہوں تو اس کے جواب میں بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بیوی نہیں مانتی۔ اور یہ بیوی کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے قاصر، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا آسان، اور بیوی کو ناراض کرنا مشکل۔ یہ جو میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بزرگوں سے اس کی اجازت لے رکھی ہے، بغیر اجازت کے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں نے اس کی سند لے رکھی ہے، میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ پر محبت کے رنگ کا بڑا غلبہ تھا۔ اور میرے

اکابر مجھ جیسے بے مروت نہیں تھے، اکابر اور ولی اللہ لوگوں پر مروت کا بڑا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر روک ٹوک کرنا، یہ تو حضرت کے مذہب ہی میں نہیں تھا، میں نے جتنی زندگی حضرت کی خدمت میں گزاری، کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سراپا محبت وشفقت تھے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ تو میں نے ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں عرض کیا کہ مجھ سے لوگوں کا داڑھی منڈوانا برداشت نہیں ہوتا، میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہہ دیتا ہوں۔ عادت مبارکہ تھی کہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیتے اور سوچ کر بات کرتے تھے، فوراً نہیں، تو حضرتؒ نے میری بات سن کر سر جھکا لیا، اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مولوی صاحب ضرور کہا کریں، تو حضرتؒ کے یہ الفاظ ہیں، تو میں نے کہا کہ الحمدللہ ہم کو تو شیخ کی سند مل گئی، اس لئے ہم کہتے ہیں اور الحمدللہ نفع بھی ہوتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ تنبیہ ہوجاتی ہے تو لوگ مان جاتے ہیں، اور اگر کوئی توجہ نہ دلائے تو خود بھی توجہ نہیں ہوتی۔ کبھی خود اتفاقاً توجہ ہوجائے تو الگ بات ہے۔ تو کہتے ہیں کہ بیوی نہیں مانتی، بعض نوجوان سختی سے شکایت کرتے ہیں کہ اماں نہیں مانتی، ابا نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اگر تم نے داڑھی نہ منڈوائی تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ الغرض بڑا امتحان ہے، خصوصاً نوجوانوں کے لئے اور بھی مشکل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ خود مختار نہیں ہوتے، والدین کے ماتحت ہوتے ہیں، اور والدین ہیں بے دین، ان کو دین کی قدر نہیں، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر ان کے دل میں نہیں، تو یہ نوجوان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، مگر والدین نہیں مانتے، ایسے نوجوان بے چارے کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اور گھر سے نجات ملے

تو دوست احباب کا حلقہ شروع ہوجاتا ہے کہ ارے تم مُلّا بن گئے ہو۔ اس کے بعد برادری پھر معاشرے کا مسئلہ آجاتا ہے۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ چلیں، لوگوں کو راضی کرکے چلیں اور وہ راضی ہوتے نہیں، "نہ نومن تیل ہو نہ رادھاناچے" نہ مخلوق راضی ہو نہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساٹھ سال بعد تم وہیں کے وہیں ہو اور معاشرہ بھی وہیں کا وہیں ہے، تم اگر مخلوق کو راضی کرکے چلنا چاہو تو ایک قدم بھی نہیں اٹھاسکتے، اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اشکال کا حل فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے معاملے کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو خود ہی درست فرمالیں گے، انشاء اللہ۔ تم کسی کی پرواہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، لوگ جھک مار کر خود ہی تمہارے ساتھ چلنے لگیں گے، ساری دنیا راضی ہوجائے گی، سارے راضی ہوجائیں گے، تم ایک کو راضی کرلو، ساری دنیا کو ناراض کردو، وہ ایک، ساری دنیا کو راضی کردے گا، اور اگر تم دنیا کو راضی کرکے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلوگے تو وہ تم سے سب کو ناراض کردے گا، جیسا کہ اس نے آج کل تمہارے درمیان فتنہ وفساد ڈالا ہوا ہے، بیوی، میاں کی نہیں بنتی، بھائی، بھائی کی نہیں بنتی، دوست احباب کی نہیں بنتی، اور آپس میں دو آدمی جس کام میں شریک ہیں، ان دونوں کی نہیں بنتی، کیونکہ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بنائی، وہ تمہاری نہیں بننے دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلے کرتے ہیں، لوگ اللہ پر فیصلہ نہیں کرتے، اور اللہ لوگوں پر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور تم لوگ اللہ پر اختیار نہیں رکھتے، ہم یہ آیۃ الکرسی میں پڑھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے" اللہ تعالیٰ تمام انسانوں

کے اور اس کائنات کے ماضی و مستقبل کے ذرے ذرے سے واقف ہے، اور بندوں کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بتادے، بندوں کو اس کے علم میں سے کسی شئے کا علم نہیں ہے۔ بالکل یہی قصہ ہے قدرت کا بھی، اللہ تعالیٰ کو تمام انسانوں پر قدرت کاملہ ہے، کافروں کو مومن بنادے، اس کو قدرت ہے، مسلمانوں کو کافر بنادے اس کو قدرت ہے، غنیوں کو فقیر بنادے اس کو قدرت ہے، فقیروں کو غنی بنادے اس کو قدرت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، دوستوں کو دشمن بنادے، دشمن کو دوست بنادے اس کو قدرت ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں پر پورا اختیار رکھتے ہیں، اور انسان اللہ پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟ تمام حکومتیں مل جائیں، تمام لوگ مل جائیں، اللہ تعالیٰ کے قضاوقدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتے اس کا فیصلہ تو چل کے رہے گا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے وہ تو ہو کے رہے گا، تو عقل مندی کی بات یہ ہوگی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کرلو، مخلوق کے ساتھ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو، پرواہ نہ کرو ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

چند دن میں معاملہ صحیح ہوجائے گا، یہی لوگ جو بگڑے ہوئے ہیں سر جھکا کر آئیں گے، چنانچہ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سب پر چلتا ہے، پر اس پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، وہ سب کا مالک ہے مگر اس پر کسی چیز کا کسی کو اختیار نہیں، لہٰذا اس پر کامل یقین اور توکل رکھو، اس کی خاطر سب کو چھوڑ دو، مگر کسی کی خاطر اس کو نہ چھوڑو۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ:

" اللّٰہ اکبر، ولا قوۃ الا باللہ العظیم" "اللہ اکبر" کا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، ہر بڑے سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، کوئی نہیں، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے یعنی اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے وہ ان سب سے بڑا ہے، مگر عارفین کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حد تصور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک تمہاری حد تصور جاسکتی ہے اس سے بھی بڑا ہے، مخلوق کے ہر قیاس اور پیمانے سے بڑا ہے، اس کی بڑائی تک کسی کے وہم وخیال کی رسائی نہیں، اس کی عظمت اور بڑائی تمہارے کسی پیمانے میں نہیں آسکتی، کیونکہ اس کی ذات بھی لامحدود، اور صفات بھی لامحدود، ہم کیا چیز ہیں؟ آسمان و زمین کی ساری مخلوق بھی اس کی بڑائی کا تصور کرنے سے عاجز ہے، وہاں جبرئیل (فرشتہ) کو پر مارنے کی جگہ نہیں، ہماری تمہاری کیا وقعت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ۷۰ پردے نور کے ہیں، اگر ان میں سے ایک پردے کو ہٹادیا جائے تو جہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچتی ہے وہاں وہاں تک اس کے پاک چہرے کی شعاعیں دنیا کو جلاکر راکھ کر ڈالیں گی"۔ (مسلم)

ہم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا نہیں، اور سچ یہ ہے کہ پہچان بھی نہیں سکتے، نطفے سے پیدا ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانے گی۔

> "عن زرارة بن اوفی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لجبرئیل ہل رایت ربک فانتفض جبرئیل وقال یا محمد ان بینی

وبینه سبعین حجابا من نور وکودنوت من بعضها لاحترقت......" (مشکوٰۃ: صفحہ ۵۱۰)

"ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی؟ تو جبرئیل علیہ السلام کانپ گئے اور کہنے لگے توبہ اتنی طاقت جبرئیل کی آنکھوں میں کہاں، میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے ایک کے بھی قریب جاؤں تو جل کر راکھ ہو جاؤں"۔

اللہ تعالیٰ ایسی عظمت والا ہے، اور ہم اس کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دیتے، اس کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کیسی حماقت اور بے وقوفی ہے؟ نعوذ باللہ، استغفر اللہ، ہمیں ہر نماز کے ہر انتقال میں اللہ اکبر کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اوپر کھل جائے، اور مخلوق کی عظمت ہمارے دل سے نکل جائے، اللہ کا رنگ ہم پر غالب آجائے، اور مخلوق کا رنگ اتر جائے، یہ اللہ کی رنگت ہے اور اللہ کی رنگت سے بہتر کس کی رنگت ہوسکتی ہے؟ آخر میں ارشاد فرمایا: کہ "جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کی طاقت اللہ عظمت والے کی طرف سے ہوسکتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، طاقت نصیب فرمائے، اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غیبت

ایک اخلاقی برائی - ایک گناہِ کبیرہ

فہرستِ مضامین

صفحہ	عنوان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سئات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالٰى عليه وعلى اٰله واصحابه وبارک وسلم تسليماً كثيرًاكثيرا۔ اما بعد!

”وقد اخرج ابو يعلى عن البراء رضی الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اسمع العواتق فی بيوتها۔ او قال: فی خدورها۔ فقال: يا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الايمان قلبه، لا تغتابوا

المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه؟ الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في جوف بيته۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۳): ورجاله ثقات۔

واخرجه الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما نحوه، الا ان في روايته لا توذوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه المسلم هتك الله ستره۔ قال الهيثمي۔ (جلد۸ صفحہ۹۴) ورجاله ثقات۔

واخرجه البيهقي عن البراء نحوه۔ كما في الكنز (جلد۸ صفحہ۲۰۰)

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، یا (یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت ان لوگوں کی، جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو

اس کے گھر بیٹھے رسوا کردیں گے۔ یہ ہی خطبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اہل ایمان کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے"۔

غیبت کے بارے میں حضور ﷺ کا خطبہ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطور خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ:

"اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا"۔

غیبت اور تجسّس منافقین کی عادت تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا مسلمانوں کا نہیں۔

غیبت کی مذمت قرآن کریم میں

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

"یا ایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منهن، ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الایمان، ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون۞ یاایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه، واتقوا الله، ان الله تواب الرحیم۞"

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ

پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟
اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک
اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے"۔ (بیان القرآن)

ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازے کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑا آدمی تھا (دین یا دنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا یا استاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

"میں" کہنے کے بجائے اپنا نام بتانا چاہیئے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، فرمایا "میں، میں" گویا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا، کہ میں، میں کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ۔ اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔ ایک میں کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبہ کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی، اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔

مذاق اور مزاح میں فرق

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا۔ دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزت کو ہلکا کرنا اور جس شخص کا مذاق اڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارا سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کررہا تھا، اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔

خوش طبعی میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلاف واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ میں تو مذاق کررہا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا۔ مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔ ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت عورتوں کا مذاق اڑائے تو یہ مروت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے تو یہ خلاف حیا ہے۔ تو گویا کہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اڑائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم۔

بڑے آدمی کا مذاق اڑانا رذالت ہے

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ درست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ

تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہو گا جس طرح کہ کوئی ماتحت انجانے میں اپنے افسر اعلیٰ کا مذاق اڑائے۔ پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اڑالیا، بعد میں جب پتہ چلا تو معذرت کرنے لگا۔ تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

کسی پر طعن کرنا

دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ سورۃ الھمزہ میں ایسے شخص کے لئے "ویل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہو جائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے۔ اکابر فرماتے ہیں "صدور الاحرار قبور الاسرار" یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ تو وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دوسرے کو طعن کرو۔

طعنے دینا عورتوں کی خصلت ہے

عورتیں بیچاری اس معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہوتی ہیں، ان کی یہ خاص بیماری ہے۔ خصوصاً اگر عورتوں کے درمیان لڑائی ہو جائے تو خوب طعن و تشنیع کرتی ہیں، اور ایک دوسری کی غیبتیں کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تھانیدار تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے بہت سارے خفیہ قتل عورتوں کے ذریعے معلوم کئے ہیں، دیہاتی عورتیں جب رات کو رفع حاجت کے لئے جاتی ہیں تو دنیا جہاں کی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں بھیس بدل کر زنانہ لباس میں چلا جاتا تھا، رات کا اندھیرا ہوتا تھا، عورتیں قصہ کہانیاں بیان کرتی تھیں اور ان کی باتوں سے قتل کا سراغ لگالیتا۔ تو ایک دوسرے کو طعن نہیں کرنا چاہئے۔

بُرے القاب سے پکارنا

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام

تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کرر کھے ہیں، ان القاب کو استعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی۔

بدگمانی اور تجسّس

دوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا۔ بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا برا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایاکم والظن، فان الظن أکذب۔ الحدیث"

(مشکوٰۃ:)

ترجمہ: "یعنی بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے"۔

بدگمانی کی فتنہ سامانی

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اجڑ جاتا ہے اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کی بات کا الٹا مطلب لے گا اور ہر شخص دوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کر رہے ہیں، تمہیں معلوم ہی ہے، یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے۔ عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

> "یمعشر النساء تصدقن ولومن حلیکن، فانی اریتکن اکثر اھل النار" (مشکوٰۃ شریف)
>
> ترجمہ: "اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، چاہے تم کو اپنا زیور دینا پڑے، اس لئے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہوگی"۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں نے جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت

عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو، عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت جو بڑی دانا تھی اس نے کہا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ "تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں"۔

عورتوں کی ناشکری

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتون خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دنیا میں اس سے زیادہ دکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، "الحمد للہ! حق تعالیٰ شانہ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے" یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا۔ الاّ ماشاء اللہ۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ کا واقعہ

"الحمد للہ" پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمد الرحمٰن مرحوم، حضرت مولانا عزیر گلؒ جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرت ان دنوں صاحب فراش تھے، چند دنوں بعد انتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصہ سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئیں تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانہ کے لئے دوسروں کے محتاج تھے۔ ہم دونوں گئے تو ان کو اطلاع کی

گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا، بلالو۔ بلالیا۔ سلام کیا، جواب دیا۔ مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اتنے مزے سے "الحمد للہ" کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، "الحمد للہ" ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رواں رواں ان کا الحمد للہ کہہ رہا ہے۔

نعمتوں پر شکر کرو

الغرض ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی الحمد للہ نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی الجھن نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ناممکن ہے۔ پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے۔ ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک شکر گزار عورت کا واقعہ

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل

صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہوگئے۔ کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی۔ بس اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں، سبحان اللہ! کیسی شکر گزار بی بی ہیں۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وقلیل من عبادی الشکور" (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے)۔

اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفران نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمد للہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔ الغرض عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، جو پی ڈی اے (پاکستان ڈیموکریٹک الائنس یعنی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے

اتحاد) کے مطالبات سے بھی زیادہ لمبی ہے۔ ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا اضافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: "ما رایت منک خیر قط" کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھدار ہوشیار عقلمند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی الجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا

الغرض، کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا، تو اس کو طعن کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ویل لکل همزة لمزة" (خرابی ہے طعن کرنے والے عیب چین کے لئے)۔

فرمایا کہ ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو، ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں جو اس بیماری میں مبتلا ہے۔ جس طرح حجاج بن یوسف کی تلوار سے کوئی محفوظ نہیں تھا، اسی طرح شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ ہماری زبان کی تلوار سے محفوظ رہا ہو۔ یہ چوڑھے کا چھرا ہے جو نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو۔ نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی

شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم کرنے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے۔ اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو، کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو برا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو برا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کرکے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا۔ پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ جب تم کسی آدمی کی بُرائی کروگے، اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت، زنا سے بدتر ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کررہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ

ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو۔ جب بھی تذکرہ کرو گے تو بات کھینچ کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔ تو دو صحابیؓ تذکرہ کر رہے تھے کسی تیسرے شخص کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے تھے آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پڑی ہے۔ دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھا اور اس کی لاش اس کو کون کھاسکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا یعنی اس کی غیبت کی وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔ تو اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے، کسی کا غیب معلوم کرنے کے لئے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی۔ اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان لوگوں کے عیوب کو اچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا۔ اور ان کی عزت کو پامال کرنا اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے والے کی سزا

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کرکے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے۔ تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کروگے تو اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف

کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رسوا کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہوگیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔ جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کروگے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

دعا

یا اللہ! ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں، یا اللہ! ہمیں قیامت میں رسوا نہ کیجئے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیجئے، اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ضمیمہ
از
"تبلیغ دین" امام غزالیؒ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعظ کے آخر میں امام غزالیؒ
کے رسالہ "تبلیغ دین" سے غیبت کا بیان نقل کردیا جائے،
تاکہ یہ رسالہ اس موضوع پر کسی حد تک جامع ہوجائے۔

غیبت کی حقیقت

کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے۔ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یارسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے"۔

مولویوں کا اندازِ غیبت

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں۔ مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے"۔ اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امرا کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ جتارہے ہیں اور ریا کاری کا گناہ کمارہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً یوں بول اٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں" فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے، اس فقرہ کا جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کرلیتے، سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو

متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں"۔

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہو گئے۔ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اول: مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے

اوپر ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسفؒ کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟۔

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی مدد سے کسی کی غیبت کرنا جائز ہے

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتا میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا" اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیانؓ کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے استفسار کیا جارہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت

اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحب حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے، البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم: اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے۔ البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے“ یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکو کار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھاکر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں، جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہوجاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے۔ پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو۔ اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہوجائے تو اللہ

سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرو اور خیرات کرکے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

توبہ

کیسے کریں؟

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

اس دن ایک دوست نے پرچہ دیا تھا کہ توبہ کیسے کی جائے تو آج مختصر طور پر توبہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں کہتے ہیں کہ توبہ سالکین کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے۔ یعنی سالک جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد رکھتا ہو، اس کا سب سے پہلا کام اور پہلا قدم سچی توبہ کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں۔ بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آجاتا ہے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں یہ مضمون پیدا ہوجائے کہ گناہ کر کے میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوگیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دل میں ندامت پیدا ہوگی اور اس کی علامت دل میں شرمسار اور شرمندہ ہوجانا اور آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکنا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اوپر اٹھا کر نہیں دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے اور قرآن کریم میں ان کی توبہ کی دعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين" (اعراف: ۲۳)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اپنا نقصان کرلیا ہے اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے، اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے"۔

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہوجائے کہ ہم گناہ کر کے مجرم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور ہمارے دل میں ندامت پیدا ہوجائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ التوبة الندم توبہ ندامت کا نام ہے۔ کسی شخص کے دل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے،

یہ توبہ نہیں تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں، جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کررہے ہیں، اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''الزواجر عن الکبائر'' اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی کبیرہ گناہوں پر ''جزاالاعمال'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے ''گناہ بے لذت'' اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے ''دوزخ کا کھٹکا'' اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں، جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے

ہیں، بہت سے شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہوسکے گا تو یہ دوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

(۳) اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے تو دل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواستگار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے معاف کردیں تو تیسری چیز ہے زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو معاف کرسکتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، یہاں پر آکر شیطان دھوکہ دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تونے کتنے جرائم کئے ہیں؟ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کر کے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہ گار ہوں کہ لائق رحمت ہی نہیں رہا، اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ۔ تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا اور جب بندہ نے حماقت سے گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

اللہ کی شانِ کریمی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو

معاف فرما دیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے سے غلطی ہوئی اور اب یہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا، اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے؟ یہ نہیں فرماتے کہ میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے اب اس کو معاف نہیں کروں گا، نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا، قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کرکے آئے، اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو بلکہ فوراً توبہ

کی تجدید کر کے معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کس کو سزا دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں کو اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں، لیکن ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے اور میں نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا، جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

گناہوں کی نقدی پر مغفرت

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعہ اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعہ بھی جب کہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن وہ ہماری صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق اور حق تعالیٰ شانہ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے اتنا چھوٹا، جتنا چیونٹی کا انڈہ ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرہ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمت خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دل سے تائب ہو کر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے

اور پوچھتا ہے کہ "پھر کروگے؟" وہ کہتا ہے "میری توبہ، پھر نہیں کروں گا" اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، انشاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا، ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم، کوئی بری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ "چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اب توبہ ہی کیا کرنی ہے" اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دوگے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

توبہ ٹوٹنے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بد پرہیزی نہیں کروگے، اس

نے کہا کہ جی بالکل نہیں کروں گا۔ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے؟ کبھی دنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے؟ جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ تم نے بدپرہیزی کی ہے؟ کہا جی، بس ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کرکے توجہ کے ساتھ علاج کریں، انشاءاللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا؟ کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر استقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتی کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

توبہ توڑنے اور پھر جوڑنے کا فائدہ؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا انتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا، وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دنیا سے تائب ہو کر گیا اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الاعمال بالخواتیم

یعنی "اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے"۔

جب اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کر کے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا، اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد انشاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو دل شکستہ ہو کر توبہ سے نہ ہٹو بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔

کپڑے کا گندہ ہو جانا بُرا نہیں اس کو صاف نہ کرنا بُرا ہے

بھئی! کپڑے کو گندہ کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے لیکن اگر گندہ ہو جائے تو اس کو صابن لگا کر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھو لیا، صاف کرلیا، صابن لگا کر اچھی طرح تمام کے تمام داغ دھبے خوب اتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ ملوث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہو جاتے ہیں تو کپڑوں کو گندہ کرنے سے بچانا چاہئے تھا لیکن جب گندے ہو جائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو کہ گناہوں کے ارتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندہ ہو جاتا ہے، بدبو دار اور متعفن ہو جاتا ہے، میلا ہو جاتا ہے، قابل نفرت ہو جاتا ہے اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، انشاء اللہ جب تم بار بار توبہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرو گے کہ یا اللہ تعالیٰ! اب مجھے بچا لیجئے، میں اپنی استعداد و قوت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیجئے، اگر ایسا کرتے رہو گے تو انشاء اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہو جائے گی کہ توبہ کرو گے، لیکن گناہ نہیں ہو گا، انشاء اللہ۔

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہو گا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو گیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو،

کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہو جائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

(۶) چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہو گئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہو گئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمہ اب بھی باقی ہیں جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمہ فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمہ فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمہ باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا، اسی طرح ضروری ہے، جس طرح کہ آج کی نماز کا ادا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر ادا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمہ نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کر لئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے میں آئندہ سستی نہیں کروں گا اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہو گئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے ازراہ ترحم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو بحال ہو گیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمہ تھیں، وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دنیا کا حاکم اول تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا اور اگر کوئی رحم دل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک

مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو ادا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اڑاتے ہو توبہ کا۔

اسی طرح کسی شخص کے ذمہ روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمہ ہے اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اکسٹھ روزے اس کے ذمہ ہیں ایک روزہ تو چھوڑے ہوئے روزے کی جگہ اور ساٹھ روزے کفارے کے اور یہ ساٹھ روزے لگا تار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگا تار کفارہ کے ساٹھ روزے پورے ہو جائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو تو اس کا کفارہ قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے درپے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے۔ بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہو گیا اور روزہ کا ناغہ ہو گیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کر کے ساٹھ پورے کرے، البتہ عورت کو جو اس کے خاص ایام کی وجہ سے روزے قضا کرنا پڑتے ہیں وہ اس تسلسل میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع

کردے۔ الغرض جس نے روزے نہیں رکھے تھے وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو ادا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا تو صاحب حق سے معافی مانگے، مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمہ قرض ہے، اس کو ادا کرے اور ادا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

سچی توبہ پر نصرت الٰہی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا کیا کام کرتے ہو، کہا کہ ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہو کر آیا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرتؒ فرماتے

ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اب دوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکہ ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمہ قرض ہے۔ یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ میرے ذمہ ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا، اس شخص کے دل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ میاں! اگر اس کے سامنے جاکر اقرار کروگے تو تمہیں پکڑوادیں گے، پکڑے جائیں گے، جب تم نے کسی سے رشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکہ ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤگے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ

میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا۔ یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا میں نے حسبتاً للہ معاف کردیا، تب حضرت نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناسچی توبہ!

تو حقوق اللہ ہوں، یا حقوق العباد ہوں، ان کو ادا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمہ قرض سمجھنا لازم ہے۔ کسی کی دکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مالک کو کہہ دیا کہ جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے، اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانہ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کر کے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکہ کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ، توبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن روٹی، روٹی کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ ہی تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اتاروگے، تب قوت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔

استغفراللہ العظیم، استغفراللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو لیکن دل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کیا، نہ بندوں سے معاملہ درست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہو جائے؟ کیسے ہو گی؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، دل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، ایسا استغفراللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے استغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہو جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل درست ہو جائے، اس کی لائن درست ہو جائے، یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے، جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں میں توبہ کے فضائل بیان کر چکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ارشاد ہے:

”ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطھرین“

(البقرۃ: ۲۲۲)

یعنی ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو“۔

خلاصہ

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہوجاتا ہے، اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے اور اس سے بدبو دار مادہ رس رہا ہے، اس بدبو دار مادہ کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوجاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ رب العزت سے عہد کرلیں تو انشاً اللہ فوراً معافی مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حسد

کی بیماری اور اس کا علاج

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٔات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

حسد کے معنی

حسد ایک بیماری ہے دل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہو گیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں

کے دل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو حسد کہلاتا ہے اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو غبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ رشک کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

صرف دو نعمتیں لائق رشک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"لاحسد الافی اثنین رجل اتاه الله مالا فسلطه علی هلكته فی الحق، ورجل اتاه الله الحكمة فهو يقضی بها ويعلمها۔"

(متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲)

یعنی "لائق رشک صرف دو آدمی ہیں"۔

یہاں حسد سے غبطہ اور رشک مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی

لائق رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔

"ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کردیا اس کے ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر حق کے راستوں میں"۔

کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابل رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا جانا قابل رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے الٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائق رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائق رشک نہیں، بلکہ لائق رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے "اور دوسرا آدمی لائق رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے" یہ شخص لائق رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائق رشک ہیں۔ گویا دنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا۔ اور وہ اس مال میں اللہ

تعالیٰ سے ڈرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ: "فھذا بافضل المنازل" "یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے"۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "فاجرھما سواء"۔

یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہش نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شاندار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے

کیسی دھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے۔ اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لاڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فھو نیتہ و وزرھما سواء"۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح مشکوٰۃ:۴۵۱)

اس کو اس کے ارادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا۔ نعوذ باللہ بڑا بد قسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہوگیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں۔ دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی برائی پر کیا رشک کرنا ہے۔ یہ دو آدمی ہیں قابل رشک، ان پر رشک کرو۔

حسد کا منشأ تکبر ہے

تو ایک ہوتا ہے حسد، یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دل کی بیماری ہے، اور منشأ اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مومن تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانب اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا۔ نعوذ باللہ۔ تبھی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا

تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقربین ہیں، حاملین عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکم الٰہی کے تابع ہیں، دل و جان کے ساتھ حکم الٰہی کے مطیع ہیں۔

"لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایومرون۔" (تحریم:٦)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ

آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدہ میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے، "الا ابلیس" مگر ابلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

"قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔"

کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کرسکتا کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا در حقیقت اعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، (نعوذ باللہ) اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دوسرا منشأ

حسد کا دوسرا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی، یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ

کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی استحقاق ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے سامنے سجدہ کریں نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی استحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی۔ تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے ۔۔۔

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کررہا ہے، اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا، اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جاکر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے

گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا۔ تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔"

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸)

ترجمہ: "حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے"۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی برائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوادی جائیں گی،

قیامت کے دن مفلس کون ہو گا؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اتدرون ما المفلس؟" "جانتے ہو مفلس کون ہے؟"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال ودولت نہ ہو، ارشاد فرمایا کہ "میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمہ جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا گیا"۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵ بروایت مسلم)

دوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دشمنی کر رہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کر کے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یارسول اللہ! میرا اور

ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> "ونضع الموازین القسط لیوم القیمة فلا تظلم نفس شئیا۔" (انبیاء آیت نمبر ۴۷ پارہ نمبر ۱۷)
>
> ترجمہ: "اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا، اچھا یا برا ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے"۔

وہ صاحب کہنے لگے یارسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں۔ اور یارسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔

اپنی نیکیاں دوسروں کو دینا حماقت ہے

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کرکے پھر اپنے دشمنوں کو، جن سے وہ دشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کررہا ہے، ان کی غیبت کررہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذاء دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلہ میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادہر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم ساری نیکیاں محفوظ کرکے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان، تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں، اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں اور

جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو؟

حاسد شیطان کا چھوٹا بھائی ہے

شیخ نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندے تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے۔ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کررہا، بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کررہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر نعوذ باللہ حکمت کے خلاف کیا۔

شیخ ؒ فرماتے ہیں کہ جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

اپنے اوپر انعاماتِ الٰہیہ کو دیکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نوّر اللہ مرقدہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ

دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے بھی موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے، تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے لئے دعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حسد کا علاج

ہمارے حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> "حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی کی خوب دعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا"۔ (انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا۔ جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں، لیکن برائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلّف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

علماً کا حسد

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دنیا کے مال ودولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ ومرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں ملا، کبھی ہوتا ہے کسی کے علم وفضل پر، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یہ حسد مولویوں کی خاص بیماری ہے، ایک روایت میں ہے کہ چھ آدمی چھ جرموں کی وجہ سے ایک سال پہلے بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اُمراء وسلاطین ظلم وجور کی وجہ سے، عرب عصبیت (قومی تفاخر) کی وجہ سے، گاؤں کے چوہدری تکبر کی وجہ سے، تاجر لوگ جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے، علماً حسد کی وجہ سے۔ (کنزالعمال صفحہ ۶۸۷ جلد۱)

ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الا مانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔" (النساء آیت ۵۸)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق وانصاف کا فیصلہ کرو"۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اقتدار عطا

فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، ارشاد فرماتے ہیں:

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلہ بینکم محرما، فلا تظالموا۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳ بروایت مسلم)

ترجمہ: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"۔

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتے، تو حکام ظلم وجور کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ گھپلا ضرور کرتے ہیں تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے۔ یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر ایجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ میاں اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی، اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ گھپلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم

گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت وامانت سے دھوکہ کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا۔ مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

بدکار تاجر

حدیث شریف میں ہے:

"التجار یحشرون یوم القیمة فجارا الامن اتقی وبر وصدق"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۴ بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ: یعنی "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت وامانت سے کام لیا"۔

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھاکر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے۔

ایک نیک تاجر کا قصہ

لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو، مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے

ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے اس میں عیب ہے، میں لے جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتہ چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متاثر ہوا، میرے ایک اور دوست دکاندار تھے میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ حاجی صاحب کیسی ہے یہ چیز؟ وہ فرماتے کہ آپ کے سامنے ہے، کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں، بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں اور نامعلوم کیا کیا کرتے ہیں، دیانت اور امانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت وامانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان اور زمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا،

بلاشبہ! ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز وناجائز کا، حرام و حلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصور ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی برائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اسی لئے حدیث میں فرمایا:

> ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے“۔

نیک تاجر کی فضیلت

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق، سچ بولنے والا، اور امین، امانت سے کام لینے والا ہو اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشھداء۔" (مشکوۃ صفحہ ۲۴۳)

ترجمہ: یعنی "جو تاجر کہ صادق وامین ہو اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

اُن کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کررہا ہے اور اپنی آخرت بھی بنارہا ہے، بھئی صدق وامانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جب کہ آدمی دوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیز گار ہو۔

قاریوں اور مولویوں کا حسد

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا اس سے مراد علماً بھی ہیں۔ قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

حسد کم ظرفی کی علامت ہے

یہ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب

سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا۔

شیطان کے تین عین

حسد ایسی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی۔ وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا تھا، یعنی فرشتوں کا استاد، وہ عابد تھا اور اتنا بڑا عابد کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

"فاخرج منها فانك رجيم وان عليك اللعنة الى يوم الدين۔" (الحجر: ۳۴،۳۵)

"نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی"۔

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

"رب فانظرني الى يوم يبعثون۔" (الحجر: ۳۶)

"اے میرے رب مجھے مہلت دیجئے قیامت تک"۔

آپ مجھے راندہ درگاہ تو کررہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کرلیجئے، ظالم عین

غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصہ کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرت فرماتے ہیں کہ شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے۔ یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور جب تک غصہ اترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے عالم تھا عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق محبوب کے حکم پر مرمٹتے ہیں ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علّت از کار تو

"ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے،
تیرے کاموں میں علتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں"۔

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوب حقیقی کے حکم پر چوں چرا کریں؟ محبوب کی طرف سے جو حکم ہو جائے، عاشق اس کو بجالاتا ہے، اور اگر اہل عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دوسرے لوگ اسے فہمائش کریں کہ محبوب کا جو حکم بجالائے یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے تو وہ کہے گا عقل اور ننگ و نام تمہیں مبارک ہو ؎

مانمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پروا ہے، نہ نام کی

پروا ہے، اگر اس سے عزت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

اہل علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے کچھ کچا۔ بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دھواں ہی دھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں، اور علم کچا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کررہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے اللہ کی رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دوسرا احمق حسد کررہا ہے اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"من طلب العلم لیجاری به العلماء اولیماری به السفهاء اویصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۴ بروایت ترمذی)

"جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ علماً سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے"۔

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیں حسد سے اور تمام امراض روحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دُنیا

کی محبت کے بُرے اثرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى أله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔ اما بعد!

فاعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم۔

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم۔

فقد اخرج ابو نعيم فى الحلية۔ عن ابى الدرداء رضى اللّٰه عنه قال لا تزال نفس احدكم شابة فى حب الشئى ولو التقت ترقوتاه من الكبر الا الذين امتحن اللّٰه قلوبهم للتقوى، وقليل ماهم۔ واخرجه ابن عساكر عن ابى الدرداء مثله

کما فی الکنز۔ (حیات الصحابہ ص: ۵۱۸ ج: ۳)

واخرج ابونعیم فی الحلیة عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال: ثلاث من ملاک امر ابن آدم: لاتشک مصیبتک، ولا تحدث بوجعک، ولا تزک نفسک بلسانک۔ واخرج ابونعیم فی الحلیة عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ قال: ایاکم ودعوۃ المظلوم ودعوۃ الیتیم فانھما تسریان باللیل والناس نیام۔ وعندہ ایضا عنہ قال: ان ابغض الناس الی ان اظلمہ من لایستعین علی الا باللہ عزوجل۔ (حیات الصحابہ ص ۵۱۸ ج ۳)

ترجمہ: ”حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک شخص کا نفس جوان ہوتا جاتا ہے کسی چیز کی محبت میں، خواہ بڑھاپے کیوجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دل کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں“

ترجمہ: ”ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: تین چیزیں بندے کے معاملہ کا مدار ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو، دوم یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔ سوم یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ یعنی اپنے منہ سے

اپنے آپ کو پاک نہ بتاؤ"۔

ترجمہ: "ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے کہ مظلوم کی اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ سب سے ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو اللہ تعالیٰ کے سوا میرے مقابلہ میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔"

یہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کے چند مواعظ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ چاہے اتنا بڈھا ہو گیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہیں۔ منہ نہیں کھلتا لیکن نفس کی جوانی نہیں جاتی وہ اب تک جوان ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو وہ تو مستثنیٰ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں بہت ہی کم۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"يهرم ابن آدم ويشب منه اثنان، الحرص على المال والحرص على العمر۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۴۴۹)

یعنی آدمی بڈھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں جیسے جیسے اس کی عمر ڈھلتی ہے ویسے ویسے اس کی یہ دو حالتیں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے طول الامل لمبی لمبی امیدیں یعنی زیادہ زندہ رہنے

کی محبت یہ انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے۔ یہ چیز رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل سرد ہوجاتا ہے تمام چیزوں سے۔ بہتیرا کھالیا، بہتیرا کمالیا اب چھوڑ دیں۔ اللہ نے گھربار دیا ہے، آل اولاد دی ہے تو دنیا میں بہتیرا کھالیا اب آگے کی تیاری کریں لیکن نہیں بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا۔ اس حالت میں بھی کہ جب پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنی آرزوئیں بناتا رہتا ہے شیخ چلی کی طرح۔ یہ فطرتی چیز ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے خوف خدا ان کے دل میں ہے۔ ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔

ایک درباری شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا۔ سرکاری شیخ الاسلام جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو شیخ الاسلام بنایا ہوا تھا۔ (اللہ معاف کرے) تو بادشاہ اس بزرگ سے بہت ادب سے ملا اور بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو اخلاص سے ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام جل گئے کہ بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے اور ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی ایک تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے ہمارے کام کی یہ چیز نہیں آپ لے جایئے اور ضرورت مندوں کو تقسیم کردیجئے۔ میرے کام کی یہ چیز نہیں ہے۔ دنیا ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک تجربہ کرکے دیکھ لو، کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو۔ وہ خواہ

اپنی جگہ کتنے ہی اس دنیا کے حریص نہ ہوں لیکن جب دوسرے کے دل میں ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں اور روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے سمجھا کہ بادشاہ کے دل میں تو اس کی اور وقعت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یھرم ابن آدم ویشب منہ خصلتان"

ترجمہ: آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مال کی محبت اور دنیا میں رہنے کی محبت۔

مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے۔ لیکن نمائش کے طور پر آپ ترک دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہو گیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں؟ یہ سن کر شیخ الاسلام صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "العلماء امناء الدین" "علماء دین کے امین ہیں" "مالم یخالطوا السلطان" "جب تک حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ "بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں" "فاذا خالطوا السلطان فاحذروھم فانھم لصوص الدین" اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے

اقتدار کے قریب ہو کر رہیں تو ان سے بچو کیونکہ وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردہ میں دین و ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں۔

شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے۔ اور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دنیا کی اور اللہ کی محبت جمع نہیں ہو سکتیں

اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ جن کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں پاک اور ناپاک۔ اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے۔ اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس دل کے اندر اگر اللہ کی محبت ہے تو ناپاک (دنیا) کی محبت نہیں ہوسکتی۔ اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ان کے لئے مال و دولت کا آنا جانا برابر ہوتا ہے۔ دنیا آئے خوشی نہیں ہوتی، جائے تو غم نہیں۔ دنیاوی نقصان پر ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سے لوگوں کو نقصان

کی اطلاع پہنچ جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا تو دل کا دورہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مال کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔ دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے۔ دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے۔ دنیا کی محبت خارش کی طرح ہے، جتنی آدمی کو خارش ہوتی ہے، اس کو کھجلی ہوتی ہے، خارش کرتا رہتا ہے اس کو مزہ آتا رہتا ہے اور جب خارش بند کردی جلن شروع ہوگئی۔ ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے

"الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب"

ترجمہ: "سنو اللہ ہی کے ذکر سے اور اللہ ہی کی یاد سے چین آتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے، وہ بیچارے دھوکہ میں ہیں۔ غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے۔ قابل علاج ہے۔ جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی۔ جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا ہم تو بوڑھا ہونا شروع ہوگئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے اور بڑھاپے سے قبر میں قدم لٹکا ہوا ہے لیکن اس کی محبت اب تک ختم نہیں ہوئی۔ تمام عضاء قویٰ جواب دے گئے لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ساتھ لگی ہوئی تھی، یہ بوڑھی نہیں بلکہ اور جوان بلکہ جوان تر ہوتی گئی اور جب یہ مرے گا تو رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی۔ محنت کی تھی ان چیزوں کے لئے، اب ان کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا، ہائے! فلاں چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا

تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، اور نہ ہی قبر کے اندھیرے کے لئے کوئی تیاری کی، نہ کبھی بجلی کی فٹنگ وہاں کی، نہ کوئی ٹارچ کی روشنی لے کے گئے۔ نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا۔ نہ کوئی وہاں کی تنہائی اور وحشت کے لئے سوچا۔ جیسے دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے —— اب یہاں پر سب کما کر یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں چلے گئے۔ کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہو، اگر تو وہاں سے زرمبادلہ لانے کی اس کو اجازت مل جائے تب تو ٹھیک ہے اور اگر سب کچھ وہیں چھین لیا جائے تو اس نے بیس تیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آگیا۔ اس کے دوست احباب، بیوی، بچے پوچھنے لگے کہ کیا لائے ہو؟ کہنے لگا کہ کچھ نہیں لایا ہوں، سب کچھ چھین لیا گیا، ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کررہے ہیں اور جب جائیں گے تو سب کچھ چھین لیں گے۔ جو اپنے اندر تھا وہ تو ساتھ جائے گا۔ باہر کی سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی۔ کپڑے تک چھین لیتے ہیں، اللہ کے بندے یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے تو رہنے دو یار۔ ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کر دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے جانے دو، کہتے ہیں نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے لے جانے کی بھی اجازت نہیں۔ چادر دیں گے لٹھے کی دو چادریں پہنا دیں گے بس۔ نہ عمامہ ہے نہ کھسّہ ہے۔ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو ذلیل کر کے آجاتے ہو لحد میں۔ کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس۔ اے کاش مرنے سے پہلے ہمیں عقل آجاتی۔ اور یہاں سے یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں۔ اللہ والوں سے ان چیزوں کا علاج کروایا جاتا ہے۔ میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ چیز قابل علاج ہے۔ یہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے،

مال کی محبت کس طرح نکل جائے اور مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں۔ شیخ سے اصلاحی تعلّق ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تمام معاملات کا مدار:

دوسرا ارشاد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے تمام معاملات کا مدار تین چیزیں ہیں۔ جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ بیڑا پار ہوگیا۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔ دوسری یہ کہ اپنے دکھ کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔ اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو۔ جی میں تو بے گناہ ہوں، اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی بیان کریں گے، زبان سے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ

اپنی مصیبت کی شکایت کسی سے نہ کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ کے سامنے کرو مخلوق کے سامنے نہ کرو۔ جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا مصر میں اور بھائی خالی ہاتھ گئے انہوں نے جاکر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا "ان ابنکَ سرق" تیرے بیٹے نے چوری کی ہے، اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے عزیز مصر نے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بیٹے نے چوری نہیں کی ہے تمہارے نفسوں نے کوئی بات بنائی ہے، خیر میں صبر جمیل اختیار کروں گا۔

یوسف علیہ السلام تو پہلے سے گم تھے ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا۔ بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی "یا حسرتی علی یوسف" ہائے حسرت حضرت یوسف پر "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی اور اتنا شدید غم تھا کہ گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ بچوں نے کہا "تفتوا تذکر یوسف" آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے "حتی تکون حرضا اوتکون من الھلکین" یہاں تک آپ گھل گھل کر ختم ہوجائیں گے ہڈیاں بھی ختم ہوگئیں غم یوسف میں۔ میں جو سنانا چاہتا ہوں وہ اگلی بات ہے "قال انما اشکو بثی وحزنی الی اللّٰہ" میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی حضرت یعقوب علیہ السلام نے؟ میں نے کبھی تذکرہ کیا کسی بندے کے سامنے؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں، اپنی پریشانی کی بھی، اور اپنے غم کی بھی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو اور کس کے پاس کروں۔ کوئی آفت اور کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں بلکہ اپنی حالت زار کو اس کے سامنے رکھ کر اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے۔ مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو۔ اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو، آسمان والی ہو یا زمین والی ہو، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی۔ ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں "لاتشکٔ مصیبتکٔ" اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو صرف اُسی کے سامنے کرو۔ "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" حضرت

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد اوّل

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد اوّل

❀❀

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

❀❀

مکتبہ لدھیانوی

اشاعت اول .... اگست ۱۹۹۹ء

تعداد .... گیارہ سو

قیمت ....

ناشر .... مکتبہ لدھیانوی

برائے رابطہ : جامع مسجد باب رحمت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

فون : ۷۷۸۰۳۳۷ ـــــــ ۷۷۸۰۳۴۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل بے پایاں کا مورد بنایا اور ہمیں اپنے والد گرامی! داعی کبیر اور حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے علوم و معارف تشنگانِ علم و معرفت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

میرے مرشد و مربی حضرت ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت و مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی تحریر و بیان میں جو لذت و مٹھاس ہے اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس میخانۂ محبت سے لطف اندوز ہو چکا ہے۔

ہمارے ایک مخدوم و محسن اور حضرت والد صاحب کے سچے محب و دوست ایک دن حضرت ابا جان سے فرمانے لگے حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ہیروئن کا نشہ پلاتے ہیں۔ حضرت ابا جان نے ان کا یہ جملہ سنا تو خفگی کے انداز میں فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کیا میں لوگوں کو ہیروئن پلاتا ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے وضاحت کی کہ حضرت آپ ہیروئن ہی تو پلاتے ہیں کہ جو شخص آپ کا بیان سن لیتا ہے اس کے بعد اسے کسی کا بیان اچھا نہیں لگتا! ایسا عشق تو لوگوں کو ہیروئن ہی سے ہوتا ہے۔

سچ ہے جو شخص حضرت کا بیان سن لیتا ہے اس کی نظر کسی اور جگہ نہیں ٹکتی۔ چنانچہ حضرت کے متعلقین، محبین اور عوام الناس کا حضرت کی تالیفات کی اشاعت کے بعد ہم پر مسلسل دباؤ تھا کہ حضرت کے مواعظ بھی شائع کئے جائیں چنانچہ پیش نظر کتاب اصلاحی مواعظ کے نام سے دس مواعظ پر مشتمل اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو مزید جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب اور پوری امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد طیب لدھیانوی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
مقصد حیات دنیا نہیں — بلکہ آخرت	
* دنیا امتحان گاہ ہے	۲۶
* دنیا کی مثال نقش و نگار والے سانپ کی ہے	۲۸
* زندگی کے پانچ دور	۳۱
* دنیا کی ڈگریوں کا انجام	۳۲
* دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں	۳۳
* دنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو	۳۴
* عورتوں کا فتنہ	۳۶
* خاتمہ کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں	۳۷
* شیخ ابو عبداللہ مغربی ؒ کا عبرتناک واقعہ	۳۹
* اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو	۴۱
* ایک جنتی جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی	۴۲
* غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں	۴۲
* غصہ کا سبب اور اس کا علاج	۴۳
* ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں	۴۵

عنوان	صفحہ

محبت رسول ﷺ اور اس کے تقاضے

صفحہ	عنوان
۹۰	* سُنّت سے طبعی رغبت ہونا
۹۲	* ایک حدیث
۹۴	* ایک جامع دعائے شکر
۹۶	* اب دعا کیجئے

لیلۃ القدر کی برکات اور اُس کے حصول کا طریقہ

صفحہ	عنوان

اعتکاف فضائل و مسائل

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عظمت قرآن اور اس کی تلاوت کے فوائد وثمرات

حقوق اللہ اور ذکر اللہ کی فضیلت

صفحہ	عنوان
۲۱۳	* سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز
۲۱۳	* مخلوق کے ساتھ انصاف کرو
۲۱۶	* اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو
۲۱۸	* اللہ کے راستے میں جہاد کرو
۲۱۹	* اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان ومال کو خرید چکا ہے
۲۲۲	* اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ
۲۲۳	* مسلمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے
۲۲۳	* لاؤڈ اسپیکر پر درود وسلام پڑھنا ریاکاری ہے
۲۲۸	* دین کی بنیادی باتیں
۲۲۹	* ذکر کا مفہوم
۲۳۰	* ذکر کی کثرت مطلوب ہے
۲۳۱	* ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے
۲۳۱	* نفس کی ریاضت ضروری ہے
۲۳۳	* نفس سے شرائط طے کر کے پھر اس کی نگرانی کی جائے
۲۳۴	* نفس کی فہمائش کرو
۲۳۶	* اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ
۲۳۷	* اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار
۲۳۸	* اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو
۲۳۹	* خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون
۲۳۹	* کل کی تیاری آج کرو
۲۴۰	* اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

صفحہ	عنوان

غیبت ایک اخلاقی بُرائی — ایک گناہِ کبیرہ

توبہ کیسے کریں؟

صفحہ	عنوان
۲۹۷	* سچی توبہ پر نصرت الٰہی
۳۰۱	* خلاصہ

حسد کی بیماری اور اس کا علاج

صفحہ	عنوان

دنیا کی محبت کے بُرے اثرات

صفحہ	عنوان

صبر کے درجات

مقصدِ حیات

دنیا نہیں - بلکہ آخرت

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و
نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور
انفسنا ومن سئات اعمالنا، من يهده الله
فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهد ان
سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله
صلى اللهٗ تعالىٰ عليه وعلى اٰله واصحابه
وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرًا ـ امابعد!
عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه
قال قام فينا رسول الله صلى الله عليه
وسلم خطيبا بعد العصر، فلم يدع شيئا
يكون الى قيام الساعة الاذكره، حفظه من
حفظه ونسيه من نسيه، وكان فيما قال: ان
الدنيا حلوة خضرة وان الله مستخلفكم
فيها فناظر كيف تعملون، الا فاتقوا الدنيا

واتقوا النساء- وذكر ان لكل غادر لواء يوم القيمة بقدر غدرته في الدنيا، ولا غدر اكبر من غدر امير العامة، يغرزلواء ه عند استه، قال ولا يمنعن احدامنكم هيبة الناس ان يقول بحق اذا علمه، وفى رواية ان راى منكرا ان يغيره، فبكى ابوسعيد وقال قد رايناه فمنعتنا هيبة الناس ان نتكلم فيه، ثم قال الا ان بنى ادم خلقوا على طبقات شتى، فمنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت مومنا، ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت كافرا، ومنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت مومنا قال وذكر الغضب فمنهم من يكون سريع الغضب سريع الفئى فاحداهما با لاخرى ومنهم من يكون بطى الغضب بطى الفى فاحدا هما بالاخرى وخياركم من يكون بطى الغضب سريع الفى، وشرار كم من يكون سريع الغضب بطى الفى قال اتقوا الغضب فانه جمرة على قلب ابن ادم الا ترون الى انتفاخ اوداجه وحمرة عينيه، فمن احس بشى من

ذلک فلیضطجع ولیتلبد بالارض قال وذکر الدین فقال منکم من یکون حسن القضاء واذا کان لہ افحش فی الطلب فاحدا ھما بالاخری، ومنھم من یکون سیی القضاء، وان کان لہ اجمل فی الطلب فاحداھما بالاخری، وخیارکم من اذا کان علیہ الدین احسن القضاء وان کان لہ اجمل فی الطلب وشرارکم من اذا کان علیہ الدین اساء القضاء وان کان لہ افحش فی الطلب حتی اذا کانت الشمس علی روس النخل واطراف الحیطان فقال اما انہ لم یبق من الدنیا فیما مضی منھا الا کما بقی من یومکم ھذا فیما مضی منہ۔ (رواہ الترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ شریفہ، مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف (صفحہ ۴۳۷) میں منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، قیامت تک جتنے اہم واقعات رونما ہونے والے تھے، سب کے سب بیان کردیئے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، جن کو یاد رہا ان کو یاد رہا اور جنہوں نے بھلا دیا انہوں نے بھلا دیا۔ اور جو

باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ دنیا میٹھی ہے (لذیذ ہے، خوشنما) اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں دوسروں کے جانشین بنا رہے ہیں، پس دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! پس دنیا سے بچو! اور عورتوں سے بچو!

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکنی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو دنیا میں اس کی عہد شکنی کے بقدر ہوگا، اور کسی کی عہد شکنی اتنی بڑی نہیں جتنی کہ مسلمانوں کے حاکم کی عہد شکنی بڑی ہے، اس کی عہد شکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔ اور تم میں کسی کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے نہ روکے، جب کہ اس کو حق کا علم ہو — اور ایک روایت میں ہے کہ کسی برائی کو دیکھے تو اس کو بدلنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے — یہ بیان کر کے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ ہم نے برائی کو دیکھا، مگر لوگوں کی ہیبت اس سلسلہ میں بات کرنے سے ہمیں مانع ہوئی۔

پھر فرمایا کہ سنو! بے شک لوگ مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ① بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔ ② اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ③ بعض

مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں، اور کافر مرتے ہیں۔
④ اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں کافر جیتے ہیں، اور مؤمن مرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا ذکر فرمایا کہ بعض کو بہت جلدی غصہ آتا، اور جلدی ہی اتر بھی جاتا ہے، پس یہ ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اترتا ہے، پس یہ بھی ایک خصلت دوسری کے بدلے میں ہوئی۔ اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے۔ اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے، اور دیر سے اُترے۔

پھر فرمایا غصہ سے بچو! کیونکہ یہ آگ کا انگارہ ہے جو اِبن آدم کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، پس جو شخص کچھ غصہ محسوس کرے تو لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا ذکر فرمایا، پس ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض قرض ادا کرنے میں بہت اچھا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور جب کسی سے قرض وصول کرنا ہو تو بد گوئی کرتے ہیں، پس یہ ایک بری خصلت دوسری اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔

اور بعض بری طرح قرض ادا کرتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمہ ہو تو اس کے وصول کرنے میں نرمی کرتے ہیں، پس یہ بھی ایک بری خصلت ایک اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔ اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو خوبی سے ادا کردیں، اور جب ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ میں نرمی کریں۔ اور تم میں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمہ قرض ہو تو ادا کرنے میں برے ہوں اور ان کا کسی کے ذمہ ہو تو مطالبہ کرتے ہوئے بدگوئی کریں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جاری رہا، یہاں تک کہ دھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوب یاد رکھو کہ دنیا کی جتنی عمر گزر چکی ہے اس کے مقابلہ میں اس کی صرف اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنا کہ تمہارے آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلہ میں دن کا باقی حصہ"۔

دنیا امتحان گاہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"دنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے اور اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا رہے ہیں یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ

ایک نسل چلی گئی، دوسری نسل اس کی جگہ آگئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو"۔

واقعی دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے، کہ ہر شخص کو اس کی رغبت ہے، یہاں کا مال و دولت، یہاں کی لذتیں اور راحتیں، یہاں کا ساز و سامان ہر شخص کو مرغوب ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ برسات کے موسم میں زمین میں خوب سبزہ اگتا ہے اور زمین خوب سرسبز ہوجاتی ہے۔ نرم اور سرسبز چارہ جانوروں، مویشیوں کو بہت بھاتا ہے۔ اب جانور نے یہ سبزہ دیکھا تو اس کو کھانا شروع کردیا، چونکہ بہت میٹھا، سرسبز اور لذیذ تھا لہٰذا مسلسل کھاتا رہا، یہاں تک کہ بدہضمی ہوگئی اور پیٹ پھول گیا اور تخمہ سے جانور مرگیا، اور ایک اور جانور وہ تھا جس نے ضرورت کے بقدر کھایا، اور بقدر ضرورت کھانے کے بعد دھوپ میں چلا گیا، جگالی کی اور اس کو ہضم کرلیا، ہضم کرنے کے بعد پھر اسی طرح کھانا شروع کردیا یعنی بقدر ضرورت کھایا، پھر ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، پس جو شخص حرص کے ساتھ دنیا کماتا چلا جائے گا اور سمیٹتا ہی چلا جائے گا، اس کو "جوع البقر" کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے کہ کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے، یہ شخص اس جانور کی طرح ہلاک ہوجائے گا، اس کا پیٹ پھٹ جائے گا، اور اسے تخمہ ہوجائے گا۔ اور جو شخص کہ اس کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ رکھے، یعنی شریعت کے قواعد کے مطابق دنیا حاصل کرے اور جہاں اللہ نے اس کو خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہاں خرچ کرے تو وہ البتہ محفوظ رہے گا۔

یہ دنیا ایسی سرسبز ہے اور آنکھوں کو ایسی بھاتی ہے کہ اس سے کسی کا جی نہیں بھرتا اور اس کو چھوڑنے کا کسی کا جی نہیں چاہتا، بھئی! بڑی عمر ہوگئی ہے، بڑھاپا آگیا ہے، اعضاً وقویٰ کمزور ہوگئے ہیں، دماغ اب سوچتا نہیں، آنکھیں دیکھتی نہیں، ٹانگیں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی ہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، گردے کام نہیں کرتے، مثانہ کام نہیں کرتا، ظاہری اور باطنی قویٰ میں اختلال پیدا ہوگیا ہے، چلو اب چھوڑو اس قصے کو، اس مصیبت کے گھر کو چھوڑو اور اب آخرت کی فکر کرو، لیکن نہیں! کسی کا جی نہیں چاہے گا کہ اس کو چھوڑوں، پتا نہیں کہ اس میں کیا مٹھاس رکھی ہوئی ہے، حالانکہ یہاں مصائب پر مصائب ہیں، آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دکھ ہی دکھ ہیں، یہاں کی خوشی کم اور یہاں کا رنج زیادہ ہے۔ راحت کم، تکلیف زیادہ۔ اور جو راحتیں ہیں وہ ظاہری وباطنی مشقتوں اور تکلیفوں میں لپٹی ہوئی ہیں، خالص راحت جس کو کہنا چاہیئے وہ کہیں نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہے بہت میٹھی، بڑی سرسبز ہے، دل کو بھاتی ہے بلکہ لبھاتی ہے۔

دنیا کی مثال نقش ونگار والے سانپ کی ہے

شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

زہر دار در دروں دنیا چوں مار
گرچہ بینی ظاہرش نقش و نگار
زہر ایں مارِ منقش قاتل است
باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

یعنی دنیا کی مثال منقش سانپ کی سی ہے، اوپر سے اس کی جلد بہت

خوبصورت نظر آرہی ہے، نقش و نگار نظر آتے ہیں، عقلمند آدمی اس کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ سانپ ہے، بہت زہریلا سانپ۔ لیکن ایک نادان بچہ، جس کو اس کی حقیقت کا پتہ نہیں، وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے فرمایا کہ یہ دنیا ظاہر میں منقش ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوا ہے۔ ظاہر میں نادان اس کے نقش و نگار پر ریجھ رہے ہیں، لیکن جو دانا اس کی حقیقت سے باخبر ہیں وہ اس کے زہر سے خوف زدہ ہیں، کہ:

"یہ منقش سانپ ہے، ڈس جائے گا"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں دنیا اور دنیا والوں کی مثال سانپ اور سپیرے کی ہے، جو اس کے دانت توڑ دیتا ہو، اس کا تریاق جانتا ہو، کہ اول تو وہ اس سانپ کے دانت توڑ دیتا ہے اور اس کو اس لائق ہی نہیں چھوڑتا کہ اسے کاٹ کھائے، علاوہ ازیں اس کو معلوم ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا یہ توڑ ہے اور اس کا یہ علاج ہے، چنانچہ وہ سانپ کو کندھے پر اٹھائے پھرتا ہے، سانپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا تریاق جانتا ہے، اور جو بیچارہ سانپ کا تریاق نہیں جانتا، وہ اگر سانپ کو ہاتھ لگائے گا تو وہ اس کو کاٹ کھائے گا۔ یہی مثال ہے دنیا کی اور دنیا والوں کی، جو لوگ اس کے دانت توڑ دیتے ہیں اور اس کا علاج جانتے ہیں ان کو یہ سانپ ضرر نہیں پہنچاتا، لیکن جن لوگوں نے اس کا منتر نہیں سیکھا، اس کے دانت نہیں توڑے اور اس کے کاٹے کا علاج نہیں سیکھا وہ ان کو کاٹ کھائے گا۔ چنانچہ ہماری یہی حالت ہے، نہ مال کمانے کے احکام سیکھے، نہ اس کو رکھنے کے آداب کا علم حاصل کیا، یہ بھی نہیں معلوم کہ مال کو کہاں اور کس طرح خرچ کیا جائے، کہاں خرچ نہ کیا جائے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دنیا نے

ہمیں کاٹ کھایا، اور ہماری زندگی کے تمام اعضأ میں اس کا زہر پھیل چکا ہے، اس کا زہر کیا ہے؟ آخرت سے غفلت، ہمیں بس ایک ہی بات یاد ہے کہ جی! بچوں کے لئے کمانا بھی تو فرض ہے! ہمیں بس یہی ایک فرض یاد رہا باقی سب کچھ بھول گئے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ (امیر تبلیغ) ایک بار بیان فرما رہے تھے، جوش میں آگئے، فرمانے لگے تمہیں کس نے کہا تھا کمانے کو؟ کہ دکانیں کھولو اور روٹی کماؤ؟ تم نے غلط سمجھا کہ کمانا بھی فرض ہے، جس طرح تم اندھا دھند کماتے ہو یہ فرض نہیں بلکہ حرام ہے، پہلے کمانے کا ڈھنگ سیکھو، پھر روٹی کماؤ۔ حلال وحرام اور جائز وناجائز کو پہچانو، پھر کماؤ۔ حلال اور حرام کی تم کو تمیز نہیں، جائز اور ناجائز کی تم کو پروا نہیں، تو تمہارے لئے کمانا حلال ہی نہیں۔ کہتے ہو کہ کمانا بھی تو فرض ہے!

بہرحال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میٹھی ہے۔ اللہ جل شانہ پہلے لوگوں کو لے گئے، اور تمہیں ان کی جگہ لے آئے ہیں۔ یہاں تمہیں عیش اڑانے کے لئے نہیں لائے ہیں، کہ یہ بچے ذرا یہاں کھاپی لیں اور عیش اڑا لیں، نہیں! بلکہ اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے تم نے اگلے سفر کے لئے اعمال کا کیا توشہ لیا؟ اور تم نے یہاں رہ کر اپنے سے پہلے لوگوں کی حالت سے بھی عبرت حاصل کی ہے کہ نہیں؟ لیکن ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جنہوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے حال سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ جل شانہ ہمیں معاف فرمائیں، ہماری اس غفلت کو معاف فرمائیں۔

زندگی کے پانچ دور

میرے بھائیو! یہ دنیا کی زندگی بہت مختصر سا وقفہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، آج کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا، میں نے گورنر پنجاب کے نام خط لکھا ہے۔ جس میں دنیا کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ ماں کے پیٹ کا وقفہ، اس کے بعد دنیا کی زندگی کا وقفہ، پھر قبر میں رہنے کا وقفہ، پھر حشر کے میدان کا وقفہ، پھر اس کے بعد ابدی زندگی جنت یا جہنم۔ یہ پانچ وقفے یا یوں کہو کہ تمہاری زندگی کی پانچ منزلیں ہیں۔ ماں کے پیٹ میں آئے تھے تو چار مہینوں تک تو پہلے پانی کی شکل میں رہے، پھر جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر بے جان دھڑ کی شکل میں رہے جس کی کوئی قیمت ہی نہیں تھی، چار مہینے بعد روح ڈال دی گئی، اب تم انسان بن گئے، یہاں سے تمہاری زندگی شروع ہوئی، لیکن ماں کے پیٹ کی یہ زندگی ایسی زندگی تھی کہ عقلاً اس کو زندگی ہی نہیں سمجھتے، کیسی تنگی اور تاریکی کی زندگی تھی؟ لیکن یہ نادان اسی زندگی پر مطمئن تھا، چنانچہ وہاں سے آتے ہوئے بھی یہ رو رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میرا جہان مجھ سے چھڑا رہے ہیں، میری زندگی مجھ سے چھین رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چیونٹی کے انڈے کے اندر جو بچہ ہے اس کے لئے انڈے کا خول ہی زمین و آسمان ہے، اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا آسمان اور زمین اس دنیا میں ہے ہی نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے۔ بالکل یہی حال ہمارا یہاں دنیا کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا، ہم نے یہاں آکر زمین و آسمان کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس سے بڑی دنیا ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ زندگی کے اگلے ادوار، یعنی عالم برزخ، عالم حشر اور جنت ودوزخ کو بھول بھال گئے، انبیاءؑ کرام علیہم السلام نے اور ان کے سچے جانشینوں نے ہمیں یاد دلایا کہ اس "بیضۂ مور" (چیونٹی کے انڈے) میں دل نہ

لگاؤ، اس زندگی کو زندگی سمجھ کر اگلی زندگی کو نہ بھول جاؤ۔ لیکن ہم نے اس زندگی کی ترقیات کو کمال سمجھ لیا، اور جو حضرات اس زندگی سے منہ موڑ کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتے ہیں ان کا مذاق اُڑانا شروع کردیا۔ اچھی بات ہے، کھاؤ، کماؤ، مُلّاؤں کا مذاق اُڑاو، کہ یہ کچھ نہیں کماتے کھاتے، ڈگریاں حاصل نہیں کرتے، دنیا کی ترقیات سے روکتے ہیں۔ بہت جلد تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مُلّا مذاق اڑانے کے لائق تھے، یا تم خود بدولت اس لائق تھے کہ تمہارا مذاق اڑایا جائے؟ شب وروز ہمارے سامنے عبرت کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں عبرت نہیں ہوتی۔

دنیا کی ڈگریوں کا انجام

میرے پاس پرسوں ایک صاحب آئے، کہنے لگے کہ امریکا سے چھ لاشیں آرہی ہیں، تابوتوں کی شکل میں۔ تو کیا ان تابوتوں کو کھول کر دفن کیا جائے یا ایسے ہی یعنی بغیر کھولے دفن کیا جائے؟ میں نے کہا کہ اگر لاشیں کچھ اچھی حالت میں ہوں تو کھول کر دفن کیا جائے؟ اور اگر اچھی حالت میں نہیں تو پھر ایسے ہی تابوت سمیت ہی دفن کردی جائیں۔ لیکن لاش کی بے حرمتی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے ان چھ میں سے دو لاشیں سگے بھائیوں کی ہیں، ایک بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے امریکا گیا تھا، اور دوسرے نے "میڈیکل" کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کرلی تھی۔ اور انگلستان کی حکومت نے اسے وہاں پر ملازمت دے دی تھی۔ (یہ بھائی اس انجینئرنگ کرنے والے بھائی کو ملنے امریکا گیا تھا) بڑی اونچی تنخواہ تھی، بڑا اونچا عہدہ تھا، بڑی اعلیٰ تعلیم اور بڑی اونچی ڈگری تھی، بھائی سے ملنے امریکا گیا تھا، دونوں بھائی کہیں گھومنے گئے، وہیں ختم

ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس یہی قیمت تھی ان ڈگریوں کی جن پر ناز کررہے تھے؟ اس زندگی کی یہی قیمت تھی جس پر ناز کررہے ہو؟ اور یہ بیچارے تو ابھی نوجوان ہی تھے کہ دھر لئے گئے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا یہی نقشہ نہیں ہے؟

دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں

کسی کی پچاس سال کی زندگی تھی، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی اسّی سال کی۔ اور ماں کے پیٹ میں وہ پانچ مہینے کی زندگی تھی، اس زندگی کو ذرا اسّی سال کی زندگی پر تقسیم کرو تو یہ ماں کے پیٹ والی زندگی اس پچاس، ساٹھ اور اسّی سالہ زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر نظر آئے گی؟ اور ہم میں سے ہر شخص اس پیٹ والی زندگی کے بارے میں کہے گا کہ بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی؟ اچھا اب آگے چلئے، یہاں اسّی برس گزار کر ہم قبر میں پہنچ گئے، وہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ابھی خدا جانے کب تک پڑے رہیں گے۔ اب اس دنیا کی زندگی کو اس "قبر کی طویل زندگی" پر تقسیم کرو تو ہماری یہ دنیا کی زندگی اس برزخی زندگی کے مقابلہ میں کتنی مختصر معلوم ہوگی؟ اور وہ برزخ کی زندگی بھی، خواہ دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں کتنی ہی طویل نظر آئے لیکن وہ دائمی نہیں۔ بلکہ ایک دن وہ بھی کٹ جائے گی، اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے حشر کا، جس کا ایک دن پورے پچاس ہزار سال کا ہے۔ اب برزخ کی زندگی کو (قبر والی زندگی کو) اس روز حشر کے پچاس ہزار سال پر تقسیم کرو تو برزخ کی زندگی کالعدم نظر آئے گی، پھر اس پچاس ہزار سال والے دن کے بعد اصل زندگی اب شروع ہونے والی ہے۔

قیامت کا دن ختم ہو گا تو وہ زندگی شروع ہو گی جو دائمی اور ابدی ہے، جس کا کوئی سرا ہی نہیں، کوئی انتہا ہی نہیں، تمہاری سوچ و فکر سوچتے سوچتے تھک جائے گی لیکن وہ زندگی ختم نہیں ہوگی۔ انبیاً کرام علیہم السلام ہمیں اس زندگی کی دعوت دیتے ہیں، جو لازوال ہے، جو ابدی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس زندگی کی کامیابی کی دعوت دیتے ہیں، اور وہاں کی ناکامی سے ڈراتے ہیں۔ یعنی ان اعمال سے تم وہاں کی زندگی میں کامیاب ہو جاؤ گے اور ان اعمال سے تم وہاں ناکام ہو جاؤ گے، یہ حضرات ہمیں اس زندگی کی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں، اور ہماری اس دنیا کی زندگی کو زندگی نہ سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، چونکہ لوگوں کو ان حضرات کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے کفار کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، مجنون ہے، دیوانہ ہے، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ انبیاً کرام علیہم السلام کے وقت کی بات تھی، آج تم نے، ہاں! مسلمان کہلانے والوں نے کہا کہ یہ مُلّا ہے، یہ صوفی ہے، یہ دور حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، اس کو کچھ پتہ نہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، یہ صوفی و مُلّا آج تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہے، مسجد کے مینڈھے، قل اعوذیئے، اور نہ جانے کیا کیا خطاب تم غریب مُلّا کے لئے تجویز کرتے ہو، جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آج وہی بات کہہ رہا ہے جو اپنے وقت میں انبیاً کرام علیہم السلام کہتے آئے ہیں۔

دنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو

تو یہ دنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں اس لئے لارہے ہیں اور تمہیں پہلوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ تم کچھ عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ

یہاں سے کیا توشہ لے کر جارہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

"اے ابوذر! توشہ لے لینا! کیونکہ سفر بہت لمبا ہے، اور ذرا بوجھ ہلکا رکھنا کیونکہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے، جس پر چڑھنا ہے۔ کمر پر سارا بوجھ لاد کر چڑھنا پڑے گا۔ قرآن کریم میں ہے "اور وہ لادے ہوئے ہوں گے بوجھ اپنی کمروں پر"۔

مشکوٰۃ شریف (صفحہ ۴۴۳) میں حدیث ہے کہ حضرت اُم درداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر ابوالدرداؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کیوں روزی نہیں کماتے، جیسا کہ فلاں شخص کماتا ہے؟ کہنے لگے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ:

"تمہارے آگے ایک گھاٹی ہے، بہت دشوار گزار، جن کا بوجھ بھاری ہوگا وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کر سکیں گے"۔

اس لئے میں اس گھاٹی کی خاطر اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا چاہتا ہوں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

"عمل ذرا خالص لے کر جانا اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے"۔

وہاں کھوٹ نہیں چلے گا۔ اس دفعہ دوران طواف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بہت یاد آئی اور میں اکثر اسی کو پڑھتا رہا:

"واسئلک نفسا بک مطمئنة تومن بلقائک، وترضی بقضائک، وتقنع

بعطائک۔"

ترجمہ: "یا اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں ایسا نفس جو آپ پر مطمئن ہو جائے، جو آپ کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، اور جو آپ کے قضا اور قدر کے فیصلوں پر راضی ہو، اور جو آپ کی عطا پر قناعت کرلے، (کہ جتنا میرے مالک نے دیا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے۔ بس اس سے زیادہ نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے)"۔

عورتوں کا فتنہ

جس خطبہ کو میں نے شروع میں ذکر کیا تھا اس میں دنیا کی بے ثباتی ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"خبردار! پس دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو"۔

یعنی ان کے فتنے سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا، مشہور ہے کہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں۔ زن، زر اور زمین۔ دنیا میں جتنے بھی فتنے ہو رہے ہیں ان تین چیزوں کی وجہ سے ہیں یا عورت کا چکر ہے یا زر کا یا زمین کا۔

یہ بھی دنیا کی ایک مثال ہے کہ ان چیزوں سے آدمی جیسا دھوکا کھاتا ہے، ویسا ہی دنیا سے دھوکا کھاتا ہے۔ خاص طور سے عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے

حق میں عورتوں سے زیادہ مضر ہو"۔

یعنی مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں کا ہے، پس دنیا پر فریفتہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ، راہ حق سے برگشتہ نہ ہو جاؤ اور زر، زمین اور عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو کر دین سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو!

خاتمہ کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی مؤمن پیدا ہوتا ہے، مؤمن جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے"۔

(اللہ جل شانہ ہم سب کو ان میں سے کردے، آمین۔ پیدا بھی مسلمانوں کے گھر میں ہوا، الحمدللہ زندگی بھی مسلمانوں والی گزاری، اور الحمد للہ موت بھی مسلمانوں والی آئی۔ اللہ جل شانہ یہ بھی نصیب فرمائے، یہ سب سے بڑا خوش قسمت ہے)۔

"دوسرا شخص وہ جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ۔ یہ سب سے بدتر شخص ہے)۔ "تیسرا وہ شخص جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن مرا"۔ (اس کی خوش قسمتی کہ خاتمہ ایمان پر ہوا) "اور چوتھا آدمی اس کے برعکس کہ مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر مرا"۔ (نعوذ باللہ)

برے خاتمہ سے اللہ جل شانہ پناہ میں رکھے، عملوں کا مدار خاتموں پر ہے، اگر خاتمہ اچھا ہو تو آدمی اچھا رہا، اور اگر نعوذ باللہ خاتمہ برا ہوا تو پہلے کی اچھائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ایسا شخص تو مارا گیا، اگر خدانخواستہ خاتمہ

اچھا نہیں ہوا تو اس کے نماز اور روزے کا، حج اور زکوٰۃ کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اللهم اجعل اوسع رزقك على عند كبر سني وانقطاع عمري، واجعل خير عمري آخره وخير عملي خواتيمه وخير ايامي يوم القاك فيه۔"

ترجمہ: "یا اللہ! اپنا سب سے زیادہ وسیع رزق مجھے اس وقت عطا فرمانا جب میری عمر زیادہ ہو جائے (میں بڈھا ہو جاؤں، اور زندگی ختم ہونے والی ہو) یا اللہ! میری عمر کا سب سے اچھا حصہ اس کو بنا جو میری عمر کا سب سے آخری حصہ ہو، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے بہتر عمل اس عمل کو بنا جس پر میرا خاتمہ ہو، اور میرا سب سے بہتر دن اس دن کو بنا جس دن میں آپ سے ملاقات کروں، یعنی موت آئے"۔ (آمین! یا رب العالمین)

بہرحال اعتبار خاتمے کا ہے اور یہ وہ بات ہے جس نے عارفین کی کمر توڑ رکھی ہے، اور وہ سوء خاتمہ سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں، کہ خدا جانے کس حالت میں خاتمہ ہو۔ (یا اللہ! ہمیں حسن خاتمہ نصیب فرما، اور سوء خاتمہ سے پناہ عطا فرما) اس لئے فرماتے ہیں کہ اپنی اطاعت و عبادت پر ناز نہ کرو، اور کسی گناہ گار کو دیکھ کر اسے نظر حقارت سے نہ دیکھو اور اسے حقیر نہ جانو۔ اگر تم اچھے راستہ پر لگ گئے ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، میرے مالک کا کرم ہے، اس کی عنایت ہے، اس کا لطف ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے کسی زمانہ میں ایک رسالہ شائع کیا تھا، اب شاید کم چھپتا ہے، کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ اس میں اس قصہ کو بڑی تفصیل سے لکھا تھا، اور ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر مختصر۔ حضرت حکیم الامتؒ نے بھی لکھا ہے مگر مختصر۔ اور میں مختصر کا بھی مختصر سنا دیتا ہوں۔ شیخ ابو عبد اللہ مغربیؒ ایک بزرگ تھے، بہت بڑے عالم، بہت بڑے محدث، بہت بڑے شیخ۔ ہزاروں لوگ ان کے حلقہ درس میں ہوتے تھے، اور لاکھوں ان کے مرید تھے، ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ایک بستی میں پہنچے، یہ عیسائیوں کی بستی تھی، لڑکیاں کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ایک لڑکی پر شیخؒ کا دل آگیا، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا، مریدوں میں کہرام مچ گیا، شیخ بھی رو رہے تھے، لیکن کہہ رہے تھے کہ قضا وقدر کا وقت ہے، اس لڑکی کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے، جب تک اس لڑکی کو حاصل نہیں کروں گا یہاں سے قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا، تم جاؤ ـــــ لڑکی کے والد کو پیغام دیا۔ وہ کہنے لگا دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ عیسائی ہو جاؤ، زنار پہن لو۔ اور دوسری یہ کہ ایک سال تک جنگل میں سور چراؤ۔ شیخ نے کہا مجھے منظور ہے۔ نعوذ باللہ عیسائی ہو گئے، اور جنگل میں خنزیر چرانے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک شاگرد، مرید اور خلیفہ کو خیال آیا کہ شیخؒ کو دیکھنا تو چاہئے کہ کس حالت میں ہیں؟ جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ خنزیر چرا رہے ہیں، وہی عصا جس کو ہاتھ میں لے کر شیخ خطبہ پڑھا کرتے تھے اسی پر ٹیک لگا کر سور چرا رہے ہیں۔ اس مرید نے سلام کیا، انہوں نے "وعلیکم السلام" سے جواب دیا۔ مرید نے کہا کہ حضور! قرآن کے حافظ تھے، کوئی آیت یاد ہے؟ کہا کچھ یاد

نہیں، سورۃ الفاتحہ سے والناس تک سب بھول گیا ہوں، کچھ بھی یاد نہیں رہا، بس ایک آیت کا ٹکڑا یاد ہے: ومن یضلل اللّٰہ فلا ھادی لہ۔

یعنی ”جس کو اللہ جل شانہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا“۔

پوچھا کہ آپ احادیث کے بھی حافظ تھے، کوئی حدیث یاد ہے؟ کہا کچھ یاد نہیں، صرف ایک حدیث یاد ہے: من بدل دینہ فاقتلوہ۔

یعنی ”جو شخص اپنے دین کو تبدیل کرکے مرتد ہوجائے اس کو قتل کردو“۔

پوچھا کہ حضرت! کیا بات ہوئی کہ ایمان سلب ہوگیا؟ فرمایا، جب ہم بستی میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ کیسے گندے لوگ ہیں؟ احمق لوگ ہیں، کیسا گندا مذہب ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک بندے کو خدا بنا رکھا ہے؟ فوراً غیرت الٰہی جوش میں آئی اور فرمایا کہ تم نے اس ہدایت کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ ایمان کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ یہ تمہارا کمال نہیں، ہماری عطا ہے، اور جب اس لڑکی پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ دل سے ایک پرندہ اڑ کر نکل گیا، اور وہ ایمان تھا، اب میں خالی ہوں۔ یہ رو دھوکر واپس آگئے۔ ان کے مریدوں نے گڑگڑا کر دعا کی، اُدھر شیخ بھی اتنا روئے کہ ان کی گریہ وزاری کو دیکھ کر خنزیر بھی رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ وزاری سن لی اور دوبارہ نور ایمان عطا فرما دیا، یہ وہیں جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آگے ایک دریا پڑتا تھا، مرید وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ دریا میں غسل فرمارہے ہیں۔ یہ قریب آئے تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے کوئی چادر لنگی پاک کپڑا دو۔ بہرحال لمبا قصہ ہے۔ وہ لڑکی بھی مسلمان ہوکر

آگئی۔ شیخؒ نے ان کو اپنی خانقاہ کے ایک حجرہ میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ دنیا میں ملاقات نہیں ہوسکتی، آخرت میں ہوگی۔

اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو

الغرض! اپنی اچھی حالت پر ناز نہ کرو، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا جانو، اسی بنأ پر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے تھے کہ:

"بندہ حقیقت تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے"۔

جس کو تم فرنگی کافر سمجھتے ہو کیا پتہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے؟ اور کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔ ناز کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ ایمان کی سلامتی میسر آجائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوجائے تو بڑی دولت ہے۔ ورنہ سب کچھ ہیچ اور لغو ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جارہا تھا، راستے میں ایک درویش ملے، جو اپنی کٹیا سے باہر بیٹھے تھے، پاس ان کا کتا تھا، بادشاہ نے درویش کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ میاں درویش! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا؟ درویش کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت! میرے سامنے ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا تو انشأ اللہ میں کتے سے اچھا ہوں۔ ورنہ کتا مجھ سے اچھا ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے لوگوں کو چار قسم کا پیدا کیا ہے، ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، اور مؤمن مرا، اور

ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، اور کافر ہی مرا، نعوذ باللہ۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن ہو کر مرا، اور ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر ہو کر مرا، نعوذ باللہ۔

ایک جنتی، جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک صاحب آئے کہنے لگے میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمان کرلیا۔ جہاد ہو ہی رہا تھا جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہو گیا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی نماز اس پر فرض نہیں ہوئی، مسلمان ہوا شہید ہو گیا، نہ معلوم کتنی زندگی کفر میں گزاری ہوگی۔

غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں

اس کے بعد فرمایا کہ:

> ''غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک وہ آدمی ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آتا ہے اور فوراً ہی اُتر جاتا ہے۔ فرمایا، یہ شخص سب سے افضل ہے''۔

مجھے ایسے لوگوں پر بڑا رشک آتا ہے کہ ان کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا ہے، اور آئے بھی تو وہ بھی بس وقتی غصہ ہوتا ہے کہ دوسرے وقت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب سے بہتر ہے، سب سے اچھا آدمی ہے۔ جس کو بہت دیر سے غصہ آئے اور فوراً ہی اُتر جائے۔

> ''دوسرا وہ ہے جس کو بہت جلدی غصہ آتا ہے اور جب آتا

ہے تو اُترتا بھی نہیں، بہت دیر کے بعد غصہ جاتا ہے"۔

اس غریب کی ہر ایک کے ساتھ لڑائی رہتی ہے کیونکہ ہر آدمی کے مزاج کے خلاف تو کوئی نہ کوئی بات پیش آئے گی، اس غریب کی مصیبت یہ ہے کہ جس سے ایک دفعہ غصہ ہوگیا پھر مان جانے کی کوئی صورت نہیں، ناراضگی دور نہیں ہوتی، فرمایا:

"یہ بدترین آدمی ہے جس کو غصہ فوراً آئے اور غصہ آنے کے بعد جانے کا نام نہ لے، ایک وہ آدمی ہے جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی دیر سے ہے، ایک وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی جلدی ہے۔ یہ دونوں برابر ہیں کہ ان میں ایک اچھائی ہے اور ایک عیب"۔

غصہ کا سبب اور اس کا علاج

ارشاد فرمایا کہ:

"غصہ دراصل آگ کا انگارہ ہے، جو آدمی کے دل پر رکھ دیا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کیسے سرخ ہوجاتی ہیں؟ سو اگر کسی شخص کو غصہ کی کیفیت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے"۔

گویا غصے کا علاج یہ ہے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ ہوتا اس کے الٹ ہے کہ غصہ میں لیٹا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھتا ہے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہوجاتا ہے، کھڑا ہو تو آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے، ہر چیز کا علاج بالضد

ہوتا ہے۔ غصہ کا علاج بھی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی ضد پر عمل کرے۔ یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو لوگ جب کسی کو پکڑتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ دو مجھے۔ لوگ پکڑ رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے چھوڑو مجھے، ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ یہ غصہ کا اثر ہے۔ تو غصہ کا علاج یہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ، اور اس کو لازم پکڑو اس کی ایک تو ظاہری خاصیت ہے، اور ایک باطنی خاصیت ہے۔ ظاہری خاصیت تو یہ ہے کہ تجربہ ایسا ہے، کہ اگر آدمی لیٹ جائے گا تو غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا۔ کھڑا ہے تو بیٹھ جائے گا تو بھی غصہ پر عمل نہیں ہوسکے گا، اور یوں غصہ کا علاج اس کی ضد پر عمل کرنا ہوا۔ اور باطنی خاصیت یہ ہے کہ زمین ہماری ماں ہے، اور یہ ہمارے سارے بوجھ کو برداشت کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، تمہارے زندوں کو بھی مردوں کو بھی''۔

یہ زمین سب کو سمیٹتی ہے، لوگ نہ جانے اس پر کیا کیا مارتے ہیں، مگر برداشت کرتی ہے۔ تو مٹی کے اندر سکون ہے، وقار ہے، تواضع ہے اور پھر ہماری ماں بھی ہے، تو جتنا ماں کی گود کے قریب آؤ گے، اتنے زیادہ اس شر سے محفوظ رہو گے، اور اتنا ہی تم میں حلم اور وقار پیدا ہوگا۔ تواضع پیدا ہوگی۔ اب اس تفصیل کا موقع نہیں کسی دوسرے وقت میں انشاءاللہ بیان کروں گا کہ غصہ کی اصل کبر ہے، جس کی وجہ سے غصہ آتا ہے، لہٰذا اپنے سے چھوٹے پر غصہ آتا ہے بڑے پر نہیں آتا، تو اگر آدمی کے اندر عجز اور تواضع پیدا ہوجائے، مسکنت پیدا ہوجائے، سکون پیدا ہوجائے، وقار پیدا ہوجائے، تواضع پیدا ہوجائے، تو پھر غصہ کا علاج ہوجائے گا، یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک

تو غصہ کی کیفیت طبعی ہے کہ غصہ آدمی کے اندر اُبھرتا ہے اور جوش مارتا ہے، یہ تو ایک طبعی بات ہے، چونکہ یہ غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہے، پکڑ نہیں ہے، اور ایک ہے اپنے غصے پر عمل کرنا، چاہے زبان سے ہو، یا ہاتھ پاؤں سے، اس پر مواخذہ ہے، اور اسی لئے اسے رفع کرنے کی تدبیر بتانے کی ضرورت پیش آئی۔ غصہ کو رفع کرنے کی تدبیر پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آدمی غصہ میں ہوتا ہے تو ایک جنون کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، آدمی آپے میں نہیں رہتا، اس سے ناشائستہ حرکات صادر ہوجاتی ہیں، اور اس کی زبان سے ناشائستہ الفاظ نکل جاتے ہیں، بے قابو ہوجاتا ہے، اس لئے غصہ کا علاج ضروری ہے، اور غصہ کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے قریب ہوجاؤ، جس سے تم میں مسکنت پیدا ہوگی، اور اس رذیلہ کی اصلاح ہوجائے گی۔ حافظ ابن قیمؒ نے لمبی فہرست دی ہے غصہ کے علاج کی۔ انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو۔ اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو گے تو تم میں خنکی پیدا ہوجائے گی اور اندر جو غصہ کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بجھ جائے گی۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ لاحول پڑھو، لیکن لاحول کا پڑھنا صرف لفظوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کا تصور کرتے ہوئے، اس لئے کہ غصہ شیطان کے اُبھارنے اور چوکا دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو "نزغہء شیطان" فرمایا گیا ہے۔ تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو تاکہ شیطانی اثرات دور ہوجائیں۔

ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں

پھر فرمایا کہ:

”قرض کے ادا کرنے اور وصول کرنے کے لحاظ سے بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ اگر کسی کا قرض دینا ہو تو بہت اچھے طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ سامنے والے سے بار بار چکر نہیں لگواتا، بلکہ خود ہی بر وقت ادا کردیتا ہے، لیکن کسی سے وصول کرنا ہو تو اس میں ذرا بھی رواداری نہیں کرتا، بلکہ بری طرح تقاضا کرتا ہے، فرمایا کہ اس کی تو ایک اچھی عادت بری عادت کے مقابلہ میں ہوگئی، کہ بر وقت قرض ادا کرنا بڑی اچھی بات ہے، جب کہ سختی سے وصول کرنا بری بات ہے، تو اس شخص میں ایک اچھی بات پائی گئی اور ایک بری، یوں اس کا معاملہ برابر کا رہا۔ اور دوسرا آدمی وہ ہے کہ کسی کو قرضہ دینا ہو تو بری طرح دیتا ہے، دوسرے کو پریشان کرکے دیتا ہے۔ لیکن کسی سے لینا ہو تب بھی سختی نہیں کرتا، یہاں بھی ایک اچھی عادت ایک بری عادت کے ساتھ مل کر معاملہ برابر کا ہوگیا۔ اور تم میں سب سے بہتر اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا دینا ہو تو فوراً دے، بر وقت دے، بغیر مانگے کے دے، اور کسی سے لینا ہو تو سختی سے تقاضا نہ کرے۔ یہ تیسرے نمبر کا آدمی ہوا جو سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہے، کہ اس میں دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، ادا کرنے کی خوبی یہ کہ بر وقت ادا کرے۔ اور وصول کرنے کی خوبی یہ کہ اس میں سختی نہ کرے، اور تم میں سب سے بدتر آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو دینے کا نام نہ لے، اور اگر کسی سے لینا ہو تو سختی بلکہ فحش کلامی کے ساتھ تقاضا کرے اور اس معاملہ میں ذرا بھی رو رعایت نہ کرے، یہ چوتھا آدمی سب سے بدتر ہے کہ اس نے دونوں برائیاں جمع کرلیں۔ قرض لے کر واپس نہ کرنے کی برائی بھی، کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لیتا، اور کسی سے قرض وصول کرنے کی برائی بھی کہ نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ قرض کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ سختی اور بد کلامی کے

ساتھ تقاضا کرتا ہے۔

دنیا کی عمر ختم ہوچکی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اتنا طویل فرمایا کہ دھوپ درختوں کے سروں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی عمر بس اتنی باقی رہ گئی ہے جس قدر پورے دن کے مقابلے میں اب دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ ایک تو آدمی کی زندگی ناپائیدار ہے، کوئی بھروسہ نہیں کہ کب وقت موعود آجائے، علاوہ ازیں خود دنیا بھی بوڑھی ہوچکی ہے، اور اب پورے عالم کی موت کا وقت بھی کچھ زیادہ دور نہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام "نبی الساعہ" ہے، یعنی "قیامت کا نبی"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بجائے خود قربِ قیامت کا اعلان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا، بس اب قیامت ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری گویا فنائے عالم کے آثار شروع ہونے کی علامت ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بیان کا منظوم خلاصہ

حضرت نے یوں بیان کیا مقصد حیات
خوش رنگ ایک سانپ ہے دنیائے بے ثبات
جو اس کے حسن ظاہری سے دھوکا کھا گیا
وہ اپنے جسم وروح کو خود ہی ڈسا گیا

دنیا تو درحقیقت ہے اک امتحان گاہ
وہ آخرت میں فیل ہے، کی جس نے اس کی چاہ
دنیا کی ڈگریوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں
عقبیٰ میں ایسے علم کی وقعت بھی کچھ نہیں

دنیا سے آخرت کیلئے توشہ لے کے چل
دنیائے بے ثبات کے دھوکے سے تو نکل
ہرگز نہ اپنے آپ کو بہتر قیاس کر
سارے جہاں سے خود کو ہی بدتر قیاس کر

غصہ نہ کر کہ غصہ علامت ہے کبر کی
غصہ کسی قوی پہ تو آتا نہیں کبھی
اور اب ذرا سی بات ہو دنیا کی عمر کی
دنیا دراصل دوستو! اب بوڑھی ہوچکی

بعثت رسول پاک کی خود اس کی ہے دلیل
دنیا کی عمر رہ گئی ہے اب بہت ہی قلیل
ختم الرسل کی دہر میں تشریف آوری
پہلی نشانی قرب قیامت کی ہے یہی

آخر میں التجا ہے ہماری کہ یامجیب
تیاری آخرت کی ہمیں بھی ہو اب نصیب

شاہین اقبال اثر جونپوری

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس کے تقاضے

فہرستِ مضامین

صفحہ	عنوان

صفحہ	عنوان
	* آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العلمین ہیں
	* سُنّت سے طبعی رغبت ہونا
	* ایک حدیث
	* ایک جامع دعائے شکر
	* اب دعا کیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی، واشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ، واشھدان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد:

آج کی مجلس میں ان شاء اللہ چند باتیں ذکر کرنے کا خیال ہے۔

دستار بندی

سب سے پہلے تو یہ کہ ستائیسویں شب کو یہاں مدرسہ کے ان بچوں کی دستار بندی ہوئی تھی، جنہوں نے قاری مقبول احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا تھا، کسی کی گردان ہو گئی، کسی کی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس سال کے حفظ مکمل کرنے والے سب حفاظ کی دستار بندی ہوئی۔ میرے دوست مولانا

سعید احمد جلال پوری بھی ہمارے ساتھ اعتکاف میں ہیں، یہ میرے بہت پرانے رفیق ہیں، انھوں نے ایک عرصہ تک میری سردی گرمی، کو اور میری کڑوی، کسیلی باتوں کو برداشت کیا ہے، اور میرے عیوب سے جتنا یہ واقف ہیں شاید دوسرے رفقاء میں کوئی واقف نہیں ہوگا، میں چاہتا تھا کہ ان حفاظ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی کردوں، مگر اس دن یہ مجھے نظر نہیں آئے، اس لئے سب سے پہلے تو آج ان کی دستار بندی کرتا ہوں۔ یہ ان کے لئے دستار خلافت ہے۔ (اس کے بعد مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب مدظلہ العالی کی دستار بندی کی گئی)۔

خدمت میں کوتاہی پر معذرت

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے گھر میں اعتکاف کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے، ہمارے خدمت والے ساتھیوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو راحت پہنچائی جائے، لیکن مجمع زیادہ ہوتا ہے تو ہر آدمی کی راحت کا پورا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا، ہر شخص کے مزاج کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے، اعتکاف شروع ہونے سے پہلے مجھے بہت تشویش تھی کہ اتنے مہمانوں کا نظم کیسے ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے اس کو اتنا آسان فرمادیا کہ پتہ بھی نہیں چلا، بہرکیف کسی صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اعتکاف کے دوران پہنچی ہو، یا ہمارے منتظمین اور خدمت والے ساتھیوں میں سے کسی سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہو تو آپ ازراہ للہ معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہت ہی برکتیں عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ شانہ، ہم سب کو صحت کے ساتھ، عمر کے ساتھ عافیت کے ساتھ اس کی آئندہ

بھی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا یا نہیں؟

ایک بات یہ ذکر کرنی ہے کہ ابھی نماز کے بعد ایک صاحب نے پرچہ دیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہمارا اعتکاف قبول ہو گیا؟ اس پر اس وقت تو میں نے ان صاحب کو یہ لطیفہ سنادیا تھا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

"الحائک اذا صلی رکعتین انتظر الوحی"

یعنی جولاہا جب دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب وحی آنے والی ہے، وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔ ارے میاں! کیا ہم؟ اور کیا ہمارا اعتکاف؟ اور کہاں کی قبولیت؟ بس یہ شکر کرو کہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے مواخذہ نہ ہو۔ کیونکہ ہم اس کے گھر کا صحیح ادب اور صحیح حق ادا نہیں کر سکے، اور جو حقوق اعتکاف کے ہمیں بجالانے چاہئے تھے، بجا نہیں لائے، تو بس یہی بہت ہے کہ ہم پر مواخذہ نہ ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عارف کو میں نے دیکھا کہ کعبے کا غلاف پکڑے ہوئے ہیں، ملتزم پر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ:

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلم عفو برگناہم کش

ترجمہ: "یہ تو میرا منہ نہیں کہ میں کہوں کہ میری عبادت قبول کر لیجئے اتنی درخواست کرتا ہوں کہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دیجئے"۔

اعمال پر مواخذہ نہ ہو، یہی غنیمت ہے

قبولیت کے امیدوار تو آپ حضرات ہوں گے، بڑے لوگ ہوں گے، جہاں

تک ہمارا تعلق ہے ہم تو اسی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ واللہ العظیم! قسم کھا کر کہتا ہوں، اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں، کہ نماز پڑھنے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا کہ میری نماز قبول ہوگئی ہوگی یا یہ کہ نماز قابل قبول ہے، بس یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ کرے اس پر مؤاخذہ نہ ہو کہ او نالائق! ایسی نماز پڑھا کرتے ہیں؟ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ دل میں قبولیت کا وسوسہ آگیا ہو، بس یہی خیال ہوتا ہے کہ لپیٹ کر منہ پر نہ مار دی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعات کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی قدس سرہ عارف تھے، اپنے وقت کے قطب تھے، حضرتؒ ارشاد فرماتے تھے کہ "بھائی! اللہ تعالیٰ کا ایک نام ستار ہے، ستار کے معنی ہیں پردہ پوشی کرنے والا، ستار العیوب، عیوب کو ڈھانکنے والا، اللہ تعالیٰ نے میری بھی اور آپ کی بھی سب کی پردہ پوشی کر رکھی ہے"۔ ہمارے حضرتؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ آدمی کا پورا وجود نجاست سے بھرا ہوا ہے، یہاں ذرا سی خراش لگا دو خون نکل آئے گا، خون پاک ہے کہ ناپاک؟ کیوں بھئی خون ناپاک ہے نا! پس ہمارے پورے وجود میں نجاست بھری ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ستاری دیکھو کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیسا نفیس چمڑا چڑھا دیا ہے، اندر خون ہی خون، نجاست ہی نجاست، لیکن اوپر حسین چمڑے کا غلاف۔ اسی طرح پیٹ کے اندر سیروں غلاظت لئے پھر رہے ہیں، اور یہ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اوپر اس کا کوئی نام ونشان تک نہیں، باہر اس کی بدبو بھی نہیں آنے دیتے، بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں جن کا آپریشن ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور ڈاکٹر اطباء لوگ نجاست کے نکلنے کے لئے تھیلی لگادیتے

ہیں،اب اس میں سے بدبو آتی ہے، آپریشن کے دوران پیشاب کے لئے تھیلی لگادیتے ہیں، میرا جب آپریشن ہوا تھا تو میرے بھی پیشاب کے لئے تھیلی لگادی تھی، تیسرے دن میں نے کہا اتارو بھئی اس کو، یہ مجھ سے نہیں چلتی۔ تو اتنی غلاظت ہم پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اسی حالت میں تلاوت بھی کرتے ہیں، اسی حالت میں محفلوں میں بھی جاتے ہیں، میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس کو کیسا چھپا رکھا ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری عیوب کی اور باطنی عیوب کی ستاری نہ فرماتے تو خود سوچو کیا حال ہوتا؟ مثلاً ستر پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لباس عطا فرمادیا، اگر ننگے ہوتے تو کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ نہ ہٹائے، اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری نہ کرے، ہم لوگ کم ظرف ہیں کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک دوچار آدمیوں کے پاس گائیں نہیں ہماری روٹی ہضم نہیں ہوتی، پیٹ پھول جاتا ہے، لیکن میرا مالک بڑا حلیم ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ع

"گناہ بیند و پردہ پوشد ہمی"

گناہوں کو دیکھتے ہیں، ہماری ایک حالت کو جانتے ہیں لیکن پھر بھی پردہ ڈال دیتے ہیں، پردہ پوشی فرماتے ہیں، رسوا نہیں کرتے، کسی کا پردہ ہٹادیا جائے، تو یہ اس کی رسوائی ہے، تو خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ بھئی! لوگ ستار کے معنی سمجھتے ہیں:

"عیوب کو ڈھانکنے والا پردہ پوشی کرنے والا"

لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی رو سے تو ستار ہے ہی، لیکن ہماری نیکیوں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے ہیں، اس معنی میں بھی اللہ تعالیٰ ستار ہیں کہ ہماری نیکیوں کو ڈھانک دیتے ہیں، اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، کسی نے کتنا

کمایا ہے؟ کسی کو اس کا پتہ نہیں چلنے دیتے، نیکیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان کو چھپا کر رکھتے ہیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ پردہ ہٹا دیں گے تو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تم نے نماز پڑھی، تمہیں کیا ملا؟ تم نے اعتکاف کیا تمہیں کیا ملا؟ تم نے روزہ رکھا تمہیں کیا ملا؟ ارے! بہت کچھ ملا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اجر و ثواب پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا کچھ ملا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم لوگ دو چیزوں کو چھپا کر رکھا کرتے ہیں ایک تو کوئی عیب کی چیز ہو تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، کیونکہ آدمی نہیں چاہتا کہ اس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ دوسرے، کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، گھر میں پیسے وغیرہ ہوں تو ان کو بے پروائی سے یوں ہی نہیں بکھیر دیا کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں، اگر کوئی زیور وغیرہ ہو تو اس کو برتنوں کی طرح یوں ہی سب کے سامنے نہیں پھینک دیتے، بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھتے ہیں، تو ایک تو بندوں کے عیب قابل ستر ہیں، چھپانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ستاری فرماتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے اپنے بندوں کے عیوب ظاہر نہیں فرماتے، دوسرے اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ نیکیاں کمائی ہیں، کچھ اچھے کام کئے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑے قیمتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھپا کے رکھتے ہیں، تاکہ ڈاکوؤں کو پتہ نہ چلے، ورنہ یہ ساری نیکیاں لوٹ کر لے جائیں گے نفس اور شیطان دونوں انسان کے دشمن ہیں، دونوں ڈاکو ہیں، ان کو پتہ چلا تو یہ لوٹ کر لے جائیں گے، کبھی اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہو جائے گا، عُجب کہتے ہیں خود پسندی کو، اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگے گا، کبھی کبر میں مبتلا ہو جائے گا اور دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنے لگے گا،

کبھی اپنی نیکیوں پر مغرور ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجائے گا، یہ وہ بلائیں ہیں جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کو بندے کی نظر سے بھی چھپا کے رکھتے ہیں۔

کاملین کو عُجب نہیں ہوتا

ہاں! جب آدمی اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آجائے کہ تو مقبول ہے تب بھی اس کو گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، میری بات کو آپ حضرات نے سمجھا نہیں ہوگا۔ کسی شخص کے بارے میں وحی الٰہی آجائے، آسمان سے جبرئیل علیہ السلام نازل ہوجائیں اور آکے کہیں کہ یہ شخص مقبول ہے تب بھی اس کے دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنت کی بشارتیں دی تھیں، کیا اس بشارت سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس کے باوجود ان حضرات پر کتنا خوف طاری رہتا تھا؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے زیادہ کس کی زبان سچی اور پاک ہوسکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارتیں دیں تھیں وہ وحی الٰہی سے دیں تھیں، لیکن ان قطعی بشارتوں کے باوجود ان حضرات میں عُجب پیدا نہیں ہوا، بلکہ جلال الٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوف کا عالم یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

"یالیتنی شجرة تعضد ثم توکل۔"

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ۱۰۴ جلد ۱)

ترجمہ: "اے کاش میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا، اور پھر جانور اس کو چر لیتے"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خوف

اور حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ زمین سے تنکا اٹھا کر فرماتے تھے:

"اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، اے کاش! میری ماں نے مجھ کو جنم نہ دیا ہوتا، اے کاش! میں کوئی چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بھولا بسرا ہوتا"۔

(صفۃ الصفوۃ صفحہ ا جلد ا)

الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے خوف کے واقعات سے حدیث وسیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حقیقت تک پہنچ گئے تھے، ان کو بشارت اس وقت ملی جب وہ حقیقت تک

پہنچ گئے، اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت آئی تب بھی ان میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عجز میں اور ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا

قرآن کریم ان حضرات سے اللہ کے راضی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

"لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم۔" (الفتح: ۱۸)

ترجمہ: "راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے جب کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے درخت کے نیچے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے"۔

یعنی ان کے دلوں کو جانچ کر پرکھ کر اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عن المؤمنین کا اعلان فرمایا اور منبر و محراب پر قیامت تک یہ اعلان گونجتا رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کی رسائی حقیقت تک ہوگئی تھی، تو ایسے لوگوں کے سامنے سے اگر پردہ ہٹادیا جائے اور ان کی قبولیت عند اللہ ان کو جتا بھی دی جائے، اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے سے اس کا اعلان فرمادیں تب بھی ان میں عُجب اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ محض مولائے کریم کی عنایت ہے، اس کا فضل ہے، اور بغیر استحقاق کے اس کی عطا ہے، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے؟ وہ ان عنایاتِ ربانی کو

اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ مالک کے فضل سے اس کی عنایت اور اس کے لطف کی طرف منسوب کرتے ہیں،

قبولیت اعتکاف کی علامت

تو میاں! قطعی قبولیت کا تو خیال چھوڑ دو، اور یہ بھی کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہمارا اعتکاف قبول ہوگیا؟ کیونکہ وحی تو میرے پاس بھی نہیں آتی، اور تمہارے پاس بھی نہیں آتی، جس کے ذریعہ قبولیت کا قطعی فیصلہ ہوجائے، البتہ ایک علامت ہے، اس سے کچھ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ دس دن تک آپ حضرات مسجد میں جم کر بیٹھے تو کیا اس اعتکاف کے نتیجہ میں مسجد سے بھی تعلق پیدا ہوا؟ تم تو مسجد میں بیٹھے کیا مسجد بھی تمہارے دل میں بیٹھی؟ تم نے قرآن کریم کی تلاوت کی، کیا وہ تلاوت بھی تمہارے دل میں آئی؟ تم نے اللہ پاک کا نام لیا، کیا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اور اس کے پاک نام سے کچھ تعلق بھی پیدا ہوا؟ کچھ دل میں چاشنی بھی آئی؟ کچھ دل کو ذکر سے رغبت بھی ہوئی؟ تم مسجد کے اس نورانی ماحول میں کچھ وقت گزار کر واپس جارہے ہو اپنے ماحول کا اور اس نورانی ماحول کا کچھ فرق بھی محسوس ہوا؟ اور اس ماحول کی رغبت بھی پیدا ہوئی؟ اور اس ماحول کے اثرات بھی ساتھ لے جارہے ہو، یا سب کچھ یہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟ اور کیا آئندہ کے لئے اپنی زندگی کی لائن بدلنے کا بھی فیصلہ ہوا؟ اور کیا رضائے الٰہی کے لئے اپنی ہویٰ یعنی خواہش کو چھوڑنے کا بھی جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا؟ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہوگئی ہیں تو جس درجہ کی پیدا ہوئی ہیں. اس درجہ کی قبولیت ان شاء اللہ تمہیں حاصل ہوگئی، اور اگر یہ نہیں ہوا تو پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

حج مبرور کی فضیلت

حدیث شریف میں فرمایا ہے:

"والحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ۔"

(متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ، مشکوۃ صفحہ ۲۲۱)

ترجمہ: "حج مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔" (متفق علیہ عن حدیث ابی ہریرۃ۔ مشکوۃ صفحہ ۲۲۱)

ترجمہ: "جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس نے نہ کسی قسم کی فحش کلامی کی اور نہ گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ اس حالت میں واپس ہوگا گویا آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہے، یعنی پاک صاف ہوکر واپس آئے گا، اور ایسا حج، "حج مبرور" کہلاتا ہے"۔

حج مبرور کی علامت

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ "حج مبرور" کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرماں برداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے، پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج وصدمہ نہیں، اسی طرح دوسری چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن حج کرنے

کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائض شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک روحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج "حج مبرور" ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کا ذکر خیر

ہمارے بزرگ مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بزرگ استاذ حدیث تھے، اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "بینات" کے مدیر تھے۔ اور وہ میرے خاص محسن تھے کہ مجھے کراچی لانے کا سبب بنے، میں ضلع فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے قصبہ ماموں کانجن میں مدرس تھا۔ ایوب خاں کے زمانے میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ اٹھا تو میں نے اس کے خلاف مضامین لکھنا شروع کئے، ایک مضمون میں نے مولانا مرحوم کو بھیج دیا، اس مضمون کو پڑھ کر انہوں نے میرے حضرت بنوریؒ سے کہا تھا کہ اس کو کراچی بلوا لو، وہ مجھے جانتے نہیں تھے، نہ حضرت بنوریؒ سے میرا تعارف تھا، لیکن مرحوم نے میرا وہ مضمون پڑھا تو بغیر کسی سابقہ تعارف کے مجھے حاضری کا خط لکھ دیا، اور میں حضرتؒ کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا، اس طرح حضرتؒ سے اور ان کے مدرسہ سے میرا تعلق ہوگیا۔ پس میرے کراچی آنے کا سبب حضرت مولانا محمد اوریس میرٹھیؒ بنے تھے، ماہنامہ "بینات" جس کا میں اڈیٹر ہوں، اس کے پہلے مدیر مولانا مرحوم تھے، اور اب میں ان کا جانشین ہوں، اس لئے ان کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ مولانا مرحوم شروع میں کسی سے بیعت نہیں تھے (بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری سے بیعت ہوگئے

تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی محبت و عظمت ان کے دل میں ڈال دی تھی، حج و عمرہ سے ان کو والہانہ عشق تھا۔ جتنا پیسہ کماتے سب حج و عمرہ کے لئے جمع کرتے رہتے تھے اور سال میں دو مرتبہ ایک مرتبہ عمرہ پر اور ایک مرتبہ حج پر جانا گویا اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا۔

میرا مرشد تو بیت اللہ ہے

مرحوم فرمایا کرتے کہ میرا مرشد تو بیت اللہ ہے، میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، لوگ تو حج و عمرہ کرنے کو جاتے ہوں گے، مگر میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔ اور واقعی انہوں نے اپنے مرشد سے عجیب فیض اٹھایا تھا۔ یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان کے مرشد (بیت اللہ شریف) نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا تھا۔

مولانا مرحوم کی نماز کی کیفیت

اتنی اچھی اور نفیس نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاس کھڑا ہونے والا بھی اس کی لذت وحلاوت محسوس کرتا تھا۔ نماز کے سجدہ میں ماثور دعائیں بڑے درد اور سوز سے کرتے تھے، ایک دن مجھ سے کہنے لگے حنفیہ سجدہ میں دعائیں کیوں نہیں کرتے؟ (ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ امام سجدہ میں بس تسبیحات پڑھے، لمبی دعائیں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہو۔ جب کہ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ جو دعائیں حدیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھے) میں نے حضرت مولانا کے اس سوال کے جواب میں کہ "حنفیہ سجدہ میں دعا کیوں نہیں کرتے؟" ان کی خدمت میں اپنے اکابر کی توجیہ عرض کی، اس توجیہ کو وہ بھی جانتے تھے۔ لیکن

ان کا ذوق تھا کہ سجدہ میں خوب دعا کی جائے، اس لئے جھنجلا کر کہنے لگے، "نہیں جی! چھوڑو!" وہ خوب مزے کے ساتھ سجدہ کرتے تھے، اور اس میں دعائیں مانگتے رہتے تھے، ایک دفعہ کچھ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے، "اب میں ٹھیک ہوجاؤں گا اس لئے کہ میں نے سجدہ میں یہ دعا کی ہے:

"انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔"

(الانبیاء: ۸۳)

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"(اے میرے پروردگار!) مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں"۔

یعنی آپ ارحم الراحمین ہیں، آپ کی رحمت بھی کامل، قدرت بھی کامل، اپنی رحمت کے صدقے میری تکلیف کو دور فرمادیجئے۔

مولانا مرحوم کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ

مدرسہ میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دوسرے استاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے۔ ان استاد کو یہ کہہ کر اٹھادیا کہ اٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے، مدرسہ کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے۔ یوں بھی آپ مدرسہ میں سب سے معمر بزرگ تھے۔ اس لئے سبق پڑھانے والے استاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اٹھ گئے، حضرت سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطففین چل رہی تھی، اور آج کا سبق یہ تھا:

"کلا ان کتب الابرار لفی علیین ۞ وما ادرک ما علیون ۞ کتب مرقوم ۞ یشهده المقربون ۞ ان الابرار لفی نعیم ۞ علی الا رآئک ینظرون ۞ تعرف فی وجوههم نضرة النعیم ۞ یسقون من رحیق مختوم ۞ ختمه مسک و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون ۞ ومزاجه من تسنیم ۞ عینا یشرب بها المقربون۔"

(المطففین ۱۸۔ ۲۸)

ترجمہ: "ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علیین میں ہے، اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علیین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرب فرشتے، بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں، تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی، جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرب حضرات)"۔ (ترجمہ شیخ الہند" بتصرف یسیر)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کر کے اوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور انتقال ہوگیا، گیارہ بجے کے بعد سبق پڑھا رہے تھے، وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔

وفات کے بعد ان کی کرامت

وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا ہے؟ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا۔ حالانکہ حضرتؒ کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ بڑے میاں کو اتنا پوڈر کیوں لگادیا؟ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔

الغرض جن کو حج مقبول نصیب ہوجاتا ہے، حج سے یوں ان کی زندگیاں بدلتی ہیں، حج کرنے والے یوں حج کرتے ہیں کہ بیت اللہ ان کا مرشد بن جاتا ہے۔ تو میرے بھائی! تم نے جو اعتکاف کیا ہے اگر اس سے یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوگئیں، اور قبولیت کے یہ آثار تمہیں نصیب ہوگئے تو توقع رکھو کہ ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ لے کر گئے۔ بس یہ مضمون ختم ہوا۔

اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ

اب اصل بات جو مجھے آپ سے کہنی تھی وہ عرض کرتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ آج میں آپ حضرات سے درخواست کروں کہ یہاں سے جاتے ہوئے اس اعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ۔ اور اعتکاف کی سوغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، یہاں سے جاتے ہوئے یہ سوغات لے کر جاؤ، اس لئے جی چاہا کہ آپ حضرات کو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تقسیم کروں۔

"حکایات صحابہؓ" میں عشق نبوی ﷺ کا بیان

اور یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ ہمارے ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے عشاء کے بعد جب "حکایات صحابہؓ" سنائی۔ تو اس میں بھی وہی مضمون نکل آیا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ماشاء اللہ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے یہ مضمون بہت والہانہ انداز میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق و محبت کے واقعات ذکر کیے ہیں۔

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صلہ

اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللّٰہ! متی الساعة ؟۔"

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی؟"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ویلک! وما اعددت لها؟۔"

"تیرا ناس ہوجائے، تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟"۔

وہ شخص نہایت سادگی سے کہنے لگا:

"ما اعددت لها كثير صلوة ولا صيام الا انی

احب اللّٰہ ورسولہ۔"

"میں نے اس کے لئے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انت مع من احببت۔"

"قیامت کے دن تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے"۔ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ۴۲۶)

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا یہ عظیم صلہ ہے کہ ان حضرات کو جنت میں معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوگی۔

خوب یاد رکھو! جن لوگوں سے محبت رکھتے ہو، تمہارا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، اگر اہل اللہ سے محبت رکھتے ہو تو ان شاء اللہ ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر فاسقوں بدکاروں سے محبت رکھتے ہو تو (نعوذ باللہ) ان کے ساتھ حشر ہوگا۔ قادیانیوں مرزائیوں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہو تو انہی کے ساتھ

اٹھائے جاؤ گے۔

دنیا میں محبت کا صلہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بہت سے حضرات جاہلیت کے زمانے میں شراب کے عادی تھے، اور جب تک شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا اسلام لانے کے بعد بھی پیتے تھے، پھر یکایک اعلان ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس طرح چھوڑ دی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ شراب کے برتن توڑ دیئے گئے، اور شراب مدینہ کے گلی کوچوں میں سیلاب کی طرح بہنے لگی، لیکن انسان آخر انسان ہے اس سے کبھی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے، صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کا لقب حمار تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خوش طبعی کی باتوں سے ہنسایا کرتے تھے، ان سے یہ غلطی ہوئی کہ شراب کے حرام ہوجانے کے بعد انہوں نے شراب پی لی، اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، ایک دن دوبارہ لائے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، تو ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا:

"اللھم العنہ، ما اکثر مایوتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؟"

ترجمہ: "اس پر اللہ کی پھٹکار ہو! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنی کثرت سے بار بار لایا جاتا ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

"لاتلعنوه فو اللّٰه ماعلمت انه یحب اللّٰه ورسولہ" (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۲ جلد ۲، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۶)

ترجمہ: "اس پر لعنت نہ کرو! کیونکہ اللہ کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہ صاحب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بڑی بشارت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوجانا۔ اور ایک مسلمان کو اپنے گناہ گار بھائی کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائیں، یہ دعا نہیں کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیں۔

کیونکہ جب کوئی شخص نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا تو شیطان خوش ہوگا کہ میں نے اس شخص کو تو اپنے جیسا بنالیا ـــــ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس وشیطان کے بہکانے سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور پھر فوراً ہی اس کو اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی لاحق ہوجائے، اور وہ اپنے آپ کو سزائے شرعی کے لئے پیش کردے (جیسا کہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کیا) تو اس سے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! کامل ترین محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اس حدیث سے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ تو آپ کے اور ہمارے اعتکاف کی سوغات یہ ہے کہ ہم اور آپ مسجد سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت لے کر جائیں۔ ایسی محبت جو ہمارے رگ وریشے میں سرایت کر جائے، اور وہ محبت ہمیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال دے۔

محبت کے تقاضے

محبت کے کچھ تقاضے ہیں، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب قلب میں محبت آتی ہے تو آدمی آداب محبت بھی سیکھ لیتا ہے۔ ع

"محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی"

ذرا ہمت کرکے میدان محبت میں قدم تو رکھو، محبت کرکے پھر دیکھو کہ یہ تمہیں آداب کس طرح سکھاتی ہے۔ ان شاء اللہ! حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے محبت کے آداب ولوازم بھی عطا کردئے جائیں گے، اور محبت کا سلیقہ بھی دے دیا جائے گا۔

محبت کے آداب ولوازم

اب میں مختصر طور پر محبت کے چند آداب واوصاف ذکر کرتا ہوں۔

محبت کا سب سے پہلا ادب ہے محبوب کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔ محبوب، عاشق کو حکم نہیں دیا کرتے، بلکہ عاشق ان کے اشارہ چشم وابرو سے ان کا منشا پہچان لیتے ہیں، اور محبوب کے اشارہ چشم وابرو پر جان قربان کردیتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو ہم اپنی خواہش پر ترجیح دینے لگیں، اور اپنی خواہشات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک پر قربان کردیں۔

ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کو آنحضرت سے محبت ہے، لیکن ہماری محبت خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری ہے، اس لئے جب ہماری خواہشات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو محبت کی چنگاری بھڑکتی نہیں، اور ہماری خواہشات کے خس وخاشاک کو جلاکر بھسم نہیں کرتی۔

ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الامتؒ کا جواب

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے حضرت ایک اشکال ہے، فرمایا کیا؟ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ ولدہ والناس اجمعین۔"

(متفق علیہ، مشکوۃ ص ۱۲)

ترجمہ: "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں

تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب بن جاؤں اس کے
باپ سے بھی، اس کی اولاد سے بھی، اور تمام انسانوں سے
بھی"۔

اور شبہ یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے زیادہ محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنے باپ سے ہے، تو میں مؤمن نہ ہوا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا نہیں! خان صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دل میں اپنے والد سے زیادہ ہے۔ کہنے لگا، اجی! میں تو اپنے والد میں محبت زیادہ محسوس کرتا ہوں، فرمایا، نہیں! خیر بات ختم ہوئی، اسی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریفہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت ودل ربائی کا تذکرہ فرمایا، اور ایسے انداز سے تذکرہ فرمایا کہ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے:

کسی کا ذکر ہے اور اہل محفل مست وبے خود ہیں
بظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے، نہ پیمانہ

حضرت حکیم الامتؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر فرمارہے تھے اور اہل محفل پر ایک مستی کا عالم طاری تھا، بقول کسی کے ع

"ذکر اس پرلوش کا اور پھر بیاں اپنا"

اور یہ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے سب سے زیادہ جھوم رہے تھے، حضرتؒ نے چلتے چلتے ارشاد فرمایا کہ خان صاحب! خیر اس کو تو چھوڑیئے! آپ کے والد ماجد بہت اچھے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو اس وقت رہنے دیجئے۔ آپ کے والد ماجد بہت اچھے آدمی تھے

کچھ ان کا ذکر خیر بھی ہو جائے۔ خان صاحب کہنے لگے کہ حضرت! یہ آپ نے کیا غضب ڈھایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقدس ہو رہا تھا اور آپ میرے والد کا قصہ لے بیٹھے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا، کیوں خان صاحب! آپ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبت ہے، اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باپ سے محبت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بجائے اپنے باپ کا تذکرہ شروع ہونے سے آپ کو غیرت کیوں آئی؟

آنحضرت ﷺ کی محبت ہر مؤمن کے دل میں ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ الحمد للہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے قلب میں ہے، خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو، کتنا ہی لتھڑا ہوا ہو، جو شخص سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھتا ہے، اس کے دل میں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ضرور ہے، اور محبت بھی ایسی جو تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر ہے، نہ ماں باپ سے ایسی محبت ہو سکتی ہے، نہ اولاد سے، نہ بیوی سے، نہ کسی اور سے۔ کسی سے ایسی محبت نہیں ہو سکتی ہے جیسی کہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

لیکن محبت کی یہ چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہ اپنا اثر نہیں دکھاتی، اور وہ راکھ کیا ہے؟ خواہشات کی راکھ، نفسانی لذتوں کی راکھ، مادی تعلقات کی راکھ، آخرت سے غفلت کی راکھ، اور دنیاوی مفادات کی خاطر اپنی من مانیاں کرنے کی راکھ، میرا کہنا یہ ہے کہ محبت کی اس چنگاری کو اس راکھ کے

ڈھیر سے باہر نکالو! اور ذرا اس کو ذکر الٰہی کی ہوا دو، پھر اس کی تپش دیکھو۔ بقول مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ”عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اٹھتا ہے تو سارے جہان کو پھونک ڈالتا ہے“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا عزم کرکے اس کو خواہشات کی راکھ میں سے نکالو! تمہارے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت دبی ہوئی ہے وہ تمہارے چہروں پر نظر آئے، تمہارے لباس میں نظر آئے، تمہاری چلت پھرت میں نظر آئے، تمہارے اعمال میں نظر آئے، اخلاق میں نظر آئے، گفتگو میں نظر آئے، تمہارے معاملات میں نظر آئے، تمہارے بازار میں نظر آئے، تمہارے دفتر میں نظر آئے، تمہارے گھر میں نظر آئے۔

آپ ﷺ کی محبت کی خوشبو آنی چاہئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو وہ کستوری ہے کہ اگر اس کو بند نہ رکھا جائے اور اس کو خواہشات کی راکھ کے نیچے دبا نہ دیا جائے تو ہر جگہ مہکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک سراپا معطر تھا، تم نے سنا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سے گزر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے گلی کوچے مہک جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایسا معطر تھا کہ عنبر و کستوری کی خوشبو اس کے مقابلہ میں ہیچ تھی۔ تم نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چودہویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اور جب مسکراتے تھے تو دندان مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی نظر آتی تھیں، تاریک اور اندھیری رات میں گھر کے اندر روشنی ہوجاتی تھی، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا فرماتی ہیں کہ میں مسکراہٹ کے وقت دندان مبارک سے نکلنے والے نور کی روشنی سے سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھی۔ بہت سے اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کمرہ منور اور معطر ہو گیا اور بیدار ہونے کے بعد بھی کمرے سے خوشبو آتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جمال جہاں آراء اگر ہمارے دل میں بس جائے تو اس کی شعائیں ہمارے چہرے سے پھوٹنے لگیں، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دل ودماغ میں رچ بس جائے تو اس کی خوشبو ہمارے وجود میں سے آنے لگے، اور ہماری اس خوشبو سے بازار مہک اٹھیں، اس سے ہمارے دفاتر مہک اٹھیں، اس سے ہمارے گھر مہک اٹھیں، ایسی محبت کا رنگ اور ایسی محبت کی جھلک تمہیں ہر جگہ نظر آئے، ہماری ہر نشست وبرخاست میں نظر آئے۔

درود شریف کی خوشبو

بہت سے اکابر کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شب جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات درود شریف پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ تو میں انکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں، محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

محبوب کے تعلق والوں سے محبت

اور دوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے تعلق والوں سے محبت ہو، مشہور ہے کہ مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کے پاؤں چومتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے گزرا ہے، بس اتنا تعلق تھا کتے کو لیلیٰ سے، لیکن عاشق کی نظر میں اتنا سا تعلق بھی اس کے پاؤں چومنے کو کافی تھا۔ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق ہو، سچی محبت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے درجہ بدرجہ ہمارے محبوب بن جائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی عزت وحرمت ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اور جزو ایمان بن جائے۔ آخر کیا بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعلق والے حضرات کے بار بار فضائل بیان فرمائے؟ کبھی عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے، کبھی خاص خاص حضرات کے، کبھی مہاجرین کے، کبھی انصار کے، کبھی اصحاب بدر کے، کبھی اصحاب حدیبیہ کے؟ اس لئے کہ ان حضرات نے اللہ ورسول کی راہ میں محض رضائے الٰہی کی خاطر قربانی وجاں نثاری کے بے مثال نمونے پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعلق ومحبت کا حق ادا کردیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کی عزت وحرمت ہمارے لئے جزو ایمان بن گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام ومتعلقین ہمارے لئے محبوب ومعظم بن گئے۔ صحابہ کرام بھی، اہل بیت عظام بھی۔

حضرت ابوبکر وعمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب کے سرتاج تھے، اس لئے

وہ سب سے آگے نکل گئے۔ پوری امت میں ان کے برابر کا کوئی نہیں، حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ابتدائے نبوت سے عطا فرمائی، اور آج تک روضہ "مطہرہ" میں بھی یہ رفاقت حاصل ہے۔ انشاء اللہ! حشر میں بھی حاصل ہوگی، اور جنت میں بھی ——

میں نے اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قسمت کے کیا کہنے، جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودہ راحت ہیں، ان حضرات کو ساری عمر رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل رہی، اور رفاقت کا یہ سلسلہ اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا، یہ رفاقت آج بھی باقی ہے، اس موقع پر میں نے فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ فارسی شعر نقل کیا ہے کہ:

از پاک داماں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

یعنی: "حسن، پاک دامنوں سے احتراز نہیں کیا کرتا، بلکہ پاک دامنوں کو حسن اپنا جلوہ دکھاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ آفتاب جو مظہر حسن ہے، آئینہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سویا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ پاک وصاف ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ آئینہ آفتاب کے سامنے کردو تو وہ آفتاب کو آغوش میں لے لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب حسن ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئینہ کی طرح پاک صاف ہیں، وہ جمال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج بھی ہم آغوش ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، اور جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے اٹھیں گے۔ گویا حشر کے دن بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل رہے گی، اور پھر جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ان دونوں بزرگوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، بزرگان دین، اولیاءِ عظام اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام بندے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے منظور نظر ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات والطاف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا لازم ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے دشمنی بھی رکھتے ہو؟ بھئی، یہ تو آئین وفا کے خلاف ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت رکھو۔

آنحضرت ﷺ کے دشمنوں سے بغض

اور آئین وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے دشمنوں سے بغض اور نفرت رکھو۔ ہمارا جذبہ محبت یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں وہ میرے دشمن ہیں۔ تمہیں کتے اور خنزیر سے اتنی نفرت نہ ہو جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہو، تمہیں کسی گندگی اور غلاظت سے اتنی بدبو نہ آئے جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بدبو آتی ہو، یہ قادیانی ٹولہ اور اسی طرح کے دوسرے لوگ، رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، موذی ہیں، گستاخ ہیں، لیکن تم ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو، اور دعویٰ محبت بھی رکھتے ہو؟ غلط! بالکل غلط! اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، محبت ہوتی تو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بغض ہوتا، ان سے نفرت ہوتی۔

قادیانی دوست؟

بعض لوگ مجھے خط لکھتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے" —— "میرا ایک عیسائی دوست ہے" —— "میرا ایک ہندو دوست ہے"۔ مجھے اس لفظ سے بہت تعجب ہوتا ہے، کہ کیا تمہاری ہر قادیانی سے، ہر عیسائی سے، ہر ہندو سے دوستی ہے؟ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو کیا کوئی قادیانی، کوئی ملحد و زندیق، کوئی بددین، بے ایمان، کوئی عیسائی اور چوہڑا تمہارا دوست ہو سکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی غیرت مند کی اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی دوستی ہو سکتی ہے؟ کیا تم نے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی کبھی کہا کہ "میرا ایک دوست میرے باپ کا قاتل ہے؟" تم بلاتکلّف لکھ دیتے ہو کہ "میرا ایک قادیانی دوست ہے"۔ اور یہ سوچتے نہیں کہ کیا ایک قادیانی مرتد بھی کبھی کسی مسلمان کا دوست ہو سکتا ہے؟ کیا تمہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی بھی تمیز نہیں؟ جو لوگ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جو لوگ کہ ملعون قادیانی کو "مسیح موعود" اور "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں، تم ان کو اپنا دوست کہتے ہو؟ اس لئے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت ہو، اسی طرح ایک

تقاضائے محبت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ایسی نفرت ہو، ان سے ایسا بغض ہو کہ ایسی نفرت اور ایسا بغض پلید سے پلید چیزوں سے بھی نہ ہو۔

امیر شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اپنی زندگی میں صرف دو چیزوں سے نفرت ہے، ایک قادیانی، دوسرے انگریز، باقی کسی سے ایسی نفرت نہیں"۔ اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "میں ان سؤروں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے تیار ہوں جو انگریز کی کھیتی کو نقصان پہنچائے"۔ اور ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں فرماتے تھے کہ "خواجہ ناظم الدین صاحب! مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کردیجئے! میں اس کی شکر گزاری میں ہر خدمت اور ہر نوکری بجالانے کو تیار ہوں"۔ یہ قادیانیوں اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی نفرت کا اظہار تھا، اب اس سے زیادہ نفرت کا اظہار کیسے کریں؟ اور پھر اس کا صلہ بھی دیکھا؟ جو حضرت امیر شریعتؒ کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا؟ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ فوت ہوگئے ہیں، ان کے صاحبزادے موجود ہیں، ان سے پوچھ لو، حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، اور وہاں پہنچ کر ہجرت کا ارادہ کرلیا، کہ باقی زندگی بس یہیں رہنا ہے، پاکستان واپس نہیں جانا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حکم فرمایا کہ "یہاں رہنے کی اجازت نہیں، واپس پاکستان جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے، وہاں رہ کر دین کا کام کرو، اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہہ دینا"۔

محبت والوں کو بارگاہ عالی سے نوازا جاتا ہے

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کر کے تو دیکھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات کا لطف دیکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر محبت رکھنے والے کو اس کی محبت کا صلہ محبت سے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وفادار ہیں، ہماری پنجابی میں اس کو "لج پال" کہتے ہیں، یعنی لاج رکھنے والے —— آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اپنے محبین کی لاج رکھنے والے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے آداب و شرائط کو بجالاؤ۔ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں کہیں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بزرگ غالباً حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے یہاں ایک کتا تھا، ایک دن اس کو دیکھا کہ کتیوں کے پیچھے پھر رہا ہے، فرمایا کہ اس کو نکال دو یہاں سے، یہ ہمارے دروازے پر رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تم کتیوں کے پیچھے پھرتے ہو، اور چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے لائق بن جاؤ؟ کتوں اور کتیوں کے پیچھے پھرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں محبوب ہو جائیں؟ اور ہم مقبول بن جائیں؟

عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں جاتی

کہتے ہیں کہ "جی! بد نظری ہو جاتی ہے"۔ ارے اگر تمہاری ایک پر نظر ہوتی تو دوسرے پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں، یوں کہتے ہیں کہ ایک حسینہ جارہی تھی کوئی لونڈا اس کے پیچھے لگ گیا، وہ اس سے کہنے لگی کہ "تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہو؟" اس نے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"۔ حسینہ نے کہا "ارے تم مجھ سے محبت کر کے کیا لوگے؟ پیچھے میری بہن آرہی ہے، اگر تم اس کو دیکھ لو تو

اس پر ایسے فریفتہ ہو جاؤ کہ مجھے بھول جاؤ، میں تو حسن و جمال میں اس کی پاسنگ بھی نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ وہ دیکھو! پیچھے میری بہن آرہی ہے"۔ اس نوجوان نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس حسینہ نے نوجوان کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، اور کہنے لگی کہ "او بوالہوس! دعویٰ عشق کا؟ اور دوسروں کو دیکھنا؟" عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بس اسی کے ہو رہو، اس کے علاوہ کسی کو دیکھو ہی نہیں۔ عارف کہتے ہیں:

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم ازہمہ عالم فرو بند

ترجمہ: "تمہارا جو محبوب ہے بس اسی میں دل لگاؤ، اس کے
سوا سارے عالم سے آنکھیں بند کرلو"۔

سنو!! مسجد میں بیٹھا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور صاحب جمال دلربا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا، محبت کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو، تم کن چیزوں کے پیچھے لگ گئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تم کن سفید چمڑیوں کے پیچھے لگے ہو؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرا من کل عیب
کانک قدخلقت کما تشاء

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی

کوئی شخص میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحب جمال کسی ماں نے بچہ نہیں جنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے بنادیئے گئے"۔

اور میری اماں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے"۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمال یوسفی سے ایسی مبہوت ومدہوش ہوئیں کہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ ام المؤمنین فرماتی تھیں کہ "زنان مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ اگر وہ میرے یوسف کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھ لیتیں تو چھریاں ہاتھوں پر نہ چلتیں بلکہ دلوں پر چلتیں اور اپنی گردنیں کاٹ لیتیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل دنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی وضع اور شکل وشباہت اختیار کرو

اللہ کے بندو! تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت کو چھوڑ کر غیروں کی شکل وشباہت اپناتے ہو؟ تمہیں گمراہ اور ملعون قوموں کی شکل وشباہت اور طور وطریق بھاتے ہیں؟ ہائے! تمہاری نظریں کدھر بھٹک گئیں؟ آؤ! جمال محمدی کو دیکھو! (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوب رب العالمین کے طریقوں کو اپناؤ!!

آنحضرت ﷺ محبوب رب العالمین ہیں

دیکھو! تم کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کو حسین دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہو، اب سوچو کہ جس مقدس ہستی سے رب العالمین محبت کرتا ہے اور جو ہستی حبیب کبریاء ہے اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کے حسن انتخاب نے پوری کائنات میں سے حسین ترین ہستی کو چن کر اپنا محبوب بنایا ہے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی اس مخلوق سے محبت فرمارہے ہیں جن کو خود پیدا کیا ہے، اس سے کچھ اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے حسین و جمیل ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرمارہے ہیں؟ الغرض محبوب رب العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسروں کے طور و طریق سے نظریں ہٹادو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر اپنی نظریں گاڑ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ فارسی کی ایک غزل ہے اس کے دو شعر بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حال ہیں، اس کا ایک شعر تو یہ ہے:

همه آهوان صحرا سرخود نهاده برکف
بامید آنکه روزے به شکار خواهی آمد

ترجمہ: ”جنگل کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر لئے پھر رہے ہیں، اس امید پر کہ کسی دن آپ صلی اللہ علیہ

وسلم شکار کے لئے تشریف لائیں"۔

یہ حجۃ الوداع کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربان کئے تھے، سات اونٹوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپک رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بسم اللہ فرمائیں۔

اور فرماتے تھے کہ دوسرا شعر ہے ؎

عشقے کہ بتو دارم نہ گزاردت بدیں ساں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ترجمہ: "مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے وہ آپ کو ایسے تو چھوڑے گی نہیں، اگر جنازے پر نہیں، تشریف لائیں گے تو مزار پر آئیں گے"۔

اس کی شرح یہ ہے کہ قبر میں مردہ سے تین سوال کئے جاتے ہیں۔
① تیرا رب کون ہے۔ ② تیرا دین کیا ہے۔ ③ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ: "تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

بعض اکابر فرماتے ہیں کہ قبر میں مردہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کر یہ سوال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ ثابت ہو تو مؤمن کے لئے بڑی بشارت ہے۔

سُنّت سے طبعی رغبت ہونا

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے ہمیں طبعی رغبت ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو لوکی پسند تھی، میں سات سال تک لوکی کھاتا رہا ہوں۔ دو وقت روزانہ لوکی کا سالن کھاتا تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھی، مجھے اس پورے عرصے میں کبھی اس سے اُکتاہٹ نہیں ہوئی، ایک دفعہ بیمار ہوا تو ڈاکٹر حکیموں نے یہ کہہ کر کے چھڑادی کہ مسلسل لوکی کھانے سے اس کا معدہ ٹھنڈا ہوگیا ہے اس کی لوکی چھڑاؤ، تب سے یہ چھوٹ گئی، ورنہ سات سال تک بغیر اکتاہٹ کے دو وقت کھاتا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہماری رغبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت میں فنا ہوجائیں اور ہمارا یہ ذوق اور مزاج بن جائے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ ہمیں محبوب ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے سے داڑھی کے بال نہیں رکھے جاتے، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ، اور یہ معمولی سا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ میرے بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے؟ تم یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرتے ہو لیکن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے تمہیں بھول گئے ہیں، اور بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ ان کو ان چیزوں سے نفرت ہوگئی ہے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق سے نفرت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غور کرو اور انصاف کرو کہ کیا کسی اُمتی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور وطریق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت سے نفرت ہوسکتی ہے؟ اور جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع اور شکل وشباہت سے نفرت ہوجائے اس کو مسلمان کہنا صحیح ہے؟

ایک حدیث

اب آخر میں ایک حدیث نقل کرکے ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"احبوا اللّٰہ لما یغذوکم من نعمہ، واحبونی لحب اللّٰہ، واحبوا اھل بیتی لحبی۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اپنی نعمتوں سے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی وجہ سے"۔

حق تعالیٰ محبوب مطلق ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہ کی محبت ان کی ذات عالی کی وجہ سے بھی لازم ہے، ان کی صفات کمال اور جلال وجمال کی وجہ سے بھی، اور ان کی عطاء ونوال کی وجہ سے بھی۔ چونکہ انعامات واحسانات کا استحضار عام لوگوں کے لئے محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: "الانسان عبدالانسان۔" "انسان احسان کا غلام ہے"۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انعامات الٰہیہ کو پیش نظر رکھنے کا حکم فرمایا، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں غذائیں دیتا ہے، روزی عطا کرتا ہے، وہ تمہارا خالق بھی ہے مالک بھی ہے، مربی بھی ہے، رب العالمین بھی ہے، اس لئے اس سے محبت رکھنا لازمۂ عبدیت ہے۔ اور سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی بھی اللہ کی عطاؤں میں سے ایک عطاء ہے، اصل معطی حقیقی

وہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی زندگی تمہارے سامنے گزری ہے۔ جب تم نے اس انسان کامل کو نہیں پہچانا تو رب العالمین کو کیسے پہچانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں چلتے پھرتے نظر آتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر فریفتہ نہیں ہوسکے تو پروردگار عالم جل شانہ تو ان مادی آنکھوں سے کبھی نظر بھی نہیں آتے ان سے تم کیا محبت کروگے؟ درحقیت اللہ تعالیٰ ہی محبوب حقیقی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب ہیں تمام انبیاءؑ کرام کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ کی شان محبوبیت کا مخلوق کیا ادراک کرسکتی ہے؟ سبحان اللہ! ہمارے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پنجابی میں حسین اور خوبصورت کو "سوہنا" کہتے ہیں۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ دوسرے حسین تو "سوہنے" ہیں، یعنی صاحب حسن وجمال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو "سوہنا" نہیں بلکہ "سناہپ" کہنا چاہئے۔ یعنی "عین حسن وجمال" اس کا جمال اپنی آخری انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں، وہ صاحب جمال نہیں بلکہ "عین جمال" ہیں۔

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو! اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون تک تمہاری نظر نہیں جاتی، اگر اللہ تعالیٰ کی صفات جلال وجمال تک بھی تمہاری نظر نہیں پہنچتی تو اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ تمام انعامات ظاہری وباطنی اسی کی عطا ہیں، اور اس کے انعامات کسی ایک شخص تک محدود نہیں، بلکہ پورے کا پورا

جہان اس کے انعامات واحسانات کے دریا میں غرق ہے۔

ایک جامع دعائے شکر

میں نے یہاں مسجد میں ایک دعا لکھوا کے لگائی تھی، اب شاید اتار دی گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اور شام تین تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے:

"اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدک لا شریک لک فلک الحمد ولک الشکر۔"

ترجمہ: "یا اللہ! آج کے دن مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جو کوئی بھی احسان ہے اور جو کوئی بھی نعمت ہے وہ محض اور صرف ایک آپ ہی کی جانب سے ہے، اس کی عطا میں اور کسی کا دخل نہیں، سو آپ ہی کے لئے حمد ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعا صبح کو تین مرتبہ پڑھے اس نے سارے دن کی نعمتوں کا شکر ادا کردیا، اور جو شخص شام کو یہ دعا تین مرتبہ پڑھے اس نے رات بھر کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کردیا۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا کی تلقین فرمائی۔ اس دعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام انعامات کا منبع اور تمام فیوضات وبرکات کا سر چشمہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے، وہی پاک ذات لائق حمد ہے، اور وہی لائق شکر ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر۔ اس لئے اگر تم کو

حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہیں تو کم سے کم اس کے بے پایاں احسانات کی وجہ سے اس سے محبت رکھو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"اور مجھ سے محبت رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے"۔

"اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتے ہیں تو تم کو بھی بدرجہ اولیٰ مجھ سے محبت رکھنی چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی بنا پر محبت رکھتے ہو تو مجھ سے بھی محبت رکھو، اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم و تربیت کے لئے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے، تمہیں محبوب حقیقی کا راستہ بتاتا ہوں، آداب عبدیت، آداب انسانیت تم کو سکھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری دنیا و آخرت کی خیر میری پیروی میں رکھی ہے، اس لئے تمہارا اولین فرض ہے کہ مجھ سے محبت کا تعلق رکھو۔ اور فرمایا کہ:

"میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو"۔

گویا جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس کو لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت ہوگی، اور جس شخص کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی، آل و اولاد کی محبت نہیں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت نہیں، اس کا دعوائے محبت ہی نہیں بلکہ دعوائے ایمان بھی مشکوک ہے۔

اب دعا کیجئے

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار اور اہل بیت عظام کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اس محبت کے لئے مستعد فرمادیں، اور ہمارے دلوں پر جو خواہشات کا زنگ ہے، گرد و غبار ہے، سیاہی و تاریکی ہے اور نامعلوم کیا کیا گند بلا ہمارے دلوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہمارے دلوں سے نکال کر اپنے لطف وکرم سے ان کو پاک صاف فرمادیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھردیں، اور محبت کی خوشبو ہمیں نصیب فرمائیں۔ یااللہ! ہم محتاج ہیں، یااللہ! ہمارے احتیاج پر، ہمارے فقر پر، ہماری بے کسی وبے بسی پر رحم فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد النبی الامی والہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ اجمعین، برحمتک یا ارحم الراحمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

لیلۃ القدر

کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی اعبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

فضائل رمضان میں ایک جامع حدیث

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" کے خاتمہ میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ خاتمے میں ایک طویل حدیث، جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کرکے اس رسالے کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کے لئے جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے

نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام "میثرہ" ہے، (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالا خانوں کے درمیان کھڑی ہوکر آواز دیتی ہیں کہ "کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا، تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟" پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ "رضوان" سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ "رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں کے لئے آج کھول دیئے گئے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے، اور "مالک" یعنی جہنم کے داروغہ سے فرما دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے، اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور "سرکش شیاطین" کو قید کرو، اور ان کے گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔" نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک "منادی" کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ "ہے کوئی مانگنے والا کہ جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار نہیں، اور ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان المبارک میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہوچکے تھے۔ اور جب رمضان المبارک کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔ اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں، وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو بیت اللہ شریف کے اوپر کھڑا کردیتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازوؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو

تقاضا (حکم) فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں، اور اس سے مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی حاجتوں اور مؤمنوں کی ضرورتوں کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر عنایت اور توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو (اور اس سے توبہ نہ کرے) دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا ہو، اور ناتا توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو، جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو (اس کا نام آسمانوں) پر "لیلۃ الجائزہ" یعنی "انعام والی رات" سے لیا جاتا ہے۔ اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیج دیتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں،

اور ایسی آواز سے، جس کو انسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت! اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا پورا کام کرچکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان المبارک کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرماکر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو! میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کروگے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے، میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا)، میری عزت کی قسم! اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت

نہیں کروں گا۔ پس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف
لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا، میں تم سے راضی ہوگیا۔
پس فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جوان کو عید الفطر کے
دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔
"اللھم اجعلنا منھم" "یا اللہ! ہمیں بھی ان میں
شامل فرما۔ آمین" (فضائل رمضان صفحہ ۶۰)

شب قدر رحمت خداوندی کی رات

میں نے حدیث کا صرف ترجمہ پڑھا ہے۔ اس پر شیخ نوّر اللہ مرقدہ نے کچھ فوائد بھی لکھے ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک مختصر سا نقشہ اس حدیث شریف میں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حال پر کتنی عنایت اور کتنی رحمت ہے، اور کریم آقا نے اپنے بندوں کو بخشنے کے لئے کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ یہ ستائیسویں رات عام طور پر شب قدر کی رات کہلاتی ہے، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ شب قدر کی رات کون سی ہے، کون سی طاق رات میں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں علما کے بہت سے اقوال ہیں، عام علما کرام کا رجحان یہ ہے کہ ستائیسویں کی رات شب قدر ہوتی ہے۔ بہرحال شب قدر خواہ کوئی سی رات میں ہو، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں ہمیں نصیب فرمائے۔ اب اس سلسلے میں کوشش کروں گا کہ مختصراً چند باتیں عرض کروں۔

حضرت عائشہؓ کی برأت کا واقعہ

پہلی بات یہ ہے کہ سورہ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقوں کے بہتان لگانے کے قصہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ منافقوں کی اس لب تراشی سے متأثر ہوکر ایک دو مخلص مسلمان بھی اس میں ملوث ہوگئے تھے، وہ بھی باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سخت الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی ہے:

"یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا۔ الآیۃ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے۔"

کسی مسلمان پر تہمت لگانا، اور مسلمان بھی کون؟ مسلمانوں کی ماں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ان پر کسی مسلمان کی طرف سے گندگی کا منسوب کیا جانا کوئی چھوٹی بات ہے؟ حضرت مسطح ابن اثاثہ مہاجرین میں سے تھے اور نادار فقیر تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزیز تھے، ان کے تمام خرچ اخراجات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہ بھی منافقوں کی باتوں سے متأثر ہوکر اُم المؤمنینؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب حضرت عائشہؓ کی برأت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، اولئک مبرء ون مما یقولون الخ یعنی منافق لوگ جو بدزبانی کررہے ہیں، یہ حضرات اس سے بری ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رنج کا واقعہ

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت کا اعلان

فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ تو آنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ انہوں نے غصے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح ابن اثاثہ کو خرچ نہیں دوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ غصہ اللہ کی خاطر تھا، کسی کی بیٹی پر ایسی تہمت لگائی گئی ہو تو خود سوچئے کہ پھر ہمارا معاملہ اس تہمت لگانے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیٹی پر بدکاری کی تہمت کون برداشت کرتا ہے؟ پھر یہ بیٹی بھی تو عام بیٹیوں جیسی نہیں تھی، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ الغرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور غصہ میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح کو خرچ نہیں دیں گے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی اس قسم سے باز رکھنے کے لئے سفارش فرمائی، گویا مسطح کی سفارش کی کہ ان کا خرچ بند نہ کیا جائے۔ "ولا یاتل اولی الفضل منکم والسعة الخ" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش ہیں، جو صاحب خیر ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں "ان یوتوا اولی القربی والمساکین والمهاجرین فی سبیل الله" کہ وہ اپنے قرابت والوں کو جو کہ فقیر ہیں اور مہاجر فی سبیل اللہ ہیں، ان پر خرچ نہیں کریں گے، اور ان کو آئندہ خرچ نہیں دیں گے۔ "ولیعفوا ولیصفحوا" یعنی ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ "الاتحبون ان یغفر الله لکم" یعنی کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے تو تم بھی ان لوگوں کو بخش دو اور درگزر سے کام لو، تم اللہ کے قصوروار ہو اور اس کی مغفرت کی امید رکھتے ہو تو لازم ہے کہ تم قصور والوں کو معاف کردو۔ "ان الله غفور رحیم" بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ واقعی

اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے، کیونکہ تمہارا مجرم کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا اور اس کے مجرم بے شمار ہیں۔ تمہارا قصور کسی نے کوئی ایک آدھ کیا ہوگا، اس کے بندوں نے بے شمار جرم اور بے شمار قصور کئے ہیں، جب ان تمام جرائم کے باوجود اور ان تمام قصوروں کے باوجود بندے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے تو اگر کسی نے تمہارا ایک آدھ قصور کردیا تو تم بھی معاف کردو۔

"ولایاتل اولی الفضل منکم والسعة" یعنی تم میں سے جو صاحب فضیلت اور گنجائش والے ہیں۔ صاحب فضیلت اس شخص کو کہتے ہیں، جس کو بڑائی حاصل ہوتی ہے، اور صاحب گنجائش وہ شخص ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی نسبت مال زیادہ عطا فرمایا۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب فضیلت اور صاحب گنجائش فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں تقریباً پندرہ وجوہ سے، پندرہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے، اس لئے کہ اللہ رب العزت نے ان کو "اولو الفضل" فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش کہ قصوروار کو معاف کردیا جائے

اور اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جن کی ہستی سے بڑی

کوئی ہستی نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قصور وار کا قصور معاف کروانے کے لئے اور ایک مجرم کو درگزر کرنے کے لئے سفارش فرمارہے ہیں، اور سفارش کا انداز بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا کہ پہلے ان کی فضیلت بیان فرمائی اور پھران کی فضیلت کے حوالے سے فرمایا کہ ہاں، ہاں، آپ جیسے آدمی کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ گویا ان کو فرمایا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی چھوٹی بات پر قسم کھاتے ہو؟ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ: "ولیعفوا ولیصفحوا" معاف کر دو اور درگزر سے کام لو، اور پھر آخری بات فرمادی: "الاتحبون ان یغفر اللہ لکم" کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے؟ ظاہر ہے کہ کون نہیں چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، جب تم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہو تو خود بھی لوگوں کے ساتھ بخشش کا معاملہ کرو۔

بخشش چاہتے ہو تو تم دوسروں کو معاف کردو

میں نے یہ جو قصہ ذکر کیا ہے، اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ کا حوالہ دیا ہے، میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ٹھیک ہے بھائی! ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا بھی کسی نے کوئی قصور کیا ہوگا، کیا ہم نے اس کو معاف کردیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ ہم رضائے الٰہی کے لئے اپنے تمام قصور واروں کو معاف کردیں۔ آج کے دن تک اور آج کی رات تک ہمارا جس شخص نے بھی جو بھی قصور کیا ہو، ہمیں صدمہ پہنچایا ہو، ہمیں رنج پہنچایا ہو، کوئی نازیبا حرکت اس نے کی ہو، سب کو معاف کردیں، اور

ہم اپنے دل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری طرف سے سب کو تمام قصور معاف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود ہماری معافی کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہے، ہم معاف کردیں گے تو ہمارے لئے بھی معافی کا حکم ہوجائے گا۔ جب ہم سب کو معاف کرکے بارگاہ الٰہی میں معافی طلب کرنے کے لئے آئیں گے تو انشاء اللہ ہمیں بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: "الراحمون یرحمھم الرحمن" "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔"

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

ترجمہ: "تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔" (مشکوٰۃ شریف: ۴۲۳)

تو ایک گزارش تو میری یہ ہے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ، اپنے تعلق والوں کے ساتھ، ہماری کوئی نہ کوئی لڑائی چلتی رہتی ہے، کون آدمی ہے جس کی کسی کے ساتھ لڑائی نہ ہو؟ بندہ، بندہ ہے، کمزور ہے، کبھی کسی کی حالت سے رنج ہوتا ہے، کبھی کسی کی بات سے آدمی کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بعض لوگ تو رنجیدہ ہو کر قسم کھالیا کرتے ہیں کہ میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا۔ اچھا بھائی! تم معاف نہیں کروگے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا یہ چاہو گے کہ اللہ تعالیٰ بھی قسم کھالیں کہ وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے؟ نہیں! ہم تو کمزور بندے ہیں، ہم تو یہ چاہیں گے کہ اللہ کریم ہمیں معاف کردیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیں تو خود سوچو کہ پھر ہمیں ایسی قسم کھانے کا کیا حق ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟

شب قدر کی دعا

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ اللہ رب العزت سے یہ کہنا کہ:

"اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ: "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ مجھے بھی معاف کر دیجئے۔" (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۲)

یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ آج کی رات ہی "شب قدر" ہے یا کوئی اور رات شب قدر ہے۔ بہرحال وہ ہم پر گزرے گی اور رحمتیں وبرکتیں بکھیر کر جائے گی۔ ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔ ہمیں پتہ ہونا ضروری نہیں۔ پتہ چلے گا اس دن، جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہم پر اس شب مبارک کی وجہ سے انعامات ہوں گے۔ بہرحال اس شب قدر کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی۔ "اللھم انک عفو" "یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں۔" "تحب العفو" "آپ معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔" مخلوق انتقام لینا چاہتی ہے اور انتقام کو پسند کرتی ہے، لیکن یا اللہ! آپ انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ "فاعف عنی" "پس مجھے بھی معاف فرما دیجئے۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: "تخلقوا باخلاق اللہ" "اللہ تعالیٰ کے

اخلاق کو اپناؤ۔‘‘

اگر ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں تو لازم ہے کہ ہم بھی تمام لوگوں کو معاف کردیں۔ آج سے لوگوں کے تمام کھاتے بے باق کردیں۔

چار آدمی جن کی بخشش نہیں ہوتی

اب دوسری بات، حدیث شریف جو میں نے آپ کو سنائی، اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں فرماتے۔ رمضان المبارک میں جیسا کہ آپ نے سنا، ہر رات دس لاکھ ایسے آدمیوں کی بخشش کی جاتی ہے کہ جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی، اور ان سے فرمادیا جاتا ہے کہ جاؤ آزاد کیا، اور رمضان المبارک کی آخری رات میں اتنے لوگوں کو معاف کیا جاتا ہے، جتنے لوگوں کو یکم رمضان سے آخری رات تک معاف کیا گیا تھا۔ اللہ اکبر! اتنے لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ رمضان المبارک میں رحمت الٰہی کا گویا سیلاب ہے، جو بندوں کے گناہوں کو بہا کر لے جاتا ہے۔ لیکن چار آدمیوں کی بخشش رمضان المبارک کی عام راتوں میں تو کیا، شب قدر میں بھی نہیں ہوتی۔ بھئی ان سے بڑھ کر بد قسمت کون ہوگا۔ شب قدر میں جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی کا اعلان کیا جارہا ہے، ان کی بخشش نہیں ہورہی۔ وہ چار کون ہیں؟ ایک تو شراب کا عادی، ایسا بلا نوش کہ جس نے شراب سے توبہ نہ کی ہو، اور اس گناہ سے توبہ کرنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی ہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کی ایک کرامت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی نوّر اللہ مرقدہ کا جس دن انتقال ہوا، اس

دن ہم لوگ حضرت کے مکان پر جمع تھے، حضرتؒ کے صاجزادے نے ایک قصہ سنایا، کہنے لگے کہ ایک شخص مطب میں آیا، مجھ سے کہنے لگا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہیں؟ اس وقت حضرتؒ کی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی جہاں پاپوش میں حضرتؒ کا مطب تھا، اور عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس لگتی تھی۔ میں نے کہا بیٹھے ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے۔ مطب کا جو دروازہ احاطے کی طرف کھلتا تھا، اس نے وہ دروازہ کھولا اور دونوں کواڑ پکڑ کر کھڑا ہوا کچھ دیر حضرتؒ کو دیکھتا رہا، اور واپس آکر دوبارہ بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، میں نہ ان کا شاگرد ہوں، نہ مرید، اور میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، مجھے شراب پینے کی عادت تھی، میری بیوی بچے، دوست احباب سب نے اس کو چھڑانے کی ہرچند کوشش کی، لیکن:

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

ایک شادی کی تقریب میں، میں مدعو تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی وہاں تشریف لے گئے، اور میرے جانے سے پہلے حضرتؒ وہاں بیٹھک میں تشریف فرما تھے، اور جس طرح اس وقت محفل گرم ہے، اسی طرح لوگ حضرتؒ کے اردگرد جمع تھے، حضرتؒ اپنے ملفوظات بیان فرمارہے تھے، میں دروازے میں داخل ہوا تو حضرتؒ اپنی بات چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے، اور جب تک میں بیٹھ نہیں گیا، برابر میری طرف دیکھتے رہے، جب میں بیٹھ گیا تو حضرتؒ نے پھر اپنی بات شروع کردی، وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے دوبارہ نہیں پی۔ ایک نظر کافی ہوگئی۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی، حضرتؒ کا شعر ہے ؎

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دل چشم مست ناز ساقی کا ہے میخانہ

حضرتؒ کی ایک اور کرامت

ایک قصہ اور یاد آیا جو ایک بزرگ نے سنایا تھا، ستّر (۷۰) سال کے بڑے میاں تھے، حضرتؒ سے تعلق تھا، کسی لڑکی کو ٹیوشن پڑھانے لگے اور وہ بدبخت ان کے دل میں بیٹھ گئی۔ اب ستّر سال کا بوڑھا ایک چھوکری کو دل دے بیٹھا۔

بوڑھوں سے بھی پردہ کیا جائے

بھئی! بڑے بوڑھوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ضعیف العمر باباجی ہیں، ان سے کیا پردہ؟ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ پرانا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ الغرض یہ بڑے صاحب تین چار مہینے پریشان رہے کہ کیا کروں، کسی کو کیسے بتاؤں؟ جب پریشانی حد سے سوا ہوئی تو آخر فیصلہ کرلیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہوں، وہ اس بلا سے نجات کی کوئی تدبیر بتلائیں گے، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بتایا کہ حضرت کیا کروں؟ آپ کوئی تدبیر بتلایئے؟ حضرت نے سن لیا، جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا، بس سن لیا اور خاموش رہے، اس کے بعد دوسرے لوگ آگئے، حسب معمول حضرت کے ملفوظات شروع ہوئے، کافی دیر تک مجلس جاری رہی، جب میں حضرتؒ کی مجلس سے اٹھا تو دل بالکل صاف تھا، اس میں کوئی کوڑا کرکٹ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی۔

شراب خانہ خراب کی بربادیاں

شراب اتنی گندی چیز ہے کہ دل کو گندہ کردیتی ہے، جس طرح پیشاب نجاست غلیظہ ہے، اسی طرح شراب بھی نجاست غلیظہ ہے، لوگ اُس سے تو گھن

کرتے ہیں، مگر اس "شراب خانۂ خراب" سے گھن نہیں کرتے، حالانکہ یہ اُم الخبائث ہے، کہتے ہیں ایک بزرگ کسی بدمعاشوں کے ٹولے میں پھنس گیا تھا۔ اس کو مجبور کیا گیا کہ یہ بچہ ہے، اس کو قتل کرو، یا یہ عورت ہے، اس کے ساتھ بدکاری کرو، یا کم سے کم درجہ میں یہ شراب ہے، یہ پی لو، ورنہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ یہ پریشان ہوئے کہ یا اللہ! جان بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کروں؟ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں کاموں میں شراب پینا سب سے ہلکا کام ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو شخص دو بُرائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے، اسے چاہئے کہ سب سے کم درجہ کی بُرائی کو اختیار کرے، یہ سوچ کر انہوں نے اس کو اختیار کرلیا۔ شراب بڑی تیز تھی، شراب پینے کے بعد مدہوش ہوگئے، مدہوشی کے عالم میں بچے کو بھی قتل کیا، زنا کا بھی ارتکاب کیا، تینوں کام مکمل ہوگئے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں، واقعی یہ اُم الخبائث ہے، عقل و خرد اور ہوش و حواس کی دشمن ہے۔ تو جو لوگ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں، وہ اس اُم الخبائث سے توبہ کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

(مشکوۃ شریف)

مغفرت مانگنے والوں کو توبہ لازم ہے؟

اور میں نے ابھی کہا کہ اس بزرگ نے سمجھا کہ یہ ہلکا کام ہے، قتل اور زنا اس سے بدتر کام ہیں، لہٰذا ہلکا کام کرلو۔ آپ خود سوچ لیں کہ جو لوگ شراب کے عادی ہیں، جب شب قدر میں ان کی بخشش نہیں ہوتی تو اس سے بڑے گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں ان کی بخشش کیسے ہوگی، اس لئے بخشش مانگنے کے

لئے شرط ہے کہ ہم تمام گناہوں سے توبہ کرلیں، جن کو ہم جانتے ہیں ان سے بھی، اور جن کو ہم نہیں جانتے ان سے بھی، جو گناہ اعلانیہ کرتے ہیں ان سے بھی، اور جو چھپ کر کرتے ہیں ان سے بھی، اس لئے کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلاً ہونے کی وجہ سے یہ شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہے، لعنت اور رحمت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ آدمی توبہ نہ کرلے، رحمت خداوندی کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اللہ کی رحمت کا مستحق اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ آدمی کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تاکہ لعنت اس کا پیچھا چھوڑ دے اور رحمت خداوندی اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور "توبہ" کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے۔ صرف زبان سے کہہ دو یا اللہ میری توبہ، یااللہ میری توبہ، یا اللہ میری توبہ۔ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں۔ ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی استغفار کرتے ہیں، یااللہ توبہ، یااللہ معاف کردے، تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے کہ دل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کررہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور ارادہ کرلیں، اور

گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین وایمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟ تو کہتا ہے کہ کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے۔ نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو ایمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے۔ کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟ تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں؟

توبہ کے قبول ہونے کے لئے شرط

توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرلیا جائے، پختہ ارادہ کرو کہ آئندہ ٹی وی نہیں دیکھیں گے، نامحرموں کو نہیں دیکھیں گے، کسی کی غیبت، یا چغلی نہیں کریں گے، عورتیں بے پردہ نہیں نکلیں گی، اسی طرح دوسرے جتنے بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ان کو چھوڑنے کا عزم کرو، میں نے مثال کے طور پر دو تین چیزیں بتائی ہیں، ورنہ ہم بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں، اور ان سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اب ہماری حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے کہ یہ کام نہ کیا کرو تو ہم اس کے ساتھ لڑ پڑتے ہیں، اس کو برا بھلا کہتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ جب دل سے سچی توبہ ہی نہ ہوئی ہو تو صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب دل تائب نہ ہو اور دل نے عزم نہ کیا ہو گناہ کو چھوڑنے کا، گناہ کی لذت، گناہ کی لعنت، گناہ کی نحوست اور گناہ کی سیاہی ہمارے قلب پر چھائی ہوئی ہے، تو پھر زبان سے توبہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور اس پر توبہ کا ثمرہ کیا مرتب ہوگا؟ میری بہنیں اور بیٹیاں اگر

بے پردگی نہ چھوڑیں اور ہزار بار روزانہ استغفار پڑھا کریں تو اس کا کوئی نفع نہیں ہے، عزم کرو گناہوں کو چھوڑنے کا، جو گناہ ہمیں معلوم ہیں اور جن گناہوں میں ہم ملوث ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا دامن ایمان نجس ہو رہا ہے، ان کو چھوڑنے کا عزم کریں، گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں اور صرف ایک دفعہ کہہ دیں کہ یا اللہ! میں نے گناہوں کو چھوڑنے کا سچے دل سے ارادہ کرلیا ہے، مجھے معاف کر دیجئے، اللہ تعالیٰ فوراً معاف کر دیتے ہیں، اسی (۸۰) سال کے گناہ کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو ادا کریں۔ کسی کے پیسے دینے ہیں، اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دے دے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہو گے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمہ ہیں، ان سب کو ادا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی۔ تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا، اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کر لئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے کے لئے کافی ہے، مگر سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے

بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کرکے تو آئیں۔

ایک حدیث قدسی

حدیث قدسی میں آتا ہے (حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تو وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے) تو ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا۔ "ولا ابالی" اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پرواہ نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

(مشکوۃ صفحہ ۲۰۴)

مناجات مقبول میں ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے قرآن و حدیث کی دعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

"یامن لا تضرہ الذنوب ولا تنقصہ المغفرۃ،
اغفرلی مالا یضرک وھب لی مالا ینقصک"

ترجمہ: ”اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔“

الغرض ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کو پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں کس منہ سے تجھ میں اتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے گا، ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟ دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے۔ سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے،

اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین)۔ آپس کے جو حقوق ہیں، وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

والدین کا نافرمان

دوسرا آدمی جس کی مغفرت نہیں ہوتی، وہ والدین کا نافرمان ہے۔ یہ والدین کی نافرمانی بھی بڑی عجیب چیز ہے، آدمی کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میرے والدین اگر نہ ہوتے تو میرا وجود نہ ہوتا، میرے وجود کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بنایا، اب جن والدین کے وجود کو ہمارے وجود کا ذریعہ بنایا گیا، یہ انہی والدین کا مخالف ہے، انہی کا دشمن ہے، انہی کا نافرمان ہے۔ ماں نے ۹ مہینہ کم و بیش اس کو پیٹ میں رکھا، جس حالت میں رکھا، اور پھر جس حالت میں اس کو جنم دیا، وہ اس کی ماں سے پوچھو، پھر دو سال تک اسے اپنے جگر کا خون پلایا، جس کو دودھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے خون جگر کو دودھ میں تبدیل فرمادیتے ہیں، پھر اس کی سردی وگرمی کا، اس کی ضروریات کا احساس کیا، اس کو سوکھے میں لٹایا، خود گیلے میں لیٹی، صاحب بہادر بیمار ہوگئے تو ماں باپ دونوں نے اس کو ہاتھوں میں لے کر رات آنکھوں پر کاٹی، والدین کا اتنا حق ہے کہ اولاد کسی صورت میں اس حق کو ادا نہیں کرسکتی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے والد کا حق کس طرح ادا کرسکتا

ہوں؟ ارشاد فرمایا، نہیں! والد کا حق ادا نہیں ہو سکتا، صرف ایک صورت ہے کہ وہ غلام ہو تو اس کو خرید کر آزاد کردے تو کسی درجہ میں والد کا حق ادا ہو جائے گا۔ والدین کے اتنے احسانات ہیں اولاد پر کہ ان کا بدلہ چکانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کا اولاد کے ذمہ کیا حق ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت ہیں یا تیری دوزخ ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

والدین کو دیکھنے پر حج کا ثواب

ایک حدیث میں ہے کہ جو فرمانبردار اولاد نظر رحمت کے ساتھ والدین کے چہرے پر نظر ڈالے تو ہر بار نظر ڈالنے پر اس کے لئے حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب لکھا جائے گا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)

یعنی حق تعالیٰ شانہ کی عنایتیں اور رحمتیں ہمارے پیمانۂ عقل و فہم سے بالاتر ہیں، روزانہ سو حج کا ثواب لکھا جانا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے۔ پس جب والدین کا یہ درجہ ہے کہ ان کے چہرے پر ایک بار نظر رحمت ڈالنا حج مبرور کا ثواب رکھتا ہے تو والدین کی نافرمانی و گستاخی کا وبال بھی اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے، تو والدین کے نافرمان کی اس رات میں بھی اگر بخشش نہ ہو تو کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ جرم ہی اتنا بڑا اور سخت ہے۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر خدمت ہوا اور کہا یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کے لئے

حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا پھر اس کو لازم پکڑ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے کہ: "الجنة تحت اقدام الامهات" (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱) یعنی "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں بخش دیں، سوائے والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مرنے سے پہلے زندگی میں دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کا دنیا میں وبال

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اس حدیث کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی، چنانچہ فرماں برداروں کو پنپتے دیکھا اور والدین کے نافرمانوں کو ہلاک اور ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ دراصل دنیا دارالجزا نہیں، جزا وسزا کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن رکھا ہے۔ جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے قیامت پر اٹھا رکھی ہیں، یہاں جرم کی سزا نہیں دیتے، ہاں! تھوڑی سی گوشمالی کردیتے ہیں، ورنہ پوری سزا آگے قیامت کے دن ملے گی، لیکن ظلم، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی "سزا" دنیا میں نقد ملتی ہے، اور ظالم، قطع رحمی کرنے والا اور والدین کا نافرمان اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اولاد کی نافرمانی میں والدین کا قصور

اس زمانے میں تو والدین کی عزت و آبرو کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اور اس میں قصور اکیلا صرف اولاد کا نہیں، بلکہ تھوڑا سا قصور والدین کا بھی ہے۔ مرحوم اکبر الٰہ آبادی کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم مادیت کی تعلیم ہے، یہ انسانیت کی تعلیم نہیں، بلکہ حیوانیت کی تعلیم ہے۔ پس جب انسانیت مفقود ہو اور انسانیت کی تعلیم مفقود ہو تو والدین کی قدر کیا ہوگی؟ یہ تو خاصۂ انسانیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ فرمائے (آمین)۔

غلط کام میں والدین کی فرمانبرداری جائز نہیں

میں اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کو بطور خاص نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔ اگر وہ ظلم کریں، ستائیں، زیادتی کریں، تب بھی تم خاموش رہو، تم کوئی گستاخی کا لفظ نہ کہو، بلکہ صبر و تحمل سے کام لو، وہ گالی نکالیں، بُرا بھلا کہیں، تب بھی پلٹ کر جواب نہ دو، بلکہ سر جھکائے خاموش رہو، لیکن اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وان جاهداك على ان تشرك بي ماليس لك به علم فلا تطعهما" (لقمان: ۱۵)

ترجمہ: "اگر وہ (تیرے والدین) تجھ کو مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے ایسی شخصیت کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو۔"

اور حدیث شریف میں ہے کہ: "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" "یعنی اللہ کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔"

شوہر بیوی کو کسی غلط کام کا حکم کرتا ہے تو ہرگز نہ مانے۔ والدین اولاد کو غلط بات کا حکم کرتے ہیں تو ہرگز نہ مانے، لیکن ان کی گستاخی و بے ادبی بھی نہ کرے۔ یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعض لوگوں کو بزرگی کا "ہیضہ" ہوجاتا ہے۔ ماں باپ گناہ گار ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، اور یہ پکّا صوفی ہے، اَب والدین کو نظرِ حقارت سے دیکھے گا۔ ایسا ہرگز نہ کرو، یہ غلط بات ہے، ان کی خیر خواہی کی کوشش کرتے رہو، ادب و احترام کے ساتھ ان کو سمجھاؤ، اگر تمہارا کسی طرح بس نہیں چلتا تو اتنا تو بس چل سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے گڑگڑا کر دعا کرو۔ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل نہیں اور تمہارے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے زیادہ برے نہیں ہیں۔ وہ دھکے دے کر ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے باہر نکال رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ نکل جا یہاں سے، میرے گھر سے، دفع ہوجا، جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو صرف اتنا فرمارہے ہیں:

"ساستغفر لک ربی انہ کان بی حفیا"

(مریم:۴۷)

ترجمہ: "میں اپنے رب سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا شفیق ہے۔"

تمہیں گھر سے نکال دیں، اُف نہ کرو۔ باقی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو میں نے ذکر نہیں کیا، وہ یہ کہ والدین کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ تمہارے ماں باپ تو جہنم کے راستے پر چل ہی رہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہ جائیں، بلکہ تم کو بھی ساتھ لے کر جائیں، اگر ان کی گستاخی کروگے، یا ناجائز کام میں ان کی بات پر عمل کروگے تو ان شاء اللہ دونوں

سیدھے جہنم میں پہنچو گے۔ اگر والدین اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ان کو ناجائز بات کا حکم کرتے ہیں تو ان شاء اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، لیکن اگر اولاد والدین کی گستاخی کرتی ہے، بے ادبی کرتی ہے، ان پر ہاتھ اٹھالیتی ہے، تو یہ والدین سے بھی پہلے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے والدین کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ شب قدر میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

قطع رحمی کا گناہ

اور تیسرا شخص "قطع رحمی" کرنے والا، جس نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔ قطع رحمی کا وبال اوپر ذکر کرچکا ہوں کہ ایسا شخص دنیا میں ہی سزا پاتا ہے، اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ: "لایدخل الجنة قاطع" "قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جنت سے بھی محروم کردیتا ہے، دنیا کے آرام اور چین سے بھی اور شب قدر میں بخشش سے بھی۔ نعوذ باللہ۔

کینہ پروری کا گناہ

اور چوتھا وہ آدمی، جس کے دل میں کسی مسلمان کی جانب سے کینہ ہو۔ ان لوگوں کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

جنت میں صرف پاک لوگ جائیں گے

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ناپاک لوگ نہیں جائیں گے، صرف پاک لوگ

جائیں گے، اور پاک ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرلو۔ میں نے ابھی کہا کہ اسّی (۸۰) سال کا کافر و مشرک و بے ایمان سچے دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے، جس کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی۔ دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا۔ آنکھ کھلی تو اونٹ غائب۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا۔ اب بیاباں ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا۔ بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا۔ اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی اونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا کہ: "اللھم انت عبدی وانا ربک" یعنی اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اخطاء من شدة الفرح" کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا کہ یااللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رب ہے۔ آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اونٹ واپس فرمادیا۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا، کون لوگ ہو؟ عرض کیا، ہم مسلمان ہیں، ایک خاتون آگ جلا رہی تھی، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹا دیتی، وہی خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں؟ فرمایا، ہاں! عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ الرحم الراحمین نہیں؟ فرمایا، بلاشبہ! عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟ فرمایا، بے شک! عرض کیا، میں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی، اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر رونے لگے، پھر سر اٹھا کر اس سے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو، جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (لا الہ الاّ اللہ کہنے) سے انکار کردے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۸)

الغرض تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کردیں تو اس کا کیا علاج ہے۔ وگرنہ اللہ اپنے

بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کررہا ہے: "ھل من مستغفر فاغفرلہ" کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تاکہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم: ۸)

یعنی "اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔"

اگر سچی توبہ کے بغیر مرگئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہوگے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کرکے یہیں پاک ہوجاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کرکے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کرکے یہیں سے پاک ہوکر جائیں۔ پوری ندامت کے ساتھ، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرلیں۔

ایک جامع دعا

ایک حدیث سناتا ہوں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم

المؤمنین عشاء کی نماز پڑھ کر دعا مانگ رہی تھیں، دعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں کوئی بات کرنی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عائشہؓ! تم ایک طرف ہوجاؤ، دعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہوجائے گی، انہوں نے اپنی دعا ختم کی اور ایک طرف ہوگئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رخصت ہوکر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ آئیں اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے مجھے دعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا، ہاں! تمہیں دعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دعا کرو:

> "اللھم انی اسئلک من خیر ما سالک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم واعوذ بک من شرما استعاذک منہ نبیک محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔"
>
> ترجمہ: "یااللہ آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دعائیں کیں، وہ پرچہ بنا کر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ

تم اس دعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو۔ پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے، تو وہ ساری دعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ تو جامع ترین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو، لیکن صرف دنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت درست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دنیا خود بخود درست ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دنیا میں بھی رسوا نہیں فرمائے گا۔ وہ جو میں نے قرآن کریم کی آیت کی تلاوت کی تھی، اس میں یہ وعدہ موجود ہے:

"یاایھا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا" (التحریم:۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو۔"

"عسی ربکم ان یکفر عنکم سیاتکم"

ترجمہ: "تمہارے رب سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دور کردے گا۔"

"ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار"

ترجمہ: ”اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“

”یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ“

(التحریم:۸)

ترجمہ: ”جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔“

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو رسوا نہیں فرمائے گا۔ اصل مقصود اہل ایمان کے رسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جائیے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر آپ کی معیت میں اہل ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن رسوا نہ ہونا یقینی ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہل ایمان بھی یقیناً رسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے، تو اس کے اوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اولین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ”اذکر یوم کذا وکذا“

یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کیئے، بندہ اقرار کرتا جائے گا، اقرار کیئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"انی سترتھا علیک فی الدنیا انا اغفر ھالک الیوم"

ترجمہ: "میں نے دنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔"

جاؤ! کسی کو پتہ ہی نہیں چلا، یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا۔ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے۔ گناہوں سے توبہ کرلی جائے۔ گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدا نخواستہ غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہ الٰہی میں ایمان کا دامن داغدار نہ لے جاؤ۔ حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعتکاف

فضائل و مسائل

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
* اعتکاف کی فضیلت	
* اعتکاف کی قسمیں	
* اعتکاف کے لئے اخلاص شرط ہے	
* مسجد کا ادب بجالایا جائے	
* دل میں خشوع ہو تو اعضا میں بھی خشوع ہوگا	
* ہم سب فقیر ہیں	
* عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق	
* نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اُونچا ہوگا	
* شیطان کے بہکانے کا سامان	
* دنیا کے نابالغ	
* حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بلند نظری	
* حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک اور واقعہ	
* اپنی ہمت کو اونچا رکھو	
* طالب علمی کا واقعہ	
* اللہ کی ذات کو اپنا مقصد بناؤ	
* اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے	

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و
نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور
انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه
فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد
ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له، ونشهد ان
سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله،
صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ أله واصحابه
وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔ امابعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اعتکاف کی نیت سے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اس کا بڑا انعام عظیم ہے۔ آپ حضرات دور ونزدیک سے تشریف لائے ہیں اور یہ آنا محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور اس کے پاک گھر میں جمع ہونے کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے۔

ایک دن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نور اللہ مرقدہ فرمانے لگے کہ بھئی! مولانا رومیؒ کا ایک شعر ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاءؑ

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ: "تھوڑے سے وقت کے لئے کسی اللہ کے مقبول بندے کے پاس بیٹھ جانا سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔"

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ فرمانے لگے کہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آئے ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے میرے پاس جمع ہوئے ہو، اس وقت تم سب کے سب اولیاءؑ ہو، اور میں تمہاری صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اللہ اکبر۔ بہت اچھی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے۔ بھائی! کوئی کسی دشمن کے گھر تو نہیں جایا کرتا، دوست کے گھر جایا کرتا ہے۔ آپ حضرات اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں، اس لئے اس وقت آپ لوگ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اعتکاف کی فضیلت

یہ اعتکاف کی عبادت بہت اونچی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"واذ بوانا لا براھیم مکان البیت ان لاتشرک بی شیئا وطھر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود"

ترجمہ: ”اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا، بیت اللہ کی جگہ بتلائی، (تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا، (یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اڈہ بنا رکھا تھا) اور (ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ) میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور (نماز میں) قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع سجدہ کرنے والون کے لئے (تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے) پاک رکھئے۔“

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے۔ کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے اردگرد ہے اور جس کو مسجد حرام کہتے ہیں، اس میں اعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نماز پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہوسکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح وارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اعتکاف کرنا افضل ہوگا۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اعتکاف (رمضان کے آخری دس دن کا اعتکاف) یہ مسنون ہے بطور سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی

سُنّت موکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہوجائے گا، اور محلے والے ترک اعتکاف کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اعتکاف نہیں بیٹھتا تو پورا محلّہ مسجد کی حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ میاں تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کردیں گے تم مسجد میں اعتکاف بیٹھ جاؤ۔ وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کررہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تھا تو دوسرے سال ۲۰ دن کا اعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی، اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے علاوہ دوسرا اعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں، اور اگر کوئی شخص منت مان لے کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اتنے دن کا اعتکاف کروں گا تو کام ہوجانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اعتکاف اس کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے، اور یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اعتکاف کا مسئلہ بیان کیا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ "فضائل رمضان" میں اعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ) اس قبر والے کی عزت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا جیسے آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا، بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے "اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ بھی نہیں گزرا" یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنا دیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔

اعتکاف کے لئے اخلاص شرط ہے

اور جب ایک دن کے نفل اعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہمارے قیاس اور اندازہ سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا استحضار نہیں تھا تو اب کرلو، بہت آسان ہے۔ بھئی نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے اگر کسی شخص کی نیت میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی، تو اس ملاوٹ کو ہٹادے، اور اب نیت کرلے کہ یا اللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کر رہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزت وجاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

مسجد کا ادب بجالایا جائے

اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجالاتے ہوئے، عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور وشغب یا ہلڑبازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہیئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں "اللہ کا گھر" اس

میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور احترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون ووقار کے ساتھ رہو، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی تو یہ بات ہے
دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے۔"

جس قدر دل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دل میں تقویٰ آئے گا۔ ایک صاحب مکہ مکرمہ میں میرے ساتھ تراویح کی نماز میں کھڑے تھے وہ کبھی ایک طرف جھک جاتے کبھی دوسری طرف، ان صاحب نے میرا کندھا تھکادیا، اور ہاتھ کو کبھی کہیں لے جاتے اور کبھی کہیں لے جاتے (ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے)۔

دل میں خشوع ہو تو اعضا میں بھی خشوع ہوگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسی طرح اس کے ہاتھ چل رہے تھے کبھی اِدھر کبھی اُدھر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں، اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی اس کے اثرات ہوتے۔ آپ کتنے ادب، کتنے سکون اور کتنے وقار کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے دل میں کتنا خشوع ہے

اور کتنا تقویٰ ہے۔

ہم سب فقیر ہیں

دوسری بات یہ کہ فارسی کی ضرب المثل ہے:

"سلامے روستائے بے غرض نیست"

اگر دیہاتی بدو کسی کو سلام کرتا ہے تو یہ سلام بھی بے غرض نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی مطلب پوشیدہ ہوتا ہے، بھئی! ہمارے تو سارے کام غرض کے لئے ہیں، ساری عبادتیں غرض کے لئے ہیں، اور ہم ہیں فقیر، فقیر کا کام مانگنا ہے، اور یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

تو فقیر کا تواضع کرنا درحقیقت تواضع کی بات نہیں ہے، اور ہم سب کے سب حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ عالی کے فقیر ہیں، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، کوئی نیک ہو یا بد، کوئی نبی ہو یا ولی، سارے کے سارے اس کی بارگاہ عالی میں ناک رگڑ رہے ہیں، سب فقیر ہیں، سب منگتے ہیں، سب بھکاری ہیں، ایک وہ داتا ہے، باقی سب فقیر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"یا ایها الناس انتم الفقراء الی اللّٰه واللّٰه هو الغنی الحمید ۝"

ترجمہ: "اے لوگو! تم سب فقیر ہو اللہ کی طرف اور اللہ غنی اور حمید ہے۔"

تم لوگ کھانے کے محتاج ہو، پینے کے محتاج ہو، بیوی کے محتاج ہو، بچے کے محتاج ہو، گھر کے محتاج ہو، کپڑوں کے محتاج ہو، الغرض ہر چیز کے محتاج ہو، ایک ایک چیز کے محتاج ہو، کوئی حد ہے تمہاری محتاجی کی؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضروریات تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہاری بے شمار حاجتیں پوری فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم محتاج کے محتاج ہی رہے۔ سیٹھ جی کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مگر رہے کنگال کے کنگال۔ کیونکہ یہ اپنی ذات ہی سے محتاج ہے، اندر سے فقیر ہے، یہ غنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔

عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق

البتہ اللہ والوں کے درمیان اور دوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے محتاج بنتے ہیں اور اپنی تمام حاجتیں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے کٹ جاتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق کے در پر جاتے ہیں، وہ مخلوق سے مانگتے ہیں جو بے چارے خود فقیر ہیں۔ ایک فقیر نے چند ٹکڑے جمع کئے، بھیک مانگ کر، اور دوسرا فقیر اس سے مانگ رہا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ رذیل ہے، اس سے کہا جائے کہ بھئی! بھکاری سے مانگتے ہو، کچھ شرم تو کرو، اس غریب نے تو اپنا کشکول خود مانگ مانگ کر بھرا ہے، کوئی ٹکڑا ادھر سے لیا، کوئی ٹکڑا ادھر سے، کسی نے کچھ دیا کسی نے کچھ، اس غریب کے پاس جو بھیک کا سامان تھوڑا بہت آیا تو وہ اس سے مانگتا ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب فقیر ہیں، ان سے مانگتے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے مانگو، پرانے زمانے میں مولانا خرم علی مرحوم کی ایک نظم بہت چلا کرتی تھی، میں نے بچپن میں اپنے استاد

سے سنی تھی، پہلے تو یاد تھی مگر اب تو صرف ایک دو شعر یاد رہے کہ:

خدا فرماچکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر وپیغمبر
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کوئی بادشاہ جارہا تھا، اس کو ایک عورت مل گئی جو بے چاری بھیک مانگ رہی تھی، لیکن حسین وجمیل ایسی جیسے چاند کا ٹکڑا، رشک حور، رشک پری، بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو عاشق ہوگیا، اور دل میں ٹھان لی کہ اس کو ملکہ بنایا جائے، بادشاہ نے اس سے کہا کہ تم اس گداگری کی وجہ سے کیسی ذلت میں مبتلا ہو، در در کی بھیک مانگتی ہو۔ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہیں لے جاؤں اور تم سے نکاح کرلوں، اور تمہیں شاہی محلات کی رانی بنادوں، اس نے کہا ٹھیک ہے، یہ بادشاہ کے ساتھ چلی گئی۔ اب بہترین پوشاکیں، بہترین کھانے اور ہر قسم کی عیش اسے میسر تھی، جو کچھ بھی بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، سب اسے حاصل تھا، کس چیز کی کمی تھی؟ بادشاہ نے کچھ عرصہ کے بعد پوچھا کہ بتاؤ یہ حالت اچھی ہے یا وہ حالت اچھی تھی؟ کہنے لگی اس حالت میں مزہ نہیں آرہا۔ وہ جو قسم قسم کے کھانے ملتے تھے یہاں وہ مزہ نہیں، وہ ذائقہ نہیں ملتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اللہ رب العزت نے اس کو شاہی محلات تو دے دیئے مگر طبیعت کی رذالت نہیں گئی، اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے شاہی محلات میں آکر بھی رذیل کی رذیل ہی رہی۔ تو میں عرض کررہا ہوں کہ بھئی! تم کتنے ہی بڑے بن جاؤ، اونچے چلے جاؤ، علم وفضل کی لائن میں، دنیاوی وجاہت کی لائن میں، کسی بھی لائن میں اونچے سے اونچے چلے جاؤ، تمہارے اندر کا فقر،

محتاجی اور ذلت ورذالت تو تم سے جدا ہونے کی نہیں، کیونکہ وہ تمہاری اصلی ہے، اور تم اصل کے اعتبار سے ایسے ہی رہو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اپنی اصل کے اعتبار سے تم فقیر ہو، بھکاری ہو۔

نظر جتنی بلند ہو مقصد اتنا ہی اونچا ہو گا

باقی ایک بات ضرور ہے کہ جس قدر آدمی کی نظر اونچی ہوجاتی ہے اسی قدر اس کا مقصد اور اس کی غرض بھی بلند ہوجاتی ہے، آدمی اپنی غرض سے تو کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا، ہاں! کسی کی غرض گھٹیا ہوگی، کسی کی اونچی، بقول مولانا رومیؒ تم بچے کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ صرف ٹافی کے بدلے لے سکتے ہو، اگر بچے کے ہاتھ میں ایک قیمتی ہیرا ہو، تم اس کو ایک ٹافی دو، اس کے بدلے میں وہ تمہیں بڑی آسانی سے ہیرا دے دے گا، کیونکہ اس کی نظر پست ہے، گھٹیا ہے، بس ٹافی تک محدود ہے، ہم لوگ دنیادار ہیں جن کے سامنے دنیا سجی ہوئی ہے، اور ہمیں اپنے عشوۂ ناز سے لبھا رہی ہے، اپنے جلوے دکھا رہی ہے، ہم اس پر ریجھ رہے ہیں، یا اپنی غرض دنیا سے وابستہ کررہے ہیں، یہ وہ ٹافیاں ہیں جو شیطان نے ہم کو دے رکھی ہیں، اور ان ٹافیوں کے بدلے وہ ہم سے ایمان کا ہیرا اڑا لیتا ہے۔

شیطان کے بہکانے کا سامان

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود کیا تو شیطان نے کہا کہ میں انسان کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شوق سے کر، کہنے لگا کہ پھر ان کو بہکانے کے لئے مجھے سامان بھی تو دیا جائے، ایسا تو نہیں کہ کسی کے

ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دو، اور کہو کہ شاباش! اب تیر کر دکھاؤ، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، مجھے آپ نے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا ہے تو اس کا کچھ سامان بھی دیجئے۔ فرمایا ایک تو تجھے جال دیتا ہوں شکار کرنے کے لئے، اور وہ عورت ہے، ایک تجھے نشہ دیتا ہوں لوگوں کو مسحور کرنے کے لئے، اور یہ شراب ہے، اور ایک تجھے نغمہ دیتا ہوں، لوگوں کو اس جال میں پھانسنے کے لئے اور یہ گانے ہیں، اور شیطان ان چیزوں کو لے کر خوش ہوگیا، اور کہنے لگا اب کسی کو جانے نہیں دوں گا، کسی نہ کسی جال میں پھنسا کے چھوڑوں گا۔

دنیا کے نابالغ

تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کا مقصد دنیا ہے، ان کی نظر میں دنیا ہی بڑی چیز ہے، جیسے بچے کی نظر میں ٹافی ہیرے سے زیادہ مرغوب ہے، ہیرا اس کی نظر میں بے وقعت ہے، کیونکہ وہ اس کی قدر وقیمت سے ناواقف ہے، وہ اس کی قیمت نہیں جانتا۔ اسی طرح عام لوگ جن کی چشم بصیرت بالغ نہیں ہوئی، جن کی عقل سلیم بالغ نہیں ہوئی، اور جن کو ایمانی بصیرت اور وحی کی روشنی میسر نہیں وہ اس دنیا کی مٹھائی پر ریجھ گئے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے دنیا کی غرض کو چھوڑ کر آخرت کی غرض کو اپنالیا۔ کیونکہ ان کی نظر میں یہ دنیا بے وقعت تھی بہ مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے۔ یہ حضرات ان دنیاداروں سے بلند نظر نکلے۔ یہاں کی جتنی چیزیں ہیں یہ ان کے نزدیک مقصود نہیں بلکہ سامان زیست ہے، مقصود ان سے بالاتر ہے اور وہ ہے آخرت، جنت اور رضائے الٰہی۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بلند نظری

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب امیر المؤمنین بنے اور خلافت کے منصب پر پہنچے تو ان کی کیفیت یکسر بدل گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا، ناز و نعمت کی زندگی بدل گئی، کسی نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ خلیفہ بننے سے پہلے بہت خوش پوش تھے، بہترین لباس پہنتے تھے، خلیفہ بن جانے کے بعد کیا ہو گیا کہ یکسر حالت بدل گئی؟ ان دونوں حالتوں کا فرق صرف ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ ان کے خادم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ بازار سے چادر خرید لاؤ، (یہ ان کی خلافت کے زمانے کا قصہ ہے)۔ میں لے آیا، پوچھا کتنے کی لائے ہو؟ میں نے کہا پانچ درہم کی، ناراض ہو کر کہنے لگے تم نے اتنے پیسے برباد کرنے تھے؟ اتنی مہنگی چادر خرید کر لائے ہو؟ پانچ درہم کی چادر لائے ہو؟ وہ بگڑ رہے تھے اور میں ہنس رہا تھا۔ جب وہ خوب بگڑ چکے اور مجھ پر اظہار ناراضی کر چکے، اور میں خوب ہنس چکا تو کہنے لگے کہ ہنستا کیوں ہے؟ ایک تو کام خراب کر کے آیا، اُوپر سے ہنستا بھی ہے، میں نے کہا حضور مجھے ایک قصہ یاد آ گیا، جن دنوں آپ مدینہ کے گورنر ہوتے تھے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی چادر لاؤ، میں بازار گیا، اور ایک نفیس ترین شال لایا، اس کی قیمت تھی پانچ سو درہم، حضور نے پوچھا کتنی قیمت ہے؟ میں نے کہا پانچ سو درہم ہے۔ ہاتھ میں لے کر کہنے لگے اتنی نکمی اور ایسی کھردری لائی تھی، تمہیں کوئی اچھی چادر نہیں ملی، ایسی گھٹیا چادر اٹھا لائے؟ میں یوں ہنستا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پانچ سو درہم کی شال آپ کو کھردری لگ رہی تھی اور اس کو گھٹیا فرما رہے تھے، اور ایک آج یہ وقت ہے کہ پانچ درہم کی معمولی سی چادر لایا ہوں، یہ آپ کو بہت مہنگی لگ رہی ہے، یہ ایک مثال ہے کہ خلافت کے بعد ان کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا تھا، خلافت

سے پہلے ایسا نفیس لباس پہنتے تھے کہ پورے مدینہ میں ایسا بہترین لباس کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، اور ایسی بانکی چال چلتے تھے کہ دوشیزائیں (کنواری لڑکیاں) اس چال کی نقل اتارنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ عمری چال کہلاتی تھی۔ یا تو خلافت سے پہلے ناز ونعمت کا یہ عالم، یا خلافت کے بعد یہ تقشف۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک اور واقعہ

ایک دن جمعہ کا خطبہ دینے دیر سے پہنچے، پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک ہی کرتہ ہے جو صبح دھویا تھا، اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین جس کی سلطنت چین سے لے کر افریقہ تک تھی، وہ مسلمانوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ ذرا کپڑے کے سوکھنے میں دیر ہوگئی تھی، میرے پاس اس کا کوئی متبادل کپڑا نہیں تھا جس کو پہن کر آجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ خلافت کے بعد آپ کو کیا ہوگیا؟ گورنر پہلے بھی رہے، شاہی خاندان میں پھلے پھولے، مگر خلافت سے پہلے وہ ناز ونعمت، اور خلافت کے بعد یہ تقشف اور دنیا کی لذتوں سے بے زاری؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میرا نفس اللہ تعالیٰ نے ایسا بنادیا ہے کہ یہ کبھی چھوٹی چیز پر راضی نہیں ہوا، جب بھی مجھے کوئی مرتبہ اور کوئی منصب ملا، میرا نفس اس سے بالاتر مرتبہ ومنصب کا خواستگار رہا، اور دنیا میں خلافت سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں رہا، کسی شخص کے لئے سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، جب اس مرتبہ پر میرا قدم پہنچا تو ساری دنیا میرے سامنے بے وقعت ہوگئی، اور اب میرا نفس آخرت کا طالب ہوگیا۔ اب دنیا کی کوئی چیز کیا حاصل کرنی ہے؟ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے آگئی، مجھے تو

آگے جانا ہے۔

تو کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں کہ ساری دنیا تو قدموں کے نیچے ہے، اور ان کی نظر پوری دنیا سے بالاتر ہے۔ انہوں نے دنیا کی ٹافیوں کو مقصد نہیں بنایا، آخرت کے ہیرے اور جواہرات دے کر انہوں نے دنیا کی لذتوں کو نہیں خریدا، اس لئے ان کی محنت سب سے بلند اور ان کی نظر سب سے اونچی نکلی، اور کچھ حضرات ان سے بھی اوپر چلے گئے، ان کی نظر میں دنیا مطلوب نہ آخرت۔ صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے، ان میں آخرت کی اور جنت کی طلب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے، اصل مطلوب صرف ذات الٰہی ہے۔ غرض ہر انسان اپنی زندگی کی کوئی غرض وغایت رکھتا ہے، گویا ہر شخص صاحب غرض ہے، باقی یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ کسی کی غرض چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی اس سے بھی بڑی۔ جس قدر کسی کی نظر بلند ہوگی، اسی قدر اس کی غرض بھی اونچی ہوگی، اور اسی قدر اس کا مقصد بھی اونچا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ ہم تو ہیں فقیر، ہمارا کوئی کام غرض کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔

اپنی ہمت کو اونچا رکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا وخلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

یعنی "اپنی ہمت کو ذرا اونچا کرو، اس لئے کہ جتنی تمہاری ہمت اونچی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور مخلوق کے

نزدیک بھی تمہاری قدر اتنی ہی بلند ہوگی۔"

اگر تم ایک ٹافی پر اپنا ایمان دے سکتے ہو تو تمہاری قیمت چار آنے نکلی۔ اگر دنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت پر تم اپنا ایمان بیچ سکتے ہو تو تمہاری قیمت اتنی ہی نکلی، اور اگر تم اس سے بھی اُونچے چلے گئے اور یہ کہا کہ کیا یہ دنیا میری قیمت ہے؟ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔ کیونکہ دنیا کی قیمت تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

طالب علمی کا واقعہ

اپنی خود ثنائی تو نہیں کرنی چاہئے۔ مگر تمہیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ حدیث شریف سے میں فارغ ہو چکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ تو میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کر کے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعہ کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے، انہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اور اس کی تیاری کر رہے تھے، جب بھی تکرار کے لئے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ تم بھی امتحان دے لو، میں کہتا میں غریب آدمی ہوں، ۸۰ روپے داخلہ کی فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں بھر دوں گا، تم داخلے کے لئے آمادہ ہو جاؤ، میں نے کہا سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا بالکل؟ میں نے کہا کہ میں پہلے تو تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہو کہ آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ ازراہ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف

لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں، اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اول نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں، میں نے کہا کہ اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط بھی آجائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں۔ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں، وہ میرے بچپن کا لاشعوری زمانہ تھا، شعور تو اب بھی نہیں ہے۔ بچپن میں خیالات بڑے عجیب ہوتے ہیں، میرا بھائی! تم لوگ مہمان ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو۔ دنیا تمہارے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قیمت ہے؟ تو بھئی ہمارا تو سارا کاروبار ہی غرض پر مبنی ہے۔ باقی غرض کا پیمانہ آدمی کی ہمت سے طے ہوتا ہے۔ کتنی اونچی ہمت کا ہے؟ کتنا قد آور ہے؟ جس شخص کا مقصود ذات عالی بن جائے، آسمان اس کے سامنے پست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقصد بناؤ

اگر تم اللہ کے طالب بن جاؤ تو یہاں کی زمین کی چیزیں تو کیا تم تو آسمان سے اونچے ہو۔ میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ ”بھئی ایک دفعہ ہم دعا مانگ رہے تھے، دعا مانگتے مانگتے خیال آیا، ارے! کس سے مانگ

رہے ہو؟ رب العرش سے مانگ رہے ہو، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ آسمان میرے ہاتھوں کے نیچے آگیا، اور میرے ہاتھ عرش سے اوپر چلے گئے"، تم جو دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہو، کہاں اٹھاتے ہو؟ کس داتا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ہاں تم بارگاہ رب العزت کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو، غور کرو کہ عرش کی بلندیاں اس کے سامنے کیا چیز ہیں؟ اور جب تم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو تو کیا تم چھوٹے ہو؟ نہیں! تمہاری یہ گردن جو اس ذات عالی کے سامنے جھکے گی کیا کسی اور کے سامنے جھک سکتی ہے؟ اور یہ ہاتھ جو اس ذات عالی کے سامنے اٹھتے ہیں، کسی اور کے سامنے اٹھ سکتے ہیں؟ دراصل ہمیں اپنی قیمت معلوم نہیں۔ تو بھئی ہمارا سارا کام غرض پر مبنی ہے۔

اعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

یہ اعتکاف میں بیٹھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے، ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک مرتبہ امتحان لیا، اس کے امراء و وزراء اعتراض کرتے تھے کہ بادشاہ کو اپنے غلام (ایاز) سے بڑا تعلق خاطر ہے، اس کی بڑی عزت کیا کرتا ہے، اس کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ حالانکہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، لیکن بادشاہ کی نظر میں ہماری اتنی عزت نہیں، ایک دن بادشاہ نے امتحان لیا کہ دربار میں ایک بازار لگایا محل میں قیمتی سے قیمتی چیزیں جمع کر دیں اور سب کو جمع کر کے بادشاہ نے کہا آپ حضرات میں سے جس کو جو چیز پسند آئے وہ لے جائے، وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔ ہر

آدمی یہ سن کر اپنی پسند کی چیزوں کی طرف لپکا، جیسے بھوکا روٹی پر ٹوٹتا ہے، ایاز کھڑے کا کھڑا رہا، اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، سلطان نے کہا کہ تم بھی اٹھالو۔ ایاز نے کہا حضور! کیا اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہوں پسند کرلوں؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں اجازت ہے جو چیز چاہو پسند کرلو، ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا کہ مجھے تو یہ پسند ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کا امتحان لینا مقصود تھا، اور اس امتحان کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا، دیکھ لو یہ تم ہو اور یہ ایاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ دنیا کا بازار سجا کر ہمارا امتحان لے رہے ہیں۔ اے کاش! کہ ہم بھی کہیں کہ یا اللہ! ہمیں تو آپ پسند ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارا ہوگیا تو سب کچھ ہی ہمارا ہوگیا۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے الٰہی ہے۔ اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے الٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

اعتکاف کی سوغات

اب یہاں سے اعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاً آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ۔ اعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو،

اول: ایک فضول لایعنی کا ترک۔ جتنا چاہو کھاؤ جتنا چاہو سوؤ، لیکن التزام

کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے۔ فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم: ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

سوم: اپنے رفقاء کا اکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم: رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت و قوت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر و تلاوت، تسبیحات، درود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو۔ لیکن بھئی! اپنی صحت و قوت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم: میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ التجاء الی اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دنیا سے یکسو اور بے نیاز ہو کر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑگڑا کر مانگو، اور اس طرح آہ و زاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم آجائے۔

ششم: یہاں جو اصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب و نقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ واستغفار کرو۔ اللہ

تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اعتکاف کے مسائل کا بیان

ذیل میں مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب "زبدۃ الفقہ" سے اعتکاف کے مسائل درج کیے جاتے ہیں۔

اعتکاف کی تعریف:

شرع میں اعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے جس کا امام و مؤذن مقرر ہو یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

اعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے:

(۱) واجب، اور وہ نذر کا اعتکاف ہے خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا موقوف نہ ہو، کسی شرط پر موقوف نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اعتکاف کروں اور کسی شرط پر موقوف ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اعتکاف کروں گا۔ واجب اعتکاف کی کم سے کم مدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک دن ہے کیونکہ اعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے، اگر کسی

نے کہا کہ مجھ پر اللہ کے واسطے اعتکاف کرنا واجب ہے اور اس کی مدت متعیّن نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اعتکاف واجب ہو گا، اعتکاف واجب کے لئے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے پس اگر تمام عمر کے اعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

(۲) سنت مؤکدہ: اور وہ ہر سال میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے۔ اس کے لئے بھی روزہ شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ سُنّت علی الکفایہ ہے پس اگر بستی والوں میں سے کسی ایک آدمی نے یا بعض لوگوں نے اس سُنّت کو ادا کرلیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اگر بستی کے سب ہی لوگ اس کو ترک کردیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سُنّت کو ادا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

(۳) مستحب: یعنی سُنّت غیر مؤکدہ یا نفلی اعتکاف، اور وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ ہے پس جو شخص جس وقت چاہے مستحب اعتکاف ادا کرسکتا ہے۔ مستحب یعنی نفلی اعتکاف کی کم سے کم مدت ایک ساعت یعنی تھوڑی دیر ہے، خواہ وہ رات کے وقت میں ہو یا دن کے وقت میں اور یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے۔ پس اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے سے ہی مستحب اعتکاف حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ مسجد میں سے گزرتے ہوئے ہی اعتکاف کی نیت کرلے اور مسجد میں بیٹھے نہیں اور خواہ رات کے وقت میں ایسا کرے، اس لئے کہ اس اعتکاف میں اس کا صرف مسجد میں ٹھہرنا ضروری ہے خواہ وہ اتنا تھوڑا ہو جتنا کہ قدموں کے رکھنے میں وقت لگتا ہے، جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہوا تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اعتکاف ختم ہوجائے

گا۔ جو شخص مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکلنے کا ارادہ کرے تو چونکہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے اس لئے اس کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے داخل ہو تاکہ وہ مسجد کو راستہ بنانے والا نہ بنے۔

فائدہ: جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے تاکہ وہ جب تک مسجد میں رہے اس کے لئے اعتکاف کا ثواب ملتا رہے اور اس کو مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ جائز ہو جائے، اس طرح اس کو روزانہ بہت دفعہ اعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دعا کے ساتھ اعتکاف کی نیت کے لئے یہ الفاظ کہہ لیا کرے،
"نویت الاعتکاف مادمت فی ھذا المسجد" یا یوں کہے
"نویت سنة الاعتکاف"

اعتکاف کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ واجب اعتکاف میں یہ واجب اس کے ذمہ سے ادا ہوجاتا اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور نفلی اعتکاف میں اس کو صرف ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اعتکاف کا رکن:

اس کا رکن مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنا ہے۔

اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

(۱) نیت: خواہ اعتکاف واجب ہو یا سُنت یا نفل ہو اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی واجب اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمہ سے ادا نہیں ہوگا اور نفلی اعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) مسجد میں اعتکاف کرنا: جس مسجد میں اذان واقامت ہوتی ہو وہاں اعتکاف کرنا درست ہے اور اس مسجد میں اعتکاف کرنا درست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو، جامع مسجد میں مطلقاً اعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرے، پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ہے، پھر مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو ورنہ اپنے محلّہ کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو، وہ افضل ہے۔ عورت اپنے گھر میں اس جگہ اعتکاف کرے جو اس نے پانچ وقت نماز یا اعتکاف کے لئے مقرر کی ہو، اگر عورت نے اس مقررہ جگہ کے علاوہ گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کیا تو اس کا اعتکاف درست نہیں ہے، اگر اس نے پہلے سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر نہ کی ہو تو اب مقرر کرلے اور اس میں اعتکاف کرے۔ ہر عورت کے لئے

مستحب ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے گھر کے اندر ایک جگہ مقرر کرلے اور اس کو ہر طرح کی آلائش سے پاک صاف رکھے اگرچہ اس جگہ کے لئے مسجد کے احکام ثابت نہیں ہوتے لیکن عورت کے حق میں یہ جگہ مسجد جماعت کے حکم میں ہوجائے گی۔ مردوں کے لئے بھی نماز نوافل کے لئے اپنے گھر میں جگہ مخصوص کرنا مستحب ہے۔ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اعتکاف نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) روزہ: واجب یعنی نذر کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ ایک مہینہ کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ ایک مہینے کا اعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔ اگر کسی نے رات کے اعتکاف کی نذر کی تو درست نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوتا اور اگر رات کے ساتھ دن کے اعتکاف کی بھی نیت کرے تب بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے، پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہوجائے گی، لیکن اگر دن کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اعتکاف لازم ہوگا۔ اگر کسی نے یوں کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمہ واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اعتکاف کروں تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن رات اس میں داخل ہوجائے گی۔ نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے اور مسنون اعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے پس اگر کسی نے، مثلاً مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے، رمضان کے اخیر عشرہ کے روزے نہیں رکھے اور اس عشرہ کا اعتکاف کیا تو یہ

اعتکاف سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ ادا نہیں ہوگا بلکہ نفلی ہوگا۔ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح ہے، یعنی یہ نذر اس پر لازم ہو جائے گی اور رمضان کے روزے اعتکاف کے روزوں کی بجائے کافی ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے اور اگر کسی نے ماہ رمضان میں اعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اعتکاف کے قضا کیئے تو جائز ہے۔

(۴) **مسلمان ہونا:** کیونکہ کافر عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

(۵) **عاقل ہونا:** کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اصل میں یہ دونوں امر نیت کے لئے شرط ہیں کیونکہ نیت اسلام اور عقل کے بغیر درست نہیں ہوتی، اور اعتکاف میں نیت شرط ہے۔

(۶) **جنابت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا،** کیونکہ جنابت اور حیض ونفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے اور اعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر ادا نہیں ہوتی۔ بالغ ہونا اعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے۔ پس سمجھ والے لڑکے کا اعتکاف صحیح ہوگا جیسا کہ اس کا نفلی روزہ درست ہو جاتا ہے۔ مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پس عورت کا اعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے اور غلام کا اعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے اگرچہ وہ اعتکاف واجب ہی ہو، اور جب عورت کو اسکے خاوند نے اعتکاف کی اجازت دے دی تو اب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں

ہے۔

اعتکاف کی خوبیاں

اعتکاف کی بہت سے خوبیاں ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① اپنے قلب کو دنیاوی امور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے۔ اعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا دیتا ہے اور دنیا کے اشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ اس کی طرف التجا کرنے کے لئے اس کا تقرب حاصل کرے۔

② اعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صرف ہوتے ہیں خواہ حقیقتاً ہوں یا حکماً کیونکہ وہ ہروقت نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔

③ اعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدر امکان ترک کرتا ہے۔

④ اعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

⑤ اعتکاف کرنے والا شیطان اور دنیا کے مکروغلبہ سے محفوظ ہوتا ہے گویا کہ مضبوط قلعہ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔

⑥ اعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

⑦ اعتکاف اخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اشرف الاعمال ہے۔

⑧ اعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
⑨ اعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی وعاجزی کا اظہار کرتا اور بقدر امکان ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

اعتکاف کے آداب و مستحبات

① نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام کرنا مکروہ ہے، اعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں اور باتوں کے بارے میں یہی حکم ہے اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہے۔ نیک باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو، مباح کلام کرنا ضرورت کے وقت نیک کام میں شامل ہے اور بلا ضرورت نیک کام میں شامل نہیں۔ اگر مباح کلام تقرب کے قصد سے ہو تو اس میں ثواب ملے گا۔
② اعتکاف میں اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، درود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا، حدیث شریف اور دینی علم پڑھنا اور پڑھانا اور درس دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاً علیہم السلام کی سیرت وحالات اور نیک لوگوں کے حالات وحکایات کا پڑھنا اور بیان کرنا اور دینی امور کے لکھنے میں مشغول ہونا اختیار کرے۔
③ رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کا التزام کرے۔
④ اعتکاف کے واسطے افضل مسجد کو اختیار کرے مثلاً مسجد الحرام یا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا مسجد اقصیٰ یا جامع مسجد کو اختیار کرے۔
⑤ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرے تو اکیسویں شب کو یعنی

بیس رمضان کا سورج غروب ہونے سے قدرے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور رمضان المبارک کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے باہر آجائے۔

جن چیزوں سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا

اعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

مسجد سے باہر نکلنا: اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اعتکاف والی مسجد سے بلا عذر نہ دن میں باہر نکلے اور نہ رات میں، اگر عذر کے بغیر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسجد سے نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر۔ اگر کسی عذر سے باہر نکلنے پر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرا رہا تب بھی اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور نفلی اعتکاف ختم ہوجائے گا۔ عذر کی وجہ سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عذرات جن کی وجہ سے اعتکاف والے کا مسجد سے نکلنا جائز ہے یہ ہیں:

اول طبعی حاجت: یعنی پیشاب، پاخانہ، استنجا، وضو اور فرض غسل کے لئے یعنی اگر احتلام ہوجائے تو غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ پس جب پیشاب یا پاخانہ کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن قضائے حاجت کے بعد طہارت یعنی استنجا و وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرا رہا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر اعتکاف کرنے والے کے دو

گھر ہوں جن میں سے ایک نزدیک اور دوسرا دور ہو تو بعض کے نزدیک دور والے گھر میں قضائے حاجت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گا اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلاء ہو جو گھر کی بہ نسبت قریب ہے تو اس صورت میں وہی اختلاف ہے جو دو گھروں کے بارے میں بیان ہوا۔ اس لئے احتیاطاً قریب والے بیت الخلاء کو استعمال کرے، لیکن اگر وہ شخص مسجد کے بیت الخلاء سے یا اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر والے بیت الخلاء سے مانوس نہ ہو اور وہاں اس کو آسانی سے رفع حاجت نہ ہوتی ہو تو اپنے مانوس بیت الخلاء میں رفع حاجت کے لئے جانا بلا اختلاف جائز ہے، اگرچہ وہ دور ہو۔ جب حاجت طبعی کے لئے نکلے تو اس کے لئے وقار و سکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنی اعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے، اس کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر اعتکاف والے کے لئے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کو گھر سے کھانا لے آنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشاب پاخانہ کی طرح طبعی حاجت میں داخل ہے (لیکن اس کو چاہئے کہ کھانا لے کر فوراً مسجد میں آجائے اور وہیں آکر کھائے)۔

دوم شرعی حاجت: مثلاً اذان دینے یا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے باہر نکلنا جائز ہے۔ پس اگر اذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور اذان کے مینارہ کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہو گا خواہ وہ مؤذن ہو یا نہ ہو، اور اگر اذان کا مینارہ اندر ہو تو بدرجۂ اولیٰ اس پر چڑھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے تحری (اٹکل) کرکے اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبہ کی اذان سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار

رکعتیں سُنت جمعہ قبلیہ پڑھ لے۔ اس کا اندازہ اعتکاف کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور نماز فرض جمعہ ادا کرنے کے بعد اس قدر ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے۔ فرض جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں اور بعد کی چار یا چھ رکعتیں اعتکاف والی مسجد میں بھی ادا کرسکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے، اگر زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا رہا، مثلاً ایک دن رات وہاں ٹھہرا رہا یا باقی اعتکاف وہیں پورا کیا۔ تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر کسی عذر، مثلاً مسجد کے گرجانے یا زبردستی کسی کے نکال دینے کی وجہ سے یا اپنی جان ومال کے خوف سے مسجد سے نکلا اور اسی وقت اعتکاف کی نیت سے دوسری مسجد میں داخل ہوگیا کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا، تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مذکورہ دو قسم کے عذرات کے علاوہ کسی اور عذر سے مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ پس اگر بیماری یا خوف کی وجہ سے یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن اگر بشری حاجت پیشاب پاخانہ وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے چلا گیا تو جائز ہے، جب کہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اس مقصد کے لئے نہ ہو اور وہ راستہ سے نہ پھرے اور نماز جنازہ یا مریض کی مزاج پرسی سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے ورنہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر نذر کرتے وقت شرط کرلی ہو کہ وہ عیادت مریض یا نماز جنازہ یا مجلس علم میں حاضر ہوگا تو اب امور کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب قدموں کا مسجد سے باہر نکالنا ہے۔ پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر نکالے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ یہ

سب احکام واجب اور سُنّت مؤکدہ اعتکاف کے ہیں، اگر نفلی اعتکاف میں عذر سے یا بلا عذر مسجد سے نکلے، تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر نفلی اعتکاف شروع کیا پھر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے کیونکہ یہ اس اعتکاف کو ختم کرنا ہے توڑنا نہیں ہے اور سُنّت مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف بھی شروع کرکے توڑ دینے سے ختم ہو جائے گا سُنّت مؤکدہ کی بجائے ادا نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو پورے عشرہ کا ہی ہوتا ہے اس سے کم کیا ہوا اعتکاف نفلی بن جائے گا اور اس پر اس دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہو گی جس دن کا اعتکاف فاسد کیا ہے۔

(۲) اعتکاف توڑنے والی چیز جماع اور اس کے لوازم ہیں۔ اعتکاف والے پر جماع اور اس کے لوازم حرام ہیں۔ پس پیشاب پاخانہ کے مقام میں دخول سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اور لوازم جماع مثلاً مباشرت (بدن سے بدن ملانا) بوسہ، مساس، معانقہ اور پیشاب و پاخانہ کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً ران یا پیٹ وغیرہ میں جماع کرنا، ان سب صورتوں میں اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، خواہ جماع ولوازم جماع دن میں واقع ہوں یا رات میں اور جان بوجھ کر ہوں یا بھول کر اور خواہ رضامندی کی حالت ہوں یا اکراہ کی حالت ہر حال میں اعتکاف فاسد ہونے کا حکم یکساں ہے، خواہ جماع مسجد سے باہر واقع ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماع ولوازم جماع کی جن صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے ان سب صورتوں میں اعتکاف بھی ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا ان صورتوں میں اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے دن رات اس حکم میں برابر ہیں اور روزے میں صرف دن کے وقت یعنی

روزہ کے حالت میں یہ چیزیں روزہ کو فاسد کردیتی ہیں، جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی دوسری چیزوں سے واجب وسنت مؤکدہ اعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جب کہ روزہ کو توڑنے والی چیز دن میں یعنی روزہ کی حالت میں پائی جائے کیونکہ روزہ اعتکاف کے لئے شرط ہے اس لئے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

(۳) اعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بے ہوشی اور جنون ہے۔ بے ہوشی یا جنون سے اعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ وہ دو یا زیادہ دن تک رہے، کیونکہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہوجائے گا لیکن پہلے دن کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا جب کہ اس نے وہ دن مسجد ہی میں پورا کیا ہو کیونکہ نیت پائی گئی ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو جنون یا بے ہوشی دور ہونے کے بعد اس پر اس دن کی قضا لازم ہوگی اوراس دن کے علاوہ بے ہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اعتکاف بھی جنون و بے ہوشی دور ہونے کے بعد قضا کرے، اگرچہ وہ جنون بہت طویل ہوگیا ہو اور جب اس واجب (یعنی نذر کے) اعتکاف کی قضا پر قادر ہو تو اس کو روزہ کے ساتھ قضا کرے۔

فائدہ: اگر وہ واجب (یعنی نذر کا) اعتکاف کسی معین مہینے کا ہو تو جس قدر دن باقی رہ گئے ہوں صرف اتنے ہی دن کا اعتکاف قضا کرے، اس کے سوا اور کچھ نہیں اور اگر وہ واجب اعتکاف غیر معین مہینے کا ہو تو فاسد کردینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا کیونکہ وہ لگاتار ادا کرنا لازم ہوا ہے، خواہ اس اعتکاف کو اپنے فعل سے کسی عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو یا اس کے فعل کے بغیر ہی فاسد ہوا ہو۔

وہ چیزیں جو اعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں

① خاموش رہنا: اگر اعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر اس کو عبادت نہ سمجھتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ بات کرنا کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً غیبت کرنا، اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے برے شعر پڑھنا یا سامان تجارت بیچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لئے پہلی قسم سے چپ رہنا فرض ہے اور دوسری قسم سے چپ رہنا واجب ہے۔ غیر مفید باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بچانے کے لئے خاموش رہنا مکروہ نہیں ہے لیکن زیادہ تر وقت تلاوت قرآن پاک وذکر وغیرہ عبادت میں گزارے۔ خاموش رہنے کے یہ احکام مسجد سے باہر اور اندر والے اور جو شخص اعتکاف میں نہ ہو سب کے لئے یکساں ہیں، مسجد میں اور اعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اولیٰ یہ احکام ہیں۔

② اگر اعتکاف والے شخص نے دن میں (روزہ کی حالت میں) بھول کر کچھ کھا پی لیا تو چونکہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لئے اس کا اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

③ اگر اعتکاف والا شخص کھانا اور اپنی ضرورت کی چیزیں مسجد میں بیچے یا خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادہ سے کرے تو مکروہ ہے۔ اعتکاف کی حالت میں نکاح کرنا، طلاق سے رجعت کرنا، لباس پہننا، خوشبو او تیل لگانا جائز ہے۔

④ اعتکاف کرنے والے کو مسجد میں تجارت کے قصد سے خرید وفروخت

کی بات کرنا مکروہ ہے، خواہ سامان تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور بغیر اعتکاف والے کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ تجارت کے لئے یا بغیر تجارت کے ہو۔ اور خواہ سامان تجارت حاضر ہو یا نہ ہو، اور خواہ اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کا محتاج ہو یا نہ ہو۔

⑤ سامان تجارت کو مسجد میں موجود کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو کھانا اعتکاف والے نے خریدا اس کو مسجد میں لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

⑥ مسجد میں وطی (جماع) اور اس کے لوازم یعنی بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ کرنا وغیرہ حرام ہے۔

⑦ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ افعال مسجد میں اور مسجد سے باہر ممنوع و حرام ہیں۔ پس اعتکاف کی حالت میں بدرجۂ اولیٰ ممنوع و حرام ہیں اس لئے ان سے بچنا ہر وقت ضروری ہے۔

اعتکاف کے متفرق مسائل

① جب کوئی شخص اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا یعنی اعتکاف کی نذر ماننے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے صرف دل سے نیت کرنا اعتکاف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

② اگر تثنیہ یا جمع کے صیغہ کے ساتھ یعنی دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر کی یا دو راتوں یا تین یا زیادہ راتوں کے اعتکاف کی نذر کی تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اور ان راتوں کے ساتھ ان کے دنوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ کچھ نیت نہ کی ہو یا دن

اور رات دونوں مراد لئے ہوں، لیکن اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی اور راتوں کی نذر میں خالص اعتکاف لازم ہوگا اور اس کو متفرق طور پر ادا کرنے کا اختیار ہے اس پر راتوں کا اعتکاف واجب نہیں ہوگا اور صرف راتوں کے اعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا کیونکہ راتیں روزے کا محل نہیں ہیں اور اگر صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً داخل نہیں ہوگی اسی طرح صرف ایک رات کے اعتکاف کی نذر کرنے میں دن ضمناً شامل نہیں ہوگا اور چونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا اس لئے وہ نذر لغو ہوجائے گی۔

③ جب اعتکاف کے واجب ہونے میں رات داخل نہیں ہے تو اعتکاف کرنے والے کو اختیار ہے کہ متفرق طور پر ادا کرے یا لگاتار ادا کرے اور جب رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اس کو لگاتار اعتکاف کرنا واجب ہوگا، متفرق طور پر ادا کرنے سے ادا نہیں ہوگا۔

④ جب اعتکاف میں رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اعتکاف کی ابتداء رات سے ہوگی۔ پس وہ اپنی نذر کے پہلے دن سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اپنی نذر کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور جب صرف دنوں کے اعتکاف کی نذر کی تو دن سے اعتکاف شروع کرے اور طلوع فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور غروب آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔

⑤ اگر ایک معین دن یا ایک معین مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور اس دن سے ایک دن پہلے یا اس مہینہ سے ایک مہینہ پہلے اعتکاف کرلیا یا مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر کی اور کسی اور مسجد میں اعتکاف کرلیا تو جائز ہے، اسی

طرح معین وقت کے بعد بھی ادا کر سکتا ہے۔

(۶) اگر گزرے ہوئے مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

(۷) اگر کسی نے ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی پھر وہ ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اگر اس نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ہر روزہ کے اعتکاف کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار گیہوں یا جو وغیرہ سے دیئے جائیں اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو اس کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اگر کسی نے مرض کی حالت میں ایک مہینہ کے اعتکاف کی نذر کی اور وہ تندرست نہ ہوا یہاں تک کہ مرض کی حالت میں ہی مرگیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر ایک دن کے لئے اچھا ہوگیا پھر مرگیا تو سارے مہینہ کے عوض فدیہ دیا جائے گا۔

(۸) جب واجب اعتکاف فاسد ہوجائے تو اس کی قضا واجب ہے۔ پس اگر کسی معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی تھی اور اس نے ایک دن یا زیادہ دنوں کا روزہ توڑ دیا تو اتنے ہی دن قضا کرے جن کا روزہ توڑا ہے، اور اگر غیر معین مہینے کے اعتکاف کی نذر کی اور اس کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا تو نئے سرے سے اعتکاف کرے، اس لئے کہ اس کا لگاتار ادا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے اپنے فعل سے عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا عذر کے ساتھ لیکن اگر معتبر عذر کے بغیر فاسد کردے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ اعلم

س...... ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ دیئے مجبوری کے تحت کیا وہ شخص اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

ج...... ضرور بیٹھ سکتا ہے' اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہئے۔ اعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔

س...... کیاایک مسجد میں صرف ایک اعتکاف ہو سکتا ہے یاایک سے زائد بھی؟

ج...... ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں اعتکاف بیٹھیں اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔

س...... حالت اعتکاف میں جس مخصوص کونہ میں پردہ لگا کر بیٹھا جاتا ہے کیا دن کو یا رات کو وہاں سے نکل کر مسجد کے کسی پنکھے کے نیچے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ معتکف کسے کہتے ہیں اس مخصوص کونہ کو جس میں بیٹھا جاتا ہے یاپوری مسجد کو معتکف کہا جاتا ہے؟ اور بعض علماً سے سنا ہے کہ دوران اعتکاف بلاضرورت گرمی دور کرنے کے لئے غسل کرنا بھی درست نہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر بحالت ضرورت مسجد سے نکل کر جائے اور کسی شخص سے باتوں میں لگ جائے تو کیا ایسی حالت میں اعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج...... مسجد کی خاص جگہ جو اعتکاف کے لئے تجویز کی گئی ہو اس میں مقید رہنا کوئی ضروری نہیں بلکہ پوری مسجد میں جہاں چاہے دن کو یا رات کو بیٹھ سکتا ہے اور سو سکتا ہے ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی نیت سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں البتہ اس کی گنجائش ہے کہ کبھی استنجاد غیرہ کے تقاضے سے باہر جائے تو وضو کے بجائے دو چار لوٹے پانی کے بدن پر ڈال لے معتکف کو ضروری تقاضوں کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں ٹھہرنا چاہئے بغیر ضرورت کے اگر گھڑی بھر بھی باہر رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا حضرت امامؒ کے قول میں احتیاط ہے اور صاحبینؒ کے قول میں وسعت اور گنجائش ہے۔

س...... کیا اعتکاف میں بیٹھنے کے لئے جو چاروں طرف چادریں لگا کر ایک حجرہ بنایا جاتا ہے۔ ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی اعتکاف ہو جاتا ہے؟

ج...... چادریں معتکف کی تنہائی و یکسوئی اور آرام وغیرہ کے لئے لگائی جاتی ہیں ورنہ اعتکاف ان کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

س…… اعتکاف کے دوران گفتگو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو گفتگو کی نوعیت بتائیں؟

ج…… اعتکاف میں دینی گفتگو کی جاسکتی ہے اور بقدر دنیوی بھی۔

س…… دوران اعتکاف تلاوت کلام پاک کے علاوہ سیرت اور فقہ سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟

ج…… تمام دینی علوم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

س…… مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مسجد جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈوالہ یار ضلع حیدر آباد کی کالونی میں واقع ہے' اس مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر انتہائی دیندار آدمی ہیں) اعتکاف میں بیٹھتے ہیں۔ لیکن ان کے اعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشہ میں بیٹھتے ہیں وہاں گاؤ تکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلیفون بھی لگوالیتے ہیں جو کہ اعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اعتکاف کے دوران اسی ٹیلیفون کے ذریعہ تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام دفتری کارروائی' فائلیں وغیرہ مسجد میں منگوا کر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگوا کر مسجد میں ہی قوالیوں کے کیسٹ سنتے ہیں جبکہ قوالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں۔ کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوالی سنی جائے؟ اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھوا کر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دینی پروگرام بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے ہیں۔ اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ہماری کالونی کے متعدد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے۔ کیا ان نمازیوں کا یہ فعل صحیح ہے؟

ج…… اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص انقطاع الی اللہ میں گزاریں

اور حتی الوسع تمام دنیوی مشاغل بند کر دیئے جائیں۔ تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو ان کا کرنا جائز ہے۔ لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لئے دفتر میں تبدیل کر دینا بے جا بات ہے اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا یا ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے جو نیکی برباد گناہ لازم کے مصداق ہے۔ آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہئے کہ اگر اعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں فقیرانہ کریں اور محرمات سے احتراز کریں ورنہ اعتکاف ان کے لئے کوئی فرض نہیں۔ خدا کے گھر کو معاف کریں' اس کے تقدس کو پامال نہ کریں۔

س...... کیا حالت اعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر) حالت پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دور کرنے کے لئے غسل کر سکتا ہے' اور کیا اس سے اعتکاف سنت ٹوٹ جاتا ہے' جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو' اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج...... غسل اور وضو سے مسجد کو ملوث کرنا جائز نہیں' اگر صحن پختہ ہے' اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے' اور پھر جگہ کو صاف کر دے۔

س...... ہمارے محلّہ کی مسجد میں دو آدمی اعتکاف میں بیٹھے تھے زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کے غسل خانہ میں غسل کرتے تھے۔ ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح غسل کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے؟

ج...... ٹھنڈک کے لئے غسل کی نیت سے جانا معتکف کے لئے جائز نہیں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب پیشاب کا تقاضا ہو تو پیشاب سے فارغ ہو کر غسل خانے میں دو چار لوٹے بدن پر ڈال لیا کریں' جتنی دیر میں وضو ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں بدن پر پانی ڈال کر آجایا کریں الغرض غسل کی نیت سے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں' طبعی

ضرورت کے لئے جائیں تو بدن پر پانی ڈال سکتے ہیں۔اور کپڑے بھی مسجد میں اتار کر جائے تاکہ غسل خانے میں کپڑے اتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔

س...... میں نے ایک منت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہو گئی تو میں اعتکاف میں بیٹھوں گا مگر میں اس طرح نہ کر سکا۔ تو مجھے بتایئے کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں ؟ کہ میری یہ منت پوری ہو جائے۔باقی دو روزے نہ رکھنے کے لئے بتایئے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہوگا ؟

ج...... آپ نے جتنے دن کے اعتکاف کی منت مانی تھی اتنے دن اعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے۔ اور اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہیں۔جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے آپ کے ذمہ رہے گا اور اگر اسی طرح بغیر کئے مر گئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہوگی۔اور آپ کے ذمہ روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہوگی۔

۲ :...... جتنے دن کے روزوں کی منت مانی تھی اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔البتہ اگر آپ اتنے بوڑھے ہو گئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جا سکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی امید ختم ہو چکی ہے تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقتہ کھانا کھلا دیجئے یا صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔

عظمتِ قرآن

اوراس کی تلاوت کے فوائد و ثمرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

یہاں آپ حضرات کی مسجد میں مدرسہ حفظ قرآن شروع ہوا ہے، اس کے سلسلہ میں حاضری ہوئی ہے، اس لئے دو چار باتیں اسی کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر وقیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"لوانزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ" (الحشر:۲۱)

ترجمہ: "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو

(اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا"۔

پہاڑ بھی اس کلام پاک کی عظمت کو برداشت نہ کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآن کریم نازل ہوا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعہ سے ان کے دلوں تک پہنچا۔ اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبرائیل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کا واسطہ، پھر انسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ تو اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآن کریم ہم تک پہنچا اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ یہ تو اس کلام پاک کی عظمت ہے۔ اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب پڑھو اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں

یہ کلام پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ بطور لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ شیطان کا نام اچھا ہے کہ برا؟ برے کا نام برا ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے۔ ش ی ط ا ن، شیطان کا نام

ملنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ تو جب قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ "فرعون" کے نام کے پانچ حرف ہیں۔ ف ر ع و ن۔ قرآن کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بدبخت ہے، شیطان اپنی جگہ بدبخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام آگیا تو اس کو پڑھتے ہوئے جب کوئی فرعون کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی۔ تو میں نے کہا کہ کتنی بڑی اس کی عظمت ہے؟ کتنی بڑی اس کی قیمت ہے؟

قرآن کریم سے محبت

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی۔ قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے۔ گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے، مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا اتنی ہی حق تعالیٰ شانہ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلام پاک سے تعلق ہوگا، کلام پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے اور نہ ہو تو قل ھو اللہ ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں۔ صرف قل ھو اللہ یاد رہتی ہے وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی۔ اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے۔ اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے جس میں چھوٹی سورتیں ہیں۔ اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں۔ الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"ان الذی لیس فی جوفہ شئی من القرآن کالبیت الخرب" (مشکوٰۃ: ۱۸۶۔ بحوالہ ترمذی ودارمی)

ترجمہ: "وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر"۔

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں۔ تو جس مؤمن کے دل میں قرآن کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

تلاوت قرآن کی مقدار

قرآن کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس

پارے روزانہ قرآن کریم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا۔ اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی جو فمی بشوق پڑھتے تھے۔ قرآن کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی۔ پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۃ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، اور پانچویں منزل شعرآء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۃ ق سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فمی بشوق۔ تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم۔ جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتہ کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم۔ اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآن کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین قرآن ہوجائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآن کریم کا معمول ہو۔ جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی معمول ہونا چاہئے۔ ایک مہینے کے بعد قرآن کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے تو تم کہو کہ میں نے ۲۲ واں پارہ پڑھا ہے آج ۲۲ تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو۔ پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی

ایک رکوع۔ البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے۔ تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں۔ لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ رمضان المبارک میں ۶۱ قرآن پڑھتے تھے۔ ایک قرآن دن کا ایک رات کا اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول امام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہی معمول امام بخاریؒ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کا تھا، لیکن ۶۱ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعیّن ہوں گے۔ جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے۔ سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتہ چلتا نہیں۔ لیکن کتنی طاقتور محبت ہے۔ کتنے درجہ کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا۔ یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے۔ اب محبت کا کوئی پتہ نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے۔

بچوں کی تعلیم قرآن کی ضرورت واہمیت

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے

ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، ان پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے۔ تعلیم دلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے۔ لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلہ میں کتنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دوسری تعلیم کے بجائے قرآن کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآن کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں، اور بس۔ اور یہ جو بڑے اونچے خاندان کے لوگ ہیں ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآن کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے، ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو لوگ اونچے اونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے۔ الّاماشاء اللہ۔ اس طرف سے غافل ہیں۔ البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی موذن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے۔ ان کے بچے جاکر مسجد کی پرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزت کی بات نہیں۔ اس لئے بچوں کو

مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ امراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآن کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کو بس اتنا کر دیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ۲، ۳ سال میں قرآن یاد کرلیتا ہے اور میرے جیسا کوئی کمزور ہو تو وہ ۵، ۶ سال لے ڈوبتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے۔ قرآن کریم جس بچے نے حفظ کرلیا اس کو لے جاکر چھٹی جماعت میں داخل کردو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا۔ کیوں بھئی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا۔ اب ۵ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کردیا اور بچے نے قرآن کریم حفظ کرلیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرادو اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآن کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ پھر بھی خسارہ نہ ہوا۔ لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہوگئے۔

تلاوت قرآن کا ثواب

اور بہت سے لوگوں نے دل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآن کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی

قرآن کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے۔ میں نے ابھی کہا کہ قرآن کریم میں فرعون "یا شیطان" کا لفظ آیا اس کے پڑھنے پر پچاس (۵۰) نیکیاں ملتی ہیں تو قرآن کریم کے "الفاظ کو دہرانا" اپنی زبان سے ادا کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں چونکہ قرآن کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں۔ انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رٹ لی مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا۔ جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلّق نہیں۔ یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔ ادھر قرآن کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت۔ تو ان غریبوں نے قرآن کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کرلیا۔ یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں۔ ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے۔ اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ الحمدللہ رب العالمین کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے بار بار رٹتا ہے تو الحمدللہ رب العالمین میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور

جتنی مرتبہ دہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔ اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتا الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا؟ جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمہ لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں۔ تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآن کریم کے پڑھے جتنی مرتبہ پڑھا وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔ تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

کشف قبور کا سبق آموز واقعہ

حافظ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں یہ قصہ نقل کیا ہے اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے۔ قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ کشف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے اگر دیوار ہٹادی جائے تو ادھر اس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے۔ کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دکھادیتے ہیں۔ قبر میں میت کا حال نظر آجاتا ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں۔ اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی۔ تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مردے ان کو چن رہے ہیں۔

یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے۔ یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں کہ بھائی یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو ایصال ثواب کرتے ہیں، دعا واستغفار کرتے ہیں وہ ساری کی ساری تقسیم ہو جاتی ہے اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ التحیات میں پڑھتے ہو نا؟

"رب اجعلنی مقیم الصلوة ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب"

ترجمہ: "اے پروردگار میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو"۔

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے دی ہے۔ تو یہ وہ دعا اور استغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں، اس بزرگ نے پوچھا کہ بھائی تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا کہ بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں، اور یہ بیچارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں، بزرگ نے پوچھا کہ بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ میرا بیٹا حافظ قرآن ہے۔ روزانہ ایک قرآن پڑھ کر مجھے ایصال ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان

صدقات وخیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا کہ تمہارا بیٹا کون ہے، کیا نام ہے؟ کہا فلاں شہر میں اس کی دکان ہے۔ اس کا نام یہ ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے۔ مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا، یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں وہاں گیا، اس دکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے۔ میں نے قریب جا کر پوچھا کہ کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے پوچھا کہ آپ اپنے والد کو روزانہ ایک قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے ہاں! پھر پوچھنے لگے آپ کو کیسے پتہ لگا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتلایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا صحیح ہے، یہی میرا نام ہے، اور میں حافظ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا۔ کچھ عرصہ کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے۔ پھر وہی منظر سامنے آ گیا۔ اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دوسروں کے ساتھ چننے میں مصروف ہے۔ بزرگ نے پوچھا اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے۔ میری پنشن بند ہو گئی۔ اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتہ نہیں۔ وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن

مسلمانوں کے دل میں اس کی قیمت نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں۔ یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھادو۔

خوش قسمت لوگ

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں۔ ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرت شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا)۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ موذن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا۔اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا۔ نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے (آمین)۔

ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا ادھر گھر میں تو کیا اردگرد میں بھی کوئی حافظ نہیں تھا رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو

ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی ڈاڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجہول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ فرماتے مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا، اللہ نے ان کی دعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ ان کی اولاد میں ۲۵ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا۔ الحمدللہ۔ الحمدللہ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے ۴ بیٹے ہوں ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو تھوڑا تھوڑا بھی بخش دو گے تو ان شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ امام الاولیاؒ فرماتے تھے، ہاں امام الاولیاؒ! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں جاکر پتہ چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے۔ دنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی۔ تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے۔ اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے۔ اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

دعا ختم قرآن

آخر میں ختم قرآن کی دعا کا ترجمہ کرتا ہوں، یہ دعا قرآن کے آخر میں سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ دعا یہ ہے۔

"اللھم آنس وحشتی فی قبری"

"اے اللہ میری قبر میں وحشت کو انس سے تبدیل کردے"۔

وحشت کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے۔ یا اللہ قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو انس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں۔ یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

"اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم"

"یا اللہ مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآن کریم کے ذریعہ سے"۔

"واجعلہ لی اماما ونورا وھدی ورحمۃ"

"یا اللہ بنادے اس کو میرے لئے امام۔ امام آگے ہوتا ہے مقتدی پیچھے ہوتے ہیں۔ قرآن آگے آگے چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے"۔

"اللھم ذکرنی منہ مانسیت وعلمنی منہ ماجھلت"

"یا اللہ یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا"۔

"وارزقنی تلاوتہ آناء الیل وانا ء النھار وجعلہ

لی حجۃ یارب العالمین"

ترجمہ: "اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں اور رات کی گھڑیوں میں، دن اور رات تلاوت کیا کروں یہ نصیب فرما اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن"۔

حدیث میں ہے کہ:

"والقرآن حجۃ لک اوعلیک" (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

"یعنی قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف"۔

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ:

"عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الطہور شطر الایمان، والحمد للہ تملاء المیزان، وسبحان اللہ والحمدللہ تملان اوتملاء مابین السموات والارض، والصلوۃ نور، والصدقۃ برھان، والصبر ضیاء، و القرآن حجۃ لک اوعلیک، کل الناس یغدو، فبائع نفسہ، فمعتقھا اوموبقھا"

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

ترجمہ: "حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

> پاک رہنا آدھا ایمان ہے، اور الحمد للہ کہنا اعمال کی ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں۔ یا فرمایا کہ ہر کلمہ بھر دیتا ہے۔ آسمان و زمین کے درمیان کے خلاء کو، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے، اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا تیرے اوپر، ہر ایک شخص صبح کرتا ہے، پس بیچتا ہے اپنی جان کو، پس اس کو آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا ہے"۔ (ماخوذ از مظاہر حق صفحہ ۱۱۰ جلد ۱)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ قرآن کریم تیرے لئے حجت بنے گا قیامت کے دن یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔ اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

تلاوت قرآن کی عادت ڈالنے کا طریقہ

دیکھو قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو۔ میں نے درجے بیان کردئے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کے، اور میں نے کہا کہ سب سے آخری درجہ کم سے کم یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کی جائے تو آخری درجہ پر تو آجاؤ۔ پرائمری پاس ہو تو اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ تعلیم یافتہ کا لفظ بولا جاتا ہے میٹرک کے بعد۔ یعنی میٹرک کے بعد اس کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ جس نے دو چار جماعتیں پڑھی ہوں اس کو تعلیم یافتہ نہیں کہتے۔ ایک دو رکوع اگر پڑھو گے تو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں میں نام آئے گا، اپنا نام تبدیل کرواؤ، کم سے کم آخری درجے پر تو آجاؤ۔ شروع شروع میں چلو پرائمری ہی سہی۔ پرائمری کرو گے تو

میٹرک بھی کرلو گے۔ پہلے پرائمری کرو گے پھر مڈل کرو گے پھر میٹرک ہوگا، تو بھئی شروع شروع میں اگر زبان نہیں چلتی تو تھوڑا پڑھو، پاؤ آدھ پاؤ، لیکن پڑھتے جاؤ۔

تم دنیا کے معاملات میں تو ترقی پر ترقی چاہتے ہو، لیکن آخرت کے معاملے میں، دین کے معاملے میں، قبر کے معاملے میں، حشر کے معاملے میں، اتنی تو ترقی کرو کہ پہلی جماعت سے ہی شروع کرو، یعنی ایک دو رکوع سے ہی شروع کرو، لیکن اس کو معمول بنالو۔ روزانہ کا۔ اپنی خوراک بنالو، قرآن کریم تمہاری خوراک بن جائے اور پھر اس پر ترقی کرتے کرتے تمہارا نمبر یہاں تک آجائے کہ ایک پارے کی تلاوت تمہاری خوراک بن جائے۔ اور پھر اس سے آگے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مجھے بھی ساتھ لے گئے، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمیں کافی روز ٹھہرنا پڑا، الحمدللہ پورے سفر میں چار مہینے لگ گئے۔ والد صاحب کا پورے سفر میں ۱۵ پارے کا معمول تھا، ایک دن مجھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کچھ سر میں درد رہتا ہے، میں نے کہا جی ذرا تلاوت تھوڑی کم کردیجئے۔ حفظ نہیں تھا، اور ایسے ہی پرانے زمانے میں میاں جی سے پڑھا تھا، پورا صحیح بھی نہیں تھا لیکن پندرہ پارے روزانہ کا معمول تھا۔ دوسرے دن قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ میرے کہنے پر پانچ پارے کم کردئے اور روزانہ دس پارے کا معمول بنالیا تھا، یہ تو سفر حج کا معمول رہا اور رمضان المبارک میں روزانہ کا دس پارے کا معمول تھا۔

لہٰذا تم چاہو تو ترقی کرسکتے ہو مگر تھوڑی ہمت کرو۔ دل میں شوق پیدا کرو۔ اور جب یہ چاٹ لگ جائے گی تو ان شاء اللہ چھوٹے گی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق

عطا فرمائے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حقوق اللہ

اور ذکر اللہ کی فضیلت

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

فہرست ذکر اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق اللہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له، ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا، اما بعد!

فقد قال النبى صلى الله عليه وسلم فى الخطبة التى خطبها فى اول جمعة صلاها بالمدينة فى سالم بن عوف: ”خذوا بحظكم ولا تفرطوا فى جنب الله ، قد علمكم الله كتابه، ونهج لكم سبيله، ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين، فاحسنوا كما احسن الله اليكم، وعادوا

اعدائہ، وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ، ھو اجتباکم وسماکم المسلمین ...."

(حیات الصحابہ جلد۳ صفحہ۲۹۶، بدایہ والنہایہ جلد۳ صفحہ ۲۱۳)

ترجمہ: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم فرمادی ہے، اور تمہارے لئے اپنا راستہ واضح کردیا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں، پس تم احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے، اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کا حق ہے، اس نے تم کو چن لیا ہے، اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد جئے، اور نہیں ہے کوئی قوت مگر اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے ساتھ"۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، اس خطبہ میں پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ کا تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کے غصہ سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے بچاتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا چہروں کو سفید کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے، اور درجے کو بلند کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ جملے ہیں جو میں نے اس وقت پڑھے ہیں ان میں ارشاد فرمایا: "اپنا حصہ لے لو، اور اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ "اپنا حصہ لے لو" یعنی

اعمال کا حصہ یہاں سے حاصل کرکے جاؤ، دنیوی زندگی میں تمہارا حصہ، جو تمہیں مرنے کے بعد کام آئے گا یہی اعمال صالحہ ہیں، اسی طرح جو مال تم نے رضائے الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کردیا وہ تمہارا حصہ ہے، لہٰذا جب دنیا سے جاؤ تو یہاں سے اپنا حصہ وصول کرکے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو

"اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کرو"۔ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ:

"یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ وان کنت لمن السخرین" (الزمر:۵٦)

ترجمہ: "ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملہ میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے"۔

پس اللہ کے معاملہ میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملہ میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، کسل کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

ایمان ویقین لانے میں کوتاہی

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی کرنا، اس کی ایک صورت تو سب سے بڑی

کفار میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی، یعنی ایمان، یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے، لیکن ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں، ایمان، ایمان میں بھی فرق ہے، تو کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور ہمیں کامل ترین ایمان نصیب فرمائے آمین۔ محنت بھی کرنی چاہئے، دعا بھی کرنی چاہئے۔

فرائض میں کوتاہی

ایمان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا ہے، اور اعمال میں سے سب سے اول فرائض کا درجہ ہے، نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، اگر مالی و بدنی استطاعت ہے تو حج فرض ہے، اسی طرح جو حقوق واجبہ ہیں، ان کے ادا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔

ہم سے جو فرائض و واجبات ادا کرنے میں غفلت ہو جاتی ہے، کوتاہی ہو جاتی ہے، یہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں ان فرائض و واجبا کی اہمیت کا اندازہ نہیں، اور ان کو ترک کرنے کے وبال کا احساس نہیں، اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان فرائض میں کوتاہی کرنے سے ہمارا کتنا نقصان ہو رہا ہے تو ہم ان کے بجالانے میں کبھی سستی نہ کریں، کبھی سستی نام کو بھی نہ آئے، اور برا ماحول بھی سستی پیدا کرتا ہے، اچھا خاصہ دین دار آدمی اگر بے دین لوگوں میں چلا جائے، جن کو دین کی پرواہ نہیں، تو یہ بھی ڈھیلا ہو جائے گا، اور ایک آدمی جو دین کے اعتبار

سے سُست ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور وہ کسی اچھی محفل میں چلا جائے، اچھے ماحول میں چلا جائے، وہاں اس کو کچھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو اس کی سستی بھی کافور ہوجائے گی، ہمارے وہ نوجوان جو پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جب تبلیغ میں نکلتے ہیں تو تہجد بھی پڑھنے لگتے ہیں، اور چند دن میں تہجد گزار بن جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو مسجد کا پاکیزہ ماحول ملا ہے، اور معاشرے کے گندے ماحول سے ان کو نکلنے کا موقع ملا ہے، اس وقت تو ان کا ماحول محدود ہوتا ہے، شب و روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننا سنانا ہوتا ہے، ذکر ہے، تسبیح ہے، نماز ہے، دعوت ہے، الغرض تبلیغ میں نکلنے کے بعد آدمی کو سراپا خیر کا ماحول مل جاتا ہے، اور آدمی کے مزاج پر اس ماحول کے اثرات پڑتے ہیں، اس لئے میں اپنے عزیز نوجوانوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کو ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ یہاں کے زہریلے ماحول نے ان کے مزاج میں جو زہریلے اثرات پیدا کردیئے ہیں تبلیغ میں نکل کر ان کے مزاج کی اصلاح ہوجائے، اور اس زہر کا تریاق مہیا ہوجائے۔

نیک اعمال میں کوتاہی

اور تیسری قسم کی سستی یہ ہے کہ ان چیزوں میں کوتاہی جو فرض نہیں ہیں، واجب نہیں ہیں، فرائض اور واجبات کو تو آدمی ادا کرتا ہے، لیکن دوسری جو عبادتیں ہیں نفلی، ان میں نفس کہتا ہے، چلو یہ چیز کوئی فرض تو نہیں، نہ کرو، لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہم نے کتنی دولت کھودی، اور ہمارے نفس نے تساہل پسندی اور سستی سے کام لے کر کتنا خسارہ اٹھایا، اس لئے اس معاملے میں بھی جہاں تک اپنے امکان میں ہو سستی نہ کی جائے، فرائض کے بعد نوافل

ادا کرنے میں اور دوسرے نیک کام کرنے میں، اگرچہ یہ چیز فرائض میں شامل نہیں، مگر آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مرنے والے کی حسرت

ایک حدیث میں ہے:

”قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن احد یموت الا ندم قالوا وما ندامتہ یا رسول اللّٰہ! قال ان کان محسنا ندم ان لایکون ازداد وان کان سیئا ندم ان لایکون نزع۔ رواہ الترمذی“ (مشکوٰۃ:۴۸۴)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے اس کو ندامت ضرور ہوتی ہے، چاہے نیک ہو، چاہے بد ہو، اچھا ہو، یا برا ہو، پھر اس کی تشریح فرمائی کہ نیک آدمی کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ جمع کرلیں، اور برے آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ وہ برائیوں سے کیوں باز نہ آیا، اور اس نے توبہ و استغفار سے تدارک کیوں نہ کرلیا۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۴)

الغرض نیک آدمی کو بھی یہ حسرت ہوتی ہے، کیونکہ وہاں نیکیوں کا سکہ چلے گا، اب جس کی جیب میں جتنے پیسے ہیں وہ اتنی ہی چیزیں خرید سکتا ہے، اور وہاں چیزیں بہت سستی ہیں، بہت سستی ملتی ہیں، لیکن جیب میں پیسے بھی تو ہوں، تو اس وقت آدمی للچائے گا اور اس کو یہ حسرت ہوگی کہ اے کاش! میں زیادہ سے

زیادہ نیکیاں لے کر آتا، تو آج زیادہ سے زیادہ یہاں کی چیزیں خرید سکتا، وہاں کی چیزیں کیا ہیں؟ جنت کے درجات، وہاں نیکیوں کے حساب سے درجات ملیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ دنیا سے اپنا نیکیوں کا حصہ لے کر جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔

سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز

اس کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تم کو سکھادی ہے، اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے، ہدایت کو واضح کردیا ہے" اب چلنا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو، اور چلتے رہو اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے "تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کردے جھوٹوں کو"۔ سچے اور جھوٹے الگ الگ ہوجائیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ کردیتے ہیں، لیکن اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، جب یہ اعلان ہوگا: "وامتازوا الیوم ایها المجرمون" (سورۃ یٰسین)
"اے مجرمو! تم الگ ہوجاؤ"۔

نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ جب حکم ہوگا کہ اے مجرمو الگ ہوجاؤ! مجرم فرماں برداروں سے الگ ہوجائیں گے، تو اس وقت سچے اور جھوٹے کے درمیان پورا امتیاز ہوجائے گا۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری پردہ دری نہ فرمائے اور ہماری حالت پر رحم فرمائے آمین۔

مخلوق کے ساتھ انصاف کرو

آگے فرمایا "تو تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے احسان کیا تم پر"

قرآن کریم میں قارون کی قوم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ قارون کو نصیحت کرتے ہوئے لوگوں نے یہ کہا "اس خزانے پر اتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، تم اپنے اس خزانے اور مال و دولت کے ذریعہ آخرت کا گھر تلاش کرو، اور دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو"۔ دنیا میں تمہارا اتنا حصہ ہے، دو روٹیاں کھالیں، کپڑا پہن لیا، رہنے کا مکان ہو ٹوٹا پھوٹا، تمہاری جو بنیادی ضروریات ہیں، جن پر زندگی کا مدار ہے یہی تمہاری ہیں اور بس، اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہیں"۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"یقول ابن آدم مالی، مالی قال وهل لك یا بن آدم الا یا اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فامضیت" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۰)

"آدم کا بیٹا کہتا ہے میرا مال، میرا مال، آدم کے بیٹے! تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو نے کھالیا، کھاکر ختم کردیا، پہن لیا، پہن کر بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا اور اپنے لئے ذخیرہ کردیا، اس کے علاوہ جتنا مال ہے وہ تیرا نہیں ہے تجھے غلط فہمی ہے یہ تو دوسروں کا ہے"۔

تو قارون کی قوم اسے نصیحت کررہی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمایا ہے، اس سے آخرت خریدو، ایک بات، دوسری بات یہ کہ دنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو کہ تمہارا حصہ بس اتنا ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی دوسروں پر احسان کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم دوسروں کو دو، اور یہ نہ سمجھو کہ دوسروں کو دوں گا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔ اپنی ضرورت رکھ کر باقی دوسروں کو دے

دو، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ خرچ کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میں گھر میں صدقہ وغیرہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا ہاں کرسکتی ہو اور پھر فرمایا:

"ولا تحصی فیحصی اللّٰہ علیک ولا توعی فیوعی اللّٰہ علیک"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۴)

ترجمہ: "اور گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دیا کرے گا اور بند کرکے نہ رکھا کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بند کردے گا"۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان گنت دیا ہے، تم بھی ان گنت دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو فیاضی سے دیا ہے تم بھی فیاضی سے دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی ہے، اس طاقت کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرو، مال دیا ہے مال کو خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے۔ اسی طرح جتنی صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان کو خلق خدا پر خرچ کرو اور ان پر رحم کرو۔ مشہور حدیث ہے:

"الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۵)

ترجمہ: "مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والا ہو"۔

ایک اور حدیث میں ہے:

"الراحمون یرحمهم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (مشکوۃ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: "رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"۔

تم زمین والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو

اس کے بعد فرمایا: وعادوا اعدائه "اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت رکھو، اگر اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی نہیں تو تمہیں پاس محبت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی نہیں تو پاس غیرت نہیں ہے، اور یہ دونوں علامتیں ہیں ضعف ایمان کی اور اللہ تعالیٰ سے کمزور تعلق کی۔ ایک حدیث میں ہے:

"من احب للّٰه، وابغض للّٰه، واعطى للّٰه، ومنع للّٰه فقد استکمل الایمان"۔ (مشکوۃ صفحہ ۱۴)

ترجمہ: "جس نے محبت کی اللہ کے لئے، اور دشمنی کی اللہ کے لئے، اور جس نے دیا اللہ کے لئے اور نہ دیا اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا"۔

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

"ان احب الاعمال الی اللّٰہ تعالٰی الحب فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ۔ رواہ احمد" (مشکوٰۃ: ۴۲۷)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کو سب اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل ہے اللہ کی خاطر کسی سے محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا"۔

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں یہ چیز مفقود ہے، کیونکہ ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مفقود ہے یا کمزور ہے، جب کہا جاتا ہے، کہ فلاں قسم کے لوگوں کے ساتھ لین دین نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ کافروں کے ساتھ بھی تو لین دین کی اجازت ہے، جب کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو جو دین اسلام کے باغی ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں مثلاً مرزائی، ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلاؤ اور خود ان کی تقریبات میں نہ جاؤ، تو آپ لوگ بہانہ بنالیتے ہیں، اور میں ویسے بھی آپ لوگوں کو جیل تو نہیں بھجوادوں گا، (میرے سامنے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) لیکن اگر کل اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرلیا کہ میرے دشمنوں سے کیوں تعلق رکھا تھا تو پھر کیا جواب ہوگا؟ وہ جواب سوچ کر لے جایئے۔

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "عادوا اعدائہ" "اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو"۔

اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ دشمن سے دوستی رکھنے والا دشمن ہوتا ہے، اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے، گویا تم اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی دشمنی کا اعلان کرتے ہو، تم اپنے دنیاوی تعلقات میں ایسے لوگوں سے تو قطع تعلق کرلیتے ہو جو تمہارے

دشمنوں سے دوستی رکھتے ہوں، تم ان کے یہاں نہیں جاتے، کیونکہ وہ فلاں فلاں آدمی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ تمہارے تعلقات کشیدہ ہیں، تمہاری انا اس کو برداشت نہیں کرتی کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے تعلق رکھو، تو ذرا سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس چیز کو کیسے برداشت کرے گی کہ تم اس کے دشمنوں سے تعلق رکھو۔

اللہ کے راستہ میں جہاد کرو

آگے ارشاد فرمایا کہ: "وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ" "اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا"۔

اس کے راستے میں جہاد کرنے کا کیا حق ہے؟ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کردو۔ اور کہو کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جہاد میں دو صحابیؓ گئے، ایک کہنے لگے کہ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو اور تم دعا کرو تو میں آمین کہوں گا۔ ایک نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ! کل کافروں سے مقابلہ ہونے والا ہے، میرے مقابلہ میں بڑا سا کافر آئے، جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن ہو، میرا اس سے سخت مقابلہ ہو، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں اس کو قتل کردوں، دوسرے نے کہا آمین، اب دوسرے نے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یا اللہ! کل مقابلہ ہونے والا ہے، پہلے میں کافروں کو قتل کردں، اس کے بعد مجھ کو جام شہادت نصیب فرما، میں تیرے راستے میں شہید ہوجاؤں، جب آپ قیامت کے دن مجھ سے پوچھیں کہ

تجھے کیوں زخمی کیا گیا، کیوں قتل کیا گیا، کیوں تیرے تلوار ماری گئی، کیوں تجھے نیزہ لگایا گیا؟ تو میں کہوں یا اللہ یہ آپ کی خاطر کیا گیا ہے، صرف آپ کی خاطر آپ کے نام کے لئے۔ جیسے حضرت مرزا جان جاناں قدس سرہ نے اپنے احباب سے فرمایا تھا کہ ہماری قبر پر یہ شعر لکھ دینا ؎

بہ لوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

"ہماری تربت کی لوح پر لوگوں کو غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی ملی کہ یہ جو اس قبر میں مقتول پڑا ہوا ہے بے گناہی کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہیں تھا"۔

حضرت قدس سرہ کو شیعوں نے شہید کر دیا تھا، مغرب کے بعد گھر میں گھس گئے اور ذبح کر دیا، شہید فی سبیل اللہ ہو گئے۔

غرضیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جان و مال پیش کر دو۔ جان مانگے تو جان حاضر، مال کا نذرانہ مانگے تو مال حاضر، قوتوں اور صلاحیتوں وغیرہ کا نذرانہ مانگیں وہ حاضر، وقت مانگیں وہ حاضر، جو مانگیں وہ حاضر، کیونکہ جو کچھ بھی مانگا ہے انہی کی امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی جان و مال کو خرید چکا ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ، یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون"

ترجمہ: "بے شک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے، جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوجاتے ہیں"۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی برادری کے لئے قتل ہوتا ہے، کوئی جاہ و منصب کے لئے قتل ہوتا ہے، اور مومن محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال کو خرید لیا اور ان کی قیمت ادا کی جاچکی ہے، یعنی جنت۔

آگے فرمایا:

"وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ومن اوفی بعھدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم" (التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ: "یہ اللہ کے ذمہ سچا وعدہ رہا، تورات میں بھی، انجیل میں بھی، اور قرآن میں بھی، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ سو تمہیں خوش ہوجانا چاہئے اللہ کے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے۔ اور یہ ہے بڑی کامیابی"۔

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا واہ! واہ! واہ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا واہ، واہ؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یا رسول

اللہ! اللہ تعالیٰ خود ہی فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جان و مال کا سودا کرلیا ہے، اللہ کی قسم نہ ہم اس سودے کو خود توڑیں گے، نہ توڑنے دیں گے، اب وہ سودا ہوچکا، پکا رہے گا، جو چیز اللہ تعالیٰ نے خریدی ہم اس کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں، اللہ اس سودے کو کیوں توڑیں گے؟ بھئی یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا" مالک کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، کسی تردد اور پریشانی کی ضرورت نہیں، آگے پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہیں، کوئی جان، مال، عزت، آبرو سے محبت کی ضرورت نہیں، بیوی بچوں سے محبت کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہم سے خرید بھی چکا ہے، اور اس کی قیمت بھی ادا کرچکا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو جو اللہ نے چمکایا اسی بات پر چمکایا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے کہ ہم لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو گھر والوں سے کہہ کر جاتے ہیں کہ چائے بنا کر رکھنا، میں واپس آکر پیئوں گا، اور صحابہ کرامؓ جب مسجد میں جاتے، تو گھر کہہ کر جاتے کہ مسجد میں جارہے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے نہ بھیجا تو واپس آجائیں گے، ورنہ انتظار نہ کرنا، تیار ہوکر جاتے تھے۔ اللہ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ نصیب فرمائے۔ اللہ کے دشمنوں سے عداوت ہو، اللہ سے تعلق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دل میں عظمت ہو، اور اس محنت پر جو کچھ ملنے والا ہے، اس کی قدر و قیمت دل میں ہو، تو پھر آدمی محض رضائے الٰہی کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے، اور میاں فتویٰ دماغ سے نہیں دل سے لیا جاتا ہے، کسی جگہ دل کا اور کسی جگہ دماغ کا فتویٰ چلتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجائے تو

دماغ سے فتویٰ نہ لو، سوچوں میں نہ پڑو، دل سے فتویٰ لو۔

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ

اس خطبہ میں آگے ارشاد ہے:

"ھو اجتباکم" "اس نے تمہیں چن لیا ہے"۔

یہ قرآن کی آیت ہے۔ غور کرو اللہ کی مخلوق کتنی پھیلی ہوئی ہے؟ پانچ ارب انسانی مخلوق بتائی جاتی ہے، لیکن ساری مخلوق میں سے اللہ نے تم کو اپنے لئے چن لیا ہے، باقی سب کو چھوڑ دیا، تم اللہ کے چنے ہوئے ہو، اور اس چناؤ پر اس کا جتنا بھی شکر بجالاؤ کم ہے۔ بہت سے لوگ ملازمت کے امیدوار بیٹھے ہوں اور گورنر ہاؤس کی نوکری کے لئے ان میں چند نوجوانوں کو چن لیا جائے اور نگاہ انتخاب خود ہی ان پر پڑجائے، نہ درخواست دی، نہ کسی کی سفارش، نہ رشوت دی۔ مالک نے تمہاری درخواست کے بغیر، سفارش کے بغیر اپنے کام کے لئے تم کو چن لیا، اپنے دین کے لئے تم کو چن لیا، تم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہو، یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی مجتبیٰ ہے، مصطفیٰ بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہیں اور تم عام انسانوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہو۔ اور صحابہ کرامؓ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعتوں میں سے چنے ہوئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رسول نہیں، صحابہ کرامؓ سے بہتر دوسرے رسولوں کے صحابہ نہیں، اور تم سے بہتر دوسرے نبیوں کی امتیں نہیں۔ مجتبیٰ ہیں، یعنی چنے ہوئے ہیں۔

مسلمان: اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے

آگے فرمایا:

"وسماکم المسلمین" "اسی نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان"۔

مسلم کی جمع ہے مسلمین، ہم مسلم ہیں، مسلم کہتے ہیں فرمانبردار کو، اسی لئے لغت کی کتابوں میں اسلام کے معنی ہیں، گردن ڈال دینا، جو کسی کے آگے اپنی گردن ڈال دے، اس کو مسلم کہتے ہیں، اور اللہ نے ہم کو مسلم کہہ دیا، ہماری سعادت ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ مالک کی طرف سے ہمیں مسلمین کا خطاب دیا جارہا ہے، کہ یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں، یہ تم پر عنایت ہے، نوازش ہے، تم بھی کچھ ان کا لحاظ کرو۔ آگے فرمایا:

"لیهلك من هلك عن بینة ویحیا من حی عن بینة ولا قوة الا باللہ"

ترجمہ: "یہ اللہ نے اس لئے کیا ہے تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہو وہ حجت اور دلیل قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہو وہ بھی دلیل اور حجت کے ساتھ زندگی حاصل کرے اور کوئی طاقت نہیں اللہ کے بغیر"۔

لاؤڈاسپیکر پر درود و سلام پڑھنا ریاکاری ہے

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور لوگ جوش میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگو! تم کسی بہرے یا غائب کو

نہیں پکار رہے" آج کل لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا رواج چل نکلا ہے، بھئی! صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ آخر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کس کو سنانا چاہتے ہو؟ اگر مخلوق کو سناتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم کو ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا؟ بلکہ الٹا موجب وبال ہے، ریاکاری ہے کہ مخلوق کو سنانے کے لئے کرتے ہو؟ اور اگر اللہ کو سنانا چاہتے ہو تو وہ لاؤڈ اسپیکر کا محتاج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاؤڈ اسپیکر تم نے شیطان کے کہنے پر لگایا ہے، اس نے تم کو پٹی پڑھائی ہے تاکہ وہ ریاکاری کے ذریعہ تمہارا ثواب غارت کرے، تمام بدعات کی یہی حالت ہے، میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ سنت میں نور ہوتا ہے اور بدعت میں شور ہوتا ہے، یہ جو گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ساری زندگی ان کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں آتی، ان کو سنت سے کوئی شغف نہیں، ان کو کبھی شرم نہیں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لے رہے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی بنالیں، "میرے مولا مدینہ بلالو مجھے" یوں ہی گا رہے ہیں، یہ تو کنجری بھی گاتی تھی ریڈیو پر، وہ نعت خواں بن گئی، تو ارشاد فرمایا "اے لوگو تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع وبصیر ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکار رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے"۔ ایک بار صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا دور ہے کہ ہم اس کو پکار کر کہیں اس پر قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

"واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان"

ترجمہ: ''کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں''۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

''قال ابوموسی وانا خلفه اقول لاحول ولا قوة الا باللہ فی نفسی فقال یا عبداللّٰہ بن قیس الا ادلک علی کنز من کنوز الجنة فقلت بلی یارسول اللّٰہ! قال: لا حول ولا قوة الا باللہ''۔

(مشکوٰۃ:۲۰۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اور زیر لب پڑھ رہا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ مجھ سے ارشاد فرمایا ''یا عبد اللہ بن قیس! (ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے) تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟'' میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بتایئے! فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے''۔

''لاحول'' نہیں ہے غلطی اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، ''ولا قوۃ'' اور نہ نیکی اور بھلائی پر جما رہنے کی طاقت، ''الا باللہ'' مگر اللہ کی توفیق سے'' جو کچھ ہو رہا ہے مالک کی قدرت سے ہو رہا ہے، کوئی گناہ سے بچتا ہے تو اس کی رحمت سے بچتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی رحمت سے کرتا ہے یہ

معنی ہیں۔ اس کلمہ کے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر اللہ کی فضیلت

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا، اما بعد!

"فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الیوم، فانہ من یصلح ما بینہ وبین اللّٰہ یکفیہ اللہ ما بینہ وبین الناس، ذالک بان اللّٰہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ، ویملک من الناس ولا یملکون منہ، اللّٰہ اکبر ولا قوۃ الا باللہ العظیم"۔

(حیات الصحابہ ج:۳ ص:۳۹۷، بدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ: ”پس تم زیادہ کرو اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے۔ اور وہ لوگوں پر اختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اور نہیں قوت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ“۔

دین کی بنیادی باتیں

یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا۔ اس خطبہ میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف امت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکر الٰہی تمہارے دلوں کی صفت بن جائے، ذکر الٰہی تمہارے دلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دل منور ہوجائیں، اور تمہاری روح اس کی لذت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے "حتی یقال انہ مجنون" یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور

دیوانے ہوجاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ تو کثرت ذکر الٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر زبان سے بھی کرو، دل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم

ذکر کہتے ہیں یاد کرنے کو یا تذکرہ کرنے کو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ ذکر کے اصل معنی یاد کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔

فرمایا: "لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" "تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے"۔

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہوگیا۔ پس اپنی زبان کو ذکر الٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہوجانا چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے ؎

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور، پھر حدیث دل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے بس اللہ کے ذکر میں مشغول

ہو جاؤ، یہ ہے کثرت ذکر۔

ذکر کی کثرت مطلوب ہے

قرآن کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ کثرت ذکر کی قید بھی لگائی ہے:

"اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا "اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا" "کثرت سے اللہ کا ذکر کرو" یہاں پر بھی فرمایا "اللہ کو کثرت سے یاد کرو" اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دل کی صفت بن جائے، اور ذکر الٰہی تمہارے دل کی ایک کیفیت بن جانی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہو جائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دوسری کیفیتوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔ اب اگر دن بھر تو ہم دوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کر لیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکر الٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہو جانا چاہیئے تب قلب کی دوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

ذکر الٰہی سے دلوں کی زندگی ہے

اللہ کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے، اور ذکر الٰہی کے بغیر دل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل الذی یذکرابہ والذی لایذکر مثل الحی والمیت، متفق علیہ"۔ (مشکوٰۃ:۱۹۶)

"مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے"۔

ذکر الٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکر الٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ "یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دل کا"۔ کہ اپنے لطف واحسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

نفس کی ریاضت ضروری ہے

اور ایک بات خاص تجربہ کی عرض کرتا ہوں کہ آدمی کا نفس شتر بے مہار ہے، یہ جلدی سے قابو میں نہیں آتا، یہ اپنی مرضی کا مالک ہے، کبھی اس کی موج ہوئی اور اس کو نشاط ہوا تو سارے کام اس سے کروالو، اور کبھی نشاط نہیں ہوتا تو یہ فرض بھی ادا کرکے نہیں دیتا۔ البیلا قسم کا مزاج ہے نفس کا، کبھی کسی

طرف کبھی کسی طرف، اس میں پختگی اور مستقل مزاجی نہیں۔ جیسے انجان گھوڑا جو سوار کے قابو میں نہیں آتا اور صحیح رفتار نہیں پکڑتا ہے۔ تو یہی حال نفس کا بھی ہے کہ یہ بھی بغیر ریاضت اور سدھانے کے صحیح کام نہیں کرتا۔ اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر روزانہ کا کام لگادو اور اس سے کہہ دو کہ برخوردار اتنا کام تو تم سے کروانا ہے۔ تم چاہے میں کرو چاہے چیں کرو، اتنے دانے تو تجھ سے پسوا کے چھوڑنا ہے۔ تم نوکر ہو، مزدور ہو، اتنی نوکری تو تم سے لینی ہے۔ بھئی ملازم رکھتے ہو تو اس سے وقت پر ڈیوٹی لیتے ہو اور پوری ڈیوٹی لیتے ہو۔ اگر کبھی دیر سے آتا ہے تو تنبیہ کرتے ہو کہ میاں وقت پر آیا کرو، اسی طرح ہم بھی بارگاہ الٰہی کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، بندے ہیں، ہمیں بے شمار نعمتیں دے کر طاعت وبندگی کی ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ تو اللہ کے بندے نفس کے ساتھ طے کرلیتے ہیں کہ بھئی اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، اتنی تلاوت روزانہ کروانی ہے، اتنی نماز تم سے روزانہ پڑھوانی ہے۔ (ایک تو فرض نمازیں ہیں، کچھ نفل نمازیں بھی اس کے ساتھ رکھو، تھوڑی بہت کام دیں گی)۔ اتنا ذکر وتسبیحات تم سے کروانا ہے، اور اسی طرح جن حضرات کو مال عطا فرمایا ہے، وہ نفس کے ساتھ طے کرلیں کہ اتنا صدقہ تجھ سے دلوانا ہے، اسی طرح آگے چلے جایئے کہ نفس سے کہا جائے کہ محلے کے اندر ایک شخص کی اعانت بھی تجھ سے کروانی ہے، ہمارے دعوت و تبلیغ والے حضرات یہ کچھ آگے نکل جاتے ہیں، نیکی میں آدمی جتنا آگے نکل جائے اچھا ہے، اتنا کام تم سے دعوت و تبلیغ کا لینا ہے، مسجد میں آتے ہو تو اعتکاف کی نیت سے بیٹھو، اس سے یہ بھی طے کروالو کہ اتنی دیر تمہیں مسجد میں بٹھانا ہے۔

نفس سے شرائط طے کرکے پھر اس کی نگرانی کی جائے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ اس طرح باتیں طے کرنے کو "مشارطہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی نفس سے ملازمت کی شرائط طے کرنا کہ یہ یہ کام تم نے کرنے ہیں اور جس طرح ملازمین پر ایک نگراں مقرر کردیا جاتا ہے، کہ ملازم صحیح کام بھی کررہے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جب تم نے نفس کے ساتھ "مشارطہ" کرلیا اور شرائط طے کرکے اب اس کو کام میں لگادیا تو اس کی نگرانی بھی کرو، اور یہ دیکھتے رہو کہ جتنا کام اس کے ذمہ لگایا تھا وہ ٹھیک سے کر بھی رہا ہے یا نہیں؟ اس کو مراقبہ کہتے ہیں، اور پھر سارے دن کے اعمال پر نظر ڈالتے ہوئے رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ جس طرح دکاندار اپنے ملازمین سے شام کو پورا حساب لیتا ہے۔ اور پھر اگر اس نے اپنے ذمہ کے کاموں میں سستی یا کوتاہی کی تھی اس پر اسے مناسب سزا بھی دو۔ الغرض اپنے نفس کو سدھانے اور رام کرنے کے لئے تمہیں اس کو چار مراحل سے گزارنا ہوگا۔

پہلے مشارطہ کرو، پھر مراقبہ کرو، پھر محاسبہ کرو، اگر کوئی صحیح عذر پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کرلو اور اگر بے جا تاویل کرتا ہے تو اس کے ساتھ "معاقبہ" کرو (یعنی مناسب سزا دینا) اگر اس کو ریاضت کے ان چار مراحل سے گزاروگے تو یہ گھوڑا صحیح چلے گا اور رفتہ رفتہ سیدھا چلنے کا عادی ہوجائے گا۔ ورنہ یہ ہمیشہ شتر بے مہار رہے گا، کہ جدھر منہ اٹھا چل دیا، جی میں آیا تو کچھ کرلیا، ورنہ اڑیل ٹٹو بن گیا، لہٰذا اپنے نفس کو کبھی شتر بے مہار نہ چھوڑو، بلکہ اس پر پابندیاں لگاؤ، اور اس کو مجاہدے کا عادی بناؤ بعض اکابر ایسے ہیں کہ بارہ سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔ چنانچہ مولانا الیاسؒ کا قصہ ہے کہ طبیب نے پانی منع کردیا تھا تو بارہ سال نہیں پیا۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ آپ نے ذکر اللہ کے فضائل سن لئے، اور سن کر گھر چلے گئے اور بس اتنا کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی حدیث بیان فرمائی تھی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں، سب کچھ سنا مگر اپنے نفس کو عمل کی لائن پر نہیں ڈالا، اگر تم اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے اور اس کو سدھانے سے عاجز ہو تو اس کو کسی شیخ کے سپرد کردو، اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو چلاؤ، گھوڑے کو سدھانے اور اس کو رفتار سکھانے کے لئے سائیس کے حوالے کردیا کرتے ہیں، اور وہ چند دن اس کی ریاضت کراتا ہے، جس طرح گھوڑے کو سدھانے کا ایک مستقل فن ہے اسی طرح نفس کو سدھانے کا بھی فن ہے، اس کو کسی ماہر کے سپرد کرو گے تو وہ اس کے سارے کس بل نکال دے گا، اس لئے عارف فرماتے ہیں کہ ؎

نفس ناتواں کشت الاظل پیر

نفس کی فہمائش کرو

اپنے نفس کی فہمائش کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا مقرر کرلو، اور اپنے نفس کو خطاب کرو، پہلے اسے اللہ تعالیٰ کے انعام واحسانات یاد دلاؤ کہ اے نفس! دیکھ کہ اللہ نے تجھے صحت عطا فرمائی ہے، قوت عطا فرمائی ہے اور تجھ پر بے شمار احسانات فرمائے ہیں، تیرے لئے خیر اور بھلائی کے تمام اسباب مہیا فرمائے ہیں، پھر اس کو قبر وحشر یاد دلاؤ کہ تجھے دنیا کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، اگر تو نیک بن کر گیا تو تیرے لئے راحت ہی راحت ہے، ورنہ قبر کی تنہائی کا، وہاں کی سختیوں کا، وہاں کے سانپ اور بچھوؤں کا تجھے سامنا کرنا ہوگا۔ الغرض جو کچھ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو یاد دلاؤ، پھر اس سے کہو کہ

تو کچھ کمالے، دنیا سے خالی ہاتھ نہ جا، جب وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس سے پوچھو کہ کتنا کام کیا کرے گا؟ وہ کام اس کے ذمہ لگادو، اگر خود فیصلہ نہیں کرسکتے تو شیخ سے مشورہ کرلو، اور استاد کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بچے بیٹھے پڑھ رہے ہوتے ہیں، اگر میاں جی نہ ہوں تو یہ بچے نہیں پڑھیں گے، استاد سر پر ڈنڈا لے کر کھڑا رہے تو پڑھتے ہیں۔ تو یہ نفس بھی بچہ ہے۔ امام بصیریؒ فرماتے ہیں کہ "نفس مثل بچہ ہے اگر زبردستی اس کا دودھ چھڑاؤ گے تو چھوڑ گا، ورنہ بوڑھے ہونے تک نہیں چھوڑے گا" بچہ کتنا ہی بڑا ہوجائے ماں جب تک اس سے زبردستی دودھ نہیں چھڑاتی، نہیں چھوڑتا، جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے تو دو چار دن ضد کرتا ہے، روتا ہے، چلاّتا ہے، پھر آخر چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے، تو بھئی تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے ذمہ ایک مناسب مقدار مقرر کرلیں، کہ اتنا تو درود پڑھا کرو، اتنا استغفار پڑھا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو، یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، واللہ العظیم یہ ہمیں سونے کی کان عطا فرمائی ہے، جتنا چاہو نکالتے رہو سونا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سونا نکلتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں کہ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے؟ اگر اس کو ذکر کا عادی بنالیا جائے تو ہم اس کے ذریعہ کتنا ذخیرہ جمع کرسکتے ہیں۔ سونے کے کتنے ڈھیر اکٹھے کرسکتے ہیں، لیکن ہم سونا بنانے کے بجائے سونے میں وقت گزارتے ہیں، بس سوگئے اور جاگ گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے التجا بھی کیا کرو۔

اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان کو تالو کے ساتھ لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور پھر یوں تصور کرو کہ میں بارگاہ رب العزت میں پیش ہوں اور اس سے ہم کلام ہوں، پھر اللہ کے ساتھ دل سے باتیں کرو، باتیں کیا کرو گے؟

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

ترجمہ: یا اللہ جتنی تیری نعمتیں اتنا ہی تیرا شکر، اور جتنی ہماری کوتاہیاں اتنی ہی ہماری طرف سے معذرت، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان پر شکر بھی بے شمار ہونا چاہیئے، اور ہمارے گناہ بھی شمار سے باہر ہیں ان پر توبہ بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہیئے۔ اللہ کے انعامات سوچتے رہو اور شکر بجالاؤ، یا اللہ! آپ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، یہ انعامات فرمائے مجھ سے ان میں سے ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا، یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ ایک حدیث میں یہ دعا سکھائی گئی:

"اللھم ما اصبح بی من نعمة اوباحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک، فلک الحمد ولک الشکر"۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۲۱۱)

ترجمہ: "یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے"۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تین مرتبہ یہ دعا صبح کو پڑھے اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر ادا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کردیا، لیجئے شکر و نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر ارشاد فرمادی۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمہ ہو فطرتاً اس کی محبت دل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور استغفار

دوسرا مضمون سوچنے کا اپنی کوتاہیاں اور اپنی لغزشیں۔ شیخ عطارؒ کی مناجات کا یہ شعر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ وہ پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

بے گناہ نہ گزشت برما ساعتے
باحضور دل نہ کردم طاعتے

ترجمہ: ”بغیر گناہ کے ہم پر ایک گھڑی بھی نہیں گزری، اور دل کی حاضری کے ساتھ میں نے آپ کی ایک بندگی بھی تو نہیں کی“۔

اپنی زندگی کی ایک نماز بتادو کہ جس میں پورے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے ہو، اور اس حاضری میں اردگرد کی کوئی قصہ کہانی نہ ہوئی ہو۔ ایک بھی نہیں۔ اس طرح اپنی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو

اور پیش کرکے اس کی مغفرت چاہو۔

اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو

ایک تیسری چیز ہے وہ تمہارے مطلب کی ہے۔ اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، بس یہ تین مضمون ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان تالو سے لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو۔ اللہ کے انعامات کا استحضار کرو، ان پر شکر بجالاؤ، اپنی کوتاہیوں کا استحضار کرو اور ان پر معافی مانگو، اور تیسرا اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھو، اور ان حاجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو، اپنی درخواست پیش کرو، یا اللہ میرا یہ کام کردیجئے۔ اس التجا اور دعا میں اپنے نفس کی اصلاح کی بھی التجا کرو۔ چلو بیڑا پار ہوگیا۔ یہ میں نے تمہیں کیمیا کا نسخہ بتایا ہے، لیکن اس کی قدر کون کرے گا؟ کوئی نہیں، بے وقت بے ضرورت چیز مل جاتی ہے، مفت میں مل جاتی ہے، لوگ قدر نہیں کرتے۔ کوئی شخص دو روپے کے جوتے کو سو روپے کی شال سے صاف کررہا تھا، کسی نے کہا کہ تو بڑا احمق ہے، اتنی قیمتی شال کے ساتھ ٹوٹا ہوا جوتا صاف کررہا ہے، کہنے لگا جوتا میں نے خود خریدا ہے، شال باپ کی وراثت میں ملی ہے۔ یہ کیمیا کا نسخہ تمہیں بہت سا خرچہ کرکے معلوم کرنا پڑتا تو تمہیں قدر ہوتی۔ بیٹھے بٹھائے مل گیا، کوئی بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بڑی بات ہے پانچ منٹ نکالو، دس منٹ نکالو، اللہ تعالیٰ سے مناجات کیا کرو، پھر دیکھو دل کو کیسی راحت نصیب ہوتی ہے، کیسا سکون نصیب ہوتا ہے، اور باطن کی ترقی کتنی ہوتی ہے، پھر اندازہ کروگے۔

خطبہ شریفہ کا دوسرا مضمون

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شریفہ کا جو حصہ پڑھا اس میں دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا: "واعملوا لما بعد الیوم" "یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور آج کے دن کے بعد کے لئے عمل کرو"۔

کل کی تیاری آج کرو

آج کے دن کے بعد سے مراد ہے اس زندگی کے بعد والی زندگی، جو موت سے شروع ہوگی، پھر قبر کی زندگی، پھر حشر کے طویل دن کی زندگی، پھر جنت کی دائمی اور ابدی زندگی۔ اس کے لئے عمل کرو، اور اس زندگی سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے کما کر لے جاؤ۔ دنیا کے تمام عقلاء پس انداز کرنے کے قائل ہیں کہ جتنا آج کمایا جائے وہ سارے کا سارا آج ہی ختم نہ کر دیا جائے، بلکہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ آڑے وقت کے لئے جمع کر کے رکھا جائے، ہاں! کوئی قلندر قسم کا آدمی ہو، وہ تو پس انداز کرنے کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ بچا کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دے دیں گے ع

خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکل را

یہاں ان جیسے لوگوں کی بات نہیں، ہمارے جن لوگوں کو عقلمند سمجھا جاتا ہے، ان کی بات کرتا ہوں کہ عقلمند لوگ پس انداز کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازمین سے گورنمنٹ ان کا (G.P) فنڈ کاٹ لیتی ہے۔ (گویا یہ جبری پس انداز کرنا ہے) کہ اگر ان کو پوری تنخواہ دے دی تو یہ تو خرچ کرلیں گے، بعد میں جب ریٹائر ہو جائیں گے تو ان کے پاس کچھ رہے گا نہیں۔ بعد میں جب ان

کے پاس کام نہیں رہے گا اس وقت ان کو دے دیں گے، اس لئے اس تنخواہ کا کچھ حصہ کاٹ لیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اصول تمام عقلاء کا مسلّمہ ہے کہ آج کما کر آج ہی نہ کھالو، بلکہ کچھ پس انداز بھی کرو، کچھ بچا کے رکھو، عقلاء کا یہی اصول ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ارشاد فرما رہے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ عقلائے زمانہ کی عقل صرف دنیا تک محدود ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تمہاری پوری دنیا کی زندگی وہ آج کا دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی "کل کا دن" ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اعملوا لما بعد الیوم" یعنی کل کے لئے عمل کرو۔ اگر دنیا ہی میں کما کھا کر خالی ہاتھ چلے گئے، تو یہ عقلمندی کی بات نہیں، یہ بڑے بڑے عقلاء جو ہمیں مشورہ دے رہے ہیں پس انداز کرنے کا، بچت کرنے کا، وہ خود دنیا میں کھاپی کر چلے گئے، کل کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا، جو یہاں کمایا تھا یہیں کھاپی لیا، نہیں بھائی! ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ بے عقلی کی بات ہے، آج کے بعد کے لئے عمل کرو۔ یہ کھانا کمانا تو زندگی کے لئے ہے، اور زندگی کا مقصد کچھ اور ہے، پس اعمال کا اتنا ذخیرہ جمع کرو، جو ہمیں کل کام دے۔

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرو

آگے یہ فرمایا کہ "بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ درست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملہ میں اس کی کفایت فرمادیتے ہیں"۔ گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے گا

اللہ تعالیٰ اس سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم ہمارا کام کرو، تمہارا کام ہمارے ذمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خط لکھا کہ ”مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کیجئے، بات لمبی نہ ہو، مختصر ہو تاکہ اسے حرزِ جان بناؤں“۔ اکابر کا ہمیشہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ بزرگوں سے نصیحت طلب کرتے تھے۔ علامہ شعرانیؒ نے اپنی کتاب ”تنبیہ المغترین“ میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ جب بڑوں کی خدمت میں جاؤ تو ان سے نصیحت طلب کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ خود بھی صحابی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود بھی سنے ہیں، لیکن جن کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، ان کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں خط لکھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ہے عائشہ ام المؤمنینؓ کی جانب سے معاویہؓ کے نام! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی خاطر انسانوں کو ناراض کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے انسانوں کی ناراضگی کی خود کفایت فرماتے ہیں۔ (کہ ان کی پرواہ نہ کرو ان کو راضی کرنا ہمارا ذمہ رہا)، اور جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں (کہ کرو ان کو راضی، میں دیکھتا ہوں تم کتنے لوگوں کو راضی کرلیتے ہو)۔ (مشکوٰۃ: صفحہ ۴۳۵)

اور یہی مضمون اس خطبہ شریفہ میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ صحیح کرلے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کی خود کفایت فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ذمہ رہا۔ ہم سے

تم معاملہ درست رکھو، تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو معاملہ ہے اس کو ہم پر چھوڑدو، وہ میں درست کرلوں گا، تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ کوئی ناراض ہوتا ہے، لوگ ناراض ہوجائیں گے تو ہم ان کو بھی راضی کردیں گے، بھئی یہ بھی بڑے امتحان کی بات ہے، آزمائش کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے، دوسری طرف لوگوں کی رضامندی ہے، اگر اس کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور نہ کرے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے دوراہے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہم میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو معاف کردے گا۔ مخلوق کو راضی کرلو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود راضی ہوجائے گا، بڑا غفور اور رحیم ہے۔ اور یہیں سے لوگوں نے ایک فقرہ تصنیف کرلیا ہے، اللہ کو راضی کرنا آسان ہے لوگوں کو راضی کرنا مشکل ہے، تو آسان کام کیوں نہیں کرتے؟ مشکل کام کیوں کرتے ہو؟ واقعی بڑا امتحان ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، پہلے تو بیوی بچے ناراض ہوجاتے ہیں، پہلے اپنے گھر سے مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ لوگوں کو داڑھی رکھنے کا کہتا ہوں تو اس کے جواب میں بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ بیوی نہیں مانتی۔ اور یہ بیوی کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے قاصر، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا آسان، اور بیوی کو ناراض کرنا مشکل۔ یہ جو میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بزرگوں سے اس کی اجازت لے رکھی ہے، بغیر اجازت کے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ میں نے اس کی سند لے رکھی ہے، میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ پر محبت کے رنگ کا بڑا غلبہ تھا۔ اور میرے

اکابر مجھ جیسے بے مروت نہیں تھے، اکابر اور ولی اللہ لوگوں پر مروت کا بڑا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر روک ٹوک کرنا، یہ تو حضرت کے مذہب ہی میں نہیں تھا، میں نے جتنی زندگی حضرت کی خدمت میں گزاری، کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سراپا محبت وشفقت تھے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو کتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا۔ تو میں نے ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں عرض کیا کہ مجھ سے لوگوں کا داڑھی منڈوانا برداشت نہیں ہوتا، میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہہ دیتا ہوں۔ عادت مبارکہ تھی کہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیتے اور سوچ کر بات کرتے تھے، فوراً نہیں، تو حضرتؒ نے میری بات سن کر سر جھکا لیا، اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ مولوی صاحب ضرور کہا کریں، تو حضرتؒ کے یہ الفاظ ہیں، تو میں نے کہا کہ الحمدللہ ہم کو تو شیخ کی سند مل گئی، اس لئے ہم کہتے ہیں اور الحمدللہ نفع بھی ہوتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ تنبیہ ہوجاتی ہے تو لوگ مان جاتے ہیں، اور اگر کوئی توجہ نہ دلائے تو خود بھی توجہ نہیں ہوتی۔ کبھی خود اتفاقاً توجہ ہوجائے تو الگ بات ہے۔ تو کہتے ہیں کہ بیوی نہیں مانتی، بعض نوجوان سختی سے شکایت کرتے ہیں کہ اماں نہیں مانتی، ابا نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اگر تم نے داڑھی نہ منڈوائی تو میں تمہیں عاق کردوں گا۔ الغرض بڑا امتحان ہے، خصوصاً نوجوانوں کے لئے اور بھی مشکل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ خود مختار نہیں ہوتے، والدین کے ماتحت ہوتے ہیں، اور والدین ہیں بے دین، ان کو دین کی قدر نہیں، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر ان کے دل میں نہیں، تو یہ نوجوان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، مگر والدین نہیں مانتے، ایسے نوجوان بے چارے کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اور گھر سے نجات ملے

تو دوست احباب کا حلقہ شروع ہوجاتا ہے کہ ارے تم مُلّا بن گئے ہو۔ اس کے بعد برادری پھر معاشرے کا مسئلہ آجاتا ہے۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ چلیں، لوگوں کو راضی کر کے چلیں اور وہ راضی ہوتے نہیں، "نہ نومن تیل ہو نہ رادھا ناچے" نہ مخلوق راضی ہو نہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساٹھ سال بعد تم وہیں کے وہیں ہو اور معاشرہ بھی وہیں کا وہیں ہے، تم اگر مخلوق کو راضی کر کے چلنا چاہو تو ایک قدم بھی نہیں اٹھاسکتے، اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اشکال کا حل فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے معاملے کو درست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو خود ہی درست فرمالیں گے، انشاء اللہ۔ تم کسی کی پرواہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، لوگ جھک مار کر خود ہی تمہارے ساتھ چلنے لگیں گے، ساری دنیا راضی ہوجائے گی، سارے راضی ہوجائیں گے، تم ایک کو راضی کرلو، ساری دنیا کو ناراض کردو، وہ ایک، ساری دنیا کو راضی کردے گا، اور اگر تم دنیا کو راضی کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلو گے تو وہ تم سے سب کو ناراض کردے گا، جیسا کہ اس نے آج کل تمہارے درمیان فتنہ وفساد ڈالا ہوا ہے، بیوی، میاں کی نہیں بنتی، بھائی، بھائی کی نہیں بنتی، دوست احباب کی نہیں بنتی، اور آپس میں دو آدمی جس کام میں شریک ہیں، ان دونوں کی نہیں بنتی، کیونکہ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بنائی، وہ تمہاری نہیں بننے دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلے کرتے ہیں، لوگ اللہ پر فیصلہ نہیں کرتے، اور اللہ لوگوں پر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور تم لوگ اللہ پر اختیار نہیں رکھتے، ہم یہ آیۃ الکرسی میں پڑھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے" اللہ تعالیٰ تمام انسانوں

کے اور اس کائنات کے ماضی و مستقبل کے ذرے ذرے سے واقف ہے، اور بندوں کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بتادے، بندوں کو اس کے علم میں سے کسی شئے کا علم نہیں ہے۔ بالکل یہی قصہ ہے قدرت کا بھی، اللہ تعالیٰ کو تمام انسانوں پر قدرت کاملہ ہے، کافروں کو مومن بنادے، اس کو قدرت ہے، مسلمانوں کو کافر بنادے اس کو قدرت ہے، غنیوں کو فقیر بنادے اس کو قدرت ہے، فقیروں کو غنی بنادے اس کو قدرت ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، دوستوں کو دشمن بنادے، دشمن کو دوست بنادے اس کو قدرت ہے۔اللہ تعالیٰ انسانوں پر پورا اختیار رکھتے ہیں، اور انسان اللہ پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟ تمام حکومتیں مل جائیں، تمام لوگ مل جائیں، اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتے اس کا فیصلہ تو چل کے رہے گا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے وہ تو ہو کے رہے گا، تو عقل مندی کی بات یہ ہوگی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کرلو، مخلوق کے ساتھ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو، پرواہ نہ کرو ؎

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

چند دن میں معاملہ صحیح ہوجائے گا، یہی لوگ جو بگڑے ہوئے ہیں سر جھکا کر آئیں گے، چنانچہ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سب پر چلتا ہے، پر اس پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، وہ سب کا مالک ہے مگر اس پر کسی چیز کا کسی کو اختیار نہیں، لہٰذا اس پر کامل یقین اور توکل رکھو، اس کی خاطر سب کو چھوڑ دو، مگر کسی کی خاطر اس کو نہ چھوڑو۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ:

"اللّٰہ اکبر، ولا قوۃ الا باللہ العظیم" "اللہ اکبر" کا کلمہ تکبیر کہلاتا ہے، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، ہر بڑے سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، کوئی نہیں، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے یعنی اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے وہ ان سب سے بڑا ہے، مگر عارفین کہتے ہیں کہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حد تصور سے بھی بڑا ہے، جہاں تک تمہاری حد تصور جاسکتی ہے اس سے بھی بڑا ہے، مخلوق کے ہر قیاس اور پیمانے سے بڑا ہے، اس کی بڑائی تک کسی کے وہم وخیال کی رسائی نہیں، اس کی عظمت اور بڑائی تمہارے کسی پیمانے میں نہیں آسکتی، کیونکہ اس کی ذات بھی لامحدود، اور صفات بھی لامحدود، ہم کیا چیز ہیں؟ آسمان و زمین کی ساری مخلوق بھی اس کی بڑائی کا تصور کرنے سے عاجز ہے، وہاں جبرئیل (فرشتہ) کو پر مارنے کی جگہ نہیں، ہماری تمہاری کیا وقعت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ۷۰ پردے نور کے ہیں، اگر ان میں سے ایک پردے کو ہٹادیا جائے تو جہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچتی ہے وہاں وہاں تک اس کے پاک چہرے کی شعاعیں دنیا کو جلاکر راکھ کر ڈالیں گی"۔ (مسلم)

ہم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا نہیں، اور سچ یہ ہے کہ پہچان بھی نہیں سکتے، نطفے سے پیدا ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانے گی۔

> "عن زرارۃ بن اوفی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لجبرئیل ھل رایت ربک فانتفض جبرئیل وقال یا محمد ان بینی

وبینہ سبعین حجابا من نور وکودنوت من بعضھا لاحترقت......" (مشکوٰۃ: صفحہ ۵۱۰)

"ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی؟ تو جبرئیل علیہ السلام کانپ گئے اور کہنے لگے توبہ اتنی طاقت جبرئیل کی آنکھوں میں کہاں، میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے ایک کے بھی قریب جاؤں تو جل کر راکھ ہو جاؤں"۔

اللہ تعالیٰ ایسی عظمت والا ہے، اور ہم اس کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دیتے، اس کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کیسی حماقت اور بے وقوفی ہے؟ نعوذ باللہ، استغفر اللہ، ہمیں ہر نماز کے ہر انتقال میں اللہ اکبر کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اوپر کھل جائے، اور مخلوق کی عظمت ہمارے دل سے نکل جائے، اللہ کا رنگ ہم پر غالب آجائے، اور مخلوق کا رنگ اتر جائے، یہ اللہ کی رنگت ہے اور اللہ کی رنگت سے بہتر کس کی رنگت ہو سکتی ہے؟ آخر میں ارشاد فرمایا: کہ "جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کی طاقت اللہ عظمت والے کی طرف سے ہو سکتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، طاقت نصیب فرمائے، اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غیبت

ایک اخلاقی برائی - ایک گناہِ کبیرہ

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد للّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيٰات اعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا اللّٰه وحده لاشريك له ونشهدان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًاكثيرا۔ اما بعد!

"وقد اخرج ابو يعلى عن البراء رضى الله تعالى عنه قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اسمع العواتق فى بيوتها۔ او قال: فى خدورها۔ فقال: يا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الايمان قلبه، لا تغتابوا

المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه؟ الله عورته، ومن يتبع الله عورته يفضحه في جوف بيته۔ قال الهيثمي۔ (جلد ۸ صفحہ ۹۳): ورجاله ثقات۔

واخرجه الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما نحوه، الا ان في روايته لا توذوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم، فانه من يتبع عورة اخيه المسلم هتك الله ستره۔ قال الهيثمي۔ (جلد ۸ صفحہ ۹۴) ورجاله ثقات۔

واخرجه البيهقي عن البراء نحوه۔ كما في الكنز (جلد ۸ صفحہ ۲۰۰)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، یا (یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت ان لوگوں کی، جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو

اس کے گھر بیٹھے رسوا کردیں گے۔ یہ ہی خطبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اہل ایمان کو ایذا نہ پہنچاؤ، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے"۔

غیبت کے بارے میں حضور ﷺ کا خطبہ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطور خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ:

"اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دل میں داخل نہیں ہوا"۔

غیبت اور تجسّس منافقین کی عادت تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا مسلمانوں کا نہیں۔

غیبت کی مذمت قرآن کریم میں

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

"یا ایها الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منهن، ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب، بئس الاسم الفسوق بعد الایمان، ومن لم یتب فاولئک هم الظالمون۝ یاایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، ان بعض الظن اثم، ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا، ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه، واتقوا الله، ان الله تواب الرحیم۝"

ترجمہ: "اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے۔ اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ

پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟
اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک
اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے"۔ (بیان القرآن)

ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازے کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑا آدمی تھا (دین یا دنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا یا استاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

"میں" کہنے کے بجائے اپنا نام بتانا چاہیئے

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا، کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، فرمایا "میں، میں" گویا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا، کہ میں، میں کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ۔ اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔ ایک میں کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبہ کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی، اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیئے۔

مذاق اور مزاح میں فرق

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا۔ دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزت کو ہلکا کرنا اور جس شخص کا مذاق اڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارا سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کررہا تھا، اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔

خوش طبعی میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلاف واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ میں تو مذاق کررہا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا۔ مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اڑائے۔ ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت عورتوں کا مذاق اڑائے تو یہ مروت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے تو یہ خلاف حیا ہے۔ تو گویا کہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اڑائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم۔

بڑے آدمی کا مذاق اڑانا رذالت ہے

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ درست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ

تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہوگا جس طرح کہ کوئی ماتحت انجانے میں اپنے افسر اعلیٰ کا مذاق اڑائے۔ پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اڑالیا، بعد میں جب پتہ چلا تو معذرت کرنے لگا۔ تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

کسی پر طعن کرنا

دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کیا کرو۔ سورۃ الھمزہ میں ایسے شخص کے لئے "ویل" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رو در رو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہو جائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے۔ اکابر فرماتے ہیں "صدور الاحرار قبور الاسرار" یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ تو وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دوسرے کو طعن کرو۔

طعنے دینا عورتوں کی خصلت ہے

عورتیں بیچاری اس معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہوتی ہیں، ان کی یہ خاص بیماری ہے۔ خصوصاً اگر عورتوں کے درمیان لڑائی ہوجائے تو خوب طعن و تشنیع کرتی ہیں، اور ایک دوسری کی غیبتیں کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تھانیدار تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے بہت سارے خفیہ قتل عورتوں کے ذریعے معلوم کئے ہیں، دیہاتی عورتیں جب رات کو رفع حاجت کے لئے جاتی ہیں تو دنیا جہاں کی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ میں بھیس بدل کر زنانہ لباس میں چلا جاتا تھا، رات کا اندھیرا ہوتا تھا، عورتیں قصہ کہانیاں بیان کرتی تھیں اور ان کی باتوں سے قتل کا سراغ لگالیتا۔ تو ایک دوسرے کو طعن نہیں کرنا چاہئے۔

بُرے القاب سے پکارنا

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام

تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کرر کھے ہیں، ان القاب کو استعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی۔

بدگمانی اور تجسّس

دوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا۔ بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیر خواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیر خواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا برا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ایاکم والظن، فان الظن أکذب۔ الحدیث"

(مشکوٰۃ:)

ترجمہ: "یعنی بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے"۔

بدگمانی کی فتنہ سامانی

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اجڑ جاتا ہے اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کی بات کا الٹا مطلب لے گا اور ہر شخص دوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کررہے ہیں، تمہیں معلوم ہی ہے، یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے۔ عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

"یمعشر النساء تصدقن ولومن حلیکن، فانی اریتکن اکثر اھل النار" (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: "اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ کیا کرو، چاہے تم کو اپنا زیور دینا پڑے، اس لئے کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہوگی"۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ میں نے جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت

عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو، عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت جو بڑی دانا تھی اس نے کہا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ "تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں"۔

عورتوں کی ناشکری

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتون خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دنیا میں اس سے زیادہ دکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، "الحمد للہ! حق تعالیٰ شانہ، کا لاکھ لاکھ شکر ہے" یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا۔ الاّ ماشاء اللہ۔

حضرت مولانا عزیر گلؒ کا واقعہ

"الحمد للہ" پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمد الرحمٰن مرحوم، حضرت مولانا عزیر گلؒ جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرت ان دنوں صاحب فراش تھے، چند دنوں بعد انتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصہ سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئیں تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانہ کے لئے دوسروں کے محتاج تھے۔ ہم دونوں گئے تو ان کو اطلاع کی

گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا، بلالو۔ بلالیا۔ سلام کیا، جواب دیا۔ مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اتنے مزے سے "الحمد للہ" کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، "الحمد للہ" ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رواں رواں ان کا الحمد للہ کہہ رہا ہے۔

نعمتوں پر شکر کرو

الغرض ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی الحمد للہ نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہو سکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی الجھن نہ ہو، یہ تو اس دنیا میں ناممکن ہے۔ پھر یہ دنیا دنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی:

دریں دنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے۔ ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک شکر گزار عورت کا واقعہ

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل

صاحب تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی ہے، چار بجے سے دعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہوگئے۔ کہتی ہے کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی۔ بس اللہ کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔ یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے انعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں، سبحان اللہ! کیسی شکر گزار بی بی ہیں۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وقلیل من عبادی الشکور" (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے)۔

اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفران نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمد للہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔ الغرض عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، جو پی ڈی اے (پاکستان ڈیموکریٹک الائنس یعنی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے

اتحاد) کے مطالبات سے بھی زیادہ لمبی ہے۔ ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا اضافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: "مارایت منک خیر قط" کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھدار ہوشیار عقلمند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہو کر رہ جاتا ہے، ایسی الجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا

الغرض، کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا، تو اس کو طعن کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ویل لکل همزة لمزة" (خرابی ہے طعن کرنے والے عیب چین کے لئے)۔

فرمایا کہ ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو، ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں جو اس بیماری میں مبتلا ہے۔ جس طرح حجاج بن یوسف کی تلوار سے کوئی محفوظ نہیں تھا، اسی طرح شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ ہماری زبان کی تلوار سے محفوظ رہا ہو۔ یہ چوڑھے کا چھرا ہے جو نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو۔ نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی

شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم کرنے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے۔ اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو غیبت کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو، کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو برا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو برا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ یہ فرمایئے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کرکے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا۔ پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔ جب تم کسی آدمی کی بُرائی کروگے، اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت، زنا سے بدتر ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کررہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ

ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو۔ جب بھی تذکرہ کروگے تو بات کھینچ کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔ تو دو صحابیؓ تذکرہ کررہے تھے کسی تیسرے شخص کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے تھے آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پڑی ہے۔ دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھا اور اس کی لاش اس کو کون کھاسکتا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا یعنی اس کی غیبت کی وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔ تو اس خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دل میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو۔ عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے، کسی کا غیب معلوم کرنے کے لئے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی۔ اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان لوگوں کے عیوب کو اچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا۔ اور ان کی عزت کو پامال کرنا اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے والے کی سزا

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کرکے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے۔ تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کروگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف

کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رسوا کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہوگیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔ جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کروگے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

دعا

یا اللہ! ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں، یا اللہ! ہمیں قیامت میں رسوا نہ کیجئے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیجئے، اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ضمیمہ
از
”تبلیغ دین“ امام غزالیؒ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعظ کے آخر میں امام غزالیؒ
کے رسالہ ”تبلیغ دین“ سے غیبت کا بیان نقل کردیا جائے،
تاکہ یہ رسالہ اس موضوع پر کسی حد تک جامع ہوجائے۔

غیبت کی حقیقت

کسی مسلمان کی پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، غیبت کہلاتی ہے۔ مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ سے۔ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یا رسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے“۔

مولویوں کا اندازِ غیبت

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں۔ مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے"۔ اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امرا کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت تقویٰ جتا رہے ہیں اور ریا کاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً یوں بول اٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں" فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے، اس فقرہ کا جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا، جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دعا کرنی مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کرلیتے، سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو

متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں"۔

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہو گئے۔ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے برا نہ سمجھو گے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اول: مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسر اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنہیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے

اوپر ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسفؒ کا ذکر آگیا تھا تو انہوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟۔

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے

دوم: کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف امر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی مدد سے کسی کی غیبت کرنا جائز ہے

سوم: مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے استفتا میں امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہار حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا“ اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیانؓ کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے استفسار کیا جارہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت

اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا

چہارم: اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہو کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کردینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحب حق کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے جائز ہے، البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسے نام ہی سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم: اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے۔ البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے“ یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکو کار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھاکر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کورے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں، جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے۔ پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو۔ اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ

سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرو اور خیرات کر کے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کر کے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

توبہ

کیسے کریں؟

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

اس دن ایک دوست نے پرچہ دیا تھا کہ توبہ کیسے کی جائے تو آج مختصر طور پر توبہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں کہتے ہیں کہ توبہ سالکین کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے۔ یعنی سالک جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد رکھتا ہو، اس کا سب سے پہلا کام اور پہلا قدم سچی توبہ کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت

توبہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں۔ بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آجاتا ہے۔

توبہ کی شرائط

توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں یہ مضمون پیدا ہوجائے کہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوگیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دل میں ندامت پیدا ہوگی اور اس کی علامت دل میں شرمسار اور شرمندہ ہوجانا اور آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکنا، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اوپر اٹھا کر نہیں دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے اور قرآن کریم میں ان کی توبہ کی دعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین" (اعراف: ۲۳)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، اپنا نقصان کرلیا ہے اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے، اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے"۔

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہوجائے کہ ہم گناہ کرکے مجرم کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں اور ہمارے دل میں ندامت پیدا ہوجائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ التوبۃ الندم توبہ ندامت کا نام ہے۔ کسی شخص کے دل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے،

یہ توبہ نہیں تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟ بے شمار لوگ ایسے ہیں، جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کررہے ہیں، اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "الزواجر عن الکبائر" اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی کبیرہ گناہوں پر "جزاالاعمال" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک رسالہ ہے "گناہ بے لذت" اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک رسالہ ہے "دوزخ کا کھٹکا" اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں، جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے

ہیں، بہت سے شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم ہو اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہوسکے گا تو یہ دوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

(۳) اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے تو دل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواستگار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے معاف کردیں تو تیسری چیز ہے زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہ گار کو معاف کرسکتے ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، یہاں پر آکر شیطان دھوکہ دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تو نے کتنے جرائم کئے ہیں؟ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کر کے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہ گار ہوں کہ لائق رحمت ہی نہیں رہا، اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ۔ تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا اور جب بندہ نے حماقت سے گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

اللہ کی شانِ کریمی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو

معاف فرما دیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے سے غلطی ہوئی اور اب یہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا، اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے؟ یہ نہیں فرماتے کہ میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے اب اس کو معاف نہیں کروں گا، نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا، قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کر کے آئے، اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو بلکہ فوراً توبہ

کی تجدید کر کے معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کس کو سزا دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں کو اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرلیتے ہیں، لیکن ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے اور میں نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا، جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

گناہوں کی نقدی پر مغفرت

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعہ اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعہ بھی جب کہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن وہ ہماری صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق اور حق تعالیٰ شانہ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے اتنا چھوٹا، جتنا چیونٹی کا انڈہ ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرہ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمت خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دل سے تائب ہو کر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے

اور پوچھتا ہے کہ "پھر کروگے؟" وہ کہتا ہے "میری توبہ، پھر نہیں کروں گا" اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، انشاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا، ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم، کوئی بری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ انشاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ "چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اب توبہ ہی کیا کرنی ہے" اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دوگے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

توبہ ٹوٹنے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا کہ اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بد پرہیزی نہیں کروگے، اس

نے کہا کہ جی بالکل نہیں کروں گا۔ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے ؟ کبھی دنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے ؟ جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ تم نے بدپرہیزی کی ہے؟ کہا جی، بس ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کر کے توجہ کے ساتھ علاج کریں، انشاء اللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا؟ کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر او رمایوس ہو کر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر استقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

توبہ توڑنے اور پھر جوڑنے کا فائدہ؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا انتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا، وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دنیا سے تائب ہو کر گیا اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

انما الاعمال بالخواتیم

یعنی "اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے"۔

جب اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کر کے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا، اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد انشاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا ارتکاب ہوجائے تو دل شکستہ ہو کر توبہ سے نہ ہٹو بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔

کپڑے کا گندہ ہو جانا بُرا نہیں اس کو صاف نہ کرنا بُرا ہے

بھئی! کپڑے کو گندہ کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے لیکن اگر گندہ ہو جائے تو اس کو صابن لگا کر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھولیا، صاف کرلیا، صابن لگا کر اچھی طرح تمام کے تمام داغ دھبے خوب اتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ ملوث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہو جاتے ہیں تو کپڑوں کو گندہ کرنے سے بچانا چاہئے تھا لیکن جب گندے ہو جائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو کہ گناہوں کے ارتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندہ ہو جاتا ہے، بدبو دار اور متعفن ہو جاتا ہے، میلا ہو جاتا ہے، قابل نفرت ہو جاتا ہے اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، انشاءَ اللہ جب تم بار بار توبہ کروگے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کروگے کہ یا اللہ تعالیٰ! اب مجھے بچالیجئے، میں اپنی استعداد و قوت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیجئے، اگر ایسا کرتے رہوگے تو انشاءَ اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہو جائے گی کہ توبہ کروگے، لیکن گناہ نہیں ہوگا، انشاءَ اللہ۔

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہوگا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوگیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو،

کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہوجائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

(۶) چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہوگئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہوگئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمہ اب بھی باقی ہیں جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمہ فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمہ فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمہ باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا، اسی طرح ضروری ہے، جس طرح کہ آج کی نماز کا ادا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر ادا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔

اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمہ نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کرلئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جاکر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے میں آئندہ سستی نہیں کروں گا اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہوگئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے ازراہ ترحم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو بحال ہوگیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمہ تھیں، وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دنیا کا حاکم اول تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا اور اگر کوئی رحم دل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک

مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو ادا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اڑاتے ہو توبہ کا۔

اسی طرح کسی شخص کے ذمہ روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمہ ہے اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اکسٹھ روزے اس کے ذمہ ہیں ایک روزہ تو چھوڑے ہوئے روزے کی جگہ اور ساٹھ روزے کفارے کے اور یہ ساٹھ روزے لگا تار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگا تار کفارہ کے ساٹھ روزے پورے ہو جائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی شخص کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو تو اس کا کفارہ قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے درپے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے۔ بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کردیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہو گیا اور روزہ کا ناغہ ہو گیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کر کے ساٹھ پورے کرے، البتہ عورت کو جو اس کے خاص ایام کی وجہ سے روزے قضا کرنا پڑتے ہیں وہ اس تسلسل میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع

کردے۔ الغرض جس نے روزے نہیں رکھے تھے وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو ادا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا تو صاحب حق سے معافی مانگے، مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمہ قرض ہے، اس کو ادا کرے اور ادا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

سچی توبہ پر نصرت الٰہی

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا کیا کام کرتے ہو، کہا کہ ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہو کر آیا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرتؒ فرماتے

ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اب دوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکہ ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمہ قرض ہے۔ یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ میرے ذمہ ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا، اس شخص کے دل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ میاں! اگر اس کے سامنے جاکر اقرار کروگے تو تمہیں پکڑوادیں گے، پکڑے جائیں گے، جب تم نے کسی سے رشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکہ ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤ گے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ

میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا۔ یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا میں نے حسبتاً للہ معاف کردیا، تب حضرت نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناسچی توبہ!

تو حقوق اللہ ہوں، یا حقوق العباد ہوں، ان کو ادا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمہ قرض سمجھنا لازم ہے۔ کسی کی دکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔ مالک کو کہہ دیا کہ جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے، اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانہ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کر کے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکہ کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ، توبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن روٹی، روٹی کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ ہی تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اتاروگے، تب قوت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔

استغفراللہ العظیم، استغفراللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو لیکن دل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کیا، نہ بندوں سے معاملہ درست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہو جائے؟ کیسے ہو گی؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ درکف، توبہ برلب، دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، دل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، ایسا استغفراللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے استغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہو جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل درست ہو جائے، اس کی لائن درست ہو جائے، یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے، جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں میں توبہ کے فضائل بیان کر چکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ارشاد ہے:

”ان اللّٰہ یحب التوابین ویحب المتطہرین“

(البقرہ: ۲۲۲)

یعنی ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو“۔

خلاصہ

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی، مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہوجاتا ہے، اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے اور اس سے بدبو دار مادہ رس رہا ہے، اس بدبو دار مادہ کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہوجاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ رب العزت سے عہد کرلیں تو انشاءَ اللہ فوراً معافی مل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد

وآلہ واصحابہ اجمعین

حسد

کی بیماری اور اس کا علاج

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

حسد کے معنی

حسد ایک بیماری ہے دل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہو گیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں

کے دل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو حسد کہلاتا ہے اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو غبطہ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ رشک کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

صرف دو نعمتیں لائق رشک ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"لاحسد الافی اثنین رجل اتاه اللّٰه مالا فسلطه علی هلکته فی الحق، و رجل اتاه اللّٰه الحکمة فهو یقضی بها ویعلمها۔"

(متفق علیہ مشکوۃ صفحہ ۳۲)

یعنی "لائق رشک صرف دو آدمی ہیں"۔

یہاں حسد سے غبطہ اور رشک مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی

لائق رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔

"ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کردیا اس کے ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر حق کے راستوں میں"۔

کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابل رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا جانا قابل رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے الٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائق رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائق رشک نہیں، بلکہ لائق رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے "اور دوسرا آدمی لائق رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے" یہ شخص لائق رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائق رشک ہیں۔ گویا دنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر استعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا۔ اور وہ اس مال میں اللہ

تعالیٰ سے ڈرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ: "فھذا بافضل المنازل" "یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے"۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "فاجرھما سواء"۔

یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہش نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شاندار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے

کیسی دھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے۔ اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فھو نیتہ ووزرھما سواء"۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح مشکوۃ:۴۵۱)

اس کو اس کے ارادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا۔ نعوذ باللہ بڑا بد قسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہ گار ہوگیا، اور گناہ گاری میں حصہ لے لیا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں۔ دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں۔ تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی برائی پر کیا رشک کرنا ہے۔ یہ دو آدمی ہیں قابل رشک، ان پر رشک کرو۔

حسد کا منشأ تکبر ہے

تو ایک ہوتا ہے حسد، یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دل کی بیماری ہے، اور منشأ اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے مومن تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی یہ بھی من جانبِ اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی، یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا۔ نعوذ باللہ۔ تبھی تو تم اعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا

تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقربین ہیں، حاملین عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکم الٰہی کے تابع ہیں، دل وجان کے ساتھ حکم الٰہی کے مطیع ہیں۔

"لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایومرون۔" (تحریم:٦)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہو جائے اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہو جائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ

آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدہ میں گر گئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے، "الا ابلیس" مگر ابلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

"قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔"

کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کرسکتا کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا در حقیقت اعتراض تھا اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخؒ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، (نعوذ باللہ) اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دوسرا منشأ

حسد کا دوسرا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی، یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ

کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی استحقاق ہے۔ ابلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے سامنے سجدہ کریں نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی استحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی۔ تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے ـــــ

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہو گا کچھ نہیں، جس پر حسد کررہا ہے، اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دنیا میں بھی جلے گا، اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جاکر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی برائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہو گا تو لوگوں کے سامنے اس کی برائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دل میں اس کی عزت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی برائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کا مورد بنے

گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو ایذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا۔ تو غیبت، بہتان تراشی اور ایذاء رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے

اسی بناء پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔"

(رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۸)

ترجمہ: "حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے"۔

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اول تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اعتراض ہو وہ نیکی کیا کرے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی برائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دلوادی جائیں گی،

قیامت کے دن مفلس کون ہو گا؟

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اتدرون ما المفلس؟" "جانتے ہو مفلس کون ہے؟"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال ودولت نہ ہو، ارشاد فرمایا کہ "میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمہ جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا گیا"۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۵ بروایت مسلم)

دوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دشمنی کررہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کرکے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یارسول اللہ! میرا اور

ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> "ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شيئا۔" (انبیاء آیت نمبر ۴۷ پارہ نمبر ۱۷)
>
> ترجمہ: "اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا، اچھا یا برا ہم اس کو لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے"۔

وہ صاحب کہنے لگے یارسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں۔ اور یارسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوجہ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔

اپنی نیکیاں دوسروں کو دینا حماقت ہے

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کر کے پھر اپنے دشمنوں کو، جن سے وہ دشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی برائی کررہا ہے، ان کی غیبت کررہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو ایذاء دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلہ میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادھر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی ہے۔ بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم ساری نیکیاں محفوظ کرکے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان، تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں، اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں اور

جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو؟

حاسد شیطان کا چھوٹا بھائی ہے

شیخ نوّر اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندے تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے۔ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اگر تجھ کو اس پر اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دشمنی اس کے ساتھ نہیں کررہا، بلکہ دشمنی اللہ تعالیٰ سے کررہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی تو اس میں دو قباحتیں ہیں ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر نعوذ باللہ حکمت کے خلاف کیا۔

شیخ ؒ فرماتے ہیں کہ جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے؟

اپنے اوپر انعامات الٰہیہ کو دیکھو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی نوّر اللہ مرقدہ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ تم دوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ

دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے بھی موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا۔

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے، تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے لئے دعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حسد کا علاج

ہمارے حضرت حکیم الامت نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ”حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کے لئے ترقی کی خوب دعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، چند دنوں میں حسد دور ہو جائے گا“۔ (انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا۔ جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی برائی کروں، لیکن برائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلّف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدہ کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

علماً کا حسد

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دنیا کے مال ودولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ ومرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا، مجھے کیوں نہیں ملا، کبھی ہوتا ہے کسی کے علم وفضل پر، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یہ حسد مولویوں کی خاص بیماری ہے، ایک روایت میں ہے کہ چھ آدمی چھ جرموں کی وجہ سے ایک سال پہلے بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اُمراء وسلاطین ظلم وجور کی وجہ سے، عرب عصبیت (قومی تفاخر) کی وجہ سے، گاؤں کے چوہدری تکبر کی وجہ سے، تاجر لوگ جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے، علماً حسد کی وجہ سے۔ (کنزالعمال صفحہ ۶۸۷ جلدا)

ظلم جہنم میں لے جانے والا ہے

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الا مانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔" (النساء آیت ۵۸)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق وانصاف کا فیصلہ کرو"۔

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اقتدار عطا

فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، ارشاد فرماتے ہیں:

"یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلہ بینکم محرما، فلا تظالموا۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳ بروایت مسلم)

ترجمہ: "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو"۔

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتے، تو حکام ظلم وجور کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ گھپلا ضرور کرتے ہیں تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے۔ یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر ایجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ میاں اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی، اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ گھپلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم

گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت وامانت سے دھوکہ کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا۔ مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

بدکار تاجر

حدیث شریف میں ہے:

"التجار یحشرون یوم القیمة فجارا الامن اتقی وبروصدق"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۴ بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ: یعنی "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت وامانت سے کام لیا"۔

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھاکر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے۔

ایک نیک تاجر کا قصہ

لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو، مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے

ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے اس میں عیب ہے، میں لے جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتہ چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متاثر ہوا، میرے ایک اور دوست دکاندار تھے میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ حاجی صاحب کیسی ہے یہ چیز؟ وہ فرماتے کہ آپ کے سامنے ہے، کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں، بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں اور نامعلوم کیا کیا کرتے ہیں، دیانت اور امانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت وامانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان اور زمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا،

بلاشبہ! ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز وناجائز کا، حرام و حلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصور ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی برائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے اسی لئے حدیث میں فرمایا:

> ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زمرے میں اٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے“۔

نیک تاجر کی فضیلت

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق، سچ بولنے والا، اور امین، امانت سے کام لینے والا ہو اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

"التاجر الصدوق الامین مع النبین والصدیقین والشهداء۔" (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۳)

ترجمہ: یعنی "جو تاجر کہ صادق وامین ہو اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا"۔

اُن کے ساتھ اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کررہا ہے اور اپنی آخرت بھی بنارہا ہے، بھئی صدق وامانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جب کہ آدمی دوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیز گار ہو۔

قاریوں اور مولویوں کا حسد

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا اس سے مراد علماً بھی ہیں۔ قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

حسد کم ظرفی کی علامت ہے

یہ حسد کی بیماری دراصل احساس کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب

سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دوسرے پر حسد نہیں آتا۔

شیطان کے تین عین

حسد ایسی بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اس نے حکم الٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی۔ وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا تھا، یعنی فرشتوں کا استاد، وہ عابد تھا اور اتنا بڑا عابد کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

"فاخرج منها فانك رجيم وان عليك اللعنة الى يوم الدين۔" (الحجر: ۳۴، ۳۵)

"نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی"۔

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

"رب فانظرني الى يوم يبعثون۔" (الحجر: ۳۶)

"اے میرے رب مجھے مہلت دیجئے قیامت تک"۔

آپ مجھے راندہ درگاہ تو کر رہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کر لیجئے، ظالم عین

غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصہ کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرت فرماتے ہیں کہ شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے۔ یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور جب تک غصہ اترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے عالم تھا عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق محبوب کے حکم پر مرمٹتے ہیں ۔

زبان تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علّت از کار تو

"ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے،
تیرے کاموں میں علتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں"۔

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوب حقیقی کے حکم پر چوں چرا کریں؟ محبوب کی طرف سے جو حکم ہو جائے، عاشق اس کو بجالاتا ہے، اور اگر اہل عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دوسرے لوگ اسے فہمائش کریں کہ محبوب کا جو حکم بجالائے یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے تو وہ کہے گا عقل اور ننگ و نام تمہیں مبارک ہو ۔

ما نمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پروا ہے، نہ نام کی

پروا ہے، اگر اس سے عزت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے

اہل علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے کچھ کچا۔ بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دھواں ہی دھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں، اور علم کچا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کررہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے اللہ کی رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دوسرا احمق حسد کررہا ہے اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"من طلب العلم ليجاری به العلماء اوليماری به السفهاء اويصرف به وجوه الناس اليه ادخله الله النار۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۴ بروایت ترمذی)

"جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ علماً سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے"۔

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، حق تعالیٰ شانہ ہمیں حسد سے اور تمام امراض روحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دُنیا

کی محبت کے بُرے اثرات

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیٰات اعمالنا، من یهده اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشریک له ونشهدان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وعلی اٰله واصحابه وبارک وسلم تسلیماً کثیرًا کثیرا۔ اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

فقد اخرج ابو نعیم فی الحلیة۔ عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنه قال لا تزال نفس احدکم شابة فی حب الشئی ولو التقت ترقوتاه من الکبر الا الذین امتحن اللّٰہ قلوبهم للتقوی، وقلیل ماهم۔ واخرجه ابن عساکر عن ابی الدرداء مثله

كما في الكنز۔ (حیات الصحابہ ص: ۵۱۸ ج: ۳)

واخرج ابونعيم في الحلية عن ابي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال: ثلاث من ملاك امر ابن آدم: لا تشك مصيبتك، ولا تحدث بوجعك، ولا تزك نفسك بلسانك۔ واخرج ابونعيم في الحلية عن ابي الدرداء رضي الله عنه قال: اياكم ودعوة المظلوم ودعوة اليتيم فانهما تسريان بالليل والناس نيام۔ وعنده ايضا عنه قال: ان ابغض الناس الي ان اظلمه من لا يستعين علي الا بالله عزوجل۔ (حیات الصحابہ ص ۵۱۸ ج ۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک شخص کا نفس جوان ہوتا جاتا ہے کسی چیز کی محبت میں، خواہ بڑھاپے کیوجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دل کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں''

ترجمہ: ''ابو نعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: تین چیزیں بندے کے معاملہ کا مدار ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو، دوم یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔ سوم یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ یعنی اپنے منہ سے

اپنے آپ کو پاک نہ بتاؤ"۔

ترجمہ: "ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے کہ مظلوم کی اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ سب سے ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو اللہ تعالیٰ کے سوا میرے مقابلہ میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔"

یہ حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ کے چند مواعظ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ چاہے اتنا بڈھا ہوگیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہیں۔ منہ نہیں کھلتا لیکن نفس کی جوانی نہیں جاتی وہ اب تک جوان ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو وہ تو مستثنیٰ ہیں اور ایسے لوگ بہت کم ہیں بہت ہی کم۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"یهرم ابن آدم ویشب منه اثنان، الحرص على المال والحرص على العمر۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۴۴۹)

یعنی آدمی بڈھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں جیسے جیسے اس کی عمر ڈھلتی ہے ویسے ویسے اس کی یہ دو حالتیں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے طول الامل لمبی لمبی امیدیں یعنی زیادہ زندہ رہنے

کی محبت یہ انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے۔ یہ چیز رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل سرد ہوجاتا ہے تمام چیزوں سے۔ بہتیرا کھالیا، بہتیرا کمالیا اب چھوڑ دیں۔ اللہ نے گھربار دیا ہے، آل اولاد دی ہے تو دنیا میں بہتیرا کھالیا اب آگے کی تیاری کریں لیکن نہیں بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا۔ اس حالت میں بھی کہ جب پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنی آرزوئیں بناتا رہتا ہے شیخ چلی کی طرح۔ یہ فطرتی چیز ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے خوف خدا ان کے دل میں ہے۔ ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔

ایک درباری شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا۔ سرکاری شیخ الاسلام جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو شیخ الاسلام بنایا ہوا تھا۔ (اللہ معاف کرے) تو بادشاہ اس بزرگ سے بہت ادب سے ملا اور بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو اخلاص سے ملتے ہیں۔ شیخ الاسلام جل گئے کہ بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے اور ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی ایک تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے ہمارے کام کی یہ چیز نہیں آپ لے جائیے اور ضرورت مندوں کو تقسیم کردیجئے۔ میرے کام کی یہ چیز نہیں ہے۔ دنیا ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک تجربہ کرکے دیکھ لو، کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو۔ وہ خواہ

اپنی جگہ کتنے ہی اس دنیا کے حریص نہ ہوں لیکن جب دوسرے کے دل میں ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں اور روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے سمجھا کہ بادشاہ کے دل میں تو اس کی اور وقعت پیدا ہو جائے گی۔

شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یھرم ابن آدم ویشب منہ خصلتان"

ترجمہ: آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مال کی محبت اور دنیا میں رہنے کی محبت۔

مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے۔ لیکن نمائش کے طور پر آپ ترک دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہو گیا ہو۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں۔ پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں؟ یہ سن کر شیخ الاسلام صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "العلماء امناء الدین" "علماء دین کے امین ہیں" "مالم یخالطوا السلطان" "جب تک حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں۔ "بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں" "فاذا خالطوا السلطان فاحذروھم فانھم لصوص الدین" اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے

اقتدار کے قریب ہوکر رہیں تو ان سے بچو کیونکہ وہ دین کے ڈاکو ہیں۔ یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردہ میں دین و ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں۔

شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے۔ اور اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دنیا کی اور اللہ کی محبت جمع نہیں ہوسکتیں

اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ جن کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں پاک اور ناپاک۔ اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہے۔ اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اس دل کے اندر اگر اللہ کی محبت ہے تو ناپاک (دنیا) کی محبت نہیں ہوسکتی۔ اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ان کے لئے مال و دولت کا آنا جانا برابر ہوتا ہے۔ دنیا آئے خوشی نہیں ہوتی، جائے تو غم نہیں۔ دنیاوی نقصان پر ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سے لوگوں کو نقصان

کی اطلاع پہنچ جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا تو دل کا دورہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مال کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔ دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے۔ دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے۔ دنیا کی محبت خارش کی طرح ہے، جتنی آدمی کو خارش ہوتی ہے، اس کو کھجلی ہوتی ہے، خارش کرتا رہتا ہے اس کو مزہ آتا رہتا ہے اور جب خارش بند کردی جلن شروع ہوگئی۔ ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے

"الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب"

ترجمہ: "سنو اللہ ہی کے ذکر سے اور اللہ ہی کی یاد سے چین
آتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے، وہ بیچارے دھوکہ میں ہیں۔ غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے۔ قابل علاج ہے۔ جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی۔ جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا ہم تو بوڑھا ہونا شروع ہوگئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے اور بڑھاپے سے قبر میں قدم لٹکا ہوا ہے لیکن اس کی محبت اب تک ختم نہیں ہوئی۔ تمام عضاء قویٰ جواب دے گئے لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ساتھ لگی ہوئی تھی، یہ بوڑھی نہیں بلکہ اور جوان بلکہ جوان تر ہوتی گئی اور جب یہ مرے گا تو رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی۔ محنت کی تھی ان چیزوں کے لئے، اب ان کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا، ہائے! فلاں چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں۔ بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا

تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، اور نہ ہی قبر کے اندھیرے کے لئے کوئی تیاری کی، نہ کبھی بجلی کی فٹنگ وہاں کی، نہ کوئی ٹارچ کی روشنی لے کے گئے۔ نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا۔ نہ کوئی وہاں کی تنہائی اور وحشت کے لئے سوچا۔ جیسے دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے —— اب یہاں پر سب کما کر یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں چلے گئے۔ کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہو، اگر تو وہاں سے زرمبادلہ لانے کی اس کو اجازت مل جائے تب تو ٹھیک ہے اور اگر سب کچھ وہیں چھین لیا جائے تو اس نے بیس تیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آگیا۔ اس کے دوست احباب، بیوی، بچے پوچھنے لگے کہ کیا لائے ہو؟ کہنے لگا کہ کچھ نہیں لایا ہوں، سب کچھ چھین لیا گیا، ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کررہے ہیں اور جب جائیں گے تو سب کچھ چھین لیں گے۔ جو اپنے اندر تھا وہ تو ساتھ جائے گا۔ باہر کی سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی۔ کپڑے تک چھین لیتے ہیں، اللہ کے بندے یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے تو رہنے دو یار۔ ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کر دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے جانے دو، کہتے ہیں نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے لے جانے کی بھی اجازت نہیں۔ چادر دیں گے لٹھے کی دو چادریں پہنا دیں گے بس۔ نہ عمامہ ہے نہ کھسّہ ہے۔ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو ذلیل کرکے آجاتے ہو لحد میں۔ کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس۔ اے کاش مرنے سے پہلے ہمیں عقل آجاتی۔ اور یہاں سے یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں۔ اللہ والوں سے ان چیزوں کا علاج کروایا جاتا ہے۔ میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ چیز قابل علاج ہے۔ یہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے،

مال کی محبت کس طرح نکل جائے اور مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں۔ شیخ سے اصلاحی تعلق ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تمام معاملات کا مدار:

دوسرا ارشاد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کے تمام معاملات کا مدار تین چیزیں ہیں۔ جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ بیڑا پار ہوگیا۔ ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔ دوسری یہ کہ اپنے دکھ کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔ اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو۔ جی میں تو بے گناہ ہوں، اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی بیان کریں گے، زبان سے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بند قبا دیکھ

اپنی مصیبت کی شکایت کسی سے نہ کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ کے سامنے کرو مخلوق کے سامنے نہ کرو۔ جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا مصر میں اور بھائی خالی ہاتھ گئے انہوں نے جاکر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا "ان ابنک سرق" تیرے بیٹے نے چوری کی ہے، اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے عزیز مصر نے۔ حضرت یعقوب علیہ السلامؑ فرمایا کہ نہیں بیٹے نے چوری نہیں کی ہے تمہارے نفسوں نے کوئی بات بنائی ہے، خیر میں صبر جمیل اختیار کروں گا۔

یوسف علیہ السلام تو پہلے سے گم تھے ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا۔ بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی "یا حسرتی علی یوسف" ہائے حسرت حضرت یوسف پر "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی اور اتنا شدید غم تھا کہ گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ بچوں نے کہا "تفتوا تذکر یوسف" آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے "حتی تکون حرضا اوتکون من الھلکین" یہاں تک آپ گھل گھل کر ختم ہوجائیں گے ہڈیاں بھی ختم ہوگئیں غم یوسف میں۔ میں جو سنانا چاہتا ہوں وہ اگلی بات ہے "قال انما اشکو بثی وحزنی الی اللّٰہ" میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی حضرت یعقوب علیہ السلام نے؟ میں نے کبھی تذکرہ کیا کسی بندے کے سامنے؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں، اپنی پریشانی کی بھی، اور اپنے غم کی بھی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو اور کس کے پاس کروں۔ کوئی آفت اور کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں بلکہ اپنی حالت زار کو اس کے سامنے رکھ کر اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے۔ مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو۔ اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو، آسمان والی ہو یا زمین والی ہو، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی۔ ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے اس لئے فرماتے ہیں "لاتشک مصیبتک" اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو صرف اُسی کے سامنے کرو۔ "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" حضرت

ایوب صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے سامنے کہہ رہے ہیں پروردگار مجھے تکلیف پہنچی ہوئی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں، ہٹاسکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں۔ وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی "ارکض برجلک" حکم دیا اپنی ایڑی کو مارو زمین پر۔ جب ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا اور فرمایا: "ھذا مغتسل بارد وشراب" ٹھنڈا پانی بھی پیو اور نہاؤ بھی، غسل کیا اور پانی پیا، پھر کیا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ وہاں فوراً تکلیف دور ہوگئی۔ بتانا چاہتے تھے کہ لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور جب ہٹانا چاہیں تو ان کے لئے تدبیروں کی کوئی ضرورت نہیں۔ چشمہ کا پانی اس سے غسل کیا سب کچھ دور ہوگیا، تمام بیماریاں دور ہوگئیں۔ اپنی تکلیف کا اظہار اللہ کے سامنے کرو، سجدے میں گر جاؤ اور پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو "انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" ہمارے مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ بیمار ہوگئے تھے فرمانے لگے کہ آج مجھے شفا ہوجائے گی۔ عرض کیا گیا کہ کس طرح شفاء ہوجائے گی فرمایا کہ میں نے اپنے سجدے میں یہ دعا کی ہے "رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین" واقعی شفاء ہوگئی۔ تم سے دعا منگواتے اس لئے ہیں کہ انہوں نے دعا قبول کرنی ہوتی ہے اگر منظوری نہ دیں تو تم سے دعا نہ کروائیں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں۔ لیکن جیسے اللہ کے دربار میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر بھی راضی رہو۔ دل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو

گر بہ کشی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے۔ مار ڈالیں آپ کی رضا ہے۔ آپ جو کچھ کریں،

آپ کی جو بھی رضا ہو اس پر راضی ہوں۔ ہمارے مولانا حضرت حکیم الامتؒ ارشاد فرماتے تھے، علاج مقصود ہے شفا مقصود نہیں۔ تمہارا کام ہے تمہیں علاج بتلایا کرتے رہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئ نوّر اللہ مرقدہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ میاں کیا تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟ میں نے کہا حضرت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ پھر تم علاج کرو، کہنے لگے بہت اچھا، فرمانے لگے ہمارے ہاں نزاکت زیادہ ہے پرہیز بہت ہوتا ہے۔ فرمایا کہ تم علاج شروع کرو نتیجہ مجھے معلوم ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے علاج شروع کیا تو ذرا ہومیو پیتھک کا علاج نازک اور پرہیز بہت ہوتا ہے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تھوڑا سا پرہیز ہو۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا۔ معمولی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے۔ حضرت فرمانے لگے کہ یہ ارشاد سن کر سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا، معمولی سی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا۔ بھائی بیماری کا آخری انجام کیا ہے موت۔ کیا مرنا نہیں ہے اس سے کیا گھبرانا۔ ہاں سُنّت ہے علاج کرنا، کرو۔ علاج کی تدبیر کرکے اللہ پر چھوڑ دو۔ چاہیں گے شفا دیدیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا۔ ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے چلئے حاضر ہیں بصد خوشی حاضر ہیں۔

اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو:

اور تیسرے یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ "فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی" اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم اچھے ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں۔ اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ

تعالیٰ بہت بہتر جاننے والے ہیں جو تم میں سے بچنے والا ہے یعنی متقی ہے۔ ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو۔ کیا اللہ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو کہہ سکتے ہو کہ تمہیں بدگمانی ہوئی میرے بارے میں۔ میں ایسا نہیں تھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیا اللہ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اللہ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو۔ اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو۔ اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی۔ ایک شخص کی نظر اس پر ہو تو وہ اپنے منہ سے اپنی پاکیزگی اور صفائی پیش نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔ تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ دو آدمیوں کی بددعاؤں سے بچو، ایک مظلوم کی بددعا اور ایک یتیم کی بددعا۔ یہ اس وقت آ کے سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں رات کے دو بجے۔ مظلوموں کی بددعا سے بچو۔ اور یتیموں کی آہ سے بچو، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت فرما رہے تھے، ساتھ چل رہے تھے، رخصت کرنے کے لئے چلتے چلتے آخری جو نصیحت فرمائی وہ یہ تھی "یا معاذ لعلنی لا ترنی بعد هذا" شاید تم اس کے بعد مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ لیکن میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔

مظلوم کی بددعا سے بچو:

"ایاک ودعوة المظلوم" مظلوم کی بددعا سے بچنا، بچتے رہنا "لیس بینه وبین اللّٰه حجاب" اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، سیدھی عرش پر جا کر پہنچتی ہے۔ اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے ؎

بترس آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت درحق بر استقبال می آید

مظلوموں کی بددعا سے بچو اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت عرش الٰہی سے اس کے استقبال کے لئے آتی ہے۔ اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ خواہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو۔ اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ۔ اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کردیتی ہے۔ کراچی میں کتنے بچے یتیم کئے گئے ان کی آہیں نہیں لگیں۔ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم اور تختۂ مشق بنایا گیا۔ کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو کہ مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا لگتی ہے واللہ مظلوم اگر کافر بھی ہو اس کی بھی بددعا لگتی ہے۔ فاجر فاسق ہو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے۔ اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی سے زیادتی کرنا کسی کا حق اپنے ذمہ لینا اس سے ڈرو۔ اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی۔ چاہے کتنی معافیاں اللہ میاں سے مانگو، معافی نہیں ملتی جب تک کہ صاحب معاملہ معاف نہ کردے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بُری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلہ میں اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں۔ کوئی تھانہ کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا نہیں جو اس کے ساتھ پیروی کرے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو، مار دو۔ لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے

کہ "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، مجھے یہ دعا پیاری لگتی ہے۔ مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے "یا رب المستضعفین" اے کمزوروں کے رب، جن کا دنیا میں کوئی شنوا نہیں ان کی کوئی سننے والا نہیں تو ان کا بھی رب ہے اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے۔ ان کی بھی فریاد رسی کرتا ہے، مدد کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمزور کا کوئی نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا مالک ان کے ساتھ ہے اور جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے، وہ ہوتا ہے۔

مظلوم کا انتقام اللہ تعالیٰ خود لیتے ہیں:

میں نے آپ کو ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے بُرا بھلا کہا وہ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ فوراً اس کے ایک تھپڑ مار دو۔ اس نے ذرا دیر کردی تاخیر کردی۔ وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ بزرگ اس ساتھی سے کہنے لگے کہ تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی تو اس کے تھپڑ لگا دیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی۔ میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ٹھیک کیا، لیکن اگر میں انتقام نہ لوں وہ خود انتقام لے لیتے ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اس بزرگ میں منحصر نہیں۔ اس معاملہ میں تم سارے بزرگ ہو۔ جو شخص اپنا انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تبارک و تعالیٰ خود اس کا انتقام لیتے ہیں الاّ یہ کہ تم معاف کردو۔ اللہ سے کہدو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے۔ مقدمہ داخل دفتر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں

کرتے۔ بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ نادان ہیں شاید آپس میں معاملہ درست کرلیں۔ غرضیکہ ایسا شخص جس کا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو۔ مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو۔ اللہ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

صبر

کے درجات

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

بڑوں کے بعد چھوٹوں کی ذمہ داری
جذبہ ایثار، حکمت ودانائی
حضرت ابو درداءؓ کی پانچ نصیحتیں
عورتوں کا فتنہ
بدعت کی حقیقت
قرآن سیکھ کر پڑھنے کے فضائل
صوفیاء کے اخلاق
شہادت کی فضیلت اور اقسام
موت کے وقت کے احوال
شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں

جلد پنجم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد پنجم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مکتبہ لدھیانوی

قانونی مشیر اعزازی: ــــ منظور احمد میو ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول: ــــــ مارچ ۲۰۰۳ء

کمپوزنگ: ــــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی، کراچی

فون: 0320-4084547,4504007

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں میں سے ہر ایک کے ساتھ نرالہ معاملہ ہے، کسی کو شہرت ومقبولیت سے نوازتے ہیں تو کسی کو اخفا اور تواضع کی لذتوں سے سرفراز فرماتے ہیں، اور کچھ حضرات کو تواضع اور اخفا کے ساتھ شہرت ومقبولیت کی بلندیوں پر فائز فرمادیتے ہیں۔

اسی طرح بعض اکابر کو زبان و بیان کی شیرینی سے نوازتے ہیں تو بعض کو تصنیف وتالیف اور تحریر و انشأ کی سروری عطا فرماتے ہیں، اور کچھ خوش نصیبوں کو مجموعہ کمالات بنادیتے ہیں۔

حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا مصداق بنایا تھا کہ بلاشبہ وہ جامع کمالات تھے۔ آپؒ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں قلم کا دھنی، تصنیف و تالیف اور تحریر و انشأ کا بے تاج بادشاہ بنایا تھا، وہاں آپؒ زبان و بیان اور وعظ وتقریر کے میدان میں بھی موتی لٹاتے تھے۔ آپؒ کا ہر بیان از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق، جامع، مؤثر اور مسحور کن ہوتا، وہ علم وعمل کے پہاڑ اور بحرِ

معرفت کے غواص تھے، اس لئے حضرتؒ کے خدام نے طے کیا کہ حضرتؒ کے مواعظ کو کیسٹ سے نقل کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا جائے اور اس کا نفع عام کیا جائے۔ بحمداللہ اس کام کے آغاز کو ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے کہ اس سلسلہ کی پانچویں جلد پیش خدمت ہے، جو درج ذیل عنوانات پر مشتمل ہے:

''بڑوں کے بعد چھوٹوں کی ذمہ داری، مقبولیت کا مدار اخلاص، صوفیأ کے اخلاق، ایثار و مواسات، جذبۂ ایثار، حکمت و دانائی، حضرت ابودرداءؓ کی پانچ نصیحتیں، اعمالِ صالحہ کے عناصر اربعہ، عورتوں کا فتنہ، بدعت کی حقیقت، بدعات پر نکیر، قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے کے فضائل، شہادت کی فضیلت و اقسام، دنیا و آخرت کا تقابل، یومِ حساب سے پہلے محاسبہ کی ضرورت، موت کے وقت کے احوال، شاہراہِ انسانیت کی روشن قندیلیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمارے رفقأ خصوصاً مولانا محمد اعجاز صاحب، مولانا نعیم امجد سلیمی، بھائی عبداللطیف طاہر اور حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی کو جزائے خیر دے، جنہوں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں جہدِ مسلسل کی۔

خاکپائے حضرت شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

۱۴۲۳/۱۲/۱۷ھ

فہرست مواعظ

فہرست مضامین

۳

۴

(۵)

جذبہ ایثار ۹۳

(۹)

(۱۱)

بدعات پر نکیر ۲۱۷

(۱۳)

بڑوں کے بعد

چھوٹوں کی ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ کا وصال ہوا، تو حضرتؒ کے خلفاء اور متعلقین کا اجتماع ہوا، جس میں بعد والوں کے لئے کام کرنے کے لئے طریقہ کار اور لائحہ عمل متعین کرنے اور کام کرنے کی نوعیت پر مختلف حضرات کے بیانات ہوئے، اس موقع پر حضرت شہیدؒ نے جو کچھ فرمایا وہ ہدیہ ناظرین ہے۔............سعید احمد جلال پوری

ہمارے اکابرؒ سب کچھ فرما چکے ہیں، انہوں نے کوئی بات باقی نہیں چھوڑی جو عرض کی جائے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی جامعیت اور حضرتؒ کے فضائل و کمالات بیان کرنے کے لئے یہ جلسہ کافی نہیں ہے، اور نہ اس وقت یہ موضوع ہے، اس کی طرف مختلف اشارے ہو چکے ہیں، اس اجلاس کا اصل موضوع حضرت اقدس قدس سرہ کے لئے ایصالِ ثواب ہے، اور وہ ہم ابھی کریں گے، اور ایک بات یہ ہے

کہ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین ہیں، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات ہیں، وہ اپنے آپ کو بٹھائیں نہیں بلکہ چلائیں اور اس کے لئے کوئی لائحہ عمل طے کردیا جائے، یہ اس جلسہ کا اصل مقصد تھا، تو ان حضرات یعنی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے یہ دونوں باتیں ارشاد فرمادی ہیں، حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے تو ماشاٗ اللہ بہت ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول وہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد کرنے والے بہت کم لوگ ہیں، اور پھر جو قصد رکھتے ہیں، ان میں سے چلنے والے بہت کم لوگ ہیں، اور جو چلنے لگتے ہیں ان میں سے پہنچنے والے بہت کم لوگ ہیں، اور پہنچنے والے بھی علیٰ خطر عظیم۔'' ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ اس شر و فساد کے زمانے میں ہم موجود ہیں۔

بیعت کی ضرورت:

اس زمانہ میں اہل اللہ سے تعلق رکھنا بھی مفقود ہوگیا ہے، یعنی اللہ والوں سے تعلق رکھنا چاہئے، یہ بات بھی اب بحث و نظر کا موضوع بن گئی ہے، چاہئے یا نہ چاہئے .... ظاہر ہے کہ جب کسی اللہ کے بندے سے تعلق نہیں ہوگا، اس کے جوتوں کی خاک نہیں بنیں گے، تو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنا کیسے آئے گا؟ اور پھر اس مرض میں عوام تو بے چارے اپنی غفلت کی وجہ سے مبتلا ہیں ہی، ہمارے علماٗ، طلبہ اور اچھے اچھے صلحاٗ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ قرآن و حدیث موجود ہے، ہم اس پر عمل کرتے رہیں گے، اور جیسا ہم عمل کرتے ہیں، وہ ہمیں معلوم ہے، شیطان یہ دھوکہ دے دیتا ہے کہ قرآن کریم بھی موجود ہے، حدیث بھی موجود ہے، ہم عمل کرتے رہیں گے، لیکن جیسا عمل ہم سے بن پڑتا ہے، وہ مجھے اپنا معلوم ہے اور آپ کو اپنا معلوم ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔

کسی کے ہاتھ میں نکیل ہونی چاہئے:

نفس اور شیطان سے امن کے لئے اور محفوظ ہونے کے لئے لازمی شرط ہے کہ آدمی کی نکیل کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو، یہ ''شتر بے مہار'' نہ ہو، میں نے کل حضرت مفتی صاحب (ولی حسن صاحب مدظلہ) سے کسی بزرگ کا مقولہ عرض کیا تھا، وہ فرماتے تھے کہ کسی گدھے کے ہاتھ میں میری نکیل ہو، یہ اس سے بہتر ہے کہ میں بغیر کسی پابندی کے خودمختار، خود رو رہوں، (یعنی اس کے بجائے کہ میں شتر بے مہار رہوں، بہتر ہے کہ کسی حیوان کے ہاتھ میں میری نکیل ہو)، آدمی کے دین کی حفاظت صرف اسی صورت میں ہے کہ جب اہل اللہ سے اس کا تعلق ہو، اور یہ خودمختار، خود رو نہ ہو، بلکہ کسی کی مان کر چلنے والا ہو۔

جو اپنے اکابرؒ کی نہیں مانتے وہ اللہ رسول کی بھی نہیں مانیں گے:

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ، ان دوسرے حضرات کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان حضرات نے ہمیں (علماً دیوبند کو) نہیں پہچانا، تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پہچانیں گے؟

میں عرض کرتا ہوں کہ جو حضرات اپنے اکابرؒ کی مان کر نہیں چل سکتے، وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مان کر کیسے چل سکتے ہیں؟

شجرۂ طوبیٰ نہ رہا:

بلاشبہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ اس زمانہ میں شجرۂ طوبیٰ کی مثال رکھتے تھے، جس کی شاخیں مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پھیلی ہوئی تھیں، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جو حضرت کی نظر شفقت اور آپؒ کی توجہات اور آپؒ کی دعاؤں سے محروم ہو، حضرتؒ کا وہ سایہ سمٹ گیا، خدا کو یہی منظور تھا۔

لائحہ عمل مرتب کریں:

اب حضرتؒ کے جتنے بھی زیر سایہ حضرات ہیں ان کو اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا چاہئے کہ ہمیں بیٹھ جانا ہے یا چلنا ہے؟ اور چلنا ہے تو کس طرح چلنا ہے؟

ذکر کا غلبہ چاہئے!

آپ کو معلوم ہے، جیسا کہ اکابرؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو آخری زمانہ میں غلبۂ ذکر تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ ذکر کی لائن بالکل ٹوٹ گئی، الحمد للہ تبلیغ کی لائن بھی اللہ نے تبلیغی جماعت کے ذریعہ سے زندہ کردی، اور اللہ کا شکر ہے کہ مدارس دینیہ کے ذریعہ سے علم کی لائن بھی چل رہی ہے، لیکن ذکر کی لائن بالکل ٹوٹ گئی، حضرت اس کو محسوس فرمارہے تھے۔

چپڑاسی سے شیخ الحدیث سب صاحبِ نسبت:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ ہم نے دارالعلوم دیوبند کا وہ وقت دیکھا جب شیخ الحدیث سے لے کر چپڑاسی تک اور چپڑاسی سے لے کر شیخ الحدیث تک تمام خدام مدرسہ صاحب نسبت ہوتے تھے، اب وہ نسبت والی کیفیت نہیں رہی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو آخری دور میں ذکر کی لائن کے بارے میں غلبہ حال تھا کہ اس کو کسی طریقہ سے دوبارہ زندہ کیا جائے۔

تعلق کا معنی اتباع:

اہل اللہ سے تعلق کا معنی یہ ہے کہ ان کی ہدایات پر چلنا اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تاکہ قلب میں اخلاص پیدا ہو، تزکیہ پیدا ہو، اس کے لئے ہمیں ضرورت ہے کہ ہم اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔

کاملین دوسروں کو فائدہ پہنچائیں:

ایک بات تو یہ عرض کرنے کی ہے کہ جن حضرات کا سلوک مکمل ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نسبت کی یہ دولت عطا فرمادی ہے، وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

سالکین شتر بے مہار نہ رہیں:

جن کا سلوک ابھی مکمل نہیں ہے اور جو ابھی اس راہ پر چل رہے ہیں ان کو بہرحال رہنمائی کی ضرورت ہے، ہمیں شتر بے مہار نہیں رہنا چاہئے، کسی اللہ کے بندے سے تعلق قائم کرنا چاہئے، الحمد للہ یہاں حضرتؒ سے تعلق رکھنے والے بھی موجود ہیں، اور دوسرے اکابر بھی موجود ہیں، جس کی طرف بھی طبیعت راغب ہو اس سے تعلق رکھو، تعلق اصل میں حضرت شیخ ہی کا ہے، خود حضرت شیخ بھی ساری عمر اپنی طرف سے بیعت نہیں فرماتے تھے، بلکہ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیعت فرماتے تھے، تعلق تو وہی ہے لیکن مقصود پابندی ہے۔

اکابرؒ کے ایصالِ ثواب:

دوسری بات جیسے حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ نے فرمایا کہ یہ ذکر کی لائن جتنی زندہ ہوگی اس کا ایصال ثواب حضرت شیخ رحمہ اللہ کو پہنچے گا، اور ہمارے حضرت شیخ قدس سرہ کے اور کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ خود ان کی زندگی میں جتنا ان کو ایصال ثواب کیا گیا ہے، اتنا کسی کو نہیں کیا گیا، ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں حضرتؒ کی طرف سے حج ہوتے تھے، مخلصین حضرتؒ کی طرف سے حج کرتے تھے، ہزاروں کی تعداد میں عمرے ہوتے تھے، نہ معلوم حضرتؒ کی طرف سے ہر سال کتنی قربانیاں ہوتی تھیں اور دوسرے ذکر واذکار کا تو ذکر ہی کیا، حضرت شیخ رحمہ اللہ ویسے بھی تو بادشاہ تھے۔ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی قدس سرہ، تبلیغی جماعت

والے حضرتؒ کے عزیز اور چچا زاد بھائی بھی تھے، ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ انہوں نے ''حیاۃ الصحابۃ'' کا ایڈیشن چھاپ کر پورا کا پورا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیہ کردیا تھا، ''حیاۃ الصحابۃ'' تین جلدوں میں ہے، آج اگر چھاپی جائے تو میرا اندازہ تو یہ ہے کہ کم ازکم ساٹھ ستر ہزار روپیہ چھاپنے کے لئے چاہئیں، اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ جس کو چاہیں دیں، یہ تو مادی ہدیے تھے، اس قسم کے ہدیے حضرت کی زندگی میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ایصال ثواب کے لئے بہت ہوتے رہتے تھے۔

یہ شکلیں بھی چلتی رہنی چاہئیں، حضرتؒ کے ساتھ جتنا تعلق بڑھے گا، جتنا آپ ایصال ثواب کریں گے اتنا حضرتؒ کی روح پرفتوح بھی انشاءاللہ متوجہ رہے گی اور حضرتؒ کا فیض بھی آپ حضرات کو پہنچتا رہے گا، ایصال ثواب کی جتنی بھی شکلیں ہوسکتی ہیں، خواہ ذکر وتسبیح کے طور پر ہوں، قرآن کریم کی تلاوت کے طور پر ہوں، نوافل کے طور پر ہوں، حج وعمرہ کے طور پر ہوں، قربانی کے طور پر ہوں، اور دوسرے صدقات کے طور پر ہوں، جتنی لائنیں بھی ایصالِ ثواب کی ہوسکتی ہیں ان سب کا صرف وقتی نہیں: کہ ایک مجلس قائم کرلی اور ہم نے کچھ قرآن مجید کی تلاوت کرلی اور حضرت شیخ کو ایصال ثواب کردیا، اور بس، نہیں یہ تو ایک مستقل کام ہے اور الحمدللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہمارے شیخ رحمہ اللہ تک جتنے اکابرؒ ہیں، سب کو ایصال ثواب کریں گے تو سب سے تعلق قوی ہوگا، یہ لائن یعنی ایصال ثواب والی لائن یہ بھی چلتی رہنی چاہئے، چاہے تھوڑا معمول ہو، چاہے زیادہ، لیکن ہمیشہ کا معمول ہونا چاہئے۔

مقبولیت کا مدارِ اخلاص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں مزید ارشاد فرمایا:

”وَيَقُوْلُ الرَّجُلُ: قَدْ هَاجَرْتُ وَلَمْ يُهَاجِرْ، وَاِنَّ الْمُهَاجِرِيْنَ هَجَرُوا السَّيِّاٰتِ، وَيَقُوْلُ اَقْوَامٌ جَاهَدْنَا وَاِنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ وَاجْتِنَابُ الْحَرَامِ وَقَدْ يُقَاتِلُ اَقْوَامٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِتَالَ، لَا يُرِيْدُوْنَ بِذَالِكَ الْاَجْرَ وَلَا الذِّكْرَ وَاِنَّمَا الْقَتْلُ حَتْفٌ مِنَ الْحُتُوْفِ، وَكُلُّ امْرِئٍ عَلٰى مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيُقَاتِلُ بِطَبِيْعَتِهٖ مِنَ الشَّجَاعَةِ فَيُنَجِّيْ مَنْ يَّعْرِفُ وَمَنْ لَّا يَعْرِفُ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَجْبُنُ بِطَبِيْعَتِهٖ فِيُسْلِمُ اَبَاهُ وَاُمَّهٗ وَاِنَّ الْكَلْبَ لَيَهِرُّ مِنْ وَّرَاءِ اَهْلِهٖ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ الصَّوْمَ حَرَامٌ يُجْتَنَبُ فِيْهِ اَذَى الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يَمْنَعُ الرَّجُلَ مِنْ لَذَّتِهٖ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالنِّسَاءِ فَذَالِكَ الصِّيَامُ التَّامُّ ...... الخ.“

(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۱۳)

ترجمہ:......"(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم مہاجر ہیں حالانکہ وہ مہاجر نہیں ہیں، مہاجر تو وہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے روک دیا ہے ان کو چھوڑ دے (صرف ترکِ وطن کرنے والے کو مہاجر نہیں کہتے) پھر فرمایا کہ بہت سے لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، ٹھیک ہے کرتے ہوں گے لیکن اللہ کے راستے میں جہاد یہ ہے کہ (محض اللہ کی رضا کے لئے ہو) کہ (دین کے) دشمن سے مقابلہ کرے اور حرام سے اجتناب کرے، اور بہت سے لوگ بہت ہی اچھا قتال کرتے ہیں لیکن اس قتال سے ان کا مقصود ثواب اور اعلائے کلمۃ اللہ نہیں ہوتا قتال تو محض موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور ہر آدمی سے اس کی نیت کے مطابق معاملہ ہوگا، پھر فرمایا کہ بہت سے لوگ اس لئے لڑائی کرتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں لڑائی ہے، پس وہ اس کے ذریعہ ہر آدمی کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں اور بہت سارے لوگ اس لئے تکرار نہیں کر سکتے کہ ان کی طبیعت میں بزدلی ہے، پس وہ اپنے والدین کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، حالانکہ بے شک کتا اپنے گھر والوں کی وجہ سے بھونکتا ہی ہے، بے شک روزہ (کئی چیزوں کو) حرام (کرنے والا) ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو تکلیف دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے، جیسا کہ روزہ روزہ دار آدمی کو اس کے لذات یعنی کھانے پینے اور عورتوں سے روک دیتا ہے، پس اسی کو مکمل روزہ کہا جاتا ہے۔"

رضائے الٰہی کے لئے لڑنا جہاد ہے:

تو بات یہ ہے کہ کوئی شخص شہرت کے لئے لڑائی کرتا ہے، یا اپنے مزاج کی وجہ سے لڑائی کرتا ہے، یا مزاج ہی لڑاکا پایا ہے تو شریعت نے رخ کافروں کی طرف کردیا، یا کوئی شخص اپنے قبیلے کی حمایت میں لڑتا ہے، کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت میں لڑتا ہے، یہ مجاہد نہیں ہے، مجاہد صرف وہ لوگ ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے لڑتے ہیں، اور اس پر آخرت کے اجر وثواب کی توقع رکھتے ہیں، دنیا کا کوئی مفاد اور منفعت ان کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

کامل روزہ:

اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو بھائی! روزے میں کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے لیکن کھانا پینا تو پہلے حلال تھا اب روزے کی حالت میں حرام ہوگیا اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا، ان کو تکلیف دینا اور ان کی غیبت کرنا اور ان کی تحقیر کرنا یہ روزے سے پہلے بھی حرام تھا، تو بہت سارے لوگ روزہ رکھتے ہیں، کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کی ایذا رسانی کرنا نہیں چھوڑتے، جو کہ حرام ہے جس سے بچنا لازم ہے، ان کی غیبت ترک نہیں کرتے تو ان لوگوں کا روزہ نہیں، جو کھانے پینے کے ساتھ مسلمانوں کی ایذا رسانی کو نہ چھوڑ دیں، مسلمانوں کو نقصان پہنچانا خواہ ہاتھ سے ہو، یا زبان سے ہو، یا کسی اور طرز عمل سے ہو، تمہارے وجود سے کسی کو ایذا نہ ہو، فرمایا کہ یہ ہے پکا اور پورا روزہ۔

زکوٰۃ فرائض دین میں سے ہے:

پھر فرمایا کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا ان فرائض میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض فرمایا، زکوٰۃ کا حکم تو قرآن کریم میں ہے لیکن زکوٰۃ کس چیز میں سے کتنی دی جائے اور اس کے شرائط کیا ہیں؟ اس کا ذکر قرآن کریم میں نہیں۔

زکوٰۃ کی تفصیلات قرآن میں نہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ایک موقع پر موجود تھے، کوئی بات ہوئی تو ایک نوجوان کہنے لگا کہ قرآن کریم میں اس کی کیا دلیل ہے؟ غضبناک ہوکر فرمانے لگے کہ یہ بتاؤ کہ تم جو زکوٰۃ دیتے ہو قرآن کریم میں اس کی مقدار بیان کی گئی ہے؟ یہ بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کس مال میں سے دی جائے؟ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی یہ شرط ہے کہ اس مال پر سال گزر جائے؟ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فلاں مال کا نصاب یہ ہے؟ اونٹوں کا نصاب یہ ہے، گائے کا نصاب یہ ہے، بکری کا نصاب یہ ہے، پھلوں کا نصاب یہ ہے، فصل کا نصاب یہ ہے، زمین کا نصاب یہ ہے اور جو زمین بارانی ہو اس کا نصاب یہ ہے، نہری زمین کا نصاب یہ ہے، سونے چاندی کا نصاب یہ ہے، مال تجارت کا نصاب یہ ہے، یہ ساری تفصیل تمہیں معلوم ہے، قرآن کریم سے نکال کر دکھا سکتے ہو؟ کہا کہ نہیں! فرمایا: تم کو شرم نہیں آتی یہ فرائض تم نے ہم سے سیکھے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے اور آج مجھے کہتے ہو کہ قرآن کریم سے اس کی دلیل دکھاؤ! ایسی اور بہت سی چیزیں ذکر فرمائیں۔ تو زکوٰۃ ایک خاص مقدار پر، خاص شرائط کے ساتھ اور خاص مقدار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض فرمائی ہے اور زکوٰۃ کوئی ٹیکس نہیں ہے، تاوان نہیں ہے۔

زکوٰۃ ٹیکس نہیں، عبادت ہے:

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے ایک دفعہ کہا تھا کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے، زکوٰۃ لینا حکومت کا کام ہے اور یہ کہ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! حکومت اس کی مقدار میں بھی رد و بدل کرسکتی ہے، بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، میں نے اس وقت لکھا تھا اور میرا یہ مضمون نوائے وقت لاہور میں چھپا تھا، میں نے لکھا تھا کہ ٹیکس اور زکوٰۃ میں فرق ہے، زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے، بھائی! یہ تو عبادت ہے جو لوگ زکوٰۃ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں حقیقت

میں ان کے اندر ایمان نہیں ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایسے ہی ٹیکس ہے جیسے گورنمنٹ کا ٹیکس ہے، اس کو بچاؤ جتنا بچاسکتے ہو، یہ نعوذ باللہ! مولویوں کا لگایا ہوا ٹیکس ہے، بھائی! یہ بات نہیں ہے، حق تعالیٰ نے کچھ عبادتیں بدن سے متعلق فرمائی ہیں جن کو عبادات بدنیہ کہا جاتا ہے، کچھ عبادتیں مال کے متعلق فرمائی ہیں تو زکوٰۃ اور حج یہ مال سے تعلق رکھنے والی عبادتیں ہیں، حج میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، عبادت بدنی بھی پائی جاتی ہے، بدن کی مشقت بھی اور پیسے بھی خرچ کرنے پڑتے ہیں، اس لئے علماً فرماتے ہیں کہ حج عبادت مرکبہ ہے، مال اور بدن دونوں سے متعلق ہے، زکوٰۃ خالص عبادت مالیہ ہے، اسی طرح قربانی اور صدقہ فطر بھی عبادت مالیہ ہے، فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ تو اللہ تعالیٰ نے ہر مال دار پر متعین کی ہوئی ہے جس کو عام طور پر زکوٰۃ کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے، صاحب نصاب ہو، ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا مالک ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں سے چالیس واں حصہ لازم آجاتا ہے، یہ زکوٰۃ ہے، اور ایک عبادت واجب کے درجے میں ہے اور وہ قربانی اور صدقہ فطر ہے۔

قربانی اور ملاحدہ کے شکوک وشبہات:

قربانی کے بارے میں تو کئی دفعہ بیان میں بات آبھی چکی ہے، بہت سے لوگ اس کے ویسے ہی منکر ہیں، نعوذ باللہ! یوں سمجھتے ہیں کہ قربانی کرنا مال کو ضائع کرنا ہے، بلاوجہ بکرے ذبح کئے جاتے ہیں، استغفر اللہ! اتنا چندہ مسکینوں کی فلاح و بہبود میں دے دیا جائے، لوگوں کو ان کی بات بڑی اچھی لگتی ہے لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ تم جو عیاشیاں اپنے نفس کے لئے کرتے ہو، لغویات اور عیاشیوں کے لئے جو خرچ کرتے ہو، وہ جائز ہے؟ مجھے کہنے کی اجازت دی جائے کہ فحاشیوں کے لئے کبھی تمہیں خیال نہیں آیا کہ بجائے اس فضول خرچی اور گناہوں کے کاموں میں خرچ

کرنے کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیا جائے؟ چلو اللہ تعالیٰ کے راستے میں تم دینے کے قائل نہیں ہو، تم اپنی قوم کے لئے خرچ کرو، اپنے وطن کے لئے خرچ کرو، مگر سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ اللہ اور رسول سے تعلق، نہ اپنی قوم و وطن سے تعلق، صرف نفس شریف سے تعلق ہے، یہ نہ ملک کے خیرخواہ، نہ اپنی قوم کے خیرخواہ، نہ انسانیت کے خیرخواہ، تو قربانی کے دنوں میں قربانی واجب ہے۔

وجوبِ قربانی کا نصاب:

مختصر سی بات اس قربانی کے بارے میں بھی عرض کردوں، قربانی صاحب نصاب پر ہوتی ہے جو شخص کہ صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے، یعنی اس کی ضروریات سے فالتو چیز موجود ہو، اب جس گھر میں ٹی وی موجود ہے، شریعت اس کی ضرورت تسلیم نہیں کرتی، اس پر قربانی واجب ہے اور یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ جو شخص صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے، بیوی کو جہیز میں زیور ملا ہے اور وہ بقدر نصاب ہے تو اس پر الگ قربانی واجب ہے، میاں پر الگ واجب ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو، باپ بھی صاحب نصاب ہے، بیٹا بھی صاحب نصاب ہے، برسر روزگار ہے خواہ ایک ہی جگہ رہتے ہوں تو بیٹے پر الگ قربانی واجب ہے، باپ پر الگ قربانی واجب ہے، اماں پر الگ قربانی واجب ہے اگر وہ نصاب کی مالکہ ہو۔

بزرگوں کی شان!

میرے والد مرحوم، اللہ غریق رحمت فرمائے قربانی کے موقع پر ہمیشہ نو (۹) قربانیاں کرتے تھے، چار ان کے بیٹے تھے اور چار ان کی بہوویں تھیں، اور ایک اپنی، کیونکہ سب ایک ساتھ رہتے تھے، اگرچہ ہم الگ کھاتے پیتے تھے، ہم باہر ہی رہتے تھے لیکن عید کے موقع پر گھر چلے جاتے تھے، یہ معاملہ والد صاحب ہی کے سپرد تھا، بزرگوں کی عجیب ہی شان تھی، اب تو نفسانفسی کا عالم ہے۔

والد صاحب کی زندگی میں میں نے کبھی اپنے یا اپنی بیوی کے کپڑے خریدنے کی جرأت نہیں کی، حالانکہ میں نے کہا کہ میں مدرسوں میں الگ رہتا تھا، کبھی خیال نہیں آیا کہ سال بھر باہر رہتا ہوں، ہمیشہ یہی سوچا کہ وہ بڑے تھے وہی کریں، اور یہی حال ہمارے دوسرے بھائیوں کا تھا، یہ نہیں کہ نعوذ باللہ! ہمیں انقباض تھا کہ والد صاحب نے ایسا کنٹرول کیا ہوا ہے، نہیں یہ بھی گویا اعزاز کے طور پر تھا، پرانے زمانوں میں بزرگوں کی بزرگ داشت اور چھوٹوں کی خورد داشت کا عجیب وغریب سماں ہوتا تھا۔

نئی روشنی کی تاریکی:

اب ہماری نالائقی کی وجہ سے وہ زمانہ آیا کہ بزرگوں کو بزرگ نہ سمجھا اور چھوٹوں کو چھوٹا نہ سمجھا، جو پڑھ لکھ گئے ہیں ان کو روشنی کچھ زیادہ ہی پہنچ گئی ہے اور اس زمانہ کو تاریکی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ روشنی ایسی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: ''جگمگاتے ہیں در و دیوار دل بے نور ہے۔'' یہ ظاہری روشنی ایسی ہے کہ تمہاری نئی روشنی کے سبب دماغ بھی تاریک اور دل بھی تاریک، اس لئے برخوردار، ابا میاں کو اپنے سے بے وقوف سمجھتے ہیں، خود عقل مند ہیں، ابا میاں بے وقوف اور بعض تو ایسے ہیں ان کو اپنے باپ کو باپ کہنے میں بھی شرم آتی ہے۔

ان پڑھ باپ کا پڑھا لکھا بیٹا:

حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ نئی روشنی والوں کا صاحبزادہ کسی جگہ افسر تھا، باپ بے چارہ ان پڑھ تھا، باپ ملنے کے لئے گیا، اب اس کی دیہاتی قسم کی وضع، غیر مہذب قسم کا آدمی، اب وہ کہہ تو نہیں سکتا تھا کہ ابا جان! میرے پاس تشریف نہ لاؤ، موجودہ زمانہ ہوتا تو شاید یہ وارننگ بھی دے دیتا، تو اپنے دوستوں سے تعارف کروایا تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں؟ کہنے لگا کہ یہ

ہمارے ملازم ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے الفاظ ہیں کہ وہ بوڑھا کہنے لگا: ملازم نہیں ہوں بلکہ اس کی ماں کا خصم ہوں۔ اب یہ زمانہ آیا ہے کہ نئی روشنی نے گل کھلایا ہے کہ باپ کو باپ کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اور باپ بھی ایسے ہی ہیں بے چارے کہ ''ڈیڈی'' کہلانا پسند کرتے ہیں، ''ابا''، ''ابو'' والا قصہ تو گیا۔

اولاد کا نہیں والدین کا قصور ہے:

رات میں ایک خط کا جواب لکھ رہا تھا، ایک نوجوان نے پوچھا کہ اولاد کی تربیت کرنی چاہئے، اب بجائے اولاد کی تربیت کرنے کے والدین خود شروع ہی سے ان کو دین سے ہٹاتے ہیں، بچہ ذرا باشعور ہوتا ہے تو ان کو الٹی سیدھی چیزیں سکھائی جاتی ہیں، ٹی وی دکھایا جاتا ہے اور دوسری لغویات دکھائی اور سنائی جاتی ہیں، اب اگر اولاد بالغ ہونے کے بعد بگڑے تو اس میں قصور کس کا ہے؟

اولاد ماں باپ کے تابع:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ ..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۲۱)

ترجمہ:...... ''ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں، یا نصرانی بنادیتے ہیں، یا مجوسی بنادیتے ہیں۔''

بہت کم ایسا ہوتا ہے:

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ والدین گمراہ ہوں لیکن اولاد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر ہو، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے باپ کو اور اپنی پوری قوم کو ان بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا، یہ سب

اپنے باپ دادے کا دین پھیلا رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا صریح غلطی پر پڑے ہوئے ہو، جب تم ان بتوں کو بلاتے ہو تو یہ سنتے کیوں نہیں؟ یہ تمہیں نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں؟ پتھر بے چارہ کیا نفع نقصان پہنچائے گا؟ تو یہ تو بہت کم ہوتا ہے کہ اولاد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلے، ہاں! بعض اوقات اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی فطری طور پر تربیت فرماتے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ اولاد جو کچھ اپنے ماں باپ کو کرتے ہوئے دیکھتی ہے اسی رخ پر چلتی ہے۔

اولاد کی غلط کاری کا وبال:

تو نوجوان نے پوچھا کہ اولاد کی غلط کاریوں کا وبال والدین کو ہوگا یا اولاد کو؟ میں نے جواب لکھا کہ عاقل بالغ ہوجانے کے بعد اولاد خود اپنے افعال کی ذمہ دار ہے لیکن چونکہ ان کی گمراہی اور بدکاری میں والدین کا بھی دخل ہے، اس لئے اولاد تو مجرم ہوگی لیکن والدین بھی ان کے جرم میں برابر کے شریک ہیں، آگے میں نے لکھا کہ والدین قبروں کو چلے جائیں گے اور اولاد غلط راستے پر چل رہی ہوگی، ان کی غلط روی کا وبال والدین کو قبروں میں پہنچتا رہے گا۔

نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے:

ہم لوگ اپنے مرحومین کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، حکم بھی ہے کہ ایصالِ ثواب کرو، ان کے لئے دعا کرو، ان کے لئے صدقہ خیرات کرو، ان کے لئے استغفار کرو، ان کے لئے پڑھ کر بخشو تاکہ جو زندگی سے ریٹائر ہوگئے ہیں، قبر میں ان کی پنشن جاری رہے، تو جو نیک والدین نیک اولاد چھوڑ کر جاتے ہیں، یہ نیک اولاد بھی ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آدمی کے مرنے کے بعد جو چیزیں اس کی قبر میں پہنچتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جو سکھایا تھا،

اور بعد میں اس پر عمل ہو رہا ہے تو اس کو ثواب پہنچ رہا ہے، اسی طرح کوئی قرآن کریم کا نسخہ ترکہ میں چھوڑ گیا تھا اس کو لوگ پڑھ رہے ہیں تو اس کو ثواب مل رہا ہے، کوئی صدقہ جاریہ کر گیا تھا، مثلاً: مسجد بنادی تھی، کوئی مدرسہ بنادیا تھا، حتیٰ کہ کوئی فلاحی کام کر گیا تھا، کوئی مسافر خانہ بنادیا تھا کہ لوگ آرام کرتے رہیں، مسافر کو ٹھہرانے کا جو ثواب ہے اس کو باقاعدہ ملتا رہے گا۔ انہیں میں سے ایک یہ فرمایا کہ نیک اولاد ہو جو اس کے لئے دعا کرے۔

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ نیک اولاد بذاتِ خود صدقہ جاریہ ہے، نیک اولاد جتنے نیک کام کرے گی جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ اکابرؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمادیا گیا ہے کہ اولاد کو دعا بھی کرتے رہنا چاہئے تو نیک اولاد والدین کے لئے اگر ایصالِ ثواب نہ بھی کرے، تب بھی نیک اولاد نیک عمل ہے، اور یہ جو فرمایا کہ اس کے لئے دعا کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو ملے گا ہی والدین کو۔ اولاد کو اپنی طرف سے بھی ایصالِ ثواب کرنا چاہئے کہ یہ والدین کا حق ہے۔

والدین کا حق:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حسن بھائی کہہ رہے تھے کہ والد صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: اولاد کے ذمہ حق ہے کہ اپنے والدین کی قبر پر آٹھ دن کے بعد ضرور جائے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے تھے کہ لوگ شروع شروع میں تو خوب یاد رکھتے ہیں، تیجہ اور چالیسواں کرتے ہیں، بعد میں بھول جاتے ہیں۔

مرحومین کی طرف سے صدقہ:

ایک صاحب کی والدہ خواب میں آئیں اور کہا کہ میری طرف سے ختم نبوت کو پانچ سو روپے چندہ دے دو، مرحومہ کی عادت تھی کہ مجھے ختم نبوت کے لئے یا

مدرسہ کے لئے پیسے دیتی اور رسید لیتی تھی، اور کہتی تھی کہ میں رسید اس لئے لیتی ہوں کہ یہ جنت کے ٹکٹ ہیں، تو خواب میں آئی تو کہنے لگی کہ میری طرف سے پانچ سو روپے چندہ دے دو۔ اس کے بعد پھر میں نے کہا کہ میں بھی اپنے والد صاحب کی طرف سے دیتا ہوں۔

والدین کو نہ بھولو:

یہ بھی ہونا چاہئے بھائی! تم اپنے کپڑے بناتے ہو، والدین کے لئے بھی بنا کے دیا کرو، کیوں نہیں دیتے؟ جوڑا بنا کر بھجوان کو، یعنی جوڑا یا جوڑے کی قیمت کسی محتاج کو دے دو، والدین کے لئے یہ حق شناس اولاد کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ اپنے والدین کو بھولے نہیں بلکہ یاد رکھے۔

اولاد کے گناہوں کے وبال کا حصہ قبر میں پہنچتا ہے:

تو خیر میں تذکرہ کر رہا تھا اس خط کا کہ نیک اولاد جو نیک عمل کرتی ہے مرنے کے بعد والدین کو اولاد کے نیک اعمال کا باقاعدہ حصہ دیا جاتا ہے، ان کے اعمال میں اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور جو والدین اپنی اولاد کو غلط راستے پر ڈال دیں یا ڈال کر گئے ہیں، نماز ان کو نہیں سکھائی، دین ان کو نہیں سکھایا بلکہ دوسری چیزیں سکھائیں، یعنی جو مشاغل دنیا میں آج کل تمہارے سامنے ہیں۔ اب اولاد تو دنیا میں عیاشیاں اور فحاشیاں کر رہی ہے مگر قبر میں والدین کو سزا مل رہی ہے۔
بھائی! جس طرح نیک اولاد کا حصہ والدین کو قبر میں پہنچتا ہے، بری اولاد جو برے اعمال میں مبتلا ہے (والدین کی غلط تربیت کی بنا پر) ان کے گناہوں کا حصہ، ان کے وبال کا حصہ بھی والدین کو قبر میں پہنچتا ہے۔ افسوس ان لوگوں کے حال پر کہ خود تو دنیا چھوڑ گئے لیکن ان کے گناہوں کے وبال کا پیچھا آج تک نہیں چھوٹا۔ انہوں نے اپنی قبر جو تاریک کی تھی وہ تو کی تھی لیکن آگے مزید سیاہی چڑھ رہی ہے، مزید عذاب میں

اضافہ ہو رہا ہے۔

قربانی گھر کے ہر صاحب نصاب پر:

تو میں گفتگو کر رہا تھا قربانی کے بارے میں کہ ابا کا حصہ الگ ہے، اماں کا حصہ الگ ہے، میاں کا حصہ الگ ہے، بیوی کا حصہ الگ ہے، اگر شوہر نادار ہے اس کے پاس پیسے نہیں، بیوی کے پاس پیسے ہیں تو بیوی کے ذمہ قربانی واجب ہے، شوہر کے ذمہ واجب نہیں، اگر بیوی کے پاس پیسے نہیں یا وہ نصاب کی مالک نہیں ہے، شوہر امیر کبیر ہے تو بیوی کے ذمہ قربانی نہیں شوہر کے ذمہ ہے۔ تو گھر میں جتنے افراد صاحب نصاب ہوں گے اتنی قربانیاں ان کے ذمہ واجب ہوں گی۔

قربانی کا مقصد گوشت نہ ہو:

اور یہ بھی میں نے عرض کیا کہ قربانیوں سے مقصود گوشت کھانا نہیں بلکہ عبادت ہے، گوشت تو ہمیں دوکان پر اس سے بھی زیادہ سستا مل جائے گا، بعض لوگ قربانی کے قائل نہیں، مگر اس لئے قربانی کرتے ہیں کیونکہ وہ تو فرائض کبھی ادا نہیں کرتے تو واجبات کیا ادا کریں گے؟ انہوں نے زکوٰۃ کبھی نہیں دی قربانی کیا کریں گے؟ وہ قربانی صرف اس لئے کرتے ہیں کہ بچوں کا اصرار ہوتا ہے کہ ہمارے گھر بھی جانور آئے، اللہ تعالیٰ منظور کرے یا نہ کرے۔

میں یہ مسئلہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایسی قربانی کا ثواب نہیں ملے گا، ہاں! اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور محض رضائے الٰہی کے لئے جانور ذبح کیا جائے اور گوشت مقصود نہ ہو، اس قربانی کا ثواب ملتا ہے، اور اگر گوشت مقصود ہے یا یہ خیال ہے کہ قربانی نہیں کی تو پڑوس والے لوگ کیا کہیں گے؟ تو ایسی قربانی کا بھی ثواب نہیں۔

ایک کی نہ ہوئی تو سب کی نہ ہوگی:

ایک مسئلہ اور بتادیتا ہوں کہ گائے میں سات حصے ہیں، اگر ایک آدمی صرف گوشت کی نیت والا ہوگا تو ساتوں کی قربانی نہیں ہوگی، گائے میں سات حصے تھے، ان میں ایک آدمی ایسا تھا کہ جس کی نیت قربانی کی نہیں تھی، حقیقت میں عبادت کی نیت نہیں تھی، محض گوشت کھانا مقصود ہے، یا ایک رسم ہے تو چونکہ جانور ایک ہی ہے اس لئے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، یہ جانور ہی قربانی کا نہیں۔

اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ قربانی کرو:

اس لئے کہتے ہیں بھائی! نیک لوگوں کے ساتھ حصے رکھا کرو، اچھے لوگوں کے ساتھ حصے رکھا کرو، یا پھر اپنی الگ قربانی کرو، یہ دھڑے کا مال نہیں چلتا۔

حرام مال والے کے ساتھ قربانی:

اسی طرح جن لوگوں کا پیسہ حرام کا ہے، ان کی قربانی ٹھیک نہیں ہے، اور ان کے ساتھ حصہ رکھنا بھی ٹھیک نہیں ہے، غصب کا پیسہ ہے، رشوت کا پیسہ ہے اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل کیا ہوا پیسہ ہے نہ ان کی زکوٰۃ، نہ ان کی قربانی اور نہ ان کا حج، نہ ان کا فدیہ، کوئی چیز قبول نہیں۔

قربانی پاک مال سے ہو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قطعی طور پر ارشاد گرامی ہے:

"اِنَّ اللهَ طَیِّبٌ یُحِبُّ الطَّیِّب ..... الخ."

(مشکوٰۃ ص:۳۸۵)

ترجمہ:......"اللہ پاک ہے، پاک مال کو قبول کرتا ہے۔"

ناپاک مال کو قبول نہیں کرتا، مال حرام کا ہے تو صدقہ بھی نہیں کیا جاسکتا تو اگر کسی کا مال حرام ہے اور اس نے قربانی میں حصہ رکھا تو باقی لوگوں کی بھی قربانی نہیں ہوگی، کیونکہ جانور ایک ہے، لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ غیرمحتاط ہیں، کوئی رافضی ہے اس کو بھی قربانی میں ساتھ کرلیتے ہیں، اور ایک جگہ تو قادیانیوں کا بھی اپنے ساتھ حصہ رکھ لیا، احتیاط نہیں کرتے، احتیاط اس لئے نہیں کرتے کہ دین کے معاملے میں پرواہ نہیں، بے پرواہی ہے۔

قربانی کی کھال کا مسئلہ:

اور اسی طرح قربانی کی کھالوں کا مسئلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سو اونٹ نحر فرمائے تھے، تریسٹھ اپنے دست مبارک سے اور باقی حضرت علیؓ کو کہہ دیا تھا کہ قربان کردو، تریسٹھ سال عمر شریف تھی، حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں ان کی کھالوں کو صدقہ کردوں۔ اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جزار کو اجرت نہ دو، یعنی کھال کو قصائی کی اجرت میں نہ دو، ہم اجرت اپنی طرف سے دیں گے حتیٰ کہ قربانی کے جانور کی رسی، اس کی جھول کو بھی صدقہ کردینے کا حکم ہے۔ اور یہاں قصائی کو دے دیتے ہیں، یہ بھی اپنی قربانی برباد کرنے والی بات ہے، اور بہت سارے لوگ اپنی قربانی کی کھالیں ایسے اداروں اور ایسی تنظیموں کو دیتے ہیں جو کہ اپنی من مانیاں کرتے ہیں، ان کو شرعی مسائل کا علم ہی نہیں اور پچھلے دنوں تو قربانی کی بھری ہوئی گاڑیاں چھین لی گئیں، ختم نبوت کی گاڑی بھی چھین لی تھی، قہر کا نتیجہ تو قہر ہی نکلے گا نا! جب آدمی اپنے سر پر قہر اٹھائے گا تو پھر اس کا نتیجہ تو قہر ہی کی شکل میں ہوگا۔

ہمارے اعمال کی آگ:

ہمارے حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بے ادب جو ہوتا ہے وہ تنہا

اپنا برا نہیں کرتا بلکہ جہان کو آگ لگا دیتا ہے، اور پھر آگ اس اکیلے نے لگائی جلتے اس میں سارے ہیں، یہ کراچی میں پچھلے دنوں جو کچھ ہوا کیا خیال ہے؟ یہ گولیاں اور بندوقیں نہیں تھیں، یہ ہمارے اعمال کی آگ تھی اور یہ بدعملیوں کی آگ جب لگتی ہے تو پھر پڑوس کے ساتھ والے پڑوسی کو بھی پکڑ لیتی ہے وہ تو کچھ نہیں دیکھتی۔

بے عقل حکمران:

اب ہمارے بزرجمہر جو عقل کل ہیں کیونکہ جو برسر اقتدار آ جائیں نا! جس کی حکومت ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ساری دنیا کی عقل مجھے دے دی گئی ہے، باقی سارے بے وقوف ہیں، کسی کو کسی کے مسئلہ پر بولنے کا حق نہیں کیونکہ ان کے پاس تو عقل نہیں، عقل تو صرف ہمارے پاس ہے۔

بدعملیوں کی آگ کا علاج:

اب یہ بے چارے ہراساں ہیں، پریشان ہیں کہ فلاں کو پکڑو، فلاں کو اندر کرو، یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، اپنی بدعملیوں کے ذریعہ جو تم نے آگ لگائی ہے اس کو توبہ سے بجھاؤ، اس انتقام کی آگ سے یہ آگ مزید پھیلے گی کم نہیں ہوگی، تم نے مسئلے کا حل بھی غلط تلاش کیا ہے، جس کو چاہا پکڑ کر اندر کر دیا، اس سے کیا تم سمجھتے ہو کہ زخم پر مرہم لگ جائے گا؟ یہ آگ جو لگی تھی بجھ جائے گی؟ نہیں! بلکہ اور شدت کے ساتھ بھڑکے گی اور پھر ایسا نہ ہو کہ اس کا لاوا تمہیں بھی بھسم کر ڈالے اور قوم کو بھی بھسم کر ڈالے۔ عجائبات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے جو طاغوتی قوتوں اور ہمارے دشمنوں کی کٹھ پتلیاں بنی ہوئی ہیں، وہ ہمارے برسر اقتدار ہیں، وہ ہمارے اوپر حکومت کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے جوتے کھانے کے لئے خود ان کو اپنے اوپر مسلط کیا ہے، مت ماری گئی ہے، جب ایسے لوگ حکمران ہوں گے تو پھر نتیجہ یہی ہوگا۔

زنانہ عقل کیا گل کھلائے گی؟

کوثر نیازی نے بے نظیر کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جس میں اس نے لکھا تھا کہ مستثنیات کے طور پر ہی فرض کرلو کہ بے نظیر کو اللہ نے عقل زیادہ دی ہے، علم زیادہ دیا ہے، فہم زیادہ دیا ہے، دوسرے لوگ اس کے مقابلے میں نہیں آتے تو اس میں کیا حرج ہے؟ میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے، ''بینات'' میں بھی آرہا ہے، میں نے لکھا کہ جناب کی ممدوحہ کی عقل خداداد کا میں بھی قائل ہوں، اس لئے کہ یہ سارے لغاری، مزاری، چیمے، چٹھے، وٹو، ٹوانے اور نیازی یہ سارے اس کی زلف کے اسیر ہیں۔ قرآن نے جو کہا ہے وہ ٹھیک ہی کہا ہے کہ تمہارا مکر بہت بڑا ہے، شیطان کا مکر، اللہ کی نظر میں کمزور ہے، مگر عورتوں کا مکر بڑا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اس سے بھی ڈبل ہے، اور آخر میں میں نے لکھا تھا کہ اس پر میرا رسالہ ختم ہوا کہ یہ زنانہ عقل ملک وملت کے حق میں کیا گل کھلائے گی؟ اس کا انتظار کرو! یہ رسالہ (عورت کی حکمرانی) چھپا ہوا موجود ہے، زنانہ عقل ہی یہ سارے گل کھلا رہی ہے، جو قوم مرد وعورت کے درمیان امتیاز کرنا بھول جائے، اس قوم کا کیا انجام ہوگا؟ جہاں مرد مرد نہ رہے، عورتیں عورتیں نہ رہیں، وہاں اخلاق اور اقدار کا کیا پوچھنا؟

ایدھی اور قربانی کی کھالیں:

تو بھائی! قربانی کی کھالیں بھی اپنی جگہ پر خرچ کرو، ایدھی ٹرسٹ کے بارے میں بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ ایدھی والوں کو پہنچادو، پچھلے دنوں اخبار میں آیا تھا کہ ایدھی کی چندہ کی رقم میں سے جو رقم بنک میں جمع ہے اس کے سود کو خرچ کرتے رہتے ہیں، تمہاری زکوٰۃ وصدقات کی رقوم بنک میں جمع ہیں (ایدھی والوں کی) اور اس کا سود خرچ کرتے رہتے ہیں، اب تمہاری عبادت پوری ہوگی؟ مکمل

ہوگی؟ سوچ لو! اپنے نفع اور نقصان کو خود سوچو، تو جو ادارے اور جو تنظیمیں اس قسم کے گھپلے کرتی ہیں، یا جو ناقابل اعتماد ہیں، جن کے دین یا دیانت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ان کو اپنی قربانی کی کھالیں نہ دو اور ختم نبوت کے لئے تو میں کہا کرتا ہوں کہ اس کو اپنی قربانی کی کھالیں دو، بس اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صوفیائے اخلاق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

صوفیاءؒ کے اخلاق کے بارے میں گفتگو چل رہی تھی، فرماتے ہیں کہ صوفیاءؒ کے اخلاق میں سے ایک ہے: لڑائی جھگڑا نہ کرنا اور حق کے بغیر غصہ نہ کرنا، حلم اور بردباری اور برداشت سے کام لینا، یہ مضمون مختصر سا دوسرے عنوانات کے تحت پہلے بھی آچکا ہے۔

انسان کے اندر موجود دو قوتیں:

غصہ کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ نے انسان کی حفاظت کے لئے اس کے اندر دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک قوت وہ ہے جو منافع کو حاصل کرنا چاہتی ہے، اس کا نام حرص ہے۔ اور دوسری قوت وہ ہے جو اس سے مضرتوں کو دور کرنا چاہتی ہے، اس کا نام غضب اور غصہ ہے۔ جب بھی انسان کو کوئی چیز ایسی پیش آتی ہے جو طبیعت کے لئے ناگوار ہو تو یہ قوت بھڑکتی ہے اور مدافعت کرنا چاہتی ہے اسی قوت کو غصہ آنا کہتے ہیں۔

اب اگر یہ حق پر ہو پھر تو یہ ٹھیک ہے اور اگر ناحق پر ہو تو غلط ہے۔ یہاں پر

دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

غصہ کے بارے میں دو باتیں:

ایک یہ کہ: جب آدمی کو غصہ آتا ہے تو اگر ضرورت ہو گفتگو کی تو آدمی بحث کرتا ہے، جھگڑا کرتا ہے، تکرار کرتا ہے، لڑائی کرتا ہے، اور اگر ضرورت ہو ہاتھ استعمال کرنے کی تو دست درازی کرتا ہے، مار پٹائی کرتا ہے، یہ ساری انتقام کی شکلیں ہوتی ہیں، اور اگر وہ بھی نہیں کرسکتا، یہ بھی نہیں کرسکتا تو پھر ایک تیسری کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی دل کی رنجش، دل سے آدمی رنجیدہ ہوتا ہے اور جو شخص اس کو نقصان پہنچاتا ہے یا اس کے خیال میں نقصان پہچانا چاہتا ہے، اس کے خلاف رنجش رکھتا ہے، کینہ رکھتا ہے، بغض رکھتا ہے، دل میں اس سے نفرت کرتا ہے اور یہ ساری صورتیں ہیں اسی ایک انتقام کی، اور پیدا ہوتی ہیں اس قوت سے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھی ہیں جس کو مدافعت کی قوت کہتے ہیں، اس کا نام غصہ رکھ لیجئے۔

اور دوسری یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے انسان کے اندر جو فطرتی اخلاق رکھے ہیں ان کو ختم نہیں کیا جاسکتا، اب اگر غصہ انسان میں فطری ہے یہ تو آئے گا، اس کو نہیں دبا سکتے یعنی ختم نہیں کرسکتے، مار نہیں سکتے۔

ایک فطری بات:

اور کسی چیز کی چاہت و رغبت اور حرص یہ بھی ایک فطری چیز ہے، انسان کی فطرت کے اندر رکھی گئی ہے، اس کا بھی پوری طرح قلع قمع کرنا ممکن نہیں ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز میرے نزدیک قیمتی ہے میں اس کی حرص رکھتا ہوں، آپ کی نظر میں وہ چیز قیمتی نہیں ہے آپ کو اس کی کوئی حرص نہیں ہے، یہ بات تو علم پر مبنی ہے۔

درویش و شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک دفعہ ایک بادشاہ، ایک درویش سے ملنے کے لئے گئے، بادشاہ کے

ساتھ ان کے شیخ الاسلام بھی تھے، میں نے پہلے ایک موقع پر بتایا تھا کہ ہمارے طبقہ میں حسد بہت ہوتا ہے، یہ خاص مولوی، قاری بے چاروں کی بیماری ہے، مولوی حسد یعنی ایک دوسرے پر جلنا، (اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم لوگ اس سے بالکل پاک ہو)۔ میرا مطلب یہ ہے کہ علماً میں یہ چیز بہت زیادہ پائی جاتی ہے سوائے ان کے کہ جن کی اصلاح ہوگئی ہو، اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی خدمت میں، صحبت میں بیٹھنے سے نفس کا تزکیہ ہوگیا ہو، ان کی بات دوسری ہے، ہم اپنے جیسوں کی بات کر رہے ہیں، تو بادشاہ کے ساتھ ان کے شیخ الاسلام مولوی صاحب بھی تھے، بادشاہ نے اس بزرگ کی تعظیم کی، بڑا اکرام کیا، مولوی صاحب جل گئے، آخر میں بادشاہ نے ایک تھیلی اس بزرگ کی خدمت میں پیش کی، وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: میں اس کو کیا کروں گا؟ آپ لوگوں پر تقسیم کردیجئے، ضرورت مندوں کو دے دیجئے۔ یہ استغنا ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی کی عظمت بڑھتی ہے، اور حرص خصوصاً ''سوال'' ایک ایسی چیز ہے جس سے آدمی ذلیل ہوتا ہے، تو اس بزرگ کے یہ کہنے سے بادشاہ کی نظر میں اس بزرگ کی عظمت اور بھی بڑھ گئی، مولوی صاحب پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، فوراً حدیث پڑھی:

''قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''يَهْرُمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشُبُّ فِيْهِ اِثْنَانِ: اَلْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمَرِ.'' (مشکوٰۃ ص:۴۴۹)

ترجمہ:...... ''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں (جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے اسی نسبت سے یہ دو چیزیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں): ایک مال کی حرص اور دوسری لمبی عمر کی حرص۔''

مولوی صاحب کا مطلب یہ تھا کہ یہ جو تم انکار کر رہے ہو یہ محض ریاکاری

ہے، ورنہ حرص تمہارے اندر بھی موجود ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں۔ بزرگ سمجھ گئے، جب مولوی صاحب نے یہ حدیث پڑھی تو اس بزرگ نے فرمایا کہ: مولوی صاحب! جوان وہ ہوا کرتا ہے جو پیدا ہو، اللہ کا شکر ہے کہ یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں، جوان کیا ہوتیں؟ اللہ کا احسان ہے کہ یہ دو چیزیں ہمارے دل میں پیدا ہی نہیں ہوئیں، پیدا ہوتیں تو جوان ہوتی ناں! اور پھر فرمایا اگر اجازت ہو تو ایک حدیث میں بھی سنادوں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ یُخَالِطُوْا السُّلْطَانَ، فَاِذَا خَالَطُوْا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْیَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ، فَاحْذَرُوْهُمْ!" (کنز العمال ج:۱۰ حدیث:۲۸۹۵۳)

ترجمہ:...... "علماء رسولوں کے امین ہیں بشرطیکہ بادشاہوں سے مل کر نہ رہیں، ان سے خلا ملا نہ رکھیں اور دنیا میں نہ گھسیں، لیکن جب وہ بادشاہوں سے میل جول کرنے لگیں، خلط ملط کرنے لگیں تو وہ رسولوں کے خائن ہیں، ان سے بچو!"

بادشاہ، شیخ الاسلام سے کہنے لگا کہ: اور چھیڑو!

ایک اور روایت میں ہے:

"اِذَا رَأَیْتَ الْعَالِمَ یُخَالِطُ السُّلْطَانَ مُخَالَطَةً کَثِیْرَةً، فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لِصٌّ." (کنز العمال ج:۱۰ حدیث:۲۸۹۷۳)

ترجمہ:...... "جب کسی عالم کو بادشاہ سے زیادہ خلا ملا کرتا ہوا دیکھے تو جان لے کہ یہ ڈاکو ہے۔"

تو میں نے عرض کیا تھا یہ بات عام طور پر ہمارے طبقہ میں ہوتی ہے، اس پر

بات آ گئی تھی کہ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہوں جن میں یہ چیزیں پیدا ہی نہ ہوں، تو یہ ہوسکتا ہے۔ مگر میری اور آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی کہ کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو ان چیزوں سے مبرا ہوں۔

لوگ سوچ ہی نہیں سکتے کہ کوئی بغیر غرض کے بھی کام کرسکتا ہے:

ایک فتوے کے سلسلے میں، معلوم نہیں کہ ابوظہبی سے یا سعودی عرب سے، مجھے خط ملا ہے، جو بہت لمبا چوڑا ہے، اس میں بڑی تفصیل لکھی ہوئی تھی، اس میں لکھا تھا کہ یہ امریکی ڈالر جو سعودی تھیلیوں میں مل رہے ہیں ناں! یہ فتویٰ ان کی برکت ہے۔

میں نے ان کو جواب میں لکھا کہ آپ صحیح فرماتے ہیں، اس سے زیادہ آپ سوچ ہی نہیں سکتے، آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے، اور یہ بات آپ کے ذہن میں آہی نہیں سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی منفعت اور لالچ کے اللہ تعالیٰ کے دین کی بات بتاتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کے بقول:

موحد کہ برپائے ریزی زرش
کہ فولادِ ہندی نہی برسرش
امید و حرامش نہ باشد زکس
ہمین است بنیادِ توحید بس

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا تم اس کے پاؤں پر سونے کی اشرفیوں کی تھیلیاں ڈال دو یا تلوار اس کی گردن پر رکھ دو، کوئی چیز اس کو حق کہنے سے مانع نہ ہوگی، اس کی امید اور اس کا خوف صرف ایک سے ہیں اور اسی کا نام توحید ہے۔''

حرص و ہوا کے سیلاب میں...:

توحید کی یہی بنیاد ہے، جہاں حرص و ہوا کا سیلاب بہہ رہا ہو اور لوگ بے دست و پا ہوکر اس میں بہہ رہے ہوں، وہاں کسی کی عقل میں آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہوں گے جو بغیر خواہش اور بغیر کسی منفعت کے کوئی بات کہیں اور ان کا نعرہ وہی ہو جو انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نعرہ تھا؟ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ." (الشعراء:۱۰۹)

یعنی میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ صرف ایک اللہ کے ذمہ ہے، جو کچھ کہتا ہوں تم سے کچھ وصول کرنے کے لئے نہیں کہتا۔

قیمتی اور بے قیمت کا معیار!

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ تو ممکن ہے کہ ایک چیز کی مجھے رغبت ہو، اس لئے کہ میری نظر میں وہ چیز قیمتی ہے اور آپ کو رغبت نہ ہو اس لئے کہ آپ کی نظر میں وہ قیمتی نہیں ہے۔ حرص و رغبت تو قیمتی چیز کی ہوتی ہے، جو چیز آدمی کی نظر میں بے قیمت ہو اس کی وہ حرص نہیں رکھتا، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

"مَرَّ (رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَاَخَذَ بِاُذُنِهٖ ثُمَّ قَالَ: اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا: مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهٖ؟ قَالَ: تُحِبُّوْنَ اَنَّهٗ لَكُمْ؟ قَالُوْا: وَاللهِ! لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ

عَيْبًا فِيْهِ لِاَنَّهٗ اَسَكُّ، فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ؟ فَقَالَ: فَوَاللهِ! لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ!"

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۴۰۷)

ترجمہ:..... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بکری کے مرے ہوئے بچے پر ہوا، جو کن کٹا بھی تھا، صحابہؓ ساتھ تھے، آپؐ نے اس کا کان پکڑ لیا (اس حدیث پر امام ابوداوٗدؒ نے باب باندھا ہے، "باب الوضوء من مس المیتۃ۔" (ابوداوٗد ج:۱ ص:۲۵) یعنی مردار کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور وضو کرنا لازم نہیں آتا) اور فرمایا: تم میں کون ہے جو ایک درہم دے کر اس کو خرید لے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کن کٹا ہے اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کوئی نہ لیتا، اس میں عیب تھا، اب تو یہ مرا ہوا اور مردار ہے اب اس کو کون لے گا؟ فرمایا کہ: جس قدر یہ مردار تمہاری نظر میں ذلیل اور حقیر ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں پوری دنیا اس سے زیادہ ذلیل اور حقیر ہے۔"

اب اللہ تعالیٰ کے جس بندے کی نظر بصیرت صحیح ہوگئی ہو اور دنیا واقعتاً اس کی نظر میں ذلیل اور حقیر ہوگئی ہو وہ اس کی رغبت کیوں کرے گا۔

نماز کی قیمت معلوم نہیں اس لئے دل نہیں لگتا:

ہمارے لوگوں کو تکلیف ہے کہ جی نماز میں دل نہیں لگتا، تسبیح و ذکر میں دل نہیں لگتا، تلاوت میں دل نہیں لگتا، اصل میں ان چیزوں کی دل میں قیمت نہیں ہے۔ کبھی یوں نہیں کہا کہ کھانے میں دل نہیں لگتا، مولوی صاحب کوئی علاج بتاؤ، کھانا کھانے بیٹھتا ہوں تو دل نہیں لگتا، کیا کریں؟ بڑا مشکل ہے، پانی پینے بیٹھتا ہوں تو دل نہیں لگتا، دوستوں کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو دل نہیں لگتا اور جتنی لغویات میں ہم

مصروف ہیں اس میں دل نہیں لگتا، یہ کبھی کسی نے شکایت نہیں کی۔ اس لئے کہ ان چیزوں کی منفعت سامنے ہے۔ نماز کی، روزے کی، زکوٰۃ کی، تلاوت کی، ذکر کی اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کی قیمت معلوم نہیں ہے، دل کیوں لگے گا؟ رغبت اسی چیز کی ہوتی ہے جس چیز کی منفعت سامنے ہوتی ہے، اس کی قیمت سامنے ہوتی ہے۔

اہل اللہ کو دنیا کی قیمت معلوم ہے اس لئے ان کو حرص نہیں ہوتا:

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے اللہ رحمہم اللہ کی نظر میں دنیا بے قیمت ہے، ان کو اس کی حرص نہیں اور نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! ہمارے نزدیک دین اور دین کی باتیں بے قیمت ہیں، اس لئے ہمیں اس کی حرص نہیں، تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ تو ممکن ہے کہ ایک آدمی کو کسی چیز کی اہمیت معلوم نہ ہو، اس لئے اس کی حرص نہ ہو، لیکن جس چیز کی حرص ہوتی ہے آدمی اپنے تمام وسائل جھونک کر بھی اس چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

دفع مضرت کے لئے پورے اسباب استعمال کرنے کی وجہ:

اور بالکل یہی قصہ ہے مضرت کے دفع کرنے میں بھی، بچے کے سامنے سانپ رکھ دو، اس کے خوش نما نقوش اس کو بہت اچھے لگیں گے، فوراً پکڑنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس کو پتہ نہیں ہے کہ یہ سانپ ہے، اس لئے شیخ عطارؒ فرماتے ہیں کہ:

زہرے ایں مارے منقش قاتل است

یعنی اس نقشوں والے منقش سانپ کا زہر قاتل ہے۔ جب تک ہمیں کسی چیز کے بارے میں یہ پتہ نہ ہو کہ یہ ضرر رساں ہے اس وقت تک ہماری اندر کی قوت مدافعت بیدار نہیں ہوگی، سوتی رہے گی، کچھ نہیں کہے گی، لیکن جوں ہی معلوم ہوا کہ یہ ضرر رساں ہے تو اس سے بچنے کے لئے اپنی پوری طاقت خرچ کردے گی اور وجود

کے پورے لشکر کو اس کے لئے استعمال کرلے گی، اس کو غضب کہتے ہیں۔

لڑائی کے اسباب:

پھر جیسے کہ میں نے کہا کہ اس کے تین درجے ہیں، اگر ہاتھ استعمال کرسکتا ہے تو ہاتھ کو استعمال کرے گا، زبان استعمال کرسکتا ہے تو زبان استعمال کرے گا اور یہ نہیں کرسکتا تو پھر کم از کم دل میں برا سمجھے گا ہی، تو یا تو مار کٹائی ہوگی، یہ نہ ہو تو لڑائی جھگڑا ہوگا، یہ بھی نہ ہو تو کینہ اور بغض تو ضرور ہی ہوگا، کیونکہ دل پر تو کسی کا پہرا نہیں بٹھایا جاسکتا، تو معلوم ہوا کہ جوش انتقام کی وجہ سے لڑائی جھگڑا شروع ہوتا ہے۔

غصہ رکھوالا ہے:

آپس میں جو لوگ لڑتے ہیں یا بحث وتکرار کرتے ہیں یہ شروع ہوتا ہے جوش انتقام اور غصہ کی بنا پر اور ہماری شریعت نے جیسا کہ میں پہلے بھی بتاچکا ہوں یہ بتایا ہے کہ یہ کتا ہے، تمہارے گھر پر پاسبانی کے لئے رکھا ہوا ہے، یہ غصہ جو ہے ناں غصہ، یہ گھر پر پالا ہوا کتا ہے، کسی گھر کے اندر کوئی چور ڈاکو آئے تو مالک کو بتانے کے لئے اس کو ضرور بھونکنا چاہئے، لیکن اگر یہ ہر ایک کو کاٹتا پھرے تو پھر معلوم ہوا کہ کتا باؤلا ہوگیا ہے اور باؤلے کتے کو شوٹ کردیا کرتے ہیں، گولی ماردیا کرتے ہیں۔

غصہ کی زیادتی جنون کی علامت ہے:

اگر ہم ہر ایک سے لڑائی بھڑائی کرتے پھریں، اس میں دوست اور دشمن کی کوئی تمیز نہ کریں، اپنے اور پرائے کا کوئی امتیاز نہ کریں، کبھی ماں پر غصہ آرہا ہے، کبھی باپ پر آرہا ہے، کبھی بھائی پر آرہا ہے، کبھی بہن پر آرہا ہے، کبھی پڑوس والوں پر آرہا ہے اور کبھی دوست پر آرہا ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ کتا پاگل ہوگیا ہے، اتنی عقل تو اللہ تعالیٰ نے کتے کو بھی عطا فرمائی ہے کہ مالک ہو یا گھر کا کوئی اور فرد ہو اور وہ اس کے پاس سے گزرے تو وہ دم ہلانے لگتا ہے، اس کو بھونکتا نہیں ہے۔

قوتِ غضبیہ دفع مضرت کے لئے ہے:

تو ہمارے اندر جو غصے کی قوت رکھی گئی ہے اس کا مقصد بھی مضرات کی مدافعت کرنا ہے، لیکن یہ نہیں کہ ہر جگہ بھڑکتا پھرے۔ تول کر کے دیکھو کہ تمہیں جو مضرت پہنچ رہی ہے اس کے مقابلے میں کوئی منفعت بھی مل رہی ہے کہ نہیں، دونوں کا موازنہ کرو۔

والدین کے غصہ کی منفعت:

اب والدین جھڑکتے ہیں، اپنے بچے کو ڈانٹتے ہیں، بچہ غصہ ہوتا ہے، بے وقوف ہے، والدین کا نصیحت کرنا اس کی منفعت اور ذرا تھوڑا سا اس کو ڈانٹنے کی جو تکلیف ہوئی ہے وہ مضرت، ان دونوں کا مقابلہ کرو کہ کس کا پلہ بھاری ہے؟

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنا بیٹا مکتب میں پڑھنے کے لئے بٹھایا اور چاندی کی تختی بنا کر دی، اس پر سونے کے حروف سے یہ الفاظ لکھ کر دیئے: ''جورے استاذ بہ از مہر پدر'' استاذ کا ظلم اور استاذ کی سختی باپ کی شفقت سے بہتر ہے۔

قاری صاحب نے ایک بچے کے طمانچہ مار دیا، گھر کے لوگ آگئے، عورتیں تک آ کر بے چاری کوسنے دیتی ہیں، اچھا بھائی! تمہاری خوشی، تمہارا یہ غصہ بھڑکنا چاہئے تھا، پہلے مقابلہ کر لیتے کہ اس منفعت اور اس مضرت کے درمیان میں نسبت کیا ہے؟ پلہ کس کا بھاری ہے؟ ایک طرف منفعت بھی ہے اور ایک طرف مضرت بھی ہے، تو دونوں میں سے پلہ کس کا بھاری ہے؟ اگر مضرت کا بلہ بھاری تھا، پھر تو تمہارا غصہ بھڑکنا چاہئے تھا، لیکن اگر منفعت کا پہلو بھاری ہے اور مضرت ایسی کچھ خاص نہیں ہے، وقتی چیز ہے تو پھر اس پر غصے کا ہونا یہ بے عقلی کی بات ہے۔

جیسے تمہارے یہاں کوئی مہمان آتا ہے، بڑا معزز مہمان اور کتا اس کو بھونکتا ہے، بے عقل ہے، جانتا نہیں ہے کہ ان مالکوں کا اس مہمان کے ساتھ کیا تعلق ہے،

یہ ان مہمانوں کو بھی دشمن سمجھ رہا ہے اور دشمن سمجھ کر بھونکتا ہے، یہ تو میں نے غصے کے بارے میں کچھ تفصیلات ذکر کیں۔

مامور وممنوع غصہ:

اب جو بات حضرتؒ فرما رہے ہیں اس کی تشریح کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ: صوفیا کے اخلاق میں سے ہے لڑائی جھگڑے کو چھوڑ دینا اور غصے کو چھوڑ دینا، مگر حق کے ساتھ یعنی اگر کسی حق بات پر لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے یا غصہ کی نوبت آئے تو پھر تو وہ دوسری بات ہے، غصہ ہونا چاہئے آدمی میں، لیکن غصہ اپنی ذات کے لئے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہونا چاہئے، غضب فی اللہ ہونا چاہئے، غضب لنفسہٖ اپنی ذات کے لئے نہیں، غصے کے گلے میں رضائے الٰہی کی زنجیر باندھ دو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے غصہ ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر نہ ہو۔

غصہ حدود اللہ توڑنے پر ہو:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں:

”وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَکَ حُرْمَةُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.“

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۵۶)

ترجمہ:...... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا، (کوئی کچھ کہتا رہے، انتقام نہیں لیا) مگر جب اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا جاتا، یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑا جاتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آتا تھا اور ایسا غصہ آتا تھا کہ کوئی اس کا سامنا نہیں کرسکتا تھا۔“

قریش کی ایک عورت نے چوری کرلی تھی، جس کا نام فاطمہ تھا، اب قریش نے کہا کہ: اگر اس خاتون کا ہاتھ کٹ گیا تو بڑی بدنامی ہوگی کہ قریش کی خاتون کا ہاتھ کٹ گیا، یہ قریش کے لوگ چور ہیں، اتنا بڑا خاندان! اور ایسی بدنامی؟ اور لوگ بھی ایسے بے وقوف ہوتے ہیں کہ ایک کا فعل پوری قوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو بڑی بدنامی ہوگی، اس لئے ایسا کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کرو کہ اس عورت پر حد جاری نہ کریں، سزا جاری نہ کریں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے کی جرأت کس کو ہو؟ انہوں نے سوچا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی لاڈلے اور پیارے ہیں، ان سے کہا جائے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں عرض کریں، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نوجوان سے تھے، یہ ہی کوئی سولہ سترہ سال کی اس وقت ان کی عمر ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھے، حضرات حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی ان سے محبت فرماتے تھے، چنانچہ حضرت اسامہؓ کو کہا گیا اور حضرت اسامہؓ تو چونکہ بھولے بھالے نوجوان تھے، کم عمری کی وجہ سے ان باتوں کو سمجھتے نہیں تھے، انہوں نے جاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات کو سننا تھا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا اور گرج کر فرمایا: ''اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللہِ؟'' (مشکوٰۃ ص:۳۱۴) تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: بنو اسرائیل اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں جب کوئی شریف آدمی، جب کوئی کمزور آدمی جرم کا ارتکاب کرتا تھا تو اس پر سزا جاری کردیتے تھے اور جب کوئی بڑا آدمی جرم کا ارتکاب کرتا تھا تو سزا جاری نہیں کرتے تھے۔

ہمارے ہاں دوہرا معیار:

ہمارے ہاں بھی یہی ہو رہا ہے ناں؟ ہاں یہی ہو رہا ہے، پھر ہلاکت میں کیا شبہ ہے؟ اگر کوئی بے چارہ غریب آدمی کوئی جرم کرلے اس کی تاٗویل بھی ہوسکتی ہے، لیکن ہم تاٗویل نہیں کریں گے، کبھی کوئی غلط فہمی ہوگئی، اس کی بھی تاٗویل نہیں کریں گے، اور اس غریب پر ایک ایک گز کی زبان ہم میں سے ہر ایک کی کھلی ہوئی ہوگی، چلو اس نے جرم کیا، سزا مل جائے گی، مجھے اور آپ کو اس کے بارے میں بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں بھائی! میرا اور آپ کا کیا قصہ ہے اس میں؟ لیکن نہیں ہم میں سے ہر ایک آدمی کی ایک گز زبان باہر نکلی ہوئی ہوگی اور پورے محلے میں جہاں جہاں تک معلوم ہوگا ہر ایک آدمی باتیں کرے گا۔ کیوں کرتے ہو؟ تمہارا اس مسئلے سے کیا تعلق ہے؟ صرف اس لئے کہ وہ غریب ہے، کمزور ہے، جس آدمی کو بات نہیں کرنی چاہئے وہ بھی کرتا ہے، بھائی! اس سے جرم ہوا اور قانون نے اس کو پکڑ لیا، سزا مل جائے گی بس ختم، تم بیچ میں کیوں بولتے ہو؟ اور کیوں تبصرے کرتے ہو؟ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ تمہارے تبصرے کس مد میں آئیں گے؟

اور اگر کوئی بڑا آدمی جرم کرلیتا ہے تو سب اس کی تاٗویل کرتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں اور عدالت تک پہنچ کر اس جج کو رشوت بھی دینی پڑے تو سزا کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر ہلاکت میں کیا شبہ ہے؟ تو بھائی! غصہ للہ فی اللہ ہونا چاہئے، اللہ کی خاطر غصہ ہونا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ اللہ کی خاطر آتا تھا، اپنی ذات کے لئے نہیں۔

صوفیائ کے اخلاق:

تو صوفیا کے اخلاق میں سے یہ ہے کہ جو چیز اپنے خلاف جاتی ہو، اس کو تو برداشت کرتے جاؤ، اس کو حلم کہتے ہیں اور جو چیز دین کے خلاف جاتی ہو تو اللہ کے

لئے غصہ کرو، یہ الغضب للہ اور الغضب فی اللہ کہلاتا ہے، محبت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، غصہ بھی اللہ کے لئے ہو، کسی سے محبت رکھو وہ بھی اللہ کی خاطر رکھو اور کسی سے بغض رکھو تو وہ بھی اللہ کی خاطر رکھو۔ یہ ایمان کا بہت اونچا منصب ہے۔

اونچا مقام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ." (مشکوٰۃ ص:۱۴)

ترجمہ:...... "جس نے محبت رکھی تو اللہ تعالیٰ کے لئے، بغض رکھا تو اللہ کے لئے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ تعالیٰ کے لئے، نہ دیا تو اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔"

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ایثار و مواسات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''ایثار'' کے معنی ہیں اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور ''مواسات'' کے معنی ہیں ایک دوسرے کی ہمدردی، خیر خواہی اور غم خواری کرنا۔

ایک صحابی کا ایثار:

اس سلسلے میں حدیث شریف کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا تھا کہ:

"..... فَذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَقَالَ لِامْرَأَتِهٖ: ضَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَدَّخِرِيْهِ شَيْئًا. قَالَتْ: وَاللّٰهِ مَا عِنْدِيْ اِلَّا قُوْتُ الصِّبْيَةِ! قَالَ: فَاِذَا اَرَادَ الصِّبْيَةُ الْعَشَاءَ فَنَوِّمِيْهِمْ وَتَعَالِيْ فَاَطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِيْ بُطُوْنَنَا اللَّيْلَةَ. فَفَعَلَتْ ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .... فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ."
(صحیح بخاری ج:۲ ص:۷۲۵، ۷۲۶)

ترجمہ:...... ''رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

مہمان کو ایک صحابی اپنے گھر لے گئے (ان کے پاس گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی)، بیوی نے کہا کہ: اتنا کھانا ہے جو صرف بچوں کو کھلایا جاسکے۔ اس صحابی نے فرمایا کہ: بچوں کو تم بہلادو، کھانا تیار کردو، ہم بیٹھ کر کھانا کھانے لگیں گے تو تم چراغ گل کردینا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا، مہمان نے کھانا کھالیا اور وہ میاں بیوی اپنے بچوں کے ساتھ بھوکے رہے، صبح کو قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ." (الحشر:۹)

ترجمہ:..... "اور وہ دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اپنی ذات پر اگرچہ خود فاقہ اور حاجت ہو۔"

بکری کی سری کا سات گھروں سے واپس آنا:

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

"(وَاَخْرَجَ الْوَاحِدِيُّ) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اَهْدَى الرَّجُلُ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَ شَاةٍ، فَقَالَ: اِنَّ اَخِيْ فُلَانًا وَعِيَالُهٗ اَحْوَجُ اِلٰى هٰذَا مِنَّا، فَبَعَثَ بِهٖ اِلَيْهِ، فَلَمْ يَزَلْ يَبْعَثُ وَاحِدٌ اِلٰى آخَرَ حَتّٰى تَدَاوَلَهَا اَهْلُ سَبْعَةِ اَبْيَاتٍ حَتّٰى رَجَعَتْ اِلٰى اُولٰئِكَ فَنَزَلَتْ: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ."

(التفسیر المنیر پارہ:۲۸ ص:۷۹)

ترجمہ:..... "ایک آدمی مشقت میں تھا یعنی گھر میں

فاقہ تھا، اس کو کوئی شخص بکری کی بھنی ہوئی سری دے گیا، اس نے یہ سوچا کہ میرا ہمسایہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے، اس صحابی نے وہ سری اس کے گھر بھیج دی، ان دوسرے نے تیسرے کے پاس، تیسرے نے چوتھے کے پاس، یہاں تک کہ سات جگہ گھومنے کے بعد وہ سری واپس اس کے پاس آگئی اور اس پر حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

”وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.“ (الحشر:۹)

ترجمہ:......”یہ لوگ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود کو بھوک ہو۔“

مسلمانوں کے ایثار کا واقعہ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوالحسن انطاکیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ تیس سے اوپر کچھ آدمیوں کا مجمع جمع ہوگیا اور کھانے کے لئے صرف پانچ روٹیاں تھیں، رات کا وقت تھا، ان روٹیوں کے ٹکڑے کردیئے گئے، دسترخوان پر بچھادیئے گئے، دوستوں نے مشورہ دیا کہ بھائی کون کتنا کھاتا ہے، کون کتنا نہیں کھاتا پتہ نہ چلے، چراغ گل کردو، چراغ بجھادو، چراغ بجھادیا تو کھاپی کر سب کے سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن کھانا سب کا سب باقی تھا، کسی نے بھی نہیں کھایا اس خیال سے کہ میں بھوکا رہ جاؤں تو کوئی حرج نہیں دوسرے کھالیں، یہ ایثار ہے۔

دیانت کے امتحان کا ایک واقعہ:

اس کے مقابلے میں وہ مشہور حکایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ نے اپنی رعایا کا امتحان لینے کے لئے کہ لوگوں میں کتنی امانت پائی جاتی ہے؟ یہ حکم دیا کہ یہ

ایک حوض ہے، رات کے اندھیرے میں اس میں ایک ایک گلاس دودھ کا ڈالتے جاؤ، صبح کو یہ بھرا ہوا ہونا چاہئے، لیکن ایک گلاس سے زیادہ کوئی نہ ڈالے، صبح ہوئی تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا، ایک شخص نے یہ خیال کیا کہ میں ایک گلاس پانی کا ڈال دوں گا دوسرے لوگ تو دودھ ہی ڈالیں گے ناں! تو کیا پتہ چلے گا؟ سب نے یہ خیال کرکے کہ میرے ایک گلاس سے کچھ پتہ نہیں چلے گا، ہر ایک نے پانی کا گلاس ڈال دیا، صبح کو بجائے دودھ کے حوض پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیانت و امانت کا امتحان تھا۔

جنگِ یرموک میں دو صحابہؓ کا ایثار:

صحابہ کرامؓ میں حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"اِنْطَلَقْتُ یَوْمَ الْیَرْمُوْکِ اَطْلُبُ اِبْنَ عَمٍّ لِیْ وَمَعِیْ شَیْءٌ مِّنَ الْمَاءِ وَاَنَا اَقُوْلُ اِنْ کَانَ بِهٖ رَمَقٌ سَقَیْتُهٗ، فَاِذَا اَنَا بِهٖ، فَقُلْتُ لَهٗ: اَسْقِیْکَ؟ فَاَشَارَ بِرَأْسِهٖ اَنْ نَعَمْ، فَسَمِعَ آخَرَ یَقُوْلُ: آهْ! آهْ! فَاَشَارَ اِلَیَّ ابْنُ عَمِّیْ اَنِ انْطَلِقْ اِلَیْهِ فَاِذَا هُوَ هِشَامُ بْنُ الْعَاصِ، فَقُلْتُ: اَسْقِیْکَ؟ فَاَشَارَ اَنْ نَعَمْ، فَسَمِعَ آخَرُ یَقُوْلُ: آهْ! آهْ! فَاَشَارَ هِشَامٌ اَنِ انْطَلِقْ اِلَیْهِ، فَجِئْتُهٗ فَاِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ، فَرَجَعْتُ اِلٰی هِشَامٍ فَاِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ، فَرَجَعْتُ اِلٰی ابْنِ عَمِّیْ فَاِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ."

(تفسیر قرطبی ج:۱۸ ص:۲۲)

ترجمہ:......"میں جنگ یرموک میں (یرموک کی جنگ ہوئی تھی، یرموک جگہ کا نام ہے، یہ جنگ اہل فارس کے ساتھ ہوئی تھی اور بڑی شدید جنگ تھی، بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ اس میں شہید ہوئے تھے، بہت ہی سخت معرکہ تھا) کہنے لگے کہ میں زخمیوں میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میرے پاس

تھوڑا سا پانی تھا، خیال تھا کہ اگر کوئی رمق زندگی کی باقی ہوگی تو میں اس کو پانی پلاؤں گا، چنانچہ تلاش کرتے ہوئے میرا چچازاد بھائی مجھے مل گیا، وہ اس وقت زندہ تھا، میں نے کہا کہ: تمہیں پانی دوں؟ انہوں نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! کہتے ہیں کہ میں پانی اس کو دینے لگا اتنے میں ایک اور شخص کے کراہنے کی آواز آئی، اس نے اس کی طرف اشارہ کردیا کہ اس کو پہلے دو، یہ صاحب ہشام بن عاص تھے، میں ان کے پاس دوڑا ان کو پانی دینے کے لئے اتنے میں ان کے کان میں دوسرے آدمی کی آواز پہنچی، انہوں نے کہا کہ اس کو دو، وہ ذرا تھوڑے فاصلے پر تھے میں ان کے پاس پہنچا تو وہ مسافر ہوچکے تھے، اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کرچکے تھے، میں ان کو پانی نہیں پلا سکا، لوٹ کر ہشام بن عاص کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہوچکے تھے، وہاں سے اپنے چچازاد بھائی کے پاس آیا تو میرے آنے تک وہ بھی ختم ہوچکے تھے۔''

موت کے وقت کی پیاس کی شدت اور خصوصاً گرمی کے موسم میں زخمی کے لئے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے ایثار اور قربانی کی ایسی مشق ہوگئی تھی کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، باوجودیکہ خود موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

ایثار کی تعریف اور مقام:

ایک بزرگ ہیں ابوحفص رحمہ اللہ تعالیٰ وہ فرماتے ہیں کہ ایثار یہ ہے کہ

اپنے بھائیوں کی لذتوں کو اور ان کے حصوں کو اپنے نفس کے حصے پر ترجیح دی جائے، دنیا میں اور آخرت میں۔ یعنی آدمی یہ چاہے کہ دوسرا مجھ سے آگے بڑھ جائے میں پیچھے رہ جاؤں۔

اعمالِ صالحہ میں ایثار کا حکم؟

اس میں علماؒ کا اختلاف ہے کہ خیر کے کاموں میں ایثار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثال کے طور پر پہلی صف کی فضیلت ہے، اب ایک آدمی پہلی صف میں آ کے بیٹھا ہے اور پیچھے دوسری صف میں کوئی نیک آدمی آ کر بیٹھ گیا تو کیا اس کو اپنی جگہ چھوڑ کر اس بزرگ کو جگہ دینی چاہئے یا نہیں؟ اس معاملے میں ایثار کرنا چاہئے کہ پہلی صف کی فضیلت میرے بجائے اس بزرگ کو حاصل ہو جائے؟

بعض حضرات نے اس سے منع کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ یہ شخص ثواب سے مستغنی ہے، اس کو ثواب کی ضرورت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ثواب سے مستغنی ہونا ظاہر ہے کہ اچھی بات نہیں ہے، بہت بری بات ہے۔

لیکن محققین کہتے ہیں کہ نہیں! قربات اور عبادات میں بھی ایثار جائز ہے، اس لئے کہ اس کا منشا یہ ہوگا کہ میری عبادت تو پتہ نہیں قبول ہوتی ہے یا کہ نہیں ہوتی؟ اللہ کے اس نیک بندے کی قبول ہو جائے گی اور اس کی برکت سے میری بھی قبول ہو جائے گی، تو اس میں ایک تو دوسرے کو اپنے اوپر مقدم کرنا ہوا، ایثار ہوا اور ایثار اچھی خصلت ہے، دوسرے اس میں بزرگ داشت بھی ہے۔

بزرگ داشت کی تلقین:

ایک دفعہ ایک صحابی عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ان کا نام ہے، یہ خیبر کے علاقے میں مقتول پائے گئے یعنی کسی نے ان کو قتل کر دیا تھا، تو اس مقتول کے دو

چچازاد بھائی اور ایک حقیقی بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے، حقیقی بھائی سب سے چھوٹا تھا یعنی عمر میں سب سے چھوٹا تھا اور دوسرے بڑے تھے، حقیقی بھائی بات کرنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کَبِّرِ الکبریٰ." (مشکوٰۃ ص:۳۰۶) بڑے کو بڑا کرو، یعنی ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جس جماعت میں بڑا آدمی موجود ہو، چھوٹے اس جماعت میں نہ بولیں، ہاں جب ان چھوٹوں سے پوچھا جائے جب وہ بولیں، ان سے کوئی بات پوچھی جائے تب بولیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بزرگ داشت کی یہاں تک رعایت فرماتے تھے کہ گفتگو میں بھی بڑا آدمی گفتگو کرے، چھوٹی عمر کا آدمی گفتگو نہ کرے، بڑے کے سامنے چھوٹی عمر کا آدمی گفتگو نہ کرے۔

دسترخوان کا ادب:

اس لئے اکابر فرماتے ہیں کہ: دسترخوان کا ادب یہ ہے کہ جب بڑا آدمی کھانا شروع کرے تب دوسرے لوگ شروع کریں، جب تک وہ بزرگ شروع نہ کرے تب تک یہ لوگ شروع نہ کریں، یہ نہیں کہ جس کے سامنے کھانا آگیا اس نے کھانا شروع کردیا، یہ خلافِ ادب ہے۔

سب کے سامنے کھانا آئے تو شروع کیا جائے:

میرے والد ماجد اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، وہ قصہ ذکر کیا کرتے تھے کہ ہمارے علاقے میں ایک مولوی محمد شفیع صاحب تھے، چکّی ایک گاؤں تھا وہاں کے تھے، ان کی لڑکی کی شادی تھی یا نامعلوم کیا قصہ تھا؟ بہرحال برات آئی ہوئی تھی، اور برات ساری مولویوں کی تھی یا اکثر مولوی اور علماً تھے، اب کھانا رکھنا شروع ہوا تو جس کے سامنے کھانا آیا، اس نے کھانا شروع کردیا، تو دوسروں کے سامنے ابھی کھانا رکھا نہیں گیا کہ انہوں نے ختم کرلیا، لوگوں نے کہا کہ یہ کیا بے تمیزی ہے؟ کھانا پہلے

لگادیں اس کے بعد کھانا شروع کرنا چاہئے، تو مولوی صاحبان نے کہا کہ جب کھانا سامنے آجائے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے بعد انتظار نہیں کرنا چاہئے، ہمارے سامنے کھانا آگیا تھا ہم نے کھانا شروع کردیا۔ میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا محمد شفیع صاحب نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ: تمہیں عقل اور تمیز تو ہے نہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب کھانا سامنے آئے تو کھانا شروع کردیجئے، جب ایک جماعت بیٹھی ہو، جب تک پوری جماعت کے سامنے کھانا نہ آجائے، اس وقت تک شروع نہ کرو اور ابھی تک پوری جماعت کے سامنے کھانا نہیں آیا، تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔

واقعی مولانا محمد شفیع صاحب نے بہت اچھی بات کہی، ایک آدمی کے سامنے کھانا لاکر رکھ دیا اور ایک ہی کھانے والا ہے، اکیلا ہے تو ٹھیک ہے کھائے، لیکن پندرہ آدمیوں کی جماعت دسترخوان پر بیٹھی ہے، ایک آدمی کے سامنے کھانا رکھ دیا اگر وہ کھانا شروع کرے گا تو بے تمیز ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جماعت میں سے جس کے سامنے کھانا آجائے وہ کھانا شروع کردے، یہ آدمی نہیں جانور ہے کہ جس کو اتنی بھی تمیز نہیں۔ تو دسترخوان کے بھی آداب ہوتے ہیں بھائی! اور یہ آداب بھی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بزرگانِ دین سے معلوم ہوتے ہیں۔

دسترخوان پر ہاتھ دھلانے کی ترتیب:

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں ایک مہمان آیا ہوا تھا، دسترخوان رکھا گیا تو خادم ہاتھ دھلانے لگا، مہمان کے پہلے ہاتھ دھلانے لگا حضرت امامؒ نے فرمایا: تمہیں تمیز نہیں ہے، پہلے میزبان کے ہاتھ دھلایا کرتے ہیں، پہلے میرے ہاتھ دھلاؤ۔ کھانے

سے فارغ ہوئے تو وہ خادم حضرت امامؒ کے ہاتھ دھلانے لگا، فرمایا: تجھے تمیز نہیں ہے، مہمان کے ہاتھ پہلے دھلایا کرتے ہیں، یہ حضرات بڑے ذکی الحس ہوتے ہیں۔

بزرگوں کی ذکاوت حس:

ہمارے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: لوگ بزرگوں کو بے حس سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ جو معاملہ کرتے رہو ٹھیک ہے، ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا، بزرگ جو ہوئے۔ یہ اکابر بڑے ذکی الحس ہوتے ہیں لیکن پھر مزاج اپنا اپنا پایا ہے، بعض حضرات فوراً ٹوک دیتے ہیں اور بعض برداشت کر لیتے ہیں، تسامح کر لیتے ہیں۔

بزرگوں کے اختلافِ مزاج کا قصہ:

ایک دفعہ کسی کو کیا سوجھی کہ وہ ایک بزرگ کا امتحان کرنے لگا، اس بزرگ کو کہہ دیا: حضرت! فلاں وقت آپ کی دعوت ہے، بزرگ کہنے لگے کہ بہت اچھا! وہ آدمی کہنے لگا کہ میں لینے کے لئے نہیں آؤں گا، آپ خود تشریف لے آیئے، فلاں وقت پر آپ آجائیں یعنی عصر کے بعد یا مغرب کے بعد جو وقت بھی دیا، بزرگ فرمانے لگے حاضر ہو جائیں گے، وہ بزرگ تشریف لے گئے تو میزبان صاحب پوچھتے ہیں کہ: حضور! کیسے تشریف آوری ہوئی؟ کہا کہ: بھائی! تم نے دعوت کی تھی، مجھے بلایا تھا! کہنے لگا کہ: کس نے دعوت کی تھی؟ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: کوئی بات نہیں، واپس چلے جاتے ہیں، واپس چلے گئے، جب گلی کی نکڑ پر پہنچ گئے تو وہ آدمی پیچھے پیچھے آیا کہنے لگا کہ: آپ عجیب آدمی ہیں! میں نے آپ کو بلایا ہے دعوت کے لئے اور آپ جا رہے ہیں؟ بزرگ کہنے لگے: اچھا بھائی! وہاں سے پھر وہ لوٹ آئے اور گھر آکر پھر وہ آدمی پوچھتا ہے کہ: آپ کیا دوبارہ پھر آگئے؟ بزرگ نے فرمایا: اچھا بھئی! چلے جاتے ہیں۔ نکڑ پر اس آدمی نے پھر روک لیا، پھر لوٹا دیا، تین دفعہ ایسا ہی کیا، بعد میں اس آدمی نے ہاتھ جوڑے، منت سماجت کی کہ حضرت! میں نے گستاخی کی ہے،

معاف کردیں، میں آپ کا امتحان کرنا چاہتا تھا واقعی آپ اللہ والے ہیں۔ بزرگ نے فرمایا: اس میں ''اللہ والے'' کی کیا ضرورت تھی، یہ تو کتے کی خصلت ہے، اس کو ٹکڑا ڈالو، آجاتا ہے، دھتکار دو چلا جاتا ہے، اس میں ''اللہ والے'' کی کیا بات ہے؟ کتے کو دھتکار دو چلا جاتا ہے، پیچھے ہٹ جاتا ہے جب ٹکڑا دکھاؤ واپس آجائے گا، دس دفعہ اس کو دھتکار دو پھر آجائے گا، اس میں اللہ والے کی کیا بات ہے؟ اس میں کیا بزرگی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہوتے ہیں ہر ایک کا اپنا مزاج ہے۔

دلّی کے تین بزرگوں کے اختلافِ مزاج کا قصہ:

حضرت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: دلّی میں تین بزرگ تھے، تینوں ہم عصر، ایک ہی زمانے میں تین قطب تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ اور ایک اور بزرگ تھے۔ کسی شخص نے ان تینوں کا امتحان کرنا چاہا، تینوں کو دعوت کہہ دی کہ حضرت! فلاں وقت دعوت ہے آپ تشریف لے آئیں۔ الگ الگ دعوت کہہ دی، یہ تینوں حضرات تشریف لے گئے، اس نے گھر میں کھانے پکانے کا کوئی سامان نہیں کیا تھا، یہ چلے گئے تو ان کو بٹھادیا اور خود کھسک گیا، کہیں گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد واپس آیا تو دو دو پیسے نکال کر دے دیئے، کہنے لگا کہ: حضور! معاف کیجئے کھانے کا انتظام نہیں ہوسکا۔ اس نے صرف یہ دیکھنا تھا کہ ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے؟ ایک بزرگ غالباً ان کا نام فخر الدین تھا یا کیا تھا مجھے بھولتا ہے، انہوں نے تو شکریہ ادا کیا اور کہا کہ: بھائی! کوئی بات نہیں ہے، ایسا ہوجاتا ہے، پریشان ہونے کی بات نہیں، مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ہماری وجہ سے پریشانی ہوئی کیونکہ گھر مہمان بیٹھے ہوں اور گھر والوں سے کھانے کا بندوبست نہ ہوسکے تو گھر والوں اور میزبان کو پریشانی ہوتی ہے، ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو ہماری وجہ سے پریشانی ہوئی، معذرت چاہتے ہیں، دو پیسے لیئے اور شکریہ ادا کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی قدس سرہ نے دو پیسے تو لے لیئے لیکن کہا کچھ نہیں خاموش رہے، برداشت کرلیا۔ اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ نہایت ذکی الحس بزرگ تھے، نقشبندی سلسلے کے اکابر اولیأ اللہ میں سے ہوئے ہیں، بہت اونچے آدمی تھے، شیعوں نے ان کو ان کے گھر میں شہید کردیا تھا اور آپؒ نے شہادت سے تین چار دن پہلے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ: بھائی! ہمارا انتقال ہوجائے تو قبر کی لوح پر ہمارا یہ شعر لکھ دینا:

بلوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہ ایں نیست تقصیرے

یعنی لوگوں نے ہماری قبر کے کتبے پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی پڑھی کہ اس مقتول کا کوئی گناہ بے گناہی کے سوانہیں تھا، اس مقتول کا گناہ صرف بے گناہی تھا۔

حضرت مرزا صاحبؒ کا ضبط:

بہت عجیب وغریب صاحبِ کرامت بزرگ تھے، مگر ایک طرف اتنے ذکی الحس اور دوسری طرف بیوی اتنی بدمزاج ملی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ! حضرت کا معمول تھا کہ ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا، خادم کو بھیجتے تھے کہ گھر میں بیگم صاحبہ سے پوچھ کر آؤ کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟ خادم آتا تو دس بیس تو اس کو سناتی اور دس بیس سناتی اس کے حضرت کو اور پھر بعد میں کوئی کام ہوتا تو بتاتی۔

ایک دفعہ حسب معمول روزانہ جو خادم جایا کرتا تھا وہ نہیں تھا، کسی اناڑی خادم کو بھیج دیا، وہ تھا پٹھان، بیگم صاحبہ نے جب اپنا وظیفہ شروع کیا تو یہ خادم کہتا ہے کہ ہمارے پیر کو ایسے کہتا ہے، قتل کردے گا۔ اور واپس آکے کہا کہ: پیر صاحب! آپ نے ایسا بیوی کیوں رکھا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: اوہو غلطی ہوگئی بھائی! تمہیں نہیں بھیجنا تھا، جو جانتے تھے ان کو بھیجنا تھا اور پھر ارشاد فرمایا کہ:

حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مجھے الہام ہوا تھا کہ تمہارے سلوک کی ترقی اس عورت کے ذریعہ سے ہوگی، اس لئے میں اس کو اپنی محسنہ سمجھتا ہوں۔ اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔

بیوی کے معاملہ میں طرزِ عمل:

ایک بزرگ کی بیوی بہت ہی زیادہ بدمزاج تھی، لیکن اس بزرگ نے کبھی کوئی شکایت کا کلمہ زبان سے نہیں نکالا، اگر کوئی ان کی اہلیہ یعنی گھر والی کی بات کرتا تو حضرت فرماتے کہ: بھائی! اپنے گھر والوں کی شکایت کرنا مروت اور شرافت کے خلاف ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کو طلاق دے دی، جدا کردیا، اب اگر کوئی شخص اس کی بات آکر کرتا تو فرماتے کہ: بھائی! وہ عورت اجنبی ہوچکی ہے، ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا، اجنبی عورت کی باتیں کرنا اخلاق اور مروت کے خلاف ہے۔

مرزا مظہر جانِ جاناں کی ذکاوت حس:

تو حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ نے دو پیسے تو لے لیئے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ: دیکھو بھائی! میری ایک بات سنو! میں تو فارغ آدمی ہوں، میرا تو کوئی ایسا ویسا کام نہیں ہے، بقول ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ کے صرف نور پھیلانا ہے، لیکن یہ حضرات جو ہیں تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی مشغولیات ہیں، مصروفیات ہیں، دیکھو تم نے ان کا کتنا وقت ضائع کیا، تم نے ان کو بلالیا اور پہلے کھانے کا بندوبست نہیں کیا، اگر تم سے نہیں ہوسکتا تھا تو تم پہلے اطلاع دے سکتے تھے، یہ حضرات آنے کی زحمت ہی نہ فرماتے اور پھر تم ان کو چھوڑ کر غائب ہوگئے، تو ان حضرات کا کتنا قیمتی وقت تم نے ضائع کیا، تمہیں اس کا احساس نہیں ہوا، خبردار! آئندہ ایسی غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا۔ تو حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ تینوں بزرگوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق بات کی۔

بڑے کی بڑائی کا خیال رکھنا چاہئے:

میں بات کر رہا تھا حدیث شریف کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے کی بڑائی کا حکم دیا ہے، اس پر بات چلی تھی اور بھی بہت سارے ارشادات ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جن میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يُوْجِرْ عَالِمِنَا فَلَيْسَ مِنَّا."

ترجمہ:......"جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کی توقیر اور تعظیم نہ کرے اور ہمارے علماء کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

امورِ خیر میں ایثار کے فوائد:

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے کی بڑائی کا لحاظ رکھو! تو اس خیال سے کہ بزرگ آدمی ہے، یہ اگلی صف میں کھڑا ہوجائے گا، اس کی عبادت قبول ہوجائے گی، اس کی برکت سے ہماری بھی قبول ہوجائے گی۔ محققین کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایثار جائز ہے، اس لئے کہ اس میں بڑے کی تعظیم وتوقیر ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

نیکی میں ایثار تواضع ہے:

دوسرا اس میں تواضع پائی جاتی ہے، بڑا آدمی پیچھے کھڑا ہو اور چھوٹا آگے کھڑا ہو تو ایک قسم کا کبر ہے اور جبکہ ہمیں تواضع کا حکم دیا گیا ہے۔

ایثار میں فنائیت ہے:

تیسرے اس میں اپنی عبادت پر نظر نہ کرنا۔اور اپنی عبادت کو ہیچ سمجھنا یہ بھی مضمون پایا جاتا ہے۔

نیکی کر کے ڈرنا چاہئے:

قرآن کریم کی ایک آیت ہے:

”وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَةٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رَاجِعُوْنَ.“ (المؤمنون:۶۰)

ترجمہ:......”اور وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔“

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الآیَةَ: ”وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَةٌ.“ قَالَتْ عَائِشَةُ: اَھُمُ الَّذِیْنَ یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَیَسْرُقُوْنَ؟ قَالَ: لَا یَا بِنْتَ الصِّدِّیْقِ! وَلٰکِنَّھُمُ الَّذِیْنَ یَصُوْمُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ وَھُمْ یَخَافُوْنَ اَلَّا یُقْبَلُ مِنْھُمْ.“

(قرطبی ج:۱۲ ص:۸۹)

ترجمہ:......”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ گناہ کر کے وہ ڈرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں! نہیں! بلکہ صدقہ اور خیرات کرتے ہوئے اور عبادت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ

ہماری لائی ہوئی عبادت قبول ہو یا نہ ہو، جس معیار کی عبادت
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنی چاہئے ایسی عبادت ہم سے بن
پڑے کہ نہ بن پڑے، خدا جانے یہ قابل قبول بھی ہے یا نہیں؟
اس بات سے کانپتے ہیں کہ ہم اپنے رب کے سامنے جائیں گے
تو کیا منہ دکھائیں گے؟''

امام غزالیؒ کی مغفرت کا سبب:

امام غزالی رحمہ اللہ کا قصہ لکھا ہے ناں! کسی نے وفات کے بعد ان کو دیکھا تو پوچھا: کیا گزری؟ کہنے لگے کہ: میری پیشی ہوئی، مجھ سے فرمایا کہ: ہمارے لیے کیا لائے ہو؟ میں نے کہا: یا اللہ! میں نے آپ کے دین کی طرف دعوت دینے کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں، بہت سے وعظ کئے، لوگوں کو آپ کی طرف بلایا، احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت جیسی کتابیں لکھیں جو کہ آج بھی زندہ جاوید ہیں اور جن کے پڑھنے سے زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔ فرمایا گیا کہ: اس کا معاوضہ تو تمہیں وہاں مل گیا، لوگ تمہیں امام غزالی کہتے تھے، اسی لئے تو کہتے تھے ناں! اس کا معاوضہ تو تمہیں دنیا میں مل گیا، ہمارے لئے کیا لائے ہو؟ عرض کیا: یا اللہ! پھر میرے پاس تو اور کوئی عمل ایسا نہیں جو آپ کی بارگاہ کے لائق سمجھوں۔ فرمایا: تمہارا ایک عمل ہمارے پاس ہے، اس کی وجہ سے تمہاری بخشش کر دی اور وہ عمل یہ ہے کہ ایک دفعہ تم لکھ رہے تھے، تمہارے قلم پر ایک چیونٹی آ گئی، تم نے قلم روک لیا اس خیال سے کہ شاید بے چاری پیاسی ہوگی، وہ روشنائی پی رہی تھی، جب تک وہ ہٹ نہیں گئی تم نے قلم استعمال نہیں کیا، تمہاری یہ نیکی ہمیں پسند آ گئی کہ تم نے ہماری مخلوق پر شفقت کی، جاؤ تمہاری بخشش کرتے ہیں۔ تو آدمی کی اپنی عبادت پر نظر نہیں ہونی چاہئے۔

عبادت کی دو حیثیتیں:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ عبادت کی دو حیثیتیں ہیں، جو کام بھی ہم کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں یا کوئی اور کام کرتے ہیں اس کی دو حیثیتیں ہیں،

ایک تو یہ کہ ہمارا فعل ہے اس حیثیت سے تو یہ لائق اعتبار ہی نہیں ہے، ہماری کوئی عبادت بھی لائق اعتبار نہیں ہے۔

اور ایک حیثیت اس کی یہ ہے کہ یہ تحفۂ خداوندی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں تحفہ ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہم نے نماز پڑھ لی، اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہم نے روزہ رکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہم نے عبادت کرلی، یہ عطیاتِ الٰہیہ ہیں، تحفۂ خداوندی ہیں، اللہ تعالیٰ کے تحفے ہیں جو حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کو مرحمت فرماتے ہیں، فرمایا اس لحاظ سے ہماری عبادتیں تمام کی تمام لائق قدر ہیں۔

اور پھر فرماتے ہیں کہ اگر پہلی حیثیت پر نظر کرو گے تو عبادت پر فخر پیدا ہوگا، اور فخر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں، مردود ہے، اور دوسری حیثیت پر نظر کرو گے تو شکر پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہمیں توفیق عطا فرمادی۔

اہل جنت کا شکر:

چنانچہ جنتی جب جنت میں جائیں گے تو قرآن کریم میں ہے کہ کہیں گے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ
لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ." (الاعراف:۴۳)

ترجمہ:...... "اس اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت عطا فرمادی، (جنت میں جانے کی، جنت

میں جانا تو اعمال کے ذریعہ سے ہے، ان اعمال کی ہدایت عطا فرمادی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنت میں پہنچادیا) اور ہم ایسے نہیں تھے کہ ہدایت پالیتے اگر اللہ ہمیں ہدایت عطا نہ فرماتے (اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے، توفیق شامل حال نہ ہوتی تو نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، توفیق شامل حال نہ ہوتی تو مسجد میں نہیں آسکتے تھے)۔"

آنے نہیں دیتا:

وہ کہتے ہیں ناں! کہ ایک غلام تھا، ایک آقا تھا۔ غلام نیک آدمی تھا اپنے آقا سے کہنے لگا کہ: نماز کا وقت ہو رہا ہے اگر اجازت ہو تو میں نماز پڑھ لوں؟ آقا نے کہا کہ: پڑھ لو! غلام نماز پڑھنے گیا تو تھوڑی سی دیر لگادی تو آقا باہر سے آواز دیتا ہے کہ: ابے آبھی جا! باہر کیوں نہیں آتا؟ غلام مسجد کے اندر سے کہتا ہے کہ: مجھے آنے نہیں دیتے۔ کہا: ابے تمہیں کون نہیں آنے دیتا؟ کہا: جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔

نیکی پر ناز نہیں شکر چاہیے:

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ کام لیتے ہیں وہ ناز نہ کریں بلکہ شکر کریں جن سے کام لے رہے ہیں، جیسا بھی لے رہے ہیں وہ اس پر شکر بجا لائیں، اگر عبادت کی اس حیثیت کو دیکھا جائے کہ یہ عطیۂ الٰہی ہے، عطیۂ خداوندی ہے، مالک کا عطیہ ہے کہ ہمیں سجدے کی توفیق عطا فرمادی، کہاں ہم اور کہاں اس کی پاک بارگاہ! اللہ اکبر! کوئی نسبت بھی ہے، ہم جیسے چماروں کو کون پوچھتا ہے؟ یہ مالک کا احسان ہے کہ ہمیں پکڑ کر اپنے دروازے پر جھکادیا کہ ہمارے سامنے سجدہ کرو، سبحان اللہ! کیا شفقت ہے، کیا عنایت ہے، کیا رحمت ہے، جہاں ملائکہ مقربین سربسجود ہوں اور جہاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سجدے میں پڑے ہوئے ہوں، وہاں ہم جیسوں کو کون

پوچھتا ہے؟ اور ان کو کیا ضرورت ہے ہمارے سجدوں کی؟ لیکن کتنا کرم ہے، کتنا احسان ہے اور کتنی عنایت اور کتنا بڑا لطف ہے کہ جہاں ملائکہ سجدہ کر رہے ہیں، جہاں انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سجدہ کر رہے ہیں، ہمیں کہہ دیا کہ تم بھی آجاؤ! آجاؤ آجاؤ! شاباش تم بھی شامل ہوجاؤ، تم بھی جماعت میں شامل ہوجاؤ:

اجازت ہو تو شامل میں بھی آکے ان میں ہوجاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجومِ عاشقاں ہوگا!

شکر بجالاؤ اللہ تعالیٰ کا کہ حق تعالیٰ شانہ نے جیسے بھی بری بھلی ہم سے پڑھی جاتی ہے یا اور کوئی نیکی کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمادی، ہاں! اچھی سے اچھی کرنے کی کوشش کرو، اپنے فعل پر ناز نہ کرو، بلکہ عطیۂ الٰہی پر شکر کرو۔

مالک کا لطف وکرم:

میں تو کبھی کبھی سوچتا ہوں تو بڑا مزہ آتا ہے، بڑا ہی مزہ آتا ہے، کیا مالک کی حکمت ہے، کیا مالک کی شان ہے اور کتنا مالک کا احسان ہے کہ ہمیں توفیق عطا فرمادی، ہم اس بارگاہ کے لائق تھے یا اللہ! ہمارا شمار بھی انسانوں میں ہونے لگا، یا اللہ! آپ نے ہمیں بھی آدمی سمجھ لیا، ہم تو حیوانوں سے بدتر تھے، کتنا کرم ہے آپ کا کہ آپ نے لاکے نہلا دھلا کر اپنی بارگاہ میں بلالیا اور کہا کہ: ہاں! سجدہ کرو ہمارے سامنے! اچھا ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوجاؤ! جھکو! مانگو کیا مانگتے ہو؟ دعائیں مانگ رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں، نیاز کر رہے ہیں، عجز کر رہے ہیں، یہ سب مالک کے لطف وکرم کے عطا پر ہیں، تو خیر بحث اس پر چلی تھی کہ ایثار فی القرب جائز ہے کہ نہیں؟

عبادت میں ایثار پر کراہت کا قول:

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس پر بحث کی ہے اور فرماتے ہیں کہ بعض اکابر

نے اس کو مکروہ کہا ہے کہ عبادت میں ایثار نہیں ہونا چاہئے، مثال میں نے دی ہے نا! کہ پچھلی صف میں ایک بزرگ کھڑا تھا، اگلی صف کا ثواب زیادہ ہے تو پچھلی صف میں یہ چلا جائے اور اس کو آگے کردے۔

بعض اکابر نے کہا کہ نہیں! ایسا نہیں کرنا چاہئے جیسا وہ بندہ ہے ویسے یہ بندہ ہے، جیسے وہ محتاج ہے ثواب کا ویسے ہی یہ بھی محتاج ہے۔

عبادت میں ایثار پر محققین کا قول:

لیکن محققین کہتے ہیں کہ نہیں، کرنا چاہئے! اس لئے کہ اس صورت میں اپنی عبادت کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ قابل قبول ہو اور اللہ کے مقبول بندے کی عبادت کو لائق قبول اور قابل قبول سمجھتا ہے تو یہ تواضع ہے اور بزرگ داشت ہے، اس لئے اس میں ایثار کرنا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جذبۂ ایثار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ایک بزرگ ابوحفص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایثار یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کے فوائد میں اپنے نفس پر دوسرے بھائیوں کو مقدم کیا جائے۔ اور بعض اوقات انہوں نے یہ فرمایا کہ دنیا کی منفعت تو بہت قلیل ہے، دنیا کے معاملہ میں کسی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا یہ تو معمولی بات ہے، ایثار یہ ہے کہ: آخرت کے معاملہ میں دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دی جائے۔

ایک بزرگ کے ایثار کا قصہ:

ایک بزرگ سے ان کے دوست کی ملاقات ہوئی، تو انہوں نے ان کے ساتھ خندہ پیشانی کا مظاہرہ نہیں کیا، جیسا پرتپاک ملنا چاہئے، ویسے نہیں ملے، ان کے دوست نے شکایت کی تو فرمانے لگے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنا ہے:

ترجمہ:......''جب دو بھائی آپس میں ملیں تو ان میں سے جو شخص زیادہ خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرے اس کو دس گنا

ثواب ملتا ہے، اور جو کم کرے اس کو ایک ثواب ملتا ہے۔ تو میرا جی چاہا کہ آپ کا ثواب مجھ سے بڑھ جائے، اس لئے میں نے کم خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا، تاکہ میرا ثواب آپ سے نہ بڑھے، بلکہ آپ کا ثواب مجھ سے بڑھ جائے۔“

ایثار کی تعریف:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایثار یہ ہے کہ: اپنے حقوق پر دوسرے کے حقوق کو مقدم کیا جائے، اور اس میں عزیز، قریب، رشتہ دار، دوست احباب، جان پہچان والے یا دوسرے لوگ جن کے ساتھ جان پہچان نہیں، ان کے درمیان امتیاز نہ کیا جائے، بلکہ ہر کس و ناکس جو بھی ہو، اس کے حقوق کو اپنے حقوق پر مقدم کرنا یہ ایثار ہے۔

دوستی اور قرابت کی پاسداری ایثار نہیں:

وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر آپ قرابت، دوستی اور تعلق کی بنا پر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہ جو دوستی اور قرابت درمیان میں آگئی، اگرچہ پہلے قرابت کے حقوق ادا کرنا یہ بھی حکم خداوندی کی بنا پر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے دوستی رکھنا یہ بھی رضاءِ الٰہی کے لئے ہے، لیکن حقوق ادا کرتے ہوئے درمیان میں رشتہ داری کا آجانا، قرابت کا آجانا، دوستی کا آجانا اس میں اخلاص نہیں رہتا۔ مسئلہ تو اس شخص کے بارے میں ہے کہ جس کے ساتھ ہماری کوئی جان پہچان نہیں ہے، کوئی تعلق اس کے ساتھ نہیں ہے، اس کے حقوق کو ادا کرنا محض اللہ کی خاطر یہ ایثار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مکارم اخلاق کے بارے میں بیان فرما رہے تھے، اسی کے ضمن میں فرمایا:

”وَالسَّـلَامُ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ.“

(مشکوٰۃ ص:۳۹۷)

ترجمہ:...... ’’سب کو سلام کہنا (سلام کہنے میں ابتداً کرنا) چاہے اس شخص کے ساتھ جان پہچان ہو یا جان پہچان نہ ہو۔‘‘

ایک صوفی کے ایثار کا قصہ:

ایثار کا یہ سب سے عالی مرتبہ ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا، محض رضائے الٰہی کے لئے دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا یہ ایثار ہے۔

ایک بزرگ تھے، ان کے ساتھ صوفیوں کی ایک جماعت تھی، اپنے ایک دوست کے گھر پر گئے، دیکھا کہ گھر پر تالا لگا ہوا ہے، فرمانے لگے: صوفی کے گھر میں تالا؟ ماشاءاللہ! توڑ دو اس تالے کو، تالا توڑ دیا اور مکان کا سارا سامان بازار میں بکوادیا، وہ صوفی جی کہیں گئے ہوئے تھے، واپس آئے تو دیکھا کہ شیخ بیٹھے ہیں، ان کے ساتھ مہمان بھی بیٹھے ہیں، ان کی اہلیہ کا ایک کمبل تھا جو اس نے اپنے اوپر لیا ہوا تھا، واپسی پر وہ بھی اتار کر شیخ کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ: یہ بھی گھر کے سامان میں تھا، فروخت ہونے سے رہ گیا ہے۔ ان کے شیخ کہنے لگے کہ: اس کے بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، یہ تو تم اپنے پاس رکھ لیتے! ان کی اہلیہ کہنے لگیں کہ: اتنے بڑے بزرگ ہیں جو ہمارے گھر میں تصرف کر رہے ہیں، گھر کا سامان بیچ رہے ہیں، تو ایک چیز ان سے کیوں چھپا کر رکھی جائے؟ یہ ہمارے لئے بڑی سعادت اور برکت ہے کہ اتنے بڑے بزرگ، ہمارے گھر میں مالکانہ تصرف کر رہے ہیں، یہ ہے ایثار!

یمن کے اشعریوں کا ایثار:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعریوں کی تعریف فرمائی، قبیلہ اشعریمن کا ایک قبیلہ تھا، یہ قبیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حاضری سے بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ:

"اَلْاِیْمَانُ یَمَانِیٌّ وَالْحِکْمَۃُ یَمَانِیَّۃٌ۔"

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۵۳)

ترجمہ:...... "ایمان بھی یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔"

اہل یمن کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ تو ایک موقع پر ان کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا: یہ اشعری لوگ جب جہاد میں ہوں اور ان کو فقر و فاقہ لاحق ہوجائے یا ان کے توشے کم ہوجائیں، تو یہ ایسا کرتے ہیں کہ سب کے توشے ملاکر ایک کپڑے میں جمع کردیتے ہیں، اور پھر سب میں برابر تقسیم کردیتے ہیں، حالانکہ کسی کے پاس زیادہ ہوگا اور کسی کے پاس کم، تو سارے توشے اکٹھے کرلو اور اکٹھے کرکے ان کو برابر برابر تقسیم کرلیا کرو۔

ایثار کی تلقین:

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پاس سواری نہیں ہے، کپڑا نہیں ہے، توشہ نہیں ہے، اس موقع پر آپؐ نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اپنے بھائی کو دے دے، جس کے پاس زائد کپڑا ہو وہ اپنے بھائی کو دے دے، جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اپنے بھائی کو دے دے، وہ صحابی فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہم لشکر والوں کو یہ خیال ہوا کہ ہمارے پاس جو چیز بھی زائد ہو، اس میں ہمارا حق نہیں ہے، دوسروں کا حق ہے۔

حضرت زینبؓ کو ایثار کی تلقین:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قصہ تو بہت مشہور ہے، غالباً حجۃ الوداع سے واپسی کا قصہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری کا اونٹ بیمار ہوگیا تھا، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ: تم اپنا اونٹ اپنی بہن صفیہ کو دے دو! اس لئے کہ ان کے پاس زائد ہوگا، چونکہ سوکنوں کی آپس میں چلتی رہتی ہے، اس لئے انہوں نے کہا کہ: میں اس یہودن کو دوں گی؟

حضرت صفیہؓ کا خواب اور یہودی کی تعبیر:

اس لئے کہ حُی بن اختر خیبر کا رئیس تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس کی صاحبزادی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ایک شخص کے نکاح میں تھیں، وہ یہودی تھا، اس سے ایک دن خواب بیان کیا کہ: میں نے بڑا عجیب وغریب خواب دیکھا ہے، وہ کہنے لگا: کیا خواب دیکھا ہے؟ اور کب دیکھا؟ کہنے لگیں کہ: آسمان سے چاند ٹوٹا اور میری گود میں آگیا۔ اس نے ایک زور سے تھپڑ مارا اور کہنے لگا کہ: تم یثرب کے نبی سے نکاح کرنا چاہتی ہو؟ کیسے غضب کی تعبیر دی اس نے! چنانچہ بعد میں یہی ہوا کہ آپ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔

پھر ایک اور موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ عورتیں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ تو یہودی کی بیٹی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم تو نبی کی بیٹی ہو، حضرت ہارون علیہ السلام کی بیٹی ہو، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی۔ تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: میں اس یہودن کو اپنا اونٹ دوں گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ جواب ناگوار گزرا اور آپ نے ان سے قطع تعلق کرلیا، ان کی باری میں ان کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے، بول چال بند کردی تھی، ذوالحجہ، محرم، صفر ان تین مہینوں

تک بول چال بند رہی، صفر کے آخر میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس قصہ کو خود بیان فرماتی ہیں کہ: میں اپنے گھر میں بیٹھی تھی، اتنے میں میں نے ایک آدمی کا سایہ بڑھتا ہوا دیکھا، میں سوچنے لگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے پاس تشریف نہیں لاتے، یہ کون آدمی ہوسکتا ہے؟ چند لمحوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، وہاں ایک چارپائی کھڑی تھی، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بچھایا اور اس پر تشریف فرما ہوئے، اور اپنے گھر والوں سے صلح کرلی۔

دینی امور میں تین دن سے زیادہ قطع تعلق:

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان بھائی سے کسی دینی وجہ کی بنا پر تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا جائز ہے، اور یہ جو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق نہ رکھے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ دنیا کی رنجش آپس میں ہو، جن دو آدمیوں کے درمیان دنیاوی رنجش ہو، تین دن تک تو غصہ رکھے، تین دن کے بعد چھوڑ دے۔

قطع تعلق کا وبال:

حدیث شریف میں فرمایا کہ:

"تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ كُلَّ يَوْمِ اثْنَيْنِ وَخَمِيْسٍ فَيُغْفَرُ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمَيْنِ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا، اِلَّا مَنْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا." (ابوداؤد ص:۳۱۷)

ترجمہ:......"ہر پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، اور بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، اور امت کی بخشش کی جاتی ہے، سوائے ان دو

آدمیوں کے جن کے درمیان رنجش ہو، ان کی بخشش نہیں ہوتی، حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑ دو جب تک یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔''

مسند احمد اور طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ:

ترجمہ:...... ''جن دو مسلمانوں کے درمیان رنجش ہو اور رنجش تین دن سے زیادہ رہے اور بول چال بند رہے، وہ دونوں دوزخ میں ہیں جب تک وہ صلح نہ کرلیں۔

ایک حدیث میں فرمایا:

''لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ، یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.'' (ابوداؤد ص:۳۱۷)

ترجمہ:...... ''کسی مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، سلام و کلام بند رکھے، اگر دونوں کی اچانک ملاقات ہوجائے تو وہ ادھر منہ پھیر لے اور یہ ادھر منہ پھیر لے، اور ان میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو ابتداً بالسلام کرے، سلام کرنے میں ابتداً کرے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

''لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَاِنْ مَرَّتْ بِهٖ ثَلَاثٌ فَلْیَلْقَهٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ، فَاِنْ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِی الْاَجْرِ، وَاِنْ لَّمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ.'' (ابوداؤد ص:۳۱۷)

ترجمہ:...... ''کسی مؤمن کے لئے حلال نہیں کہ وہ

اپنے مؤمن بھائی سے تین دن سے زیادہ رنجش رکھے، جب تین دن گزر جائیں تو اس کو چاہئے کہ وہ جا کر سلام کہے، اگر وہ سلام کا جواب دے دے تو دونوں اجر میں شریک ہوگئے، اور اگر اس نے سلام کیا اور دوسرے نے سلام کا جواب نہیں دیا تو پورے کا پورا وبال اس پر جا پڑے گا، اور یہ قطع تعلق اور سلام و کلام بند کرنے کے وبال سے بری ہوجائے گا۔''

تو یہ احادیث اور اس قسم کی اور بہت سی احادیث قطع تعلق کے سلسلہ میں ہیں، میں نے چند احادیث بطور نمونہ پیش کی ہیں، یہ اس صورت میں ہے جبکہ کسی دنیوی معاملے کی وجہ سے رنجش ہوجائے۔

دین کے لئے قطع تعلق کا جواز:

لیکن اگر رنجش کی بنیاد کوئی دینی مسئلہ ہو تو تین سے زیادہ قطع تعلق جائز ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ:

''لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَكُم الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتهنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ.'' (مشکوٰۃ ص:۹۶)

ترجمہ:......''(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:) اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے روکا نہ کرو، ان کا اپنے گھر پر نماز پڑھنا، مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔''

عورتیں نہ مانتی ہیں اور نہ سمجھتی ہیں:

لیکن عورتیں بے چاری اس مسئلے کو نہیں سمجھتیں، اور مانتی بھی نہیں ہیں، مکہ شریف اور مدینہ شریف میں ان سے کہا جائے کہ تم گھر پر نماز پڑھا کرو، تمہیں یہاں

پورا اجر ملے گا، مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہ جایا کرو۔ تو کہنے لگتی ہیں کہ پھر یہاں آنے کا فائدہ کیا ہے؟ نہیں مانتیں، اچھا نہ مانو، تمہاری مرضی ہے۔ حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت اور مسجد نبویؐ میں، اور اپنے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا، مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور یہ کہتی ہیں کہ کیا فائدہ ہے؟

تو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے گھر پر نماز پڑھا کریں۔ لیکن مردوں کو فرمایا ہے کہ تم ان کو روکو نہیں، اگر مسجد میں آنا چاہتی ہیں، تو تم نہ روکو، آپ صلی اللہ علیہ سلم نے ان کو خود روکا، مگر مردوں کو کہہ دیا کہ تم نہ روکو۔

حضرت عمرؓ کی ترکیب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نماز پڑھنے کے لئے جاتی تھیں، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ روکو نہیں، اس لئے روک تو سکتے نہیں تھے، لیکن غیرت بہت آتی تھی، ایک دن راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے اور جب وہ پاس سے گزری (پہچانتے تھے) تو چادر کا کنارہ ذرا سا پکڑ کر کھینچ دیا، اگلے دن جب نماز کے لئے جانے کا وقت ہوا تو فرمانے لگے کہ نماز کے لئے نہیں جانا؟ کہنے لگیں: نہیں! میں تو گھر پر ہی پڑھوں گی۔ اس تجویز سے ان کو روکا، لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ ان کو روکو نہیں، اس لئے زبان سے نہیں کہا کہ مت جایا کرو!

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بیان فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کے گھروں میں آنے سے نہ روکو! ان کے صاحبزادے حضرت بلالؒ تھے، وہ کہنے لگے کہ: "وَاللهِ! لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ فَيَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا." (ابوداؤد ص:۸۴) (اللہ کی قسم ہم تو روکیں گے، اس لئے کہ عورتیں اس کو فساد کا ذریعہ بنالیں گی) حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہ ان پر برہم ہوئے، اور فرمانے لگے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تم سے بیان کرتا ہوں، اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم روکیں گے؟ اللہ کی قسم! زندگی بھر تجھ سے بات نہیں کروں گا، اور اگر تو میری زندگی میں مرگیا تو تیرے جنازے میں شریک نہیں ہوں گا، چنانچہ جب ان کی زندگی میں بیٹے کا انتقال ہوا، تو وہ اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا اپنے بھتیجے سے بائیکاٹ:

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کنکریوں سے کھیلتے تھے، کیونکہ اس وقت عرب میں کنکریوں کا کھیل ہوتا تھا، انہوں نے اس کو بلایا اور کہا: بھتیجے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپؐ اس سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے نہ تو دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور نہ شکار کیا جاسکتا ہے، یہ کنکری کسی کی آنکھ میں لگ سکتی ہے، اور کسی کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے، اس لئے نہ کھیلا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ وہ بچہ تھا، ذہن میں بات نہیں بیٹھی، انہوں نے اسے دوبارہ کھیلتے ہوئے دیکھ لیا، اس کو بلاکر کہا کہ: میں نے تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا تھا، تو نے کھیلنا بند نہیں کیا، اللہ کی قسم! ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گا۔

حضرت عائشہؓ کا اپنے بھانجے سے قطع تعلق:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت سخاوت کرتی تھیں، ایک وقت میں ایک ایک لاکھ درہم بھی تقسیم فرمائے، ایک دفعہ مال کا ڈھیر کسی نے بھیج دیا، آپ نے تقسیم کروانا شروع کردیا، گھر کی خادمہ نے کہا کہ حضرت! آپ کا روزہ تھا، شام کو روزہ افطار کرنے کے لئے ہی کچھ رکھ لیتیں! فرمانے لگیں کہ پہلے بتاتی، اب عورتوں کی طرح طعنہ دینے کا کیا فائدہ؟ اب تو ختم ہو چکا ہے۔

ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، ان کو انہوں نے بیٹا بنایا ہوا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنا پر ان کی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی، یعنی اسی حضرت عبداللہؓ کے نام پر ام عبداللہ تھیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی، تو یہ داد و دہش کرتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا کہ میں خالہ کو روکوں گا، ان کو بلایا اور بلا کے کہا: تیری یہ جرأت ہوگئی، تو یہ کہتا ہے کہ میں روکوں گا!؟ جا اللہ کی قسم! ساری عمر تم سے بات نہیں کروں گی۔ چنانچہ کئی مہینہ بات نہیں کی اور حضرت عبداللہؓ صحابی بھی ہیں، اور "**اول مولود ولد فی المدینة.**" (یہ مہاجرین کا وہ سب سے پہلا بچہ تھا جو مدینہ میں پیدا ہو)ا، یہ بہت پریشان ہوئے، گھر آنے کی اجازت مانگتے تھے، مگر گھر آنے کی اجازت نہیں ملتی تھی، ایک دن انہوں نے حضرت عائشہؓ کے کچھ دوسرے محرم عزیزوں سے کہا کہ: تم لوگ اجازت لو، میں بھی تمہارے ساتھ چلا جاؤں گا، اور تم میری سفارش کرنا، میں خالہ کی منت سماجت کروں گا، وہ اپنی قسم توڑ دیں، چنانچہ اس قرارداد کے مطابق وہ رشتہ دار ان کو ساتھ لے گئے، انہوں نے جس وقت اجازت لی تو حضرت عبداللہؓ کا نام نہیں لیا، حضرت ام المؤمنین نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی، ان کے ساتھ یہ بھی چلے گئے، اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بے تحاشہ رونے لگے، پاؤں پکڑتے تھے، لپٹتے تھے، ان لوگوں نے بھی سفارش کی، حضرت عائشہؓ نے تو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا، وہ بھی بہت روئیں، بالآخر اپنی قسم توڑ دی اور اس قسم توڑنے پر نہ معلوم کتنے غلام آزاد کئے، بعد میں ہمیشہ رویا کرتی تھیں کہ میری قسم تڑوادی۔

تو کسی دنیاوی وجہ کی بنا پر اگر قطع تعلق کیا ہو تو تین دن سے زیادہ قطع تعلق اور سلام و کلام بند کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر دینی وجوہ کی بنا پر سلام و کلام بند کیا ہو تو جائز ہے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے ایک لفظ کی بنا پر قطع تعلق فرمایا، لیکن بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کرلی، کیونکہ دنیا سے

تشریف لے جانے کا وقت قریب آگیا تھا، تقریباً کوئی آٹھ یا دس دن کے بعد آپؐ کا انتقال ہوگیا تھا۔ آپؐ نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہ داغ ان بیچاریوں پر ہمیشہ کے لئے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض گئے ہیں۔

مقبولانِ الٰہی کی رضا سعادت ہے:

اللہ کے مقبول بندوں کا کسی سے خوش ہوکر جانا، یہ بڑی سعادت کی بات ہے، اور اللہ کے مقبول بندوں کا کسی سے ناراض ہوکر جانا یہ بڑی بدبختی کی بات ہے۔ آخری وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ رو رہے تھے، صحابہؓ آپ کے گرد جمع ہوئے، تسلی دی اور کہنے لگے کہ: تمام عمر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں، اور جب دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو آپ سے راضی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں رہے ہیں، اور ان کی رفاقت کا حق آپ نے ادا کیا ہے، اور جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں وہ بھی آپ سے راضی تھے۔

آپؐ کا سایہ تھا:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ جو مشہور ہے ناں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، یہ روایت غلط ہے۔ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور کے بنے ہوئے تھے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ بھی نہیں تھا۔ بڑے بڑے لوگوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے، لیکن نہایت غلط بات ہے، یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، قطعاً غلط ہے، یہ صحیح حدیث حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی میں نے جو ذکر کی، یہ بتاتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی تھی، میں نے ایک شخص کا سایہ بڑھتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا کہ یہ کون آدمی ہوسکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس

تو تشریف نہیں لاتے، دوسرا کون آدمی میرے پاس آسکتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ سایہ تھا۔

آپؐ کے سایہ کا نہ ہونا عقلاً بھی غلط ہے:

دوسرا میں کہتا ہوں کہ یہ عقلاً بھی غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہو، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی برہنہ بدن نہیں ہوئے کہ بدن مبارک پر کپڑا نہ ہو، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے ہوں گے تو آپ کے بدن پر تو کپڑا ہوتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اگر نہ ہو تو کپڑے کا تو سایہ ہونا چاہئے ناں! ہاں اگر یوں کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر کپڑوں کے بغیر پھرتے رہے اور آپ چونکہ نور تھے، اس لئے نور کا سایہ نہیں ہوتا تو پھر ہم مان لیں گے۔

آپؐ کے نور ہونے کا مطلب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے، اگر کسی نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا، تو یہ مطلب صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور تھے، ہمارا بھی ایمان ہے، لیکن یہ نور آپ کے انسان ہونے کے اور گوشت پوست ہونے کے منافی نہیں تھا، بلکہ گوشت پوست میں بھی نور بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں اس کی بہت زیادہ تفصیل آتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّفِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَّفِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ

نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا۔"

(صحیح مسلم ج:۲)

ترجمہ:......"یا اللہ میرے دل میں نور پیدا فرمادے، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے پیچھے نور، میرے آگے نور، اور یا اللہ میرے لئے نور کردیجئے، میرے پٹھوں میں نور، میرے گوشت میں نور، میرے خون میں نور، میرے بالوں میں نور، میرے چمڑے میں نور، میری زبان میں نور اور میری جان میں نور اور مجھے عظیم نور دیجئے اور میرے اوپر نور، اور میرے نیچے نور، یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔"

تو یہ بجائے خود صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز نورانی تھی، ہر چیز میں نور تھا، رگ و پے میں نور سرائیت کیے ہوئے تھا، لیکن یہ وہ نور نہیں تھا جس کو تم نور سمجھے ہو اور جو سایہ ہونے کے منافی ہے، اس نور کی حقیقت کو ہم اور آپ سمجھ ہی نہیں سکتے، وہ کیا چیز ہے؟ بہرکیف تو یہ قطع تعلق کے درمیان میں بات آگئی تھی۔

صحابہؓ کو ایثار کی تلقین:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں فرمایا کہ اے مہاجرین و انصار کی جماعت! تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مال نہیں ہے، کوئی توشہ نہیں ہے، تو میرا جی چاہتا ہے کہ کسی کے پاس اگر ایک آدمی کی گنجائش ہو تو اپنے ساتھ ایک آدمی کو ملالے، اگر دو کی گنجائش ہے تو دو کو ملالے، اور اگر تین کی گنجائش ہو تو تین کو ملالے، ایک ایک، دو دو، تین تین، کرکے ان تمام حضرات کو صحابہ کرام نے آپس میں تقسیم کرلیا، صحابہ کرامؓ

ان کو کھلاتے تھے اور خود بھوکے رہتے تھے، کھانا وغیرہ ان کو کھلاتے تھے، ان کو مقدم رکھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں۔

ایثارِ صحابہؓ کا ایک قصہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس صحابہؓ میں سے ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی تھی، نہایت مالدار صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے (حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما)، کہتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی چار بیویاں تھیں، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک بیوی ہو تو اس کو آٹھواں حصہ ملتا ہے، اور اگر ایک سے زائد ہوں تو وہ سب کی سب اسی آٹھویں حصہ میں شریک ہوتی ہیں۔ تو ایک بیوی کا حصہ بتیسواں حصہ ہوا، غالباً اسّی ہزار میں یا کتنے میں ایک بیوی نے وارثوں سے صلح کرلی تھی کہ مجھے اتنے پیسے دے دیں، میں اپنی وراثت کا حق چھوڑتی ہوں۔ جب یہ مدینہ طیبہ آئے ہیں تو کوئی چیز پاس نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کردیا تھا، یعنی ایک انصاری کو ایک مہاجر کا بھائی بنادیا تھا، چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بھائی چارہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم کیا گیا تھا، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ ان کو اپنے گھر لے گئے، اور لے جاکر کہنے لگے کہ دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو بھائی بنادیا ہے، اب میرے پاس جو کچھ بھی ہے، میری ملکیت مکان ہے، زمین ہے اور جو کوئی چیز ہے، ان سب میں تمہارا آدھا حصہ ہے، تم میرے بھائی بنادیئے گئے ہو، میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو تمہیں اچھی لگے، میں اس کو طلاق دیتا ہوں، تم عدت کے بعد اس کے ساتھ شادی کرلو، اور آدھا مکان تم کو تقسیم کرکے دیتا ہوں، آدھی زمین تم کو تقسیم کرکے دیتا ہوں، ان کے اس اخلاص اور ان کی اس محبت کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ:

"بَارَکَ اللهُ لَکَ فِیْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ، دُلَّنِیْ عَلَی السُّوْقِ." (اللہ تعالیٰ تمہارے اہل اور تمہارے مال میں برکت فرمائے، مجھے بازار کا راستہ بتاؤ، میں کما کے کھاؤں گا)۔ غالباً انہوں نے ایک دینار کسی سے قرض لے لیا اور اس کے ساتھ تجارت کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں برکت فرمائی، چند دنوں میں انہوں نے نکاح بھی کرلیا، ان کے کپڑے کو کوئی رنگ وغیرہ لگ گیا تھا، رنگ عورتیں لگاتی ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اَعَرَسْتَ؟" کیا تم نے شادی کرلی ہے؟ کہا کہ: جی ہاں! فرمایا: "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ." ولیمہ کرو چاہے تم کو بکری ذبح کرنی پڑے، ولیمہ کرو، ولیمہ کھلاؤ۔

بزرگانِ دین اور صوفیوں کا اصول:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایثار کا یہ جذبہ پیدا کردیا تھا، اور اس کے بعد حضرات اہل رشد، صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کے اندر یہ وراثت منتقل ہوئی اور صوفیوں کا مقولہ ہے، جو ان کا متفقہ علیہ ہے، جس کے بارے میں شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ: ہرچہ درویشان است وقف محتاجان است۔ جو کچھ درویشوں کے پاس ہے وہ محتاجوں کے لئے وقف ہے، وہ اس کی اپنی نہیں، صوفیا فرماتے ہیں جو شخص کسی چیز کو اپنی ملکیت سمجھتا ہو کہ میں اس کے استعمال کا حق دار ہوں، دوسرا نہیں ہے، وہ صوفی نہیں ہے، یہ ہمارے قبیلے سے خارج ہے، کیونکہ ہر کہ کشتہ نیست از قبیلہ ما نیست، جس کا نفس نہیں مرا، اس کے اندر "میں" باقی ہے، وہ ہمارے قبیلہ سے نہیں ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حکمت و دانائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیّ رَحِمَہُ اللہُ قَالَ: کَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اِلٰی اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: اَنَّ الْحِکْمَةَ لَیْسَتْ عَنْ کِبَرِ السِّنّ وَلٰکِنَّہٗ عَطَاءُ اللہِ یُعْطِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ، فَاِیَّاکَ وَدَنَائَةَ الْاُمُوْرِ وَمَدَاقَ الْاَخْلَاقِ۔“ (کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۳۸۱)

”عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَتَبَ اِلٰی اِبْنِہٖ عَبْدِاللہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللہِ فَاِنَّہٗ مَنِ اتَّقَی اللہَ وَقَاہُ، وَمَنْ تَوَکَّلَ عَلَیْہِ کَفَاہُ، وَمَنْ اَقْرَضَہٗ جَزَاہُ، وَمَنْ شَکَرَہٗ زَادَہٗ، وَلْتَکُنِ التَّقْوٰی نُصْبَ عَیْنَیْکَ، وَعِمَادَ عَمَلِکَ، وَجِلَاءَ قَلْبِکَ فَاِنَّہٗ لَا عَمَلَ لِمَنْ لَّا نِیَّةَ لَہٗ، وَلَا اَجْرَ لِمَنْ لَّا حَسْبَةَ لَہٗ، وَلَا مَالَ لِمَنْ لَّا رِفْقَ لَہٗ، وَلَا جَدِیْدَ لِمَنْ لَّا خَلْقَ لَہٗ۔“

(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۱۸۹)

ترجمہ:...... ”حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ:
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، اس میں تحریر فرمایا کہ: بے شک حکمت عمر کے زیادہ ہونے سے نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرمادیتے ہیں، گھٹیا امور سے اور کمزور اخلاق سے بچتے رہا کرو۔“

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کو بچالیتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی کفالت فرماتے ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ عطا فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ تعالیٰ اس کو مزید عطا فرماتے ہیں، اس لئے چاہئے کہ تقویٰ تمہارا نصب العین ہو، تمہارے عمل کا ستون اور تمہارے دل کی روشنی ہو، اس لئے کہ عمل معتبر نہیں اس شخص کا جس کی کوئی نیت نہیں اور اجر نہیں اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کی خاطر کام نہ کرے، اور مال نہیں اس شخص کا جس کے ساتھ لوگوں کی ہمدردی کرنا نہیں، اس شخص کے لئے نیا نہیں ملتا جس کے لئے پرانا نہ ہو۔“

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو خط ہیں، ایک حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ اور بصرہ کے گورنر تھے)،

دوسرا خط حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نام ہے (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال اور گورنروں کے نام مختلف قسم کے خطوط جاری فرماتے رہتے تھے، امام مالکؒ نے ان کے متعدد خطوط نقل کئے ہیں اور بعض حضرات نے تو خطوط تلاش کرکر کے اس پر مکمل کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نامہ ہائے گرامی۔

حکمت و دانائی عطیۂ الٰہی ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو نامہ گرامی تحریر فرمایا اس میں یہ بات بھی تحریر فرمائی کہ: حکمت اور دانائی عمر کے بڑے ہونے کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے حکمت عطا فرمادی تھی بچپن میں۔ (وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا) (مریم:۱۲)

بعض اکابرؒ نے کہا کہ یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے اور ان کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمادی تھی۔

حضرت سلیمانؑ کی حکمت:

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نقل کیا ہے کہ ان کی خدمت مین ایک مقدمہ آیا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام عمر میں چھوٹے تھے، یعنی نابالغ تھے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صوابدید پر مقدمے کا فیصلہ کردیا، مقدمہ یہ تھا کہ دو عورتیں تھیں، ان میں سے ایک کے بچے کو بھیڑیا لے گیا تھا، اور صرف ایک بچہ رہ گیا، اب ان دونوں عورتوں کا

اس بچہ پر دعویٰ تھا، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں مقدمہ آیا تو انہوں نے ان دونوں عورتوں میں سے جو عمر میں بڑی تھی اس کے حق میں فیصلہ کردیا۔ بڑی عورت بچہ لے گئی، جب دونوں عورتیں عدالت سے باہر نکلیں تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام، جو کہ ابھی بچے تھے، وہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک بچاری روتی جارہی ہے اور ایک ہنستی جارہی ہے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کہ کیا قصہ ہوا؟ لوگوں کو معلوم ہوا ہوگا کہ یہ شہزادہ ہے اس کو یہ واقعہ بتانا چاہئے، لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کردیا، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمانے لگے کہ فیصلہ میں کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے، شاید تم لوگوں نے ٹھیک طرح سے بیانات نہیں دیئے ہوں گے۔ اگر تم کہو تو میں فیصلہ کردوں، میں فیصلہ ایسا کروں گا کہ دونوں راضی ہوجائیں گی، لوگ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے آپ فیصلہ کردیں۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک چیز کے دو مدعی ہوں اور دونوں کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو وہ چیز تحالف (یعنی دونوں سے حلف لینے) کے بعد دونوں کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کردی جاتی ہے، تو غالباً تم دونوں نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے قسمیں تو کھائی ہوں گی لیکن انہوں نے یہ سوچ کر کہ بچہ تو تقسیم نہیں کیا جاسکتا اس لئے ایک کو دے دیا، یعنی بڑی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو بچہ دے دیا، لیکن یہ تو انصاف نہیں، جیسے بڑی کا حق ہے ویسے ہی چھوٹی کا حق ہے، میرے پاس چھری لاؤ میں بچہ دونوں میں تقسیم کرکے دیتا ہوں، بچے کے دو ٹکڑے کرکے آدھا اس کو دے دوں گا اور آدھا اس کو دے دوں گا، انصاف کا فیصلہ ہی یہ ہے، آپ نے خادم کو حکم دیا کہ چھری لاؤ، تو چھوٹی نے ہاتھ جوڑ دیئے کہ بچہ اس کا ہے، میرا نہیں، میں اپنے دعوے سے دستبردار ہوتی ہوں، اور بڑی کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی بلکہ اس کا دل خوش ہوا ہوگا کہ میرا بچہ تو بھیڑیا کھا گیا

اس کا بچہ بھی دو ٹکڑے ہو جائے، حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بچہ ہو اور چھری لائی جائے اور ماں کا دل اپنی جگہ برقرار رہ جائے، یہ ممکن نہیں! یہ بچہ بڑی کا نہیں بلکہ چھوٹی کا ہے، بچہ چھوٹی کو دلوادیا اور چلے گئے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے ذکر فرمایا: "فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ." (ہم نے سلیمان کو سمجھایا)۔

تو حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ چھوٹے تھے لیکن زیرکی اور دانائی میں اپنے والد سے بھی آگے نکل گئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سوچ کر کہ بڑا آدمی تو جھوٹ نہیں بول سکتا، اس لئے بچہ بڑی کو دے دیا، کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ بچے کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، کیونکہ یہ تو کسی قاعدہ و قانون میں نہیں ہے، ہاں البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے صرف آزمائش کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔

لہٰذا اگر کوئی بچہ مل جائے اور دو آدمی اس کے مدعی ہوں اور ہر ایک یہ کہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ ٹکڑے کر کے نہیں دیا جائے گا، بلکہ شرع کا فتویٰ یہ ہے کہ دونوں سے کہہ دیا جائے کہ یہ بچہ تم دونوں کا ہے تم اس بچہ میں آدھے آدھے شریک ہو، اگر وہ بچہ مرے گا تو اس کی آدھی آدھی وراثت تم دونوں کو ملے گی، اور اگر ان دونوں میں سے کوئی مرے گا تو یہ بچہ پورے بیٹے کی وراثت لے گا کیونکہ یہ دونوں کا بیٹا ہے۔

تو غرضیکہ حکمت اور دانائی یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کے بقول بچپن ہی سے بلندی کا ستارہ چمک رہا تھا اور بعض ایسے ہیں، جیسے میں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اصطلاح ذکر کی تھی کہ: "بوڑھے تو ہو گئے مگر رہے نابالغ کے نابالغ، عقل نہیں آئی۔"

عقل و شعور کا اندازہ:

اس کے بعد فرمایا کہ آدمی کی عقل کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ یہ دیکھو کہ

وہ کن امور میں حصہ لیتا ہے؟ اور اس کے اخلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کس حیثیت کا آدمی ہے؟ لہٰذا گھٹیا امور سے پرہیز کرو اور اسی طرح پتلے قسم کے اخلاق اور گھٹیا اخلاق سے پرہیز کرو، تمہارے اخلاق جس قدر بلند ہوں گے اسی سے تمہاری قد و قامت کا، تمہاری عقل کا، تمہاری فہم کا، تمہارے شعور کا اندازہ ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: عُرِضْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَیْشٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ، فَلَمْ یَقْبَلْنِیْ، فَعُرِضْتُ عَلَیْہِ مِنْ قَابِلٍ فِیْ جَیْشٍ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَۃَ فَقَبِلَنِیْ." (ترمذی ج:۱ ص:۱۶۲)

ترجمہ:..... "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے موقع پر چودہ سال کے تھے، فرماتے ہیں کہ میں جہاد کے لئے پیش ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور اگلے سال پندرہ سال کی عمر ہوگئی تو قبول فرمالیا۔"

ابن عمرؓ کا تقویٰ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حد سے زیادہ متقی اور پرہیزگار تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالاتفاق کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا رنگ اگر کسی کے اوپر ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ہے، زمانے کی ہوا سے سب کا رنگ پھیکا ہوجاتا ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ پھیکا نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھنے والے فرماتے ہیں کہ: اگر تم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو کیسے تلاش کرتے ہیں تو تم سوچتے کہ یہ پاگل ہے۔

ابن عمرؓ کی اتباعِ سنت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سفر حج پر تشریف لے جاتے ہوئے ایک جگہ اونٹنی کو بٹھایا اور پیشاب کے لئے بیٹھے، خادم نے کہا کہ حضرت! پیشاب کی ضرورت کا تقاضا ہے؟ فرمایا: نہیں! میں یہاں اس لئے بیٹھا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھے تھے، مجھے پیشاب کا تقاضا نہیں تھا، مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھے تھے، اس لئے میں بھی بیٹھا ہوں، اندازہ کرو کہ اتباع سنت کا شوق کتنا تھا؟ سچ ہے کہ ان حضرات نے اپنے محبوب کی ہر ادا کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا۔

محبت کی علامت:

مجھے تین دن پہلے کسی آدمی نے کہا کہ ایک مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ: گریبان کھلا رکھنا چاہئے اور وہ مولانا صاحب اپنا گریبان کھلا ہی رکھتے ہیں، میں نے کہا کہ بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بات ہے۔

اصل قصہ یہ تھا کہ ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان کھلا ہوا تھا، تو اس صحابیؓ نے ساری عمر بٹن نہیں لگائے اور یہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے محبوب کو اسی طرح دیکھا ہے، اس صحابیؓ نے جس رنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ساری عمر اسی رنگ میں رہے اور یہ تو صحابہ کرامؓ کی بات ہے۔

اکابرؒ کی بے نفسی:

میرے استاذ حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ کے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ تھے (میں نے پہلے بھی ان کا تذکرہ کیا تھا)، وہ جب کسی کو سلام

بھجواتے تو فرماتے کہ: ان کو کہنا کہ کانہ موچی سلام عرض کر رہا ہے۔ حالانکہ پنجاب میں اپنے وقت کے مفتیٔ اعظم تھے۔

اکابرؒ کی تقلید:

حضرت مولانا عبداللہ رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد قمیص میں بٹن کی جگہ گھنڈی لگاتے تھے، ہم نے درخواست کی کہ حضرت اب تو بہت اچھے اچھے بٹن آگئے ہیں، آپ بٹن لگالیں، اس گھنڈی کا بنانا بھی زحمت اور پھر لگانا بھی زحمت ہے، تو حضرت ارشاد فرماتے کہ: میں نے اپنے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کو اسی طرح دیکھا ہے، تو ساری عمر اسی طرح رہے، بٹن نہیں لگائے۔

آپ ﷺ کا حسن و جمال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل ومحبوب چشم فلک نے نہیں دیکھا، کہاں کی لیلیٰ؟ کہاں کی زینب؟ اور کہاں کی حسینہ؟ (یہ عربوں کی محبوباؤں کے نام ہیں، جن کی وہ اشعار میں تشبیہ دیا کرتے تھے)، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر چشم فلک نے کسی عاشق زار کو نہیں دیکھا ہوگا۔

صحابہ کرامؓ کا عشق نبویؐ:

میں نے صلح حدیبیہ کا ذکر کیا تھا کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ آئے تھے جو اس وقت تک کافر تھے، کافروں کے نمائندہ بن کر آئے تھے (بعد میں مسلمان ہوگئے تھے اور ان کی قوم نے ان کو شہید کردیا تھا)، ایسی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے کہ محمد! تمہارے اردگرد یہ بھانت بھانت کی لکڑیاں ہیں، کہیں کی اینٹ ہے اور کہیں کا روڑہ ہے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جب مقابلہ ہوگا تو یہ تتر بتر ہوجائیں گے، بھاگ جائیں گے، وہ دراصل یوں ہی ایسے آزمانے کے لئے، چھیڑنے کے لئے کہہ رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود تھے اور ان کی یہ باتیں سن رہے

تھے، سیدھی گالی نکالی (اس کا کھلا ترجمہ میں کیسے کروں؟) فرمایا: تو جا اپنے ''لات'' (''لات'' عورت کی شکل میں مورتی تھی) کی اندام نہانی کو چوس! کیا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہ کون صاحب ہیں؟ کہا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ ہیں، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا سر جھک گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ حضور! جواب تو میں بھی دے سکتا ہوں، مگر آپ کا جاہلیت کے زمانے کا ایک احسان میرے سر پر ہے، آج تک اس کا بدلہ نہیں دے سکا ہوں، اس لئے خاموش ہوں، ورنہ اس وقت کا تقاضا ہے کہ آپ کی سخت کلامی کا جواب دوں۔

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ عربوں کے دستور کے مطابق بات کرتے ہوئے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کو ہاتھ لگا رہے تھے، ریش مبارک کو ہاتھ لگا رہے تھے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ننگی تلوار لئے کھڑے پہرہ دے رہے تھے، تو جب بھی حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتے (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) ان کے ہاتھ پر بٹ مارتے اور فرماتے: اپنے ناپاک ہاتھوں کو پیچھے کر، حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا یہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ہیں، حضرت عروہؓ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اے غدار! ابھی تو میں تیری دیت کا تاوان دے کے آیا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کوئی قتل کر دیا تھا، اس کی دیت حضرت عروہ بن مسعودؓ نے ادا کی تھی۔

حضرت عروہ بن مسعودؓ کا اعتراف:

حضرت عروہ بن مسعودؓ بڑے آدمی تھے، جب وہ واپس اپنی قوم کے پاس

گئے (لمبا قصہ ہے، اس کا یہ فقرہ یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں) انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! تم جانتے ہو کہ میں قیصر کے دربار میں گیا ہوں، کسریٰ کے دربار میں گیا ہوں، شاہِ حبشہ کے دربار میں گیا ہوں، بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، کوئی بادشاہ ایسا نہیں جس کے دربار میں میں نے حاضری نہ دی ہو، اللہ کی قسم! میں نے کوئی ایسا دربار نہیں دیکھا جس میں لوگ اپنے بڑے کی ایسی تعظیم کرتے ہوں اور ایسی محبت کرتے ہوں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں (وہ کیا دیکھتا میں تو کہتا ہوں کہ چشم فلک نے نہیں دیکھا)۔

پھر کہا کہ واللہ! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی تھوکتے ہیں تو ان میں سے کوئی نہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک اپنے ہاتھ پر لے لیتا ہے اور فوراً اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب وضو فرماتے ہیں تو ان کے اعضائے شریفہ سے جو پانی ٹپکتا ہے ان کے اصحاب اس پر لڑتے ہیں، اس کو زمین پر نہیں گرنے دیتے، تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت ثوبانؓ کا عشق:

تو غرضیکہ صحابہ کرامؓ کی یہ ہی شان تھی، وہ اپنے اپنے حوصلہ کے مطابق، اپنے اپنے ظرف کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرمٹ گئے تھے، لیکن صحابہ میں بھی تو بڑے اور چھوٹے ہیں، صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری عجیب وغریب ہوتی تھی۔

ایک روایت میں ہے:

"(اِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَكَانَ شَدِيْدُ الْحُبِّ لَهُ، قَلِيْلُ الصَّبْرِ عَنْهُ، فَاَتَاهُ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَنَحِلَ جِسْمُهُ يُعْرَفُ فِيْ

وَجْهِهِ الْحُزْنُ، فَقَالَ لَهُ: "يَا ثَوْبَانُ! مَا غَيَّرَ لَوْنَكَ؟" فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا بِيْ ضَرٌّ وَلَا وَجْعٌ غَيْرَ اَنِّيْ اِذَا لَمْ اَرَكَ اِشْتَقْتُ اِلَيْكَ وَاسْتَوْحَشْتُ وَحْشَةً شَدِيْدَةً حَتّٰى اَلْقَاكَ ثُمَّ ذَكَرْتُ الْآخِرَةَ وَاَخَافُ اِلَّا اَرَاكَ هُنَاكَ لِاَنِّيْ عَرَفْتُ اَنَّكَ تَرْفَعُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنِّيْ اِنْ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ كُنْتُ فِيْ مَنْزِلَةٍ هِيَ اَدْنٰى مِنْ مَّنْزِلَتِكَ وَاِنْ لَّمْ اُدْخَلْ فَذَالِكَ حِيْنَ لَا اَرَاكَ اَبَدًا. فَاَنْزَلَ اللهُ هٰذِهِ الْآيَةَ." (قرطبی ج:۵ ص:۲۷۱)

ترجمہ:...... ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چہرے کا رنگ زرد تھا، جیسے بہت نقاہت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہوئی؟ چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! نہ کوئی نقصان ہوا ہے اور نہ ہی کوئی تکلیف ہے، ایک غم نے ہلکان کیا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ خیر کرے! کیا غم ہے؟ کیا فکر ہے؟ کہنے لگے: یا رسول اللہ! آدھی رات کو دل کرتا ہے کہ اٹھ کر آپؐ کی زیارت کروں تو حاضر ہوجاتا ہوں اور جب چہرۂ انور پر نظر ڈالتا ہوں تو دل ٹھنڈا ہوجاتا ہے، پھر جاکر سو جاتا ہوں، اور جب کبھی آپؐ کا تصور آجاتا ہے، خیال آجاتا ہے تو چین نہیں آتا جب تک حضورؐ کی زیارت نہیں کرلیتا، پھر آخرت کا سوچتا ہوں تو خوف آتا ہے کہ آخرت میں تو آپ کی زیارت نہیں کرسکوں گا، کیونکہ میں جانتا

ہوں کہ آپ کا مرتبہ تو بہت بلند ہوگا اور میں اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو میرا مرتبہ آپؐ سے بہت ہی کم ہوگا اور اگر جنت میں داخلہ نہ ملا تو اس صورت میں تو میں آپ کو کبھی بھی نہیں دیکھ سکوں گا، تو ان کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ: جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی تو یہ لوگ ہوں گے ان کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کر رکھا ہے۔"

انعام یافتہ:

سورۂ فاتحہ جس میں ہم یہ آیت پڑھتے ہیں:

"اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ. غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ."

ترجمہ:......"یا اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرما، وہ صراط مستقیم جو راستہ ہے ان لوگوں کا، (ان اکابر کا، ان بزرگوں کا، ان اللہ تعالیٰ کے بندوں کا) جن پر آپ نے انعام فرمایا، پھر نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔"

یعنی مرتے دم تک یہ حضرات اللہ کے انعام میں رہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجا لائے، یہ اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔

اور یہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں؟ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے:

"اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ

رَفِیْقًا." (النسآ:۶۹)

ترجمہ:......"اور وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام کیا وہ یہ ہیں: نبی، صدیق، شہدأ اور اعلیٰ درجہ کے نیک لوگ (جن کو اولیأ اللہ کہتے ہیں) اور (آخر میں فرماتے ہیں) یہ حضرات بہت ہی خوب ہیں رفیق ہونے کے اعتبار سے۔"

صحابہؓ کا ظرف:

بہت پرانی بات ہے کہ ایک صاحب نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں چند اعتراضات لکھ کر بھیجے تھے، میں نے اس کا جواب لکھا اور وہ جواب میری کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں چھپا ہوا ہے، اس میں میں نے ایک فقرہ لکھا ہے وہ یہ کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا سانحہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آنکھوں کے سامنے گزرا، یہ تو ان کا حوصلہ تھا کہ وہ اس کو برداشت کر گئے، کیونکہ جن کا ایسا محبوب روپوش ہوگیا ہو اور وہ پھر بھی زندہ رہیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا ظرف عطا فرمایا تھا کہ وہ اس صدمہ کو برداشت کر گئے، اور آج ہمیں ان کے واقعات پر تعجب ہوتا ہے، بہرحال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور صحابہ کرامؓ میں اتباع سنت میں نہایت ممتاز تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ایک ایک جزئیہ تلاش کرتے تھے اور اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ اور اکابر کا ادب:

صحیح بخاری میں ہے:

"عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ

اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لَا یَسْقُطُ وَرَقُھَا وَھِیَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُوْنِیْ مَا ھِیَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَادِیَۃِ، وَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ اَنَّھَا النَّخْلَۃُ. قَالَ عَبْدُاللهِ: فَاسْتَحْیَیْتُ. قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَخْبِرْنَا بِھَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ھِیَ النَّخْلَۃُ! قَالَ عَبْدُاللهِ: فَحَدَّثْتُ اَبِیْ بِمَا وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ. فَقَالَ: لَاَنْ تَکُوْنَ قُلْتَھَا اَحَبُّ لِیَّ مِنْ اَنْ یَکُوْنَ لِیْ کَذَا وَکَذَا."

(بخاری ج:۱ ص:۲۴)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: بتاؤ وہ درخت کون سا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے، جس کی مثال مسلمان کی مثال ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں یہ سن کر صحابہ کرامؓ جنگلوں میں دوڑتے پھرے، یعنی ذہن میں سوچنے لگے کہ کون سا درخت ہوسکتا ہے؟ میرے جی میں آئی یہ کھجور کے بارے میں فرما رہے ہیں، (لیکن میرے اکابر پہلی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، میرے والد ماجد حضرت عمرؓ اور ان سے بھی بڑے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ عشرہ مبشرہ وہاں موجود تھے، اس لئے میں نے کہنے کی جرأت نہیں کی)، صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی بتلادیجئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: یہ کھجور کا درخت ہے۔ گھر آکے میں نے اباجی سے کہا کہ: میرے جی میں آئی تھی کہ میں بتادوں کہ یہ کھجور

کا درخت ہے، لیکن میں ادب کی وجہ سے چپ کرگیا (یہ اکابر بیٹھے ہیں ان کی موجودگی میں جرأت کروں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا! اگر تم بتادیتے تو میرے لئے لائق فخر ہوتا۔"

بہرحال انہیں بیٹے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا (خط کی بات بعد میں کریں گے) ان کا ایک اور واقعہ یاد آگیا۔

حضرت عمرؓ کی احتیاط:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر پر گئے تو مصر کے گورنر نے بیت المال کی کوئی چیز ان کو دے دی اور کہا کہ: یہ تمہیں قرض کے طور پر دیتا ہوں، تم مدینہ میں جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دینا، قرض کے طور پر اس لئے دیتا ہوں کہ اگر یہ ضائع ہوگئی تو تمہارے ذمہ پڑے گی اور اگر امانت کے طور پر دوں گا تو ضائع ہونے کی صورت میں تم پر ضمان نہیں آئے گی، کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوسکتا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھیک ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس مال سے اپنی تجارت کا سامان خرید لیا اور اس کو فروخت کیا، رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اس مال سے تجارت کی ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جی ہاں! حضرت عمرؓ نے کہا: کچھ نفع بھی ہوا؟ کہا کہ: جی! فرمایا: کہ وہ نفع بھی لادو، یہ بات صحیح تھی کہ گورنر نے یہ مال تمہیں قرض کے طور پر دیا تھا اور اس سے یہ مراد تھی کہ ضمان تم پر آئے، لیکن میں جانتا ہوں کہ انہوں نے یہ مال تمہیں ایک خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے دیا اور وہ گورنر بیت المال سے اتنا بڑا قرض کسی عامی آدمی کو نہ دیتا، یہ خلیفہ کے بیٹے ہونے کی وجہ سے دیا ہے، میں اس کو تمہارے لئے جائز نہیں سمجھتا، اس منافع کو بھی بیت المال میں جمع

کرواؤ، اگر یہ مال ضائع ہوجاتا تو ضمان بھی غریبوں پر آتا اور جو نفع ہوا وہ بھی عوام الناس کے لئے وصول ہوا۔

خوفِ الٰہی کی برکت:

تو ان کو (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو) یہ تحریر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، تم ہر وقت اللہ کا خوف اور ڈر اپنے سامنے رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچالیتا ہے، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے اور بھروسہ کرے، محض اللہ کے بھروسے پر کام کرتا رہے اور مخلوق پر نظر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی کفایت فرماتے ہیں، وہ اکیلا کافی ہے۔

اللہ کا کام اللہ کے لئے:

اس لئے میں ہمیشہ مولویوں سے کہتا ہوں کہ اللہ کا کام کرو، اللہ کے لئے کرو، اور اللہ کے بھروسہ پر کرو۔ اللہ کا کام کرو، دوسرے کام مت کرو۔ اللہ کے لئے کرو، اپنے کسی مقصد کے لئے، کسی غرض کے لئے نہ کرو، محض اللہ کا کام سمجھ کر کرو اور اللہ کے بھروسہ پر کرو، مخلوق کے بھروسے پر مت کرو، یہ سوچ کر کہ فلاں سیٹھ اگر متوجہ ہوگئے تو اتنا چندہ دے دیں گے، فلاں سیٹھ سے اتنے پیسے مل جائیں گے، ہمارا مدرسہ چل پڑے گا، یہ سوچ نہیں ہونی چاہئے۔

حضرت نانوتویؒ کے اصول:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم دیوبند کے بارے میں ایک وصیت نامہ اپنے قلم سے اور اپنے الفاظ سے چند دفعات کی شکل میں لکھا تھا، وہ وصیت نامہ آج تک دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہے اور اس کا فوٹو شائع ہوچکا ہے، اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ: یہ دارالعلوم دیوبند اس وقت تک چلے گا

جب تک اس میں بے سروسامانی کا عالم ہوگا، اور کسی حاکم یا کسی مالدار کے مال پر نظر نہیں ہوگی، اور خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو (حضرت کے الفاظ ہیں) پھر یہ کارخانہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

انگریز کا منصوبہ اور اکابرؒ کی حکمت:

ہمارے اکابرؒ نے امت کی بھلائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی امانت کی حفاظت کے لئے، علوم دینیہ کی حفاظت کے لئے مدارس کا جال بچھایا، انگریز اس ملک کو اسپین بنانا چاہتا تھا کہ یہاں اسلام کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہے، اس نے تمام مدارس جو اس وقت تھے، ضبط کر لئے، بادشاہوں کی طرف سے اوقاف تھے وہ ضبط کر لئے، اور مسجد کے مولوی کو سب سے ذلیل ترین مخلوق قرار دے دیا۔ جتنے علماٗ مارے جاسکتے تھے، مار دیئے اور جو باقی رہے ان کا نام کمینوں میں درج کرادیا۔

عموماً گاؤں میں جو چوہدری صاحب کے کام کرنے والے ہوتے ہیں، ان کو کمین کہتے ہیں، کوئی لوہار ہے، کوئی بڑھئی ہے اور کوئی کچھ ہے، انہیں میں مولوی کو بھی شامل کیا۔

دین کے بقاٗ کی شکل:

ہمارے اکابرؒ کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ اب دین کی بقا کی شکل یہ ہے کہ اپنے ذاتی اور نجی مدرسے بناؤ، جس میں حکومت کا کوئی عمل دخل نہ ہو، اللہ کے ان بندوں پر قوم بھی اعتماد کرتی تھی اور آج تک الحمدللہ! کرتی ہے، لوگ بعض مرتبہ چندہ دیتے ہیں، ہمیں کہتے ہیں کہ اس کی رسید کی ضرورت نہیں، میں کہتا ہوں کہ مجھے رسید کی ضرورت ہے، تمہیں ضرورت نہیں مجھے تو ضرورت ہے، میں نے حساب رکھنا ہے، یہ تمہیں جو رسیدیں دیتے ہیں، تمہارے اطمینان کے لئے نہیں دیتے، بلکہ ہم اپنے اطمینان اور اپنے حساب کے لئے دیتے ہیں۔ مدرسے کی رسید ہے، ختم نبوت کی رسید

ہے یا کسی اور چیز کی رسید ہے، ہاں اگر کسی ادارے کی رسید نہ ہو تو ہم پھر رسید نہیں دیتے، ہم اپنی صوابدید کے مطابق جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں اس کو خرچ کر دیتے ہیں۔

میرا طرزِ عمل:

میرے یہاں مستقل لفافوں میں مدیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں، میری دراز میں کبھی پیسے زیادہ ہوتے ہیں، کبھی پانچ دس روپے ہوتے ہیں، اور ہر ایک لفافے پر مد لکھی ہوئی ہوتی ہے، یہ صدقے کی ہے، یہ زکوٰۃ کی ہے، یہ فلاں مد کی ہے اور بعض مرتبہ جب میں دراز میں پیسے ڈالتا ہوں تو پھر رات کو اٹھ کر پریشان ہوجاتا ہوں، اسی وقت وہاں پیسے رکھ کر اس کے اوپر لکھ دیتا ہوں کہ خدانخواستہ اگر میں مر گیا تو پھر کیا ہوگا؟

پوری دنیا میں ایسا رنگ نہیں:

تو ان اللہ کے بندوں نے نجی مدرسے بنائے اور قوم نے ان پر اعتماد کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اس ملک میں باقی رکھا، بلکہ آپ کے ہندوستان اور پاکستان میں جیسا دین ہے پوری دنیا میں ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ باقی جگہ رنگ بہت بگڑ گیا ہے۔

ازہر یونیورسٹی اور دین داری:

جامع ازہر جو دنیا کا سب سے قدیم اور مشہور مدرسہ ہے، ایک ہزار سال سے زیادہ ہوگیا ہے، وہاں کا حال یہ ہے کہ شیخ الحدیث صاحب سوٹ پہن کر، ٹائی لگا کر، منہ میں سگریٹ لے کر بخاری شریف پڑھا رہا ہے، ایسا کبھی یہاں پاکستان میں دیکھا ہے؟ ٹھیک ہے، یہاں پر لوگ داڑھی منڈواتے ہیں، لیکن کوئی مولوی داڑھی منڈوا کر نماز تو پڑھا کر دکھائے؟ داڑھی منڈھے بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار

نہیں ہوتے، کیونکہ یہ امامت کا اہل نہیں ہے، اس کی داڑھی کٹی ہوئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں کا اثر ہے، میں مانتا ہوں کہ عملی کوتاہیاں ہوں گی، عوام الناس میں بھی ہیں، مولویوں میں بھی ہیں، مگر دین داری کا یہ رنگ عوام میں ہو یا خواص میں، کیا آپ کو دنیا میں کسی جگہ ایسا رنگ ملے گا؟ تو اس لئے اللہ کا کام کرو اور اللہ کے لئے کرو اور اللہ کے اعتماد پر کرو۔

ہمارے اکابرؒ نے دین کا کام اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر کیا، مخلوق کے اعتماد پر نہیں کیا، بھروسہ اللہ پر ہے، اس لئے تم بھی اللہ کے بھروسے سے اس کام کو کرو۔

قرضِ حسنہ کا بدلہ:

اور فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ عطا فرمائیں گے، یہ تو قرآن کریم کا مضمون ہے:

"مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا."

(البقرہ: ۲۴۵)

ترجمہ:......"کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرضِ حسن۔"

قرضِ حسن کا معنی یہ ہے کہ جس بندے کو قرض دے رہا ہے، قرض دینے والا اس پر احسان نہ جتائے، بلکہ قرض دینے والا اس لینے والے کا احسان مانے، اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا کر کے دیں گے۔

بااخلاص صدقہ کی عظمت:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"فَاِنَّ اللّٰہَ یَتَقَبَّلُھَا بِیَمِیْنِہٖ ثُمَّ یُرَبِّیْھَا لِصَاحِبِھَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّہٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلُ الْجَبَلِ."

(مشکوٰۃ ص:۱۶۷)

ترجمہ:......''(جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ کرتا ہے تو) ''رحمٰن'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کو ایسا پالتے ہیں جیسے کوئی آدمی گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے، اور جب وہ آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اس صدقہ کا ثواب جو اللہ کی رضا کے لئے کیا تھا احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔''

جتنا کوئی اخلاص کے ساتھ صدقہ دے گا اتنا اس کی پرورش ہوگی۔ قرآن کریم میں ارشادِ الٰہی ہے:

''مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ.'' (البقرہ:۲۶۱)

ترجمہ:......''مثال ان لوگوں کی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں مثال اس دانے کی ہے جس نے سات خوشے اُگائے اور ہر خوشے میں سو دانے تو ایک دانے کے سات سو بن گئے اور اللہ پاک اضافہ فرماتے رہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں۔''

ایک کے سات سو:

کم سے کم اللہ تعالیٰ دس گنا دیتے ہیں، اور زیادہ تعداد سات سو کی ہے، لیکن یہاں زیادہ تعداد قانون کے مطابق ہے، ورنہ کسی کو سات ہزار دیتے ہیں، کسی کو سات لاکھ دیتے ہیں اور کسی کو ستر لاکھ دیتے ہیں اور کسی کو بغیر حساب کے دیتے ہیں، تو جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

شکرِ نعمت:

جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کھا کر شکر ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا فرماتے ہیں۔

یہ بھی قرآن کریم کا مضمون ہے: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ." (ابراہیم:۷) یعنی اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں زیادہ دیں گے۔ جتنا شکر زیادہ کرو گے اتنی نعمت زیادہ ملے گی۔

تقویٰ نصب العین:

فرمایا کہ دیکھو تقویٰ کو نصب العین بناؤ۔

نصب العین کہتے ہیں وہ چیز جو ہمیشہ پیش نظر رہے، اور اپنے عمل کا اعتبار بناؤ اور اپنے دل کی روشنی بناؤ، تمہارے دل میں روشنی اسی تقوے سے ہونی چاہئے، اس لئے کہ نیت کے بغیر عمل قبول نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی توقع نہ ہو تو اجر نہیں ملتا۔

مال نہ ہونے کے برابر:

جو شخص کہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے، اس کا مال نہ ہونے کے برابر ہے، اس کے لئے مال ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

پرانا نہیں تو نیا نہیں:

اور آخری فقرہ ہے کہ اس شخص کے لئے نیا نہیں ملتا جس کے لئے پرانا نہ ہوگا۔

میں نے اس کو یوں پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا پرانا عمل ہوگا تو نئے

عمل کی توفیق ہوگی، اگر پہلے ہی سے عمل نہیں تو اس پر نیا نتیجہ کیا مرتب ہوگا؟ اور یہ بات بھی ہے کہ نیا کپڑا پہنو تو پرانے کو صدقہ کردو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ جب نیا کپڑا تیار ہوتا تھا اور زیب تن فرماتے تھے تو پرانے کو صدقہ کردیتے تھے، حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضرت ابودرداءؓ کی پانچ نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُضَيْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِاَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: عَلِّمْنِیْ کَلِمَةً يَنْفَعُنِیَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا. قَالَ: وَثِنْتَيْنِ وَثَلَاثًا وَاَرْبَعًا وَخَمْسًا، مَنْ عَمِلَ بِهِنَّ کَانَ ثَوَابُهُ عَلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَلدَّرَجَاتُ الْعُلٰی. قَالَ: لَا تَأْکُلْ اِلَّا طَيِّبًا، وَلَا تَکْسِبْ اِلَّا طَيِّبًا، وَلَا تَدْخُلْ بَيْتَکَ اِلَّا طَيِّبًا، وَسَلِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَرْزُقُکَ يَوْمًا بِيَوْمٍ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَاعْدُدْ نَفْسَکَ مِنَ الْاَمْوَاتِ فَکَاَنَّکَ قَدْ لَحِقْتَ بِهِمْ، وَهَبْ عِرْضَکَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَمَنْ سَبَّکَ اَوْ شَتَمَکَ اَوْ قَاتَلَکَ فَدَعْهُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَاِذَا أَسَأْتَ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ." (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۲)

ترجمہ:......"امام ابونعیم نے حلیہ میں عبدالرحمٰن بن جبیر بن نضیر سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابودرداء رضی اللہ

عنہ سے عرض کیا کہ: مجھے ایک کلمہ سکھلا دیئے (ایک بات سکھلا دیجئے) جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرمائیں۔ فرمایا کہ: (ایک نہیں)، دو، تین، چار، پانچ یعنی پانچ باتیں بتلاتا ہوں، جو شخص ان پر عمل کرے گا، اس کا ثواب اللہ پاک کے پاس بلند درجات پر ہوگا۔ فرمایا کہ: صرف پاکیزہ چیز کھاؤ، پاکیزہ کمائی کرو، اور گھر میں جب داخل ہو تو پاکیزگی کی حالت میں داخل ہو، اللہ تعالیٰ سے دن کے دن کا رزق مانگا کرو، اور جب تو صبح کرے تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر، گویا کہ تو ان کے ساتھ جا ملا ہے، اور اپنی عزت اللہ تعالیٰ کو ہبہ کردو، جو شخص تم کو گالی دے، برا بھلا کہے یا تم سے لڑائی کرے، اس کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ دو، اور جب کوئی برائی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔''

یعنی حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ: مجھے نصیحت کی کوئی ایک بات فرمادیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کروں، اللہ پاک مجھے اس کے ذریعہ سے نفع عطا فرمائے۔ حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک نہیں، دو، تین، چار، پانچ یعنی پانچ باتیں بتلاتا ہوں، جو شخص ان پر عمل کرے گا، اللہ کے ہاں اس کے بلند درجات ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس کو بلند درجات کا ثواب عطا فرمائے گا۔

پہلی بات یہ کہ تین چیزوں کی پابندی کرو، ایک یہ کہ پاک کھاؤ گے، پاک کماؤ گے اور پاک ہونے کی حالت میں گھر آؤ گے۔ ناپاک چیز تمہارے پیٹ میں نہ جائے، ناپاک چیز تمہاری کمائی میں شامل نہ ہو، اور ناپاک ہونے کی حالت میں اپنے گھر میں نہ آؤ۔

حلال پاک کھانے کا اہتمام:

پاک اور طیب کھانے کا اہتمام! یہ اللہ کے محبوب بندوں کی علامت ہے، ہم تو جانور ہیں، جو کچھ بھی مل جائے اس پر منہ مارتے ہیں، جانور کا یہ ہی کام ہوتا ہے، اس کو اس سے غرض نہیں کہ یہ میرے مالک کا ہے یا نہیں؟ یا میرے حصے کا ہے یا نہیں؟ اس کا منہ جہاں تک پہنچ جائے، وہ اس کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا کھانے پینے کے معاملہ میں جانور نہ بنو، بلکہ پاک کھاؤ۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اِنَّ اللهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اُمِرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ: يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا."

(مشکوٰۃ ص:۲۴۱)

ترجمہ:...... "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو جو حکم دیا ہے، وہی حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار بندوں کو بھی دیا ہے، رسولوں سے فرمایا کہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔"

اور اہل ایمان سے فرمایا:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ."

(البقرۃ:۱۷۲)

ترجمہ:...... "اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیں۔"

دوسری جگہ اللہ پاک نے فرمایا:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ."

(البقرۃ:۲۶۷)

ترجمہ:......"اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں
سے خرچ کرو جو تم کماؤ اور جو پاکیزہ چیزیں ہم نے زمین سے
نکالی ہیں۔"

مؤمن کو پاک کھانے کا اہتمام کرنا چاہئے، ناپاک کھانے کا لقمہ اس کے پیٹ میں نہ اترے۔

پاک و ناپاک:

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعا قبول ہوا کرے، وہ ناپاک لقمہ سے پرہیز کرے، ناپاک کیا چیز ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ بعض چیزوں کو اللہ نے ناپاک فرمایا ہے اور بعض کو پاک فرمایا ہے۔ بکری پاک ہے، اس کا گوشت پاک ہے، اور خنزیر ناپاک ہے، خرگوش پاک ہے اور بلی ناپاک ہے، حلال و حرام کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہے کہ یہ چیز اچھی ہے یا یہ چیز گندی ہے، شراب کو ناپاک فرمایا گیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ." (المائدہ:۹۰) یعنی یہ گندی چیز ہے، شیطان کے عمل سے ہے، اس سے بچا کرو۔ تو شراب کو حرام فرمایا ہے، اسی طرح جو چیزیں شریعت نے حلال کی ہیں وہ پاک ہیں اور جو چیزیں حرام کی ہیں وہ ناپاک ہیں، پاک کھاؤ، ناپاک نہ کھاؤ۔

دوسری بات یہ کہ حدیث شریف میں ہے:

"لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ."
(کنز العمال ج:۱ حدیث:۳۹۷)

ترجمہ:......"کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہوتا مگر اس
کے دل کی خوشی سے۔"

طیب نفس اور دل کی خوشی سے اگر کوئی تمہیں اپنی چیز کھلاتا ہے تو تمہارے

لئے کھانا جائز ہے اور زبردستی کھاتے ہو تو ناجائز ہے، حرام ہے، کسی کی بکری چوری کرلی اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کو ذبح کردیا، وہ حلال نہیں ہے، وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح مردار حرام ہے، چوری کی بکری کو تکبیر پاک نہیں کرتی وہ ناپاک ہی رہتی ہے۔ اسی طرح تم نے کسی کی چیز غصب کرلی، دبادی، وہ چیز تمہارے لئے حلال نہیں ہے، کسی کے مکان پر زبردستی قابض ہوگئے اور اس کو استعمال کرتے ہیں، ایک نماز جو اس صورت میں پڑھو گے وہ چالیس دن قبول نہ ہوگی۔ چوری کی بجلی استعمال کرتے ہیں، اس کا استعمال حرام ہے، اور اس بجلی میں جو تم عبادتیں کرتے ہو وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔

تو غرضیکہ پرایہ مال کھانا اس کی رضامندی کے بغیر یہ حلال نہیں، حرام ہے۔ پاک نہیں، ناپاک ہے۔ ناپاک نہ کھاؤ!

ناپاک کمائی کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ کماؤ بھی پاک، تمہارے گھر میں ناپاک کمائی نہیں آنی چاہئے، ناپاک کمائی کیا ہے؟ کمانے کے جو طریقے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں، وہ پاک ہیں، اور جو طریقے ممنوع و ناجائز ٹھہرائے ہیں وہ ناپاک ہیں۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔ کمائی کے جو طریقے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ممنوع و حرام ہیں، اگر وہ آپس کی رضامندی سے ہوں تب بھی حرام و ممنوع ہیں اور ناپاک ہیں، سود کا لین دین اللہ نے حرام فرمایا ہے اور اس کے خلاف اعلان جنگ فرمایا ہے، قرآن کریم میں ہے:

"فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ."

(البقرۃ:۲۷۹)

ترجمہ:...... "اگر تم اس کو نہیں چھوڑتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ!"

اسی طرح رشوت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَعَنَ اللهُ الرَّاشِیَ وَالْمُرْتَشِیَ وَالرَّائِشَ بَیْنَهُمَا."

(مشکوٰۃ ص:۳۲۶، مسند احمد ج:۲ ص:۳۸۷)

ترجمہ:...... "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے رشوت لینے اور دینے والے پر، اور ان دونوں کے درمیان دلالی کرنے والے پر۔"

مشکوٰۃ میں صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث ہے:

"لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبٰوا وَمُؤْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَیْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ."

(مشکوٰۃ ص:۲۴۵)

ترجمہ:...... "اللہ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے والے پر اور سود دینے والے پر اور اس کو لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والوں پر اور فرمایا کہ: یہ گناہ میں سب برابر ہیں۔"

سودخور پر لعنت کا مطلب!

علمائ فرماتے ہیں کہ "لعن اللہ" کا لفظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ صیغہ دعا کا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بددعا فرماتے ہیں کہ اللہ لعنت فرمائے ان لوگوں پر۔

اسی طرح خرید و فروخت کی جو چیزیں شریعت نے حرام کی ہیں، ان کا لین دین کرنا اور ان کے ذریعہ سے پیسہ کمانا حرام ہے۔

بیع وشرا کے احکام سیکھنے کی ضرورت ہے:

حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ رائے ونڈ میں تقریر فرما رہے تھے اور وہ اپنے بیان میں فرما رہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کچھ کمالیں پھر تبلیغ میں نکلیں گے، حضرتؒ نے فرمایا کہ جب سیکھے بغیر کماؤ گے تو حرام کماؤ گے، تمہیں جائز و ناجائز کا تو پتہ نہیں اور حلال وحرام کی پرواہ نہیں اور حلال کے اثرات وحرام کے اثرات کی تمیز نہیں، دل میں آخرت کا خوف اور خدا کا خوف نہیں، تو تمہیں کس نے کمانے کو کہا کہ پہلے کماؤ پھر تبلیغ کو چلیں گے۔

اسی بیان میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بازار میں دکان کھولنے کی اجازت صرف اس شخص کو ملتی تھی جو لین دین، خرید وفروخت کے مسائل جانتا ہو، پہلے اس کا امتحان لیتے تھے کہ جانتا بھی ہے؟ اب تو حکومت کو کوئی ٹیکس دے دے اور پولیس کو بھتہ دے دے تو پھر ٹھیک ہے، کہتے ہیں کہ صاحب کرو جو کچھ کرنا ہے، خود بھی حرام کھائے اور پولیس وحکومت کو بھی حرام کھلائے۔

کل ایک صاحب کا خط ملا، اس میں لکھا تھا کہ کچھ دوست کھیل کھیلتے ہیں، اور اس کھیل میں کوئی ہار جائے تو اس سے بوتلیں یا چائے پیتے ہیں۔ میں نے کہا: جرمانہ کرنا حرام ہے، ہمارے فقہائے حنفیہ نے لکھا ہے کہ جرمانہ کی سزا دینا حرام ہے۔ کسی پر ڈنڈ و تاوان لگادیتے ہیں، حکومت جرمانہ کردیتی ہے، یہ حرام ہے، اس رقم کا لین دین بھی حرام ہے، یہ میں نے چند مسائل کی طرف اشارہ کردیا ہے، کہنا یہ ہے کہ حلال کھانے کا اہتمام اور حلال کمانے کا اہتمام کرو۔

حرام غذا کے اثرات:

تمہارے اور تمہارے بیوی بچوں کے پیٹ میں ناپاک چیز نہ جائے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ:

آں خورد گردد (پلیدی) از و جدا
وآنکہ خورد گردد ہما نور خدا

ایک یہ کھانا کھاتا ہے تو اس سے گندگی نکلتی ہے، اور وہ کھاتا ہے سب کا سب نورِ خدا بن جاتا ہے۔ کھانے کی ایک گندگی حسّی نکلتی ہے، جسے بول و براز کہتے ہیں، اور ایک گندگی اخلاقِ خبیثہ اور عقائد خبیثہ ہیں، حرام کھاؤ گے تو گندے اخلاق پیدا ہوں گے، گندے خیالات پیدا ہوں گے، گندے عقائد پیدا ہوں گے، اور تمہارا باطن سر سے لے کر پاؤں تک گندا ہوجائے گا۔ اس کے نتیجہ میں پھر طاعات کی توفیق سلب ہوجائے گی، نیکی کی توفیق نہ ہوگی، برائی کی طرف رغبت ہوگی۔

غرضیکہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی نصیحت یہ ہے کہ پاک چیز کھاؤ، ناپاک نہ کھاؤ، پاک کماؤ، ناپاک نہ کماؤ، ٹھگی نہ کرو، دھوکا نہ دو، فریب نہ کرو، غصب نہ کرو، چوری نہ کرو اور جتنے شرعاً ناجائز طریقے ہیں ان کو نہ کرو۔

گندے ہوکر گھر نہ آؤ:

گھر میں آؤ تو پاک ہونے کی حالت میں آؤ، گندہ ہونے کے ساتھ نہ آؤ، بداخلاقی کے ساتھ اور بداعتقادی کے ساتھ، گندہ ہوکر گھر نہ آؤ، تمہاری نظر بیوی بچوں پر پڑے گی، تو وہ بھی گندے ہوں گے۔

دن کے دن کی روزی کی دعا:

اور دوسری نصیحت یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مانگا کرو کہ یا اللہ! دن کی دن روزی عطا فرما۔

قرآن کریم میں بیسویں پارہ میں پورا ایک رکوع بلکہ رکوع سے بھی زیادہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مدین چلے گئے تھے، ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے، مدین کے

کنویں پر دیکھا کہ لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور دو لڑکیاں اپنی بکریاں روک کر کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ: تم کیوں نہیں پلاتیں؟ فرمانے لگیں کہ: "لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ." یعنی ہم پانی نہیں پلاسکتیں جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلاکر واپس نہیں آجائیں، پھر جب کنواں فارغ ہوگا تو ہم بکریوں کو پانی پلائیں گی، ہم عورت ذات ہیں، مردوں کے اندر کس طرح جاکر پانی پلائیں؟ اس وقت عورت کا مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے کا رواج نہیں چلا تھا، شبہ ہوسکتا تھا کہ تم کسی مرد کو بھیج دیتیں، تم کیوں آئیں؟ وہ کہنے لگیں کہ: "وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ." ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں، اس لئے مجبوراً ہمیں کام کرنا پڑتا ہے، بھائی کوئی ہے نہیں، والدہ صاحبہ آنہیں سکتی ہیں، مجبوراً ہمیں کرنا پڑتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ لاؤ میں پانی پلاتا ہوں، "فَسَقٰی لَهُمَا" ان کی بکریوں کو پانی پلادیا، قرآن کریم کے الفاظ ہیں: "ثُمَّ تَوَلّٰی اِلَی الظِّلِّ." پھر ہٹ کر سایہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا: "رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ." (القصص:۲۴) پس دعا کی: اے پروردگار! جو خیر آپ میری طرف عنایت فرمائیں، میں اس کا محتاج ہوں۔

یہ ہے دن کی دن کی روٹی مانگنا، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ہماری عبرت کے لئے بیان فرمائے ہیں، اب یہ واقعہ میں نے اس لئے بتلایا کہ: "رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ." اے پروردگار! میں محتاج ہوں، فقیر ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے، اور حوائج بشریہ ساتھ لگی ہوئی ہیں، کھانے کی حاجت ہے، پینے کی حاجت ہے، بھوک پیاس ہے۔

میرا معمول:

میرا بھی یہ معمول ہے مجھے جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کرتا ہوں: "رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ." اے اللہ! میں حاجت مند ہوں، فقیر ہوں، تیرے اتارے ہوئے رزق کا محتاج ہوں، تجھ پر نظر ہے۔

اِدھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی اور اُدھر قبول ہوگئی: "فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ." ان دو میں سے ایک ان کے پاس آئی شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی قرآن نے اس کو بھی ذکر فرمایا۔ "قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا." اور آ کر کہا: میرے ابا تم کو بلاتے ہیں اور تم نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کی جزا اور بدلہ دینا چاہتے ہیں۔

علماً فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ اس لئے کہے کہ ایک اجنبی آدمی سے کوئی کہے کہ آؤ میں تم کو کھانا کھلاتا ہوں تو ایک درجہ میں عیب معلوم ہوگا کہ یہ بے چارا فقیر ہے، محتاج ہے، اس کو اللہ واسطے کھانا کھلاؤ، پھر ایک غیرت مند آدمی کی غیرت اس کو قبول نہیں کرتی، اور ابا جان نے بھیجا ہوگا یہ سمجھ کر کہ وہ کسی شریف خاندان کا لڑکا ہے، اس سے مت کہنا کہ آؤ تم کو کھانا کھلائیں، بلکہ یہ کہنا کہ تمہارے احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں، خیر آگے لمبا قصہ ہے۔

تو اللہ تعالیٰ سے دن کے دن کا رزق مانگو۔ لوگ تو مزاروں پر جاتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، بزرگوں سے مانگتے ہیں، شاید اللہ تعالیٰ کے خزانہ سے ان کو نہ ملتا ہوگا، اللہ میاں نے اپنی رزاقی کا دفتر بند کردیا ہوگا، اور کہہ دیا ہوگا کہ اب ان مزار والوں سے مانگا کرو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

اللہ کے ہاں کوئی چیز بڑی نہیں:

آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو، نمک کی چٹکی چاہئے وہ بھی اللہ ہی سے مانگو، اور یہ نہ

سمجھو کہ چھوٹی سی چیز اللہ سے کیا مانگیں؟ اللہ بڑے ہیں ان سے کوئی بڑی چیز مانگنی چاہئے، بات یہ ہے کہ کسی چیز کا چھوٹا ہونا یا بڑا ہونا یہ تمہارے اور ہمارے اعتبار سے ہے، اللہ کے اعتبار سے نہیں ہے، اللہ کی نظر میں سب چھوٹی بڑی چیزیں برابر ہیں، اور ہماری احتیاج کے اعتبار سے بھی برابر ہیں، ہم جس طرح جنت کے محتاج ہیں، اسی طرح نمک کی چٹکی کے بھی محتاج ہیں، ہم تو سراپا احتیاج ہیں۔

ہمارے فقر کی کوئی انتہا نہیں:

میں کبھی کبھی دعا میں کہا کرتا ہوں کہ یا اللہ! آپ کے غنا کی کوئی حد نہیں اور میرے ہاں فقر کی کوئی حد نہیں ہے، کون سی چیز ذکر کروں جس کا میں محتاج نہیں ہوں، یا جس کا میں محتاج ہوں، میں تو ایک ایک چیز کا محتاج ہوں، آپ غنی مطلق ہیں اور میں فقیر مطلق ہوں، میرے ہاتھ میں کوئی چیز نہیں، کھانا پکادیا اور پکا کر سامنے رکھ دیا، آپ تناول فرمارہے ہیں، اس کے بھی محتاج ہیں کہ اللہ پاک لقمہ کو نیچے اتار دیں، یہ ہی لقمہ اگر حلق میں پھنس جائے اور اُچھو لگ جائے تو موت کا سبب بن سکتا ہے، اللہ نہ کرے، ہم کس چیز کے محتاج نہیں ہیں؟

تو بڑی چیز بھی اللہ سے مانگو اور چھوٹی چیز بھی اللہ سے مانگو، کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں سب برابر ہیں، اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں، اور ہمارے احتیاج کے اعتبار سے بھی سب برابر ہیں، اور یہ بھی بتلادیا کہ دن کے دن کی روزی مانگو، کہو یا اللہ! آج کی روزی کا بندوبست فرمادے، آگے کی فکر نہ کرو، لمبی لمبی سوچیں نہ لے جاؤ، میں نے یہ حدیث کئی مرتبہ سنائی ہے، مشکوٰۃ شریف میں مسند احمد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"مَنْ اَصْبَحَ مِنكُمْ آمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًی فِیْ جَسَدِهٖ وَعِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا

بِحَذَافِيْرِهَا." (مشکوٰۃ ص:۴۴۳)

ترجمہ:......"جس شخص نے صبح کی اس حالت میں کہ الحمدللہ! اس کے بدن میں عافیت ہے (عافیت ہے، تندرستی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ چلتا ہے، پھرتا ہے، بولتا ہے، کھاتا ہے، کام کرتا ہے، ٹھیک ٹھاک ہے) اپنے گھر میں دل کے اعتبار سے مطمئن ہے، کسی کا کوئی خوف نہیں، اندیشہ نہیں، اور اس کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: گویا ساری دنیا جمع کرکے اس کو دے دی گئی ہو۔"

کل کا دن آئے گا تو کل کا بھی اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیں گے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

کارساز ما، فکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

یعنی ہمارا کارساز ہمارے کام بنانے میں خود لگا ہوا ہے، اور ہمارا اپنے معاملات و کام میں متفکر ہونا سوائے آزار کے کچھ نہیں، پریشانی ہے اور کچھ بھی نہیں، کر تو کچھ سکتے نہیں ہیں، ساری رات نیند نہیں آتی ہے فکر کی وجہ سے، کیونکہ تمہارے قبضہ میں کچھ نہیں ہے، جس کے قبضہ میں ہے وہ خود ہی کردے گا، کرنا چاہے گا تو کردے گا، تم صرف اس سے مانگو اور اگر اس کی مصلحت و حکمت میں نہ ہوگا تو نہ کرے گا، آرام سے سوجاؤ، پھر کیا پریشانی ہے؟

پریشانیوں کی جڑ تجویز ہے:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہ فرماتے تھے کہ تمام پریشانیوں کی جڑ "تجویز" ہے، آدمی اپنے لئے ایک چیز تجویز کردیتا ہے کہ مجھے یہ چیز ملنی چاہئے، اب

اس کے لئے پریشان ہوتا ہے، تگ و دو کرتا ہے، یہ کرتا ہے، وہ کرتا ہے۔

تمام معاملات کے حل کی جڑ تفویض ہے:

فرمایا کہ تمام معاملات کے حل کی جڑ ''تفویض'' ہے، معاملہ اللہ کے سپرد کردو، اور آرام سے سو جاؤ، وہ خود ہی کرلیں گے، جس کے قبضہ میں ہے اس سے کہہ دو، اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کردو، پھر اس کی حکمت پر راضی بھی ہوجاؤ، بس راحت ہی راحت ہے۔

خدائی نہیں بندگی کرو:

اور میں کہا کرتا ہوں کہ ہم بندگی چھوڑ کر خدائی کا کام کرتے ہیں، پھر وہ ہم سے ہوتی ہی نہیں، پریشان ہوتے ہیں، بندہ کا کام صرف بندگی ہی ہے، وہ تو ہم نے چھوڑ دی، اور اس کارخانۂ عالم کو چلانا کہ اِس کو اتنا دیا جائے، اُس کو اتنا دیا جائے، اس کو نہ دیا جائے، فلاں وقت دیا جائے، فلاں وقت نہ دیا جائے، یہ خدائی ہے، بندگی چھوڑ کر جب ہم خدائی کرنے لگتے ہیں، تو وہ ہم سے چلتی نہیں۔ ساری پریشانیوں کی جڑ یہی ہے، خدا کے لئے خدائی چھوڑ دیں۔ اپنا کام ہے بندگی کا وہ کریں، مالک سے کہہ دیا یا اس کے سامنے رولو، گڑگڑا لو، جتنی تاکید کے ساتھ اور جتنی الحاح وزاری کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہو، کہنے کے بعد مطمئن ہوجاؤ، درخواست دے دی، وہ بھولتا نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں کہ اس کو اپنے بندوں کے حال پر رحم نہ ہو، جب وہ شفیق بھی ہے، بھولتا بھی نہیں تو تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ ایک عالَم کے عالَم کو اس روزی کے مسئلہ نے پریشان کر رکھا ہے، حالانکہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، ایک دن کی روٹی اور بس، وہ مل گئی، اگلا دن آئے گا تو وہ لئے کھڑا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: جس نے اگلے دن کی زندگی تمہیں دی ہے، وہ اگلے دن کی روٹی بھی تمہیں دے گا، اس لئے فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے مانگو وہ تم

کو رزق دیں دن کے دن۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا."

(مشکوٰۃ ص:۴۴۰)

ترجمہ:......"یا اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آل، ان کے گھرانہ کی روزی دن کے دن ہو۔"

سید زادے پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ تمہارے ابا میاں نے دن کے دن روزی مانگی تھی، سید ہونے پر فخر بھی کرتے ہو اور دعا سے بھی بچ کر نکلنا چاہتے ہو۔

یہ سوچو کہ آج میری موت کا دن ہے:

اور تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب صبح کو اٹھو تو یہ سمجھو کہ آج میری موت کا وقت ہے، اور گویا کہ تم مُردوں میں جاکر شامل ہوگئے ہو، نفس کا علاج ہوجائے گا، ساری رذالتوں کا علاج ہوجائے گا، لیکن ہمارے دل میں یہ چیز نہیں بیٹھتی ہے۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک بزرگ نے کسی سے کہا تھا کہ تم سات دن میں مرجاؤ گے، وہ سات دن میں نہیں مرا تو کہنے لگا کہ تم نے مجھے تو سات دن کا کہا تھا، فرمانے لگے کہ ساتویں دن میں ہی مروگے، اس لئے کہ دن صرف سات ہی ہوتے ہیں۔

موت کے انتظار کا قصہ:

جس دن مولوی منیر احمد صاحب کے والد ماجد کا انتقال ہوا، بہاول نگر میں رات کو فرما رہے تھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! میری موت دوشنبہ کو ہو، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کو ہوا تھا، تو جب سے مرغ کی اذان ہوئی اس وقت سے منتظر ہوگئے کہ ملک الموت آیا چاہتا ہے، کہنے لگے کہ: چارپائی میری قبلہ رخ کردو اور چشمہ لگایا اور بچوں سے کہا کہ کدھر سے آئے گا فرشتہ؟

اس کے منتظر بیٹھے ہیں کہ کدھر سے آئے گا؟ فرشتہ کو دیکھنے کے لئے چشمہ لگالیا۔ رات کے گیارہ بجے مجھ سے فرمارہے تھے کہ آپ جا کر سوجائیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوشنبہ کی موت نصیب فرمائے، اگر یہی دوشنبہ ہے تو وقت آ گیا ہوگا، اور اگر نہیں تو دوشنبے (یعنی پیر کا دن) آتے ہی رہیں گے، صبح فجر کی اذان ہوگئی اسی انتظار میں ہم نے ساری رات گزاردی، مولانا جلیل احمد صاحب نے خوش ہوکر کہا کہ اباجی! وہ آپ کا دوشنبہ تو گیا، کیونکہ وہ خوش ہوگئے تھے کہ آج اباجی نہیں مرتے کیونکہ رات گزرگئی، مگر وہ بڑی حسرت کے ساتھ فرمانے لگے کہ فکر نہ کرو، سورج غروب نہ ہونے دوں گا، دن کے گیارہ بجے انتقال ہوا، اور یہی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت تھا۔

تو میرے بھائی! ہم سب نے سات دنوں میں مرنا ہے، کیونکہ ہفتہ میں سات ہی دن ہوتے ہیں، آٹھواں دن نہیں ہوتا، صبح کروتو ہمیشہ خیال کرو کہ شاید آج ہی کا دن میری موت کا دن ہے، نفس بے لگام نہ ہوگا۔

اپنی عزت اللہ کو ہبہ کردو:

اور چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ اپنی عزت و آبرو اللہ کو ہبہ کردو، کہو کہ یا اللہ! میں نے اپنی عزت و آبرو آپ کو دے دی، جو چیز آدمی ہبہ کردیتا ہے وہ اپنی نہیں رہتی ہے، جس کو ہبہ کی اس کی ہوجاتی ہے، اپنی عزت و آبرو اللہ کے حوالے کردو، اگر تمہاری کوئی بے آبروئی کرے، توہین کرے، گالی دے، تم سے لڑے، تم کو برا بھلا کہے، اس کو اللہ کے لئے معاف کردو، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کردو کہ میری عزت تو وہاں گئی ہوئی ہے، میرے پاس ہے ہی نہیں۔ جس آدمی کے پاس آبرو ہو، اس کی بے آبروئی ہوسکتی ہے، عزت تو اس کی ہوگی جس کی عزت ہو، اور جس کے پاس آبرو ہی نہ ہو جو اپنی آبرو کسی اور کو دے چکا ہو اس کو کیا گلہ اور کیا شکوہ و شکایت؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے، فرماتے تھے کہ:

اب کسی سے کیا شکایت؟ کیا گلہ؟
واقعاتِ زندگی خود بھول جاتا ہوں میں!

اگر کوئی شخص تمہاری بے آبروئی کرتا ہے، تمہیں گالی دیتا ہے، تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑتا، وہ گالی دے کر اپنا منہ گندا کرتا ہے، اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتا ہے، اپنے دل کو تاریک کرتا ہے، تمہارا اس نے کچھ نہیں بگاڑا، کسی کے برا کہنے سے تمہاری بے عزتی نہ ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ ....الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۳۴) (اگر کوئی شخص اللہ کے لئے ذلت اختیار کرے، اللہ پاک اس کو عزت عطا فرمائیں گے)۔ صرف ایک فقرہ سے سارے جھگڑے ختم ہوگئے کہ بھائی! میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں جو تم مانگ رہے ہو، جو چیز تم چھیننا چاہتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے، گئی ہوئی ہے، اب تم چھینتے رہو۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا ضبط:

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ وعظ کے لئے کھڑے ہوئے، دشمن بہت تھے، کسی نے کھڑے ہوکر کہا مولانا سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟ حضرتؒ نے بڑے اطمینان سے فرمایا کہ آپ کو کسی نے غلط اطلاع پہنچائی ہے، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں۔ اب کسی کے حرام زادہ کہنے سے کیا تم سچ مچ حرام زادے ہوگئے؟

حضرت مدنیؒ کا تحمل:

اور ٹھیک یہ ہی قصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کو پیش آیا۔ برسرِ عام جلسہ میں ایک آدمی نے پرچی اور چٹ بھیجی، چٹ خود پڑھ کر

سنائی کہ ایک صاحب نے یہ لکھا ہے، لیکن ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میرے والد کے نکاح کے گواہ اب بھی موجود ہیں، اور میں اپنے والد کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ ختم ہوگئی بات!

فوراً توبہ کرنی چاہئے:

اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی غلطی وکوتاہی ہوجائے تو فوراً ہاتھ جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو۔

ان پانچ نصیحتوں پر عمل کرو تو انشاءاللہ دین بھی بن جائے گا اور دنیا بھی بن جائے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اعمالِ صالحہ کے عناصرِ اربعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بزرگ توجہ فرمادیں گے ان کی برکت سے سب کچھ ہوجائے گا، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی توجہ اور دعا کا انکار نہیں، بڑی مفید چیز ہے، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

بے عنایات حق و خاصانِ حق
گر ملک است ورق او سیاہ است

یعنی اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی عنایت و توجہ کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہوتب بھی اس کا ورق سیاہ ہے۔

کسی کی خالی دعا کچھ نہیں کرتی:

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں عرقِ سونف پیا ادھر دھڑ ادھڑ دست ہونے شروع ہوگئے، تو کیا اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اکیلا عرقِ سونف کافی ہے، حضرت! میری دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک خود اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بڑھ کر نہ کوئی صاحب برکت ہوسکتا ہے اور

نہ مقبول الدعوات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کیسے جاں نثار اور عاشق زار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دل و جان سے دعا کی کہ وہ مسلمان ہوجائیں، اصرار بھی فرمایا مگر چونکہ خود انہوں نے نہ چاہا، ایمان نصیب نہ ہوا۔

عزم و ہمت، عنایت الٰہی اور مقبولانِ بارگاہ الٰہی کی توجہ کی برکت:

اللہ کی عنایت اور اللہ کے مقبول بندوں کی توجہ سے کام بنتا ہے، لیکن میرا اس سے نہیں بنتا، جیسے اللہ والے کسی کو کہتے ہیں کہ فلاں کام کیا کرو، تو لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ: دعا کیا کرو، اسی طرح اگر کہا جائے کہ فلاں گناہ چھوڑ دو تو کہتے ہیں، بس! دعا کرو۔ یہ غلط ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ محض دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا، دیکھو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کوئی برکت والا نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے توجہ بھی فرمائی، دعا بھی کی، لیکن ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا، کیونکہ انہوں نے خود نہ چاہا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ: میرے کان میں کلمہ کہہ دو، میں قیامت کے دن گواہی دوں گا۔ لیکن کان میں بھی کہنا گوارا نہ کیا، کیا مشکل کام تھا؟ صرف ابوجہل کے اس کہنے میں آگئے کہ دیکھو لوگ کیا کہیں گے کہ بڈھا مرتے وقت اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ گیا! تو چونکہ انہوں نے خود نہیں چاہا، ہمت سے کام نہیں لیا کچھ نہیں ہوا۔

جس کام کو کرنا ہو اس کو عزم اور ہمت کے ساتھ شروع کردو، پھر اللہ کے بندوں سے دعا کے لئے بھی کہو، ہم کام تو شروع کرتے نہیں مگر کہتے ہیں کہ بس دعا کرو! یہ تو مذاق اڑانا ہوا۔

عام لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب ہم کوئی بات کہتے ہیں، مثلاً: داڑھی کا کہتے ہیں کہ داڑھی رکھ لو! تو جواب میں کہتے ہیں جی دعا کرو! حضرتؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اور مرید کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب اور مریض کی، اگر مریض دوا نہ پیئے تو محض

طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہوجائے گا؟ صحت تو اس کے نسخہ استعمال کرنے سے ہوگی، اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہوجائے گا؟ محض استاذ کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہوسکتا، وہ تو یاد کرنے سے یاد ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہوجاتی ہے، فرمایا یہ تو میں کہہ چکا ہوں کہ برکت کی امید ضرور ہے، مگر کافی نہیں، اس کا دخل، دخل اعانت ہے، دخل کفایت نہیں، یعنی شیخ کی توجہ اور برکت سے توفیق ہوتی ہے، لیکن بس یہی کافی نہیں، بلکہ یہ معین اور مددگار ہے، تم عزم وارادہ کرو، پھر شیخ دعا و توجہ سے تمہیں پیچھے سے دھکا دیں گے، لیکن اگر تم تو پاؤں گاڑ کر کے ایک جگہ جم کر کھڑے ہوجاؤ، اور بزرگوں سے کہو کہ دعا کرو کہ اللہ پاک چلنے کی توفیق عطا فرمادے، اس طرح کبھی نہیں چل سکو گے۔ بچہ سبق یاد نہیں کرتا، پڑھتا نہیں ہے، اسکول نہیں جاتا، سبق پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتا، اپنی تعلیم کا اہتمام نہیں کرتا، اور کہتا ہے دعا کرو! کیا اس سے تعلیم یافتہ ہوجائے گا؟

ہم لوگ اعمالِ آخرت کو اختیار نہیں کرتے اور دعا کے لئے کہہ دیتے ہیں۔

اصل نفع ونقصان آخرت کا ہے:

ایک صاحب یہاں تشریف لائے تھے کسی کے ساتھ جھگڑا ہوگیا تھا، تنزلی بھی ہوگئی تھی، بہت پریشان تھے، اب ان کا خط آیا ہے، اپنے پڑھنے کے معمولات بھی کچھ لکھے ہیں اور ساتھ پوچھا ہے کہ اگر کوئی وظیفہ ہو تو بتاؤ! بڑے عہدے سے چھوٹے عہدے پر ہوگئے، ترقی کے بجائے تنزلی ہوگئی، اتنے پریشان کہ ہائی کورٹ تک جاپہنچے اور مقدمہ ان کے خلاف ہوگیا، اور مجھے لکھا کہ: اب ہمارا سپریم کورٹ میں جانے کا ارادہ ہے، دنیا کا نقصان برداشت نہیں کرسکتے، وہ لکھتے ہیں کہ: لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں، دنیا کم ہونے سے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، لیکن ہم جو اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اور جو اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ہوتی، اس

سے کبھی خیال نہیں ہوتا کہ اللہ پاک ناراض ہیں، اصل میں کسی اللہ والے کے پاس بیٹھے نہیں، دماغ ہی خراب ہے، ذہن بھی صحیح نہیں، اگر اسی کا نام اللہ کی ناراضگی ہے تو نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے، استغفر اللہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں دو دو مہینے، تین تین مہینے کھانا نہیں پکتا تھا، تو نعوذ باللہ! اللہ میاں بہت ناراض ہیں! تو خیر لوگوں کے نزدیک دنیا کا نفع، نفع ہے، دنیا کا نقصان، نقصان ہے۔

یہاں دنیاوی معاملات میں تمام اسباب و وسائل کو جمع کر کے پھر کہتے ہیں کہ دعا کرو! اور آخرت کے معاملہ میں کچھ بھی نہیں کرتے، بس کہہ دیتے ہیں کہ دعا کرو! اگر کوئی کہہ بھی دے اور نصیحت کر دے تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ دعا کرو! اپنے طور پر تو کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا کہ کسی اللہ کے بندے کے پاس جا کر کہہ دیں کہ میری آخرت درست ہو جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہیں، یہاں تک کہ محض دعا کی برکت تو ہرگز کافی نہیں ہوسکتی، مگر یہ ہوسکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمالِ اختیار کافی ہو جائے۔

ایک آدمی شیخ سے تعلق رکھتا ہے اور اس آدمی کا خیال ہے کہ شیخ کی برکت سے سارا کام ہو جائے گا، ہرگز نہیں ہوگا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ صرف شیخ نہیں بلکہ عزم، ارادہ اور اعمالِ آخرت کے اختیار اور برکتِ شیخ کے مجموعہ سے کام لیتا ہے، تو انشاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا۔

کام خود کرنا پڑے گا:

میں تو ان باتوں کو علی الاعلان کہتا ہوں، خواہ مخواہ اپنے متعلقین کو اپنا مقید بنانا نہیں چاہتا، اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کر سکے، چشم ما روشن دل ما شاد! خوشی کا مقام ہے، ہمارا بوجھ ہلکا ہوا، بیعت کرنے سے مقصود تو یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو، اپنی اصلاح کروائیں، اپنے عیوب شیخ کے سامنے بیان کریں اور اس کی ہدایت کے مطابق عمل کریں، اگر کوئی اپنے آپ اپنی اصلاح کر لیتا ہے، تو اس کو شیخ سے اصلاح لینے کی ضرورت نہیں ہے، سبحان اللہ کیا بات ہے! بہت ہی اچھی بات ہے۔ ہمارا تو بوجھ ہلکا ہوگیا، ایک دن میں بیس خطوط لکھنے کے بجائے اگر دس خط لکھنے پڑیں تو مجھے خوشی ہوگی، اور دس کے بجائے بیس لکھنے پڑیں تو کام بڑھے گا، اور دوسرا جمگھٹا جتنا زیادہ ہوگا، ہم پر بوجھ ہی بڑھے گا، ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی بھی نہ آئے، اپنا اللہ اللہ کیا کریں، اسی لئے میں شروع میں بیعت کرتا بھی نہیں تھا، بزرگوں نے زبردستی حکم دیا۔

بیعت کے انکار کی وجہ:

مکہ مکرمہ میں ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے بڑے خلیفہ ڈاکٹر اسماعیل صاحب نے مجھے کہا کہ سنا ہے تم بیعت کرنے سے لوگوں کو انکار کر دیتے ہو؟ میں نے کہا کہ بے وقوف ہیں لوگ جو میرے پاس آتے ہیں، کسی عالم کے پاس جائیں، انکار تو اس لئے کرتا ہوں کہ کسی اچھے آدمی کے پاس چلے جائیں گے، ان کا کام ہوجائے گا۔ میری اس بات سے ڈاکٹر اسماعیل صاحب بہت ناراض ہوئے، فرمایا کہ تم اپنے شیخ سے خیانت کرتے ہو، میں نے کہا کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا، تو واللہ العظیم! جی چاہتا ہے کوئی بھی نہ آئے، کسی اچھے آدمی کے پاس چلے جائیں، اس لئے جب کوئی بیعت ہونے کے لئے کہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حکیم اختر صاحب ہیں، ان کے پاس چلے

جاؤ، مفتی رشید احمد صاحب ہیں، ڈنڈے والے پیر، ان کے پاس چلے جاؤ، مولانا تقی عثمانی صاحب ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ، دوسرے بہت سے اکابر ہیں، کوئی پنجاب کا ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ تمہارے علاقہ میں حضرت نفیس شاہ صاحب ہیں، ان سے تعلق رکھو، تو ہمیں تو خوشی ہے کہ لوگ نہ آئیں، ہمارا بوجھ ہلکا ہو، لیکن اس کا افسوس ہے کہ آئیں بھی اور کچھ لے کر بھی نہ جائیں۔

میں تو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ کمزور ماں باپ کی اولاد بھی کمزور ہوا کرتی ہے، ہم کمزور ہیں، ہم سے استفادہ کوئی کیا کرے گا؟ وہ بھی کمزور ہی ہوگا، کسی اچھے اور بڑے آدمی کے پاس چلے جاؤ۔

تو بھائی! اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کرسکتا ہو تو سبحان اللہ! اس سے اچھی کیا چیز ہے؟ لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ بیعت کا تعلق بھی ہے اور کوئی اصلاح میں ترقی بھی نہیں ہے، جہاں پہلے دن تھے، وہیں کھڑے ہیں، کوئی ترقی نہیں کی، ایک قدم بھی نہیں اٹھایا۔

شیخ کا کام:

عرض کیا گیا کہ یہ تقریر کہیں اس کے خلاف تو نہ ہوگی:

بے رفیق ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بہ گزشت ونشد آگاہ عشق

یعنی جو شخص رفیق کے بغیر عشق کے راستے میں قدم رکھے، عمر بیت جائے گی لیکن عشق کا پتہ نہیں چلے گا۔

عشق بازی مرید کا کام ہے:

تو حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت ہی نہیں ہے پیر کی، خود ہی کام کرتے رہو۔ عرض کیا گیا کہ اس کے خلاف تو نہیں آپ کی یہ بات۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ:

خلاف کیوں ہو یہ تو اور ہماری معیت ہے، آگاہ عشق فرمایا یعنی بغیر عشق کے آگاہ نہیں ہوگا، لیکن یہ عشق سے آگاہ ہونا، عشق تو یہ خود کرے گا، اس کی جگہ اس کے شیخ تو نہیں کریں گے، عشق بازی تو یہ خود کرے گا۔ شیخ کے ذمہ تو عشق کا راستہ بتانا ہے، عشق خود کرلو، شیخ معشوق کا پتہ بتادے گا۔

رگڑ سے گرمی پیدا ہوگی:

حضرت ذکی الامتؒ، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں گئے، یہ بہت معمر بزرگ تھے، ان سے کہنے لگے کہ حضرت کوئی طریقہ بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوجائے، فرمایا کہ: اپنے ہاتھ کو رگڑو اور اس طرح ملو، شیخ کا حکم تھا حضرت ذکی الامتؒ ہاتھ ملنے لگے، فرمایا کہ اور زیادہ زور سے ملو، انہوں نے ملا، فرمایا کہ کچھ گرمی پیدا ہوئی؟ کہا: جی! فرمایا: ایسے ہی رگڑتے رگڑتے گرمی پیدا ہوجاتی ہے۔ بس شیخ نے راستہ بتلادیا، بھائی! اللہ کے راستہ پر چلنے سے پہلے ہی دن ولی اللہ نہیں بن جاؤ گے، اور پہلے ہی دن مکاشفے نہیں ملنے لگیں گے، لیکن زور سے رگڑتے رہو گرمی پیدا ہوگی، اللہ کے راستے پر چلتے رہو گے تو تعلق مع اللہ بھی پیدا ہوجائے گا، اور یہی آگاہ عشق ہونا ہے، عشق سے آگاہ ہونا ہے۔ بلاشیخ کے آگاہ نہ ہوگا، علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا شیخ اس کا راستہ بتلائے گا، یہ مطلب نہیں کہ شیخ اس کو گھسیٹ کر لے چلے، اندھے کو آنکھوں والا راہ بتلاتا ہے، گود میں اٹھا کر تو نہیں لے جاتا، جیسے کوئی شخص راستہ نہ جانتا ہو، نابلد ہے، اس کو کہتے ہیں کہ اس طرف چلے جاؤ، کبھی انگلی بھی پکڑ لیتے ہیں، لیکن گود میں تو نہیں اٹھاتے کہ حافظ جی کو چلنا نہ پڑے، حافظ جی کو تو چلنا خود ہی پڑے گا۔ اس لئے یہ خیال کرلینا کہ بس بیعت کا تعلق کافی ہے، کام وغیرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، خود ہی سب کام ہوجائے گا، یہ غلط ہے، راستہ بتلانا تو بے شک شیخ کا کام ہے، لیکن راستہ کا طے کرنا تو اسی کے ذمہ ہے۔

ایک نشست میں خدا تک پہنچانا:

حضرتؒ کا ایک پرانا ملفوظ یاد آ گیا کہ ایک صاحب کو بہت مفصل طور پر راہِ سلوک بیان کرتے ہوئے فرمایا: الحمدللہ! میں تو طالب کو ایک ہی جلسہ میں خدا تک پہنچا دیتا ہوں، کیونکہ مقصود کی حقیقت کو بتلا دینا گویا مقصود تک پہنچا دینا ہے، اگر کوئی راستہ بتلا دے اور کہہ دے کہ دیکھو وہ چراغ جل رہا ہے، تو یہ گویا اس کو چراغ ہی تک پہنچانا ہے، اب صرف راستہ قطع کرنا باقی ہے، یہ طالب کا کام ہے، قدم اٹھاتا جائے مقصود تک پہنچ جائے گا۔ فرمایا کہ میں تو ایک ہی جلسہ میں طالب کو مقصود تک پہنچا دیتا ہوں۔

مقصود تک پہنچانے کے معنی راستہ دکھلانے کے ہیں، ایک بات تو صاف ہوگئی، طے ہوگئی کہ یہ کرنا ہے۔

حصولِ مقصد کے انداز:

اب آدمی کو بہت دفعہ یہ پریشانی ہوتی ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ مجھے راستہ کیسے قطع کرنا ہے؟ حضرت فرماتے ہیں کہ میں تو ایک جلسہ میں مقصود تک پہنچا دیتا ہوں، راستہ دکھلا دیتا ہوں، دور سے دکھا دیا کہ وہ چراغ جل رہا ہے، رات کا وقت ہے، وہاں پر پہنچ جاؤ، اب راستہ اس کو قطع کرنا پڑے گا، چاہے رینگتا ہوا چلے، آہستہ آہستہ چلے اور چاہے فوراً بھاگتا ہوا چلا جائے۔

سوکھی اور گیلی لکڑیاں:

ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک عالم بیعت ہوئے، چند دن رہے خلافت لے کر چلتے بنے، ان کے دوسرے مرید خانقاہ میں برسوں سے پڑے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ ہم اتنے عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں، ہمیں تو کچھ نہیں ملا، اور یہ صاحب آئے اور خلافت لے کر بھی چلے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ درخت کاٹ کر لاؤ، مریدین شاخیں کاٹ کر لائے، فرمایا کہ جلاؤ، اب جلائیں کیسے؟ کیونکہ درخت کی

شاخیں گیلی ہیں، ان سے پانی ٹپکتا ہے، وہ دھواں سا ہوتا رہا اور آگ نہیں جلی، پھر شیخ نے خشک لکڑیاں منگوائیں اور لکڑیاں بھی تیل کی، ان کو دیا سلائی دکھلادی فوراً جلنے لگیں، اس بزرگ نے فرمایا: تمہاری مثال گیلی لکڑیوں کی تھی، اتنے دنوں سے تمہارا پانی خشک کر رہا ہوں، ابھی تک وہی خشک نہیں ہو رہا، دھواں ہی اٹھ رہا ہے، اور ان صاحب کی مثال اس سوکھی لکڑی کی ہے جس میں تیل موجود ہے، صرف دیا سلائی دکھلانی تھی وہ دکھلادی کام ہوگیا، عشق کی آگ جل پڑی۔

خواہشات گیلی لکڑیاں ہیں:

یہ گیلی لکڑیاں کیا ہیں؟ نفسانی خواہشات ہیں، ماحول کے تأثرات، ماحول کی آب و ہوا، جب تک ہم اپنی ہوا و ہوس سے گزر کر اللہ کے راستہ میں قدم نہیں رکھتے، اس وقت تک کام نہیں چلے گا، اگر تھوڑا بہت کام کریں گے بھی، تو بس دھواں ہی نکلے گا، آگ نہیں جلے گی، نہ تپش پیدا ہوگی اور نہ روشنی پیدا ہوگی، آگ کی دو خاصیتیں ہیں: ایک تو تپش ہوتی ہے جو کہ اس کی اصلی خاصیت ہے جیسا کہ کسی بزرگ کا قول ہے:

جو آگ کی خاصیت وہی عشق کی خاصیت

ایک خانہ بہ خانہ ہے ایک سینہ بہ سینہ ہے

آگ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتی ہے، اور عشق ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں منتقل ہوتا ہے۔ گرمی اور روشنی۔ تو جب تک اپنی خواہش سے آدمی نہیں گزرے گا، اور ہوا و ہوس کو ترک نہیں کرے گا اور عزم کے ساتھ اللہ کے راستہ پر قدم نہیں رکھے گا، کام کس طرح چلے گا؟ ہمت کرلو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمت اور استقلال سے کام لو، عزم، ہمت اور استقلال سے کام لو۔ نیک کاموں کے کرنے اور گناہوں کے چھوڑنے کا عزم کرلو، پھر ہمت سے

کام لو اور پھر استقلال اختیار کرو، ایک دو دن کی تو بات نہیں ساری عمر کا چکر ہے، بس یہ تین لفظ ہیں انشاءاللہ مقصود حاصل ہو جائے گا۔

گناہوں کو چھوڑنے کی ترکیب:

ہمارے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں گناہوں کی تین قسمیں کرتا ہوں:

۱:......ایک گناہ وہ ہیں جن کو تم چھوڑ سکتے ہو، ان کو چھوڑ دو، تمہاری ذات سے تعلق رکھتے ہیں ناں! چھوڑ دو، کیا نقصان ہوتا ہے؟

۲:......اور ایک گناہ ایسے ہیں جن کو فوراً نہیں چھوڑ سکتے، ان میں ارادہ کرلو کہ چھوڑ دیں گے انشاءاللہ، اب اللہ سے مانگتے رہو۔

۳:......اور تمہارے خیال میں بعض گناہ ایسے ہیں کہ تم ان کو چھوڑ نہیں سکتے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ان کے لئے کم سے کم اتنا تو کرو کہ اللہ سے یوں کہو کہ یا اللہ! میں ان گناہوں کو چھوڑنا چاہتا ہوں مگر چھوڑ نہیں سکتا، یا اللہ! یا تو آپ چھڑا دیجئے یا پھر عذاب نہ دیجئے، اس پر پکڑ نہ فرمایئے۔ اپنے قصور کا اعتراف کرلو اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہتے رہو انشاءاللہ! اللہ تعالیٰ چھوڑنے کی توفیق عطا فرمادیں گے۔

لیکن جو گناہ ہمارے اختیار میں ہیں، ہم نے کبھی ایک گناہ کے چھوڑنے کا عزم بھی نہیں کیا اور یہی بات نیک اعمال کے بارے میں ہے، جو فرائض و واجبات فوری طور پر ادا کرنے کے ہیں، ادا کرو، اور جن پر عمل نہیں ہوسکتا، ان کے لئے نیت رکھو اور دعا بھی کرو کہ انشاءاللہ ان پر عمل کریں گے، اور کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کو ہم اختیار ہی نہیں کرسکتے، وہاں اپنی کوتاہی و تقصیر کا اعتراف کرلو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، آمین! خلاصہ یہ ہے کہ عزم، ہمت اور استقلال ان تین چیزوں سے کام لو۔

انسان مجبور محض نہیں:

ان گناہوں کے چھوڑنے میں انسان اپنے اختیار کو بھی بروئے کار لائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، اختیار کا ظاہر ہونا اتنا ہے کہ انسان تو انسان، جانوروں کو بھی اس کی اجازت ہے، دیکھئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے، نہ کہ لکڑی پر، اس کو بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کون مختار ہے اور کون مجبور۔

جبر وقدر کی حقیقت:

ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اس کو خجالت ہوتی ہے، اگر وہ اپنے کو مجبور سمجھتا تو پھر خجلت کیوں ہوتی ہے؟ خجلت تو اپنے اختیاری فعل پر ہی ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے، اور یہ مسئلہ اختیار اس قدر ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے اندر صفات اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے، حتیٰ کہ جو جبری ہیں وہ بھی محض قولاً جبری ہیں، وجداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہیں، کسی کو اس سے مجالِ انکار نہیں۔

عدم علم، عدم شئ کی دلیل نہیں:

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کنہ (حقیقت) کسی کو معلوم ہے اور نہ معلوم ہوسکتی ہے، مگر کسی شئے کے معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہیں کیا جاتا، مثال کے طور پر ضیاءاور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، حالانکہ اس کا وجود بالکل واضح اور مشاہد ہے، کیا اس کے وجود کا انکار کیا جاسکتا ہے؟

جبر وقدر کی حقیقت:

حضرت مولانا رومیؒ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و

اختیار کو بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

زاریٔ معشوق دلیل اضطرار
وخجلت معشوق دلیل اختیار

اگر اضطرار نہیں تو یہ زاری کیوں ہے؟ اور اگر اختیار نہیں تو اپنے کیئے پر شرمساری کیوں ہے؟

غرض نہ خالص جبر ہے اور نہ خالص اختیار، اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ماتحت ہے اختیار حق کے، مستقل اختیار نہیں۔

اپنے اختیار کو استعمال کیئے بغیر اصلاح نہ ہوگی:

بہرحال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے، جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے میں بھی اس صفت کو اختیار کرنا چاہئے، جب تک نہ کرے گا، اصلاح نہ ہوگی۔ مثلاً کسی میں بخل ہے تو کیا میرے ذکر و شغل سے یا شیخ کی دعا کی برکت سے یہ رذیلہ زائل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! یہ رذیلہ تو نفس کی مقاومت ہی سے زائل ہوگا، البتہ ذکر و شغل معین ضرور ہوجائیں گے مگر کافی نہیں ہوں گے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ جابجا اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

کارکن کار گفتار قندری از کار باید کار

کام کرنے سے ہی کام چلتا ہے، نیک تمناؤں اور نیک دعاؤں سے کچھ نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرنا، نیکیوں کا حاصل کرنا، برائیوں سے بچنا، دل کے اندر جو گندے اخلاق ہیں ان سے اپنے آپ کو پاک کرنا، اچھے اخلاق کا پیدا کرنا، یہ تمام کی تمام چیزیں اختیاری ہیں، انسان کے اختیار میں ہے، یوں کوئی بہانہ کرنے کے لئے کہے کہ انسان مجبور ہے تو یہ غلط کہتا ہے، انسان مجبور نہیں۔

جانور بھی جانتے ہیں کہ انسان صاحبِ اختیار ہے:

اکابر فرماتے ہیں کہ انسان کا صاحب اختیار ہونا اتنی واضح چیز ہے، اتنی کھلی ہوئی چیز ہے کہ آدمی تو آدمی، جانور بھی اس کو جانتے ہیں، کتے کو ماریں گے تو مارنے والے کو بھونکتا ہے، لکڑی کو نہیں بھونکتا، مارنے والے پر ہی حملہ کرتا ہے لکڑی پر نہیں کرتا، کتا بھی جانتا ہے کہ لکڑی بے جان ہے، یہ اپنے آپ نہیں چلتی، اس کو کوئی چلانے والا چلاتا ہے، اور انسان جس کے ہاتھ میں لکڑی ہے وہ صاحِب اختیار ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جانور بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ انسان صاحب اختیار ہے، مجبورِ محض نہیں ہے۔

اختیار کی حقیقت ہماری سمجھ سے باہر ہے:

خیر اتنی بات صحیح ہے کہ انسان بااختیار ہے، رہا یہ کہ انسان کے اختیار کی حقیقت کیا ہے؟ یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، کوئی اس کو نہیں سمجھ سکتا اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

روح کی حقیقت ہماری سمجھ سے بالا ہے:

میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ انسان کے اندر جان ہے اور یہی جان مردہ اور زندہ کے درمیان فرق کرتی ہے، زندہ آدمی میں جان ہوتی ہے اور جب جان نکل جاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے، لیکن جان اور روح کیا چیز ہیں؟ کوئی اس کی حقیقت کو نہیں جانتا، حکماً بھی عاجز آگئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ سوال ذکر کیا ہے:

"وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا." (بنی اسرائیل:۸۵)

ترجمہ:......"وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں کہ روح کیا چیز ہے؟ آپؐ فرما دیجئے کہ روح میرے

رب کے امر سے ہے، اور تم کو نہیں دیا گیا علم مگر بہت تھوڑا۔"

اس تھوڑے علم کے ساتھ تم روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ہو، چنانچہ تمام حکمائ، تمام سائنسدان، تمام عقلا آج تک روح کی حقیقت کے جاننے سے قاصر ہیں، میری اور آپ کی کیا بات ہے؟ زندہ اور مردہ کے درمیان فرق ہونا اس کو ہر شخص جانتا ہے، اور یہ بات کہ زندگی روح اور جان کے ساتھ ہے، اور موت روح اور جان کے نکلنے کا نام ہے اس کو بھی ہر شخص جانتا ہے، لیکن جان ہے کیا چیز؟ روح کس چیز کا نام ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔

دوسری مثال:

حضرتؒ نے دوسری مثال بیان فرمائی ہے نور کہو یا روشنی کہو یا ضیائ کہو، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا، بتاؤ روشنی کس کو کہتے ہیں؟ ظلمت یعنی تاریکی، اندھیرا اس کی ہم تعریف کرتے ہیں عدم نور کے ساتھ، روشنی کا نہ ہونا اندھیرا ہے، روشنی کے نہ ہونے کا نام ہے اندھیرا، تاریکی، لیکن مطلق روشنی کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو بتلانے سے عاجز ہیں لوگ۔ اطبائ، حکمائ، سائنسدان وہ بھی اس کی تعریف نہیں کرسکتے ہیں، بتائیں روشنی کس چیز کا نام ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

تو کیا محض اس وجہ سے کہ ہم روشنی کی حقیقت نہیں جانتے، روشنی کا انکار کرلیا کریں کہ روشنی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ روشنی کوئی چیز نہیں ہے، اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اندھا ہے، زیادہ سے زیادہ جو تعریف کی گئی ہے نور کی وہ یہ ہے کہ: جو چیز خود روشن ہو، اور اس کی وجہ سے دوسری چیزیں روشن ہوں، بس یہ تعریف ہم کرتے ہیں، لیکن یہ کوئی حقیقت نہیں، حقیقت تک ہم نہیں پہنچے۔

تو جس طرح کہ روح کو سب جانتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت نہیں جانتے، اور روشنی کو اور نور کو سب جانتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح انسان

کا مختار ہونا یعنی صاحب اختیار ہونا اس کو سب جانتے ہیں، لیکن اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ نہیں جانتے۔ انسان مختار ہے یا مجبور ہے؟ اس میں لوگ بہت بھٹکے ہیں۔

بعضوں نے کہا کہ انسان مجبور ہے، جبری بن گئے۔ بعضوں نے کہا کہ انسان مختار مطلق ہے، یہ بھی بھٹک گئے۔ حالانکہ انسان نہ مجبورِ محض ہے، پتھر لکڑی کی طرح اور نہ یہ صاحب اختیار ہے من کل الوجوہ، مطلق طور پر، بلکہ معاملہ بیچ بیچ میں ہے۔

جبر و قدر حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں:

حضرت تھانویؒ سے کسی شخص نے یہ جبر و اختیار کا مسئلہ پوچھا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ: ایک ٹانگ اٹھاؤ، ایک پاؤں اٹھاؤ، اٹھالیا، فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھالو، کہا کہ حضرت جب ایک پاؤں رکھوں گا تو دوسرا اٹھاؤں گا، بغیر اس کے کیسے اٹھالوں؟ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ بس اتنا اختیار ہے اور اتنی مجبوری، اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے۔

جبر و قدر مولانا رومیؒ کے الفاظ میں:

مولانا رومیؒ نے مثنوی شریف میں بہت ہی خوبصورت الفاظ میں اس کو بیان فرمایا کہ انسان مجبور بھی ہے اور انسان مختار بھی ہے۔ فرماتے ہیں:

زاریٔ معشوق دلیل اضطرار
و خجلت معشوق دلیل اختیار

جب کوئی تکلیف ہوتی ہے، مصیبت ہوتی ہے، روتے ہیں، چلّاتے ہیں، بلبلاتے ہیں (حضرت! اگر قادرِ مطلق تھے تو روتے کیوں ہیں؟ قادرِ مطلق بھی رویا کرتا ہے؟ خدا تعالیٰ کو بھی کیا رونا آتا ہے، نعوذ اللہ!) ہم تو ایک کام کرتے ہیں، کام کرنے کے بعد خود شرمندہ ہوتے ہیں، شرمندگی ہوتی ہے، اگر اختیار ہوتا تو شرمندگی

کیوں ہوتی؟ تو معلوم ہوا کہ آدمی نہ من کل الوجوہ مختار ہے، اور نہ اپنے سے جبری ہے، یعنی مجبورِ محض ہے، بلکہ بیچ بیچ میں معاملہ ہے۔ مولانا رومیؒ چٹکیوں میں مسائل حل کردیتے ہیں۔

جبری کی اصلاح کا ایک قصہ:

ایک جگہ اس جبر وقدر کے مسئلہ پر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کہیں چلا گیا تھا، باغ سے پھل توڑ کر کھانے لگا، باغ کے مالک نے اپنے نوکر کو بھیجا کہ اس سے کہو کہ پرائے مال میں سے بغیر پوچھے کیوں پھل کھاتا ہے؟ غلام اس کے پاس آیا اور یہ بات کہی کہ مالک کی اجازت کے بغیر پھل توڑتے ہو، کھاتے ہو، یہ تو ٹھیک نہیں ہے، وہ کہنے لگا کہ باغ بھی خدا کا، پھل بھی خدا کا، اور میں بھی خدا کا، تو روکنے والا کون ہوتا ہے؟ باغ کے مالک نے سن لیا کہ یہ جبری ہے، نوکر کو حکم دیا کہ ایک رسّہ لاؤ، اور ایک ڈنڈا بھی لاؤ، رسّہ کے ساتھ اس کو باندھ دیا اور ڈنڈے کے ساتھ پٹائی کرنے لگا، اب جب ڈنڈا برسے گا تو ہائے، ہائے تو نکلے گی، باغ کا مالک کہنے لگا کہ تو بھی خدا کا، رسّہ بھی خدا کا، ڈنڈا بھی خدا کا اور میں بھی خدا کا، ہائے، ہائے کیوں کرتا ہے؟ تو یہ کہنے لگا:

توبہ کردم از جبر اے عیار!
اختیار است اختیار است اختیار

میں جبر کے عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں، اختیار کا قائل ہوں، اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے۔

بڑی غلطی:

یہ بڑی غلطی ہے کہ ہم لوگ اپنے کرنے کا کام تو کرتے نہیں، اور جو کرنے کا نہیں ہے اس میں الجھتے ہیں، بہت سے لوگ مجھے خطوط لکھتے ہیں، اس میں یہی

اختیار اور جبر کا مسئلہ پوچھتے ہیں، کبھی اپنے کرنے کی بات بھی پوچھی کہ میرے کرنے کا کام کیا ہے؟ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کیوں ہو رہا ہے؟ دنیا میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ حافظ شیرازیؒ نے اسی لئے نصیحت کی تھی کہ:

حدیث مطرب و مے گو
راز دہر کم تر جو
درحکمت کس لب نہ کشاید
حکمت ایں معما را

مطرب و مے کی باتیں کرو، اللہ و رسول کی باتیں کرو، اپنے عمل کی باتیں کرو، جن چیزوں کا تعلق تمہارے دائرۂ اختیار سے ہے، اس کے بارے میں بات کرو اور زمانے کے راز کم ڈھونڈا کرو کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کیوں ہو رہا ہے؟ ایسا کیوں ہوگا؟ ویسا کیوں ہوگا؟ اس لئے کہ یہ ایک ایسا معما ہے، حکمت کے ساتھ نہ کوئی اس معما کو حل کرسکا اور نہ ہی کرسکے گا۔ یہ تمہاری حکمت و دانائی سے بالاتر چیز ہے، تم اپنا کام کرو۔

خدائی معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں:

بہت سے لوگ نہایت ہی مہمل سوالات کرتے ہیں، اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں، دوسرے کا وقت بھی ضائع کرتے ہیں، مجھے بہت افسوس اور صدمہ ہوتا ہے، بہت کم لوگ ہوں گے جو اپنی ذات کے بارے میں پوچھتے ہوں۔ سو میں سے دس آدمی بڑی مشکل سے ملیں گے جو شرعی مسئلہ اپنی ذات کے لئے پوچھتے ہوں، یہاں وہاں کی ہانکتے ہیں، لوگوں کی باتیں کرتے ہیں، اپنی نہیں کرتے، یہی لوگ خدائی معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں، اللہ نے ایسا کیوں کیا؟ ایسا کیوں کیا؟ مرد کو مرد اور عورت کو عورت کیوں بنایا؟ جواب دو، کتے کو کتا اور بلی کو بلی کیوں بنایا؟ کوئی حکمت

کے ساتھ اس معما کو حل کر سکے گا؟

میں ایک ہی لفظ لکھ دیتا ہوں کہ تم بندے ہو، بندگی کے آداب سیکھو، خدائی کو خدا پر چھوڑ دو، خدائی کرنا وہ خود جانتا ہے، اس کو تمہارے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔

میں اگر کوئی بات ہانک بھی دوں تو اس سے کیا خدائی کا معما حل ہوجائے گا؟ اسی طرح یہ جبر و قدر کا مسئلہ ہے، تقدیر کا مسئلہ ہے، یہ میرے آپ کے طے کرنے کی بات نہیں ہے، اتنا جانتے ہو کہ انسان مختار ہے، اچھا کام کرتے ہو تو طبیعت خوش ہوتی ہے، برا کام کرتے ہو تو طبیعت بدمزہ ہوتی ہے، دل میں خود شرمندہ ہوتے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو فاعل مختار سمجھتے ہیں، اور اچھا کام کر کے خوش ہونا اور برا کام کر کے برائی ہوجائے تو طبیعت کا بدمزہ ہونا، یہ ایمان کی علامت ہے۔

ایک صاحب نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کیسے پتہ چلے کہ میں مؤمن ہوں؟ فرمایا کہ:

"اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَائَتْکَ سَیِّاٰتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ." (مشکوٰۃ ص:۱۶)

ترجمہ:......"جب تیری نیکی تجھے خوش کرے اور تیری برائی تجھے بری لگے بس تو مؤمن ہے۔"

نیکی پر فرحت ہو نہ کہ ناز:

نیکی کا کام کر کے طبیعت میں فرحت پیدا ہو، ناز نہ کرے، ناز اور چیز ہے، دل میں فرحت کا پیدا ہونا اور چیز ہے۔ کسی آدمی نے نماز پڑھی اور اللہ نے توفیق دی نماز پڑھی، اچھی نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں، خوب دعا مانگی تنہائی میں، دل میں ایک خاص خوشی پیدا ہوجاتی ہے، خاص فرحت پیدا ہوجاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ طبیعت کا سارا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ یہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تیری نیکی تجھ کو خوش کردے، اور بطور فخر کے بیان کرنا یہ بے ہودگی ہے، اس کو بیان کرنا یہ بے ہودہ کام ہے۔ دل میں فرحت کا پیدا ہوجانا اچھا کام کرکے، نیکی کا کام کرکے اور خدانخواستہ کوئی غلطی ہوگئی، گناہ ہوگیا، برائی ہوگئی تو دل میں غم پیدا ہوجائے، یہ علامت ایمان کی ہے۔

اور اگر نیکی کا کام کرکے خوشی نہیں ہوتی، اور گناہ کا کام کرکے طبیعت بدمزہ نہیں ہوتی تو معلوم ہوتا ہے کہ چپت ہے سب کچھ، اندر کا جو دل ہے یہ اندھا ہوگیا ہے بے چارا، اس میں تاثر ہی نہیں رہا۔

انسان کو امورِ اختاریہ کا مکلّف بنایا گیا ہے:

تو خلاصہ یہ کہ آدمی میں اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیاری امور ہی کا مکلّف کیا ہے، نماز ہے، روزہ ہے، نیکی کے کام ہیں، ان کے کرنے کا حکم فرمایا، انسان قادر ہے، انسان کو ان امور پر اختیار ہے، اگر اختیار نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی مکلّف نہ فرماتے، اور گناہ کے جتنے بھی کام ہیں ان کے چھوڑ دینے کا اختیار ہے، ہم اپنے نفس کو دھوکا دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ مجھے اس کام کے چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے، میں چھوڑ نہیں سکتا، ٹھیک ہے، آپ ٹھیک کہتے ہوں گے کہ میں ان کو چھوڑ نہیں سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو کہا کہ چھوڑ دو، اور یہ تو نہیں کہ دو سال کے چھوٹے بچے کو اللہ تعالیٰ دومن کے بوجھ اٹھانے کا حکم دے دیں کہ اٹھاؤ! اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ دومن چھوٹے بچے سے نہ اٹھے گا، اسی طرح جتنے کاموں کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے، وہ ہمارے اختیار میں ہیں، ہم اس کو کرسکتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی حکم نہ فرماتے۔ اور جتنے کاموں کے چھوڑنے کا حکم فرمایا ہے ہم اس کے چھوڑنے پر قادر ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے چھوڑنے کا حکم نہ دیتے، یہ جانتے ہوئے کہ معذور ہیں،

قرآنِ کریم میں ہے: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا." یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتے۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ وہ تمام نیکی کے کام جن کے کرنے کا ہمیں حکم فرمایا ہے، اور گناہ کے کام جن سے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے، ان کا کرنا اور ان کا چھوڑنا ہمارے اختیار میں ہے، تو اب دعا اور وظیفہ سے تو کام نہیں چلے گا۔ ہمت سے کام لینے سے کام چلے گا، ہمت سے کام لو۔

حاصل سلوک وتصوف:

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تمام کا تمام تصوف اور سلوک صرف اسی ایک لفظ میں ہے کہ اپنے اختیاری امور میں ہمت سے کام لو، ہاں ذکر و اذکار، وِرد و وظائف، دعا اور التجا، شیخ کی توجہ اور عنایت، یہ چیزیں معین اور مددگار بنتی ہیں، لیکن اصل کام استعمالِ اختیار سے چلے گا، اور اگر کوئی شخص اپنے اختیار سے تو کام نہ لے، ہمت اور عزم کسی کام کے کرنے اور چھوڑنے کا نہ کرے، اور یہ کہتا رہے کہ کوئی وظیفہ بتلادو نماز قضا نہ ہوا کرے، تو تم بتلاؤ جو وظیفہ مانگتا ہے وہ کیا کام کرے گا؟ کوئی وظیفہ بتلاؤ کہ میرے اندر تکبر نہ رہے، میرا بھائی! اس کا علاج کرواؤ، بیماری ہے، صرف وظیفہ پڑھنے سے تو پیٹ کا درد نہیں جائے گا، علاج کرو، میرے اندر بخل کا مادہ نہ رہے، حسد نہ رہے، کینہ نہ رہے اور جتنے نفسانی رذائل ہیں وہ ختم ہوجائیں، محض وظیفہ پڑھنے سے تو یہ ختم نہ ہوں گے، شیخ کی ضرورت اسی لئے پیش آتی ہے کہ وہ ان رذائل کا علاج بتلائے، اور شیخ کی تجویز کے مطابق تم عمل کرو، اور اس کو اطلاع دیتے رہو۔

تشخیص وتجویز حاصل تصوف:

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سلوک کا خلاصہ دو لفظ میں کردیا ہے: تشخیص اور تجویز۔ اپنے حالات شیخ کے سامنے رکھو وہ تشخیص کرے گا کہ کون سا مرض ہے؟ خود

اپنے پاس سے نہ گھڑو، تم اپنے امراض کی صحیح تشخیص بھی نہیں کرسکتے ہو، شیخ اگر محقق ہوگا تو وہ تشخیص کرسکے گا کہ یہ کون سی بیماری ہے؟

حیا اور کبر کا فرق:

میں نے ایک دفعہ اپنے حضرتؒ کو ایک بات لکھی تھی کہ: ''یہ کام کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، آیا یہ کبر ہے؟'' حضرتؒ نے فرمایا (میرے پاس وہ خط محفوظ ہے) یہ کبر نہیں، حیا کہلاتی ہے، اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم کو کوئی ہاتھی پر سوار کردے، ہاتھی پر سوار ہوکر کے بدل جاؤ گے، بلکہ شرم آئے گی، ہاتھی پر سوار نہ ہونا کبر کی وجہ سے نہیں، بلکہ حیا کی وجہ سے ہے، اسی طرح اس کام کے کرنے سے جو مجھے شرم آتی ہے وہ حیا کی وجہ سے ہے، کبر کی وجہ سے نہیں، اب بتلایئے میں اس کو کبر سمجھا تھا، شیخ نے بتلایا کہ یہ کبر نہیں، حیا ہے۔

مرید کا کام:

تو شیخ ایک تو تشخیص کرے گا اور دوسری تجویز کرے گا، یعنی اس کا علاج تجویز کرے گا، اس تشخیص اور تجویز کے بعد اب حضرتؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے دو کام رہ جائیں گے، اب وہ بھی میں نے دو لفظ بنادیئے ہیں: اطلاع اور اتباع۔ تم شیخ کو اپنے تمام حالات کی اطلاع دیتے رہو، اور تمہاری اطلاع کے بعد شیخ تشخیص کرے گا، اور تشخیص کے بعد تمہارے لئے تجویز کرے گا اور جو علاج تجویز کرے تو اس کی اتباع کرو، اور اس اتباع کی بھی اطلاع دیتے رہو، پس دو لفظ رہ گئے۔

پیر و مرید کے فرائض:

پورا خلاصہ تصوف کا یہ چار الفاظ بن گئے: اطلاع و اتباع، تشخیص و تجویز۔ دو کام شیخ کے ہیں اور دو کام تمہارے کرنے کے ہیں، شیخ کا کام تشخیص اور تجویز ہے اور مرید کا کام اطلاع و اتباع ہے۔

عورتوں کا فتنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَھُنَّ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِلْمَقْتِ، اَلضِّحْکُ مِنْ غَیْرِ عَجَبٍ، وَالنَّوْمُ مِنْ غَیْرِ سَحَرٍ، وَالْاَکْلُ مِنْ غَیْرِ جَوْعٍ۔“

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۳۷)

”عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: اُبْتُلِیْتُمْ بِفِتْنَۃِ الضَّرَّاءِ فَصَبَرْتُمْ، وَسَتُبْتَلُوْنَ بِفِتْنَۃِ السَّرَّاءِ، وَاَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ فِتْنَۃَ النِّسَاءِ اِذَا تَسَوَّرْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَبِسْنَ رِیَاطَ الشَّامِ وَعَصْبَ الْیَمَنِ فَاَتْعَبْنَ الْغَنِیَّ وَکَلَّفْنَ الْفَقِیْرَ مَا لَا یَجِدُ۔“ (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۳۶)

ترجمہ:...... ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: جو شخص تین کام کرے، وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بن جاتا ہے:

۱:...... بغیر تعجب کے ہنسنا۔

۲:......بغیر نیند کے غلبہ کے سوتے رہنا۔

۳:......اور بغیر بھوک کے کھانا کھانا۔"

ترجمہ:......"(دوسری روایت میں) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: تم تکلیف کے امتحان میں ڈالے گئے مگر تم نے صبر کیا، اور اب تم خوشحالی کے امتحان میں ڈالے جاؤ گے، اور جس چیز کا تمہارے حق میں سب سے زیادہ اندیشہ کرتا ہوں وہ عورتوں کا فتنہ ہے، جبکہ وہ سونے چاندی کے کنگن پہنیں گی، اور شام کے نرم اور باریک کپڑے پہنیں گی، یمن کے رنگین اور منقش کپڑے پہنیں گی، پس مال دار کو تھکا دیں گی، اور فقیر اور نادار کو ایسی چیز کا مکلّف کریں گی جو اس کو میسر نہیں۔"

غضبِ الٰہی کے موجب تین امور:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پہلے ارشاد میں ہے جو شخص تین چیزوں کا ارتکاب کرے وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا نشانہ بن جاتا ہے:

۱:......بغیر تعجب کے ہنسنا۔

۲:......بلاوجہ اور بغیر نیند کے غلبہ کے سوتے رہنا۔

۳:......بغیر بھوک کے کھاتے رہنا۔

ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دو کہ جس شخص سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، اس کو ان تین چیزوں میں مبتلا فرمادیتے ہیں، یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تین باتیں اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کا سبب بنتی ہیں۔

فطری امر:

یہ فطری امر ہے کہ غم کی بات پر آدمی کو غم ہوتا ہے، خوشی کی بات پر آدمی خوش ہوتا ہے، رونے کی بات پر روتا ہے، ہنسنے کی بات پر ہنستا بھی ہے، ان میں اللہ تعالیٰ نے انفعالیت رکھی ہے یعنی متاثر ہونا، جیسے حالات اس کے سامنے آئیں، ان سے یہ متاثر ہوتا ہے، غالب کے بقول:

دل ہی تو ہے نہ کہ سنگ وخشت
درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

آدمی کا دل اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ یہ متاثر ہوتا ہے، اینٹ پتھر نہیں ہے جو متاثر نہ ہو، اس لئے آدمی کو ہنسنے کی بات پر ہنسی بھی آجاتی ہے۔

ہنسی کے تین درجات:

لیکن ہنسی کے بھی تین درجے ہیں:

ایک ہے تبسم کرنا، جس کو ہم ''مسکراہٹ'' کہتے ہیں۔

اور دوسرا ہے بغیر آواز کے ہنسنا، جس کو عربی میں ''ضحک'' کہتے ہیں، اس میں ہلکی سی آواز بھی آتی ہے، دانت بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔

اور تیسرا ہے قہقہہ لگانا کہ دور تک اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تبسم سنت انبیاءؑ ہے:

تبسم تو سنت انبیاءؑ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر متبسم رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ''ضحک'' بھی ثابت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ: ہم مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، کبھی جاہلیت کی باتیں شروع ہوجاتی تھیں کہ ہم جاہلیت کے زمانے میں یہ کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سماع فرماتے تھے، صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ

ہنسنے کی بات پر ہنستے بھی تھے، لیکن ساری زندگی میں کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قہقہہ ثابت نہیں۔

قہقہہ غفلت کی علامت:

بلند آواز سے قہقہہ لگانا غفلت کی دلیل ہے یعنی دل کے غافل اور دل کے سخت ہونے کی علامت ہے، اور حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"..... اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیُ."

(مشکوٰۃ ص:۱۹۸)

ترجمہ:......"لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ سنگدل آدمی ہے، جس کا دل سخت ہو۔"

جو آدمی اللہ سے دور ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگئے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، تو اس کو قریب کرلیتے ہیں، اسے اپنی محبت نصیب فرماتے ہیں، اپنی رضا نصیب فرماتے ہیں، اپنی خشیت نصیب فرماتے ہیں، اپنا ادب نصیب فرماتے ہیں، اپنا تعلق نصیب فرماتے ہیں، جتنا زیادہ کسی کو قرب ہوگا، اتنی ہی زیادہ اس پر عنایتیں ہوں گی۔ اور جتنا کوئی دور ہوگا، اتنا ہی نعمتوں سے دور ہوگا۔

آدمی سونے کے لئے نہیں:

آدمی کو دنیا میں سونے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ کام کرتے ہوئے اس کے بدن میں تعب پیدا ہوجاتا ہے یعنی تھکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اس کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نیند عطا فرمائی ہے، تاکہ اس کے بدن کی خوراک اس کو پوری ملتی رہے۔

انسان کھانے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا:

یہی مسئلہ کھانے کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کے لئے نہیں بنایا

بلکہ کھانا ہمارے لئے بنایا ہے۔ سونا اور کھانا دونوں ضرورت کی چیزیں ہیں، ان میں اتنی کمی نہ کی جائے کہ بدن میں اختلال پیدا ہو، صحت متاثر ہو، آدمی سوئے نہیں تو چڑچڑا ہوجاتا ہے، بے چارے نفسیاتی مریضوں کو نیند نہیں آیا کرتی، بلاشبہ سونا بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور ضرورت کی چیز ہے، لیکن تم کو سونے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ کھانا بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کھانے سے ہمارے بدن کی خوراک مہیا ہوتی ہے، اس سے بدن کا قِوام بنتا ہے اور بدن کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے، لیکن کھانا بھی ضرورت کی چیز ہے، خود مقصود نہیں، مقصد کچھ اور ہے۔ گاڑی میں تیل ڈالا جاتا ہے، خود تیل ڈالتے رہنا ہی مقصد نہیں، وہ تو اس کی ضرورت ہے، اس کے بغیر وہ چلتی نہیں۔ تو جس شخص نے کھانے، پینے اور سونے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہو، حتیٰ کہ فرائض الٰہیہ کی بجا آوری میں بھی سستی ہوتی ہو، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم سوئے رہ جاتے ہیں، اکثر صبح کی نماز قضا ہوجاتی ہے، معلوم ہوا کہ نماز کو مقصد نہیں سمجھا، بلکہ کھانے پینے اور سونے کو مقصد سمجھا۔

نماز مقصد ہے:

میں بچوں کو کہا کرتا ہوں کہ نماز مقاصد میں سے ہے، کھانا، پینا، سونا مقصود نہیں ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے لئے پیدا کیا ہے، نماز پڑھنا ہماری تخلیق، ہماری پیدائش اور دنیا میں ہمیں بھیجے جانے کے مدعا اور مقصد میں سے ایک ہے۔ نمازی کا بدن ایک سواری ہے اور سواری کے لئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے، چارے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر آدمی اس گھوڑے کو پالنے میں ہی لگا رہے، اور اس سے کام نہ لے اور یا کم لے تو وہ بھی عربوں کے محاورے کے مطابق جیسا کہ عربی کہا کرتے ہیں کہ یہ شخص زیادہ گمراہ ہے یا اس کا اونٹ؟ اگر کوئی گدھے کے پالنے میں ہی لگا رہتا ہے اور اس سے کام نہیں لیتا تو اپنے گدھے سے بڑا گدھا یہ خود ہے، اللہ

تعالیٰ ہمیں مقصد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آزمائش کی قسمیں:

دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ آزمائشیں دو قسم کی ہوتی ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ تنگی کے ساتھ آزماتے ہیں، کبھی فراخی کے ساتھ، کبھی بیماری کے ساتھ اور کبھی صحت کے ساتھ، کبھی کمزوری کے ساتھ اور کبھی صحت وقوت کے ساتھ۔ تو تم لوگ تکلیف اور تنگی کے فتنے میں مبتلا کئے گئے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تنگی دے کر آزمایا۔

صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتنی تنگی میں تھے یہ تو سب کو معلوم ہے، بہرحال آپ نے فرمایا اس پر تو تم نے صبر کرلیا یعنی اس آزمائش پر الحمدللہ! پورے اترے اور اس امتحان میں کامیاب رہے، اور اب اللہ تعالیٰ تمہیں فراخی کے ساتھ آزمائیں گے، اس میں کامیاب ہونے والے بہت کم ہیں۔

عورتوں کے ذریعہ آزمائش:

اور خود تو خیر آدمی چل سکے لیکن ان عورتوں کا کیا علاج کرے؟ یہ عورتیں تو لاعلاج بیماری ہیں، فرمایا کہ: ''جس آزمائش کا مجھے سب سے زیادہ اندیشہ ہے، وہ عورتوں کی آزمائش ہے۔'' کہ تم عورتوں کے فتنے کے سامنے نہیں ٹھہر سکو گے، فتنے کا یہ سیلاب تمہیں بہا کر لے جائے گا، جیسا کہ اکبر مرحوم نے کہا ہے:

اکبر نہ دب سکے برٹش کی فوج سے
لیکن شہید ہوگئے بی بی کی نوج سے

اور فرمایا کہ: یہ اس وقت ہوگا جب یہ سونے اور چاندی کے کنگن پہننے لگیں گی، اب تو چاندی بھی گئی، صرف سونا رہ گیا ہے، ''ریاط الشام'' یعنی شام کے مہین نرم و نازک کپڑے پہننے لگیں گی، اُس وقت یہ باریک کپڑے وہاں بنتے ہوں گے، اور یمن کے ''عصب''، یعنی منقش اور پھول دار کپڑے پہننے لگیں گی، اور ان کی فرمائشوں سے

غنی آدمی عاجز آجائے گا۔

عورتوں سے مال دار آدمی کا عاجز ہونا:

اچھا خاصا اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، لیکن بیگم صاحبہ کی فرمائشیں پوری نہیں کرسکتا، کیا کریں؟ اور فقیر کو اس چیز کا مکلف کریں گی جو اس کو میسر نہیں، اب فقیر کے پاس کچھ ہے نہیں، بے چارہ نادار آدمی ہے وہ کہاں سے لاکر دے؟ لیکن بیگم صاحبہ کا اصرار ہے کہ میں نہیں جانتی، ہمارا معیارِ زندگی ہمسائی کے برابر ہونا چاہئے۔

عورتوں کی کمزوری:

چند چیزیں عورتوں کی کمزوری ہوتی ہیں، ایک تو قدرتی طور پر ان کو نمائش کی عادت ہوتی ہے، مثلاً: اگرچہ اپنے گھر میں بہت ہی سکھ ہے، آرام ہے، اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے، لیکن اگر آس پڑوس والوں نے دیکھا نہیں، رشتہ داروں نے اس کا معائنہ نہیں کیا، تو پھر اس کا لطف کیا آیا؟ مزے کی بات تو نہ ہوئی، اردگرد کے لوگ آئیں اور ہمارے گھر کے نقار خانے کو دیکھ کر پہلے تو ششدر اور حیرت زدہ رہ جائیں، پھر وہ تعریف کے چند کلمات بول کر جائیں، اور پھر وہاں سے نکلیں تو ہمیں گالیاں نکالیں، عورتیں ایسی عقلمند ہیں کہ جانتی ہیں کہ یہ ہمارے سامنے جھوٹ بول رہا ہے، لیکن اس کی جھوٹی تعریف سے خوش ہورہی ہیں، ایک تو ان کو نمائش کی بیماری ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے کسی کو زیادہ دے رکھا ہے، کسی کو کم دے رکھا ہے، کسی کو اتنا زیادہ دے رکھا ہے کہ اس کے کتوں کا بجٹ ہزاروں روپے ماہانہ کا ہے، میرے مالک کی تقسیم ہے، کسی کو صرف اتنا دیا ہے کہ روٹی ہی ملتی ہے، کسی کو یہ بھی نہیں، جیتا وہ بھی ہے، جیتا یہ بھی ہے، اس کی بھی گزر رہی ہے، اُس کی بھی گزر جائے گی۔

دنیا میں ساری خواہشیں پوری نہ ہوں گی:

اللہ تعالیٰ کی سنت اور اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ اس عالم میں رہتے

ہوئے ہر ایک کی ساری ضرورتیں اور خواہشیں پوری نہیں ہوتیں، اور دنیا جہاں کی ساری نعمتیں ایک کو نہیں دی جاتیں، حسن و جمال بھی ہو، فضل و کمال بھی ہو اور نوال بھی ہو، علم بھی ہو، عقل بھی ہو، ساری چیزیں ایک ہی گھر میں جمع کر دیں، اس دنیا میں یہ نہیں ہوسکتا۔

جنت میں سب خواہشیں پوری ہوں گی:

ہاں البتہ یہ جنت میں ہوگا، اور جنت میں ایسا ہوگا کہ جو شخص جو چاہے گا کہ میں ایسا ہوجاؤں، وہ ویسا ہی ہوجائے گا۔

ایک حدیث میں لمبا قصہ آتا ہے، اس میں ایک جملہ یہ ہے:

"..... قَالَ: فَيَقْبِلُ الرَّجُلُ ذُوْ الْمَنْزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْعُهٗ مَا يَرٰى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ فَمَا يَقْضِىْ آخِرُ حَدِيْثِهٖ حَتّٰى يَتَخَيَّلَ عَلَيْهِ مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ ..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۹۹)

ترجمہ:...... "جنت والوں کا اجتماع ہوگا تو ایک بڑے درجے کا جنتی ہے اور ایک چھوٹے درجے کا جنتی ہے (ظاہر بات ہے کہ درجات تو وہاں بھی ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بڑے درجے کے جنتی کا لباس اس کی شان کے لائق ہوگا، چھوٹے درجے کے جنتی کا لباس اس کے لائق ہوگا، تو اس شخص کے دل میں خیال آئے گا کہ اس کا لباس عمدہ ہے، کسی کی کوئی عمدہ چیز دیکھ کر آدمی کے دل سے ایک خواہش نکلتی ہے اور ایک خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے، تو اس کے دل میں خیال آئے گا کہ اس کا لباس اچھا ہے گویا اپنے اندر نقص نظر آئے گا) حالانکہ

کوئی نقص نہیں ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لباس اتنا حسین وجمیل ہوجائے گا کہ یہ
اپنے لباس کو اس سے زیادہ حسین سمجھے گا۔"

دنیا میں جنت کے مزے لوٹنے کا گُر:

یہ ایک نکتہ معرفت ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا میں یہ چیز نصیب فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے، میں یہ سمجھوں کہ میرے حسب حال جتنا دیا ہے کسی کو بھی اتنا نہیں دیا، تو ہماری یہ دنیا ہی جنت بن جائے گی، پڑا ہوگا کسی کے پاس مال، پڑا ہوگا کسی کے پاس جمال اور پڑی ہوں گی کسی کے پاس فلاں فلاں نعمتیں، ہمیں کیا؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب نوراللہ مرقدہ کا شعر ہے:

مجھ کو کیا کس کے جام میں ہے کیسی مے؟
میرے پیمانے میں لیکن حاصلِ مے خانہ ہے!

کسی کے پیمانے میں کیسی شراب ہے؟ مجھے اس سے کیا؟ پورے مے خانہ کا نچوڑ میری پیالی میں موجود ہے۔ مجھے کیا دیکھنا ہے کہ کسی کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کس کے ساتھ کیا عنایتیں ہو رہی ہیں؟ میں دوسروں کو کیوں دیکھوں؟ میں تو صرف اپنے کو دیکھوں اور اپنے مالک کو دیکھوں۔

عورتوں کا انداز:

سارے مالک کے بندے ہیں، مالک کس کے ساتھ کیا معاملہ کر رہا ہے؟ وہ جانے اس کا بندہ جانے، میرے ساتھ میرے مالک نے ایسی عنایت کا معاملہ کیا ہے کہ کیا بات ہے؟ اگر ہر آدمی کے دل میں یہ بات پیدا ہوجائے، تو جنت دنیا میں ہی پیدا ہوگئی، خلاصہ یہ کہ یہ سب چیزیں ہر ایک کو نہیں دی جاتیں۔

تو ان عورتوں کا انداز حاکمانہ ہوتا ہے۔

جب برابر والا اپنے برابر والے سے کہتا ہے کہ یہ کرلیجئے! تو یہ ''التماس'' کہلاتا ہے اور اگر بندہ اپنے اللہ تعالیٰ سے یہ کہے کہ یہ میرا کام کردیجئے! یہ ''دعا'' کہلاتی ہے، اس میں اور حاکم کے صیغے میں لفظ ایک ہی ہے، لیکن حاکم کے لفظ میں ایک انداز کا تحکم پایا جاتا ہے، اور برابر والے میں یہ ہی لفظ کہنے میں ایک قسم کی چاہت پائی جاتی ہے، اور چھوٹا جب بڑے سے یا بندہ جب اپنے خدا سے یہی لفظ کہتا ہے کہ یہ کردیجئے تو اس میں عاجزی، انکساری، تواضع، ذلت، مسکنت پائی جاتی ہے، اور یہی دعا کا حاصل ہے۔ ہم اس کو مانگنا کہتے ہیں، دعا کے معنی اللہ سے مانگنا، مانگنا کام ہوتا ہے گداگر کا، فقیر اور محتاج کا، صیغہ ایک ہے لیکن مخاطب کے لحاظ سے اندازِ گفتگو بدل جاتا ہے، عورتوں کی بھی فرمائش ہوتی ہے لیکن ان کا انداز نیازمندانہ کبھی نہیں ہوتا کہ: ''ہمیں یہ کرلینا چاہئے۔'' ملتمسانہ بھی نہیں ہوتا جیسے برابر والا برابر والے سے کہتا ہے، بلکہ ان کا اندازِ گفتگو تحکمانہ ہوتا ہے، اور حاکم کے حکم میں ترمیم کی یا نظرثانی کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن ان کے حکم میں نہیں، ان کے ہاں نظرثانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، حاکم سے کہہ دیجئے کہ ذرا دیکھ لیں اس کام کا کرنا ذرا مشکل ہوگا تو وہ کہتا ہے کہ بھائی! اگر نہیں ہوسکتا تو رہنے دو، گویا اس میں ترمیم ہوسکتی ہے، نظرثانی کی گنجائش ہے۔

لیکن گھر کی ملکہ عالیہ کے فرمان میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں اور پھر حاکم کا حکم بھی سیدھے الفاظ میں ہوتا ہے، عورتوں کو سیدھے الفاظ کہنے کی بیماری نہیں ہے، یہ اپنے تحکمانہ انداز میں مزید پیچیدگی پیدا کیا کرتی ہیں، اور اس کے ساتھ طنز، طعن اور تشنیع کا نشتر بھی ساتھ لگاتی ہیں۔ نادار آدمی تو بے چارہ عاجز ہوجائے گا۔

لوگوں کے حالات میرے سامنے آتے رہتے ہیں، لوگ خطوط کے ذریعے اپنے حالات بتاتے رہتے ہیں، میں اپنے حساب سے ان کو مشورہ دیتا رہتا ہوں، جیسے

مجھے الٹے سیدھے آتے ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے جتنا فہم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بہت سارے گھر بس گئے، قریب تھا کہ وہ گھر اجڑ جاتے۔

تو فقیر آدمی جو نادار ہے، وہ ان سے عاجز آجاتا ہے، اور غنی بھی عاجز آجاتا ہے۔ یہ ہے وہ عورتوں کی آزمائش جس کے بارے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے سب سے زیادہ اندیشہ اس کا ہے۔

کالا خضاب:

بہت سے نوجوان کہتے ہیں اور کل ایک مولوی صاحب بھی تشریف لائے تھے، انہوں نے اپنی ضرورت پیش کی اور ان کی داڑھی پر ''وسمہ'' لگا ہوا تھا، منہ کالا کیا ہوا تھا، میں نے کہا کہ تم منہ کالا کرتے ہو، تمہارے پیچھے تو نماز بھی مکروہ ہے، کہنے لگا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ: میری بیوی کی عمر مجھ سے کافی چھوٹی ہے، میں نے کہا کہ کوئی اور رنگ کرلو، کالا نہ کیا کرو۔ بھلا اوپر کالے رنگ کا خول چڑھا کر آدمی جوان ہوجائے گا؟ کیا اس کی بیوی نہیں جانتی بے وقوف! اندر سے سفید بال تو نظر آرہے ہیں، بہت سارے لوگوں کو میں نے اس حماقت میں مبتلا دیکھا، بیوی کی وجہ سے بہت سارے لوگ داڑھی منڈوانے کی حماقت میں مبتلا ہیں، اور یہ ٹی وی اور یہ ساری چیزیں کس لئے چل رہی ہیں؟ یہ سب عورتوں کا کیا دھرا ہے۔

خواتین کی نیکی کا اثر:

میں نے شاید یہ قصہ سنایا تھا کہ: ایک مہاجر خاندان مکہ مکرمہ گیا تھا، پرانے زمانے میں لوگ ہجرت کرکے چلے جایا کرتے تھے، اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جاکر ٹک جاتے تھے، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا بھی، لیکن اس وقت ان کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا، تو ایک مہاجر خاندان جو بہت ہی دیندار تھا، بچے بڑے ہوگئے تو بچے کہنے لگے کہ: ٹی وی لائیں، گھر کی

اسمبلی میں اس پر بحث ہوئی، بہرحال قرارداد یہ منظور ہوئی کہ امام کعبہ سے پوچھ لیا جائے، اگر وہ اجازت دیں تو لے آؤ۔ ابا جان اور ان کے لڑکے امام کعبہ کی خدمت میں گئے، تو امام کعبہ نے فرمایا کہ: تمہارے ہاں ابھی تک ٹی وی نہیں ہے؟ میرے ہاں تو دو ہیں!:

چوں کفر از کعبہ برخیزد
کجا ماند مسلمانی؟

ٹی وی کا وبال:

اسی موقع کے لئے کہا گیا تھا، اب کیا تھا ابا اور بیٹا ٹی وی خرید کر کے گھر لے آئے، وہ خاتون خانہ بہت نیک تھی، رات میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''تم لوگوں نے بھی یہ لعنت اپنے گھر میں ڈال لی؟ تم تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے!'' صبح ہوئی فجر کی نماز کے بعد اس خاتون نے اپنے شوہر کو اور اپنے لڑکوں کو بٹھایا، بٹھا کر اپنا خواب بتایا اور کہنے لگی کہ: میں تم لوگوں کو تو مجبور نہیں کرسکتی، لیکن تم بھی مجھے مجبور نہ کرو، مجھے کوئی کمرہ کسی جگہ کرایہ پر لے کر دے دو یا تو ٹی وی گھر میں رہے گا یا میں گھر میں رہوں گی، دونوں میں سے ایک رہے گا، وہ لڑکے ابھی تک اس نوبت کو نہیں پہنچے تھے کہ ماں کو گھر سے نکال دیں اور ٹی وی کو رکھ لیں، ابھی تک ان کی ماہیت اتنی مسخ نہیں ہوئی تھی، انہوں نے فوراً گھر سے ٹی وی نکال دیا۔

اگر خواتین نیک ہوں تو.....:

اگر ان ہماری عورتوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوجائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائیں کہ: میری امتی ہو، تمہیں شرم نہیں آتی؟ مگر یہ دولت ہر ایک کو تو نصیب نہیں ہوتی ناں! یہ تو

قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہے، اگر گھر کی خواتین نیک ہوں، اور یہ کہیں کہ: ہم بھوکی تو مرسکتی ہیں، مگر ہمیں غیر شرعی چیزوں کی ضرورت نہیں، اور ناپاک آمدنی گھر میں نہیں آنے دیں گی، تو تمہارے گھروں کا نقشہ کچھ اور ہو، یہ جتنی نمائشیں ہو رہی ہیں، یہ جتنے ہال سج رہے ہیں، یہ جتنے بھڑکیلے کپڑے پہنائے جارہے ہیں، اور جس طرح عورتیں آزادانہ باہر پھر رہی ہیں، یہ ساری کی ساری عورتوں کی بدعقلی اور بےعقلی کے کرشمے ہیں۔ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے حاکم بنایا، لیکن وہ بے چارے عورتوں کے محکوم ہی نہیں، بلکہ ان کے غلام ہیں، غلام کے بجائے قیدی ہیں، کبھی ان کے دام سے چھوٹ ہی نہیں سکتے۔

عورت کے تین ہتھیار:

ایک دانا کا قول ہے کہ: عورت یا تو طعنہ دے کر منوالیتی ہے یا مسکرا کر منوالیتی ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو رو کر منوالیتی ہے۔ یہ تین ہتھیار اپنی بات منوانے کے لئے عورت کے پاس ہیں، اور آدمی ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

سب سے خوفناک فتنہ:

یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: ''سب سے زیادہ خوف ناک فتنہ جس کا مجھے تمہارے حق میں اندیشہ ہے وہ عورتوں کا فتنہ ہے۔'' اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ترجمانی ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

''مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرُّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ.'' (مشکوٰۃ ص:۲۶۷)

ترجمہ:...... ''میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔''

سب سے زیادہ ضرر رساں، سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ،

عورتوں کا فتنہ ہے، فتنہ سے مراد عورتوں کی آزمائش ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ." (الطلاق:۱۵)

ترجمہ:......"تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔"

اولاد کی ماں سب سے پہلا فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کا نام ذکر نہیں کیا، گزشتہ آیت میں ذکر کردیا:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ." (الطلاق:۱۴)

ترجمہ:......"تمہاری بیویوں میں سے اور تمہاری اولاد میں سے بعض ایسے ہیں جو حقیقت میں تمہارے دشمن ہیں، ان سے بچتے رہا کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم فرمایا تھا، بچ کے رہنے کا حکم فرمایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے زیادہ ضرر رساں، نقصان دینے والا فتنہ فرمایا تھا، اور آج پوری کی پوری امت اس میں مبتلا ہوگئی ہے۔

آج نہیں تو کل سمجھ آجائے گی:

اور آج اگر کوئی اس کے خلاف بولے تو بولنے والا دقیانوسی ہے، مُلاّ ہے، یہ پرانے زمانے میں رہتا ہے، تاریک زمانے میں رہتا ہے، تاریک ذہن والا ہے، تمہارے دل میں جو کچھ آئے، ہمیں کہہ لو، جو کچھ زبان پر آئے، ہمیں کہہ لو، لغت میں تمہیں جو الفاظ مل سکتے ہیں وہ استعمال کرلو، مولوی کو جتنا برا بھلا کہہ سکتے ہو، جتنی گالیاں دے سکتے ہو، شوق سے دو، لیکن میں آج بھی کہتا ہوں، کل بھی کہوں گا کہ مولوی جو کچھ بھی کہتا ہے، تمہاری خیرخواہی کے لئے کہتا ہے، اپنی ذات کے لئے نہیں کہتا، آج اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو کل مرنے کے بعد تمہیں یقین آجائے گا کہ مولوی

اگر ہم پر کوئی تنقید کرتا تھا یا ہمارے عیوب کی نشاندہی کرتا تھا تو ہمارے ہی فائدہ کے لئے اور ہماری ہی خیر خواہی کے لئے کرتا تھا، اس کی اپنی کوئی ذاتی غرض نہیں تھی، تم بتاؤ ناں! اس میں میری کیا ذاتی غرض ہے؟

پھر بھی گھروں میں خوشگواری نہیں:

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم تمام فرمائشیں اپنی بیویوں کی پوری کرتے ہو، لیکن تمہارے گھر میں خوشگواری نہیں ہے، میاں بیوی کے تعلقات پھر بھی خوشگوار نہیں ہیں، میں جانتا ہوں، میں ناواقف نہیں ہوں، واقف ہوں، سو گھروں میں سے ایک گھر ایسا ہوگا جہاں میاں بیوی کے درمیان میں کامل و مکمل یکجہتی پائی جاتی ہوگی، بیوی صاحبہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھ لیجئے کیسے قصیدے سناتی ہیں اُپنے میاں کے، اور میاں صاحب سے پوچھ کر دیکھ لیجئے وہ بھی ایک دفتر کھول کے بیٹھ جائیں گے، تو مقصد یہ ہے کہ خوشگواری یہ نہیں، خوشگواری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی دولت عطا فرمادی، دین کی دولت عطا فرمادی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق پیدا فرمادیا، حضورؐ کی امت میں داخل کردیا، اب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں پر مل کر چلو۔

رشتہ ازدواج کا مقصد:

''رشتہ ازدواج'' میاں بیوی کا رشتہ اس واسطے ہے تاکہ وہ دین پر چلنے کے لئے ایک دوسرے کے مددگار بنیں، نہ اس لئے کہ ایک دوسرے کو پکڑ کر جہنم میں لے جائیں، نکاح اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اگر ایک نہیں جانا چاہتا تو دوسرا اس کو پکڑ کر، گھسیٹ کر جہنم میں لے جائے، نہیں بھائی! اگر ایک نہ چل سکتا ہو تو دوسرا اس کو گھسیٹ کر، اٹھا کر جنت میں لے جائے، جنت والے اعمال میں، اللہ تعالیٰ کی رضامندی والے اعمال میں ایک دوسرے کی مدد کرو، تو پھر میرا اللہ تمہارے دلوں میں جوڑ پیدا کردے گا۔ تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہوگا اس کے باوجود تمہارا گھر جنت کا

نمونہ ہوگا، تم دوسروں کو کیوں دیکھتے ہو؟

انعاماتِ الٰہیہ:

تمہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں، کتنی بڑی نعمت ہیں، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، زبان دی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھی شکل وصورت عطا فرمائی ہے، کتنے انعاماتِ الٰہیہ ہیں اور تمہیں کھانے کے لئے روٹی بھی دے دیتا ہے، بس اتنا ہی ہے ناں! کہ جینا ہے، تم شکایات کے دفتر کھول بیٹھتے ہو، ہمارے پاس یہ نہیں، ہمارے پاس وہ نہیں، کبھی کلمہ شکر بھی تمہاری زبان سے نکلا ہے؟ کچھ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا بھی ہوگا، کیا بڑے، کیا چھوٹے، کیا مرد، کیا عورتیں، سب کے سب گھر میں شکر کرنے والے ہوں، تو آسمان سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمتیں نازل ہوں۔ اور اگر خدانخواستہ کسی چیز کی کمی ہے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ لو، لیکن مانگنا حاکمانہ انداز میں نہیں ہونا چاہئے، پھر اس پر بھی راضی ہوجاؤ کہ دے دیں تو عنایت ہے، نہیں دیں گے تو یہ بھی عنایت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بدعت کی حقیقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"وَاِنَّ اَنْصَحَكُمْ لِنَفْسِهٖ اَطْوَعُكُمْ لِرَبِّهٖ، وَاِنَّ اَغَشَّكُمْ لِنَفْسِهٖ اَعْصَاكُمْ لِرَبِّهٖ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ يَأْمَنْ وَيَسْتَبْشِرْ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يَخَفْ وَيَنْدَمْ، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ الْيَقِيْنَ وَارْغَبُوْا اِلَيْهِ فِى الْعَافِيَةِ، وَخَيْرُ مَا دَامَ فِى الْقَلْبِ الْيَقِيْنُ، اِنَّ عَوَازِمَ الْاُمُوْرِ اَفْضَلُهَا، وَاِنَّ مُحْدَثَاتِهَا شَرَارُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ مُحْدِثٍ مُبْتَدِعٌ، وَمَنِ ابْتَدَعَ فَقَدْ ضَيَّعَ، وَمَا اَحْدَثَ مُحْدِثٌ بِدْعَةً اِلَّا تَرَكَ بِهَا سُنَّةً، اَلْمَغْبُوْنُ مَنْ غَبِنَ دِيْنَهٗ وَالْمَغْبُوْنُ مَنْ خَسِرَ نَفْسَهٗ، وَاِنَّ الرِّيَاءَ مِنَ الشِّرْكِ، وَاِنَّ الْاِخْلَاصَ مِنَ الْعَمَلِ وَالْاِيْمَانِ، وَمَجَالِسُ اللَّهْوِ تُنْسِى الْقُرْاٰنَ، وَيَحْضُرُهَا الشَّيْطَانُ، وَتَدْعُوْ اِلٰى كُلِّ غَيٍّ، وَمُجَالَسَةُ النِّسَاءِ تُزِيْغُ الْقُلُوْبَ وَتُطْمِحُ اِلَيْهِ الْاَبْصَارُ وَهِىَ مَصَائِدُ

الشَّيطَانِ، فَاصدُقُوا اللهَ: فَاِنَّ اللهَ مَعَ مَنْ صَدَقَ، وَجَانِبُوا الْكَذِبَ، فَاِنَّ الْكَذِبَ مُجَانِبٌ لِّـلْاِيْمَانِ، اَلَا! اِنَّ الصِّدْقَ عَلٰی شَرَفِ مُنْجَاةٍ وَكَرَامَةٍ.....الخ.“

(البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۸)

ترجمہ:....”اور بے شک تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کا خیرخواہ وہ ہے جو سب سے زیادہ اپنے رب کا فرمانبردار ہو، اور بے شک تم میں سے سب سے زیادہ اپنے نفس کے ساتھ دھوکا کرنے والا وہ ہے جو اپنے رب کی سب سے زیادہ نافرمانی کرنے والا ہو، جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے وہ امن میں رہے گا، اور اس کو خوشی نصیب ہوگی، اور جو اللہ کی نافرمانی کرے وہ خوف اور اندیشہ میں رہے گا، اور اس کو ندامت حاصل ہوگی، پھر اللہ سے یقین مانگا کرو اور اس کی طرف رغبت کرو عافیت میں، اور سب سے بہتر وہ چیز جو قلب میں ہمیشہ رہے، یقین ہے، اور جو امور کہ پختہ ہوں وہ سب سے افضل ہیں، اور بے شک جو کام نئے نئے ایجاد کئے جائیں وہ سب سے بدتر ہیں، ہر نئی ایجاد کی ہوئی چیز بدعت ہے، اور ہر نئی چیز ایجاد کرنے والا مبتدع اور بدعتی ہے، اور جس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی اس نے اپنے دین کو ضائع کردیا، اور جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی اس کی نحوست سے اس نے سنت کو ترک کردیا، خسارہ میں وہ شخص ہے جس نے اپنے دین کو ہار دیا ہو، اور خسارہ میں وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس سے خسارہ پایا ہو، بے شک ریا شرک ہے، شرک کا ایک حصہ ہے، اور بے شک اخلاص عمل و ایمان

میں سے ہے، لہو ولعب کی مجلسیں قرآن کو بھلادیتی ہیں، اور شیطان ان میں حاضر ہوتا ہے، اور وہ ہر گمراہی کی طرف داعی ہوتی ہیں، عورتوں کے ساتھ ہم نشینی دلوں کو ٹیڑھا کردیتی ہے، نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں، اور یہ شیطان کا جال ہیں، پس اللہ تعالیٰ سے سچائی کا معاملہ کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ہے جو سچ بولے، اور جھوٹ سے کنارہ کش رہے، کیونکہ جھوٹ ایمان کے منافی ہے، سن رکھو کہ سچائی نجات اور عزت کے کنارے پر ہے، اور جھوٹ ہلاکت و پھسلنے کے کنارے پر۔"

اپنے نفس کا خیر خواہ؟:

یہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبہ کے چند فقرے ہیں کہ:

"تم میں اپنے نفس کا سب سے بڑا خیر خواہ وہ ہے جو اپنے رب کا زیادہ فرمانبردار ہو، اور تم میں اپنے نفس کے ساتھ سب سے بڑا دھوکا کرنے والا وہ شخص ہے جو اپنے رب کا بڑا نافرمان ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کرنا اور اس کے حکم کو بجالانا، اپنے نفس کی خیر خواہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اور اس کے حکموں کے خلاف کرنا، اپنے نفس کے ساتھ غداری، بے وفائی اور دھوکا دہی ہے، عام لوگ نفس کی خواہش ولذتوں میں اپنے نفس کی خیر خواہی سمجھتے ہیں۔

اور جو شخص کہ نفس کو اس کی لذتوں سے روکنے والا ہو، اور محنت و مشقت اور مجاہدے میں اس کو ڈالنے والا ہو، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نفس کا بدخواہ ہے۔

لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، نفس کی خواہش کو پورا نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضیوں کو پورا کرو، یہ نفس کی خیرخواہی ہے، اور اگر اللہ کی رضا کے خلاف نفس کی خواہش کو پورا کروگے تو اس کو بگاڑ دوگے اور یہ نفس کی بدخواہی ہے۔

اللہ کی فرمانبرداری پر دو بشارتیں:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اس کو دو دولتیں نصیب ہوں گی: ایک امن، دوسرا بشارت۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پکڑ سے بے خوف کردیں گے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ." (التوبہ:۶۲)

ترجمہ:...... "سن رکھو! کہ اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

کوئی مکروہ چیز پیش آنے والی ہو تو اس سے آدمی کو خوف ہوتا ہے، کوئی ناگوار چیز پیش آنے والی ہو تو خوف ہوتا ہے، اور کوئی نامناسب خبر سننے کو ملے تو اس سے آدمی کو غم ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے دوست ہیں، ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ولی کی تعریف:

اولیاء اللہ کون ہیں؟ اللہ کا ولی! تم سب اللہ کے ولی ہو بشرطیکہ اس کا کہا مانو، اللہ تعالیٰ کی مان کر چلو تو تم بھی اللہ کے ولی ہو، یوں کہتے ہیں کہ یہ جو ولایت ہے (ولی کہتے ہیں ولایت والے کو) اس کی دو قسمیں ہیں:

۱:......ایک ولایت عامہ ہے۔ ۲:......اور ایک ولایت خاصہ ہے۔

ولایتِ عامہ:

ولایت عامہ تو تمام اہل ایمان کو حاصل ہے، جس نے بھی ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہا، دل و جان سے اور زبان سے اقرار کرلیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کرلیا وہ مؤمن ہے، اور ہر مؤمن اللہ کا ولی ہے۔

ولایتِ خاصہ اور اس کے اجزاً:

اور ایک ولایت خاصہ ہے، اس کے اجزا بہت سے ہیں، لیکن تین چیزیں ان میں سب سے زیادہ اہم ہیں:

۱:......اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، نافرمانی نہ کرنا۔ اللہ کا حکم ماننا اور اس کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔

۲:......کثرت سے ذکر کرنا، اٹھتے، بیٹھتے، جاگتے، سوتے، لیٹتے اللہ کو یاد کرنا، ذکر الٰہی سے غافل نہ ہونا۔

۳:......دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کا شوق ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ تین نعمتیں عطا فرمادیں وہ ولی ہے۔

اور اس کے مراتب و درجات بے شمار ہیں، کبھی ختم ہی نہیں ہوتے، جو اللہ تعالیٰ کی مان کر چلے وہ اللہ کا ولی ہے، اور اولیاً کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ: ''لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ.'' نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والوں کو دو انعام ملیں گے۔

ولی کے لئے پہلا انعام:

پہلا انعام: امن کا حاصل ہونا، قیامت کی ہولناکیوں سے اللہ پاک ان کو امن عطا فرمائے گا، قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ. نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ." (حٰمٓ السجدہ:۳۰،۳۱)

ترجمہ:......"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر اس پر قائم رہے (پوری زندگی اسی پر گزار دی اللہ کو رب مان کر)، تو ملائکہ ان کا استقبال کریں گے (اور استقبال کرکے ان سے کہیں گے کہ) نہ تم کوئی اندیشہ کرو اور نہ ہی غم کرو، اور خوشخبری حاصل کرو (یعنی تمہیں بشارت ہو) جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے رفیق و دوست رہیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

یہ بشارت کب ملتی ہے؟ فرشتے کب استقبال کرتے ہیں؟ بعض اکابر نے کہا کہ موت کے وقت، اور بعض نے کہا کہ قبروں سے اٹھنے کے وقت۔ دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کروگے تو ایک تو امن نصیب ہوگا۔

دوسرا انعام:

دوسری بشارت نصیب ہوگی، چونکہ آدمی سفر آخرت پر اکیلا جاتا ہے، اگر اس وقت ملائکہ کی رفاقت حاصل ہوجائے کہ آؤ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں، ہمیں سارے راستے معلوم ہیں تمہیں بتلاتے جائیں گے، تو پھر کیا پریشانی؟

نافرمان کے لئے دو سزائیں:

اور جو شخص کہ اللہ کی نافرمانی کرے اسے دو سزائیں ملتی ہیں، آخرت میں جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی، مگر نقد دو سزائیں ملتی ہیں:

ا:......خوف۔ ۲:......ندامت۔

مرتے وقت بھی خوف ہوگا اور نزع کی حالت میں بھی خوف ہوگا، جب عالم آخرت کھل جاتا ہے اور غیب کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اس وقت اس شخص پر خوف طاری ہوگا، اور ندامت ہوگی، کسی نے کوئی گندا کام کیا ہو، تو اس کو ہمیشہ اندیشہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو پتہ نہ چل جائے۔ اور ایک ندامت ہوتی ہے کہ میں نے بہت برا کیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، بڑا غلط کیا، شرمندگی اور اس شرمساری کی وجہ سے نظر کو اوپر نہیں اٹھا کر دیکھ سکے گا۔

تو معلوم ہوا کہ اپنے نفس کی سب سے بڑی خیرخواہی یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگانا ہے، اور اپنے نفس کی سب سے بڑی بدخواہی اس کو گناہوں کے لئے آزاد چھوڑ دینا ہے۔

ماحول اور عزیز و اقارب کی نہیں، اللہ کی مانو!

میں بار بار کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کا نقشہ بنانے کے لئے تم اردگرد کو دیکھتے ہو کہ ماحول خراب ہے، ہمسائے کیا کر رہے ہیں؟ عزیز و اقارب کیا کر رہے ہیں؟ دوست و احباب کیا کر رہے ہیں؟ میں بھی وہی کروں! لیکن اگر تمہارے ہمسائے، تمہارے عزیز و اقارب، تمہارے دوست و احباب، تمہارے بیوی بچے جہنم کے راستہ پر چل رہے ہوں، تو ان کے پیچھے پیچھے جا کر جہنم میں چھلانگ لگانا عقلمندی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی مان کر چلو کہ وہ ہمیشہ کا ساتھی ہے، اور دوسروں کی مان کے نہ چلو کہ تمہیں دھوکا دے دیں گے اور راستہ میں چھوڑ جائیں گے۔

یقین سب سے بڑی دولت ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ سے یقین مانگا کرو، سب سے بڑی دولت یقین ہے۔

اور حدیث میں فرمایا کہ: "اَلْيَقِيْنُ اَلْاِيْمَانُ كُلُّهٗ." (بخاری ج:۱ ص:۶) یعنی یقین سارے کا سارا مکمل ایمان ہے۔ یوں کہو کہ ایمان یقین ہی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر اور غیب کے وہ نقشے جو ہمارے سامنے آنے والے ہیں، ان پر جتنا یقین بڑھتا چلا جائے گا، اتنا ہی ایمان قوی ہوتا جائے گا، اور جتنا یقین گھٹتا جائے گا، اتنا ہی ایمان بیمار و کمزور ہوتا چلا جائے گا، اللہ سے یقین مانگا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل دعا میں سے ایک ٹکڑا یہ ہے کہ:

"وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا."
(سنن ترمذی ج:۲ ص:۱۸۸)
ترجمہ:...... "یا اللہ اتنا یقین نصیب فرمادے جس کی برکت سے دنیا کی ساری مصیبتیں ہلکی پھلکی نظر آئیں۔"

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مصیبت ہلکی ہے:

کچھ نہیں ہوا بھائی! اتنا یقین ہوجائے کہ بڑی سے بڑی مصیبت بھی آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں جب تمہیں ہلکی پھلکی نظر آئے، اور قبر و حشر کی ہولناکیوں کے مقابلہ میں ہلکی پھلکی نظر آئے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: "من ابتلی ببلیتین فلیتخذ اھونھا." (جو شخص دو مصیبتوں میں سے کسی ایک مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ جو زیادہ ہلکی ہو اس کو اختیار کرے)۔

لہٰذا ہمیں یقین ہوجائے کہ آخرت کی مصیبتوں کے مقابلے میں دنیا کی مصیبتیں بہت ہلکی پھلکی ہیں، اور ہم دنیا کی مصیبتوں سے بچنے کے لئے اپنی آخرت کو برباد نہ کریں، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ آخرت کی قیمت پر دنیا حاصل نہ کریں۔

اللہ سے عافیت مانگو!

دوسری عافیت مانگو اللہ تعالیٰ سے، اللہ کی بارگاہ میں عافیت کی التجا کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ. اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ."

(ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۶)

ترجمہ:......"اے اللہ میں عافیت کی درخواست کرتا ہوں اپنی دنیا میں بھی، اور اپنی آخرت کے معاملہ میں بھی۔ یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت مانگتا ہوں اپنے دین میں بھی، اور اپنی دنیا میں بھی، اور اپنے اہل میں بھی، اور اپنے مال میں بھی۔ یا اللہ! ڈھانپ دے میرے عیوب کو، اور مجھ کو امن دے میری ان چیزوں سے جو ڈرانے والی ہوں۔"

عافیت کا معنی:

عافیت بہت بڑی چیز ہے، عافیت کے کیا معنی ہیں؟ عافیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ مکروہات سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ تو اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگا کرو، بس یہ دو چیزیں مل گئیں، ایک یقین اور دوسری عافیت، یوں سمجھو کہ دنیا و آخرت کی دولت تمہیں مل گئی، بڑے سیٹھ ہوگئے، تم بڑے غنی ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے یقین و عافیت کی دولت عطا فرمادی۔ اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ نے عافیت سلب کرلی (نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!) اس سے زیادہ وبال میں کوئی شخص نہیں، اور جس شخص کو یقین سے محروم کردیا گیا، اس سے بڑا بدبخت کوئی نہیں۔

سب سے بہتر چیز:

فرماتے ہیں: سب سے بہتر چیز جو دل میں رہے وہ یقین ہے۔

اور چیزیں تو آتی جاتی رہتی ہیں، حتیٰ کہ انسان کے اعمال میں بھی کبھی زیادہ توفیق ہوجاتی ہے، اور کبھی کم، کبھی اعمال زیادہ کرلیتا ہے اور کبھی کم کرلیتا ہے، دنیا کی دولتیں بھی کبھی کم حاصل ہوتی ہیں؛ اور کبھی زیادہ حاصل ہوجاتی ہیں، بس ایک چیز باقی رہے اور وہ یقین کی دولت ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ: باقی رہنے والی تو صرف دو ہی چیزیں ہیں: ایک ایمان اور دوسری عقل۔ اللہ تعالیٰ آخر وقت تک عقل صحیح سالم رکھے، اور دوسری چیز اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ایمان پر قائم رکھے، باقی کوئی چیز آئی اور کوئی نہیں آئی، کچھ مل گیا اور کچھ نہیں ملا:

روزہ اگر رفت گرہ باگ نیست
تو کماں کہ انکہ تو پاک نیست

ہم کہا کرتے ہیں کہ کوئی دن تھے، ایسا تھا، ایسا تھا، وہ دن چلے گئے، جانے دو، اس کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ دل کا یقین الحمدللہ! نہ سفر میں جائے اور نہ بیماری وصحت میں جائے، حتیٰ کہ نہ زندگانی میں جائے اور نہ موت میں جائے، مرنے کے بعد تو اور بھی بڑھ جائے گا، اللہ تعالیٰ ہمیں یقین دائمی نصیب فرمائے، آمین!

دوام واستقلال کی اہمیت:

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: سب سے افضل کام وہ ہیں جن کو پابندی کے ساتھ اور عزم کے ساتھ کیا جائے۔

شب برأت کو یا شب قدر کو ساری رات لوگ ٹکریں مارتے رہتے ہیں، اور دوسرے وقت میں نماز کی بھی توفیق نہیں ہوتی، بھائی! تھوڑا کرو لیکن لگ کے کرو، جسے

رہو، پختگی کے ساتھ، دوام کے ساتھ اس طرح عمل کیا جائے کہ وہ چھٹے نہیں، ہاں کوئی عارضہ پیش آجائے تو دوسری بات ہے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے کہ بیماری اور سفر اس سے مستثنیٰ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”قَالَ اِذَا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِیْ جَسَدِہٖ، قِیْلَ لِلْمَلَکِ اُکْتُبْ لَہٗ صَالِحَ عَمَلِہِ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ .....الخ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۳۶)

ترجمہ:......”جب بندہ کسی عمل کا پابند ہو، لیکن بیماری کی وجہ سے وہ عمل نہ کرسکے (یا سفر کی وجہ سے معمولات چھوٹ جائیں)، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے وہی لکھ دو جو کہ صحت اور گھر میں موجود ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا۔“

گویا یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو اپنے معمولات کا پکا تھا، لیکن اب بیماری اس کو کام نہیں کرنے دے رہی۔ اور یہ عمل سے عاجز ہے مگر ہم تو اجر دینے سے عاجز نہیں، یہ بیچارا عمل نہیں کرسکتا، مگر ہم تو اجر دے سکتے ہیں، لہٰذا اس کو پورا اجر دے دو۔ تو کبھی کرلینا اور کبھی نہ کرنا، اس سے کام نہیں چلے گا، کرو اور جم کر کرو۔ اور ایسے جم کر لگاتار کرو کہ وہ تم سے چھوٹ نہ سکے۔

حضرت علیؓ کی معمولات پر پابندی:

الف:......امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سنی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی مسلمان سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر بھی سوسکتا ہے۔ آخری رکوع اور خصوصاً ”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ“ سے

اس کو پڑھے بغیر بھی مسلمان سوسکتا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا ہوں۔

ب:......اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خاتون جنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیحات بتائیں تھیں، سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر۔ اس کا قصہ یہ ہوا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو دیکھا کہ بندے بہت بیٹھے ہیں، تو واپس چلی گئیں، دوسرے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر تشریف لائے، ارشاد فرمایا: فاطمہ! تم آئیں تھیں، کیا کوئی کام تھا؟ انہوں نے شرم کے مارے سر جھکالیا، نہیں بولیں۔ حضرت علیؓ فرمانے لگے کہ: یا رسول اللہ! میں نے ان کو بھیجا تھا، کیونکہ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر گٹھے پڑ گئے ہیں، اور گھر میں جھاڑو دیتی ہیں جس سے کپڑے میلے کچیلے ہوجاتے ہیں، میں نے ان سے کہا تھا کہ تمہارے ابا کے پاس بہت سے غلام اور باندیاں آئی ہوئی ہیں، جاؤ تم بھی ایک خادمہ لے آؤ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"اَلَا اَدُلُّکُمَا عَلٰی خَیْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا؟ اِذَا اَخَذْتُمَا مَضَاجِعَکُمَا فَسَبِّحَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِیْنَ، وَاَحْمِدَا ثَلٰثًا وَثَلٰثِیْنَ، وَکَبِّرَا اَرْبَعًا وَّثَلٰثِیْنَ، فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمَا مِنْ خَادِمٍ."

(ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۴)

ترجمہ:......"کیا میں تمہیں اس سے اچھی چیز پر دلالت نہ کروں؟ جب تم سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، اور ۳۳ مرتبہ الحمدللہ، اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو، یہ پورا سو ہوجائے گا، یہ تمہارے لئے خادمہ سے زیادہ بہتر ہے۔"

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

"فَمَا تَرَکْتُھُنَّ مُنْذُ سَمِعْتُھُنَّ مِنْ رَّسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا لَیْلَۃَ الصِّفِّیْنَ فَاِنِّیْ ذَکَرْتُھَا مِنْ آخِرِ

اللَّيْلِ فَقُلْتُهَا." (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۴)

ترجمہ:......"جس دن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتایا، اس دن سے کبھی قضا نہ ہوئی، صرف صفین کی رات پڑھنے میں تاخیر ہوئی کہ رات کے آخری حصہ میں مجھے یاد آئیں۔"

معمول ہو تو ایسا ہو، شاگرد نے پوچھا کہ: "ولا لیلة الصفین؟" صفین کی رات میں بھی قضا نہ ہوئی؟ کچھ ڈانٹ کر (کوئی اور لفظ بھی فرمایا) اور فرمایا کہ: "ولا لیلة الصفین!" صفین کی رات بھی قضا نہیں ہوئی۔ یعنی کیسی ہی پریشانی کا عالم کیوں ہو اور کیسی ہی مصروفیت کیوں ہو یہ نہیں چھوٹی۔

دراصل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر پکا رنگ چڑھا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً."

(البقرۃ:۱۳۸)

(یہ اللہ کا رنگ ہے، اور رنگنے میں اللہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟) صحبت نبویؐ کی وجہ سے اللہ کا رنگ چڑھ جاتا تھا ان پر، اور رنگ بھی پکا جو پھر اترتا بھی نہیں تھا۔ تو ارشاد فرماتے ہیں: "اِنَّ عَوَازِمَ الْاُمُوْرِ اَفْضَلُهَا." سب سے پختہ اعمال وہ ہیں جو کہ پابندی اور پختگی کے ساتھ کئے جائیں، اور سب سے بدتر کام وہ ہیں جو "محدثاتها" نئے ایجاد کئے جائیں۔

کیا دین ناقص تھا؟

کچھ لوگوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو نامکمل سمجھ کر اپنی طرف سے اس میں اضافہ شروع کردیا، عبادت کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں، یہ ختم شریف اور گیارہویں شریف تو چلتے ہی تھے، اب جلوس بھی شروع

ہوگئے ہیں، عرس شریف، جلوس شریف، میلہ شریف، نامعلوم کیا کیا شریف؟ غالباً یہ نئی نئی بدعتیں ایجاد کرنے والے سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین مکمل نہیں تھا، اب یہ اس کی تکمیل کرنے چلے ہیں۔ نعوذ باللہ!

بدعت کی نحوست:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بدعت کی ایجاد کرے، اس کی سب سے پہلی نحوست یہ ہے کہ اس سے سنت چھوٹ جاتی ہے، جب یہ لوگ کوئی نئی بات گھڑتے ہیں تو الٹا کہتے ہیں کہ جی اس میں کیا حرج ہے؟

اہل بدعت کی اُپچ:

آج ہی ایک خاتون کا ٹیلی فون آیا (برسی کر رہے تھے، گھر کے لوگ برسی کرتے ہیں، اور اس کا کوئی دستور ہوگا، انہوں نے مقرر کیا ہوگا، تمام چیزیں رکھ دی جاتی ہیں، گھر کے تمام افراد جمع ہوجاتے ہیں، مرد، عورتیں، بچے سب جمع ہوجاتے ہیں۔ اور مولوی صاحب آکر ختم شریف پڑھتے ہیں)، اس نے مجھے بتلایا اور کہنے لگی کہ: میں تمام چیزیں تیار کر کے رکھ دیتی ہوں، مگر اس مجلس میں شریک نہیں ہوتی اپنے کمرے میں بیٹھ کر ایصالِ ثواب کرتی رہتی ہوں، تو مجھ سے گھر والے کہتے ہیں کہ تم خاندان میں توڑ پیدا کرتی ہو، اور مجھ سے کہتے ہیں کہ کس قرآن میں لکھا ہے کہ برسی منانا منع ہے؟ اور یہ چیزیں منع ہیں؟ (سبحان اللہ!) کیا بدعت ہے۔

برسی کرنا کس قرآن میں ہے؟

میں نے کہا کہ مناظرہ کرنا ہے تو ان سے پوچھا کرو کہ کس قرآن میں لکھا ہے کہ برسی کیا کرو؟ تم اپنے رسم و رواج کرتے ہو، میں نہیں کہتا کہ اچھا کرتے ہو یا برا کرتے ہو، لیکن ان غلط رسوم کے لئے قرآن پاک کا حوالہ دیتے ہو؟ اور اگر کوئی اللہ کا بندہ اس سے رکنا چاہے تو تم اس کی جان کو آجاتے ہو۔ کوئی نماز نہ پڑھے تو

تمہارے خاندان میں توڑ پیدا نہیں ہوتا، روزہ نہ رکھے، تمہارا کچھ نہیں بگڑتا، دنیا بھر کی برائیاں اور قباحتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو کوئی حرج نہیں، اور اگر تمہاری ان ایجاد کردہ بدعتوں سے کوئی بچنا چاہے تو تم اس کو بچنے کی بھی اجازت نہیں دیتے! کچھ تو خدا کا خوف کرو! شیطان نے ایک ہی سوال تمہارے کان میں ڈال دیا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ اور کچھ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو: "**شر الامور محدثاتھا.**" فرمایا ہے۔ شیطان نیکی کے نام سے یہ برائیاں کرواتا ہے، تاکہ کوئی مولوی، مُلّا اس کے خلاف بول بھی نہ سکے۔

قوالی "شریف":

میں نے تمہیں لطیفہ سنایا تھا کہ چھوٹی منی بسوں میں، میں سفر کیا کرتا تھا، اللہ مجھے معاف فرمائے کہ مجھے گانوں سے اتنی نفرت ہے کہ شاید دوسرے بڑے گناہوں سے اتنی نفرت نہ ہو، میں برداشت نہیں کرسکتا، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، تو میں منی بس میں سوار ہوا، اس میں اس نے اپنا راگ رنگ لگایا ہوا تھا، میں نے کہا کہ بھائی! ذرا اس کو بند کردو! تو مجھے کہنے لگا کہ مولوی جی! قوالی ہے قوالی! اس کو کیسے بند کردیں؟ قوالی ہوتی ہے جو نعت گانوں کے انداز میں گائی جاتی ہے، وہ نعت بھی الٹی سیدھی ہوتی ہیں، اس کے ساتھ الٹے سیدھے الفاظ ملائے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ: بھائی! اللہ اور نبی پاک کا نام تو بہت بابرکت ہے، مگر تم ہی بتلاؤ کہ بہت ہی نفیس کھانا کسی گندی پلیٹ میں ڈال کر پیش کیا جائے تو اس کو قبول کیا جائے گا یا یہ اس کھانے کی توہین ہوگی؟ یہ گانے، باجے، ساز اور ان آلات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "**انما بعثت لمحق المعازف.**" مجھ کو گانے اور بجانے کے آلات توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جس گندگی کو دور کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے، آپ اس رسول پاک کا نام اسی میں لپیٹ کر سنتے سناتے ہو،

اور دلیل پیش کرتے ہو کہ یہ قوالی ہے، تو غلط کام عبادتوں کے نام پر شیطان نے ایجاد کردیئے ہیں، اور اس کے ساتھ ''شریف'' کا لفظ بھی لگادیا ہے۔

کعبہ اور روضۂ اطہر کی شبیہ:

اب ربیع الاول کے موقع پر میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ہاں روضہ شریف بنتا ہے، کعبہ شریف بنتا ہے، تمہارے کراچی میں (نعوذ باللہ! استغفراللہ!) جب کراچی میں بھی روضہ شریف اور کعبہ شریف بننے لگے تو بتلاؤ دین داری کہاں رہی اور یہ نقل ہے شیعوں کی، چونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقبرہ بناتے ہیں، جس کو تعزیہ کہتے ہیں، تم شیعوں کی مخالفت بھی کرتے ہو، ان کو برا بھلا بھی کہتے ہو، لیکن ان کے نقش قدم کو اپناتے ہو۔ اور روضہ شریف پر لوگ دعائیں کرتے ہیں، جیسے سلام پیش کیا جاتا ہے، اور کعبہ شریف کے دروازہ پر پرچیاں لٹکواتے ہیں، یہ تمہارے کراچی میں بدعات ہورہی ہیں، اور بڑے بڑے ثقہ مولوی جلوس نکالتے ہیں۔

بدعتی دین کو ناقص سمجھتا ہے:

یہ بدعتی جو ہوتا ہے، یہ اللہ اور رسول کے دین کو ناقص سمجھتا ہے کہ یہ دین نامکمل تھا، میں اب اس کی تکمیل کرنے جارہا ہوں کہ کہیں فلاں شریف ہورہا ہے، کہیں کیا ہورہا ہے۔ تمہیں شیطان نے ان چیزوں میں الجھادیا، مسجدیں تمہاری ویران ہوگئیں، قرآن کریم کبھی تم نے کھول کے نہیں دیکھا۔

مسلمانوں کا ماضی اور حال:

ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ مسجد میں حاضری دیتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے والا ہوتا تھا، ہر چھوٹا، بڑا قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا تھا، ہر چھوٹا اور بڑا ذکر و اذکار کا پابند تھا، صبح کی دعائیں، شام کی دعائیں، نماز کے بعد کی دعائیں، مسجد میں داخل ہونے کی دعا، نکلنے کی دعا، گھر میں

دسترخوان پر بیٹھنے کی دعائیں نوک زبان پر ہوتی تھیں، اور اب تمہیں تو ''لا الٰہ الا اللہ'' بھی نہیں آتا، تمہارے پاس صرف یہ تعزیہ شریف رہ گیا ہے، تم کہتے ہو کیا حرج ہے؟

بدعات نے دین کو غرق کردیا ہے:

حرج صرف اتنا ہے کہ ان بدعات نے تمہارا دین غرق کردیا، تم نے اس کو دین سمجھ لیا، اور جو دین تھا وہ تم سے چھوٹ گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ پاک اس سے سنتیں چھین لیتے ہیں، محروم ہو جاتا ہے، آج یہ امت سنت نبویؐ سے محروم، بدعات وخرافات میں مبتلا ہے، اس پر مجھے ایک حدیث یاد آئی۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

''مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ.''

(مشکوٰۃ ص:۳۱)

ترجمہ:...... ''جس قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی اس سے اس کی مثل ایک سنت اٹھالی جائے گی۔''

(میرے رسالہ ''عصر حاضر حدیث نبویؐ کے آئینہ میں'' کے اندر یہ حدیث موجود ہے کہ) ایک وقت آئے گا کہ لوگ بدعتوں کو سنت بنالیں گے، اور اگر کوئی اللہ کا بندہ کوشش کرے گا کہ اس بدعت کو ہٹادیا جائے اور مٹادیا جائے، تو لوگ کہیں گے کہ: ''ترک السنة.'' سنت چھوڑ دی گئی۔ یہ ہم سے سنت چھڑوا رہا ہے، تم نے بدعتوں کو سنت بنالیا، بدعت کی شکل میں، سنتیں تم سے غائب ہوگئیں۔

سنت کے مطابق تھوڑا عمل بہتر ہے:

بدعت کی شکل میں زیادہ عمل کرنا، اس سے بہتر ہے کہ سنت کے مطابق تھوڑا عمل کرے، کیونکہ سنت کے مطابق جو عمل کروگے وہ انشاء اللہ مقبول ہوگا، اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا، اور بدعت کی شکل میں جو کام کروگے وہ مردود ہوگا، فرماتے ہیں کہ:

"مغبون" یعنی خسارہ میں اور ہارنے والا وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو ہار دیا ہو، اور خسارہ اٹھانے والا وہ ہے جس نے اپنے دین کا خسارہ اٹھالیا ہو، نفس کو ہار دیا، یہ جواری جو ہوتے ہیں، بعض مرتبہ بیوی بچوں کو ہار دیتے ہیں، اور تم نے دنیا کا جوا کھیلا اور اس میں اپنے آپ کو ہار دیا، اور سب سے زیادہ بدقسمت اور خسارہ اٹھانے والا وہ ہے جو اپنے دین کو ہار دے، اور اس کے دین کا خسارہ ہو جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بدعات پر نکیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ اُبَیّ بْنِ کَعَبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: عَلَیْکُمْ بِالسَّبِیْلِ وَالسُّنَّۃِ! فَاِنَّہٗ مَا عَلَی الْاَرْضِ عَبْدٌ عَلَی السَّبِیْلِ وَالسُّنَّۃِ ذَکَرَ الرَّحْمٰنَ فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ فَیُعَذِّبُہٗ، وَمَا عَلَی الْاَرْضِ عَبْدٌ عَلَی السَّبِیْلِ وَالسُّنَّۃِ ذَکَرَ اللّٰہَ فِیْ نَفْسِہٖ فَاقْشَعَرَّ جِلْدُہٗ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ اِلَّا کَانَ مِثْلُہٗ کَمَثَلِ شَجَرَۃٍ یَبِسَ وَرَقُھَا فَھِیَ کَذَالِکَ اِذَا اَصَابَھَا رِیْحٌ شَدِیْدٌ فَتَحَاتَّ عَنْھَا وَرَقُھَا اِلَّا حَطَّ اللّٰہُ عَنْہُ خَطَایَاہُ کَمَا تحات عَنْ تِلْکَ الشَّجَرَۃِ وَرَقُھَا وَاِنَّ اقْتِصَادًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِنْ اجْتِھَادٍ فِیْ خِلَافِ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَسُنَّۃٍ، فَانْظُرُوْا اَنْ یَکُوْنَ عَمَلُکُمْ اِنْ کَانَ اِجْتِھَادًا اَوْ اِقْتِصَادًا اَنْ یَّکُوْنَ ذَالِکَ عَلٰی مِنْھَاجِ الْاَنْبِیَاءِ وَسُنَّتِھِمْ۔“

(حلیۃ الاولیأ ج:۱ ص:۲۵۳)

ترجمہ:......”حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ارشاد

ہے کہ واضح راستے اور سنت کو لازم پکڑ لو، جو بندہ واضح راستہ اور سنت پر ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی عذاب نہیں دے گا، جو بندہ کہ صحیح راستہ پر ہو اور سنت کے طریقے پر عمل کرنے والا ہو، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کا خیال آجائے، اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل پر غالب آجائے اور اس کی وجہ سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں، تو اس کی مثال ایسی ہے کہ پت جھڑ کے موسم میں کسی درخت کے پتے خشک ہوجائیں اور وہ جھڑنے کے قریب ہوں، اس کے بعد تیز ہوا چلے تو کثرت کے ساتھ پتے جھڑتے ہیں، اس طرح اس آدمی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپ جائے۔ اور ارشاد فرمایا کہ صحیح راستے پر ہوتے ہوئے اور سنت پر عمل کرتے ہوئے تھوڑا عمل کرلینا، یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ آدمی غلط راستے پر چلے اور کثرت سے عبادت کرتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول نہیں، جس شخص کا عمل صحیح راستے پر چلتے ہوئے سنت کے مطابق ہو تو وہ شخص انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقے اور سنت پر ہے اور یہ شخص بڑا مبارک ہے۔"

وصول الی اللہ، اتباعِ سنت سے ہی ممکن ہے:

آدمی کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ صرف ایک ذریعے سے ملتا ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے، زیادہ ٹکریں مارنے سے اللہ تعالیٰ کا راستہ نہیں ملتا، پیشانی گھسادیں، اس سے اللہ تعالیٰ کا راستہ نہیں ملتا، اللہ تعالیٰ اس سے خوش

نہیں ہوتے، داڑھی منڈوالیتے ہیں اور بیت اللہ شریف کا غلاف پکڑ کر روتے ہیں، میں نے لوگوں کو اس طرح کرتے دیکھا ہے، بے تحاشا روتے ہیں، بھائی! ایسی عبادت منہ پر ماردی جاتی ہے۔ جو سنت کے خلاف کام کرے اور پھر یہ چاہے کہ مجھے سنت کا راستہ مل جائے گا، اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں گے کلّا وربّ الکعبة! رب کعبہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا! صحیح طریقے پر آدمی ہو اور سنت پر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرے چاہے تھوڑا عمل کرے انشاءاللہ! بہت ہوجائے گا۔

حضرت نانوتویؒ کی اتباع سنت:

شاید میں نے تم لوگوں کو یہ قصہ سنایا تھا کہ سائیں توکل شاہؒ انبالہ میں تھے، اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے تھے، انہوں نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قافلہ جارہا ہے، یہ ذرا پیچھے ہیں، تو یہ دوڑ پڑے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر مل جائیں، آگے دیکھا ایک آدمی ہے، وہ ایسے جیسے کوئی کسی چیز کو تلاش کرتا ہے، تلاش کرتے ہوئے جارہا ہے تو سائیں صاحب کہتے ہیں کہ: میاں! جلدی سے آجاؤ! پنجابی زبان میں ''شوق نال بھجے آ'' یعنی شوق کے ساتھ بھاگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ جارہا ہے، وہ صاحب کہنے لگے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کے نشانات دیکھ رہا ہوں اور آپؐ کے نشانِ قدم پر قدم رکھتے ہوئے چلنا چاہتا ہوں اور پھر فرمایا کہ: اس صورت میں میں دیر سے پہنچوں گا لیکن اسی راستے سے پہنچنا چاہتا ہوں۔ سائیں صاحب خواب ہی میں کہتے ہیں کہ: تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگے کہ: مجھے محمد قاسم نانوتوی کہتے ہیں! سائیں صاحب نے تو ان کو چھوڑ دیا اور خود دوڑ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے کے ساتھ جاملے، آگے دیکھتے کیا ہیں کہ مولانا

محمد قاسم نانوتویؒ آگے موجود ہیں۔ انبالے کا اور دیوبند کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا، یعنی آدمی انبالے سے دیوبند جاسکتا تھا لیکن کبھی زیارت کا اتفاق نہیں ہوا تھا، جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، ان دنوں حضرت نانوتویؒ بیمار تھے، سردی کا موسم تھا اور کوئی پھٹی پرانی سی رضائی (لحاف) اوپر لی ہوئی تھی، سائیں توکل شاہ صاحبؒ کمرے میں داخل ہوئے تو حضرتؒ پر نظر پڑی تو ارشاد فرمایا: میں نے اس آدمی کو ہی دیکھا تھا، یعنی آپؒ کو دیکھتے ہی پہچان لیا پھر اس کے بعد تو بہت ہی زیادہ تعلق ہوگیا۔ تو اصل قصہ یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرے۔

غیر مقلدین کا اتباعِ سنت کا دعویٰ:

یہاں پر ایک بات اور کہہ دوں ہمارے غیر مقلد بھائی، لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں کہ دیکھو سنت تو یہ ہے کہ رفع یدین اور یہاں ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ باندھنا، اور جب امام ولا الضالین کہے تو اونچی آواز سے کہے کہ آمین، میں نے تو آہستہ کہا ہے، وہ ذرہ ترنم کے ساتھ کہتے ہیں، بس دین یہی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اسّی ہزار مسئلے مرتب کیے اور بیان فرمائے تھے، ان کے نزدیک کوئی چیز بھی کام کی نہیں ہے، صرف یہ کہ نماز میں دو چار مسئلے رٹ لئے بس! اور کچھ نہیں، ان بے چاروں کے پاس عقل ہی نہیں ہے اور نہ فہم ہے۔

صحابہؓ کو دیکھنے والوں کا عمل معتبر ہے:

میں اپنے ان دوستوں سے ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اس پر تمام لوگ متفق ہیں حتیٰ کہ علامہ ذہبیؒ نے اپنی دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ، چار امام ہیں ناں! ان اماموں میں صرف امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں اور تابعی وہ کہلاتا ہے جس نے صحابی کو دیکھا ہو، امام مالکؒ تابعی نہیں ہیں اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تو بہت بعد کے

لوگ ہیں۔ جس دن امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا اسی دن امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی، اتنے بعد کے ہیں، تو میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ جنہوں نے صحابہؓ کو دیکھا اور صحابہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس طرح نماز پڑھی جاتی ہے، اس کو تو نماز پڑھنی نہیں آتی، مگر تم نے خیر سے کتابوں سے دیکھ کر نماز سیکھ لی؟

صحیح بخاری سے پوری نماز دکھادو!

مجھے صحیح بخاری کھول کر پوری نماز ''اللہ اکبر'' سے لے کر ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تک نماز پڑھ کے دکھادو! تم نے دو چار مسئلے صحیح بخاری سے دیکھ لئے، تمہیں معلوم نہیں کہ یہ حدیث ناسخ ہے اور یہ حدیث منسوخ، حالانکہ یہ تمام احادیث بخاری میں لکھی ہیں۔

ایک لطیفہ:

ہمارے ایک مولوی صاحب ہیں (ذرا شرم کی بات ہے) ایک حنفی عورت کا نکاح ہوگیا تھا غیرمقلد کے ساتھ، وہ کہتا ہے کہ بخاری شریف میں یہ اس طرح لکھی ہوئی ہے، (بہت تنگ ہوئی بے چاری) اس عالم کو پتہ چلا تو اس عورت سے کہنے لگے کہ: جب تمہارے شوہر آئیں تو ان سے یہ کہئے کہ بخاری شریف میں عورتوں کا ختنہ بھی لکھا ہے، تم نے کبھی ختنہ کروایا عورت کا؟ اور بھی دو چار چیزیں ساتھ بتائیں، ذرا شرم کی بات ہے میں مناسب نہیں سمجھتا، اس آدمی نے یہ حقائق سن کر فوراً اپنے مسلک سے توبہ کرلی کہ واقعی یہ تو مغالطے ہیں اتباع سنت نہیں۔

تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ایک واسطہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان، ان کو نماز نہیں پڑھنی آئی تمہیں نماز پڑھنی آگئی چودہ سو سال کے بعد، بہرحال سنت کے مطابق عمل کرنا اس کی بہت بڑی

فضیلت ہے، اور اپنی رائے اور بدعت پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے، ہدایت کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، بقول شیخ سعدیؒ:

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

منزل پر پہنچنے کے لئے اتباع سنت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور راستے کے خلاف کوئی شخص بھی راستہ اختیار کرے گا، کبھی منزل پر نہیں پہنچے گا، منزل پر پہنچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو۔

اتباعِ نبویؐ سے سرتابی تمام انبیاءؑ کی مخالفت کے مترادف ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ حقیقت میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا راستہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دین عطا فرمایا گیا جو تمام انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین کا خلاصہ ہے، اس لئے جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے یا آپ کے راستے کے خلاف چلتا ہے حقیقت میں وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خلاف چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلنا چاہئے۔

اتباعِ سنت میں تنگی نہیں:

یہ خیال کرنا کہ ہمیں تنگی لاحق ہو جائے گی، نہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر چلتے ہوئے کبھی کسی کو تنگی لاحق نہیں ہوگی، تنگی جب لاحق ہوتی ہے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے کو اپناتے ہیں،

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ وہ ایسا سمجھئے کہ جرنیلی سڑک ہے، جس میں کوئی گڑھا نہیں ہے، کوئی کھڈہ نہیں ہے، کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، آنکھیں بند کر کے چلتے رہو اور جب ادھر یمیناً وشمالاً جاؤ گے تو پھر کسی گڑھے میں گرو گے۔

اتباعِ سنت سے انحراف میں ہی ہلاکت ہے:

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے جامع میں حضرت سعید بن المسیبؒ سے نقل کیا ہے (سعید بن المسیبؒ سید التابعین ہیں، تمام تابعین سے افضل ہیں، حالانکہ تابعین تو بے شمار ہیں اور آدمی کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون آدمی افضل تھا کون نہیں تھا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تو ہم بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ تمام صحابہؓ میں سے بالترتیب حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد عشرۂ مبشرہ افضل ہیں، وہاں تو فیصلہ ہوسکتا ہے لیکن تابعین کے بارے میں فیصلہ نہیں ہوسکتا، بڑی مشکل ہے، مگر علماءؒ فرماتے ہیں کہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ ہیں، تمام تابعین کے سردار ہیں۔ اور میں نے آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں تو حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج سے واپس تشریف لائے، غالباً یہ آخری بیان تھا آپ کا، مسجد میں تشریف لے گئے، منبر پر بیٹھے اور فرمایا:

"....اَیُّهَا النَّاسُ! قَدْ سَنَّتْ لَکُمُ السُّنَنَ وَفُرِضَتْ لَکُمُ الْفَرَائِضُ وَتُرِکْتُمْ عَلَی الْوَاضِحَةِ اِلَّا اَنْ تَضِلُّوْا بِالنَّاسِ یمینًا وشمالًا....."

(مؤطا امام مالک کتاب الحدود:۴۱ باب:۱ حدیث:۱۰ ص:۸۲۴
دار الاحیاء التراث)

یعنی تحقیق تمہارے لئے سنتیں جاری ہو چکی ہیں اور فرائض تم پر مقرر ہو چکے

ہیں اور تم صاف سیدھے راستے پر ڈال دیئے گئے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اندھیرے میں نہیں چھوڑ کر گئے، بلکہ صاف راستے پر چھوڑ کر گئے ہیں، سنتیں تمہارے لئے مقرر ہو چکی ہیں، فرائض تمہارے لئے مقرر ہو چکے ہیں اور زندگی کا پورا نقشہ اور پورا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر تمہارے لئے بیان فرمادیا ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ دائیں بائیں راستے پر چل کر نہ بھٹکو۔ آپ نے سنا ہے ناں! کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حوض کوثر دیا جائے گا مدینہ شریف سے لے کر یمن تک جگہ ہے وہاں تک ہوگا۔

صراطِ مستقیم کی کشادگی:

میں ایک مثال دیتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو راستہ دیا گیا ہے الحمدللہ! اتنا کشادہ ہے کہ پوری امت اس پر چل سکتی ہے اور کسی کے بھٹکنے کی گنجائش نہیں، لیکن اگر کوئی شخص امت سے الگ رہتا ہے، "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ." جو شخص امت سے الگ ہوگا وہ جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

افضل الکلام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے تو ارشاد فرمایا کہ: ہمارے لئے دو چیزیں ہیں: ایک چلنے کا طریقہ، اور ایک بات کرنا۔ جہاں تک بات کرنے کا تعلق ہے افضل الکلام یا اصدق الکلام فرمایا، تمام باتوں میں سب سے زیادہ سچی اور سب سے زیادہ افضل کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قرآن مجید ہے، اس کو اختیار کرو، قرآن مجید پڑھا کرو۔

ہمارے ایک مولانا صاحب، جو حافظ تھے، فرماتے تھے کہ قرآن کریم ہم پڑھتے ہیں، مگر آگے پیچھے تو ہمیں فرصت نہیں ملتی البتہ رمضان میں پڑھتے ہیں۔

اخبار بینی کا فتنہ:

سچی بات یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں کو قرآن کریم پڑھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، اگر اس پوری جماعت میں پوچھا جائے کہ کتنے آدمی ایسے ہیں جو ہر ماہ ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے ہیں، شاید سوال کا جواب مشکل ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا ذوق عطا فرمایا ہے، اخبار تو بہت پڑھتے ہیں، میرے بعض بھائی ایسے ہیں کہ اول سے لے کر آخر تک ''میر خلیل الرحمٰن'' کے نام سے لے کر آخر تک پورا اخبار پڑھتے ہیں اور ساتھ ساتھ اشتہار بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، اب اخبار اتنے موٹے موٹے ہوگئے ہیں کہ آدمی اگر پڑھنے لگے تو سارے دن میں ختم نہیں ہوسکتا، کوئی سرخی وغیرہ دیکھ لی، کوئی خاص خبر ہوئی دیکھ لی وہ تو خیر الگ بات ہے، باقی جو دوسرے قصے کہانیاں، جتنے اخبارات میں لکھے ہوئے ہیں اگر کوئی پڑھنے لگے تو میرا خیال ہے کہ نہیں پڑھ سکتا اور یہ اخبارات شیطان کی ایک ایسی ایجاد ہے جس نے امت مسلمہ کو اور اس کے اوقات کو گمراہ کرنے اور ضائع کرنے کا طریقہ ایجاد کردیا ہے۔

میرے گھر میں دو اخبار آتے ہیں، کل بھی میں نے نہیں پڑھا، اخبار میں کیا تھا کیا نہیں تھا؟ کچھ نہیں معلوم، بچے اخبار کو اِدھر اُدھر غائب کردیتے ہیں، میں تلاش بھی نہیں کرتا اور آج بھی نہیں پڑھا، کبھی کوئی اخبار سامنے آجاتا ہے تو ایک آدھ سرخی دیکھ لیتا ہوں۔

تلاوتِ قرآن کا ثواب:

حضرت فرماتے تھے کہ: ایک ہے زندگی کا طریقہ اور ایک ہے کلام، تو کلاموں میں سے سب بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ سبحان اللہ! ایسا کلام، ایسا کلام کہ ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملیں، قرآن کریم کے علاوہ کوئی ایسا کلام ہے

جس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملیں؟ یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ میں قرآن کریم سامنے کھول کر پڑھتا ہوں تو ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر قرآن کریم بند کر کے پڑھوں، زبانی تو ایک حرف پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر نماز میں پڑھوں تو ایک حرف پر سو نیکیاں ملتی ہیں، مجھے دنیا کی کوئی کتاب ایسی بتاؤ کہ جس کے پڑھنے پر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہوں یا پچاس نیکیاں ملتی ہوں یا سو نیکیاں ملتی ہوں؟

اخبار بینی وقت کا ضیاع ہے:

جب تم اس کا مقابلہ کرو گے تو پھر تمہیں خود محسوس ہوگا کہ ہم اخبار پڑھ پڑھ کر وقت ضائع کر رہے ہیں، میرے پاس اور آپ کے پاس فالتو وقت نہیں ہے، چند لمحات ہیں، چند سانس ہیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے گن کر دے دیئے ہیں، یہاں سے شروع ہوگا اور یہاں ختم ہوجائے گا بس۔ قبر میں تمہیں اخبار بھیج دیا کریں گے، بڑا فرصت کا وقت ہوگا، وہاں اخبار پڑھتے رہا کرنا، اگر میرے قبضۂ قدرت میں ہوتا اور حکومت میرے پاس ہوتی تو میں سب سے پہلا کام یہ کرتا کہ یہ اخبار بند کر دیتا، معمولی اخبار چار صفحے کا بس یہ کافی ہے، خبریں معلوم ہوجائیں گی۔

تو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو چیزیں ہیں ایک ''ہدیٰ'' یعنی طریقہ اور دوسرے ''کلام'' تو جہاں تک کلام کا تعلق ہے سب سے افضل ترین کلام، سب سے اعلیٰ ترین کلام اور سب سے سچا کلام وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اور میں نے بتا ہی دیا ہے کہ قرآن کریم کا کوئی کتاب بھی مقابلہ نہیں کرسکتی حتیٰ کہ حدیث شریف وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پر ایسی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی

فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، اللہ تعالیٰ کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسی ہے ویسے ہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام پر ہے، باقی یہ ضرور ہے بھائی! کہ قرآن کریم کی ایک ایک چیز سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی ضرورت پیش آتی ہے، وہ آگے میں ذکر کروں گا۔ تو ایک بات تو ہے اللہ تعالیٰ کا کلام سب سے افضل ترین کلام ہے، سب سے اعلیٰ ترین کلام ہے، سب سے سچا کلام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

بہترین راستہ:

دوسری چیز تھی طریقہ، راستہ "وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ." سب سے بہترین طریقہ، سب سے بہترین راستہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور قرآن کریم اور حدیث شریف کے خلاف جو چلے گا اس کے بارے میں فرمایا گیا:

"شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، اَلَا كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ."

(مسند احمد ج:۳ ص:۳۱۹، مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۷۱)

ترجمہ:...... "بدترین کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کردہ ہوں، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔"

یعنی ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کی پوری سیرت پڑھو تمہیں کہیں نہیں ملے گا کہ سڑکوں پر، سواریوں پر بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوس نکالا کرتے تھے، اب یہ بتاؤ! کہ یہ بدعت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کئے، وہ تم نے کر لئے نعوذ باللہ! تم نعوذ باللہ! تمہیں عقل زیادہ آگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ ہر بدعت

گمراہی ہے جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تم نے کر کے دکھایا اور ہر بدعت فی النار ہے یعنی دوزخ میں ہے۔

آرزوؤں کا وبال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اَلَا لَا یَتَطَاوَلَنَّ عَلَیْکُمُ الْاَمْرُ فَتَقْسُوَ قُلُوْبُکُمْ."

(حیاۃ الصحابہ ج:۶ ص:۳۶۱)

دیکھو! میں ایک مثال دیتا ہوں، ہم کپڑا نیا پہن کر کے آتے ہیں، اس کا رنگ و روغن اور ہوتا ہے، لیکن وہ دھلتے دھلتے بالکل نکھر ہی جاتا ہے، فرمایا کہ زمانہ تم پر طویل نہ ہوجائے، ورنہ تمہارے دل سخت ہوجائیں گے اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی باتیں تمہارے دل پر اثر نہیں کریں گی، دل کو اللہ تعالیٰ نے اخّاذ بنایا ہے یعنی اخذ کرنے والا اور دل ہوگیا ہے سخت، کوئی چیز اس پر اثر ہی نہیں کرتی اور فرمایا کہ یہ دنیا کی آرزوئیں تمہیں غافل نہ کردیں، آدمی یہ کہتا ہے کہ یہ کام بھی ابھی کرنا ہے، یہ کام بھی کرنا ہے اس پریشانی میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کا فرشتہ آجاتا ہے، کہتا ہے کہ چلئے! کہتا ہے کہ: کہاں چلیں؟ کہنے لگا کہ: حکم آگیا ہے چلنے کا!

خواہشات اور موت کا چوکٹا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقشہ بنا کر کے دکھایا، ایک چوکٹا بنایا اور اس چوکٹے کے درمیان میں ایک لکیر کھینچی اور لکیر کھینچنے کے بعد اس کے ارد گرد لکیریں کھینچیں، فرمایا میں نے کیا بنایا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: اللہ ورسولہ اعلم! اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ جو میں نے چوکٹا بنایا ہے، چار خانہ یہ تو انسان کی اجل ہے جو اس کے

چاروں طرف سے محیط ہے اور یہ درمیان میں بندہ ہے، چل رہا ہے اور یہ جو ارد گرد میں نے نشانات لگائے ہیں، یہ آدمی کے لئے رکاوٹیں ہیں، کوئی اِدھر سے کھینچ رہا ہے، کوئی اُدھر سے کھینچ رہا ہے اور آدمی کی خواہش اس دائرے سے باہر ہے، آدمی اس خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔

خواہشات کو دل سے نکال دو:

خواہش کرو ہی کیوں؟ نکال دو خواہش کو، میرے اللہ نے روزی دینی ہے، روز کی روز دینی ہے، تین دن کے بعد اگر چوتھا دن ہوجائے تو آدمی کے لئے مردار حلال ہوجاتا ہے، میرے خیال میں ہم میں سے پوری جماعت میں ایک آدمی کو بھی یہ قصہ پیش نہیں آیا ہوگا کہ تین دن ہم پر گزر گئے ہوں اور چوتھا دن آگیا تو ہم پر مردار حلال ہوگیا۔ وہ روز کے روز لئے کھڑا ہے، تم کس لئے فکر مند ہوتے ہو؟ تمہارے سوچنے سے اور کرنے سے ہوگا کچھ نہیں اور ان کے کرنے سے سب کچھ ہوجائے گا، تو جس کے کرنے سے سب کچھ ہوجاتا ہے تم اسی کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟

گیا وقت نہیں آتا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے اور جو چیز آنے والی نہیں وہ بہت دور ہے، وہ لحہ جس لحہ میں میں نے بات شروع کی تھی وہ لحہ دوبارہ واپس نہیں آسکتا، رسّے ڈال کر کھینچ لیں تب بھی واپس نہیں آسکتا اور جو وقت آنے والا ہے آئندہ اور انہی میں ہماری موت بھی ہے وہ بہت قریب ہے، ہم چاہے اس کو دور سمجھیں، وہ دور نہیں ہے بہت نزدیک ہے۔

اتباع سے وصول، بدعت سے دوری ہوتی ہے:

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَلْاِقْتِصَادُ فِي السُّنَّةِ اَحْسَنُ مِنَ الْاِجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ."

(مستدرک حاکم ج:۱ ص:۱۰۳)

ترجمہ:......"حضرت امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سنت میں پیروی کرنا، میانہ روی کرنا یعنی آہستہ چال چلنا، ذرا ٹھہر کے چلنا، جلد بازی نہ کرنا یہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت بدعت کے کام میں محنت کرنے سے۔"

اتباعِ سنت کے کام میں تو آدمی آہستہ چلے، چلتا رہے گا، چلتا رہے گا انشاءاللہ! منزل پر پہنچ جائے گا۔ اور خلافِ سنت کام میں آدمی اگر محنت بھی کرے جتنا محنت کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور جائے گا، اس لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرو اور ہم نے جو چیز اپنے ماحول میں دیکھی، اردگرد دیکھی اس کا اعتبار نہیں ہے بھائی۔

پیچھے چلنے سے پہنچ جاؤ گے:

"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَزَلَ الْقُرْآنُ وَسَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّنَنَ. ثُمَّ قَالَ: اِتَّبِعُوْنَا فَوَاللهِ! اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا تَضِلُّوْا."

(مسند احمد ج:۴ ص:۴۴۵)

ترجمہ:......"حضرت عمران بن حصینؓ (میں نے بتایا تھا کہ یہ باپ اور بیٹا دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما، اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو) وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم نازل ہوا اور قرآن کریم کی آیات تمہارے سامنے آگئیں اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے سنتیں جاری کردیں۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلو! (حضرت عمران بن

حصینؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے پیچھے پیچھے چلو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے والے تھے اور ہم ان کے پیچھے چلیں) تو تم منزل پر پہنچ جاؤ گے اور اگر تم ہمارے پیچھے نہیں چلے، اپنا الگ راستہ اختیار کرلیا تو گمراہ ہوجاؤ گے۔"

سب کچھ قرآن میں نہیں ہے:

"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ: اِنَّكَ اِمْرَؤٌ اَحْمَقُ! اَتَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللهِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا لَا تَجْهَرُ فِيْهَا بِالْقِرَاءَةِ؟ ثُمَّ عَدَّدَ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَنَحْوَ هٰذَا، ثُمَّ قَالَ: اَتَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللهِ مُفَسَّرًا؟ اِنَّ كِتَابَ اللهِ اَبْهَمَ هٰذَا وَاِنَّ السُّنَّةَ تُفَسِّرُ ذٰلِكَ."

(حیاۃ الصحابہ ج:۵ ص:۳۶۲)

ترجمہ:......"ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما (سے یہ کہا کہ فلاں چیز مجھے قرآن کریم میں نہیں ملی) نے فرمایا: تم احمق آدمی ہو! تم یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ چیز ملتی ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قرأت جہر سے نہیں کی جاتی؟ یہ چیز تمہیں قرآن میں ملتی ہے؟ کہنے لگا کہ: نہیں! کہنے لگے کہ: یہ چیز تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بتائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو سمجھ رہے تھے اور اس کو بیان فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ فجر کی دو رکعتیں ہیں۔"

کہیں دو رکعتیں فجر کی لکھی ہوئی ہیں قرآن کریم میں؟ ظہر کی چار رکعتیں

فرض ہیں، عصر کی چار رکعتیں فرض ہیں، مغرب کی تین رکعتیں فرض ہیں اور عشاء کی چار رکعتیں فرض ہیں، فجر، مغرب اور عشاء میں قرأت اونچی آواز سے کی جاتی ہے، ظہر اور عصر میں اونچی نہیں کی جاتی، یہ کہیں لکھا ہوا ہے قرآن کریم میں؟ کہا: نہیں! کہنے لگے: احمق آدمی! یہ باتیں تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہیں اور اگر تم اس سے منکر ہوجاؤ گے تو کافر ہوجاؤ گے۔

منکرین حدیث کا مغالطہ:

ہمارے منکرین حدیث کو سب سے بڑا مغالطہ یہی ہوا کہ یہ چیز قرآن کریم میں نہیں ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا تھا اور بالکل صحیح فرمایا تھا کہ تم دو رکعتیں قرآن کریم سے پڑھ کر سنا دو اور زیادہ نہیں کہتا، اس سے بحث نہیں کہ تم کون سی رکعت پڑھو، رات کی پڑھو، دن کی پڑھو، دو رکعتیں پڑھ کے قرآن کریم سامنے رکھ کر ہمیں پڑھ کر سنادو۔ کوئی افلاطون کا بیٹا بھی نہیں کرسکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال نماز پڑھ کر کے دکھائی ہے، وہ تمہارے نزدیک حجت نہیں نعوذ باللہ! استغفراللہ! جن پر یہ قرآن کریم نازل ہوا اور انہوں نے اس قرآن کریم پر عمل کرکے یہ نمازیں پڑھائیں، نماز فرض بھی پڑھائی، نماز نفل بھی پڑھائی، سنتیں بھی پڑھائیں اور وتر بھی پڑھائے اور پڑھے بھی، تم ان کو کہتے ہو کہ ایسی چیز ہے۔

نہیں بھائی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریقہ سے جو کام کیا ہے اس کو پورا کرو بس! قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سمجھنے والا کوئی نہیں تھا، قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور ہمیں سمجھایا، صحابہ کرامؓ کو سمجھایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سمجھایا، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو سمجھایا اور چلتے چلتے یہ ہم تک پہنچا، الحمدللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی متواتر ہم تک پہنچے ہیں۔

اتباعِ صحابہؓ کی ترغیب:

ایک چھوٹی سی حدیث اور سنا دیتا ہوں:

”عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: مَنْ کَانَ مُسْتَنًّا فَلْیَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَاِنَّ الْحَیَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَیْهِ الْفِتْنَةُ، اُولٰئِکَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانُوْا اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرُّهَا قُلُوْبًا، وَاَعْمَقُهَا عِلْمًا، وَاَقَلُّهَا تَکَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِیِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِیْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰی اٰثَرِهِمْ، وَتَمَسَّکُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِیَرِهِمْ فَاِنَّهُمْ کَانُوْا عَلَی الْهُدٰی الْمُسْتَقِیْمِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۲)

ترجمہ:...... ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جس شخص کو اقتدا کرنی ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہؓ کی اقتدا کرے، جو کہ دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، کیونکہ جو زندہ آدمی ہے اس کے بارے میں کیا معلوم کہ خدانخواستہ فتنے میں مبتلا ہوجائے اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، ان کے دل امت میں سب سے زیادہ پاکیزہ تھے، اور ان کا علم سب سے زیادہ گہرا تھا، ان میں سب سے زیادہ کم تکلف تھا، ان کا طریقہ سب سے زیادہ سیدھا تھا اور ان کی حالت سب سے زیادہ اچھی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چنا۔“

وہ کتنے خوش قسمت ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا تھا، ہم بھی تو پہلے آسکتے تھے، لیکن ہمیں اپنے وقت پر آنا ہوا۔

میں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس وقت پہنچایا، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ہدایت عطا فرمادی، اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہمیں سمجھ میں نہ آتیں، خدا جانے ابوجہل کے ساتھ ہوتے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری حفاظت فرمائی۔

فرمایا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت کا اعتراف کرو اور ان کے نشانِ قدم پر چلو! اس لئے کہ وہ سیدھی ہدایت پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قرآن کریم سیکھ کر
پڑھنے کے فضائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"تَعَلَّمُوْا كِتَابَ اللهِ فَإِنَّهُ اَفْضَلُ الْحَدِيْثِ، وَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ فَإِنَّهُ رَبِيْعُ الْقُلُوْبِ، وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِهٖ فَإِنَّهُ شِفَاءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ، وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَإِنَّهُ اَحْسَنَ الْقَصَصِ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْكُمْ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ، وَإِذَا هُدِيْتُمْ لِعِلْمِهٖ فَاعْمَلُوْا بِمَا عَلِمْتُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ، فَإِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ كَالْجَاهِلِ الْجَائِرِ الَّذِىْ لَا يَسْتَقِيْمُ عَنْ جَهْلِهٖ بَلْ قَدْ رَأَيْتُ اَنَّ الْحُجَّةَ اَعْظَمُ وَالْحَسْرَةُ اَدْوَمُ عَلٰى هٰذَا الْعَالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهٖ عَلٰى هٰذَا الْجَاهِلِ الْمُتَحَيِّرِ فِىْ جَهْلِهٖ، وَكِلَاهُمَا مُضَلَّلٌ مَثْبُوْرٌ، لَا تَرْتَابُوْا فَتَشُكُّوْا، وَلَا تَشُكُّوْا فَتَكْفُرُوْا، وَلَا تُرَخِّصُوْا لِاَنْفُسِكُمْ فَتَذْهَلُوْا، وَلَا تَذْهَلُوْا فِى الْحَقِّ فَتَخْسَرُوْا." (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۷)

ترجمہ:......"اللہ کی کتاب کو سیکھو، اس لئے کہ یہ افضل کلام ہے، اور دین میں تفقہ حاصل کرو، اس لئے کہ یہ دلوں کی بہار ہے، اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کیونکہ وہ شفا ہے سینوں کی بیماریوں کے لئے، اور اس کی خوب تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے بہترین بیان ہے، اور جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور جب تم کو ہدایت حاصل ہوجائے اس علم کی تو جو تم نے قرآن کریم سے سیکھا ہے، تو اس پر عمل کرو تاکہ تم کو ہدایت کا راستہ نصیب ہو، پس بے شک جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو وہ اس جاہل کی مانند ہے جو راستے سے بھٹکا ہوا ہو اور اپنی جہالت سے سیدھی راہ پر نہ آتا ہو، بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو عالم اپنے علم سے نکلا ہوا ہو اس پر حجت بڑی اور حسرت دائمی ہے بہ نسبت اس جاہل کے جو اپنے جہل میں متحیر ہے، اور دونوں گمراہ اور ہلاک ہونے والے ہیں، تردد میں نہ پڑا کرو ورنہ تم شک میں پڑ جاؤ گے، اور دینی حقائق میں شک میں نہ پڑو ورنہ تم کافر ہوجاؤ گے، اور اپنے نفسوں کے لئے رخصتیں نہ تلاش کیا کرو ورنہ تم بھول میں پڑجاؤ گے اور حق کے معاملے میں بھول اختیار نہ کرو ورنہ تم خسارے میں پڑجاؤ گے۔"

قرآن کریم کی انفرادیت:

اس خطبہ میں پہلے یہ بات فرمائی کہ اللہ کی کتاب کو سیکھو اس لئے کہ یہ سب سے بہتر کلام ہے، اس سے احسن، اس سے افضل، اس سے انفع اور اس سے بہتر کوئی

کلام نہیں ہے۔

میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ محض اس کی تلاوت کرنا، اس کا پڑھنا موجب اجر وثواب ہو، جبکہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے کہ اس کے الفاظ کی تلاوت بھی موجب اجر وثواب ہے، صرف اس کے الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی مستقل عبادت ہے، چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاذَرٍّ! لَاَنْ تَغْدُوْ فَتَعَلَّمَ آيَـةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ وَلَاَنْ تَغْدُوْ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عَمِلَ بِهٖ اَوْ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تُصَلِّيَ اَلْفَ رَكْعَةٍ."

(ابن ماجہ ص:۲۰)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تو اس طور پر صبح کرے کہ قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تیرے لئے ایک سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، اور یہ کہ تو اس طور پر صبح کرے کہ دین کا ایک باب سیکھ لے چاہے تو اس پر عمل کرے یا نہ کرے، تیرے لئے ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔"

ایک آیت سیکھنے کا ثواب:

پہلی بات کہ ایک آیت سیکھ لے یہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! سمجھ کر یا بے سمجھے؟ فرمایا: خواہ سمجھ کر یا بے سمجھے۔ تو قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لیں چاہے اس کا مضمون سمجھ میں آئے یا نہیں آئے دونوں صورتوں میں یہ اجر برابر ہے۔

دوسری بات کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! خواہ عمل

کرے یا نہ کرے؟ فرمایا: خواہ عمل کرے یا نہ کرے۔ یعنی علم سیکھنے کی فضیلت الگ ہے اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت الگ ہے، یہ مضمون آگے آرہا ہے۔ تو کتاب اللہ کو سیکھو اور سیکھنے کا شوق پیدا کرو۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد میں تشریف لائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول تھے، ان میں سے کچھ چھوٹی عمر کے تھے، کچھ بڑی عمر کے تھے، عام طور پر بڑی عمر کے لوگوں کی زبان سیدھی نہیں ہوتی، تلفظ میں بڑی مشکل ہوتی ہے، ان صحابہؓ میں کچھ عرب تھے، کچھ عجم تھے، عجمیوں کے لئے عربی زبان کا تلفظ مشکل ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ: "اِقْرَؤُوْا فَکُلٌّ حَسَنٌ." (مشکوٰۃ ص:۱۹۱) یعنی سب ٹھیک ہے، سیکھتے رہو۔

دورِ حاضر کی رسم:

ہمارے اس زمانے میں یہ رسم چل نکلی ہے کہ ہر چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے پر قرآن سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ آپ ہی آپ آجاتا ہے، کسی میاں جی کے پاس، کسی قاری صاحب کے پاس الفاظ سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، جیسے اردو الفاظ خود ہی آجاتے ہیں، ویسے ہی یہ قرآن بھی آجاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یعنی معنی سیکھنے کی ضرورت نہیں بس ترجمہ دیکھ لینا کافی ہے، بہت سے لوگ مجھے حوالے دیا کرتے ہیں کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں یہ مضمون لکھا ہے میں نے اس پر عمل کیا ہے، اپنے پاس سے مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تم یہ مسئلہ بتاتے ہو۔

ایک واعظ صاحب وعظ کہہ رہے تھے، امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پاس سے گزرے، اس سے فرمایا: تم قرآن کریم کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہو؟ مجمل اور مفصل کو، محکم اور متشابہ کو جانتے ہو؟ اس واعظ نے کہا کہ: نہیں! فرمایا: تم سے کس

نے کہا تھا وعظ کہنے کو؟ غلط سلط جو منہ میں آئے گا ہانکو گے، تو قرآن کریم کے الفاظ کو بھی سیکھو اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو اس کا معنی اور مفہوم بھی سمجھو۔

سب سے آسان اور مشکل کتاب:

میں ہمیشہ ایک بات کہا کرتا ہوں، ایک فقرہ کہا کرتا ہوں کہ میں نے دنیا میں قرآن کریم سے زیادہ آسان کتاب نہیں دیکھی اور قرآن کریم سے زیادہ مشکل کتاب نہیں دیکھی، پڑھتے پڑھاتے عمریں بیت گئیں، بال سفید ہوگئے لیکن سمجھ میں نہیں آیا اور لوگ قرآن کریم کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بن جاتے ہیں، تو اس زمانے میں لوگوں کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ سب کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، لیکن قرآن کریم سیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ اپنے آپ ہی آجاتا ہے اور یہ جو ہمارے لوگ ہیں جو علمأ سے تھوڑا بہت تعلق رکھتے ہیں یہ تو بے چارے تھوڑا بہت اردو ترجمہ دیکھ لیتے ہوں گے، یہ جو اونچے طبقے کے لوگ ہیں ان کے لئے اردو ترجمہ دیکھنا بھی گناہ ہے، یہ انگریزوں کا ترجمہ دیکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ پکتال کا ترجمہ دیکھ لیا، یوسف علی کا دیکھ لیا بس۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی معلومات کی تصحیح کرواؤ کہ تم نے جو سیکھا ہے وہ صحیح بھی ہے؟ اور تم نے جو سمجھا ہے وہ صحیح بھی سمجھا ہے یا نہیں؟

عالمگیرؒ کی حکمت:

عالمگیرؒ کا لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے امرأ، وزرأ میں مسجد کی طرف رغبت کچھ کم ہو رہی ہے، حکم دے دیا کہ جو میاں جی سے، مسجد کے امام سے اتنی آیتیں سیکھ کے آئے گا اس کو اتنا انعام ملے گا، اور اتنی ترقیات ہوں گی، سب لوگ دوڑے میاں جی اور قاری صاحب کے پاس، یہ تو عالمگیرؒ کا انعام تھا۔

اللہ کا انعام:

عالمگیرؒ کے خدا کا انعام یہ ہے کہ قرآن کے قاری سے کہا جائے گا کہ:

"اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُهَا." (مشکوٰۃ ص:۱۸۶)

ترجمہ:......"پڑھتا جا اور چڑھتا جا (جتنی آیتیں پڑھو گے اتنے درجے بلند کردیں گے) جس طرح تم ترتیل کے ساتھ، آہستگی کے ساتھ دنیا میں پڑھتے تھے، ویسے پڑھو، جہاں تمہارے قرآن کی آخری آیت ختم ہوگی وہی تمہارا مرتبہ ہوگا (چڑھ جاؤ جتنا تم سے اونچا چڑھا جاتا ہے، یہ ترقیات ہیں)۔"

ہر عمر والا قرآن سیکھے:

تو قرآن کریم کو سیکھو بھائی! اس کے الفاظ کو بھی سیکھو، اس میں عار نہ کرو، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سے ایسے تھے جن کی عمریں پختہ ہوگئی تھیں، ساٹھ سال کے تھے، ستر سال کے تھے، اس کے باوجود انہوں نے قرآن کریم سیکھا، تو مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کوئی دس سال کی تھی، صحیح بخاری میں یہ قصہ ہے۔ تو اتنے بڑے اونچے جلیل القدر صحابی جن کا شمار ان دس صحابہؓ میں ہے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور جو "اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" ہیں، (اس امت میں سب سے افضل ہیں)، لیکن ان کو عار نہیں ہے کہ میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پڑھتا ہوں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت ابن عباسؓ کے پاس قرآن کریم کی

مشق کرتے تھے، جب کہ یہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سیکھتے تھے، تو قرآن کریم کو سیکھو "فانہ افضل الحدیث" سب سے افضل حدیث اور سب سے افضل کلام ہے، "وَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ" اور دین کا فہم حاصل کرو۔

دین داری اور فہم دین:

یاد رکھو! ایک ہے دینداری، اور ایک ہے دین کا فہم، اور ایک ہے مزاج کا دین کے مطابق ڈھل جانا، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔

میں بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ماشاٗاللہ دیندار ہیں، متشرع ہیں، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے، ماتھے پر محراب ہے، حاجی بھی ہیں، نمازی بھی ہیں لیکن مزاج دینی نہیں ہے، دین میں ڈھلا ہوا نہیں ہے، اور بہت سے ایسے ہیں کہ ماشاٗاللہ دیندار ہیں، مسئلے مسائل پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن دین کا فہم نہیں ہے، بس ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر اسرار احمد ہے، خود ہی مجتہد بن گئے، اکبر مرحوم نے کہا تھا:

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں؟
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں!

مطالعہ کا علم:

وہی بات جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ ساری عمر تو انگریزی پڑھتے رہے، گھوٹتے رہے اور اپنے بیانات میں بھی حوالے نامعلوم کن کن انگریزوں کے دیتے ہیں، الفاظ تو بولتے ہی تھے، تحریر میں بھی دیکھو تو آدھے الفاظ انگریزی رسم الخط میں لکھتے ہیں، اب میرے جیسا اس کو کیا سمجھے گا؟ لیکن دین کسی سے سیکھا نہیں ہے، ان کا دین بس اپنے فہم کی پیداوار ہے، جتنا خود مطالعے سے سمجھ لیا، سمجھ لیا کسی سے سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی! اپنے آپ مطالعہ کر کے آپ کبھی عدالت میں وکیل کی حیثیت سے

کھڑے نہیں ہوسکتے کہ میں نے قانون کا مطالعہ کیا ہے، قانون کو جج سے زیادہ جانتا ہوں، اور ڈاکٹری کے فن کا اپنے آپ مطالعہ کرکے بھی آپ کسی ہسپتال میں مریض کا آپریشن نہیں کرسکتے بلکہ دوا بھی نہیں دے سکتے، آپ یہ کہیں کہ میں نے بہت مطالعہ کیا ہوا ہے، پوچھنے والے پوچھیں گے: ڈگری ہے؟ استادوں نے تمہارے علم کی تصدیق کی ہے یا نہیں؟ کیا قرآن اور حدیث کے علم کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کسی استاذ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ خالد اسحٰق بھی محقق، ڈاکٹر اسرار بھی محقق اور فلاں بھی محقق اور فلاں بھی محقق، بڑے اونچے اونچے القاب کے ساتھ نام چھپتا ہے، ممتاز عالم دین اسکالر، نہ شکل دین کے مطابق، نہ عقل دین کے مطابق! تفقہ فی الدین کی ضرورت ہی نہیں، جو سمجھ میں آگیا بس وہ ٹھیک ہے:

فَسَوْفَ تَریٰ اِذَا کَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارٌ

ترجمہ:...... ''یہ غبار چھٹنے دو تو جب پتہ چلے گا کہ
تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟''

میدان حشر میں مقالے کام نہ آئیں گے:

وہاں میدان محشر میں یہ کرتب نہیں چلیں گے کہ اتنے مقالے لکھے تھے اور اس طرح اس طرح لوگ داد و تحسین دیا کرتے تھے، وہاں ایک ایک حرف کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس سے سیکھ کر لکھا تھا؟ کیسے لکھا تھا اور کس نیت سے لکھا تھا؟ اسی لئے فرمایا: ''یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ'' (اس دن دلوں کے بھید اگل دیئے جائیں گے)، بھائی! دین کا فہم حاصل کرو، دین کے مسائل سیکھو اور ان مسائل کا صحیح فہم بھی حاصل کرو، اس لئے کہ: ''فَاِنَّهٗ رَبِیْعُ الْقُلُوْبِ'' (یہ دلوں کی بہار ہے) دین کا فہم حاصل کرنے سے دل باغ و بہار ہوجائیں گے۔

فقہ میں لطف:

ہمارے مفتی ولی حسن مرحوم جن کا ابھی رمضان میں انتقال ہوا ہے، مجھ سے فرماتے تھے کہ میں جب فقہ کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا لطف آتا ہے جیسے لوگوں کو ناول افسانے پڑھنے میں لطف آتا ہے۔

فقہ قانون کو کہتے ہیں اور قانون سب سے زیادہ خشک موضوع ہے، شعروں کی کتاب پڑھنا آسان، وعظ کی کتاب پڑھنا آسان کیونکہ اس میں وعظ اور چٹکلے ہوتے ہیں اور تاریخ و سوانح پڑھنا آسان، کیونکہ اس میں قصے کہانیاں ہوتی ہیں، خالص قانونی الفاظ کا نام فقہ ہے اور پھر اس کی بال کی کھال اتارنا یہ شق کیوں رکھی گئی ہے؟ اس مسئلے میں یہ قید کیوں لگائی گئی ہے؟ لہٰذا فقہ بڑا خشک موضوع ہے، لیکن اگر کسی کو تفقہ فی الدین نصیب ہوجائے تو پھر ربیع القلوب، دلوں کی بہار بن جاتی ہے۔

قرآن سے شفاء:

تیسری بات فرمائی: "وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِہٖ فَاِنَّہٗ شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" قرآن کے نور سے شفا حاصل کیا کرو، اس لئے کہ سینے کی بیماریوں کے لئے، یعنی روحانی بیماریوں کے لئے قرآن شفا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ." (بنی اسرائیل:۸۲)

ترجمہ:......"اور ہم اتارتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے۔"

آیاتِ شفاء:

یہاں ایک لطیفہ ذکر کردوں کہ قرآن کریم کی چھ آیتوں میں شفا کا لفظ آیا ہے، قرآن کریم کے لئے بھی "شفاء" کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ شہد کے لئے بھی یہی

''شفاء'' کا لفظ آیا ہے، بعض اکابرؒ نے فرمایا کہ ان چھ آیتوں کو جن کو آیات شفا کہا جاتا ہے آدمی پڑھ کر پانی پر دم کرکے پی لے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتے ہیں۔

بہرحال قرآن کریم روحانی امراض کے لئے بھی شفا ہے اور جسمانی امراض کے لئے بھی شفا ہے، اور سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ الشفا بھی ہے، ہر بیماری کا علاج سورۂ فاتحہ ہے۔ سورۂ فاتحہ اکتالیس (۴۱) مرتبہ پڑھ لو، اکتالیس مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو گیارہ مرتبہ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرلو کہ اس کلام پاک کی برکت سے شفا عطا فرمادیں، اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی امراض سے شفا عطا فرمادیں گے۔

قرآن امراض روحانی وجسمانی کے لئے شفاءٌ:

قرآن کریم ایسی شفا ہے کہ اس سے دلوں کے کفر دُھل جاتے ہیں، دلوں کے نفاق دُھل جاتے ہیں، دلوں کی گندگیاں دُھل جاتی ہیں، دل خوب پاک صاف ہوجاتے ہیں، لیکن قرآن کریم کے نور سے شفا حاصل کرو، نور آئے گا تو سیاہی اور سفیدی کے درمیان امتیاز ہوگا، آج کل تو ایکسرے مشینیں لگی ہوئی ہیں، اس سے پتہ چلے گا کہ اندر کیا چیز ہے؟ جب اس کی ایکسرے کی لائٹ پڑے گی تو بتائے گی کہ اندر کیا چیز ہے؟ قرآن کریم کی روشنی اور قرآن کریم کا نور اندر آئے گا، تو اپنے امراض کا پتہ چلے گا اور اگر درمیان میں دیوار حائل کردی تو پھر کیا نور پہنچے گا؟

سنوار کر تلاوت کرو:

چوتھی بات یہ فرمائی: ''وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَحْسَنَ الْقَصَصِ.'' اور خوب بنا سنوار کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو اس لئے کہ یہ بہترین واقعات اور بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کون بیان کرسکتا ہے؟ کیونکہ یہ کلام الٰہی ہے۔

قرآن میں ہر چیز کا بہترین بیان:

ہمارے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ ارشاد فرماتے

تھے کہ قرآن کریم میں جہاں ایک لفظ آیا ہے اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا ممکن ہی نہیں، حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم میں وہ لفظ موجود ہے، اگر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے جو قرآن کریم ہی میں آیا ہے تو قرآن کریم کا نظم مختل ہوجائے گا، بگڑ جائے گا۔ تو قرآن کریم میں ہر چیز کا بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر قرآن کریم کا فہم دیا ہو تو تم قرآن کریم کھول کر دیکھو اور قرآن کریم کا آئینہ سامنے رکھ لو اور پھر اپنا سر سے لے کر پاؤں تک، ظاہر سے لے کر باطن تک اپنے تمام اعمال کو قرآن کریم پر پیش کرو، ایک ایک چیز کو دیکھو تمہیں پتہ چلے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور میں کیا ہوں؟ قرآن کریم کی تلاوت بہترین طریقے سے کرو، بہترین طریقے سے کیسے کرو گے؟

تلاوت کی مقدار مقرر کرو:

قرآن کریم کی تلاوت کی ایک منزل مقرر کرلو، بدن کی غذا کے لئے تم دو وقت کی روٹی کھانا ضروری سمجھتے ہو کہ نہیں؟ اب تو دو وقت کا نہیں بلکہ چار وقت کا ضروری سمجھتے ہیں، ایک ناشتہ، ایک دوپہر کا کھانا اور ایک عصرانہ اور ایک عشاءؑ کے بعد کا کھانا، چار وقت کھاتے ہیں، کم سے کم قرآن کریم کو غذا سمجھ کر اس کی تلاوت کرو، اور یہ سوچ لو کہ مجھے روزانہ اتنی خوراک لینی ہے اور نفس سے کہہ دو کہ برخوردار! یہ تو تم سے کام کروانا ہی کروانا ہے، پٹھان کے بقول کہ اب چیں کر یا می کر، یہ کالا کالا تو چھوڑتا نہیں، اب تجھے نہیں چھوڑتا یہ تو تجھ سے کام کروانا ہے، ہاں سفر ہو یا بیماری ہو تو عذر ہے، اپنی گپ تراشیوں میں، اپنے فضول اوقات میں کچھ تخفیف کرلو، بے ہودہ مشاغل، لایعنی کام اور بے مصرف ضرورتوں کو ختم کردو، قرآن کریم کی تلاوت کو اپنا یومیہ معمول بناؤ۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا صحیح تلفظ کرو، اس کے الفاظ صحیح ادا کرو، سیکھو اور سیکھ کر ادا کرو، میری طرح پنجابی میں قرآن نہ پڑھو۔

غور وفکر کا ثمرہ:

اور تیسری بات یہ کہ اگر تم غور کرو گے، سوچ کر پڑھو گے تو قرآن کریم کے آدھے الفاظ تو تمہیں خود سمجھ میں آنے لگیں گے۔

مدینہ طیبہ میں اقدام عالیہ میں ایک صاحب قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا، وہ تھا تو داڑھی منڈا مگر وہ قرآن کریم پڑھتا ہی رہتا تھا، پڑھتا ہی رہتا تھا، اس سے جب بات چیت ہوئی تو کہنے لگا میں حیدرآباد دکن کا ہوں، میں نے کہا تم نے داڑھی کیوں نہیں رکھی؟ کہنے لگا کہ یہ میری کمزوری ہے، اس نے کہا تلاوت کرتے کرتے قرآن کریم مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے، اس کا مطلب سمجھ میں آنے لگا ہے، حالانکہ عربی نہیں پڑھی ہوئی تھی، لیکن قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ تلاوت کی برکت سے اس سے شناسائی ہوجاتی ہے، سمجھ میں آنے لگتا ہے، اسی طرح بھائی! اگر تم بھی سیکھ سیکھ کر تلاوت کرو گے تو تمہیں بھی قرآن کریم سے مناسبت ہوجائے گی اور قرآن کریم خود تم سے پیار کرنے لگے گا۔

بوقتِ تلاوت سوچنے کی چیزیں:

اور پھر تلاوت کرتے وقت یہ دو چیزیں سوچنے کی ہیں، ایک تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہوں، یہ ابتدائی درجہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اونچا مقام عطا فرمادیں تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں، جیسے کہ جبل طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہے تھے، میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں، متکلّم وہ ہیں، یہ میری زبان اسپیکر ہے، اس طرح جم کر تلاوت کرو، تو انشاءاللہ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کے انوار اور برکات تمہیں نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، یہ تو اپنی تلاوت کا قصہ تھا۔

غور سے قرآن سنو:

آگے فرماتے ہیں جب قرآن کریم تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، خوب متوجہ ہو جاؤ، اپنے کانوں کی ساری کھڑکیاں کھول دو اور خاموش رہو، جس محفل میں قرآن کریم پڑھا جائے اس کے لئے دو چیزوں کی شرط ہے، ایک یہ کہ جتنے حاضرین ہیں وہ سب کے سب پوری طرح قرآن کریم کی طرف کان لگائیں جیسے کسی دور کی آواز کو متوجہ ہو کر سنتے ہیں، اور اسی طرح کبھی کبھی دور کی آواز سننے کے لئے کانوں پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں، اس کو عربی میں استماع کہتے ہیں، کان دھرنا، سننا نہیں بلکہ پوری طرح متوجہ ہو جانا اور اس کے لئے خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرأت خلف الامام:

یہ قرآن کریم کی آیت کا اقتباس ہے، قرآن کریم کی آیت کا ٹکڑا ہے، اور اسی آیت سے ہمارے امام صاحبؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ امام قرأت کر رہا ہے، تمہارے سامنے پڑھ رہا ہے، اس کو سنو، اس کی طرف کان لگاؤ، صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: ''وانصتوا'' خاموش بھی رہو، سنتا ہے یا نہیں سنتا، آواز تم تک پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی، تمہارا فرض ہے کہ اس کی طرف کان دھر کر کے رہو، اور دوسرا فرض یہ ہے کہ خاموش رہو اور خاموش رہنا خود پڑھنے کے منافی ہے، جب خاموش رہنے کا حکم دیا تو پڑھنے کی ممانعت ہوگئی۔

نماز اور خطبے میں خاموش رہو:

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں اور حافظ ابن قدامہؒ نے ''المغنی'' میں اور یہ دونوں حنبلی بزرگ ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں، دونوں نے امام احمدؒ

سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیت نماز اور خطبے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، عام طور پر آدمی پڑھتا ہو تو پڑھنے والے کے ذمہ واجب نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا سنے بلکہ وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو، قرآن کریم دوسروں کے سامنے اونچی آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ہے نماز اور خطبے کے بارے میں، جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو مکمل سناٹا ہونا چاہئے اور پوری طرح لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اسی طرح خطبے کے اندر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو پورے خطبے کا بھی یہی حکم ہے، حتیٰ کہ جب خطیب یہ کہے:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓـئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا." (الاحزاب:۵۶)

ہمارے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت درود شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، جب خطبہ ہو رہا ہو اور درود شریف پڑھنا ہو تو دل میں پڑھو، نماز میں اور خطبے میں مکمل طور پر خاموشی کا اور قرآن کریم کی استماع کا یعنی کان دھرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام کے پیچھے خاموش رہنا چاہئے:

اسی لئے ہمارے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، لمبا قصہ ہے، اس قصے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا طریقہ بتایا اور آپؐ نے فرمایا کہ:

"اِذَا كَبَّرَ الْاِمَامُ فَكَبِّرُوْا، وَاِذَا قَالَ: "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" فَقُوْلُوْا: "آمِيْن" يُحْبِبْكُمُ اللهُ، فَاِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا، فَاِنَّ الْاِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ ...... وَاِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" فَقُوْلُوْا: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ...... وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا." (مسلم ج:۱ ص:۱۷۴)

ترجمہ:...... "جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب امام: "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ." کہے تو تم: آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو (پہلے نہیں کرو) اس لئے کہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سر اٹھاتا ہے، اور جب امام "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" کہے تو تم: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو اور جب امام سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔"

مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا:

یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ جب سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو، نماز کا پورا طریقہ اول سے آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ بلکہ امام مسلمؒ نے اسی حدیث میں سلیمان کی روایت قتادہ سے جو نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: "وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا." (مسلم ج:۱ ص:۱۷۴) اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش ہوجاؤ۔ جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب قرأت کرے خاموش ہوجاؤ اور جب وہ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ." کہے تو آمین کہو، تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش

مقتدی کے لئے کہاں رہی؟ حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ یونس کی اس آیت:

"وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ، رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمِ." (یونس:۸۸)

ترجمہ:......"اور موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان کے مال کو نیست و نابود کردیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کردیجئے سو یہ ایمان نہ لانے پاویں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔"

آمین کہنے والا گویا تلاوت میں شامل ہے:

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا." (یونس:۸۹) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی، کن دونوں کی؟ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت میں دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نقل کی ہے، جیسے فرمایا: "وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَا اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ .... الخ." حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی، لیکن اس دعا کو نقل کرکے فرماتے ہیں: "قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا." تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ روایت میں یوں آتا ہے

کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کر رہے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین آمین کہہ رہے تھے، جب دعا مکمل ہوچکی تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوگئی، یہ دعا صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نہیں تھی بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی بھی تھی۔

سورۂ فاتحہ دعا ہے:

سورۂ فاتحہ بھی سورۃ الدعا ہے، اس کے ناموں میں سے ایک نام سورۃ الدعا ہے، سورۃ المسئلۃ ہے، سوال کرنے کی سورۃ، اور اس سورۃ کے ختم پر شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمائی کہ یوں کہا کریں، ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم سے یوں مانگا کرو، امام پوری قوم کا نمائندہ ہے، وہ تمہاری درخواست بارگاہ رب العالمین میں پیش کر رہا ہے، جب اس نے: "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ." تک دعا مکمل کرلی تو تم کہو: آمین، تمہاری دعا بھی ہوگئی، وہ دعا اکیلے امام کی نہیں ہے بلکہ تمہاری بھی ہے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کی دعا تھی تو امام کی دعا بھی تمہاری آمین کہنے کے بعد پوری جماعت کی دعا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے، حالانکہ وہ خود شافعی المذہب ہیں، اور وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کے قائل ہیں، لیکن فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی کہ جب مقتدی امام کی فاتحہ پر آمین کہہ دیتے ہیں تو یہ دعا سب کی طرف سے ہوجاتی ہے۔

تلاوت پر خاموشی سے رحمت:

تو بہر کیف قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم

کیا جائے، میں نے اپنی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں لکھا ہے کہ: ''لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ.'' کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ امام کے پیچھے استماع کرو گے یعنی کان دھرو گے تو تم پر رحم ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، امام اپنی پڑھ رہا ہے اور تم اپنی بانسری بجا رہے ہو، تو تم پر رحم نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ:

حضرت امام اوزاعیؒ نے واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک وفد حضرت امام ابوحنیفہؒ سے فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر بحث کرنے کے لئے آیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی تم اتنے آدمی ہو، میں اکیلا ہوں تم اپنا ایک نمائندہ مقرر کرلو وہ مجھ سے بات کرے، انہوں نے اپنی جماعت میں جو سب سے زیادہ زبان آور تھا اس کو منتخب کرلیا، حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تمہارا نمائندہ ہے؟ کہا کہ جی ہاں! حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: اس کی فتح تمہاری فتح اور اس کی شکست تمہاری شکست سمجھی جائے گی؟ کہا: جی ہاں! فرمایا: پھر مسئلہ تو حل ہوگیا، امام پوری قوم کا نمائندہ ہے، اگر اس کی دعا قبول ہوگئی تو پوری جماعت کی قبول ہوگئی اور اگر امام کی نہیں ہوئی تو تم کیا قبول کرواؤ گے؟ تمہیں کون پوچھتا ہے؟ پھر تمہیں تو اس کی فاتحہ پر آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے، صحیح بخاری کتاب الدعوات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فَاِذَا اَمَّنَ الْقَارِی فَاَمِّنُوْا.'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۴۷) جب قاری آمین کہے تو تم آمین کہو، قاری امام کو فرمایا، تمہیں نہیں قاری فرمایا، قاری کہتے ہیں پڑھنے والے کو، تمہیں امام کی فاتحہ پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے اور اس پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، اتنی واضح بات میں لوگ خواہ مخواہ الجھتے ہیں، باقی انشاء اللہ پھر۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

شہادت کی فضیلت واقسام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"....فَإِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ، وَاَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى، وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ اِبْرَاهِيْمَ، وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، وَاَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللهِ وَاَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْآنُ، وَخَيْرُ الْاُمُوْرِ عَوَازِمُهَا، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَاَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْىُ الْاَنْبِيَاءِ، وَاَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ، وَاَعْمَى الْعَمٰى اَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى، وَخَيْرُ الْعِلْمِ مَا نَفَعَ، وَخَيْرُ الْهَدْيِ مَا تَبِعَ وَشَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ ...... الخ."

(حیاۃ الصحابہ ج:۶ ص:۶۲۳)

ترجمہ:......"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بے شک سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے، سب سے مضبوط کڑا تقویٰ ہے، سب سے بہتر ملت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت ہے، سب سے بہتر طریقہ محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے، سب سے اشرف کلام اللہ کا ذکر
ہے، سب سے بہتر قصہ یہ قرآن ہے، تمام کاموں میں سب سے
بہتر وہ ہے جس کو عزیمت سے ادا کیا جائے، اور بدترین کام وہ
ہیں جو نئے ایجاد کئے جائیں، سب سے بہتر طور طریقہ انبیاءٗ
علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طور طریقہ ہے، سب سے اشرف موت
شہداءٗ کی شہادت اور ان کا قتل ہے۔''

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ شہید کا قتل ہونا سب سے اشرف موت ہے، اشرف کے معنی سب سے زیادہ بزرگی والی، سب سے زیادہ لائق عظمت۔

قرآن کریم نے حضراتِ شہداءٗ کا تیسرا درجہ بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

''وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ
اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ
وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔'' (النسآء:۶۹)

ترجمہ:......''اور جس نے کہا مان لیا اللہ کا اور رسول
اللہ کا تو یہ لوگ ہوں گے نبیوں کے ساتھ اور صدیقین کے ساتھ
اور شہداءٗ کے ساتھ اور اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کے ساتھ اور بہت
ہی عمدہ ہیں یہ سب حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے (ان
سے زیادہ عمدہ رفیق کس کو میسر آسکتے ہیں؟)۔''

قرآن کریم نے پہلا درجہ اللہ کے نبیوں کا بیان فرمایا، دوسرا صدیقین کا، تیسرا شہداءٗ کا اور چوتھا صالحین یعنی اعلیٰ درجہ کے نیک لوگوں کا، جن کو ہم اولیاءٗ اللہ کہتے ہیں۔ ہم جیسے گناہگار مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اطاعت کی کوشش کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو

خوشخبری دے رہے ہیں کہ: قیامت کے دن ان کا حشر نبیوں، صدیقین، شہدأ اور صالحین کے ساتھ ہوگا، اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں، "ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ" یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمادے، آمین!)۔

تو بہرحال شہیدوں کا مرتبہ اللہ نے تیسرے نمبر پر فرمایا ہے، انبیأ اور صدیقین کے بعد پھر شہدأ کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ سب سے اشرف و اعلیٰ موت تو حضرات انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے، اور دوسرے نمبر پر اشرف و اعلیٰ موت صدیقین کی ہے، صدیقین حضراتِ انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے اوصاف اور اپنے کمالات کے اعتبار سے یہ حضرات انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہوتے ہیں، لیکن ان کے پاس نبوت نہیں ہوتی، ان کے بعد پھر جتنے امتی ہیں، ان سب میں سے سب سے زیادہ شریف تر موت حضراتِ شہدأ کی ہے۔

شہید کسے کہتے ہیں:؟

چند باتیں یہاں سمجھ لینی چاہئیں۔

ا:......شہید کس کو کہا جاتا ہے؟

اصل شہید تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے کافروں کے ہاتھ سے قتل ہوجائے۔ میدانِ جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے جو مسلمان قتل ہوجائے تو وہ شہید ہے۔

الف:......حضراتِ فقہأ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میدانِ جہاد میں مقتول پایا گیا اور اس کے بدن پر زخم کا نشان تھا، لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس کو کسی کافر نے قتل کیا ہے تو وہ بھی شہید کہلائے گا۔

ب:......اسی طرح میدانِ جہاد سے کسی شخص کو زخمی ہونے کی حالت میں زندہ اٹھالیا گیا ہو، لیکن دوا دارو کی، مرہم پٹی کی، کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس نے دم توڑ دیا تو وہ بھی شہید ہے۔

ج:......اسی طرح جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کردیا یا ڈاکوؤں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ مارا گیا، یا باغیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا تو وہ بھی شہید ہے۔

د:......اسی طرح جس شخص کو کسی مسلمان نے بغیر کسی وجہ کے ظلماً قتل کردیا ہو تو وہ بھی شہید ہے۔

یہ شہدأ کی پانچ قسمیں ہوئیں جو دنیا کے احکام کے اعتبار سے بھی شہید ہیں اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہیں۔ گویا:

۱:......جو شخص کسی کافر کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

۲:......جو شخص میدانِ جہاد میں مرا ہوا پایا گیا اور اس پر زخم کا نشان تھا، غالب یہی ہے کہ کسی کافر نے اس کو قتل کیا ہوگا یا کافر کے زخم لگانے سے قتل ہوا ہوگا۔

۳:......جو شخص زخمی حالت میں میدانِ جہاد سے لایا گیا اور ابھی تک کھانے پینے کی یا مرہم پٹی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اس کا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا۔

۴:......جس شخص کو ڈاکوؤں یا باغیوں نے قتل کردیا۔

۵:......جس شخص کو کسی مسلمان نے ظلماً قتل کردیا۔

یہ پانچ قسم کے افراد فقہی اعتبار سے شہید کہلاتے ہیں۔

شہید کے احکام:

شہید کا حکم یہ ہے کہ شہید کو انہی کپڑوں میں بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے، اس کو کفن نہیں پہنایا جاتا اور اس کے بدن کے کپڑے نہیں اتارے جاتے، البتہ کوئی

زائد کپڑے ہوں جیسا کہ سردیوں کے موسم میں پوستین وغیرہ پہن لیتے ہیں، جیسے صدری، وغیرہ پہن لیتے ہیں یا کوئی اور بھاری کپڑا پہن لیتے ہیں، ایسا کپڑا اگر کوئی پہنا ہوا ہوتو اس کو اتار دیا جائے گا، اسی طرح اگر اوپر چادر دینے کی ضرورت ہوتو وہ بھی دے دی جائے گی، لیکن معروف طریقے سے جیسا کہ کفن کے تین کپڑے ہوتے ہیں وہ کفن شہید کونہیں دیا جاتا، اب اس کے وجود کو ڈھانکنے کے لئے اوپر ایک چادر ڈال دیں گے، شہید کے اپنے کپڑے اس کا کفن ہیں، حالانکہ میت کو سلے ہوئے کپڑے تونہیں پہنائے جاتے، لیکن شہید کے لئے اس کے سلے ہوئے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

”....وَاَنْ یُّدْفَنُوْا بِدَمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ.“

(مشکوٰۃ ص:۱۴۴)

ترجمہ:...... ”ان کو ان کے زخموں سمیت اور ان کے کپڑوں سمیت دفن کیا جائے۔“

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاللهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا، اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ.“ (مشکوٰۃ ص:۳۳۰)

ترجمہ:...... ”جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوا، وہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے بدن سے جہاں زخم آیا تھا، خون کا فوارہ پھوٹ رہا ہوگا، رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو کستوری کی ہوگی۔“

شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے:

لیکن شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ اس کا جنازہ بھی نہیں ہے، ویسے ہی دفن کردو، تمہاری شفاعت کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اَلسَّیْفُ مَحَّاءٌ لِلْخَطَایَا.'' (کنز العمال حدیث:۳۹۶۸۸) یعنی تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔

کافر کی تلوار نے ہی اس کی شفاعت کردی اور وہ بخشا گیا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

ترجمہ:......''شہید کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیتے ہیں۔''

قبر میں اس سے حساب و کتاب نہیں ہوتا، جیسا عام مردوں سے سوال و جواب ہوتا ہے اس سے نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہید کا جنازہ ہے (اس پر طویل گفتگو ہے، اس علمی بحث کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں)۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ شہید کا یہ حکم ہے، شہید کی موت اتنی قیمتی ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف موت فرمارہے ہیں۔

شہادت کی موت کا درجہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی، اور شہداً آپ کے جوتوں کی خاک ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاً کے سردار ہیں، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ، ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ.'' (مشکوٰۃ ص:۳۲۹)

ترجمہ:.....’’میرا جی چاہتا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہوجاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں (یہ سلسلہ چلتا ہی رہے)۔‘‘

ذرا اندازہ فرمالیں! جس موت کی تمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، وہ موت کتنی اشرف اور کتنی قیمتی ہوگی؟ صحیح احادیث میں حضراتِ شہدأ کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت نصیب فرمائے، آمین!

شہید جنت الفردوس میں:

ایک روایت میں ہے کہ:

’’عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّ اُمَّ الرُّبَیِّعِ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَھِیَ اُمُّ حَارِثَۃَ بْنِ سُرَاقَۃَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللہِ! اَلَا تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَۃَ وَکَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَہٗ سَھْمٌ غَرْبٌ، فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّۃِ صَبَرْتُ وَاِنْ کَانَ غَیْرَ ذَالِکَ اجْتَھَدْتُ عَلَیْہِ فِی الْبُکَاءِ؟ فَقَالَ: یَا اُمَّ حَارِثَۃَ! اِنَّھَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّۃِ وَاِنَّ ابْنَکِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی۔‘‘ (مشکوٰۃ ص:۳۳۱)

ترجمہ:.....’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حارثہ بن سراقہ کی ماں ام ربیعہ بنت براءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! میرا لڑکا سراقہ آپ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شہید ہوگیا ہے، اگر تو اس کی بخشش ہوگئی ہے اور وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں، ورنہ

میں اس پر رنج و غم اور صدمہ کا اظہار کروں اور اپنا حق ادا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حارثہ کی ماں! جنت ایک نہیں بہت ساری جنتیں ہیں، (اوپر نیچے سو جنتیں ہیں اور ہر جنت سے دوسری جنت کا فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کا فاصلہ، سو جنتیں اوپر نیچے اتنی ہیں، اور سب سے اوپر جو جنت ہے وہ جنت الفردوس ہے) اور تیرا بیٹا سب سے اوپر کی جنت جنت الفردوس میں ہے۔"

شہید زندہ ہیں:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ." (البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ:...... "اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر اس کی زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے (اس کی زندگی تمہارے حواس سے بالاتر چیز ہے)۔"

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ." (آل عمران:۱۶۹)

ترجمہ:...... "بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔"

صحیح بخاری کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ:

"..... فَقَالَ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ

...... الخ.‘‘ (مشکوٰۃ ص:۳۳۰)

ترجمہ:......’’اللہ تعالیٰ کے عرشِ اعظم کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، اور وہ شہداً کا مستقر ہیں، وہ شہداً کے رہنے کی جگہ ہے، اور سبز پرندوں کی شکل میں اللہ تعالیٰ ان کو سواریاں عطا فرماتے ہیں اور ان کی روحیں ان سبز پرندوں میں جنت کے اندر پرواز کرتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں۔‘‘

یہ قیامت سے پہلے کا قصہ ہے، قیامت کے دن ان کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ تو سبحان اللہ! کیا بات ہے!

نذرانہ حیات:

لوگ بارگاہِ عالی میں مختلف نذرانے پیش کیا کرتے ہیں، شہید اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ کو قبول فرمالیتے ہیں۔

مرنا تو سب کو ہے:

باقی مرنے کو تو بالآخر سب ہی مریں گے، جئے گا کون؟ کوئی مرنا چاہے اس کو بھی موت آئے گی، اور کوئی مرنا نہ چاہے تب بھی اس کو موت آئے گی۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ:

’’قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَیِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِکَةُ فَاِذَا کَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا: اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ کَانَتْ فِی الْجَسَدِ الطَّیِّبِ اُخْرُجِیْ حَمِیْدَةً وَاَبْشِرِیْ بِرَوْحٍ وَرَیْحَانٍ وَرَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانٍ فَلَا تَزَالُ یُقَالُ لَهَا ذَالِکَ حَتّٰی تَخْرُجَ .....

فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ اُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِيْ ذَمِيْمَةً وَاَبْشِرِيْ بِحَمِيْمٍ وَغَسَّاقٍ وَآخَرَ مِنْ شَكْلِهِ اَزْوَاجٌ، فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا حَتّٰى تَخْرُجَ ....الخ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۴۱)

ترجمہ:...... "نیک آدمی کے پاس جب ملک الموت آتا ہے تو فرشتہ اس کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ اے پاک روح! پاک جسم میں رہنے والی، اپنے رب کی مغفرت اور رحمت و رضوان کی طرف نکل، جو تجھ پر غضبناک نہیں، (جب وہ آدمی اپنے رب کا نام سنتا ہے تو اس وقت اس کی روح کو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اتنا اشتیاق ہوجاتا ہے کہ وہ روح بے چین ہوجاتی ہے جیسا کہ پنجرہ میں پرندہ، پنجرہ توڑ کر نکلنے کے لئے مشتاق ہوتا ہے، اس مؤمن آدمی کی روح اتنی بے چین ہوجاتی ہے، اتنے میں ملک الموت اس کی روح قبض کرلیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی سہولت کے ساتھ اور آسانی کے ساتھ روح نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کے منہ سے قطرہ ٹپک جاتا ہے) اور دوسرے قسم کے آدمی کے پاس ملک الموت آتا ہے، تو کہتا ہے کہ اے گندی روح! جو گندے جسم میں تھی، نکل اپنے رب کے غضب کی طرف اور اس کے عذاب کی طرف (نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ!)۔"

روح تو پہلے ہی بدن میں سرایت کی ہوتی ہے، لیکن وہ بالوں تک میں سرایت کرجاتی ہے تاکہ وہ نہ نکلے اور وہ فرشتہ پھر اس کو کھینچتا ہے۔ اور فرمایا کہ بالکل ایسی مثال ہوجاتی ہے کہ دُھنی ہوئی روئی کے اندر گرم یا بھیگی ہوئی سلائی ماری جائے

اور پھر اس کو کھینچا جائے، بدن اور روح کا رشتہ چھڑانے کے لئے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ کوئی اس دنیا سے جانا چاہے، روح اس کی بھی نکلتی ہے اور جو نہ جانا چاہے روح اس کی بھی نکلتی ہے۔ لیکن شہید اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی قدر افزائی فرماتے ہیں، اس کو قبول فرماتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ: شہید کی موت اشرف موت ہے۔

یہاں پر یہ ذکر کردینا بھی ضروری ہے کہ شہید تین قسم کے ہوتے ہیں:

دنیا و آخرت کے اعتبار سے شہید:

۱:......ایک تو وہ جو دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے شہید ہیں۔

آخرت کے اعتبار سے شہید:

۲:......اور ایک وہ جو دنیاوی اعتبار سے شہید نہیں، لیکن آخرت میں اس کا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ. قَالَ: إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِيْ إِذًا لَقَلِيْلٌ. مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَّاتَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَّاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَّاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ." (مشکوٰۃ ص:۳۳۱)

ترجمہ:......"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ (جو جواب دیا جاسکتا تھا وہی دیا

گیا کہ) یا رسول اللہ! جو اللہ کے راستے میں قتل ہوجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: پھر تو میری امت کے شہید بہت تھوڑے رہ جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو اللہ کے راستے میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اللہ کے راستہ میں مرجائے وہ بھی شہید ہے، اور جو طاعون کی بیماری سے مرجائے وہ بھی شہید ہے، اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے وہ بھی شہید ہے۔"

اسی طرح کوئی دریا میں ڈوب کر مرگیا وہ بھی شہید، کسی پر دیوار گرگئی یا کسی حادثہ میں مرگیا وہ بھی شہید ہے، عورت زچگی کی حالت میں مرگئی وہ بھی شہید ہے، بچہ جنتے ہوئے مرگئی وہ بھی شہید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کی بہت سی قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کو معنوی شہید کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا کے احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہوتے، ان کو غسل دیا جائے گا، ان کو کفن پہنایا جائے گا، ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، یہ لوگ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی فہرست میں ان کا نام بھی شہیدوں میں لکھا جائے گا۔

دنیا والوں کے اعتبار سے شہید:

۳:......تیسری قسم شہیدوں کی وہ ہے جن کو ہم اور آپ شہید کہتے ہیں، مگر اللہ کی فہرست میں ان کا نام شہیدوں میں نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک! وجہ یہ تھی کہ اندر ایمان صحیح نہیں تھا، جان کا نذارنہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے پیش نہیں کیا گیا، بلکہ قومی عصبیت کی بنا پر قتل کیا گیا، یا اپنی جواں مردی اور شجاعت کے جوہر دکھلانے کے لئے مرا، بہادر کہلوانے کے لئے مرا، بھائی! ان کے دلوں کو تو ہم نہیں جانتے کہ کس کی

نیت کیا ہے؟ ہم تو اس کے ساتھ معاملہ شہیدوں کا ہی کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ دلوں کی کیفیت کو خوب جانتے ہیں، وہ صرف ظاہری عمل کو نہیں دیکھتے، یہ لوگ جو ریاکاری کے لئے یا دکھلاوے کے لئے یا کسی اور غرض اور مقصد کے لئے قتل ہوئے، چاہے میدانِ جہاد میں ہی قتل کیوں نہ ہوئے ہوں، یہ لوگ اللہ کی فہرست میں شہید نہیں ہیں، دنیاوی اور اپنے علم کے اعتبار سے ہم لوگ ان کو شہید ہی کہیں گے، باقی راہِ حق میں شہادت کی تمنا ہر مؤمن کو رکھنی چاہئے، اللہ تعالیٰ شہادت کی موت نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ شہیدوں میں اٹھائے، آمین!

شہادت کی موت کی دعا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا فرماتے: یا اللہ! شہادت کی موت نصیب فرما اور اپنے رسولؐ کے شہر میں موت نصیب فرما۔ پھر فرماتے کہ عمر دو باتیں اکٹھی کیسے ہوں گی؟ شہادت کی موت بھی مانگتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں بھی مانگتے ہو، جہاد تو باہر ہوتا ہے، مدینہ میں بیٹھ کر کیسے شہادت مل جائے گی؟ خود ہی سوال کرتے تھے اور خود ہی فرماتے تھے کہ: اگر اللہ چاہے تو دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع کر کے دکھلا دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔

حصولِ شہادت کا وظیفہ:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ پڑھا کرے:

"اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ." (الاتحاف ج:۱۰ ص:۲۲۷)

ترجمہ:......"یا اللہ! برکت فرما میرے لئے موت میں

اور موت کے بعد کی زندگی میں۔"

اللہ پاک اس کو شہادت کی موت نصیب فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کا نام شہیدوں کی فہرست میں درج فرمادیں گے، خواہ اس کی موت بستر پر ہی کیوں نہ آئے، یہ تو کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ تمنا کرو، مانگو، اور اگر تمنا ہی نہ ہو تو پھر کیسے ہوگا؟

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

"مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ." (مشکوٰۃ ص:۳۳۱)

ترجمہ:......"جس نے جہاد میں حصہ نہیں لیا اور کبھی اس کے دل میں خیال بھی پیدا نہ ہوا تو وہ آدمی نفاق کی موت مرا۔"

جہاد کی تمنا کرو:

جہاد کی تمنا تو کرو ناں! فی سبیل اللہ کی تمنا کرو اور اللہ سے مانگو، کیا بعید ہے کہ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم گناہگاروں کو بھی شہادت کی موت نصیب فرمادیں۔

حج نہ کرنے کی وعید:

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے، فرمایا کہ:

"مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ، فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا." (مشکوٰۃ ص:۲۲۲)

ترجمہ:......"جو شخص اس حال میں مرا کہ حج سے کوئی چیز اس کے لئے مانع نہیں تھی، نہ بیمار تھا اور نہ کسی ظالم بادشاہ نے اسے روکا تھا، پھر بھی بغیر حج کئے مرگیا تو وہ چاہے یہودی

ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے (اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں)۔"

حج کی تمنا بھی نہ ہوئی اور جو شخص مرگیا باوجود قدرت کے حج نہ کیا، مال تھا امریکہ اور فرانس کی سیریں ہوتی تھیں اور دوسری لغویات میں پیسہ ضائع ہوتا تھا، لیکن حج نہیں کیا اور حج کرنے کا کیا معنیٰ؟ اس کو تو تمنا بھی، تڑپ بھی پیدا نہیں ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔ نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!

نیک کام کی تمنا تو کرو:

بھائی! نیک کام کرو، اگر کر نہیں سکتے تو نیک کام کی تمنا تو کرو، یہ کیا بات ہوئی کہ کام بھی نہ کرو اور کام کی تمنا بھی نہ رکھو، نیک کام کرو، نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی آرزو تو کرو، اللہ سے دعا تو کرو، دعا تو کر سکتے ہو کہ یا اللہ! مجھے بھی عطا فرما، مجھے بھی نصیب فرما۔

برے کام سے بچو، نہیں تو برا سمجھو:

برے کام سے بچو اور اگر بچ نہیں سکتے تو برے کام کو برا تو سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے معافی بھی مانگو کہ یا اللہ! مبتلا ہوں معاف کردے، اتنا تو کم از کم کرو، دیکھو کتنا سستا نسخہ میں نے بتلا دیا۔

بدترین اندھا پن:

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: "وَاَعْمَی الْعَمٰی اَلضَّلَالَۃُ بَعْدَ الْھُدٰی." یعنی سب سے بدتر اندھا پن یہ ہے کہ آدمی ہدایت کے بعد گمراہ ہوجائے۔

آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری آنکھیں دی ہیں اور ان آنکھوں سے نظر آتا ہے، اگر خدانخواستہ ان آنکھوں کی بینائی جاتی رہے تو اس کو ہم کہتے ہیں اندھا پن، بینائی جاتی رہی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دل میں بھی آنکھیں دی ہوئی ہیں، یہ تمہاری

ظاہری آنکھیں سیاہ وسفید کو دیکھتی ہیں، اور دل کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے صحیح اور غلط کو دیکھنے کے لئے دی ہیں، ظاہری آنکھوں کو اور ان کی بینائی کو عربی زبان میں ''بصارت'' کہا جاتا ہے اور دل کی آنکھوں کو اور اس کی بینائی کو عربی زبان میں ''بصیرت'' کہا جاتا ہے۔ اور اسی قوتِ بصیرت سے آدمی حق اور باطل کو پہچانتا ہے اور اسی بصیرت سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شناخت ہوتی ہے، اسی بصیرت کی بنا پر اللہ تعالیٰ ایمان کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اسی بصیرت کی بنا پہ اس معرکہ کون و فساد میں حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے۔

بصیرت کی آنکھیں کھولو:

بہت سے لوگ مجھے خط لکھ کر پوچھتے ہیں کہ: اتنے فرقے ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، تمہیں تو یہ فرقے نظر آتے ہوں گے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جتنے آدمی ہیں، اتنے ہی فرقے ہیں، مجھ سے پوچھو تو میرا اپنا فرقہ ہے، تمہارا اپنا فرقہ ہے، ہر ایک کے نظریات اپنے اپنے ہیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ اتنے فرقے ہیں اب ہم کس کو صحیح سمجھیں اور کس کو غلط سمجھیں؟ لیکن کبھی آپ نے خط لکھ کر مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میری آنکھیں موجود ہیں، دنیا میں بہت سے رنگ ہیں، اب ہم کس کو سفید سمجھیں اور کس کو سیاہ سمجھیں؟ کس کو پیلا سمجھیں اور کس کو سرخ سمجھیں؟ کبھی آپ نے نہیں پوچھا اس دیوار کا رنگ سفید ہے یا سیاہ ہے؟ آنکھیں کھولو! اگر پھوٹی ہوئی نہیں ہیں تو نظر آجائے گا۔

دل کی آنکھوں سے حق و باطل نظر آئے گا:

میں کہتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے بصیرت ماؤف نہیں کردی، دل کی آنکھیں پھوٹ نہیں گئیں، تو جاؤ جا کر ہر ایک کے پاس بیٹھو، تمہیں حق و باطل خود نظر آجائے گا۔ ہر ایک فرقہ کے جو مقتدا ہیں، جو ان کے اصول ہیں، ان کو

دیکھو، پرکھو، جانچو، تمہیں خود نظر آجائے گا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی، سیاہ کا سیاہ اور سفید کا سفید۔ تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن اب اگر کوئی شخص اس بصیرت کو استعمال ہی نہ کرے تو پھر اس کا کیا علاج کرو گے؟

عاقل بالغ کافر معذور نہیں:

بہت سے لوگ یہ سوال پوچھا کرتے ہیں اور یہ بہت سے لوگوں کے ذہن کا کانٹا بنا ہوا ہے کہ جو لوگ یہودیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، نصرانیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، مجوسیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں، تو جیسا ماں باپ کا طریقہ تھا ویسا انہوں نے اختیار کرلیا، اب ان کا کیا قصور؟ جہاں تک نابالغوں کا تعلق ہے کہ ان کو عقل نہیں تھی، میں بھی مانتا ہوں کہ ان کا کوئی قصور نہیں، میں مانتا ہوں کہ نابالغ تھے، نابالغی کی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا، ماں باپ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے ان کا کوئی قصور نہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے محاسبہ نہیں فرمائیں گے۔

لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمادی، عاقل، بالغ ہوگئے، وہ دنیا کے سارے کاموں کو سمجھتے ہیں، اس بات کو نہیں سمجھتے ہیں کہ ہمارا خالق کون ہے؟ مالک کون ہے؟ انہوں نے کیوں اپنی بصیرت کو استعمال نہیں کیا اور کیوں دل کا اندھاپن قبول کیا؟ باپ دادے کی تقلید کی بھی ایک حد ہے، آدمی ہر چیز میں باپ دادا کی تقلید نہیں کرتا، بلکہ کچھ چیزیں خود سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہدایت کا راستہ کھول دیا ہے، اور خود انسان کے دل کے اندر بھی شمع روشن کردی ہے جس کو ''بصیرت'' کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ''فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا.'' (الشمس:۸) ''اللہ تعالیٰ نے بندے کے دل میں بدکاری کو بھی اور تقویٰ کو بھی الہام کردیا۔'' انہوں نے اپنی بصیرت کو کیوں استعمال نہیں کیا؟ اب اگر کوئی آدمی آنکھیں بند کرلیتا ہے یا خود اپنی آنکھیں پھوڑ لیتا ہے، تو وہ خود قصوروار اور مجرم ہے۔ اسی طرح

اگر دل کی بصیرت، دل کی آنکھیں کوئی شخص استعمال نہیں کرتا، اندھاپن اختیار کرتا ہے تو وہ بھی مجرم ہے، اور اس کو کہتے ہیں اندھاپن۔ قرآن کریم میں ہے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ." (الحج:۴۶)

ترجمہ:...... "کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔"

یہ دل کے اندھے ہیں، کچھ لوگ آنکھوں کے اندھے ہوتے ہیں، یہ تو ہوا اندھاپن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اَعْمَى الْعَمٰى اَلضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى." یعنی سب سے بدتر اندھاپن یہ ہے کہ ہدایت کے بعد آدمی گمراہ ہو۔

ہدایت کے بعد گمراہی کی قسمیں:

ہدایت کے بعد گمراہ ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

ا:...... پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمان ہوگیا تھا پھر مرتد ہوگیا، (نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ اپنی پناہ میں رکھے!) مسلمان تھا پھر مرزائی بن گیا، عیسائی بن گیا، نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! استغفر اللہ! تو یہ تو سب سے بدتر اندھاپن ہے کہ آنکھیں ہونے کے باوجود اس نے خود پھوڑ دیں۔

۲:...... اور دوسری شکل یہ ہے کہ ہدایت اس کے سامنے بالکل کھل گئی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: "قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ." یعنی ہدایت اور گمراہی دونوں بالکل الگ الگ واضح ہوچکیں، قرآن کریم کے بیانات سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی، اس طرح بالکل کھل گئے ہیں، واقعتاً اس طرح کھل گئے ہیں جس طرح کہ دن کی دوپہر میں سیاہی اور سفیدی کھل جاتی ہے۔ ہدایت کا دن چڑھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہدایت بالکل کھول دی،

ہر شخص جو دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے، اب اگر اندھیرا ہوتا اور نظر نہ آتا تو پھر آدمی کسی حد تک معذور تھا۔ اندھیرے میں اس طرح ٹٹولتے ہوئے لاٹھی کی جگہ سانپ ہاتھ میں آگیا تو معذور ہے، اس لئے کہ بے چارے کی بینائی ہی نہیں، لیکن دن چڑھا ہوا ہے، آنکھیں روشن ہیں، پھر لاٹھی کی جگہ سانپ پر ہاتھ ڈالتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت طلوع ہو جانے کے بعد اور قرآن کریم کی ہدایت کے آشکارا ہو جانے کے بعد بھی جو شخص اندھا رہتا ہے تو پھر اس سے بدتر کوئی گمراہ نہیں، قرآن کریم میں فرمایا کہ: "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ." یعنی اب اس قرآن کریم کے بعد پھر کس کلام پاک پر ایمان لائیں گے؟ آخر ان کے ایمان لانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے وہ تو بتاؤ! قرآن جیسی کتابِ ہدایت، ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا رسول اور ہادی ان کو راستہ نہیں دکھا سکتا، تو اب بتاؤ کہ ان کو راستہ دکھلانے کے لئے اور ان کو ہدایت دینے کے لئے کس کو بھیجیں؟ یہ ہے اعمی العمیٰ سب سے بدتر نابینا پن اور سب سے زیادہ اندھا پن، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

اندھے پن کی دو صورتیں:

اللہ تعالیٰ دل کے اندھے پن سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ بصیرت عطا فرمائے، اس لئے فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ."

ترجمہ:...... "یا اللہ! ہم کو حق کا حق ہونا دکھلا دیجئے اور واضح کر دیجئے (کہ یہ حق ہے) اور ہمیں اس کی پیروی کی بھی توفیق عطا فرمائیے، اور ہمارے سامنے باطل کا باطل ہونا آنکھوں

سے دکھلا دیجئے اور ہمیں اس سے بچنے کی بھی توفیق عطا
فرمایئے۔''

یہ دو درجے ہوا کرتے ہیں، ایک یہ کہ آدمی حق و باطل کے درمیان امتیاز نہ کرسکے، یہ بھی اندھاپن ہے، اور دوسرا یہ کہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے لیکن اپنی نفسانی خواہش کی بنا پر حق کو قبول نہیں کرتا، باطل کی پیروی کرتا ہے، یہ بھی اندھاپن ہے، اس سے بھی اللہ کی پناہ!

یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ:

''اَلَّذِیْنَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَائَھُمْ.''

(البقرہ:)

ترجمہ:...... ''یہ لوگ اس نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں
جس طرح اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں۔''

کبھی کسی کو اپنے بیٹے کے پہچاننے میں بھی اشتباہ ہوا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے؟ اندھیرا ہو یا دور سے نظر آئے تو کچھ اشتباہ ہوسکتا ہے کہ حد نظر وہاں تک نہیں پہنچتی، یعنی جس طرح اپنے بیٹے کو پہچاننے میں ان کو کوئی اشتباہ نہیں ہوا، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں بھی ان کو کوئی اشکال نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود صرف دنیاوی مفادات اور دنیاوی خواہشات کی بنا پر نہیں مانا، اس سے اللہ کی پناہ!

آدمی حق کو حق سمجھ کر بھی نہ مانے اور باطل کو باطل سمجھ کر بھی نہ چھوڑے، اس سے اللہ کی پناہ!

دو روشنیوں کی ضرورت ہے:

اب یہاں پر مختصراً ایک بات اور عرض کردوں، اللہ تعالیٰ نے دو روشنیاں عطا فرمائی ہیں، ایک آدمی کے اندر کی روشنی اور ایک باہر کی روشنی۔ یہ دونوں روشنیاں ملتی ہیں تو نظر آتا ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نہ ہو تو نظر نہیں آتا، آنکھوں کی روشنی بھی

ہو، جو اندر کی روشنی ہے اور باہر کی روشنی بھی ہو، سورج نہ ہو تو چاند کی روشنی ہے، لائٹوں کی روشنی ہے، موم بتی کی روشنی ہے، چراغ کی روشنی ہے، جیسی روشنی ہو یہ دونوں روشنیاں ملتی ہیں، یعنی اندر کی روشنی اور باہر کی روشنی تو راستہ نظر آتا ہے اور چیزیں نظر آتی ہیں، ان میں سے ایک ہو اور ایک نہ ہو تو دکھائی نہیں دیتا۔

ٹھیک اسی طرح ایک آدمی کے دل کی روشنی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت کی روشنی ہے، یہ دونوں ملیں گی تو راستہ نظر آئے گا، تمہاری اپنی عقل و بصیرت سے راستہ کبھی بھی نظر نہیں آئے گا، جب تک اس روشنی کو، آفتابِ نبوت کی روشنی کے سامنے نہیں رکھو گے اور آفتابِ نبوت کی روشنی بھی راہ دکھلانے کے لئے کافی نہیں ہوگی، جب تک کہ تمہارے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی نہ ہوں۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت!

دنیا و آخرت کا تقابل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ عَلِيّ اَنَّهُ خَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ اَدْبَرَتْ وَاٰذَنَتْ بِوَدَاعٍ فَاِنَّ الْاٰخِرَةَ قَدْ اَقْبَلَتْ وَاَشْرَفَتْ بِاِطِّلَاعٍ وَاِنَّ الْمِضْمَارَ الْيَوْمَ وَغَدًا السِّبَاقُ اَلَا وَاِنَّكُمْ فِيْ اَيَّامِ اَمَلٍ مِنْ وَرَائِهٖ اَجَلٌ، فَمَنْ قَصَرَ فِيْ اَيَّامِ اَمَلِهٖ قَبْلَ حُضُوْرِ اَجَلِهٖ فَقَدْ خَيَّبَ عَمَلَهٗ، اَلَا فَاعْمَلُوْا لِلّٰهِ فِي الرَّغْبَةِ كَمَا تَعْمَلُوْنَ لَهٗ فِي الرَّهْبَةِ، اَلَا وَاِنِّيْ لَمْ اَرَ كَالْجَنَّةِ نَائِمٌ طَالِبُهَا وَلَمْ اَرَ كَالنَّارِ نَائِمٌ هَارِبُهَا اَلَا وَاِنَّهٗ مَنْ لَّمْ يَنْفَعْهُ الْحَقُّ ضَرَّهُ الْبَاطِلُ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَقِمْ بِهِ الْهُدٰى جَارٌّ بِهِ الضَّلَالُ، اَلَا وَاِنَّكُمْ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَدُلِلْتُمْ عَلَى الزَّادِ، اَلَا يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَأْكُلُ مِنْهَا الْبِرُّ وَالْفَاجِرُ وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ وَعْدٌ صَادِقٌ يَحْكُمُ مَلِكٌ قَادِرٌ، اَلَا اِنَّ

(الشَّيْطَانَ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ) اَيُّهَا النَّاسُ اَحْسِنُوْا فِيْ عُمُرِكُمْ تَحْفَظُوْا فِيْ عَقِبِكُمْ فَاِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَعَدَ جَنَّتَهُ مَنْ اَطَاعَهُ وَوَعَدَ نَارَهُ مَنْ عَصَاهُ، اِنَّهَا نَارٌ لَا يَهْدَأُ زَفِيْرُهَا وَلَا يُفَكُّ اَسِيْرُهَا وَلَا يُجْبَرُ كَسِيْرُهَا، حَرُّهَا شَدِيْدٌ وَقَعْرُهَا بَعِيْدٌ وَمَاءُهَا صَدِيْدٌ وَاِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ۔"

(کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۲۵)

ترجمہ:...... "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دنیا آرہی ہے اور جارہی ہے، اور قریب ہے کہ وہ بالکل رخصت ہوجائے، آخرت آرہی ہے اور قریب ہے کہ وہ اپنا جلوہ دکھائے، آج دوڑ ہے، کل کو آگے نکلنا ہوگا، سنو! تم آرزوؤں کے دنوں میں جی رہے ہو، جن کے پیچھے اجل ہے، پس جو شخص کہ اپنی امید کے دن میں کوتاہ کار رہا ہے، اپنی موت کے آنے سے پہلے وہ نامراد گیا، سنو! اللہ کے لئے عمل کرو، رغبت میں بھی جیسا کہ تم اس کے لئے عمل کرتے ہو ڈر کی حالت میں، سنو! میں نے نہیں دیکھی جنت جیسی چیز، جس کے طلب کرنے والے سو رہے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھی دوزخ جیسی کوئی چیز جس سے بھاگنے والے سو رہے ہوں، سنو! جس کو حق نفع نہ دے اس کو باطل نقصان دیا کرتا ہے، اور جس کو ہدایت سیدھا نہ کرسکے، گمراہی اس میں اپنا کام کرتی ہے، سنو! تمہیں کوچ کا حکم دیا گیا ہے، اور توشے کی راہ نمائی کردی گئی

ہے، سنو! لوگو دنیا ایک سامان ہے، جو موجود ہے، اس سے نیک بھی کھاتے ہیں اور بد بھی، آخرت ایک سچا وعدہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ جو بادشاہ ہیں، قدرت والے ہیں، فیصلہ کریں گے، سنو! شیطان تم کو ڈراتا ہے فقر سے اور تم کو حکم دیتا ہے بے حیائی کا، اور اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی جانب سے مغفرت اور فضل کا، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں، بڑے علم والے ہیں۔ لوگو! اپنی عمر میں نیک عمل کرلو، اپنی عاقبت محفوظ رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کا وعدہ کیا ہے، ان لوگوں سے جو اس کے فرماں بردار ہوں اور دوزخ سے ڈرایا ہے ان لوگوں کو جو اس کی نافرمانی کریں، خوب یاد رکھو کہ وہ ایسی آگ ہے جس کا جلانا کبھی بند نہیں ہوتا، جس کے قیدی کو کبھی رہائی نہیں ملتی، جس کے ٹوٹے ہوئے کو جوڑا نہیں جاتا، وہاں کی گرمی شدید ہے اور اس کی گہرائی بہت لمبی ہے، اور اس کا پانی پیپ کا ہے، دیکھو سب سے زیادہ خطرناک چیز جس کا مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے، وہ خواہش نفس کی پیروی کرنا اور لمبی لمبی امیدیں رکھنا ہے۔"

دنیا جارہی ہے:

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خطبہ ہے، اس کے اکثر الفاظ احادیث شریفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہیں، جیسا کہ ترجمے سے معلوم ہوا ہوگا، اس خطبہ میں دنیا و آخرت کا تقابل فرمایا ہے، اور دنیا اور آخرت کی کیفیت کو ذکر کر کے انسانوں کے انجام کو ذکر کیا گیا ہے، دنیا اور آخرت کی کیفیت یہ ہے کہ دنیا ہماری

طرف سے پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے، اور آخرت ہماری طرف منہ کر کے آ رہی ہے، یہ دو گاڑیاں ہیں، یا دو ریلیں ہیں، جو چل رہی ہیں، ایک ہم سے جدا ہو رہی ہے، وہ جتنی تیز رفتار کے ساتھ چلے گی، ہم سے الگ ہوگی، اتنی ہم سے دور ہوگی، تو دنیا ہماری طرف پیٹھ پھیر کر چل رہی ہے، اور بڑی تیزی سے چل رہی ہے، اور قریب ہے کہ وہ ہم سے رخصت ہو جائے، یکسر رخصت ہو جائے۔

میں نے ایک خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں سنایا تھا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے، خطبہ ارشاد فرمایا اور بہت سی چیزیں ذکر فرمائیں، قیامت میں جتنے اہم واقعات تھے، ان کو ذکر فرمایا، بہت سے مضامین کو میں ذکر کر چکا ہوں، اس کے آخر میں یہ تھا کہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ دھوپ کھجوروں کی شاخوں پر اور دیواروں کے کنارے تک پہنچ گئی، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب دنیا کی عمر بالکل اتنی ہی باقی ہے، جتنی کہ آج کا وقت، آج کے دن کے مقابلے میں باقی ہے، سوچو کہ جب دھوپ پیلی ہوگئی ہے تو سورج کے غروب ہونے میں چند منٹ باقی ہوں گے، جس طرح کہ آج کے دن کا آفتاب غروب ہوا چاہتا ہے، اسی طرح سے اس دنیا کا سورج بھی ڈوبا چاہتا ہے۔

موت قریب آ رہی ہے:

ایک ہماری میعاد ہے، ہم میں سے ہر آدمی کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی ہماری میعاد شروع ہوگئی، اور اجل تک جس کو موت کہتے ہیں یہ میعاد ہماری جاری رہتی ہے، جب فرشتے ہمیں پکڑ کے لے گئے تو ہم دنیا سے غائب ہوگئے، اور

دنیا ہم سے غائب ہوگئی، ایک تو دنیا کا ہم سے جانا اور آخرت کا ہماری طرف آنا، اس اعتبار سے انفرادی طور پر ہم میں سے ایک ایک آدمی جو ایک ایک منٹ گزار رہا ہے وہ اپنی موت کو قریب لا رہا ہے اور اپنی زندگی کو پیچھے چھوڑ رہا ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ یہ دنیا ہی رخصت ہو جائے گی، آپ کو یاد ہوگا میں نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے دنیا کا اور اس دنیا کی زندگی کا برزخ کی زندگی کے مقابلے میں، اور برزخ کی زندگی کا حشر کی زندگی کے مقابلے میں اور حشر کے دن کا دوزخ یا جنت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں موازنہ کیا تھا اور حیثیت بیان کی تھی، تو جب دنیا رخصت ہوگئی نہ دنیا رہی، نہ دنیا کی چیزیں رہیں، نہ تم رہے، نہ ہم رہے، پوری کائنات ہی ختم ہوگئی، جس کشتی میں تم سوار ہو وہ بھی ڈوبنے والی ہے، اور تم اس سے پہلے ڈوبنے والے ہو، اسی دنیا کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، تو دنیا جا رہی ہے، رخصت ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ وہ تم سے رخصت ہو جائے گی اور آخرت ہماری طرف منہ کر کے بھاگی ہوئی آرہی ہے، اور عنقریب وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ جبکہ وہ اپنا جلوہ دکھائے گی۔

دنیا کی دوڑ:

پھر فرمایا کہ آج دوڑ لگ رہی ہے کل کو اس دوڑ کے نتیجے کھلیں گے کہ کون اس دوڑ میں آگے رہا؟ کون پیچھے رہا؟ اس کے نتائج کل میدان حشر میں سامنے آئیں گے۔

مال کی دوڑ:

اور یہاں دوڑ کے لئے لوگوں نے مختلف میدان منتخب کر رکھے ہیں، کسی نے مال کی دوڑ لگا رکھی ہے، وہ کہتا ہے کہ میں مال زیادہ کماتا ہوں، دوسرا کہتا ہے میں زیادہ کماتا ہوں۔

برائیوں کی دوڑ:

کسی نے برائیوں کی دوڑ لگا رکھی ہے، بقول جاہلی شاعر کے:

اَلَا لَا یَجْهَلُ اَحَدٌ عَلَیْنَا
فَنَجْعَلُ فَوْقَ جَاهِلٍ جَاهِلِیْنَا

ترجمہ:...... ''سنو! کوئی آدمی ہمارے ساتھ جہالت کے ساتھ پیش نہ آئے، ورنہ ہم جاہلوں سے کھل کر جہالت کیا کرتے ہیں۔''

تو گویا جہالت کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔

عریانی کی دوڑ:

دور جدید کی میری محترم بہنوں نے عریانی کی دوڑ لگا رکھی ہے کہ کون زیادہ ننگی ہو کر دکھاتی ہے؟ مغرب کی صاحبزادیاں، شہزادیاں تو صرف یہاں تک پہنچ گئی ہیں، آدھی رانوں تک پہنچ گئی ہیں، اور ایک انگیا پہنی ہوتی ہے، باقی نیچے سے سب کچھ کھلا ہوا ہے، مغرب ہمیں تماشے دکھا رہا ہے، نیچے ایک جانگیہ پہنا ہوا ہے، اور اوپر ایک انگیا پہنی ہوئی ہے، بس یہی کل کائنات ہے ان کے لباس کی، اور ہماری ہندی، پاکستانی اور مشرقی بہنیں اس دوڑ کو بہت پسند کر رہی ہیں، کہا یہ جا رہا ہے کہ ہم اس دوڑ میں ان سے آگے نکل جائیں، تم نہیں آگے نکلو گے، تم جتنے چاہو بے حیا بن جاؤ، مغرب جیسے بے حیا نہیں بن سکتے، مشرق مشرق ہے، مغرب مغرب ہے، تم بے حیائی کا ریکارڈ قائم نہیں کر سکتے، اس کے لئے بے ایمان ہونا شرط ہے، تمہاری مشکل یہ ہے کہ سچا یا جھوٹا، اللہ اور اس کے رسول کا نام لیتے ہو، ابھی بھارت کی ایک لڑکی نے حسینہ عالم کا انتخاب لڑا، تم نہیں لڑ سکتیں، لیکن اس دوڑ میں آگے نکلنے کی کوشش تمہاری بھی ہے۔

کھیلوں کی دوڑ:

کھیلوں کے میدان میں بھی آگے نکل رہے ہو، اور دوڑ رہے ہو اور اس پر فخر کر رہے ہو، مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوگی، اگر تم یہ بتا سکو کہ قبر میں یہ کھیلوں کی دوڑ تمہیں کیا کام دے گی؟ اور میدان حشر میں تمہارے نامہ اعمال میں اس نام کی کتنی قیمت پڑے گی؟ تو دوڑ لگ رہی ہے بھئی، ڈاکوؤں کی بھی دوڑ لگ رہی ہے، کھیلوں کی بھی دوڑ لگ رہی ہے، فتنہ و فساد کی دوڑ لگ رہی ہے، عریانی اور فحاشی کی بھی، یہ ہمارے اخبار والے بھائی، اخبار بیچنے کے لئے دوڑ لگا رہے ہیں کہ لوگوں کی دلچسپی اور جاذبیت کی کون سی چیز ہوسکتی ہے؟ پوری دنیا ایک دوڑ کا میدان ہے۔

نیکیوں کی دوڑ:

اور اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو نیکیوں کی دوڑ لگا رہے ہیں، گو نیکیوں کا رنگ پھیکا ہوتا جارہا ہے، نیکی کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن، ایک اس کا طول وعرض ہے، ایک اس کا عمق، یعنی گہرائی، یہ الگ بات ہے، لیکن بہرحال کچھ لوگ ہیں جو اب بھی نیکیوں کا میدان جیتنے کی کوشش کر رہے ہیں، اگرچہ پہلوں کی نیکی کا رنگ ہمارے رنگ سے بہت مختلف تھا، ان کی نیکی میں گہرائی پائی جاتی تھی، جذبہ عشق پایا جاتا تھا، جذبہ محبت پایا جاتا تھا، یقین پایا جاتا تھا، ایمان کی روشنی اور اطمینان کی ٹھنڈک ان کی عبادتوں میں پائی جاتی تھی، جو ہمارے یہاں نہیں، ہمارے ہاں ایمان کی روشنی پھیکی ہوگئی ہے، غرض یہ ہے کہ آج میدان ہے دوڑ کا، پوری دنیا میں آج دوڑ لگ رہی ہے، اور سباق یعنی مسابقت کا نتیجہ کل نکلے گا، ہر آدمی اپنا جائزہ لے اور سوچے کہ میں کس میدان میں دوڑ لگا رہا ہوں؟ اور اب میں نے کون سا کھیل کھیلنے کے لئے میدان منتخب کیا ہے؟ اور قیامت کے دن بلکہ اس سے بھی پہلے برزخ میں، جس دوڑ میں، میں مشغول ہوں، یہ میرے لئے رسوائی کی چیز ہوگی، یا میری سرخروئی اور نیک نامی کا

ذریعہ بنے گی؟

آرزوؤں کا گھیرا:

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ تم جن دنوں کو کاٹ رہے ہو، چاروں طرف سے آرزوئیں اور تمنائیں تمہیں گھیرے ہوئی ہیں کہ یہ ہوجائے، یہ ہوجائے، یہ ہوجائے، کسی کو ذرا چھیڑ کر دیکھو اور پھر اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کی داستان سنو، تم خاموش رہو، پھر وہ بولتا رہے گا، لیکن تمہاری تمنائیں موت سے پہلے پوری نہیں ہونے کی، جن تمناؤں اور جن آرزوؤں کو تم نے پال رکھا ہے، یہ کبھی پوری نہیں ہوسکتیں، تم نادانی بلکہ حماقت میں مبتلا ہو کہ ان تمناؤں اور آرزوؤں کو پال رہے ہو، اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید ہم اپنی آرزوئیں پوری کرکے یہاں سے جائیں گے، بھائی! کوئی آدمی اپنی آرزوئیں اس دنیا میں پوری نہیں کرسکتا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"قَالَ خَطَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِی الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْہُ وَخَطَّ خِطَطًا صِغَارًا اِلٰی ھٰذَا الَّذِیْ فِی الْوَسْطِ مِنْ جَانِبِہِ الَّذِیْ فِی الْوَسْطِ، فَقَالَ ھٰذَا الْاِنْسَانُ وَھٰذَا اَجَلُہٗ مُحِیْطٌ بِہٖ، وَھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ خَارِجٌ اَمَلُہٗ، وَھٰذِہِ الْخِطَطُ الصِّغَارُ الْاَعْرَاضُ فَاِنْ اَخْطَاءَہٗ ھٰذَا نَھَسَہٗ ھٰذَا وَاِنْ اَخْطَاءَہٗ ھٰذَا نَھَسَہٗ ھٰذَا۔"

(مشکوٰۃ ص:۴۴۹)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور دائرہ بنایا اور اس دائرہ کے درمیان ایک لمبا خط کھینچا جو اس دائرہ کے باہر تک تھا، اور کئی خط چھوٹے چھوٹے بنائے جو

درمیان میں تھے، فرمایا یہ جو دائرہ میں نے بنایا ہے نا! چوکور اور مربع، یہ تو انسان کی اجل ہے، یعنی موت، اور اس کے اندر میں نے جو نشان بنایا ہے یہ انسان کھڑا ہے، اور یہ جو میں نے دائرے سے باہر، یعنی خط سے باہر ایک نشان بنایا ہے، یہ انسان کی امل اور اس کی آرزو ہے، اس کی تمنائیں ہیں، اور درمیان میں بھی نیچے بھی ایک خط کھینچ کر آدھے آدھے نشان دے دیئے تھے، فرمایا یہ جو میں نے اندر نشانات بنائے ہیں، اس کی رکاوٹیں ہیں اور اس کی تمنا کے پورے ہونے سے مانع ہیں۔''

آرزوؤں کا خون:

اول تو یہ رکاوٹیں اس کو اجازت نہیں دیں گی کہ آگے چلے، لیکن فرض کرو کہ یہ رکاوٹیں درمیان میں حائل نہ بھی ہوں، تو امل یعنی اس کی آرزو تو اجل سے باہر ہے، یہ جدھر کو بھی بھاگے گا، آگے اس کی اجل کھڑی ہے، اور اس کی آرزو اجل کے دائرے سے باہر ہے، موت سے پہلے کبھی بھی اس کی تمنا پوری نہیں ہوسکتی، آج تک کسی انسان کی تمنائیں پوری نہیں ہوئیں، ناکامیوں پر ناکامیاں، شکستوں پر شکستیں، رکاوٹوں پر رکاوٹیں لوگوں کو پیش آتی ہیں، اور آکر ہمارے پاس شکایت کرتے ہیں کہ مولوی جی! پتہ نہیں کیا ہوگیا؟ جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں وہی کام خراب ہوجاتا ہے اور جب کسی کام کو کرنے جاتا ہوں سارے مراحل طے ہوجاتے ہیں اور جب آخر میں ہوتا ہوں تو معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ کاش کہ ہم لوگوں کو عبرت ہوجاتی۔

ایک مثال:

یوں آتا ہے کہ دوزخ میں دوزخی کو پہاڑ پر چڑھائیں گے، جس کو قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے: "سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا."، پتہ نہیں کتنی تکلیف کے ساتھ وہ

پہنچے گا، پیچھے ڈنڈے برسیں گے، اور اس کو کہیں گے چڑھ آگ کا پہاڑ ہے، اور جب چوٹی کے قریب پہنچے گا تو دھکے دے کر نیچے پھینک دیا جائے گا، پھر کہیں گے چڑھ، اس غریب کو یہی سزا ملتی رہے گی، جیسا کہ ہمیں یہ سزا مل رہی ہے کہ ہم آرزوؤں کے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے ہیں، اس چوٹی کو سر کرنا چاہتے ہیں، اور جونہی دیکھا کہ تمنا پوری ہونے والی ہے اور مقصد پورا ہونے والا ہے، تو دھکے سے نیچے گرادیئے جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ ہاں پھر چڑھ، ہمیں اس کام میں لگادیا، ہماری بالکل دوزخی کی مثال ہے، بھئی تھک کر کے اس کام کو ہی چھوڑ دو اور اللہ کے سپرد کردو جو کرنا ہوگا کردے گا، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے: "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا." (ھود:٦) ساری مخلوق کے رزق کا ذمہ تو اس نے لے رکھا ہے،" کارساز ما، در فکر کار ما" ہمارا کارساز ہمارے کام کی فکر میں خود لگا ہوا ہے، "فکر ما در کار ما آزار ما" کیا اپنے کام میں یہ ہمارے فکرمند ہونے سے کچھ بنے گا؟ نہیں! بنے بنائے گا تو کچھ نہیں سوائے تکلیف و آزار کے، جب اس کا کوئی نتیجہ نہیں تو چھوڑ دو۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تم آرزوؤں کے دنوں میں ہو، اجل سے پہلے پورا ہونے کی کوئی آس اور توقع نہیں، اور مرزا غالب کے بقول:

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہئے

تمہاری امیدیں مرنے سے پہلے پوری ہو نہیں سکتیں تو تم ناامید ہوجاؤ ناں۔
ہاں جن چیزوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد کا وعدہ فرمایا ہے، ان کا یقین کرو، دنیا سے تمہارا دل سرد ہوجائے، دنیا کی آرزوؤں کو پس پشت ڈال دو۔

اپنی تمام آرزوئیں اللہ کے سپرد کر دو!

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آرزوئیں خاک ہوں یا حسرتیں پامال ہوں، اب تو اس دل کو تیرے لائق بنانا ہے، قابل بنانا ہے، لات مارو ان حسرتوں کو اور پھینک ڈالو ان آرزوؤں کو، ایک کی تمنا کرو، اور بس، باقی سب تمنائیں چھوڑ دو، ہمارے خواجہ مجذوبؒ کے بقول:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

تم نے کن تمناؤں کو پال رکھا ہے قلب کو پریشان کرنے کے لئے، اپنے تمام امور اس مالک کے سپرد کر دو اگر اس کے رحیم ہونے پر، اس کے شفیق ہونے پر، اس کے رزاق ہونے پر، اس کے معبودِ برحق ہونے پر، اس کے مالک الملک ہونے پر اور اس کی قدرتِ کاملہ پر یقین ہے تو تم اپنی تمام آرزوئیں اس کے سپرد کر دو۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

ترجمہ:...... ''میں نے اپنا مال و متاع تیرے سپرد کر دیا، یہ کم ہے یا زیادہ، اس کا حساب آپ کرتے رہئے۔''

تم کس فکر میں غلطاں ہوگئے میاں! لیکن کیا کیجئے جس آدمی کو دیکھو، اس میں مبتلا ہے، جسے دیکھو اسی میں مبتلا ہے، ایک طالب علم آٹھ مرتبہ فیل ہوا، بیچارے کو آٹھویں مرتبہ کے بعد کامیابی ہوئی، اسی چیز کو سوچ لیتا کہ امتحان ہی کیا ضروری ہے؟ جاؤ اپنا کام کرو، لیکن آگے یہ جو اس کو ڈگری مل جائے گی، کاغذ کا ایک پرزہ ہوگا، آگے اسی کے سہارے اس کی زندگی بسر ہوگی، کھانے پینے کی اور کام کاج کی ضرورت نہیں ہوگی، اسی طرح حسرت کا ایک میدان تم نے طے کیا، آٹھ مرتبہ کی ناکامی کے بعد،

آگے پھر ایک میدان حسرت اور ہے اسے بھی قطع کرو۔

رغبت کے دنوں میں بھی عمل کرو!

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح خوف کے دنوں میں اللہ کے لئے عمل کیا کرتے ہو، رغبت کے دنوں میں بھی کرو، جب بیماری میں ہوتے، پریشانی میں ہوتے، کسی تکلیف میں مبتلا ہوتے، کوئی افتاد آپڑتی ہے تو تم اللہ کی طرف بھاگتے ہو، عافیت کے زمانے میں بھی تو کرلیا کرو۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں جو خوشحالی میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہو، اور تنگی میں بھی مانگتا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا سچا بندہ ہے، یہ ہر حالت میں مجھ سے مانگتا ہے، اور اپنے فقر کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اگر تنگی میں مانگتا ہے، اور خوشحالی میں نہیں مانگتا، تو فرماتے ہیں کہ مطلب کا یار ہے۔

تعجب ہے کہ جنت کا طالب سو رہا ہے؟

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جنت جیسی چیز کے طلب کرنے والے سو رہے ہوں، اور دوزخ جیسی چیز سے بھاگنے والے سوجائیں، میں نے جنت جیسی چیز نہیں دیکھی جس کے طلب کرنے والے بھی سو رہے ہیں، اور دوزخ جیسی چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والے بھی سو رہے ہیں، ذرا سی فکر ہوتی ہے، پریشانی ہوتی ہے تو ہماری نیند اڑ جاتی ہے، نیند نہیں آتی، اور عاشق نامراد کو عشق و محبت کی وجہ سے نیند نہیں آتی، نہ طالب سوئے، نہ خائف سوئے، لیکن عجیب بات ہے کہ جنت کے عاشق اور طالب بھی بنے پھرتے ہیں اور رات کو سوتے بھی ہیں، اور دوزخ سے بھاگنے والے اس سے خوف کرنے والے بھی بنے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی سو رہے ہیں، اگر جنت اپنی تمام حقیقتوں کے ساتھ ایک مرتبہ اپنی جھلک دکھادیتی تو ساری عمر کے لئے نیند اڑ

جاتی پھر دوبارہ کبھی نیند نہ آتی، اور اگر دوزخ کو نزدیک سے نہیں دور سے بھی ہم ایک مرتبہ دیکھ لیتے تو پھر دوبارہ ہمیں سونا یاد نہ رہتا۔

غفلت بھی نعمت ہے:

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ بھئی یہ غفلت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا، اگر ہمیشہ استحضار رہے تو آدمی معطل ہوکر رہ جائے، نہ کھا سکے، نہ پی سکے، نہ سو سکے، نہ بات کر سکے، بات کیا کرے گا جب کھائے گا پئے گا نہیں، سوئے گا نہیں تو بات کیا کرے گا؟ تو حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ایک گونہ یعنی ایک درجہ میں غفلت بھی آدمی کو چاہئے، اور اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائی، غفلت بھی ایک نعمت ہے، لیکن غفلت اتنی نہیں ہونی چاہئے، میرے دوست مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ جی صبح اصل میں فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، نہ بھائی! اتنی غفلت تو نہ کرو، رات کو سو جاؤ، بس اتنی غفلت بہت ہے۔

غفلت مذموم:

لیکن فرائض کے وقت میں غفلت نہیں ہونی چاہئے، یہ غفلت مذموم ہے، اگر تمام فرائض الٰہیہ کو ادا کرتے ہو، ٹھیک ٹھیک حقوق و فرائض کو صحیح صحیح بجا لاتے ہو، اس کے باوجود ہنستے بھی ہو، سوتے بھی ہو، کھاتے بھی ہو، اپنے اہل و عیال سے بھی ملتے ہو، تو یہ غفلت محمود ہے، یہ ہونی چاہئے، اور اگر غفلت کی حد یہاں تک پہنچ گئی کہ تمہیں گناہوں میں مبتلا کر رہی ہے اور فرائض و واجبات تم کو چھڑوا رہی ہے تو یہ غفلت مذموم ہے، اس کا علاج کراؤ۔

غفلت کا علاج:

اور حکمائے امت فرماتے ہیں کہ اس کا علاج یہی مراقبہ ہے کہ تھوڑے سے

وقت کے لئے تنہائی میں بیٹھ جایا کرو، اور اس برخوردار کو سمجھایا کرو جس کو ''نفس'' کہتے ہیں، اس کو سمجھایا کرو، اور بیٹھ کے اس سے باتیں کیا کرو کہ برخوردار! اب فرشتے آرہے ہیں تیری جان قبض کرنے کے لئے، اب تیری جان قبض ہو رہی ہے، اب تجھے غسل دیا جا رہا ہے، تجھے کفن میں لپیٹا جا رہا ہے، اب تجھے کندھوں پر اٹھا کر لے جا رہے ہیں، اب تجھے لحد میں ڈال دیا ہے، اب تیری اینٹیں بند کر دی ہیں، اب تیرے پاس منکر نکیر آرہے ہیں، ان کی شکل اتنی گھناؤنی ہے، اتنی ڈراؤنی ہے کہ اللہ کی پناہ تو تو اتنا بہادر ہے کہ چوہا نکلتا ہے تو تو کانپ جاتا ہے، اس وقت تیرا کیا حال بنے گا؟ تنہائی ہے، اندھیرا ہے، کوئی مونس و غم خوار نہیں، جن کے لئے تو مارا مارا پھر رہا ہے، یہ تیرے کس کام آئے گی؟ اور پھر حشر کے میدان میں جو کچھ ہونے والا ہے، اس کو ذرا سمجھاؤ! جنت تیرے سامنے لاکر کھڑی کر دی گئی ہے، اور دوسری طرف دوزخ تیرے سامنے کر دی گئی ہے، بتا کس کو لینا چاہتا ہے؟ آج تو غفلت کی وجہ سے تجھے نظر نہیں آتا، یا تو احساس نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی بے چارہ نابینا ہو اور اس کو نظر نہ آوے تو اس کے نظر نہ آنے کی وجہ سے سورج اپنا نکلنا نہیں چھوڑتا، سورج تو بہر حال طلوع ہو کر رہے گا، کیوں بھئی! حافظ جی کو نظر نہیں آتا، اب سورج اس کی رعایت تو نہیں کرے گا کہ غریب حافظ جی کو نظر نہیں آتا میں کیا نکلوں؟ اگر ہم اندھے ہو گئے ہیں آخرت سے، اور ہمیں آخرت نظر نہیں آتی، جنت سامنے نظر نہیں آتی، دوزخ سامنے نظر نہیں آتی، آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی ہے، تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حقیقت کا یہ آفتاب طلوع نہیں ہوگا، وہ تو ہو کے رہے گا، اس برخوردار کو سمجھاؤ!

اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دو!

اور ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ روزانہ سونے سے پہلے کم سے کم پانچ منٹ مراقبہ کر لیا کرو، انشاء اللہ! یہ شریر بچہ تمہیں کام دینے لگے گا، سمجھ جائے گا، اور اگر

اس پر بھی نہ سمجھے تو پھر اس کو کسی سائیس کے سپرد کر دو، وہ گھوڑا ہوتا ہے نا گھوڑا، اس کو سائیس کے سپرد کر دیتے ہیں، جس کے ہاتھ میں ہنٹر ہوتا ہے، اور وہ ماہر اتنا ہوتا ہے کہ اس پر سوار ہو جاتا ہے، گھوڑا جتنا چاہے کودے، چھلانگ لگائے، مگر وہ نہیں گرتا، اور اس کو زور زور سے مارتا ہے، اور پھر سنگلاخ زمین پر لے جاتا ہے، جب تک وہ اپنی شوخی اور شرارت نہیں چھوڑ دیتا اور جب تک کہ وہ ڈھنگ سے کام نہیں کرنے لگتا، سائیس اس کی پشت پر رہتا ہے، اگر یہ بچہ تمہارے قابو میں نہیں آتا تو کسی سائیس کے سپرد کرو، وہ ہنٹر دکھا کر خوب انشاءاللہ! اس کی چولیں نکال دے گا، لیکن توبہ! توبہ! ایسے کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم تو بہت معزز ہیں، بڑی عزت والے ہیں، اپنے آپ کو کسی اور کے سپرد کر دیں؟

غرض یہ ہے کہ جنت کے طالبوں کو سونا نہیں چاہئے، خاص طور پر فجر کے وقت اور عشاء کے وقت، اور دوزخ سے بھاگنے والوں کو سونا نہیں چاہئے، جس سے نمازیں قضا ہو جائیں، فرائض شرعیہ قضا ہو جائیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف ہو جائیں، برباد ہو جائیں۔

حق سے فائدہ اٹھاؤ ورنہ ....

اس کے بعد ایک بہت قیمتی بات فرمائی کہ جو شخص حق سے فائدہ نہ اٹھائے وہ باطل کا نشانہ بنا کرتا ہے، اور جس شخص کو ہدایت راہ راست پر نہ چلا سکے گمراہی اس میں اپنا کام کیا کرتی ہے، تم دیکھو اگر تم حق پر ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ باطل سے بچ گئے، اور اگر تم نے حق کا ساتھ نہیں دیا، تو باطل اپنا حصہ تم سے وصول کرے گا، اگر ہدایت کا حصہ تم نے پورا لے لیا تو ٹھیک ہے اور اگر ہدایت کا کچھ حصہ تم نے چھوڑ دیا تو گمراہی اپنا حصہ وصول کر لے گی، اور یہ کوئی عمل نہیں کہ نہ حق پر رہو، نہ باطل پر رہو، نہ صحیح ہو، نہ غلط ہو، یہ کچھ ہماری سمجھ میں آنے لگی کہ اجتماع ضدین بھی ہو جاتا ہے؟ کہ

بیک وقت ایک چیز صحیح بھی نہیں ہے اور غلط بھی نہیں ہے، اگر صحیح نہیں تھی تو بھائی تم اس کے آرزومند کیوں رہتے تھے؟ اور اگر غلط نہیں تھی تو تم اس کو چھوڑتے کیوں تھے؟

اب ہمارے بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کے بارے میں ہمارا تصور یہ ہے کہ یہ نہ صحیح ہیں اور نہ غلط ہیں، ٹھیک ٹھاک ہے، مگر یہ کہ ہمیں تو صحیح اور غلط کا سوال ہی نہیں، ہمیں اس سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی، تو نتیجہ یہ ہے کہ حق تو تمہارے پاس ہے نہیں، تو تم چاہو کہ باطل بھی نہ ہو، یہ نہیں ہوگا، یا تو حق کو اختیار کرلو اور پورے طور پر اختیار کرلو ورنہ جتنا حصہ حق کا چھوڑو گے اتنا حصہ باطل کا تمہارے اندر آئے گا، جتنا حصہ ہدایت کا چھوڑو گے اتنا حصہ گمراہی کا تمہارے اندر آئے گا، بس انہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

یومِ حساب سے پہلے
محاسبہ کی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"..... اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّاب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَتَبَ اِلٰی بَعْضِ عُمَّالِہٖ، فَکَانَ فِیْ آخِرِ کِتَابِہٖ: اَنْ حَاسِبْ نَفْسَکَ فِی الرَّخَآءِ قَبْلَ حِسَابِ الشِّدَّۃِ فِاِنَّ مَنْ حَاسَبَ نَفْسَہٗ فِی الرَّخَآءِ قَبْلَ حِسَابِ الشِّدَّۃِ عَادَ مَرْجِعُہٗ اِلَی الرِّضَآءِ وَالْغِبْطَۃِ، وَمَنْ اَلْھَتْہُ حَیَاتُہٗ وَشَغَلَتْہُ سَیِّئَاتُہٗ عَادَ مَرْجِعُہٗ اِلَی النَّدَامَۃِ وَالْحَسْرَۃِ، فَتَذَکَّرْ مَا تُوْعَظُ بِہٖ لِکَیْ تَنْتَھِیَ عَمَّا تُنْھٰی عَنْہُ." (کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۱۹۰)

"عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ کَتَبَ اِلٰی مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا: اَمَّا بَعْدُ! فَالْزِمِ الْحَقَّ یُبَیِّنُ لَکَ الْحَقُّ مَنَازِلَ اَھْلِ الْحَقِّ وَلَا تَقْضِ اِلَّا بِالْحَقِّ وَالسَّلَامُ." (کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۱۹۳)

ترجمہ:..... "..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے

بعض گورنروں کو ایک خط لکھا اور اس کے آخر میں تھا کہ: کشائش کے زمانہ میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرو، سختی کے حساب سے پہلے، جو شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے گا جب شدت اور سختی کا وقت آئے گا تو اس کا انجام رضائے الٰہی اور غبطہ کی شکل میں نکلے گا، اور جس کو اس کی زندگی نے غافل کر دیا اور اس کی برائیوں نے اس کو مشغول رکھا، تو جب اس کا انجام نکلے گا تو نہایت ندامت اور حسرت کا انجام ہوگا، پس جو نصیحت تم کو کی جا رہی ہے اس پر غور کرو تا کہ جس چیز سے رکنا چاہئے اس سے تم باز رہ سکو۔"

ترجمہ:...... "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو خط لکھا فرمایا کہ: حق کو لازم پکڑو، حق، تمہارے لئے اہل حق کے منازل واضح کر دے گا، اور کوئی فیصلہ حق کے بغیر نہ کرنا۔ والسلام۔"

حضرت عمرؓ کا صحابہؓ کو نماز کی تلقین کرنا:

یہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دو خطوط ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے حکام، صوبے داروں اور دوسرے ایسے لوگ جو حکومت میں دخیل ہوتے ہیں، ان کو وقتاً فوقتاً نامہ گرامی لکھتے رہتے تھے، ان کو نصیحت فرماتے رہتے تھے، اور تنبیہات فرماتے تھے، مؤطا امام مالک میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا کہ:

"اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِكُمْ عِنْدِی الصَّلَاةُ فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا حَافَظَ عَلٰی غَيْرِهَا وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا

اَضْیَعُ." (مؤطا امام مالک ص:۵)

ترجمہ:...... "میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے، جو شخص اس کی محافظت اور پابندی کرے وہ دین کے دوسرے کاموں کی بھی پابندی کرے گا، اور جو شخص اس میں لاپروائی کرے گا اور اس کو ضائع کرے گا وہ دین کی دوسری باتوں کو بدرجۂ اولیٰ ضائع کرے گا۔"

اس کے بعد اسی خط میں نماز کے اوقات تحریر فرمائے ہیں کہ فلاں فلاں وقت نماز پڑھا کرو۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طویل مدت تک رہے ہیں، اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اچھی طرح علم ہے، چند صحابہ جو بہت شدت سے روایتیں کرتے ہیں، ان میں ایک نام حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، اس کے باوجود ان کو اس معاملہ میں خط لکھ رہے ہیں تاکہ حکومت کی ذمہ داریوں، اس کی مصروفیات اور اس کی مشغولیت کی وجہ سے کسی قسم کی سستی اور تہاون پیدا نہ ہوجائے۔

کشائش کے زمانہ میں اپنے محاسبہ کی ضرورت:

یہ خط جو میں نے آپ کے سامنے پڑھے ہیں ان میں سے پہلا خط حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک عامل کو یعنی حاکم اور گورنر کو لکھا اور اس میں بہت ساری باتیں تحریر فرمائیں تھیں، اس کے آخر میں یہ تحریر فرمایا کہ کشائش کے زمانے میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرو، جبکہ تم پر پکڑ دھکڑ کرنے والا کوئی نہیں، اور تمہیں کسی سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں، اس وقت اپنے آپ کا محاسبہ کیا کرو۔ سختی کے حساب سے پہلے۔ سختی کا حساب ہے قیامت کے دن کا حساب۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ عام طور پر مشہور ہے کہ: ’’اپنا حساب کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے۔‘‘ یہی مطلب ہے اس جملہ کا بھی کہ شدت کا حساب پیش آنے سے پہلے پہلے کشائش، نرمی اور فراخی کے زمانے میں اپنا حساب کیا کرو۔

محاسبہ سے پہلے محاسبہ کے فوائد:

اس کے بعد فرمایا: جو شخص شدت کے زمانے سے پہلے پہلے کشائش کے زمانے میں اپنا حساب کرلیتا ہے اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب اس کا حساب ہوگا، تو اس کا نتیجہ رضا اور غبطہ کی شکل میں نکلے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور لوگوں کو اس کی حالت پر رشک آنا، اس کے حساب کو قیامت کے دن دیکھ کر حق تعالیٰ شانہ کی رضامندی کا اعلان ہوگا، اور محشر کے لوگوں کو اس شخص پر رشک آئے گا کہ اے کاش! ہمارے ساتھ بھی یہ معاملہ کیا جاتا۔

اپنا محاسبہ نہ کرنے والوں کا انجام:

جو شخص ایسا ہوتا ہو کہ زندگی اس کو غافل کردے اور اس کی سیئات، برائیاں اس کو مشغول رکھیں، تو اس کا نتیجہ ندامت اور حسرت ہوگا، قیامت کے دن ایسا آدمی پشیمان ہوگا اور حسرت اٹھائے گا۔

قرآن کریم میں فرمایا:

’’اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ وَاِنْ کُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ.‘‘ (الزمر:۵۵)

ترجمہ:...... ’’ہائے افسوس اس پر جو میں نے کوتاہی کی اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں، تفریط کی، اور میں تو تھا ہنسی مذاق سمجھنے والوں میں سے (کہ قیامت کا حساب ہنسی کھیل ہے)۔‘‘

تو ایک بات تو یہ تحریر فرمائی اور دوسری بات یہ تحریر فرمائی کہ جس چیز کی تمہیں نصیحت کی جارہی ہے اس پر غور وفکر کیا کرو تاکہ جن چیزوں سے رکنا چاہئے تم ان سے رک سکو اور باز رہ سکو۔

محاسبہ اور نصیحت حاصل کرنا:

تو ایک ہے محاسبہ اور دوسرا ہے نصیحت حاصل کرنا۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا نامہ اعمال لے کر، اپنے عمل کے دفاتر لے کر پیش ہونا ہے اور اپنا حساب کروانا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفع ونقصان کا میزانیہ آج ہی لگالے۔

روز کے روز کا حساب:

اکابرؒ تو فرماتے ہیں کہ روز کا روز حساب لگاؤ، عشاءؒ کی نماز کے بعد جب لیٹنے لگو، تو تھوڑا سا وقت اس کے لئے مقرر کرو، صبح سے لے کر شام تک جو کچھ ہم نے کیا ہے، کتنے لحات ہم پر گزرے ہیں اور ان لحات کو ہم نے کس مصرف پر خرچ کیا؟ اچھے کام پر خرچ کیا ہے یا برے کام میں یا لایعنی کام میں؟ تین ہی شکلیں ہوسکتی ہیں، اگر اچھے کام میں خرچ کیا ہے تو شکر کرو اور کہو: "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ." لیکن پھر یہ بھی سوچ لو کہ جو اچھے کام کئے ہیں، جیسے کرنے چاہئے تھے، ویسے ہی کئے ہیں؟ ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کی؟ کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کا حق تو ادا نہیں ہوسکتا، اور حق تعالیٰ شانہ کی عبادت کا حق کس سے ادا ہوسکتا ہے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا میں نے حق ادا کرنے کی کوشش بھی کی ہے یا نہیں؟ اگر کوشش کی ہے تو اس پر شکر بجا لاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو پھر ان نیک اعمال بجالانے میں جتنی کوتاہیاں، لغزشیں اور غفلتیں ہوئی ہیں ان پر توبہ استغفار کرو۔ ایک ہی چیز پر شکر بھی ہے اور استغفار بھی ہے۔ شکر تو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے

ان اوقات کو نیک کام میں مشغول کردیا: "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ."

نیکی کی توفیق پر شکر:

ہمارے ایک بزرگ ہیں، جو بہت زیادہ اچھی قسم کی انگریزی جانتے ہیں، قادیانیت کے بارے میں انہوں نے میرے رسائل کا ترجمہ کیا ہے، اب بھی وہ اس کام میں مشغول رہتے ہیں، تھوڑا بہت کرتے رہتے ہیں، اور ان کے انگریزی ترجمہ کی ایک جلد چھپ چکی ہے، تین دن پہلے میرے پاس آئے تھے اور اتنا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے مجھے بہت ہی اچھے کام میں لگادیا، خالصتاً لوجہ اللہ وہ اس کام کو کرتے ہیں، کوئی معاوضہ نہیں، کوئی ستائش نہیں، ممنون تو مجھے ان کا ہونا چاہئے تھا، لیکن وہ اتنی ممنونیت کا اظہار کر رہے تھے کہ کچھ پوچھو نہیں۔ مالک کی طرف سے نیک کام کی توفیق مل جانا اور کسی اچھے کام میں ہمیں لگادینا یہ کوئی معمولی احسان نہیں، اللہ تعالیٰ کا تو اس پر شکر کرو، دوسرا یہ کہ ہمارے اس کام میں جتنی کوتاہیاں، لغزشیں اور غفلتیں ہوئی ہیں اور جیسا ہمیں کرنا چاہئے تھا، ویسا بن تو کیا پڑتا ہم نے کوشش بھی نہیں کی، اس پر استغفار کیا جائے، شیخ عطارؒ فرماتے ہیں:

بے گناہ نگزشت بدما ساعتے
اور بہ حضور دل نہ کردم طاعتے

ترجمہ:...... "بغیر گناہ کے ایک گھڑی بھی ہم پر نہیں گزری، دل کی حاضری کے ساتھ یاد نہیں پڑتا کہ میں نے ایک بھی عبادت کی ہو۔"

زندگی میں کوئی عبادت تو ایسی ہو.....:

زندگی میں ایک عبادت تو ایسی ہوتی جو میں نے دل کی حاضری کے ساتھ ادا کی ہوتی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ."

(مشکوٰۃ ص:۳۸)

ترجمہ:...... "جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے، (وضو کو بھی عبادت سمجھ کر کرے کہ یا اللہ! میں ظاہر کو پاک کر رہا ہوں تو میرے باطن کو بھی پاک کردے، ایسا وضو کرے کہ پانی سے صرف ظاہری اعضاء پاک نہ ہوں، بلکہ اس کا باطن بھی پاک ہوجائے، دھل جائے) ایسے وضو کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وضو کرنے ہی سے اس کے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔"

خیر یہ گفتگو دوسری طرف چل پڑے گی، میں تو دوسری حدیث سنا رہا تھا کہ:

"مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ."

(مشکوٰۃ ص:۳۹)

ترجمہ:...... "اچھی طرح وضو کرے، وضو کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اور ان دو رکعتوں میں اپنے نفس کے ساتھ باتیں نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان دو رکعتوں کی برکت سے اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔"

دو رکعت پر جنت کا وجوب:

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ

مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔"

(مشکوٰۃ ص:۳۹)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مؤمن بندہ اچھی طرح وضو کرلیتا ہے پھر دو رکعت اس طرح پڑھتا ہے کہ اپنے دل اور اپنی ذات سے نماز کی طرف متوجہ ہے، اللہ تعالیٰ ان دو رکعت کی برکت سے جنت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔"

اب سوچو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں کہ وضو کرے اور وضو کرکے دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ اپنے نفس سے باتیں نہ کرے، بلکہ اللہ سے باتیں کرے، کیا کبھی ہم نے ایسی نماز پڑھی ہے؟

کبھی قصد بھی کیا؟

طالب علم، شیخ سے حدیث پڑ رہے تھے تو یہ حدیث آئی، طالب علم نے کہا کہ: حضرت! ایسی نماز کون پڑھ سکتا ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ: کبھی قصد بھی کیا ہے؟ افسوس اس پر نہیں کہ تم پڑھ سکتے ہو یا نہیں؟ یا تم نے پڑھی ہے یا نہیں پڑھی؟ ماتم تو اس کا ہے کہ تم نے کبھی اس کا قصد بھی کیا کہ آج مجھے ایسی نماز پڑھنی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہوجائے۔ قصد تو کرو، تو شیخ عطارؒ فرماتے ہیں کہ دل کی حاضری کے ساتھ ایک بھی عبادت نہیں کی اس پر استغفار کرو۔ یا اللہ! ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے، آپ اپنی رحمت کے ۔اتھ اس کا تدارک فرمادیجئے۔

ایک بزرگ کی دعا:

ایک بزرگ دعا کررہے تھے اور فرمارہے تھے کہ:

"اِصْنَعْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهُ، وَلَا تَصْنَعْ بِنَا مَا نَحْنُ اَهْلُهُ."

ترجمہ:...... "یا اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جو آپ کے شایانِ شان ہے، وہ معاملہ نہ کیجئے جس کے ہم لائق ہیں۔"

صفر کا تجزیہ کر کے بھی اگر کوئی صفر بن سکتا ہے، ہم تو وہ بھی نہیں ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ ہم جیسا معاملہ کریں گے تو پھر کیا بنے گا؟ ہم نے اپنی شان کے مطابق کیا، آپ اپنی شان کے مطابق کیجئے، ہم نے عمل کیا اپنی شان کے مطابق، اپنی اہلیت اور نالائقی کے مطابق، اور آپ اس پر رضا مرتب فرمایئے اور اس پر جزا عطا فرمایئے اپنے شایانِ شان! ہمیں نہ دیکھئے بلکہ اپنے کو دیکھئے۔ تو جب اپنی کوتاہی عمل پر توبہ و استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے تو اس ندامت اور استغفار کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ ہماری اس کمی کو اپنی رحمت سے پورا فرمادیں گے۔

گناہوں کی گندگی:

اور اگر ہمارا وقت معصیت میں گزرا، نافرمانی میں گزرا، تو اس کے یہ معنی سمجھو کہ ہم نے سفید کپڑوں پر گندگی لگائی، صبح کو اٹھے تھے تو کپڑے سفید تھے، شام ہوئی تو جگہ جگہ بول براز کی گندگی اور نجاست کے داغ دھبے لگے ہوئے تھے، اور ہم سے بدبو آرہی ہے، اب اس کا علاج یہی ہے کہ جلدی سے صابن لو اور اس گندگی کو دھولو، سونے سے پہلے پہلے گناہوں کی گندگی کو اپنے دامن ایمان پر رہنے نہ دو، باقی نہ چھوڑو، کیونکہ سونا مرنے کے مشابہ ہے، سونے سے پہلے پہلے اپنے دامن ایمان کو صاف کرلو، داغ اور دھبوں کو دور کرلو اور ایک دو آنسو بھی ان آنکھوں سے نکل جائیں تو یہ گناہوں کے لئے ایسے ہی کام دیتے ہیں جیسے کہ تیزاب سے رنگ اتر جاتا ہے،

دھبے دور ہو جاتے ہیں۔

گناہوں کی گندگی سات سمندروں سے بھی نہیں جاتی:

اس لئے کہتے ہیں کہ گناہوں کی گندگی کو سات سمندر نہیں دھو سکتے، لیکن آنکھوں کے آنسو کا ایک قطرہ بھی نکل آئے تو تمام گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتا ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ میں شاعری کر رہا ہوں، شاعری نہیں کر رہا، حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: حَسْبُکَ مِنْ صَفِیَّةَ کَذَا وَکَذَا، تَعْنِیْ قَصِیْرَةً، فَقَالَ: تعنی قَصِیْرَةً. فَقَالَ: لَقَدْ قُلْتِ کَلِمَةً لَوْ مزج بِهَا الْبَحْرُ لَمزجته." (مشکوٰۃ ۴۱۴)

ترجمہ:...... "ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ کے بارے میں میرے منہ سے نکل گیا کہ اتنی سی تو ہے، اور ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اتنی سی ٹھگنی ہے، (یعنی ہاتھ کا ہی اشارہ کیا تھا اور صرف اتنا کہا تھا زبان سے کہ اتنی سی تو ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اس کی سیاہی کو (سات) سمندر بھی نہیں دھو سکتے۔"

شاعری نہیں کر رہا، صحیح بات کر رہا ہوں، گناہوں کی گندگی سمندر سے بھی دور نہیں ہوسکتی، ہاں آنکھوں کے پانی سے دور ہوسکتی ہے اور آنکھوں کا پانی نہ آئے تو اس کا بھی علاج فرمادیا کہ: "اگر تم رو نہ سکو تو رونے والی شکل ہی بنالو۔" رونا تو بعض دفعہ اختیاری نہیں ہوتا، لیکن رونے والوں کی شکل بنالینا تو مشکل نہیں ہے۔ اپنے

پورے دن کی زندگی کا جائزہ لو اور جائزہ لے کر ایک ایک عمل کے بارے میں اپنی نیکیوں کی بھی اور اپنے گناہوں کی بھی فہرست مرتب کرلو۔

کتنی بڑی دولت ضائع ہوگئی:

اور تیسری قسم وہ وقت ہے جو ہم نے لایعنی ضائع کیا، یعنی جس کا کوئی مصرف نہیں، ٹھیک ہے تم سے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، نفس نے کہہ دیا تھا کیونکہ اس پر تمہاری کوئی پکڑ نہیں ہوگی، لیکن یہ تو سوچو کہ تم نے دولت کتنی ضائع کردی؟ اس پر حسرت تو ہونی چاہیے، اور اگر تضیع اوقات پر بھی کوئی حسرت نہیں ہوتی تو پھر ماتم کا مقام ہے کہ وقت جارہا ہے، گزر رہا ہے، بلکہ گزر چکا ہے اور ہم خالی کے خالی رہے، زیادہ نہیں پانچ منٹ یہ روزانہ کا مراقبہ کرلو، یہ ہے محاسبہ، اور اس کا تدارک کرلو کیونکہ ابھی تدارک کا وقت ہے۔

حاجی محمد شریفؒ کی دعا:

میں نے تمہیں حاجی محمد شریف صاحبؒ کا مقولہ سنایا تھا، وہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، ملتان میں اسکول کے ماسٹر تھے اور حضرتؒ سے خلافت بھی ملی، اندازہ کرو کتنے نیک آدمی ہوں گے! اسکول ماسٹر ہیں اور حضرتؒ نے ان کو رگڑے کتنے دیئے؟ یہ ان کی سوانح عمری سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ان کے ملفوظات میں میں نے پڑھا کہ میں تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہوں کہ:

> ''یا اللہ! قیامت کے دن آپ میرا حساب لے کر یہی تو بتائیں گے کہ یہ مجرم ہے۔ یہی بتانا چاہیں گے نا کہ یہ مجرم ہے! یا اللہ میں اپنے مجرم ہونے کا ابھی اقرار کرتا ہوں، خود اقرار کرتا ہوں، جو آدمی خود مجرم ہو اور مجرم ہونے کا اقرار کرتا ہو، اس پر گواہوں کے لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے لئے

عدالت قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن آپ مجرم ثابت کریں گے انجام اتنا ہی ہوگا کہ مجھے دوزخ میں ڈالیں گے، اس لئے میں معافی کا طلب گار ہوں، آپ کے عذاب کا تحمل مجھ سے نہیں ہوسکے گا، معاف کردیجئے! میرا کام جرم کرنا اور آپ کا کام معافی دینا ہے، آپ معاف کردیجئے!"

روزانہ کے محاسبہ سے تلافی ہوجائے گی:

روزانہ اگر اس محاسبہ کی عادت ڈال لی جائے جبکہ کوئی تم پر ڈنڈا لے کر نہیں کھڑا اور کوئی تم پر پہرا نہیں دے رہا، انشاءاللہ! بہت کچھ تدارک ہوجائے گا، یہ بکھرے ہوئے بیر دوبارہ جھولی میں ڈال سکتے ہو، یہ اجڑی ہوئی کھیتی دوبارہ لہلہا سکتی ہے، بشرطیکہ اس کا انتظام کرو۔

بددیانتوں کی وجہ:

حقوق العباد کے معاملہ میں جو بددیانتیاں ہو رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے معاملے میں جو بے اعتدالیاں ہو رہی ہیں، یہ کیوں ہو رہی ہیں؟ اس لئے کہ اوپر سے نگرانی کرنے والا کوئی ہے نہیں، اور اندر بندوں نے اپنی نگرانی کرنا چھوڑ دی، اوپر تو حساب لینے والا ایک ہی دن حساب لے گا، تم مطمئن ہو اور بندوں کی نظر بے چاری کمزور ہے، وہ تمہاری خلوت تک کہاں پہنچے گی اور قانون کا ہاتھ اپاہج ہے تم جب چاہو اس کا پنجہ مروڑ ڈالو، وہ تمہارے دامن تک نہیں پہنچے گا، تم مطمئن ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں پکڑ سکتی، ہم نے ایسی ترکیب سے جرم کیا ہے کہ نشان قدم بھی مٹا دیئے ہیں۔

لیاقت علی مرحوم کو بھرے جلسے میں قتل کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اکبر خان کو بھی گولی ماردی گئی جو لیاقت علی خان مرحوم کا قاتل تھا، چلو جرم مٹ گیا۔ آج تک پتہ

نہیں چلا کہ لیاقت علی خان کا قاتل کون تھا؟ یہ پاکستان کا پہلا سیاسی قتل تھا جو کہ وزیراعظم کا قتل تھا، تم نے سمجھا کہ ہم نے ثبوت مٹادیئے، ثبوت موجود ہیں، یوم الحساب آئے گا تو سارے ثبوت پیش کردیئے جائیں گے۔

ہم محاسبہ آخرت کو بھول گئے:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ آج دنیا میں جو فساد پیدا ہو رہا ہے وہ اس لئے کہ ہم نے اپنا محاسبہ چھوڑ دیا ہے، اس لئے کہ یوم الحساب کو بھول گئے، یاد ہی نہیں رہا کہ حساب ہونے والا ہے، ایک ایک پائی کا، ایک ایک ذرہ کا حساب لیا جائے گا۔

ترمذی شریف کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں روایت ہے:

"لَا تَزُوْلَ قَدَمَا ابْنَ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ. عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ، وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ، وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اِکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا اِذَا عَلِمَ." (مشکوٰۃ ص:۴۴۳)

ترجمہ:......"بندے کے قدم اپنی جگہ سے ٹلیں گے نہیں جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہیں لیا جائے گا:

۱:......اپنی عمر کہاں برباد کی تھی؟

۲:......اپنی جوانی کہاں بوسیدہ کی؟

۳:......مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟

۴:......اور کہاں خرچ کیا تھا؟

۵:......عالم سے سوال ہوگا کہ جو علم سیکھا تھا کیا اس پر

عمل بھی کیا تھا یا نہیں؟''

چھوٹا سوال مگر مشکل جواب:

حساب دو، دیکھنے میں بظاہر چھوٹا سا سوال ہے اس کو حل کرو، لیکن ذرا اس سوال کا جواب لکھنے بیٹھو تو تم کہو گے کہ یاد نہیں رہا، کمپیوٹر تم کو دے دیا جائے گا، جس میں تمہارا زندگی کا سارا ریکارڈ موجود ہے۔ تا کہ دیکھتے رہو اور لکھتے رہو۔

جوانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ وہ کہاں بوسیدہ کی تھی؟ ''اَلشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْجُنُوْنِ'' ہے ناں! یہ جوان کسی کی نہیں سنتا، بڈھوں کی نہیں سنتا، عقل پر پردہ آجاتا ہے، اس لئے حافظؒ کہتے ہیں کہ:

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں نیک تر دارند

جوانان سعادت مند پند پیر دانا

ترجمہ:...... ''برخوردار! نصیحت سن لو! کیونکہ سعادت مند بچے بوڑھوں کی نصیحت کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تر جانتے ہیں۔''

جوانی کی نعمت کی قدر کرو:

بڑوں کے تجربے سے فائدہ اٹھالو، ''من نکردم شما حاضر بکنید'' مجھ سے نہ ہوسکا تم تو کرو۔ یہ جوانی اس قسم کی ہے کہ یہی زمانہ حقیقت میں کام کرنے اور کمانے کا ہے، بچپن کا زمانہ تو لاشعوری کا زمانہ ہے، اور بڑھاپے کا زمانہ میری طرح معذوری کا زمانہ ہے، یہی جوانی کا زمانہ ہے، اگر کمالات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اسی جوانی کے زمانے میں حاصل کرسکتے ہو، اپنے کو غارت اور برباد کرنا چاہتے ہو تو بھی یہی زمانہ ہے، اس کے لئے موزوں ترین زمانہ ہے، بلندیوں پر جانا چاہتے ہو تو آسمان سے اوپر تک پہنچ جاؤ گے اور نیچے گرنا چاہتے ہو تو بہائم سے، درندوں اور چوپایوں سے بھی

نیچے جاسکتے ہو، اسی جوانی کے زمانے میں اگر نیک بننا چاہو تو فرشتے تم پر رشک کریں، اور رخ دوسری طرف کرلو تو شیطان تم سے پناہ مانگے۔ حالانکہ جوانی بھی زندگی ہی کا ایک حصہ ہے لیکن اس کے سوال کا پرچہ الگ دیا گیا ہے۔ ''وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ.'' جوانی کے بارے میں سوال ہوگا کہ وہ کہاں بوسیدہ کردی تھی؟

مال سے متعلق سوال:

مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے لیا تھا؟ کہاں دیا تھا؟ حاصل کیسے کیا؟ خرچ کیسے کیا؟ یہ ایک سوال دو مستقل سوالوں کا مجموعہ ہے، ایک ایک پائی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں سے لیا تھا، حلال سے یا حرام سے؟ احکام خداوندی کی رعایت رکھی تھی یا نہیں؟ اور دوسرا یہ کہ خرچ کہاں کیا تھا؟ بال بچوں کے نفقہ پر خرچ کیا تھا تو بہت اچھا کیا، عزیز واقارب کی خبرگیری پر خرچ کیا تو بہت اچھا کیا، صلہ رحمی پر خرچ کیا تو بہت اچھا کیا، غربا ومساکین کی مدد پر خرچ کیا تو بہت اچھا کیا، خیر کے کاموں میں خرچ کیا، اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کیا تو بہت اچھا کیا، سبحان اللہ! ٹی وی پر خرچ کیا تھا؟ تو لعنت! ڈش انٹینا لگایا تھا؟ لعنت! دنیا بھر کی نجاست تم نے اپنے گھر میں ڈال لی، اس لئے پیسے دیئے تھے؟ اور جتنے گناہ کے کام ہیں، نام ونمود اور نمائش کے کام ہیں، ان پر خرچ کروگے تو قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے۔

علم کے بارے میں سوال:

علم کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ جتنا علم دیا تھا اس پر عمل کتنا کیا؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے علم حاصل ہی نہیں کیا، ماشاءاللہ! عمل کا سوال تو بعد میں ہوگا، ہم نے علم ہی نہیں لیا تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مہمل بھیجی تھی؟ اپنے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فضول بھیجا تھا؟ ہدایت کے لئے بھیجا تھا ناں! تمہاری ہدایت کے لئے

بھیجا تھا، تم ہی بتاؤ کہ قرآن کریم جیسی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جلیل القدر نبی تمہاری ہدایت کے لئے بھیجے گئے اور تم نے یہ لاپرواہی کی اور کہا کہ ہم نے سیکھا ہی نہیں! چلو اتنا کہنے سے چھوٹ جاؤ گے؟

جاہل دُہرا مجرم ہے:

عالم بے عمل کی برائی نہ پوچھو! لیکن جو شخص علم ہی حاصل نہیں کرتا، اس کے دو جرم ہیں، ایک علم حاصل نہ کرنا، دوسرا عمل نہ کرنا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی کتاب اور ہدایت یہ بندوں کو حقوق انسانیت سکھانے کے لئے ہیں۔ حقوق انسانیت یعنی حقوق اللہ، حقوق العباد۔ تم نے وہ سیکھے ہی نہیں، مطلب یہ کہ انسانیت ہی نہیں سیکھی۔

فرضِ عین و کفایہ کی تعلیم:

اس لئے اکابرؒ فرماتے ہیں کہ پورے دین کا عالم بننا تو فرض نہیں ہے، یہ تو فرض کفایہ ہے، امت میں کچھ افراد ایسے رہنے چاہئیں کہ جو جب بھی ان سے مسئلہ پوچھا جائے وہ بتاسکیں، کسی بھی نوعیت کا مسئلہ ہو، غور وفکر کرکے بتاسکیں، لیکن میری ذات سے متعلق جتنے اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور جن کا مجھے روز مرہ سابقہ پیش آتا ہے ان کا سیکھنا فرضِ عین ہے، فرضِ عین! جیسا کہ نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، حج فرض ہے، اسی طرح روز مرہ کے مسائل جو مجھے درپیش ہیں، ان کے بارے میں سیکھنا فرضِ عین ہے، اور یہ کچھ مشکل نہیں، تم کہو گے کہ اب ہمیں مولوی بنائے گا، نہیں! نہیں! فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، تمہیں مولوی نہیں بنانے جارہے مگر اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ جو نیا مسئلہ پیش آئے، جس کا حکم تم کو معلوم نہ ہو، کسی اللہ کے بندے سے، محقق عالم سے پوچھ لیا کرو، بس اتنی سی بات ہے اور یہ کوئی مشکل نہیں، مگر ہمارے بھائیوں کی غفلت کا یہ عالم ہے کہ نماز بھی کبھی نہیں سیکھی اور نماز

تو نماز یہ اقامت جو کہتے ہیں ناں "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" یہ بھی کبھی نہیں سیکھی، اقامت کہنے کا شوق ہے، اذان کہنے کا شوق، لیکن اس کے الفاظ ہی کی مشق کر لیتے بھائی! اذان کہتے ہوئے "اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کہتے ہو، اور "اَنَّا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ" کہتے ہو، ان کی نماز سنو وہ بھی غلط، غلط الفاظ ادا کرنا کلمۂ کفر ہے، علماٗ کہتے ہیں کہ "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ" کا معنی یہ ہے کہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور اگر "اَنَّا" کہو گے غلط پڑھو گے "الف" کھڑا کر کے یعنی "اَنَّا" پڑھو گے تو پھر معنی یہ بن جائیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی بن جاؤ گے، وہ بھی کہتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں۔

وضو نہیں سیکھتے۔ ایک موقع پر میں نے نماز جنازہ پڑھائی، ایک آدمی مجھ سے لڑ پڑا کہ میاں جی! نمازِ جنازہ کی نیت بھی بتایا کرتے ہیں، تم نے بتائی نہیں، میں نے کہا جن کو نمازِ جنازہ کی نیت نہیں آتی وہ تشریف کیوں لائے تھے یہاں؟ انہوں نے زحمت کیوں فرمائی؟ مولوی عین اس وقت جبکہ جنازہ تیار ہو تم کو نمازِ جنازہ کی نیت بھی بتائے، اور مولوی تم لوگوں کو نمازِ جنازہ کا طریقہ بھی بتائے، تم کہاں تھے؟ مولوی سے پہلے مل نہیں سکتے تھے کہ ہمیں بتادو نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جاتی ہے؟ کیونکہ کبھی کبھی ہمیں بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

اللہ کے بندو! اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے ہو، اپنے آپ کو کیوں دھوکا دیتے ہو؟ تو یہ میں نے محاسبہ کے بارے میں ذکر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے گا انشاٗ اللہ جب شدت اور سختی کا وقت آئے گا تو اس کا انجام رضائے الٰہی اور غبطہ نکلے گا، یہ شخص لوگوں کے لئے قابل رشک ہوگا، لوگ اس پر رشک کریں گے، قیامت کے دن اعلان کر دیا جائے گا کہ فلاں آدمی کامیاب ہے، اولین اور آخرین سب سنیں گے، اس کی

خوشی دیکھنے کے لائق ہوگی، اس کا رشک قابل دید ہوگا، حسرت سے نگاہیں اس کی طرف اٹھیں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کا مصداق بنادے، آمین!

اور جو شخص زندگی کے مشاغل میں مشغول رہا، غافل رہا، غفلت کی زندگی گزر رہی ہے، اور سیئات میں مبتلا اور مشغول رہا، کبھی پیچھے دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی کہ پیچھے بھی دیکھ لیتے، گناہوں کی سڑک پر، اس کے راستے پر سرپٹ دوڑ رہا ہے، کوئی آواز دیتا ہے تو سنتا نہیں، کوئی بلاتا ہے تو بولتا نہیں اور یہ کہہ کر گزر جاتا ہے کہ:

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو!
تجھ کو پرائی کیا پڑی؟ اپنی نبیڑ تو!

بھائی! ہمیں کسی پرائی کی نہیں پڑی، توبہ توبہ! اپنی نبڑ جائے تو بہت ہے، لیکن تم تو یہ کہہ کر فارغ نہیں ہوجاؤ گے، تمہیں جو بلایا جارہا ہے، جو آوازیں دی جارہی ہیں، جو سمجھایا جارہا ہے، وہ تمہارے نفع کے لئے ہے، زاہد کا اپنا نفع نہیں ہے، یہ کہہ کر کہ اپنی نبیڑ تو، تم ہم سے تو فارغ ہوجاؤ گے، لیکن قیامت کے دن کیسے فراغت ہوگی؟ اس کا تو سوچ لو!

گناہ گار اور غافل کا انجامِ بد:

تو جو شخص زندگی بھر مصروفیات میں مصروف رہا، غافل رہا اور گناہوں کے راستے پر دوڑتا رہا، اس کو کبھی متوجہ الی اللہ ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی، جب اس کا انجام نکلے گا تو نہایت ندامت اور حسرت کا انجام ہوگا۔ تم جانتے نہیں ہو کہ جتنی شراب تیز ہوتی ہے اتنا بدمستی زیادہ ہوتی ہے، لیکن جب نشہ ٹوٹتا ہے تو اعضا شکنی بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے، پھر اٹھ نہیں سکتا، معاصی اور غفلت کی شراب میں اتنے بدمست نہ ہوجاؤ کہ قیامت کے دن پھر اٹھا نہ جاسکے، اعضا شکنی تمہیں چلنے نہ دے۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تم کو نصیحت

کی جارہی ہے، اس پر غور کرو، تاکہ جس چیز سے رکنا چاہئے آج
تم باز رہ سکو تاکہ کل قیامت کے دن تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

لزومِ حق سے حق کی راہ نمائی:

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق کو لازم پکڑو گے تو وہ تمہارے سامنے حق کو واضح کرے گا، حق خود واضح کرے گا اپنے آپ کو، اور جب تمہارے سامنے حق آجائے گا اور تم حق کو لازم پکڑلو گے تو اہل حق کے منازل اور مراتب تمہارے سامنے آجائیں گے، اس لئے کوئی فیصلہ حق کے خلاف نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیحت فرمائی تھی کہ:

"یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ
فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی .....الخ."
(ص:۲۶)

ترجمہ:...... "اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کیا کرو، خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔"

اللہ کی شان! بات دیکھو کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو فرما رہے ہیں کہ خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، نبی کا نفس کیا ہوگا اور اس کی خواہش کیا ہوگی؟ جب نبی کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ اپنی خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، تو میرے اور آپ کے لئے کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں بصیرت عطا فرمائے، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

موت کے وقت کے احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

''حضرت کا ایک وعظ آج سے کئی سال قبل ہفت روزہ ختم نبوت میں شائع ہوا تھا، جو موت اور موت کے بعد پیش آنے والے احوال کی حقیقی عکاسی پر مبنی ہے، وہ بحوالہ ختم نبوت شامل اشاعت ہے۔''

جتنے ہم نے ظلم کئے ہیں، جتنی لوگوں پر زیادتیاں کی ہیں، جتنے گناہ کئے ہیں، وہ موت کے وقت ہمارے سامنے متمثل ہوجائیں گے، سامنے آکر کھڑے ہوجائیں گے، اور پھر شیطان اس وقت اپنا پورا زور لگاتا ہے کہ ان کا ایمان ختم ہوجائے، اس کو کافر کرکے مارا جائے، بندوں کے گناہوں سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

ترجمہ:...... ''شیطان کہتا ہے کہ آدم کی اولاد نے میری کمر توڑ ڈالی ہے، بڑی مشقت کے ساتھ اور بڑی محنت کے ساتھ میں ان کو گناہوں کی طرف بلاتا ہوں اور ان سے گناہ

کرواتا ہوں اور جب بندہ گناہ کرلیتا ہے تو اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور ندامت کے ساتھ کہتا ہے: یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، میں گناہگار ہوں، میں تیرا قصوروار ہوں، مجھے اپنی رحمت سے معاف فرمادے! اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتے ہیں اور فرماتے ہیں: چلو معاف کیا! اس طرح شیطان کی ساری محنت رائیگاں گئی۔"

نزع کے وقت شیطان کا مکر:

لیکن مرنے کے وقت وہ کوشش کرتا ہے کہ آدمی کو یہ یقین دلائے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، تو اتنا بڑا گناہگار ہے کہ تیری بخشش ناممکن ہے، اس طرح اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرکے اس کا ایمان سلب کرلے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ:

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے کہ وہ نزع کی حالت میں تھے، غشی ہوتی پھر افاقہ ہوجاتا، پھر غشی ہوتی پھر افاقہ ہوتا، اور غشی کی حالت میں کہتے: "لا اذًا، لا اذًا." (نہیں! ابھی نہیں، نہیں! ابھی نہیں) آپ کے صاحبزادے صالح سرہانے پر کھڑے تھے، جب حضرت امامؒ کو ہوش آیا تو صالح کہنے لگے: ابا جی! آپ کیا کہہ رہے تھے؟ یہ عجیب لفظ بول رہے تھے "ابھی نہیں! ابھی نہیں!" فرمایا کہ: سامنے ابلیس کھڑا ہے اور اس طرح دانتوں میں انگلی دبائی ہوئی ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے کہ: "احمد ہائے افسوس! احمد تو مجھ سے بچ کے جارہا ہے۔" تو میں اس کے جواب میں کہہ رہا تھا کہ: "ابھی نہیں! ابھی نہیں!" ابھی چند سانسیں باقی ہیں، پتہ نہیں ان چند سانسوں میں کیا ہوتا ہے؟

حضرت جنیدؒ کا واقعہ:

حضرت جنید بغدادیؒ نزع کی حالت میں تھے، قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ساری عمر تلاوت کی ہے، ہمت نہیں، طاقت نہیں، اب تو اپنے اوپر رحم کیجئے! فرمایا: تمہارا ناس ہوجائے اس وقت سے زیادہ میں کسی وقت بھی محتاج نہیں تھا، خاتمہ بالخیر ہوجانا بہت بڑی دولت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے معاف رکھیں کہ کسی کا خاتمہ برا ہو۔ بس یہیں سب کچھ فیصلہ ہوجاتا ہے، پہلی منزل تو نزع ہے، مرنے کو تو سارے ہی مرتے ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ کیسے مرا؟ اور کیا لے کر مرا ہے؟

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ حضرت! دعا فرمادیجئے اللہ تعالیٰ گناہ سے حفاظت فرمائے، تو فرمایا: تم گناہ کو روتے ہو، یہاں ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، گناہ کی تو معافی ہوجائے گی، خدانخواستہ اگر ایمان ہی جاتا رہا تو پھر کیا ہوگا؟

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

ترجمہ:...... "اللہ تعالیٰ کے غضب کو کھینچنے والی ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔"

ظالم کے لئے یہ وقت بڑا مشکل وقت ہوتا ہے، اور ظالم کس کو کہتے ہیں؟ ظالم کون ہوتا ہے؟ کسی سے بے انصافی کرنے والا! کسی کے حقوق جو ہمارے ذمہ لازم ہیں اور ہم نے اس کا حق ادا نہ کیا تو یہ ظلم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... "ظلم قیامت کے دن ظلمتیں بن جائیں گی، ہر طرف اندھیرا، چار سو اندھیرا، کدھر جائیں؟ کوئی راستہ نظر نہیں آرہا ہوگا۔"

ہماری غفلت کا عالم:

ہم اپنی زندگی گزارتے ہوئے اگلے مراحل سے بالکل غافل اور بے پروا ہوجاتے ہیں، کافروں کی طرح شاید اب ہمارا بھی یہ عقیدہ ہوگیا ہے کہ بس زندگی تو یہی زندگی ہے کہ مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور آگے کیا ہے؟ اس کا کچھ کچھ خیال بھی آتا ہے، لیکن یقین نہیں، یہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا قول نقل کیا ہے: "اِن نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحنُ بِمُستَیقِنِینَ." جبکہ مؤمن کی یہ شان نہیں، مؤمن کا اگلی زندگی پر، پیش آنے والے اچھے اور برے حالات پر ایسا یقین ہے جیسا کہ آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز پر ہوتا ہے، اللہ کے بندے بے پرواہ ہوکر نہیں چلتے، ان کو پتہ ہے کہ مرنا ہے۔

موت آخرت کی پہلی منزل:

مرنے کے بعد جو کچھ ہونا ہے وہ تو ہوتا ہے، میں کہتا ہوں مرنے کے وقت جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی ہمارے لئے ایک سوالیہ نشان ہے، آدمی کا اچھا یا برا ہونا اس وقت اس کو معلوم ہوجاتا ہے، اور اس کے اعمال کی جزا وسزا اسی وقت شروع ہوجاتی ہے۔

نیک لوگوں کی موت کی کیفیت:

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ:

حضرت عزرائیل علیہ السلام یعنی ملک الموت فرشتوں کی جماعت کے ساتھ جب قبض روح کے لئے مرنے والے کے پاس آتے ہیں، اگر وہ نیک آدمی ہوتا ہے تو سورج کی طرح نہایت چمکتے ہوئے نورانی چہروں اور حسین شکل میں آتے ہیں، ان کے وجود سے خوشبوئیں آتی ہیں، مرنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بہت دیر کا دوست بچھڑا ہوا آج ملا ہے، اس کو سلام کہتے ہیں، نہایت پیار کے ساتھ اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا تھا کہ:
عزرائیل! میری امت کے ساتھ سختی نہ کیجیو! کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کی امت کے نیک لوگوں کے لئے میں ان کے والدین سے زیادہ شفیق ہوجاتا ہوں، چنانچہ ان کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو نہایت نورانی چہرے اور نورانی لباس میں ہوتے ہیں، وہ آکر اس کا احاطہ کرلیتے ہیں اور حضرت عزرائیل علیہ السلام میت کے سرہانے پہنچ کر کہتے ہیں کہ اے ایمان والی اور اطمینان والی روح! اللہ کی رحمت اور رضوان کی طرف نکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عزرائیل کا یہ لفظ سن کر روح ایسے نکل جاتی ہے جیسے مشکیزے سے قطرہ ٹپک جاتا ہے، گویا ملک الموت کے پیارے الفاظ سن کر روح نکلنے کے لئے ایسی بے تاب ہوجاتی ہے کہ جیسے کوئی پرندہ پنجرے کا دروازہ کھولتے وقت بے چین ہوتا ہے کہ جلدی سے کھول دو، گویا یہ روح ایک بند پنجرہ میں تھی اور ایک مبارک فرشتہ آیا ہے جو پنجرہ کھول رہا ہے، روح نکلنے کے لئے بے تاب ہوجاتی ہے، پھر روح نکلی اور فوراً رحمت کے فرشتوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا، ایک لحہ بھی حضرت عزرائیل علیہ السلام کے پاس نہیں چھوڑتے، جنت سے کفن ساتھ لے کر آتے ہیں، ہم تو اس جسم کو اور اس دھڑ کو کفن پہناتے ہیں، لیکن روح کا کفن فرشتے جنت سے لے کر آتے ہیں، ایسا معطر اور ایسا خوشبودار کفن کہ روئے زمین کی کوئی کستوری اس کا مقابلہ نہیں کرتی، اس روح کو اس میں لپیٹ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں، راستے میں فرشتوں کی جماعتیں ملتی ہیں تو پوچھتے ہیں کہ یہ کون مبارک بندہ ہے؟ کون پاکیزہ روح ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہیں، دنیا میں جو اس کے بہترین القابات تھے ان کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ روح پہلے آسمان پر جاتی ہے تو وہاں کے مقرب فرشتے اس کی مشایعت کرتے ہیں، اسی طرح ہر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں (یہاں تک کہ اس کو بارگاہ الٰہی میں باریابی ہوتی ہے، گویا روح بارگاہ الٰہی میں سجدہ کرتی ہے،

آج تک غائبانہ سجدہ کرتے تھے، آج وہ وقت آیا کہ جیسا سجدہ کرنا چاہئے تھا ویسے سجدہ کیا جائے)، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: میرے بندے کو علّیین میں لکھ دو اور نیک ارواح کا جو مستقر ہے اس میں پہنچادو۔

برے آدمی کی موت کی کیفیت:

اور جب برا آدمی مرتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام نہایت ڈراؤنی شکل میں آتے ہیں، ایسی ڈراؤنی شکل کہ اللہ کی پناہ! اور ان کے ساتھ ڈراؤنی شکل کے فرشتے ہوتے ہیں اور ان کے پاس دوزخ کا بدبودار کفن ہوتا ہے، حضرت عزرائیل علیہ السلام اس کو ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ اے خبیث روح! نکل اپنے رب کے غضب کی طرف! نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کی اس جھڑکی کو سن کر روح بجائے نکلنے کے بے تاب ہوکر بدن کے روئیں روئیں میں سرایت کر جاتی ہے جیسا کسی پرندے کو پکڑنا چاہتے ہیں اور وہ چھپنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن بھلا اس کو چھپنے کون دیتا ہے؟ اب اتنی سختی اور شدت اس میں ہوتی ہے جیسے لوہے کی سیخ گیلی پشم پر مار کر اس کو کھینچا جائے، اس کو بھی اس طرح سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں۔ یہ چونکہ نزع کا عالم ہوتا ہے اور نزع کے معنی کھینچنے کے ہیں اور جب اس کی روح نکال لی جاتی ہے تو رواں رواں زخمی ہوجاتا ہے، روح نکالنے کے بعد اس کو فوراً عذاب کے فرشتے لے لیتے ہیں اور اسے گندے اور بدبودار ٹاٹ میں لپیٹتے ہیں وہ اتنا گندہ اور بدبودار ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اتنا بدبودار کوئی مردار نہیں، اب فرشتے اس کو لے کر اوپر جاتے ہیں تو جہاں سے وہ گزرتے ہیں، راستے میں جتنے فرشتے ملتے ہیں اس کی گندگی سے ناک بند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: لعنت ہو اس پر، کون خبیث روح ہے؟ لے جانے والے فرشتے بتاتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے، فرشتے اس کے لئے بددعا کرتے ہیں، جہاں جہاں سے گزرتا ہے اس کی روح اپنا تعفن پھیلاتی جاتی ہے، اور

جب فرشتے اس کو لے کر اوپر آسمان تک پہنچتے ہیں تو اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے، بند کردیئے جاتے ہیں، اور حکم ہوتا ہے کہ اس کو سب سے نچلی زمین میں "سجین" میں پھینک دو، چنانچہ وہیں سے پھینک دیتے ہیں۔

نزع کی حالت کا خلاصہ:

یہ میں نے تھوڑا سا نقشہ ذکر کیا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ موت کا مرحلہ مجھے بھی درپیش ہے اور آپ کے سامنے بھی پیش آنے والا ہے، اور یہ بات میں آپ کے سامنے بار بار کہہ رہا ہوں کہ جیسی ہم نے زندگی گزاری ہے، اسی کے مطابق مرتے وقت ہمارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا، نیک لوگوں کے ساتھ ان کے مطابق، اور بروں کے ساتھ ان کے مطابق۔ پھر نیک لوگوں کے بھی مختلف درجات ہیں، اسی طرح برے لوگوں کے بھی بے شمار درجات ہیں، کافروں کے بھی بے شمار درجات ہیں، ہر ایک شخص کے ساتھ اس کے درجہ کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ ہمارا زندگی گزارنا ایسا ہونا چاہئے کہ نزع کا وقت، موت کا وقت ہمارے لئے اللہ کی رحمت کا وقت ہو، اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا وقت ہو، اللہ کے غضب اور عذاب کا وقت نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِیْ آخِرَهٗ، وَخَيْرَ عَمَلِیْ خَوَاتِيْمَهٗ، وَخَيْرَ اَيَّامِیْ يَوْمَ اَلْقَاکَ فِيْهِ."

ترجمہ:...... "یا اللہ! میری عمر کے آخری حصہ کو سب سے بہتر حصہ بنادے، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے اچھا عمل وہ ہو جس پر میرا خاتمہ ہو، یا اللہ! میرے دنوں میں سب

سے بہترین دن وہ ہو جس دن میں آپ سے ملاقات کروں
(یعنی جس میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور پیش کیا جاؤں،
وہ دن میری زندگی کا سب سے بہترین دن ہو)۔"
اللہ تعالیٰ اس دعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائیں۔

اللہ کے مقبول بندوں کے لئے موت کا دن عید کا دن ہے:

اللہ کے مقبول بندوں کے لئے موت کا دن گویا ان کے لئے عید کا دن ہے، شادی کا دن ہے کہ اس سے زیادہ خوشی اور مسرت کا دن ان پر کبھی نہیں آیا، اور بدکاروں اور گناہگاروں کے لئے موت کا دن سب سے برا دن اور سب سے زیادہ بربادی کا دن ہے کہ اس سے زیادہ برا دن ان پر کبھی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ اس مرحلے کو ہمارے لئے اپنی رحمت سے آسان فرمائے اور ہمیں اس وقت کے لئے تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دوسری منزل قبر ہے:

خدا خدا کر کے یہ مرحلہ گزرا، اب دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہو کر یہ جا رہا ہے، لیکن جاننے والے جان رہے ہیں کہ دوزخ کی طرف جا رہا ہے یا جنت کی طرف جا رہا ہے۔

میت کو جلدی دفنانے کی تاکید:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کے کفن دفن میں جلدی کرو، کیونکہ اگر وہ نیک ہوگا تو تم اس کو خیر کی طرف جلدی سے بھیج دو، تم نے اس کو یہاں کیوں مقید کر رکھا ہے؟ کیوں یہاں پھنسایا ہوا ہے؟ اور اگر برا ہے تو اس مردار کو کیوں رکھا ہوا ہے؟ اس لئے حکم ہے کہ جتنی جلد ہو سکے اس کی تجہیز و تکفین فوراً کر دو۔

تدفین میں تاخیر کرنے کی بری رسم:

ہمارے یہاں بہت برا رواج ہے کہ میت کو اٹکائے رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ میت کو روکے رکھو، کیونکہ اس کے عزیز و اقارب اس کا منہ دیکھنے کے لئے انگلینڈ سے آرہے ہیں، دبئی سے آرہے ہیں، لاہور سے آرہے ہیں، فلاں جگہ سے آرہے ہیں، فلاں جگہ سے آرہے ہیں، گویا ان عزیز و اقارب نے آج سے پہلے کبھی اس کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اور ایک اس سے بدتر رسم یہ ہے کہ کسی شخص کا انگلینڈ میں، امریکہ میں انتقال ہوا، اس کی میت کو پاکستان لانے کے انتظامات ہورہے ہیں اور اس میں بعض اوقات کئی کئی دن لگ جاتے ہیں، یہ تمام چیزیں خلاف شرع ہیں۔

اب اس کے بعد میت کو قبر میں پہنچادیا اور قبر کو اوپر سے بند کردیا گیا، بعض بے وقوف قبر پکی بناتے ہیں، اور بعض قمقمے لگاتے ہیں، بعض قبر پر تختی لگاتے ہیں اور اس پر قبر والے کے القاب و آداب لکھتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ ان باتوں کا کیا فائدہ؟ اس کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے وہ تو اندر ہو رہا ہے، اندر کتنی تاریکی ہے؟ اندر کتنا اندھیرا ہے؟ اس کا تو کوئی علاج کرو، اوپر سے دیئے جلانے کا کیا فائدہ؟ اکبر الٰہ آبادی کے بقول:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے!
تہہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۱۵ ش:۱۱) ۔

شاہراہِ انسانیت کی
روشن قندیلیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت سے رشد و ہدایت کی جو شمعیں روشن ہوئیں اور صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی اقتدا سے جن سعادت مندوں کے قلب و قالب پر صبغۃ اللہ کا رنگ چڑھا، ان کا وجود سراپا خیر و برکت، ان کی زندگی انسانیت کے لئے مایۂ فخر اور ان کا نقش پا قافلہ انسانیت کے لئے نشان منزل ہے۔ ان اکابر نے ایثار و قربانی، ہمدردی و خیرخواہی، صبر و شکر، زہد و قناعت، ورع و تقویٰ اور اعلیٰ انسانی اقدار کا جو بلند معیار قائم کیا اسے ''شاہراہِ انسانیت کی روشن قندیلیں'' کہئے تو بجا ہے اور ملت مسلمہ کے لئے مینارۂ نور کہئے تو درست۔

ان مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کے حالات و واقعات ان کی صحبت کا بدل ہیں اور ان کی صحبت بارگاہِ قدس میں حاضری، بقول عارف رومی قدس سرہ:

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا
گو نشیند در حضورِ اولیا

وفا و مروّت:

مولانا غلام علی آزادؒ، میر سید طیبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں: شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی قدس سرہ اور حضرت میر طیبؒ کے مابین بڑا گہرا دوستانہ تعلق تھا، شیخ عبدالحق قدس سرہ برعایت بزرگی انہیں ''شیخ طیب'' کہا کرتے تھے، شیخ عبدالحق قدس سرہ پیرانہ سالی کے زمانے میں کسی کتاب کا درس دے رہے تھے کہ کسی مقام میں شیخ کو تأمل ہوا، شیخ نے حضرت میرؒ کو یاد کرکے فرمایا: ''اگر شیخ طیب اس وقت موجود ہوتے تو اس مقام کو آسانی سے حل کر دیتے۔'' ادھر شیخ کے منہ سے یہ بات نکلی اور ادھر حضرت میر طیبؒ جو وطن مالوف (بلگرام) سے بقصد دہلی تشریف لا رہے تھے، کمر بستہ شیخ کی خدمت میں پہنچ گئے، شیخ بہت خوش ہوئے، انہیں خوش آمدید کہی اور فرمایا: ''ہم تو آپ کو یاد ہی کر رہے تھے۔'' قصہ بیان فرمایا، کتاب پیش کی گئی، حضرت میر سید طیبؒ نے کتاب ہاتھ میں لے کر قدرے تأمل کیا اور پھر ''عبارت رانجے خواند کہ مطلب بے آنکہ تقریر کنند خودبخود واضح گشت۔'' عبارت اس انداز سے پڑھی کہ مطلب بغیر تقریر کے آپ سے آپ واضح ہوگیا۔

شیخ نے فرط مسرت میں حاضرین سے فرمایا: ''دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ شیخ طیب اس مقام کو باآسانی حل کر سکتے ہیں۔

مولانا آزادؒ آگے لکھتے ہیں:

> ''شیخ عبدالحق کے صاحبزادے شیخ نورالحق ان دنوں بادشاہ وقت کے اصرار سے دارالحکومت آگرہ میں منصب قضا پر فائز تھے، شیخ عبدالحقؒ نے میر سید طیبؒ سے دریافت کیا: ''کس راستے سے آنا ہوا؟''، ''آگرہ کے راستے سے!''، ''نورالحق سے بھی ملاقات ہوئی؟''، ''جی نہیں! موانع سفر سے ملاقات کا موقع

نہ مل سکا۔"

ظاہر ہے کہ میر سیدؒ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے۔

شیخ نے فرمایا: "بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قضا کا مرتکب ہے، اس لئے اعراض فرمایا گیا، بعد ازاں شیخ نے فرزند ارجمند کی شان میں کچھ توصیفی کلمات فرمائے کہ وہ اگرچہ میرا بیٹا ہے مگر ہے باپ کی جگہ، اگرچہ میرا شاگرد ہے، مگر بجائے استاذ کے ہے، اور اگرچہ میرا مرید ہے مگر بمنزلہ مرشد کے سمجھتا ہوں۔"

میر سیدؒ نے اس دوستانہ شکوہ کا کیا اثر لیا؟ وہ خود مولانا آزاد بلگرامیؒ کی زبان سے سنئے:

"میر سید طیبؒ از پیش شیخ برخاست بعنوانے کہ گویا برائے کمر وا کردن می رود، اطلاع شیخ ہما طور کمر بستہ بہ رجع القہقہری گرفت و با شیخ نور الحق ملاقات کردہ برگشت۔

شیخ عبدالحق از حسن خلق میر خیلے خوشنود گرچہ معذرتہا بر زبان آورد۔" (مآثر الکرام ص:۲۶)

ترجمہ:...... "میر سید طیبؒ شیخ کے پاس ایسے اٹھے گویا کمر جو باندھ رکھی تھی، اسے کھولنے جارہے ہیں اور شیخ کو اطلاع کئے بغیر اسی طرح بندھی بندھائی الٹے پاؤں آگرہ کی راہ لی نور الحق سے ملاقات کرکے واپس آئے۔

شیخ عبدالحقؒ حضرت میرؒ کے حسن خلق سے بہت خوش ہوئے اور دیر تک معذرت کرتے رہے۔"

گھر کی بات بازار میں:

انہی میر سید طیب قدس سرہ کے تذکرہ میں مولانا غلام علی آزادؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک دن ایک بزرگ، میر سیدؒ کی مشتاقانہ زیارت کو آئے، دوران گفتگو ''مشکلے از مسائل توحید پرسید۔'' (مسائل توحید کا کوئی نازک مسئلہ پوچھ بیٹھے) مگر حضرت میرؒ طرح دے گئے اور باندازِ تجاہل فرمایا: ''مجھے اس مسئلے کی خبر نہیں۔'' اور اس امر کی مطلق پروا نہیں کی کہ لوگوں کے حسن عقیدت کو ٹھیس پہنچے گی۔ یا کوتاہ علمی کا یہ اعتراف لوگوں کی نظر سے انہیں گرادے گا۔ بہرحال مجلس ختم ہوئی اور خلوت میسر آئی تو حضرت میرؒ نے مہمان سائل سے فرمایا: ''گھر کی بات بازار میں نہیں کہا کرتے، ہاں اب پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' (مآثر الکرام ص:۴۶)

اشراف نفس:

مولانا غلام علی آزاد رحمۃ اللہ علیہ، میر مبارک محدث بلگرامی قدس سرہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی طاب ثراہ فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت میر (سید مبارکؒ) کی خدمت میں باریاب ہوا، وضو کے ارادے سے اٹھے تھے کہ اچانک زمین پر گرگئے۔ میں اٹھ کر پاس گیا کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا تو میں نے سبب دریافت کیا، تو بتانے سے گریز فرمایا بالآخر بڑے اصرار کے بعد فرمایا کہ تین دن سے کسی قسم کی کوئی غذا حلق سے نیچے نہیں اتری۔ ان تین دنوں میں نہ کسی سے اس فاقہ کا اظہار کیا نہ قرض لیا۔ مجھ پر بڑی رقت طاری ہوئی، وہاں سے فوراً اپنے مکان پر پہنچا اور نہایت عمدہ کھانا جو حضرتؒ کو مرغوب تھا،

تیار کیا اور لے کر حاضر خدمت ہوا، پہلے تو بہت ہی مسرت و بشاشت کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں بعد ازاں فرمایا: ''اگر تمہیں ناگوار نہ ہو تو ایک بات کہوں؟'' عرض کیا ضرور۔

فرمایا: ''ایسے کھانے کا نام فقراً کی اصطلاح میں ''طعام اشراف'' ہے، ہر چند کہ فقہاً کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شریعت میں تین دن کے بعد تو مردار بھی حلال ہے، مگر طریقہ فقراً میں ''طعام اشراف'' کا کھانا جائز نہیں۔''

میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو بغیر کسی رد و قدح اور چون و چرا کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور کھانا اٹھا کر باہر لے آیا، تھوڑی دیر توقف کے بعد کھانا لے کر پھر حاضر ہوگیا اور عرض کیا کہ جب بندہ اس کھانے کو اٹھا کر لے گیا تھا، تو کیا حضرت کو یہ توقع تھی کہ دوبارہ واپس لائے گا؟ فرمایا: نہیں! عرض کیا: اب تو یہ حضرت کی توقع کے بغیر آیا ہے اس لئے ''طعام اشراف'' نہیں رہا۔ حضرت میرؒ اس تاویل سے بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ: تم نے عجیب فراست سے کام لیا، چنانچہ اس کھانے کو بہ رغبت تمام تناول فرمایا۔'' (آثر الکرام ص:۸۸، ۸۹)

فائدہ:...... ''اشراف'' کے معنی ہیں کسی چیز کو اوپر سے جھانک کر دیکھنا، اور جب کسی چیز کے حصول کو دل للچائے، یا کسی شخص سے کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع ہو تو اس کو ''اشراف نفس'' کہتے ہیں، اور یہ اصطلاح مندرجہ ذیل احادیث سے لی گئی ہے:

''عن حکیم بن حزام قال: سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فاعطانی، ثم سألته فاعطانی، ثم

قال لی: یا حکیم! ان هٰذا المال خضر حلو، فمن اخذہٗ بسخاوۃ نفسٍ بورک لہٗ فیہ، ومن اخذہٗ باشراف نفسٍ لم یبارک لہٗ فیہ، وکان کالذی یأکل ولا یشبع، والید العلیا خیر من الید السفلیٰ. قال حکیم: فقلت: یا رسول اللّٰہ! والذی بعثک بالحق! لا ازرأ احدًا بعدک شیئًا حتیٰ اُفارق الدنیا. متفق علیہ.“ (مشکوٰۃ ص:۱۶۲)

ترجمہ:...... ”حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دستِ سوال دراز کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مال عطا کردیا، میں نے دوبارہ سوال کیا، پھر عطا فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا: ”اے حکیم! یہ مال بڑا سرسبز، دل فریب اور شیریں ہے، جو شخص اس کو سیرچشمی کے ساتھ لے اس کے لئے تو اس مال میں برکت ہوگی، اور جو نفس کی حرص وطمع (اشرافِ نفس) کے ساتھ لے، اس کے لئے مال میں کبھی برکت نہ ہوگی اور اس کی حالت جوع البقر کے اس مریض کی ہے جو کھاتا جائے، مگر پیٹ نہ بھرے اور اوپر کا ہاتھ (یعنی دینے والا) بہتر ہے نیچے کے ہاتھ سے (یعنی لینے والے سے)۔“

ایک اور حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”عن عمر بن الخطاب قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعطینی العطاء، فاقول اعطِہ افقر الیہ منی! فقال: خذہ فتمولہ وتصدق بہٖ، فما جاءک من ھٰذا المال وانت غیر مشرف ولا سائل فخذہٗ، وما لا

تتبعهٗ نفسک. متفق علیه.'' (مشکوٰۃ ص:۱۶۲)

ترجمہ:...... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال کا کچھ عطیہ دیتے، تو میں عرض کرتا کہ کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا حرج ہے، اس کو لے لو، اپنے پاس رکھو اور صدقہ خیرات کرو۔ (بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی ضابطہ بیان فرمایا کہ) جو مال بغیر طمع نفس اور سوال کے تیرے پاس آجائے اس کو لے لیا کرو اور جو اس شرط پر پورا نہ اترے، اس کے پیچھے رال نہ ٹپکاؤ۔''

ان احادیث میں تصریح فرمائی گئی ہے کہ جس طرح بغیر ضرورت و اضطرار کے سوال کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی کی چیز پر نظر رکھنا، اس کے حصول کی حرص اور طمع رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے اور اس طرح جو مال حاصل ہو، وہ کبھی خیر و برکت کا موجب نہیں ہوتا، اس سے نفس کو تسکین نہیں ہوتی بلکہ اس کی جوع البقر میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ الغرض شریعت میں زبان کا سوال جس طرح ناجائز ہے، اسی طرح دل کا سوال بھی مکروہ ہے، اسی کو ''اشراف نفس'' کہتے ہیں، جس سے بچنے کا اہل اللہ کے یہاں خاص اہتمام ہے۔

ایک پیسہ اور دو کام:

میر سید مبارک محدث بلگرامی قدس سرہ ہی کا ایک اور واقعہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ موصوف نے اپنے قدیم محلّہ ''سیدواڑہ'' سے ترک سکونت کر کے شہر کی مشرقی جانب ایک میدان میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہاں رعایا آباد کی، مسجد بنوائی، رہائشی مکانات بنوائے اور چوروں اور درندوں سے حفاظت کے

لئے آبادی کے گرد پختہ دیوار بنوائی۔ اس بستی میں بیشتر نوربافوں کو آباد کیا، کیونکہ وہ اکثر دیندار اور نمازی ہوتے ہیں، اور تمام آبادکاروں کے لئے قانون مقرر کردیا کہ پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کیا کریں۔ ایک جولاہے نے عذر کیا کہ میں پنج وقتہ حاضری سے معذور ہوں، میر رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ دریافت کی تو جولاہا بولا: جتنی دیر نماز کو جاتا ہوں، کام میں حرج ہوتا ہے اور اجرت میں نقصان۔ حضرت میرؒ نے پوچھا کہ روزانہ نماز کے وقت کام بند رہنے سے کتنی کمی واقع ہوجاتی ہے؟ جواب دیا کہ ایک پیسہ! حضرت میرؒ نے فرمایا: ایک پیسہ ہم سے لے لیا کرو مگر نماز پڑھا کرو، اس نے قبول کرلیا۔

ایک روز یہ جولاہا مسجد میں آیا اور وضو کئے بغیر نماز میں کھڑا ہوگیا، حضرت میرؒ نے ڈانٹا کہ بغیر وضو کے نماز پڑھتے ہو؟ جواب دیا ایک پیسے میں دو کام نہیں ہوسکتے کہ وضو بھی کروں اور نماز بھی پڑھوں، حضرتؒ کو بے اختیار ہنسی آئی اور وضو کے لئے مزید ایک پیسے کا اضافہ فرمادیا۔

دعوت و تبلیغ کا ایک اہم اصول:

یہ تو خیر ایک لطیفہ ہوا، مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ مولانا آزادؒ نے آگے لکھا ہے:

"رفتہ رفتہ حائک را رغبت دلی در نماز بہم رسید، واز تقاضائے اجرت درگزشت۔" (مآثر الکرام ص:۹۷)

یعنی وہ مسکین جولاہا جو نماز کے علاوہ وضو کے لئے الگ پیسے کا مطالبہ کرتا تھا، رفتہ رفتہ ظاہر کا اثر اس کے باطن پر ہوا، نماز اس کے قالب سے قلب تک پہنچ گئی، اور جو نماز صرف ایک پیسے کے لالچ میں پڑھی جارہی تھی وہی بالآخر دلی رغبت کے ساتھ ادا ہونے لگی، اور یوں اس کے اجر و مزدوری کا معاملہ بجائے میر صاحب کے براہ راست اس ذات عالی سے طے ہوگیا جس کی نماز پڑھانا مقصود تھی۔

بظاہر جو نماز ایک پیسے کے بدلے پڑھی پڑھائی گئی وہ ایک پیسے کی بھی نہیں تھی لیکن شروع ہی سے اسے یہ مسئلہ سمجھایا جاتا تو بعید نہیں وہ تمام عمر نماز سے محروم رہتا، مگر حضرت میر قدس سرہ نے حکیمانہ تدریج سے اسے نماز کا عادی بنادیا۔ اس تدریجی حکمت سے کم ہمتوں کی ہمت بڑھانا اور بے راہوں کو راہ پر ڈالنا اسوۂ نبوت ہے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بنوثقیف کا وفد بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسلام لانے کے لئے یہ شرط رکھی کہ نہ تو انہیں کبھی جہاد کے لئے بلایا جائے گا، نہ ان سے زکوٰۃ وعشر لیا جائے گا اور نہ انہیں نماز پڑھنے کے لئے کہا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں جہاد وعشر کی معافی دی جاتی ہے، رہی نماز تو اس کی معافی نہیں ہوسکتی کیونکہ اس دین میں ذرا بھی خیر نہیں جس میں نماز نہ ہو:

"فانه لا خير في دين لا ركوع فيه."

دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد وعشر کی معافی کی شرط پر ان کا اسلام قبول فرمایا، مگر ساتھ ہی فرمایا کہ یہ لوگ اسلام لے آئیں تو خود بخود صدقہ بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (ابوداؤد ص:۴۶۸)

مولانا بدر عالم نوراللہ مرقدہ پہلی روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"امام موصوف (خطابی) کا خیال ہے کہ جہاد اور زکوٰۃ کا استثنا بھی یہاں صرف صورتاً تھا، کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے سردست ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جاسکتا تھا، رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اس کا استثنا کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جاسکتا، نیز اس وفد بنوثقیف کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

یقین حاصل ہوچکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی کریں گے اور جہاد بھی کریں گے، ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیرمناسب تھا۔‘‘

(معالم السنن ج:۳ ص:۳۵)

اور دوسری روایت کے تحت لکھتے ہیں:

’’اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لئے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے، بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہوجاتے ہیں۔‘‘ (ترجمان السنہ ج:۲ ص:۴۰)

اسی نوعیت کی ایک اور حدیث ابوداؤد، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بالفاظ مختلفہ مروی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز، روزہ اور شرائع اسلام کی تعلیم فرمائی اور نماز پنجگانہ کی محافظت کا حکم فرمایا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ان اوقات میں کچھ زیادہ ہی مشغول ہوتا ہوں، بس کوئی جامع بات، جو کافی وشافی ہو، مجھے بتادیجئے! فرمایا: بہت اچھا! ’’عصرین‘‘ کی پابندی کیا کرو۔ یہ لفظ انہوں نے پہلی بار سنا تھا، عرض کیا: یا رسول اللہ! ’’عصرین‘‘ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: سورج نکلنے سے پہلے کی نماز اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز۔

(ابوداؤد ص:۶۱، ترجمان السنہ ص:۴۶)

اس حدیث پر اشکال کیا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کے بجائے ان صاحب کو فجر اور عصر کی پابندی کا حکم کیسے فرمایا؟ علمائے نے اس حدیث پر متعدد پہلوؤں سے کلام کیا ہے، مگر سب سے آسان بات وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تدریجی حکمت کو اس میں ملحوظ رکھا ہے، آپؐ نے جب انہیں پنج وقتہ نماز کی

نگہداشت کا حکم فرمایا اور انہوں نے ان اوقات میں اپنی شدید مصروفیت کا عذر کیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مصروفیت کی بنا پر کبھی دیر سویر ہوگئی تو وعدہ شکنی ہوگی، اس لئے کوئی ایسی جامع بات بتایئے جس کو پورے طور پر نبھا سکوں اور وعدہ خلافی نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بگڑ کر کہتا کہ بندہ خدا! ایسی مصروفیت کون سی ہے جو نماز سے زیادہ اہم ہو؟ مگر نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں) ان کے اس عذر پر جرح کرنا خلافِ حکمت سمجھا، اور اس کے بجائے انہیں ''عصرین'' کی پابندی کا حکم فرمایا، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ ان دو نمازوں کو اگر ٹھیک وقت پر مسجد میں باجماعت ادا کرنے کا التزام کرلیا جائے (اسی کو محافظت کہتے ہیں) تو باقی تین نمازوں کی محافظت کچھ بھی مشکل نہیں رہتی، گویا ''عصرین'' کی پابندی کا حکم بجائے خود پنج وقتہ کی پابندی کی تمہید یا اس کا پہلا زینہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے نومسلم کو جو ابھی چند لمحے پہلے اسلام سے آشنا ہوا، اسی تدریجی سیڑھی کے ذریعہ اسلام کی آخری بلندی اور اس کی انتہائی معراج تک لے جانا چاہتے تھے۔

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ج:۱۵ ش:۱۹)

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فائدہ
مہاجرینؓ وانصارؓ کی فضیلت
خواجہ معین الدین چشتیؒ
آداب تعلیم وتربیت
جھگڑے کے اسباب
صبر، تمام مسائل کا علاج ہے
جھوٹی گواہی، بدترین سود اور شرک
ظلم وستم اور حرص کے نقصانات
کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا
عذاب الٰہی سے بچاؤ کی صورت

جلد ششم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد ششم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

قانونی مشیر اعزازی: ـــ منظور احمد میو ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول: ـــــ اکتوبر ۲۰۰۳ء

کمپوزنگ: ـــــــ صدیقی کمپوزرز، ماڈل کالونی، کراچی

فون: *0320-4084547,4504007*

ناشر: مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: جامع مسجد باب رحمت

پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: **74400** فون: **7780337**

اصلاحی مواعظ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۳ر صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ر مئی ۲۰۰۰ء کی گرم دوپہر بظاہر ہمارے لئے نہایت مایوس کن اور خزاں رسیدہ تھی، اس دن ہمارے ابرِ گوہر بار، شجرِ سایہ دار، مشفق و مربی حضرت اقدس حکیم العصر مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ہم سب کو اس دنیا کے لق ودق صحرا میں یکہ وتنہا چھوڑ کر عالم بالا کو تشریف لے گئے تھے۔ اس دن ایسا محسوس ہوا کہ اب ہم سے کوئی کام نہیں ہوسکے گا اور حضرتؒ کے علوم و معارف کی امانت کی اشاعت و ترویج اور تدوین و تحقیق کا کام معرضِ التوا میں پڑ جائے گا۔ ہم پریشان تھے کہ اس راہ کی مشکلات کا حل کس سے پوچھیں گے؟ ہماری راہ نمائی کون کرے گا؟ ہم اپنے مسائل کس کے سامنے پیش کریں گے؟ اور آئندہ کے منصوبوں کی تکمیل کیونکر ہوگی؟ لیکن حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلویؒ کے ارشاد: ''لینے والا ہاتھ بدلا ہے، دینے والا تو وہی ہے!'' کے مصداق دینے والے نے اپنے فضل و کرم اور منت و احسان میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔

بلاشبہ یہ ہمارے حضرت شہیدؒ کی کرامت اور مقبولیت عنداللہ کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کی لاج رکھی اور ہم ایسے ضعفاً اور جہلائے مطلق خدام کی

ایسی دستگیری فرمائی کہ اس نے حضرتؒ کے جاری فرمودہ تمام امور میں ہماری بھرپور مدد فرمائی، بلا کسی ایک لحہ کے تعطل کے وہ سارے کام ٹھیک اسی طرح چلائے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، جس طرح حضرتؒ کی حیاتِ مبارکہ میں چل رہے تھے۔ چنانچہ یہ محض اسی ذاتِ کبریا کا فضل و کرم ہے کہ آج ہم اپنے حضرت شہیدؒ کی روح کے سامنے شرمندہ ہونے کے بجائے، بحمداللہ سرخرو ہیں، اور آپ کی دوسری تصانیف کی اشاعت و ترویج کے ساتھ ساتھ آپ کے اصلاحی مواعظ کی جلد ششم کی تکمیل کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔ حضرتؒ کی حیات میں اگرچہ اس سلسلہ کی صرف جلد اول ہی معرضِ وجود میں آسکی تھی، لیکن آج اس کی چھٹی جلد ٹھیک اسی آب و تاب اور معیاری تحقیق و تخریج کے ساتھ قارئین کے ہاتھوں میں ہے، جس کی بنیاد حضرت شہیدؒ نے رکھی تھی۔

نہایت بے انصافی اور بخل ہوگا اگر میں اپنے رفیقِ کار برادرِ عزیز مولانا محمد اعجاز صاحب کی شبانہ روز محنت اور انتھک کوشش کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے اصلاحی مواعظ کی تحقیق و تخریج میں میرے دست و بازو کا کردار ادا کیا۔ اسی طرح بھائی عبداللطیف طاہر صاحب اور عزیز حافظ عتیق الرحمٰن لدھیانوی صاحب کا تعاون بھی قابلِ ذکر ہے، جنہوں نے اس کی تصحیح، پیسٹنگ اور طباعت کے مراحل کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں درخواست ہے کہ وہ ہماری اس ناچیز سعی و کوشش کو قبول فرماکر ہماری مغفرت و نجات، قارئین کی ہدایت و راہ نمائی اور ہمارے حضرت شہیدؒ کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین!

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

۲۷/۸/۱۴۲۲ھ

فہرست مواعظ

فہرست

①

قرابت نبویؐ کا فائدہ

(۳)

(۴)

مؤمن کی صفات

(٦)

معاشرہ کی اچھائی اور برائی کا معیار ۱۳۵

(۸)

آدابِ تعلیم و تربیت ۱۷۷

۱۰

(۱۵)

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا ۳۰۵

(۱۶)

قرابت نبویؐ
کا
فائدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ عَلَی الْمِنْبَرِ: مَا بَالُ رِجَالٍ یَقُوْلُوْنَ اَنَّ رِحْمَ رَسُوْلِ اللهِ لَا تَنْفَعُ قَوْمَهٗ، بَلٰی وَاللهِ! اِنَّ رِحْمِیْ مَوْصُوْلَةٌ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ، وَاِنِّیْ اَیُّهَا النَّاسُ فَرَطٌ لَّکُمْ عَلَی الْحَوْضِ فَاِذَا جِئْتُمْ قَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، وَقَالَ اَخُوْهُ: اَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، قَالَ لَهُمْ: اَمَّا النَّسَبُ فَقَدْ عَرَفْتُهٗ وَلٰکِنَّکُمْ اَحْدَثْتُمْ بَعْدِیْ وَارْتَدَدْتُّمُ الْقَهْقَرٰی.'' (مسند احمد ج:۳ ص:۱۸)

ترجمہ:...... ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن نفع نہیں

دے گا، کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! بے شک میرا رشتہ ابد تک ملایا گیا ہے، دنیا میں اور آخرت میں، اور بے شک میں اے لوگو! تمہارا پیشوا ہونگا قیامت کے دن حوض پر، اور بے شک جب تم آؤ گے، ایک آدمی کہے گا: یا رسول اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں، اور دوسرا کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں کہوں گا کہ نسب کو تو میں جانتا ہوں، لیکن تم نے میرے بعد نئی نئی باتیں ایجاد کیں اور تم الٹے پاؤں لوٹ گئے تھے۔"

یہ مسند احمد کی روایت ہے، اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں دو مضمون ہیں۔

دنیا و آخرت میں آپ کا رشتہ کام آئے گا:

پہلا مضمون: یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ: کیا بات ہے کہ بعض لوگ یوں باتیں کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا۔ حالانکہ میرا رشتہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ملایا گیا ہے۔ جس کو ہم "صلہ رحمی" کہتے ہیں۔

"رحم" کہتے ہیں رشتہ کو، اور "صلہ" کے معنی ہیں ملانا، رشتہ کو جوڑنا، یا یہ کہ رشتہ کی رعایت کرنا، اس کے حقوق بجالانا، اس کو "صلہ رحمی" کہتے ہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ میرے رشتے کے حقوق کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رعایت رکھی جائے گی اور ان کو بجالایا جائے گا۔

آپؐ کے رشتہ کے کام نہ آنے کا مطلب:

جن حضرات نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا، ان کی بات اپنے اعتبار سے ٹھیک تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دعوت دی تھی، اور اس میں فرمایا تھا کہ: "لَا أُغْنِیُ عَنْکُمْ مِنَ اللهِ شَیْئًا." یعنی میں قیامت کے دن تمہارے کوئی کام نہیں آؤں گا، اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: "اے صفیہ بنت عبدالمطلب! قیامت کے دن میں تیرے کام نہیں آؤں گا۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ:

"وَیَا فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ! سَلِیْنِیُ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِیُ، لَا أُغْنِیُ عَنْکِ مِنَ اللهِ شَیْئًا." (مشکوٰۃ ص:۴۶۰)

ترجمہ:......"اے فاطمہ بنت محمد! جو کچھ مانگنا چاہتی ہے، مجھ سے مانگ، میں دوں گا، لیکن قیامت کے دن میں تیرے کام نہیں آؤں گا۔"

تو اس حدیث شریف کا یہی مقصد ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ قیامت کے دن کام نہیں دے گا، اور یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ ایک قید کے ساتھ۔

وہ یہ کہ جو شخص اپنے عمل یا کفر کی وجہ سے مستحق نار ہو، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کوئی کام نہیں دے گا، جو شخص کافر مرا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار تھا یا آپ کی فرض کرو اولاد میں سے تھا (نعوذ باللہ!) ایمان پر خاتمہ نہیں ہوا، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کوئی کام نہیں دے گا۔

اسی طرح جو شخص بدکردار ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہو، تو اس کے بارے میں بھی مسئلہ کچھ گڑبڑ ہی ہے، مسلمان ہو، لیکن بدکردار ہو، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیں تو دوسری بات ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص مسلمان ہو اور اپنے طور پر نیکی کی بھی کوشش کرتا ہو، اس کو قیامت کے دن ان شاء اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ کام دے گا۔

صرف نسب سے نہیں ایمان و عمل سے مغفرت ہوگی:

یہاں پر دو چیزوں کی اصلاح ضروری ہے:

ایک یہ کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کے معاملہ میں اتنا غلو کیا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، اگر سید نہ ہوں تو زبردستی سید بن بیٹھتے ہیں اور شیطان نے یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ بس تم آلِ رسولؐ ہو، تمہیں عمل کی کیا ضرورت ہے؟ بخشے بخشائے ہو، یہ نہایت غلط بات ہے، اور بہت سے لوگوں میں تو یہ چیز گمراہی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

شیعہ داڑھی کیوں نہیں رکھتے؟

شیعوں کو سنت سے عداوت ہے، یہ اکثر جو اپنے آپ کو ”شیعہ“ کہتے ہیں وہ ”سید“ بن جاتے ہیں۔ عقائد ان کے صحیح نہیں، اعمال ان کے صحیح نہیں، رَوِش ان کی صحیح نہیں، سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اہتمام نہیں، لیکن فخر کرتے ہیں کہ ہم ”آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ ہیں۔ میری ایک کتاب ہے ”شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم“ جو دراصل میں نے محسن اجتہادی صاحب کے خط کے جواب میں لکھی ہے، اس میں میں نے چلتے چلتے یہ بات لکھ دی ہے کہ آپ لوگوں کو دعویٰ تو ہے ائمہ اہل بیت کی محبت کا، لیکن تم نے شکل تو ان جیسی بنائی نہیں، اس پر میں نے مُلّا باقر مجلسی کی کتاب سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔

ملا باقر مجلسی:

ملا باقر مجلسی دسویں صدی کا شیعوں کا بہت بڑا مجتہد اعظم ہے، اس نے ''بحار الانوار'' کے نام سے ۲۵ جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی، اتنی موٹی موٹی جلدیں پرانے زمانے کی اور جہازی سائز کی، اب وہ ایران سے نئے انداز میں چھپ گئی ہے، لیکن شیعہ اس میں سے آٹھویں جلد غائب کرگئے ہیں، اس نے ''فتن'' کے نام سے لکھی تھی، یعنی ان حالات پر جو بقول اس کے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فتنہ ہوئے، باقی ۲۴ جلدیں ہیں، یہ ۲۴ جلدیں ۱۰۷ جلدوں میں آئی ہیں، اور ۳ جلدیں اس کی صرف فہرست کی آئی ہیں، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱۔ اور یہ مکمل ۱۱۰ جلدوں کا سیٹ ہے، جیسا کہ میں نے کہا کہ اس کی آٹھویں جلد جو بڑی تھی، اس کو وہ ہضم کرگئے ہیں، اس کی کم از کم ۸ جلدیں الگ سے تو بنتیں۔

داڑھی منڈے ایرانیوں سے آپؐ کا اعراض:

چنانچہ میں نے ملا باقر مجلسی کے حوالہ سے یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایران کے سفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کی داڑھی مونڈھی ہوئی تھی، یہ بات ہماری کتابوں میں بھی موجود ہے، ''البدایہ والنہایہ'' میں اور سیرت کی دوسری کتابوں میں موجود ہے، اور میرا چھوٹا سا رسالہ ہے ''داڑھی کا مسئلہ'' اس میں بھی میں اپنی کتابوں کے حوالے سے نقل کرچکا ہوں، لیکن یہاں شیعوں سے گفتگو ہو رہی تھی، تو میں نے مُلّا باقر مجلسی کی کتاب سے یہ ہی واقعہ نقل کیا کہ ایران کے دو سفیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے، یہ اصل میں ایرانی نہیں تھے، بُصریٰ کے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ شاہِ ایران پرویز کو پہنچا ہے، تو اس نے بُصریٰ کے گورنر کو خط لکھا کہ: میرے پاس (یثرب) مدینہ سے ایک صاحب کا خط آیا ہے اور اس نے میری شان میں یہ گستاخی کی ہے۔ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ دو آدمی

بھیجو اور اس کو پکڑ کر لاؤ، گرفتار کر کے لاؤ۔ تو بُصریٰ کے گورنر نے دو آدمی بھیجے، جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں مونڈھی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں، جیسے ہمارے ہاں خان صاحبوں کی ہوتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ: "وَيْلَكُمَا!" تمہارا ناس ہوجائے! یہ تم نے اپنی شکل کیوں بگاڑ رکھی ہے؟ انہوں نے کہا: "قَدْ اَمَرَنَا رَبُّنَا!" یعنی کسریٰ ہمارے رب نے یعنی شاہِ کسریٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ داڑھی صاف کر کے رکھا کرو اور مونچھیں بڑی بڑی رکھا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "لیکن میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کٹواؤں۔" پھر فرمایا کہ: "میری مجلس سے اٹھ جاؤ، میں تم سے بات نہیں کرتا، میرا نمائندہ تم سے بات کرے گا، بالواسطہ بات کروں گا۔"

شیعہ عوام کیا خواص بھی حضرات حسنینؓ کی شکل نہیں اپناتے:

تو میں نے محسن اجتہادی کو لکھا کہ تمہارے شیعہ عوام نہیں، بلکہ مولوی بھی دیکھے ہیں، کوئی ایسا ہوگا جس نے داڑھی رکھی ہوئی ہو؟ اور جس کی شکل حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو وہ نہیں کرتے، صرف حسن و حسین اور مولا علی، بس! کبھی ان کی مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بہت کم اس کا حوالہ ملے گا۔

شیعوں کے ہاں بھولے سے بھی حدیث رسولؐ کا تذکرہ نہیں ہوتا:

میں نے ان کی کتابیں پڑھی ہیں، دفاتر کے دفاتر پڑھے ہیں، کہیں کوئی بھولے سے رسول اللہ کی بات آجائے تو آجائے، ورنہ ضرورت ہی نہیں، اور اگر کوئی بات آ بھی گئی تو وہ بھی گھڑی ہوئی بات ہوتی ہے، اِلَّا ماشاءاللہ! جھوٹ میں کچھ سچ بھی

چل جاتے ہیں، سو جھوٹ میں ایک سچ بھی ہو جاتا ہے۔

شیعہ بناوٹی سید ہیں:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ بناوٹی ''سید'' ہیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی شکل، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت!

کسریٰ و پرویز کا قتل:

اب یہ بات بیچ میں آگئی تو اس قصہ کو بھی پورا کردوں، یہ دونوں صاحب واپس آگئے کسریٰ کے پاس، گرفتار انہوں نے کیا کرنا تھا، جب انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کو گرفتار کرکے لے جانے کا حکم دیا گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل جواب دوں گا، اگلے دن آئے تو ارشاد فرمایا کہ: رات تمہارا طاغیہ ختم کردیا گیا ہے، اس کو اس کے لڑکے شیروے نے قتل کردیا ہے، تو یہ دونوں واپس آگئے۔

شاہ بُصریٰ کا ایمان لانا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ بُصریٰ کے نام جو شاہِ ایران کا گورنر تھا، خط لکھا کہ وہ تو مردار ہوگیا ہے، میں اللہ کا رسول ہوں، تم ایمان لے آؤ! اور یہ علاقہ تمہارے سپرد رہے گا، تم اس کے گورنر رہو گے، اور اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تمہاری سب کی سب سلطنت ختم ہوجائے گی۔ یہ دونوں قاصد واپس شاہ بُصریٰ کے پاس گئے، انہوں نے حالات بتلائے، اس نے کرید کرید کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کئے، اور وہ مسلمان ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ: یا رسول اللہ! مجھے آپ کا گرامی نامہ ملا ہے، میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے تو میں حاضر خدمت ہونے کی بھی کوشش کروں گا۔

آپؐ کی رشتہ داری کے کام نہ آنے پر دلائل:

الغرض ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کے معاملہ میں یہ غلو کیا جارہا ہے اور دوسری طرف ردعمل ہے، اس کی خشکی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے، اور دلائل بڑے مضبوط پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے:

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقَاکُمْ." (الحجرات:۱۳)

ترجمہ:...... "بے شک اللہ کے نزدیک معزز متقی ہے۔"

وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے رشتہ داری کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اللہ پاک نے خود اصول بیان فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"کُلُّکُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تَرَابٍ."

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۸۶)

ترجمہ:...... "تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔"

یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اللہ اور رسول کا فرمان ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہے، ہمیں یہ بات محقق طور پر معلوم ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہمارے دل میں اس کی کچھ قدر ہوگی یا نہیں؟ یقیناً ہوگی!! مقتضائے عقل ہے، عقل یہی کہتی ہے۔

آنحضرتؐ سے محبت کی وجہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"اَحِبُّوا اللہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِّعَمِہٖ، وَاَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللہِ تَعَالٰی." (اتحاف ج:۹ ص:۵۴۸)

ترجمہ:...... ''اللہ سے محبت رکھو، اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھو اللہ کی محبت کی وجہ سے (کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں)۔''

یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احسان کا حوالہ نہیں دیا، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں، لیکن اپنی محبت کے لئے اللہ کی محبت کا حوالہ دیا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر جو احسانات ہیں، ان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی ہی، لیکن یہ اپنے نفس کے لئے ہوگی کہ ہم پر احسان ہے۔

آنحضرتؐ کی گستاخی پر غصہ کی وجہ؟ اکابرؒ کا ذوق:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک دفعہ تذکرہ آیا، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہم اللہ بلکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان سب کے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ استاذ ہیں، تذکرہ آیا، حضرتؒ نے پوچھا کہ: میاں! اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے، تم لوگوں کو غصہ کیوں آتا ہے؟ کہنے لگے کہ: حضرت! یہ بات بھی کوئی پوچھنے کی ہے؟ غصہ آنا چاہئے! فرمایا: آنا تو چاہئے، مگر میں وجہ پوچھتا ہوں کہ کیوں آتا ہے؟ پھر فرمایا کہ: ہمیں غصہ اس لئے آتا ہے کہ ہمارے رسول کی گستاخی کر رہے ہیں، یہ تو اپنی طرف نسبت ہوگئی، یہ تو اخلاص نہ ہوا، غصہ اس لئے آنا چاہئے کہ اللہ کے رسول کو کہہ رہے ہیں، اور پھر فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی آدمی ایسا لفظ کہے تو ہمیں غصہ آتا ہے، اگر ایسا ہی غصہ ہمیں دوسرے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین و بے ادبی سن کر آئے تو پھر یہ دلیل ہے اخلاص کی، اور اگر دوسرے انبیا علیہم السلام کے بارہ میں تو سن

کر کوئی غصہ نہیں آتا، اپنے نبی کے بارہ میں سن کر غصہ آتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بھی پارٹی بازی ہوئی، اخلاص تو نہ ہوا۔ بہت ہی دقیق بات ہے۔

آنحضرتؐ کے احسانات:

تو میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں، ہمارا ایک ایک بال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات میں جکڑا ہوا ہے، اور یہ راز ہے کہ جب ہم ''التحیات'' پڑھتے ہیں، ''التحیات'' میں بیٹھتے ہیں (پہلے قعدہ میں) تو حکم ہے کہ ''عبدہ ورسولہ'' پڑھ کر اٹھ جاؤ، ابھی تمہارے ذمہ کچھ کام باقی ہے، لیکن اگر آخری قعدہ ہو تو ''التحیات'' پڑھ کر پھر درود شریف پڑھو، اور پھر دعائیں پڑھو، مانگو کیا مانگتے ہو؟ تم نے اللہ کی عبادت کرلی، اللہ کو سجدہ کرلیا، اللہ سے تعلق قائم کرلیا، اللہ کی بارگاہ سے رخصت ہو رہے ہو، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہہ کر نماز سے باہر نکل رہے ہو، گویا کمرے سے باہر جارہے ہو، اب ذرا اطمینان سے بیٹھو، مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟ بولو! اللہ میاں تم سے پوچھ رہے ہیں: کیا مانگتے ہو؟ مانگو! اب مانگ لو جو مانگنا ہے، میری عبادت تو عبادت ہی کیا ہے، پوری کائنات کی عبادت وہ اللہ کے لئے ہے، ''اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ'' تحیات کا معنی زبانی عبادتیں، صلوات کا معنی بدنی عبادتیں، اور طیبات کا معنی مالی عبادتیں، یہ سب اللہ کے لئے ہیں، نظر پڑی اُوہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، وہی تو پکڑ کر لائے تھے ہمیں اللہ کے دربار میں، کہ چلو، اللہ کے دربار میں پہنچو، بے ساختہ ہماری زبان سے نکلا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ.'' اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ.'' سلام ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ:

”..... فَاِذَا قَالَهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِّلّٰهِ صَالِحٍ
فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ......“ (صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۷۳)

ترجمہ:...... ”جب تم کہو گے: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى
عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ.“ تو اللہ کے جتنے نیک بندے ہیں آسمان
میں یا زمین میں زندہ ہیں یا فوت ہوچکے ہیں، سب کو سلام پہنچ
جائے گا۔“

یہ چھوٹا سا لفظ سب کو پہنچ جائے گا، سب کو حصہ مل جائے گا، اب اپنی بندگی کا اقرار کیا: ”اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.“ یہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، اپنی عبدیت کا اقرار کیا اور بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آگئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام کردیا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں باقیوں کو بھی محروم نہیں رکھنا چاہئے، لہٰذا تمام نبی، صحابی، تابعی، اولیاً، اتقیاً اور آسمان والے، زمین والے سب کو شامل کرکے کہہ دیا: ”اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ.“ اندازہ کرو کیسے جامع الفاظ رکھے گئے ہیں نماز میں، معمولی نہیں ہیں۔

اب اس کے بعد عبدیت کا اقرار کرلیا، اللہ کی حمد وثنا کرلی، تمہیں مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے، اس لئے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”جو شخص یہ چاہے کہ ہم پر یعنی آلِ محمدؐ پر پیمانہ بھر کر درود بھیجے، بھرے ہوئے پیمانہ سے، بڑے سے بڑا پیمانہ اور وہ بھی بھر کر، اس کو چاہئے یہ درود ابراہیمی پڑھے۔“ اب تم نے درود شریف پڑھ لیا، اب مانگو جو مانگنا ہے، لیکن یاد رکھو کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

''إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ.''
(مشکوٰۃ ص:۱۹۵)

ترجمہ:..... ''اللہ تعالیٰ غافل اور لہو ولعب میں مبتلا دل کی دعا کو قبول نہیں فرماتے ہیں۔''

زبان سے کہہ رہے ہو، لیکن یہ معلوم نہیں کہ کہاں پھر رہے ہو؟ تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہو، اللہ کی طرف متوجہ ہو، مانگو کیا مانگنا ہے؟ مگر اللہ کی طرف متوجہ ہوکر مانگو، غفلت کے ساتھ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

''قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَا سِوٰى ذٰلِكَ.''
(مشکوٰۃ ص:۱۹۵)

ترجمہ:..... ''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چن چن کر جامع دعائیں کیا کرتے تھے، اور یہ جو دوسری دعائیں ہوتی تھیں اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔''

جامع دعائیں کرو (تو خیر یہ درمیان میں بات آئی تھی)۔

التحیات میں آپؐ کے تذکرہ کی حکمت!

میں نے یہ عرض کیا کہ ''التحیات'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ لانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا راز بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اللہ کی حمد وثنا کر رہے تھے کہ اچانک نظر پڑی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، اُوہ! ہمارا ہاتھ پکڑ کر تو آپ لائے ہیں، بڑی قدر ناشناسی ہوگی، بڑی بے مروتی ہوگی کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہ ڈھونڈیں اور

آپ کا تذکرہ نہ کریں اور آپ کو سلام بھی نہ کریں، اس لئے بے ساختہ کہا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ." حالانکہ کسی کے ساتھ بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز میں بھی صرف اللہ سے بات ہوتی ہے کسی اور سے نہیں، مگر یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کردی، اس لئے کہ یہ بات اس جہاں کی نہیں ہو رہی، یہ بات بارگاہِ الٰہی کی ہو رہی ہے، اس وقت گویا معنوی طور پر آپ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں محو ہیں، درمیان میں کوئی نہیں ہے، ترجمان نہیں ہے، آپ خود باتیں کر رہے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہلے سے تشریف فرما ہیں اور ہمارے محسن ہیں، لازم ہوا کہ ان کا تذکرہ کیا جائے اور ان کو بھی یاد کیا جائے اور ان کو بھی سلام ہو۔

میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسانات کا حوالہ نہیں دیتے، بلکہ حوالہ کیا دیتے ہیں کہ مجھ سے محبت رکھو، اللہ کی محبت کی وجہ سے، اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور میری آل سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

قرابت نبویؐ کی پاسداری:

صحیح بخاری شریف میں (غالباً ج:۱ ص:۵۲۶) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا گیا ہے، انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ."
>
> (ج:۱ ص:۵۲۶)
>
> ترجمہ:...... "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت کے

ساتھ صلہ رحمی کرنا اپنے اہل قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔''

یہ مؤمن کا ایمان ہے، اور اسی صفحہ پر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

''اِرْقَبُوْا مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ.''

ترجمہ:...... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ رکھا کرو۔''

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ نہ رکھنا یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے، اُدھر اگر غلو ہے تو اِدھر کوتاہی ہے۔

گناہ گار سید بھی قابلِ احترام ہے:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''بھائی! سید اگر گناہگار بھی ہو تب بھی واجب الاحترام ہے۔'' حضرتؒ نے عجیب مثال دی، فرمایا کہ: اگر کوئی قرآن کریم کا نسخہ غلط چھپ گیا ہو، تو اس کو پڑھنا تو جائز نہیں، مسجد میں تو نہ رکھیں گے، کیونکہ لوگ غلط پڑھیں گے، بے چارے انجان ہیں، لیکن اس کی بے ادبی بھی جائز نہیں، بلکہ ادب کے ساتھ اس کو دفن کروادیں گے۔ فرمایا کہ سید اگر غلط راہ ہو اس کی اقتداٗ جائز نہیں ہے، اس کے پیچھے مت چلو، لیکن توہین بھی درست نہیں، کیونکہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ اور آپ کا تعلق یہ دنیا میں بھی کام دیتا ہے اور آخرت میں بھی کام دے گا، انشاٗ اللہ!

نکاح ام کلثومؓ سے شیعہ کا اضطراب:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے، آپ نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا ناں! شیعہ نہیں مانتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پتا تو کاٹنا چاہتے ہیں،

لیکن کٹتا ہے نہیں، کیا کریں مشکل یہ ہے، اب ناخن کو گوشت سے کیسے جدا کریں؟
خلفائے ثلاثہ: حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان کا رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو وہ ہے جو خون اور گوشت کا رشتہ ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”هُمَا بِمَنْزِلَةِ سَمْعِىْ وَبَصَرِىْ.“ یہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میرے کان اور آنکھیں ہیں۔ تو یہ کاٹنا چاہتے ہیں مگر کٹتا نہیں، مجبور ہیں، بے چارے پریشان ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے عقد کیا تھا، اور ان سے حضرت کے صاحبزادے زیدؓ بن عمرؓ پیدا ہوئے۔

ایک صاحب میرے پاس ایک دن آئے تھے، میں نے شیعہ کتابوں میں سے نکال کے دکھلایا کہ دونوں ماں بیٹے کا ایک ہی وقت میں انتقال ہوا تھا، اور ان دونوں کا اکٹھا جنازہ پڑھا گیا۔

ام کلثومؓ سے نکاح عمرؓ کی وجہ؟

غرض یہ کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، فرمایا کہ: لوگو! مجھے تم جانتے ہو، میں بوڑھا ہوگیا ہوں، موت کے قریب ہوں، مجھے شادی کی ضرورت نہیں ہے، مجھے بیوی کا شوق نہیں ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے، آپ نے بھی سنا ہے:

”كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا سَبَبِىْ وَنَسَبِىْ.“ (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۲۷۱)

ترجمہ:......”تمام کے تمام رشتے اور تمام کے تمام علاقے نسبی رشتہ ہو یا دامادی رشتہ ہو، یعنی بیوی کی طرف سے جو رشتے آتے ہیں، یہ سارے کے سارے کٹ جائیں گے سوائے

میرے رشتہ کے۔"

تو میں چاہتا ہوں کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ رہے، صرف یہ لالچ ہے۔

تو قیامت کے دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کا لحاظ رکھا جائے گا، اور لحاظ رکھنا بھی چاہئے، اس لئے مطلقاً نفی کرنا غلط ہے، اعتدال کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تعلق والے ہیں، ان سے محبت رکھنا، ان کا اکرام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لازم ہے، خاتونِ جنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اکرام لازم ہے۔

حضورؐ کی چار صاحبزادیاں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینبؓ یہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، اور اسی بنا پر ان کو "ذوالنورین" کہا جاتا ہے، یعنی دو نور والے۔

حضرت عثمانؓ سے آپؐ کی محبت:

جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عثمان! یہ جبرائیل کھڑے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آرہے تھے ان کو نہیں)، اور مجھے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تم سے ام کلثوم کا عقد کردوں، اسی مہر پر جس مہر پر رقیہ کا عقد کیا تھا۔ وہ عقد اللہ کے حکم سے ہوا، جبرائیل امین کی آمد سے ہوا، وحی سے ہوا، اور جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ: عثمان کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔لوگوں سے کہا کہ عثمان کو اپنی لڑکیاں دو، اللہ کی قسم! اگر میرے پاس اور لڑکی ہوتی تو وہ بھی عثمان سے بیاہ دیتا، وہ مرجاتی اور لڑکی ہوتی تو وہ عثمان سے بیاہ دیتا۔ ان کو کیا کمی تھی، یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ محبت فرمایا۔

شیعہ مذہب کی بنیاد ہی انکارِ اہل بیت پر ہے:

تو بہرکیف یہ چار صاحبزادیاں ہیں، شیعہ تینوں کا انکار کرتے ہیں، اہل بیت کا انکار کرتے ہیں، شیعوں کی بنیاد ہی انکارِ اہل بیت پر ہے، عداوتِ اہل بیت اور انکارِ اہل بیت، اور ایک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رہ گئی تھیں، ان کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کو چھوڑتا ہوں۔

حضرات فاطمہؓ، علیؓ اور حسنینؓ ہمارے اکابر ہیں:

بہرحال ہمارے بہت سے سنی مسلمان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وہ اکرام نہیں کرتے، جیسا کہ کرنا چاہئے، کیوں شیعوں کی اجارہ داری ہے اس پر؟ یہ تو ہمارے اکابر ہیں، حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہمارے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے ہیں، ان کا دعویٰ محبت غلط ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ہیں، عیسائیوں کے نہیں، عیسائیوں کا دعویٰ غلط ہے۔

ہمارے دل کا سرور:

اسی طرح حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور دوسرے بزرگ جن کو یہ حضرات ''ائمہ معصومین'' کہتے ہیں، وہ ہمارے اکابر ہیں، آنکھوں کا نور، دل کا سرور، ایمان کا جزو اور ان کی محبت عین ایمان ہے۔

حضرت علیؓ اور حسنینؓ کے فضائل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۷۰)

ترجمہ:...... ”حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہوں گے۔“

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

”یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۶۳)

ترجمہ:...... ”وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں، اور اللہ اور اس کا رسول ان سے محبت رکھتے ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارہ میں فرمایا کہ:

”لَا یُحِبُّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا یُبْغِضُنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۶۳)

ترجمہ:...... ”مجھ سے صرف مؤمن محبت رکھے گا، اور مجھ سے صرف منافق بغض رکھے گا۔“

شیعوں کو حضرت علیؓ اور اولادِ علیؓ سے بغض ہے:

بالکل صحیح فرمایا ہے! شیعوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ہے، زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں محبت ہے، بالکل جھوٹ بولتے ہیں، یہ منافق ہیں۔

تم بتلاؤ کہ یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پچیس سال تک منافقوں اور مرتدوں کے پیچھے نماز پڑھی، یہ ان سے محبت ہے یا ان پر لعنت ہے؟

سوچو ذرا...! ایک آدمی کو تم مرتد کہتے ہو اور پھر علیؓ شیر خدا کو کہتے ہیں کہ وہ ڈر کر پچیس سال تک ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا، کیا بے ایمان کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے؟ کسی کافر کے پیچھے، منافق کے پیچھے نماز ہوجائے گی؟ جب ہمیں پتا ہے کہ یہ مشرک ہے، منافق ہے، مرتد ہے، اس کے پیچھے کسی کی نماز ہوجائے گی؟ میری نماز نہیں ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیسے ہوگئی؟ معلوم ہوا کہ شیعوں میں محبت نہیں ہے۔ یہ دشمن ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، ''شیعہ'' علی اور اولادِ علی کے سب سے بدترین دشمن ہیں، اس لئے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا کہ: ''لَا یُحِبُّکَ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا یُبْغِضُکَ اِلَّا مُنَافِقٌ.'' علیؓ سے مجھے محبت ہے، اہل سنت کو محبت ہے، ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کمال کے معترف ہیں، جو واقعی اللہ نے ان کو کمال عطا فرمایا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین بزرگوں کو اپنا امام سمجھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس زمانہ میں پرچیاں نہیں ڈالتے تھے، ہاتھ سے بیعت کرتے تھے، جب صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح تین حضرات کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی، حضرات ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم، اور ان کو اپنا امام ومقتدا مانا ہے۔

خلفائے ثلاثہ اماموں کے امام ہیں:

یہ ''شیعہ'' کہتے ہیں حضرت علیؓ ہمارے امام ہیں، ہم کہتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ اماموں کے امام ہیں، ان کو کیوں نہیں مانتے ہو؟ جو مقتدی کو مانے ان کے امام کو نہ مانے وہ ماننے والا ہوتا ہے؟

اہل بدعت کو حضورؐ منہ نہیں لگائیں گے:

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری بات ارشاد فرمائی کہ

قیامت کے دن تم آؤ گے اور اپنا تعارف کراؤ گے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں، میں کہوں گا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم فلاں بن فلاں ہو، نسب کو تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ تم نے میرے بعد دین بدل دیا تھا، بدعات ایجاد کردی تھیں اور تم کفر کی طرف لوٹ گئے تھے، اس کا کیا علاج ہے؟ یہ بات ارشاد فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر ہوں گے اور تمام لوگ اپنی پیاس کا علاج کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، لیکن اہل بدعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم منہ نہیں لگائیں گے، کیوں؟ خود فرمایا، صحیح بخاری، باب الحوض کی حدیث میں ہے کہ: کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، "ثُمَّ لَیُخْتَلَجُنَّ دُوْنِیْ" فرشتے ان کو میرے آنے تک روک دیں گے کہ تم نہیں جاسکتے ہو، میں کہوں گا کہ یہ میرے لوگ ہیں! فرمایا جائے گا کہ: "اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ." آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا، کیا ہے؟ اور کیا کیا بدعات گھڑی تھیں، تو میں کہوں گا کہ: "فَسُحْقًا! سُحْقًا! لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ." (بخاری ج:۲ ص:۹۷۴) پھٹکار! پھٹکار! ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔

دین کو نہ بدلو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہ بدلو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جیسا آرہا ہے اس کو ویسے ہی آگے چلنے دو، لوگ ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ: جی! "اجتہاد" سے کام لینا چاہئے۔ "اجتہاد" کا معنی دین کو بدلو، لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

خیر اس وقت اس پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں، میرے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ دین کو اسی طرح چلنے دو، دین تو کسوٹی ہے کہ کون صحیح ہے اور کون غلط ہے؟

دین بدلنے والوں پر اللہ کے نبی نے پھٹکار کی ہے:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اسی طرح چلنے دو، اس میں کوئی تغیر د

ترمیم مت کرو، اس میں بدعات کی پیوندکاری نہ کرو، باقی بھائی آپ مجھے دیکھتے ہیں کہ میں دین پر صحیح عمل نہیں کر رہا تو میں گناہگار ہوں، آپ صحیح عمل نہیں کر رہے تو آپ گناہگار ہیں، گناہگار تو ہم سارے ہی ہیں، دین پر عمل نہیں ہو رہا تو گناہگار ہیں، مگر اللہ کے لئے دین کو تو چلنے دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہگاروں پر پھٹکار نہیں فرمائی، ان کے لئے فرمایا کہ: "شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ." (مشکوٰۃ ص:۴۹۴) میری شفاعت ملے گی میری امت کے اہل کبائر کو جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوکر آئے، ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ ملے گی، لیکن جو دین کو بدلنے والے ہیں، ان کو کہیں گے پھٹکار! پھٹکار! اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم
کا انتخاب
اور
عدل و انصاف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ: اَلَا! اِنِّیْ اُوْشِکُ فَاُدْعٰی فَاُجِیْبُ فَیَلِیْکُمْ عُمَّالٌ مِّنْ بَعْدِیْ یَعْمَلُوْنَ بِمَا تَعْلَمُوْنَ وَیَعْمَلُوْنَ مَا تَعْرِفُوْنَ، وَطَاعَةُ اُولٰٓئِکَ طَاعَةٌ، فَتَلْبَثُوْنَ کَذَالِکَ زَمَانًا فَیَلِیْکُمْ عُمَّالٌ مِّنْ بَعْدِهِمْ یَعْمَلُوْنَ بِمَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَیَعْمَلُوْنَ بِمَا لَا تَعْرِفُوْنَ، فَمَنْ قَادَهُمْ وَنَاصَحَهُمْ فَاُولٰٓئِکَ قَدْ هَلَکُوْا وَاَهْلَکُوْا وَخَالِطُوْهُمْ بِاَجْسَادِکُمْ وَزَایِلُوْهُمْ بِاَعْمَالِکُمْ وَاشْهَدُوْا عَلَی الْمُحْسِنِ اِنَّهٗ مُحْسِنٌ وَعَلَی الْمُسِیْءِ۔“

(مجمع الزوائد ج:۵ ص:۲۳۷)

ترجمہ:......”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اس خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: سنو! وہ وقت قریب آیا چاہتا ہے کہ

میرے پاس میرے رب کا بلاوا آئے گا، تو میں اس بلاوے پر لبیک کہوں گا، میرے بعد تم پر کچھ لوگ حاکم ہوں گے جو عمل کریں گے ایسی باتوں پر جن کو تم جانتے ہو اور کریں گے ایسے کام جو تمہارے نزدیک معروف اور نیکی کے کام ہیں، ان لوگوں کی فرماں برداری کرنا بندگی اور عبادت ہے، پھر تم ایک زمانے تک اسی طرح رہو گے۔ ان کے بعد پھر تم پر ایسے حاکم مقرر ہوں گے جو عمل کریں گے ایسی باتوں پر جو تم نہیں جانتے، اور جو کریں گے ایسے کام جو تمہارے نزدیک معروف نہیں، پس جو شخص ان کی قیادت کرے، اور ان سے خیر خواہی کرے، پس یہ لوگ خود بھی ہلاک ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی ہلاک کردیا۔ اور تم لوگ بدن کے اعتبار سے ان میں ملے جلے رہو، لیکن اپنے عمل کے اعتبار سے ان سے الگ رہو، اور نیکوکار پر گواہی دو کہ وہ نیکوکار ہے اور برا کرنے والوں پر گواہی دو کہ وہ برا کرنے والا ہے۔“

اسی طرح صحیح بخاری میں روایت ہے:

”عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَاءَہُ الْعَامِلُ حِیْنَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِہٖ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا اُھْدِیَ لِیْ. فَقَالَ لَہٗ: اَفَلَا قَعَدْتَّ فِیْ بَیْتِ اَبِیْکَ وَاُمِّکَ فَنَظَرْتَ اَیُھْدٰی لَکَ اَمْ لَا؟ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشِیَّۃً بَعْدَ الصَّلَاۃِ فَتَشَھَّدَ وَاَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ، ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ

الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ فَيَأْتِيْنَا فَيَقُوْلُ: هٰذَا مِنْ عَمَلِكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِيْ. اَفَلَا قَعَدَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ وَاُمِّهِ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدٰى لَهُ اَمْ لَا؟ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا جَاءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهٖ، اِنْ كَانَ بَعِيْرًا جَاءَ بِهٖ لَهُ رُغَاءٌ، وَاِنْ كَانَتْ بَقَرَةٌ جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ، وَاِنْ كَانَتْ شَاةٌ جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ، فَقَدْ بَلَغْتُ. فَقَالَ اَبُوْحُمَيْدٍ: ثُمَّ رَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ حَتّٰى اِنَّا لَنَنْظُرُ اِلٰى عَفْرَةِ اِبْطَيْهِ، قَالَ اَبُوْحُمَيْدٍ: وَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعِيَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسْئَلُوْهُ.'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۸۲)

ترجمہ:......''حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عامل مقرر کیا تھا، جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوکر آیا تو کہنے لگا: یا رسول اللہ! یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھ کو ہدیہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: پھر تو اپنے باپ کے گھر میں یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گیا، پھر دیکھتے کہ تجھ کو ہدیہ ملتا ہے کہ نہیں ملتا؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کو نماز کے بعد خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ: یہ کیا بات ہے کہ ہم ایک عامل کو مقرر کرتے ہیں وہ ہمارے پاس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارے عمل کا نتیجہ ہے، اور یہ مجھ کو ہدیہ دیا گیا ہے، یہ شخص اپنے باپ کے یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتے کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے کہ نہیں، پس قسم ہے اس ذات کی

جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! کہ تم میں سے کوئی شخص اس میں سے جو چیز بھی چھپائے گا، تھوڑی یا زیادہ، وہ قیامت کے دن اپنی کمر پر اور اپنی گردن پر لادے ہوئے آئے گا، اگر اونٹ تھا تو اس کو لائے گا اور وہ بولتا ہوگا، گائے ہوگی تو اس کو لائے گا اور وہ آواز نکال رہی ہوگی اور اگر بکری ہوگی تو اس کو لائے گا اس حال میں کہ وہ آواز نکال رہی ہوگی۔ دیکھو یہ بات میں نے تمہیں پہنچادی ہے۔ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا یعنی اس طرح اشارہ کرنے کے لئے یہاں تک کہ ہم آپ کے بغل کی سفیدی دیکھ رہے تھے۔ (حضرت) ابوحمیدؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ میرے ساتھ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی سنا تھا، تم چاہو تو ان سے پوچھ لو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو خطبے حکام کے بارے میں ہیں۔ پہلے خطبہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

نیک حکام کی طاعت نیکی ہے:

ایک یہ کہ عنقریب میرے پاس میرے رب کی طرف سے بلاوا آنے والا ہے، اور میں اس بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں گا، دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا، میرے بعد تم پر کچھ لوگ حاکم مقرر ہوں گے اور وہ حاکم ایسے ہوں گے کہ جو علم میں تمہیں دے کر جارہا ہوں، اس علم کے مطابق عمل کریں گے، اور جو کام تمہارے ہاں معروف یا نیکی کے سمجھے جاتے ہیں، وہ معروف اور نیکی کا کام

کریں گے، برائی کا کام نہیں کریں گے، ان لوگوں کی اطاعت تو عبادت ہے، ایسے حکام کا حکم ماننا اور ان کے حکم کی تعمیل کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

برے حکام کے بارے میں طرزِ عمل؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر ایک زمانہ گزرے گا، اس کے بعد پھر دوسری قسم کے حاکم آئیں گے، وہ اس علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے جو تمہیں دیا گیا ہے، اور ان کاموں کو نہیں کریں گے جو کہ معروف اور نیکی کے کام ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ ان کی قیادت کرنے والا، ان کے جلسے میں شریک ہونے والا اور ان کی خیر خواہی کرنے والا خود بھی ہلاک ہوا، دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ ان حکام کے بارے میں یہ طرزِ عمل اختیار کرو کہ اپنے جسموں کے اعتبار سے تو ان کے ساتھ مل کر رہو، مسلمانوں کے درمیان تفرقہ نہ ہو، پھوٹ نہ ڈالی جائے، ایسے حکام کے خلاف بغاوت نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں کی قوت منتشر ہوتی ہو، لیکن اپنے اعمال کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو، ان کے جیسے اعمال نہ کرو۔

صدیق اکبرؓ خلیفہ بلافصل تھے:

پہلی قسم کے حکام حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے، اور خلفائے راشدینؓ کہا جاتا ہے چار خلفاؑ کو، پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل ہوئے۔

اس امت میں سب سے پہلا جھوٹ:

اس امت میں جو سب سے پہلا جھوٹ بولا گیا تھا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں، جھوٹ تو اور بھی بہت سارے بولے گئے، لیکن سب سے پہلا جھوٹ یہ تھا۔

پوری جماعت صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ سے بیعت کی:

اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری کی پوری جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا، ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب دیا گیا، ''امیر المؤمنین'' ان کا خطاب نہیں تھا، ''امیر المؤمنین'' کا خطاب سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''یا امیر المؤمنین!'' کہہ کر لوگ نہیں بلاتے تھے، بلکہ ''یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!'' اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی ہو اور ان کی خلافت پر متفق نہ ہوگیا ہو، (شروع میں چونکہ جس طرح دستور ہے کہ ایک خلیفہ کو مقرر کردیا جاتا ہے، ولی عہد بنادیا جاتا ہے، اس دستور کے مطابق نہیں بنایا گیا تھا) اس لئے ذرا سا تھوڑا سا اختلاف ہوا، اور یہ اختلاف تھا انصار اور مہاجرین کا۔

ثقیفہ بنی ساعدہ کے اختلاف کا قصہ:

ثقیفہ بنی ساعدہ (بنو ساعدہ انصار مدینہ کا ایک قبیلہ تھا) ان کا ایک چھپر تھا یعنی چوپال کہنا چاہئے جہاں لوگ بیٹھتے تھے، مجلس ہوتی تھی، اس میں حضرات انصار جمع ہوگئے اور اس پر غور کرنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نظام کیسے چلے گا؟ ان میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے رئیس اور سردار بھی تھے، وہ کہنے لگے کہ بھائی! حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے، آپؐ ہمارے مقتداً تھے، ہمارے رسول تھے، ہماری جان، ہمارا مال، ہماری بیوی، بچے، ہمارے گھربار آپ پر قربان تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نظم ونسق تو مقامی لوگوں کے پاس ہونا چاہئے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار تھے کھڑے ہوکر تقریر بھی نہیں کرسکتے

تھے، بیٹھے تھے، انصار ان کے اردگرد جمع تھے اور قریب قریب اس پر متفق تھے کہ انہی کو خلیفہ بنائیں گے، ان حضرات کے پیش نظر صرف اتنی بات تھی کہ چونکہ یہ جگہ انصار کی جگہ ہے، لہٰذا یہاں کا حاکم بھی انصار میں سے ہونا چاہئے، لیکن اس پر ان کی نظر نہیں تھی کہ یہ قصہ صرف یہاں مدینے کا نہیں ہے، بلکہ پورے عرب کا اور اس سے بڑھ کر پوری دنیا کا ہے۔

حضرات شیخینؓ اور ابوعبیدہؓ کا ثقیفہ میں جانے کا قصہ:

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو کسی شخص نے آکر اطلاع دی اور کہا کہ: "اَدْرِکُوْا هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ تَهْلِکَ." اس امت کو سنبھالو اس سے قبل کہ یہ شروع ہی سے ہلاک ہوجائے، پہلے دن ان میں پھوٹ پڑجائے، مہاجرین اور باہر کے لوگ انصار کو اپنا بڑا ماننے سے انکار کردیں، تو پہلے ہی دن سے اختلاف ہوجائے گا، یہ دونوں بزرگ اور تیسرے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے، جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لِکُلِّ اُمَّةٍ اَمِیْنٌ، وَاَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ." (مشکوٰۃ ص:۵۶۶)

یعنی ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی وہ دس آدمی جن کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی ہے، حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی بات ہی کیا ہے؟

حضرت عمرؓ کی سوچ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خاموشی سے جارہے تھے، آپس میں بات نہیں کر رہے تھے، وہاں جاکر دیکھیں گے کہ مجلس کا کیا رنگ ہے؟ اور میں اپنے ذہن میں ایک تخلیق سوچ رہا تھا کہ جاکر یہ تقریر کروں گا، حضرات انصار کو

سمجھاؤں گا، ہم وہاں پہنچے تو حضرات انصار کی گرما گرم تقریریں ہو رہی تھیں کہ بھئی اس خلافت میں تو صرف ہمارا ہی حق ہے، مہاجرین کا کوئی حق نہیں ہے، یہ تو مقامی لوگوں کی چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مہاجرین بھی ہمارے مہمان تھے، نظم و نسق کا حصہ تو انصار کے پاس ہونا چاہئے، جب یہ تینوں حضرات تشریف لے گئے، چونکہ بزرگ تھے، اس لئے حضرات انصار خاموش ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھنے لگا کہ میں تقریر کروں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرا بازو پکڑ کر مجھے بٹھادیا، جیسا کہ معلوم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ذرا تیز آدمی تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت حلیم تھے۔

حضرت صدیقؓ کی حکمت عملی:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ ارتحال پر تعزیت کی، پھر حضراتِ انصار کے فضائل بیان فرمائے اور انہوں نے اسلام کی خاطر جو جو جانفشانیاں کی تھیں، ان کو ذکر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی جس طرح خدمت کی، اس کا تذکرہ فرمایا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں، وہ ذکر فرمائے، اس انداز سے تذکرہ کیا کہ تمام آنکھیں اشکبار تھیں اور سب کے سب رو رہے تھے، اس کے بعد فرمایا کہ بھائیو! تمہیں معلوم ہوگا اور آپ حضرات میں سے اکثر کو یاد ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

”اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ فِیْ ھٰذَا الشَّانِ مُسْلِمُھُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِھِمْ وَکَافِرٌ تَبَعٌ لِکَافِرِھِمْ۔“ (مشکوٰۃ ص:۵۵۰)

ترجمہ:...... ”لوگ ہمیشہ قریش کے تابع رہیں گے، اس

شان میں کہ ان کے مسلمان، مسلمان قریش کے تابع رہیں گے،
اور کافر، کافر قریش کے تابع رہیں گے۔"
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ: "اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ." یعنی امام قریش میں سے ہوں گے، یعنی حکام۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریش میں سے امام ہونا چاہئے یعنی خلیفہ اور حاکم اور آپ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی دین کے انصار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے، اب بھی یہی منصب تمہیں ملے گا۔

ایک صاحب انصار میں سے اٹھ کر کہنے لگے، ایک اعرابی کا فقرہ ضرب المثل ہے وہ انہوں نے پڑھا اور کہا کہ میں اس کا فیصلہ کئے دیتا ہوں: "مِنَّا اَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ اَمِيْرٌ." ایک امیر ہمارا اور ایک امیر تمہارا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائیو! کبھی ایک نیام میں دو تلواریں بھی سمائی ہیں؟ نہیں! بلکہ "مِنَّا اَمِيْرٌ وَمِنْكُمْ وَزِيْرٌ" امیر قریش میں سے ہوں گے اور وزیر تمہارے ہوں گے۔ یہ کہا تو اس کے بعد فرمایا: قریش کے یہ دو بزرگ تمہارے پاس موجود ہیں، حضرت عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں ان سے رخصت ہوئے ہیں کہ آپ ان سے راضی تھے، ان میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔

حضرت صدیق اکبرؓ سے صحابہؓ کی بیعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تقریر میں سوچتا ہوا گیا تھا، ساری باتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہہ ڈالیں، میری ایک بات بھی نہیں چھوڑی اور آپ کی پوری تقریر میں مجھے کوئی بات بری نہیں لگی، کسی بات سے مجھے

اختلاف نہیں تھا، سوائے اس بات کے کہ: ''یہ دو بزرگ موجود ہیں، ان میں سے ایک کی بیعت کرلو'' تو یہ بات مجھے بری لگی اور میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا، میں نے کہا: اس قوم کو شرم نہیں آئے گی جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں اور وہ کسی دوسرے کی بیعت کرے؟ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ ایک انصاری نے مجھ سے پہلے بیعت کرلی اور پھر تو وہاں جتنے آدمی تھے، سب کے سب نے بیعت کرلی۔ وہاں ثقیفہ بنی ساعدہ میں صرف اتنا اختلاف ہوا تھا۔

حضرت صدیقؓ کا قصور؟

مگر شیعہ لوگ آج تک اس بات کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) نے امت پر یہ احسان کیوں کیا؟ ان کو ایک کلمہ پر متفق کیوں کردیا؟ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق کیوں باقی رہ گیا؟ ان کو یہ اختلاف اور تکلیف ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کی خدمت کیوں کی؟ فتنۂ ارتداد کو فرو کیوں کیا؟ اور فوجیں جاکر عراق و شام سے کیوں لڑائیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو فوجیں افغانستان میں لڑ رہی تھیں اور ادھر مصر وغیرہ فتح ہوچکے تھے، اتنے ہزار مسجدیں بناکر دیں، اتنے لاکھوں انسان مسلمان ہوئے، قیصر و کسریٰ کے خزانے مسجد نبوی میں ڈھیر ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔

پوری اسلامی آبادی میں مدت العمر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی عزیز قریب رشتہ دار تک کو کسی جگہ کا حاکم مقرر نہیں کیا، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں ہیں اور حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں، وہی فاطمہؓ جن کا چہرہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے زخمی کیا تھا، ان کو بھی کسی علاقے کا گورنر مقرر نہیں کیا، ایک قریہ کا بھی، ایک بستی کا بھی اور کسی فوج کا سپہ سالار مقرر نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے، اپنے بھتیجے اور اپنے کسی عزیز کو کوئی عہدہ نہیں دیا۔ دوسرے عزیزوں کی تو بات ہی چھوڑ دو۔

دو ہی قسم کی منفعتیں ہوتی ہیں یا مالی منفعت ہوتی ہے یا لوگ اثر ورسوخ کی وجہ سے اپنے رشتے داروں کو، اپنے عزیزوں کو بھرتی کروادیتے ہیں۔

میرا چیلنج ہے:

میں نے اس منبر پر پہلے بھی چیلنج کیا تھا اور آج پھر کرتا ہوں کہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ذمہ اگر بیت المال کا کوئی پائی پیسہ باقی ہے تو میں دینے کے لئے تیار ہوں، اور ان کے زمانے میں ان کا کوئی عزیز وقریب حاکم مقرر ہوا ہو تو آکر میری گردن پکڑلو، اور اگر وہ بھی نہیں ہوا، یہ بھی نہیں ہوا، ایک پیسہ انہوں نے بیت المال کا استعمال نہیں کیا، جو استعمال کیا تھا وہ بھی واپس کردیا، اور ایک عزیز و قریب کو بھی انہوں نے کسی علاقے کا گورنر مقرر نہیں کیا، تو تم انصاف سے بتاؤ کہ بارہ سال خدمت کا صلہ یہ گالیاں ہیں؟ انہوں نے کیا مفاد اٹھایا ہے؟ مجھے یہ تو بتاؤ آج تک ''غصبِ خلافت، غصبِ خلافت'' کا شور مچا رہے ہو، مجھے بتاؤ کہ خلافت کو غصب کرکے کہاں لے گئے تھے؟ انہوں نے ایک جھونپڑی بھی بنائی؟ چونکہ خلیفہ صاحب ہیں تو ان کا مکان اچھا بنادو، جو کچھ تھا اللہ تعالیٰ کی خاطر تھا، رضائے الٰہی کے لئے تھا

یہی قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تھا، جس کو لوگ بدنام کرتے ہیں، پہلے بزرگوں نے تو بیت المال سے تنخواہ اور معمولی وظیفہ لیا تھا، لیکن وہ بھی بعد میں واپس کردیا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع سے لی ہی نہیں، جو خدمت کی اللہ

تعالیٰ کے لئے کی، یہ چار ہمارے خلفائے راشدین ہیں، ان کی سیرت، ان کا عدل، ان کا انصاف، ان کی حکمرانی، رعایا پروری اس کے واقعات ریکارڈ میں محفوظ ہیں، گم نام نہیں ہیں۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایسا پاکیزہ معاشرہ فلک نے کہیں دیکھا ہے تو مجھے بتاؤ؟ یہ وہ خلفاء ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے بعد کچھ حاکم ہوں گے جو اس علم پر عمل کریں گے جو میں تمہیں دے کر جا رہا ہوں، اور ان اعمال کو بجا لائیں گے جن پر میں امت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، لہٰذا ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی بندگی اور طاعت ہے۔ جس نے میرے مقرر کئے ہوئے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی، جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی طاعت کی، "وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ۔" اور جس نے میرے مقرر کئے ہوئے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

حضرت علیؓ کی گواہی:

حضرت امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہمارے خلیفہ چہارم کوفہ کے منبر پر تشریف فرما تھے، کسی نے آ کر کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ حضرات ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں۔ کوفہ کے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بقول جس کو نقل کرنے والے اسّی آدمی ہیں) کہ: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، ان کے بعد عمرؓ اور اگر میں چاہوں تو تیسرے آدمی کا بھی نام لے سکتا ہوں۔" منبر سے اترتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ثم عثمان، ثم عثمان" پھر عثمان ہیں، پھر عثمان ہیں۔

ابوبکرؓ وعمرؓ سے افضل کہنے والے کو حد لگاؤں گا:

اور یہ بھی اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: ''آئندہ مجھے کسی کے بارے میں اطلاع پہنچی کہ وہ مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے اس پر مفتری کی حد لگاؤں گا۔'' بہتان لگانے والے کی حد اسّی کوڑے ہے۔

حضرت علیؓ اپنی مرضی سے کوفہ گئے تھے:

ابن کوّا نے پوچھا کہ: امیر المؤمنین! ذرا اس کی وضاحت کریں۔ (اس خطبہ میں نہیں دوسرے موقع کی بات ہے) ذرا یہ تو وضاحت فرمائیں کہ یہ جو یہاں آپ تشریف لائے ہیں، مدینے سے چل کر کوفہ آئے ہیں، ذرا فرمایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا تھا یا آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا: ''میں پہلا شخص نہیں بنوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے، حضور نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا، یہ میری ایک رائے تھی، میں اپنی رائے سے آیا ہوں۔

حضرت علیؓ کی موجودگی میں صدیقؓ کو امام بنایا:

پھر قصہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور کئی دن بیمار رہے اور ان دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لانے اور نماز پڑھانے سے بھی قاصر رہے، میں موجود تھا آپ کے سامنے، آپ کو میری موجودگی کا اور میری حاضری کا علم تھا، اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔''

صدیقؓ کی موجودگی میں عمرؓ کی امامت بھی روا نہیں تھی:

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہیں پہنچے نہیں تھے، نماز کا وقت ہوگیا تو موذن صاحب (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

سے کہہ دیا کہ آپ نماز پڑھا دیں، انہوں نے کہا اگر تم کہو تو پڑھا دوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے، آواز بہت اونچی تھی، بلند تھی، نر آدمی تھے (الحمدللہ! آج تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز گونج رہی ہے)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آواز پہنچی، فرمایا: "لَا! لَا! لَا!" نہیں! نہیں! نہیں! ابوبکر کے سوا اللہ تعالیٰ بھی اور اہل ایمان بھی سب انکار کرتے ہیں۔

حضورؐ نے جس کو ہماری نماز کا امام بنایا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں موجود تھا، غیر حاضر نہیں تھا، میرے ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مصلّے پر کھڑا کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو ہم نے کہا کہ نماز دین کا سب سے اونچا عمل ہے، جب یہ کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کرکے گئے ہیں تو باقی دنیا کے معاملات بھی حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کرکے گئے، چلو قصہ ختم! چنانچہ میں ان کے زمانے میں ان کے مخلص رفیق اور وزیر کی حیثیت سے رہا۔

حضرت عمرؓ کا انتخاب:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے رب کے پاس گئے تو جانے سے پہلے انہوں نے کہہ دیا کہ حضرت عمرؓ کو خلیفہ بناؤ، میں نے کہا: "السمع والطاعة!" چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں میں ان کا بہترین رفیق اور وزیر رہا، مالِ غنیمت میں حصہ آتا تھا تو مجھے دیتے تھے، مجھے جہاد کے لئے بھیج دیتے تھے تو میں جاتا تھا، مجھ سے مشورہ طلب فرماتے تھے تو میں مشورہ دیتا تھا، جو کام میرے ذمہ لگاتے تھے بصد شوق، دل و دماغ کے پورے اتفاق کے ساتھ میں سرانجام دیتا تھا۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب:

اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے تشریف لے گئے تو ہمارے چھ

آدمیوں کی کمیٹی بناگئے اور یہ چھ آدمی عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس دن دنیا سے تشریف لے گئے، (عشرۂ مبشرہ جانتے ہو؟ جن کو جنت کی بشارت ملی) ان میں سے سات آدمی موجود تھے، تین رخصت ہو چکے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رخصت ہو چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود رخصت ہو رہے تھے اور ایک اور بزرگ رخصت ہو رہے تھے، بلکہ ہو چکے تھے، باقی سات آدمی تھے ان سات آدمیوں میں ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے، فرمایا ان کو شامل نہیں کروں گا، عجیب بات ہے! ان کو شامل نہیں کروں گا وہ میرے بہنوئی ہیں، باقی چھ جو رہ گئے ہیں ان پر مشتمل کمیٹی بنادی اور فرمایا: یہ چھ آدمی وہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے ہیں کہ ان سے راضی تھے، لہٰذا یہی فیصلہ کریں گے کہ کون خلیفہ بنے گا؟ جو یہ فیصلہ کریں پوری امت اس کو مانے۔ یہ ادارۂ انتخاب ہے اور تین دن تک ان حضرات کو اپنا فیصلہ سنانا ہوگا، اس زمانے میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھایا کریں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر ہم چھ آدمیوں کی جماعت تشکیل دے گئے، اس وقت مجھے نفس نے کہا تھا کہ اب تیرا موقع ہے، لیکن اس جماعت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا کہ بھائیو! میں تو اس سے دست بردار ہوتا ہوں، میں خلافت کا امیدوار نہیں، میں اپنا نام واپس لیتا ہوں، تم چاہو تو میں تمہارا فیصلہ کرسکتا ہوں، باقی پانچ آدمی ہیں فیصلہ کردیتا ہوں، اس سے پہلے تین آدمیوں نے تین آدمیوں کے معاملہ سپرد کردیا تھا، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم یہ ہی تین رہ گئے تھے، باقی تین نے اپنا معاملہ ان کے سپرد کردیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں، حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ کے حق میں اپنا معاملہ سپرد کردیا تھا (رضی اللہ

عنہم اجمعین) کہ یہ حضرات جو فیصلہ کریں گے ٹھیک ہے، اب تین آدمی درمیان میں رہ گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اس شرط پر کہ ان دو آدمیوں میں سے جس کو مناسب سمجھوں اس کو مقرر کردوں، سب نے کہا کہ منظور ہے، چھ کے چھ نے کہا کہ منظور ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر علیؓ کو میں خلیفہ مقرر کردوں تو تم بیعت کرو گے؟ انہوں نے کہا: شوق سے! حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر عثمانؓ کو مقرر کردوں، بیعت کرو گے؟ کہنے لگے کہ بالکل خوشدلی سے۔ یہ پہلے دن کے اجلاس کی کاروائی تھی چونکہ تین دن کے بعد فیصلہ سنانا تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تین راتوں میں میں سویا نہیں، پردہ نشین عورتوں کے پاس جاکر بھی میں نے پوچھا کہ ان دو بزرگوں میں سے کس کو مقرر کیا جائے؟ سب نے یہ ہی رائے دی کہ حضرت عثمانؓ کو مقرر کرو، گویا ووٹ بھی لئے گئے لیکن خفیہ، چنانچہ تیسرے دن جب اجلاس ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن میرے نفس میں کچھ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ مجھے خلیفہ بنایا جائے، لیکن جب میں نے دیکھا تو ''عَهْدٌ فِیْ عُنُقِیْ'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو عہد مجھ سے لیا تھا وہ میری گردن میں پہلے پڑچکا تھا، اب میں اس کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوگئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ خلیفہ رہے میں ان کا ناصح وزیر رہا، مشیر رہا جس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا تھا، اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا عہد پورا کرچکا ہوں، عثمانؓ کا عہد جو میری گردن میں تھا پورا کرچکا ہوں اب پیچھے کون رہ گیا؟ موٹی سی بات ہے کہ وہ ادارۂ خلافت جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا، اس میں ایک ہی آدمی پیچھے رہ گیا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ساری تفصیلات میری کتاب ''شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم'' میں آگئی ہیں، اس میں یہ ساری تفصیلات ذکر کردی گئی ہیں۔

بہرکیف! یہ خلفائے راشدینؓ ہیں اور جیسا کہ میں نے کتاب کا حوالہ دیا ہے، ہمارے اکابر اور ان کی اقتدأ کرتے ہوئے میں نے بھی قرآن کریم کی چار آیات سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ارشادات سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چار اقوال سے ان حضرات کا خلیفہ راشد ہونا ثابت کیا ہے، چوتھے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، یہ حضرات خلیفہ راشد تھے تو ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کی اطاعت بجالانا عبادت ہے۔ اور اس کے بعد پھر اور خلفأ ہوئے ان میں کچھ عادل تھے، کچھ جائر تھے۔

حضرت معاویہؓ خلیفہ عادل تھے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ عادل تھے اور اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ عادل تھے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فقرہ میں نے اس کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم کی صف کے آدمی نہیں تھے، لیکن ان کے بعد ایسا خلیفہ اور ایسا حاکم کبھی پوری امت میں نہیں ہوا، ایسا عادل خلیفہ امت میں نہیں ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عدل کا چرچا ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل کے ساتھ ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ اور کچھ حاکم جائر بھی ہوئے ہیں، ظالم بھی ہوئے، منحرف تھے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو ان کے ساتھ ان کی قیادت کرے گا وہ خود بھی ہلاک ہوگا، لوگوں کو بھی ہلاک کرے گا، تم ان سے مل کر رہو لیکن اپنے اعمال الگ رکھو اور وہ قصہ آگے چلتے چلتے اب ہمارے ہاں پہنچ چکا ہے اور جو حال ہے وہ آپ کے سامنے ہے، اور دوسری حدیث میں یہ ایک مستقل موضوع ہے، یعنی حکام کو جو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو پھر اس پر عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مہاجرینؓ و انصارؓ
کی
فضیلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

الف:......"اَخْرَجَ الطَّبَرَانِیُّ عَنْ مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صُبُّوْا عَلَیَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ مِنْ آبَارٍ شَتّٰی، حَتّٰی اَخْرُجَ اِلَی النَّاسِ فَاَعْہَدَ اِلَیْہِمْ. قَالَ: فَخَرَجَ عَاصِبًا رَأْسَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ خُیِّرَ بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ. فَلَمْ یَلْقَنْہَا اِلَّا اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، فَبَکٰی فَقَالَ: نَفْدِیْکَ بِآبَائِنَا وَاُمَّہَاتِنَا وَاَبْنَائِنَا! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عَلٰی رِسْلِکَ. اَفْضَلُ النَّاسِ عِنْدِیْ فِی الصُّحْبَۃِ وَذَاتِ الْیَدِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ، اُنْظُرُوْا ہٰذِہِ الْاَبْوَابَ الشَّوَارِعَ فِی الْمَسْجِدِ فَسُدُّوْہَا، اِلَّا مَا کَانَ مِنْ بَابِ اَبِیْ بَکْرٍ، فَاِنِّیْ

رَأَیْتُ عَلَیْهِ نُوْرًا۔“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۲۸)

ب:......”وَاَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِهٖ: اَفِیْضُوْا عَلَیَّ. فَذَکَرَهٗ بِنَحْوِهٖ وَزَادَ، فَکَانَ اَوَّلُ مَا ذَکَرَ بَعْدَ حَمْدِ اللهِ وَالثَّنَاءَ عَلَیْهِ، ذِکْرُ اَصْحَابِ اُحُدٍ فَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ وَدَعَا لَهُمْ، ثُمَّ قَالَ: یَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِیْنَ! اِنَّکُمْ اَصْبَحْتُمْ تَزِیْدُوْنَ وَالْاَنْصَارُ عَلٰی هَیْئَتِهَا لَا تَزِیْدُ، وَاِنَّهُمْ عَیْبَتِی الَّتِیْ اَوَیْتُ اِلَیْهَا، فَاَکْرِمُوْا کَرِیْمَهُمْ، وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِیْئِهِمْ. ثُمَّ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ: اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللهِ..... فَفَهِمَهَا اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ مِنْ بَیْنِ النَّاسِ فَبَکٰی۔“ (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۲۹)

ج:......”وَعِنْدَ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَقَالَ: اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ خَیَّرَ عَبْدًا بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَهٗ، قَالَ فَاخْتَارَ ذَالِکَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللهِ. قَالَ: فَبَکٰی اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، فَعَجِبْنَا لِبُکَائِهٖ اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلُ اللهِ عَنْ عَبْدٍ خُیِّرَ، وَکَانَ رَسُوْلُ اللهِ هُوَ الْمُخَیَّرُ، وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ اَعْلَمَنَا بِهٖ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَکْرٍ، وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِیْلًا غَیْرَ رَبِّیْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ، وَلٰکِنْ خُلَّةُ الْاِسْلَامِ اَوْ مَوَدَّتُهٗ، لَا یُبْقٰی بَابٌ فِی الْمَسْجِدِ اِلَّا سُدَّ، اِلَّا بَابَ اَبِیْ بَکْرٍ۔“(مسند احمد ج:۳ ص:۱۸)

الف:......ترجمہ:......”حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر مختلف کنوؤں کے پانی کے سات مشکیزے ڈالو، تا کہ میں لوگوں کی طرف نکلوں اور ان کو کچھ وصیتیں کروں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، منبر پر تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، اس کے بعد فرمایا کہ: ایک بندے کو اللہ کے بندوں میں سے دنیا کے درمیان اور جو چیز کہ اللہ کے پاس ہے اختیار دیا گیا ہے، پس اس نے اللہ کے پاس کی چیز کو اختیار کرلیا۔ اس بات کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے نہیں سمجھا، وہ رو پڑے اور کہا کہ ہم آپ پر قربان کرتے ہیں اپنے باپوں کو، اپنی ماؤں کو اور اپنے بیٹوں کو یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو! تمام لوگوں سے افضل میرے نزدیک رفاقت میں اور اپنے مال میں ابوبکر بن ابی قحافہؓ ہیں، دیکھو یہ دروازے جو کھل رہے ہیں مسجد کی طرف ان سب کو بند کردو، صرف ایک ابوبکر کا دروازہ باقی رہے، کیونکہ میں اس پر نور دیکھتا ہوں۔“

ب:......ترجمہ:......”بیہقی کی روایت حضرت ایوب بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا کہ مجھ پر سات مشکیزے مختلف کنوؤں کے ڈالو، باہر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اصحاب احد کا، شہدائے احد کا تذکرہ کیا، ان کے لئے استغفار فرمایا، ان کے لئے دعائیں فرمائیں، پھر فرمایا کہ: اے

مہاجرین کی جماعت! تم زیادہ ہوتے رہوگے اور انصار اپنی حالت پر رہیں گے، یہ زیادہ نہیں ہوں گے، یہ میرے مخصوص لوگ ہیں اور میری پناہ گاہ ہے، جن کی طرف میں نے پناہ لی تھی، اس لئے ان کے شرفا کی عزت کرو اور ان میں سے کسی سے غلطی ہوجائے تو اس سے تجاوز کرو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: لوگو! ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا۔ آگے وہی بات فرمائی، تو حضرت ابوبکرؓ اس بات کو سمجھے اور رو پڑے۔''

ج:...... ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے دنیا کے درمیان اور اس چیز کے درمیان جو اس کے پاس ہے، اس بندے نے اللہ کے پاس کی چیز کو اختیار کرلیا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے، ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں، اور یہ (بوڑھا شخص) رو رہا ہے، لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اختیار دیا گیا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ ہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: مجھ پر سب سے بڑھ کر احسان رفاقت میں اور مال میں ابوبکر کا ہے، اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کی دوستی اور اسلام کی محبت باقی ہے، مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے

سوائے ابوبکر کے دروازے کے۔“

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ شریفہ ہے، اس کے بعد کبھی منبر پر رونق افروز نہیں ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات مختلف کنوؤں کا پانی لاؤ اور وہ مجھ پر ڈالو، مجھے نہلاؤ، چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما کر دو آدمیوں کے سہارے باہر تشریف لائے، سرمبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی، اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ:

”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ یَقُوْلُ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ مِلْحَفَةٌ مُتَعَطِّفًا عَلٰی مَنْكِبَیْهِ وَعَلَیْهِ عِصَابَةٌ دَسْمَاءَ حَتّٰی جَلَسَ عَلَی الْمِنبَرِ ..... الخ۔“ (بخاری ج:۱ ص:۵۳۶)

ترجمہ:......”حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے آپ پر ایک چادر تھی جو آپ نے دونوں کندھوں پر ڈالی ہوئی تھی اور آپ کے سر پر ایک پٹی تھی جو میلی ہو رہی تھی آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے.....“

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کو دنیا میں رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا اختیار دیا گیا، اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس جو نعمتیں ہیں ان کو اختیار کرلیا، دنیا میں رہنا پسند نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم بات کو نہیں سمجھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے، اور کہنے لگے کہ: ”بِآبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَبْنَائِنَا!“ یا رسول اللہ! ہمارے باپ، ہماری مائیں اور ہمارے بیٹے آپ پر قربان ہوں! صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک آدمی کے بارے میں بتا رہے ہیں، اللہ کے ایک بندے کو دنیا میں رہنے کا یا یہاں سے رخصت ہونے کا اختیار دیا گیا اور یہ بوڑھا

کیوں رو رہا ہے؟ لیکن اصل بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے بارے میں ارشاد فرما رہے تھے، تب ہمیں معلوم چلا کہ ابوبکر ہم سے بڑے عالم تھے۔

وفات سے پہلے انبیاءؑ سے استفسار:

یہاں یہ بات یاد رکھو کہ حضرات انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت چلی آتی ہے کہ ان کو وقت سے پہلے آگاہ کردیا جاتا ہے اور پھر پوچھا جاتا ہے کہ: یہاں رہنا چاہتے ہو تو مزید تاخیر کردی جائے، یا چلنا چاہتے ہو تو وقت مقررہ آچکا ہے، حضرات انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جن کی نظر دنیا تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان کو اس آڑ اور پردہ کے پار کی چیزیں بھی ویسی ہی نظر آرہی ہوتی ہیں جیسے یہاں کی چیزیں نظر آتی ہیں، وہ اس اختیار ملنے پر دنیا میں رہنا کب پسند کریں گے؟ تمام انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب ایک ہی رہا کہ چلنا ہے، یعنی یہاں نہیں رہنا۔

حضرت موسیٰؑ کا عزرائیل کو مارنا:

صحیح بخاری شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آتا ہے کہ:

”عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اُرْسِلَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی فَلَمَّا جَاءَهٗ صَکَّهٗ فَرَجَعَ اِلٰی رَبِّهٖ فَقَالَ: اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ! قَالَ: اِرْجِعْ اِلَیْهِ فَقُلْ لَّهٗ یَضَعُ یَدَهٗ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهٗ بِمَا غَطَّتْ یَدَهٗ بِکُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ. قَالَ: اِیْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ! قَالَ: فَالْاٰنَ! قَالَ: فَسَأَلَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یُّدْنِیَهٗ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْیَةً بِحَجَرٍ ..... الخ.“ (صحیح بخاری ج:۱ص:۱۸۴)

ترجمہ:......”حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے، جب ملک الموت ان کے پاس آئے تو انہوں نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ رسید کر دیا، جس سے ان کی آنکھ نکل گئی، انہوں نے جا کر شکایت کی کہ یا اللہ! آپ نے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو دنیا میں رہنا چاہتا ہے، فرمایا: (تم نے پہلے اجازت نہیں لی، آنکھ تو تمہاری بنا دیتے ہیں) دوبارہ جاؤ جا کر ان سے پہلے پوچھو اور ان سے کہو اگر دنیا میں رہنا چاہتے ہیں تو ایک بیل کی پشت پر ہاتھ رکھ دیں، جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں گے، اتنے سال ان کی عمر مزید بڑھا دیں گے۔ اب حضرت عزرائیل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے، سلام عرض کیا اور حق تعالیٰ شانہ کا پیغام دیا کہ وقت تو آپ کا آچکا ہے، لیکن اگر آپ یہاں رہنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں، اس کے نیچے جتنے بال آئیں گے اتنے سال آپ کی عمر بڑھا دی جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغام ملا تو ارشاد فرمانے لگے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کہنے لگے کہ: پھر چلیں گے! فرمایا: پھر ابھی کیوں نہ چلیں! چنانچہ فرمانے لگے کہ: مجھے ذرا وہاں تک پہنچا دو، (رمیۃ بحجر) بیت المقدس کے قریب وہاں پہنچے تو جان قبض ہوگئی۔''

تو حضرات انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اکرام کیا جاتا ہے کہ بغیر اجازت کے فرشتہ ان کے پاس نہیں آتا۔

بعض اولیاٴ اللہ کا اکرام:

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ایک دفعہ تو جوانی کے زمانے میں ہوئی تھی تو میں نے کہا کہ: چلیں؟ تو فرشتے نے کہا کہ: نہیں! ابھی بہت وقت ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ: بیماری کے زمانے میں کوئی تین ماہ پہلے ملاقات ہوئی، میں نے کہا: چلیں؟ کہنے لگے کہ: وقت تو اب نزدیک ہی ہے، لیکن ابھی وقفہ ہے۔ وفات سے چند دن پہلے فرمانے لگے کہ: آج عزرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ: چلیں؟ کہنے لگے کہ: بس اب چلیں گے انشاٴ اللہ! کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ اجازت تو انبیاٴ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لی جاتی ہے، تو عزرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ: انبیاٴ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تو اللہ کا قانون ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان سے بھی اجازت لی جاتی ہے، ان کے بارے میں قانون نہیں، حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے اکرام کا معاملہ ہوتا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایک بندے کو اللہ کے بندوں میں سے دنیا کے رہنے کے درمیان اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اس کے درمیان اختیار دیا گیا ہے کہ دونوں میں سے کس چیز کو اختیار کرتے ہو؟ انہوں نے ما عند اللہ کو اختیار کرلیا۔

رفیق اعلیٰ کی طرف:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری وقت میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی." یا اللہ! اوپر والے رفیق کو پسند کرتا ہوں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا کہ انبیاٴ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا جاتا ہے، تو جب آپ کی یہ بات میں نے سنی کہ: "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ

الْاَعْلٰی" میں نے کہا: "اِذًا لَا یَخْتَارُنَا!" (مشکوٰۃ ص:۵۴۸) اب یہ ہمارے پاس نہیں رہیں گے، اب ہمارے پاس رہنا یہ پسند نہیں کریں گے۔

سات کنوؤں کے پانی ڈالنے کی حکمت:

دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سات کنووں کے مشکیزے لاؤ، اور وہ مجھ پر ڈالو۔ یہ چیز صحت کے لئے مفید ہے، لیکن بھائی! علاج کسی طبیب کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتا، قاعدہ نہیں ہے، بسااوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تدبیر سے علاج فرماتے تھے، کوئی بیمار ہوتا تو فرماتے کہ سات کنووں کا پانی لاؤ اور مریض کو غسل کرواتے، تو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف بہت تھا اور آپؐ کی خواہش تھی کہ باہر تشریف لاکر ایک دفعہ سب کو زیارت بھی کروادیں اور کچھ نصائح بھی فرمادیں۔ اس لئے فرمایا کہ مجھے سات کنووں کے پانی کے ساتھ غسل دو تاکہ ذرا تھوڑی قوت آجائے تو میں لوگوں کی طرف نکلوں اور ان کو کچھ وصیتیں کروں، کچھ نصیحتیں کروں، چنانچہ غسل فرمانے کے بعد تشریف لائے، سر درد کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

آخری بدھ کو مٹھائی بانٹنا، منافقوں کی چال:

سر درد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری مرض شروع ہوا، مرض الوفات، اور ہمارے ہاں جاہلوں نے صفر کا آخری بدھ اس کو بہت بابرکت بنادیا، آخری بدھ کو بیماری شروع ہوئی تھی اور یہ ہمارے دوست اس دن مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں، کارخانوں میں، فیکٹریوں میں اور اداروں میں باقاعدہ مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔

معلوم نہیں کس شیطانؑ نے ان کے کان میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا، مطلب یہ ہے کہ جس دن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی، منافقوں نے، زندیقوں نے تم سے جھوٹ بول کر اس دن مٹھائیاں تقسیم کروائیں، اور یہ تحقیق کرنے کی تم نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ جاکر کسی عالم سے پوچھ لیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ خالص جھوٹ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آخری بدھ کو غسل صحت فرمایا ہو، خالص جھوٹ اور اس کی بنیاد پر مٹھائیاں تقسیم کرنا خالص جہالت۔

صفر کے آخری بدھ کو مرض الوفات کی ابتدأ:

صفر کا آخری بدھ تھا جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی اور بیماری شروع ہوئی تھی سر درد سے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ: رَجَعَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ مِنْ جَنَازَةٍ مِنَ الْبَقِیْعِ فَوَجَدَنِیْ وَاَنَا اَجِدُ صُدَاعًا وَاَنَا اَقُوْلُ وَا رَأْسَاهُ قَالَ بَلْ اَنَا یَا عَائِشَةُ وَا رَأْسَاهُ قَالَ وَمَا ضَرَّکِ لَوْ مُتِّ قَبْلِیْ فَغَسَلْتُکِ وَکَفَنْتُکِ وَصَلَّیْتُ عَلَیْکِ وَدَفَنْتُکِ. قُلْتُ: لَکَاَنِّیْ بِکَ وَاللّٰہِ لَوْ فَعَلْتَ ذَالِکَ لَرَجَعْتَ اِلٰی بَیْتِیْ فَعَرَسْتَ فِیْهِ بِبَعْضِ نِسَائِکَ، فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بُدِئَ فِیْ وَجْعِهِ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ."

(مشکوٰۃ ص:۵۴۹)

ترجمہ:......"ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے فارغ ہوکر گھر تشریف لائے، ادھر اتفاق کی بات کہ میرے سر میں درد تھا، میں لیٹی ہوئی تھی، میں نے کہا: "وا رأساہ!" کہ سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمانے لگے:

اے عائشہ! سر میں درد تو میرے ہو رہا ہے، پھر ارشاد فرمایا کہ:
(اے عائشہ!) تجھے کیا نقصان ہے، اگر تو میرے سامنے مر جائے تو میں تجھے اپنے ہاتھ سے غسل دوں اور کفن پہناؤں، تیری نماز جنازہ پڑھوں اور اپنے ہاتھ سے دفن کروں۔ میں نے کہا کہ: جی ہاں! آپ تو یہ ہی چاہیں گے کہ یہ مرجائے تا کہ میرے بعد اور کسی اچھی بیوی کو لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ تو اس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سر درد سے شروع ہوئی (اور یہ حقیقت میں زہر کا اثر تھا، جو آپ کو خیبر میں دیا گیا تھا)۔"

ابوبکرؓ سب سے بڑے عالم تھے:

بہرکیف! باہر تشریف لائے، منبر پر تشریف لے گئے تو یہ بات ارشاد فرمائی کہ اللہ کے ایک بندے کو اختیار دیا گیا ہے، یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور رونے لگے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق ہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔

علم کثرتِ معلومات کا نام نہیں:

علم معلومات کا نام نہیں ہے کہ کسی کو معلومات زیادہ ہوں، کسی چیز کی صحیح حقیقت تک پہنچ جانا اس کا نام علم ہے۔

ہمارے اکابر کا علم:

میں نے ایک موقع پر مدرسہ میں اپنے عزیز طالب علموں سے سبق پڑھاتے ہوئے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے اکابر سے کچھ زیادہ خوش اعتقادی ہے، حضرت نانوتوی

رحمۃ اللہ علیہ دنیا سے تشریف لے گئے، تو مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک صحیح بخاری شریف کا نسخہ اور ایک قرآن کریم ان کے گھر سے برآمد ہوا، اس پر انہوں نے مرزا غالب کا یہ شعر نقل کیا ہے کہ:

چند تصویر بتاں، چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا!

قلت اسباب و وسائل کا تو یہ حال ہے لیکن حجۃ الاسلام کہلاتے تھے، یعنی ان کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔ میں نے کہا: تم لوگ سالہا سال کے بعد غور وفکر کر کے قرآن و حدیث کے دلائل کو دیکھ کر جس نتیجہ پر پہنچو گے، میرا عقیدہ یہ ہے کہ میرے اکابر آنکھ کھولتے ہی وہاں پہنچ جاتے تھے۔

حضرات انبیاؑ اور ہمارے اکابر کی قوت قدسیہ:

اللہ تعالیٰ نے ان کو قوتِ قدسیہ عطا فرمائی تھی۔ فلاسفہ نے عقل انسانی کے درجات قائم کئے ہیں، ان میں ایک درجہ قوتِ قدسیہ کا ہے، انبیاؑ اور اولیاؑ کو اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسیہ عطا ہوتی ہے، ان کو مقدمات کی ترتیب دینے کی ضرورت نہیں ہوتی، کسی بات پر غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ جب بھی وہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں علم لَّدُنِّی کے طور پر فوراً اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں، اس کا نام علم ہے۔

مستشرقین کا علم حرف شناسی ہے:

حرف شناسی کا نام علم نہیں ہے، اگر اس کا نام علم ہوتا تو مستشرقین سب سے بڑے عالم ہوتے۔ ”مفتاح کنوز السنۃ“ ایک کتاب ہے جو ایک عیسائی مستشرق کی لکھی ہوئی ہے، حدیث کی کتابوں میں جہاں جہاں کوئی احادیث آئی ہیں، اس نے ان کو عنوانات پر تقسیم کر دیا، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کیا

احادیث ہیں۔ اور مستشرقین کی ایک جماعت نے ایک کتاب بڑی بڑی، موٹی موٹی آٹھ جلدوں میں جو اب سولہ جلدوں میں چھپی ہے، لکھی ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ حدیث کا فلاں لفظ، حدیث کی فلاں کتاب اور فلاں باب میں آیا ہے، اس کتاب کا نام ہے: "**المعجم المفهرس لالفاظ الحدیث**"، لیکن اس کے باوجود وہ ایمان سے محروم ہیں، اس علم کو کوئی کیا کرے گا؟ اس لئے کہ: "علم کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است۔" چنانچہ شیخ سعدیؒ نے اسی لئے فتویٰ دیا تھا کہ:

سعدی بشوئے از لوح دل نقش غیر حق
علم کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است

فرماتے ہیں کہ: "دل کی تختی سے غیر حق کے نقوش کو مٹا ڈالو اور دھو ڈالو اس لئے کہ جو علم حق کی طرف راہ نمائی نہیں کرتا وہ علم نہیں جہالت ہے۔"

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
بجز حرف عشق ہرچہ بخوانی بپالت است

یادِ دوست کے سوا جو کچھ بھی کرتے ہو عمر کو ضائع کرتے ہو اور حرف عشق کے علاوہ جو کچھ بھی پڑھتے ہو محض فضول حرکت ہے۔ یعنی وہ کیا علم ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچاتا، یعنی اللہ تعالیٰ کے دروازے تک نہیں لے جاتا، وہ کیسا علم ہے؟ کسی چیز کی حقیقت تک پہنچ جانا علم کہلاتا ہے۔

تحصیل علم کے ذرائع:

پھر یہ علم کئی طریقے سے حاصل ہوتا ہے، کچھ تو یہ پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

کبھی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی صحبت میں رہنے سے علم ملتا ہے اور دل

میں ایک بصیرت پیدا ہوجاتی ہے، اور وہ حقائق کو پہچانتی ہے، اور کبھی علم لدنی ہوتا ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے القا کیا جاتا ہے، جیسے قرآن کریم میں ہے: ”وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔“ (اور ہم نے اس کو اپنی جانب سے علم سکھلایا)۔

صدیق اکبرؓ کا علم:

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کا اثر تھا کہ ان کے قلب میں وہی چیز آتی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں آتی تھی، دوسری بات آتی ہی نہیں تھی، اس لئے لقب صدیق ہوا۔

”صدیق“ کا معنی:

صدیق اس کو کہتے ہیں کہ سر کے بالوں سے لے کر، سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک صدق ہی صدق ہو، اور کذب کا نام و نشان نہ ہو، وہ صدیق کہلاتا ہے، قرآن کریم نے بطور خاص حضرت یوسف علیہ السلام کو ”یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ“ (یوسف:۴۵) کہا ہے، صدیقین کا لفظ عام بولا ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔“ (مریم:۵۱)

ترجمہ:......”ذکر کیجئے کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہ وہ صدیق تھے۔“

مقام صدیقی، مقامِ نبوت کا عکس:

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صدیق کہا، حضرات انبیاءٴ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت ملنے سے پہلے صدیق ہوتے ہیں، بعد میں جب ان کو نبوت عطا کی جاتی ہے، تو ان کے فیض صحبت سے صدیق بنتے ہیں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انبیاءٴ

کے بعد افضل الصدیقین ہیں، اس لئے کہ وہ افضل النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے برگزیدہ صحابی ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خاص ان کے بارہ میں فرمایا ہے: "اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا." چنانچہ اس آیت میں: "صَاحِبِہٖ" سے مراد صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

صدیق اکبرؓ جانشین رسول تھے:

اس لئے میں نے کہا ہے کہ امیرالمؤمنین کا لفظ جو ہے ناں! یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایجاد ہوا، امیرالمؤمنین کی اصطلاح خلیفۃ المسلمین کے لئے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایجاد ہوئی، صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو امیرالمؤمنین کہنا شروع کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیرالمؤمنین نہیں کہتے تھے، ان کو امیرالمؤمنین نہیں کہا جاتا تھا، ان کو جب بھی بلاتے یا خلیفۃ رسول اللہ! کہہ کر بلاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند کی جانشینی انہی کو زیبا تھی۔

صدیق اکبرؓ کا مقام:

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کیا کہ: "بِآبَائِنَا وَاُمَّھَاتِنَا وَاَبْنَائِنَا! یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عَلٰی رِسْلِکَ" ٹھہرو ابوبکر ٹھہرو! یہ کیوں فرمادیا؟ اس میں بھی رمز تھی، زبان کھل گئی تھی صدیق کی، ایسا نہ ہو کہ یہ دہانہ پھوٹ پڑے اور سب کچھ بہا کر لے جائے، ٹھہر جاؤ! بند لگالیا، غم و اندوہ کی وجہ سے سیلاب اُمڈ آئے اور حاضرین کے لئے اس کا برداشت کرنا مشکل ہوجائے، فرمادیا: "علی رسلک" ٹھہر جاؤ، بند لگادیا۔ وہ خاموش ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔

ایک بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ اس بھری دنیا میں کسی صاحب نے ہم پر کوئی

احسان کیا ہے، ہم اس کا بدلہ چکا چکے ہیں، سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ ان کے احسان کا بدلہ ہم سے نہیں چکایا گیا، اللہ تعالیٰ ہی ان کا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

اور دوسری یہ بات ارشاد فرمائی کہ اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ سے جس قدر احسانات ہم پر ابوبکر کے ہیں، اتنے کسی کے نہیں، ''اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ.'' اور ان کے استخلاف کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: مسجد کی طرف دروازے کھلتے تھے، مسجد شریف کے اردگرد صحابہؓ کی آبادی تھی، اور جلدی سے نماز کے آنے کے لئے مسجد میں دروازے کھول رکھے تھے، فرمایا: سارے دروازے بند کردیئے جائیں سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے کے کہ ان کو تو ہمہ وقت آنے کی ضرورت ہوگی، باقی دروازے بند کردو، تاکہ خلیفہ کا دوسرے لوگوں سے امتیاز ہوجائے۔

آٹھ سال بعد شہدائے احد پر نمازِ جنازہ:

اسی خطبہ میں دو باتیں مزید ارشاد فرمائیں، ایک تو شہدائے احد کو یاد فرمایا، یہ اسلام کے لئے سب سے پہلے قربانی دینے والے حضرات تھے، ان کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور استغفار فرمایا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: صَلّٰی رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَتْلٰی اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِیْنَ کَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْیَاءِ وَالْاَمْوَاتِ ..... الخ.''

(مشکوٰۃ ص:۵۴۷)

ترجمہ:...... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے وصال سے چند دن پہلے احد گئے، شہدائے احد کی قبروں پر گئے اور یہ عجائبات میں سے ہے کہ) آٹھ سال کے بعد ان حضرات پر نمازِ جنازہ پڑھی، گویا کہ آپؐ زندوں اور مردوں کو رخصت فرما رہے

تھے، (زندوں کو تو رخصت کر ہی رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ
مردوں سے بھی رخصت ہوئے)۔"

مہاجرین وانصار کا مقام:

اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ مہاجرین بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے۔ یہ دو طبقے تھے، ایک مہاجرین کا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہجرت کی، مکہ مکرمہ چھوڑ کر یہاں آگئے، جو اس وقت ان کے لئے پردیس تھا، اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، اپنے کاروبار چھوڑے اور بعض نے اپنے اہل وعیال چھوڑے، ایسے حضرات بھی تھے جو ہجرت کرکے تشریف لے آئے، لیکن بال بچے وہاں رہے، ان کے منگوانے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا تھا، یہ مہاجرین تھے اور مدینے کے حضرات جو پہلے سے ہی یہاں رہ رہے تھے اور جنہوں نے اسلام کے لئے اپنی آغوش کھول دی تھی، خود اسلام کی آغوش میں چلے گئے تھے، یہ انصار کہلاتے تھے، قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی تذکرہ آیا، ان دونوں فریقوں کا المہاجرین والانصار کے ساتھ آیا ہے، پہلے نمبر پر مہاجرین اور دوسرے نمبر پر انصار، گویا مہاجرین کو متبوع اور انصار کو تابع بنایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ انصار "**قرشی وعیبتی**" میرے اعضائے باطنی ہیں اور عیبا کہتے ہیں اپنا خاص بکس جس میں آدمی نے اپنا سامان اور خزانہ رکھا ہوا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مجھے پناہ دی تھی، اس لئے ان میں سے جو کریم اور بڑے لوگ ہیں ان کا اکرام کرو، اور اگر ان میں سے کسی سے غلطی ہوجائے تو اس سے درگزر کرو، یہ کن کو کہہ رہے ہیں؟ مہاجرین کو! اس میں بھی اشارہ فرمادیا کہ خلافت مہاجرین میں ہوگی، انصار میں نہیں ہوگی اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَلِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءِ

اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔" (مشکوٰۃ ص:۵۷۷)

ترجمہ:...... "یا اللہ! انصار کی بخشش فرما، انصار کی اولاد کی بخشش فرما، اور ان کی اولاد کی اولاد کی بخشش فرما۔"

انصار کے احسانات:

ان حضرات انصار کے عام مسلمانوں پر بڑے احسانات ہیں، اسلام پر احسان کہنا تو غلط ہوگا، بلکہ اسلام کا ان پر احسان تھا، ظاہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے احسانات تھے، لیکن حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر احسانات تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق تھے، بالکل وہی نقشہ نظر آتا تھا جو شمع اور پروانوں کا نظر آیا کرتا ہے، جس طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلتے تھے حضرات انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں ہوتے تھے، اور ہر قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لئے دینے کو تیار رہتے تھے، وہ جو جنگ ہوازن کے موقع پر قصہ پیش آیا تھا، وہ میں ذکر کرچکا ہوں، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ کسی نوجوان انصاری کے منہ سے نکل گیا تھا کہ:

"..... فَقَالُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْ قُرَیْشًا وَیَدْعُنَا وَسُیُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِہِمْ فَحُدِّثَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَقَالَتِہِمْ فَاَرْسَلَ اِلَی الْاَنْصَارِ فَجَمَعَہُمْ فِیْ قُبَّۃٍ مِنْ اَدَمٍ وَلَمْ یَدْعُ مَعَہُمْ اَحَدًا غَیْرَہُمْ فَلَمَّا اجْتَمَعُوْا جَاءَہُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا حَدِیْثٌ بَلَغَنِیْ عَنْکُمْ فَقَالَ فُقَہَاءُہُمْ اَمَّا ذَوُوْا رَاْیِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَلَمْ یَقُوْلُوْا شَیْئًا وَاَمَّا اُنَاسًا مِنَّا حَدِیْثَۃُ اَسْنَانِہِمْ قَالُوْا یَغْفِرُ اللّٰہُ

لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْطِیْ قُرَیْشًا وَیَدْعُ
الْاَنْصَارَ وَسُیُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِھِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی
اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا تَرْضَوْنَ اَنْ یَّذْھَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ
وَتَرْجَعُوْنَ اِلٰی رِحَالِکُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ! قَدْ رَضِیْنَا۔" (مشکوٰۃ ص:۵۷۶)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں کو دیتے ہیں، ان کو مکہ یاد آگیا ہے اور ہماری تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بالکل الگ ایک خیمہ میں جمع ہونے کا حکم دیا، وہ حضرات جمع ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا: یہاں انصار کے علاوہ کوئی اور آدمی تو نہیں ہے؟ عرض کیا گیا کہ: حضور! اور تو کوئی نہیں ہے، ہمارا بھانجا ہے، ہے تو دوسرے قبیلے کا، انصار کا نہیں ہے، لیکن ہمارا بھانجا ہے، فرمایا اس کو رہنے دو، "فَاِنَّ اِبْنَ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْھُمْ." کیونکہ کسی قوم کا بھانجا انہیں میں سے شمار ہوگا، یہ خاص بات تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع پر ارشاد فرمائی، اور پھر پوچھا کہ وہ کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، حضرات انصار رونے لگے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے جو بڑے اور سمجھ دار لوگ ہیں انہوں نے تو کچھ نہیں کہا، یہ جو بچے، لونڈے ہیں، ان کے منہ سے یہ بات نکلی ہے۔ وہاں عجیب وغریب مکالمہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انصار! تم بھول گئے ہو، تم گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی، تم بھوکے تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں کھانا عطا فرمایا، تم ننگے تھے، فقیر تھے، قلاش تھے، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کردیا، اب وہ رو رہے ہیں، گرج کر فرمایا: مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ وہ صرف اتنا کہہ پائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ فرمایا: جواب دو! تم جواب دینا چاہو تو جواب دے سکتے ہو کہ تجھے تیری قوم نے رہنے نہیں دیا تھا،

نکال دیا تھا، ہم نے تجھے پناہ دی تھی، لوگ تجھ کو گالیاں دیتے تھے، ہم نے تیرے لئے یہ کیا تھا، وہ یہ کرتے تھے ہم نے یہ کیا۔ اور بہت ساری ایسی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گنوادیں، لیکن انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہم پر بہت احسانات ہیں۔ فرمایا کہ: اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ شام کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو لے کر جاؤ، اور دوسری روایت میں ہے:

"وَلَوْ لَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ اِمْرَأً مِنَ الْاَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِيًا اَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَشِعَبِهِمْ." (مشکوٰۃ ص:۵۷۶)

اب میں کیا کروں میں مہاجر ہوں، ہجرت کر کے گیا ہوں، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی اپنے آپ کو انصار ہی کہلاتا، میں بھی انصار ہی میں سے شمار ہوتا، ایک وادی میں چلے انصار، دوسری وادی میں چلے لوگ، تو میں انصار کی وادی اور گھاٹی پر چلوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے ساتھ بہت ہی تعلق خاطر تھا، بے حد محبت، اس لئے اس آخری وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت فرمائی اور ان کو بہت ہی زیادہ دعائیں دیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مؤمن
کی
صفات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''عارف باللہ شیخ تاج الدین ابن عطاء اللہ سکندریؒ کی تصنیف لطیف ''مفتاح الفلاح ومصباح الارواح'' ذکر الٰہی کے موضوع میں بے نظیر تبرک ہے، جو بیش قیمت افادات پر مشتمل ہے، حیدرآباد (سندھ) کے ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب مدفیوضہم نے یہ کتاب حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ صاحب صدر مفتی خیرالمدارس ملتان کی خدمت میں بغرض اشاعت بھیجی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے، حضرت موصوف، اس کی اصل اور ترجمہ دونوں کی اشاعت کا الگ الگ اہتمام فرما رہے ہیں۔ ذیل میں اسی کتاب کا ایک باب قارئین کی خدمت میں ہدیہ کیا جاتا ہے، واللہ الموفق!''.................(محمد یوسف)

مساکین جو امور اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ منازعت اور جھگڑالو نفس کے ظہور سے بعید ہے، اس میں نہ ذرہ برابر عذر معذرت کی گنجائش ہے، نہ چشم پوشی کی صورت ہوسکتی ہے، ان امور میں جو خروج عن الطریق کی طرف مؤدی ہوں کسل مندی گوارا کی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک زبانی مؤاخذہ اور درگزر نہ کرنا، ان امور میں ہے جن میں شرعاً مسامحت نہیں ہوسکتی، اور اپنے حقوق اور ذاتی امور میں مسامحت کرلیتے ہیں۔

اپنی ذات اور دوسروں کے لئے:

اہل طریق کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے لوگوں کو انصاف دلاتے ہیں، لیکن خود داد طلبی نہیں کرتے، وہ اجانب سے معذرت قبول کرلیتے ہیں لیکن خود عذر خواہی کی نوبت نہیں آنے دیتے، وہ باہم مناصحت کا، اور عام لوگوں کے ساتھ شفقت و رحمت کا برتاؤ کرتے ہیں، ان کے درمیان باہمی بغض، کینہ، حسد، عطیاتِ الٰہیہ میں نہیں پایا جاتا، ان میں سے کوئی ''میری''، ''میرے پاس''، ''میرا سامان''، ''میری سواری'' اور ''میرا کپڑا'' کا لفظ نہیں کہے گا، انہیں جو فتوح حاصل ہوتی ہیں، ان میں وہ سب برابر کے شریک ہوتے ہیں، وہ کسی خاص شخص کی ملک میں نہیں ہوتیں۔

عورتوں اور لڑکوں کی ہم نشینی سے پرہیز:

ان کا طریق عورتوں کی موافقت، ہم نشینی اور دوستی کو ترک کرنا، اور نوعمر لڑکوں کی صحبت اور گفتگو سے پرہیز کرنا ہے۔ ان کے یہاں یہ شرط ہے کہ کسی سے وعدہ نہ کیا جائے، اگر کسی نے غلطی کی اور وعدہ کرلیا تو اس کا ایفاء ہر قیمت پر ضروری ہے۔

اہل اللہ کے اوصاف:

سچ بولنا، اور طعام، کلام اور نظر میں ورع اختیار کرنا، ریاکاری سے دور

بھاگنا، شریعت کے تمام آداب کی جو اسے معلوم ہوں، رعایت اور حفاظت کرنا، اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہر حالت کا حکم دریافت کیئے جانا، ان کے شرائط طریق میں داخل ہے، ان کا یہ نظریہ ہے کہ جو شخص آداب شرعیہ میں خیانت سے نہیں چوکتا وہ اسرارِ الٰہیہ میں خیانت سے کب باز رہے گا؟ اور حق جل مجدہ اپنے اسرار صرف امین حضرات کو عطا فرماتے ہیں، خیانت پیشہ لوگوں کا ان میں کوئی حصہ نہیں۔

اپنی پسند و ناپسند سے اجتناب:

ان کے طریق میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند سے دست کش ہوجاتے ہیں، بس حق جل مجدہ نے ان کے لئے جو کچھ پسند فرمالیا اور اختیار کرلیا وہ اسی پر بجان و دل راضی ہیں۔ نیز وہ مباحات کے درپے ہوکر وقت ضائع نہیں کرتے۔ جو شخص اس طریق میں داخل ہو، اگر وہ صاحب نکاح ہو تو اسے طلاق دینے کی ضرورت نہیں، اور اگر مجرد ہو تو نکاح نہ کرے گا تاوقتیکہ اس کی تکمیل نہیں ہوجاتی، اس کے بعد حق تعالیٰ کی جانب سے جو القا کیا جائے گا، اس پر عمل کرے گا۔

روپیہ پیسہ لینے دینے میں احتیاط:

سالک کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ روپیہ پیسہ لینے میں پوری احتیاط اور تورع کے باوجود نقدی پاس رکھ کر رات نہیں گزارے گا، نہ سالک کسی کو دینے کے لئے کسی سے کچھ لیتا ہے، کیونکہ یہ اس کے لئے حجاب ہے، البتہ کامل لے بھی سکتا ہے، اور دل چاہے تو رکھ بھی سکتا ہے، اور دل چاہے تو دے سکتا ہے، کیونکہ کامل القاء ربانی کے موافق عمل کرتا ہے، جس طرح شاگرد، استاذ کے اشاروں پر عمل کرتا ہے، جس طرح تلمیذ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں (کیونکہ وہ پابند حکم استاذ ہے)، اسی طرح شیخ کامل کے ان افعال پر اعتراض نہیں، اس لئے کہ اگر وہ واقعی شیخ ہے تو یہ سب کچھ من جانب اللہ کرتا ہے۔

ترکِ اغراض:

ان کی ایک شرط ترکِ اغراض ہے، الّا یہ کہ اعتراض کرنے والا اعلیٰ ہو، کیونکہ یہ اعتراض نہیں بلکہ تادیب ہے، اور اگر کم مرتبہ ہے تو اسے خاموش رہنا چاہئے، اگر اس نے اعتراض کیا تو عقد طریق باطل کردیا، اس لئے کہ اہل طریق اہل صدق ہیں، زبان سے وہی کہتے ہیں جس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

آدابِ مرید:

اور جب مرید شیخ کی زیارت کو جائے تو اپنے قلب کو ''اپنے پاس کی چیزوں'' سے خالی کرلے، تاکہ شیخ کے القاٗ کردہ امور کو قبول کرسکے، اور شیخ کی کسی بات پر انکار کی صورت پیدا نہ ہو، اور اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جس کو اس کا قلب قبول نہیں کرتا، تو اپنے کو ملامت کرے اور یوں جانے کہ میں اس مقام کو نہیں پہنچا، شیخ کی طرف خطا کی نسبت نہ کرے، جو شیخ کے پاس بغرض امتحان و آزمائش جاتا ہے، وہ جاہل ہے، اور شیخ سے ''خاطر'' پر کلام کا مطالبہ نہ کرے، بلکہ امراض نفوس اور ان کے علاج کی معرفت شیخ سے طلب کی جاتی ہے، مکاشفات، مریدین کے احوال ہیں، عارفین کے احوال نہیں۔

بدظنی سے اجتناب:

اور اہل طریق جب کسی گناہگار کو عین حالتِ معصیت میں دیکھتے ہیں تب بھی اس کے بارے میں اصرار کا اعتقاد نہیں رکھتے، ان کا خیال ہوتا ہے کہ شاید اس نے خفیۂ توبہ بھی ساتھ ہی کرلی ہو یا ہوسکتا ہے کہ اس کا خاتمہ عنایت الٰہیہ کی وجہ سے اچھا ہونے والا ہو، اس لئے ممکن ہے کہ یہ گناہ (انجام کے اعتبار سے) اسے مضر نہ ہو، ہاں برا اعتقاد وہ اسی شخص کے متعلق رکھتے جس کے انجام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلع کردیا ہو، اس کے باوجود وہ کسی کو عار نہیں دلاتے۔

اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ جاننا:

اہل طریق اپنی ذات کو کسی سے بہتر نہیں سمجھتے، جو شخص اپنے کو دوسرے سے بہتر جانتا ہے، بغیر اس کے کہ اس کو اپنا اور اس دوسرے کا مرتبہ فی الحال اور انجام کے اعتبار سے معلوم ہوگیا ہو، وہ جاہل باللہ ہے، دھوکے میں مبتلا ہے، اور خیر سے یکسر خالی ہے، خواہ اسے کتنے ہی معارف کیوں نہ دیئے گئے ہوں، علم کی تحقیر درحقیقت حق تعالیٰ کی بے ادبی ہے، اور یہ نقیض ولایت ہے۔

اہل اللہ کے اوصاف:

نیز ان کے اوصاف میں سے ہر دنی اور گندے خلق سے نفس کو پاک کرنا، اور خلق عالی سے نفس کو مزین کرنا ہے۔ وہ مخلوق کی ایذا برداشت کر لیتے ہیں، کسی کو ایذا نہیں دیتے، وہ دوسروں کا بوجھ اٹھالیتے ہیں، اپنا بار دوسروں پر نہیں ڈالتے، وہ نیکی کے کاموں میں اعانت کرتے ہیں، آفت رسیدگاں کی فریاد رسی کرتے ہیں، راستہ بھولے ہوئے کی رہنمائی کرتے ہیں، ناواقف کو تعلیم دیتے ہیں، غافل کو بیدار کرتے ہیں، وہ نہ دربان رکھتے ہیں، نہ پردہ لٹکاتے ہیں، بلکہ جو شخص بھی ان کو تلاش کرے، پالیتا ہے، اور جو ان کا ارادہ کرے، ان تک پہنچ جاتا ہے، وہ کسی سے چھپ کر نہیں رہتے، نہ کسی سائل کو منع کرتے ہیں، نو وارد کی مہمان نوازی کرتے ہیں، وحشت زدہ کو انس دلاتے ہیں، ڈرے ہوئے کو امن دیتے ہیں، وہ نوکروں اور خادموں کی مدد کرتے ہیں، الغرض نہ وہ کسی فضیلت کو چھوڑتے ہیں، نہ کسی رذیلہ کو کرتے ہیں۔

چار قسم کی موت برداشت کرنا:

منجملہ ان کے اوصاف کے مجاہدات بدنیہ یعنی بھوک، پیاس، برہنگی، اور چار قسم کی موت کا برداشت کرنا ہے، سفید موت یعنی بھوک، سرخ موت یعنی مخالفت ہویٰ، سیاہ موت یعنی تحمل ایذا، سبز موت یعنی اوپر نیچے پیوند لگانا۔

کونین کو دل سے نکال دینا:

ان کے اوصاف میں یہ امور بھی ہیں، کونین کو اپنے قلب سے ترک کر دینا، اپنے پاس کی چیزوں کو اپنے بھائیوں یعنی خلق اللہ پر قربان کر دینا، تمام امور میں حق تعالیٰ پر اعتماد رکھنا، تمام ایسے امور جو نفس کو شاق اور ناگوار ہیں، ان کے جاری ہونے پر راضی ہونا، دکھ درد پر صبر کرنا، وطن سے دور نکل جانا، مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنا، بروں سے (بدفہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ خالق جل مجدہ کو خلق پر ترجیح کی غرض سے) علائق اور عوائق کو قطع کرنا، اور لوگوں کی حاجات کے پورا کرنے میں سعی کرنا، بشرطیکہ یہ اپنی اصلاح سے فارغ ہو چکا ہو، اور جو شخص اپنے نفس کی تکمیل سے فراغت حاصل کئے بغیر ان امور میں مشغول ہوتا ہے، وہ ریاست اور شہرت کا خواہش مند ہے۔

قناعت پسندی:

منجملہ ان کے اوصاف کے قناعت ہے۔ یعنی ''جتنا رزق مل جائے، نفس کا اس پر قرار پکڑنا اور مزید کا منتظر نہ رہنا۔'' نیز ان کا سر منڈانا، بال کتروانا، ناخن تراشنا اور کسی کو دینے کی غرض سے کپڑا اتارنا، یہ تمام امور باوضو ہونے کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان سے جب بھی کوئی چیز جدا ہو، طہارت پر جدا ہو، فرشتے کہتے ہیں: ''اے رب! جب ہم ان کے پاس سے آئے تھے وہ نماز پڑھتے تھے۔''

حق عبدیت کا اہتمام:

منجملہ ان کے حق عبدیت ادا کرنے کی نیت سے دعا کرنا، اور حق تعالیٰ کے سامنے فقر و ذلت، خشوع و خضوع اور تواضع و مسکنت کا ظاہر کرنا ہے، تاکہ ان صفات کے مقابل، اسمائے الٰہیہ کا ظہور ہو، ان اسمائے الٰہیہ کا سر اسی پر کھلتا ہے جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو جائے جو ان اسمائے کے مقابل ہیں۔ یہی حق عبدیت ہے۔

اپنے عیوب پر نظر کرنا:

منجملہ ان کے احوال کے اپنے عیوب پر نظر کرنا، اپنی ذات میں مشغول ہونا اور لوگوں کے عیوب سے اندھا ہوجانا ہے۔ وہ زبان کو خیر کا عادی بناتے ہیں، آنکھوں کو فضول نظر سے بند رکھتے ہیں، نیز رفتار میں قدرے تیزی کرنا، خیر کے سوا ہر بات میں خاموشی اختیار کرنا، جن صاحب سلطنت لوگوں سے نفع کی امید یا نقصان کا اندیشہ کیا جاسکتا ہے، ان کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا، تمام مخلوق سے صاف دل رہنا، تمام مسلمانوں کے لئے غائبانہ دعا کرنا، فقراً کی خدمت کرنا، اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے خواہ انسان ہو یا حیوان، شفقت و رحمت کا برتاؤ کرنا، ان کی صفات ہیں۔

ظالم حاکم کی نفرت کا سبب:

روایت ہے کہ بخارا میں ایک حاکم بڑا ظالم تھا، ایک دن سوار ہوکر نکلا، راستہ میں خارشی کتا دیکھا، سردی اس دن بہت تھی، متعلقین کو حکم دیا کہ اس کتے کو اٹھالو، وہ کتا اٹھا کر اس کے گھر لایا گیا، اس کے ساتھ خوب لطف و احسان کا معاملہ کیا، رات ہوئی تو خواب میں ہاتف غیبی سے آواز آئی: ''تو کتا تھا، تجھے کتے کو ہبہ کردیا۔'' (یعنی کتے کی وجہ سے بخش دیا)۔

دوسروں کے محاسن پھیلانا اور عیوب چھپانا:

منجملہ ان کے اوصاف کے لوگوں کے محاسن کا پھیلانا اور ان کے عیوب کا چھپانا ہے۔ البتہ بدعتی لوگوں کے ساتھ وہ یہ رعایت نہیں کرتے، کیونکہ بدعتی کے حالات کی اطلاع ہر شخص پر فرض ہے، تاکہ لوگ اس کی فساد انگیزی سے اپنی حفاظت کرسکیں۔

لوگوں کی تعظیم کرنا اور حقارت سے اجتناب:

منجملہ ان کے احوال کے لوگوں کو بنظر تعظیم دیکھنا ہے، نہ بنظر حقارت، وہ اپنے کو کسی سے افضل نہیں دیکھتے، نہ کسی پر اپنی فضیلت سمجھتے ہیں، نہ کسی پر اپنا حق تصور کرتے ہیں، خواہ دوسروں کے ان کے ذمہ کتنے ہی حقوق ہوں، وہ کسی کو قرض نہیں دیتے، جب ان سے سائل کچھ مانگتا ہے تو اسے دے دیتے ہیں، لیکن ان کے دل میں واپس لینے کا خیال نہیں ہوتا، اور اگر وہ شخص از خود واپس کرے تو ہر ممکن تدبیر سے واپس نہ لینے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اگر وہ واپس دینے پر اصرار کرے تو اس سے لے کر کسی دوسرے محتاج کو دے دیتے ہیں، لیکن اس کو اپنی ملک میں نہیں رکھتے، کیونکہ جس چیز سے وہ نکل جاتے ہیں، اس کی طرف رجوع نہیں کرتے، جب ان کی کوئی چیز راستہ میں گر جاتی ہے، خواہ مال ہو یا کپڑا، یا ہزار دینار ہوں، اور وہ اسے چھوڑ کر آگے نکل گئے ہوں، تو نہ اس کی تلاش کرتے ہیں، نہ اس غرض سے واپس لوٹتے ہیں، نہ اس کا اعلان کرتے ہیں، اور اگر ان کو اس حالت میں اپنے نفس میں تغیر محسوس ہو تو وہ اصحابِ علت ہیں، ہنوز ''کائنات'' کا ان کے قلب میں حصہ ہے، انہیں اس علت کے ازالہ کے لئے محنت کرنی چاہئے، اور اگر کوئی شخص بلاطلب ان کی گم شدہ چیز واپس کر دیتا ہے، تو دل چاہتا ہے تو رکھ لیتے ہیں اور دل چاہتا ہے تو اسے ملک سے نکال دیتے ہیں، ان کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ ان کے پاس نہ ہو، بعض کے پاس مال ہوتا ہے، بعض کے پاس نہیں ہوتا۔

خلوت وجلوت میں طاعت سے سرشاری:

ان کا ایک وصف خلوت وجلوت میں طاعت کے ساتھ لذت حاصل کرنا، حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایک لحظہ کی رعایت کرنا، اور ہمہ وقتی تلقی وارد کے لئے خاطر مع اللہ کی حفاظت کرنا، جمیع حالات میں حق تعالیٰ سے راضی رہنا، ہر حال میں حق تعالیٰ

کی حمد بجالانا ہے۔

خلافِ عادت پر عمل ہی کرامت ہے:

مخلوق کے نفوس جس عام عادت اور روش پر چل رہے ہیں، جو شخص اپنے نفس کی عادت توڑ کر خرقِ عادت کے طور پر نفس کو عادت عامہ کے خلاف چلا دیتا ہے، حق تعالیٰ اس کے بدلے میں اسی قسم کا خرقِ عادت فرمادیتے ہیں (یعنی اسباب و مسبّبات کا ظہور فرمادیتے ہیں)۔ عوام کی اصطلاح میں اسی کو کرامت کہا جاتا ہے، لیکن خواص کے نزدیک ''وہ عنایت الٰہیہ جس کی بدولت نفس کی سفلی عادات کے خلاف کرنے کی توفیق اور قوت نصیب ہوئی، اس سے مشرف ہوجانا ہی کرامت ہے۔''

(یہاں سے آخر تک کا مضمون اصل کتاب باب سابق سے مقدم ہے، یہاں اس کی تاخیر مناسب معلوم ہوئی۔ محمد یوسف۔)

حق تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کی امید:

خبردار! اہل ''لا الٰہ الا اللہ'' کے ساتھ کبھی عداوت نہ کرو، اس لئے کہ ان کو حق تعالیٰ کی ولایت عامہ حاصل ہے، اور وہ اولیاءُ اللہ ہیں، خواہ وہ کتنے ہی گناہگار ہوں، اور زمین کی بھرتی کے بقدر گناہ لے کر آئیں، حق تعالیٰ اسی قدر مغفرت کے ساتھ ان کا استقبال فرمائیں گے، بشرطیکہ وہ شرک میں مبتلا نہ ہوں، اور جس کے لئے ولایت ثابت ہے اس سے جنگ حرام ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ لڑنے کو تیار ہو، اس کا انجام اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا، دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔

(یہ مصنف پر حق تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور رحمت واسعہ کی امید و یقین کا غلبہ کثیر ہے کہ انہوں نے عام قائلین ''لا الٰہ الا اللہ'' کو ولایت عامہ کا مستحق سمجھا، اور بغیر پرسش و حساب کے ان کے لئے نعماءُ آخرت کی امید باندھی۔ قرآن و سنت کی

روشنی میں ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہر مؤمن و مسلم اپنے ایمان و اسلام کی بنا پر مستحق نجات و مغفرت ہوگا، لیکن یہی نہیں کہ وہ اپنے کو اعمالِ صالحہ اور قیود شرعیہ سے بے پرواہ سمجھے اور کتاب و سنت کے خلاف زندگی گزارے۔ ہر مؤمن و مسلم کو بھی اپنے برے اعمال کے لئے اس مالک حقیقی کی بارگاہ میں جوابدہ ہونا ہے۔ مدیر)

بغیر تحقیق کے کسی کو دشمن خدا کہنے سے اجتناب:

اور جس شخص کے دشمن خدا ہونے کی اطلاع تمہیں منجانب اللہ نہیں ہے، اسے بھی دشمن نہ بناؤ، کم از کم یہ ہو کہ جس کے حالات کی تمہیں تحقیق نہیں ہے، اس سے نہ دوستی کا برتاؤ کرو، نہ دشمنی کا، البتہ جب معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اور اللہ کا دشمن صرف مشرک اور کافر ہے۔

پس اس سے بری ہو جاؤ، جس طرح کا معاملہ حضرت خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد آزر سے کیا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''پس جب ان کو (حضرت ابراہیم علیہ السلام کو) واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، اس سے بری ہوگئے۔'' اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آپ کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، نہیں پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتے ہیں، خواہ ان کے باپ ہوں، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، یا بیٹے ہوں، یا بھائی ہوں، یا برادری کے لوگ۔'' پس یہ میزان ہے، جس سے تم جان سکو گے۔

اولیاء اللہ سے عداوت سے پرہیز:

اور حتی الامکان اللہ کے بندوں سے معادات کا برتاؤ نہ کرو، اور نہ دشمنی کا فیصلہ اس بات سے کرنے لگو جو زبان سے ظاہر ہو۔ اگر کسی مسلمان سے ناروا فعل سرزد ہو تو اس کے فعل کو بے شک برا سمجھو، مگر اس کی ذات سے کراہت نہ کرو، اور اللہ کے

دشمن (کافر) کی ذات سے نفرت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو میرے ولی سے دشمنی کرے، میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں!'' اور اگر کسی آدمی کی حالت مجہول تھی، اورتم نے اس سے دشمنی کا برتاؤ کیا، تو کہا جائے گا کہ تم نے اللہ کی مخلوق کے معاملہ میں اللہ کا حق ادا نہیں کیا، کیا خبر کہ اللہ کا علم اس کے متعلق کیا ہے؟ تم خواہ مخواہ اس سے بری ہوگئے، اور اس سے دشمنی کرنے لگے۔ اور اگر کسی کا ظاہر حال تمہارے علم میں (اچھا) ہے، اور وہ واقعتاً حق جل مجدہ کا دشمن ہے، مگر چونکہ تم کو اس بات کا علم نہیں، اس لئے اللہ کا حق ادا کرنے کی غرض سے اس سے دوستی رکھو، دشمنی نہ کرو، کیونکہ حق تعالیٰ کا اسم ''ظاہر'' تم سے حق تعالیٰ کے دربار میں مخاصمہ کرے گا، اپنے اوپر اللہ کی محبت قائم نہ کرو، ورنہ مارے جاؤگے، اس لئے کہ حق تعالیٰ کی حجت غالب آکر رہتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے کفر کے باوجود انہیں رزق دیئے جاتا ہے، باوجودیکہ ان کے تمام احوال سے واقف بھی ہے، اسی طرح اپنی رحمت وشفقت تمام حیوانات اور تمام مخلوق کے ساتھ عام رکھو، ان کے وجود کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اور تم موجدِ وجود کی رحمت کے ساتھ ان پر رحم کرو۔

سیر الی اللہ کی آفات:

سیر الی اللہ کی آفات جو بعض سالکین کے لئے رہزن ثابت ہوتی ہیں، دس ہیں:

۱:......عمل کا دیکھنا۔

۲:......آرزو کا لمبا ہونا۔

۳:......دل میں حصول ولایت کے خیال کا آنا۔

۴:......بتوجہ خلق کی طرف مائل ہونا۔

۵:......خوابوں پر قناعت کرنا۔

۶:......ورد سے انس کرنا۔

۷:......وارد سے لذت لینا۔

۸:......وعدوں پر ٹھہر جانا۔

۹:......خوش فہمی پر کفایت کرنا۔

۱۰:......اور اللہ تعالیٰ کے حق میں دھوکے میں رہنا۔

اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جانے کی علامتیں تین ہیں:

۱:......نفس سے راضی ہو جانا۔

۲:......اللہ تعالیٰ سے ناراض ہونا۔

۳:......اور قضاؤ قدر میں حق تعالیٰ سے مزاحمت کرنا۔

حق تعالیٰ کے قرب کی علامات:

حق تعالیٰ کے قرب کی علامتیں تین ہیں:

۱:......نفسانی لذات کا ترک کر دینا۔

۲:......حق پر قائم ہونا۔

۳:......اللہ کی خاطر مخلوق سے تواضع کرنا۔

وصول الی اللہ کی علامتیں تین ہیں:

۱:......فھم عن اللہ (اللہ سے سمجھنا)۔

۲:......استماع من اللہ (اللہ سے سننا)۔

۳:......اخذ عن اللہ (اللہ سے لینا)۔

اللہ کے ساتھ خاص ہو جانے کی علامتیں تین ہیں:

۱:.....اختیار ترک کردینا۔

۲:.....تدبیر کو سلب کردینا۔

۳:.....ارادہ کو فنا کردینا۔

نیابت عن اللہ کی علامتیں تین ہیں:

۱:.....اوصاف فانیہ کو اوصاف باقیہ سے بدل لینا۔

۲:.....اوصاف فانیہ کو اوصاف باقیہ میں تبدیل کردینا۔

۳:.....ذات فانیہ کو ذات باقیہ میں گم کردینا۔

"واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم."

تعلق مع اللہ کے صحیح ہونے کی علامات:

حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کے تعلق کے صحیح ہونے کی علامتیں تین ہیں:

۱:.....اختیار کا فنا ہوجانا۔

۲:.....ہر تقدیری واقعہ کا شیریں ہوجانا۔

۳:.....ہر چیز میں محبوب سے راضی ہوکر، اور ہر چیز میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہر چیز میں کمال محبوب کا مشاہد کرنا۔

محبت الٰہی کی علامتیں:

بندے کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت ثابت ہونے کی علامتیں تین ہیں:

۱:.....بندے سے جو کچھ صادر ہو (اس کے حکم خداوندی کے موافق ہونے کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کا اس سے راضی ہونا۔

۲:.....حق تعالیٰ کی جانب سے تحدث (بیان نعمت) کی اجازت ہونا۔

۳:.....اپنی حکمت بالغہ سے سر کا اس پر القاً کرنا۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، بھارت)

فرائض
کی
ادائیگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى (قَالَ)
اَوَّلُ خُطْبَةٍ خَطَبَهَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِيْنَ اُسْتُخْلِفَ
حَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ فَقَالَ: اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اَنْزَلَ كِتَابًا
هَادِيًا بَيَّنَ فِيْهِ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ فَخُذُوْا بِالْخَيْرِ وَدَعُوا الشَّرَّ،
اَلْفَرَائِضَ اَدُّوْهَا اِلَى اللهِ سُبْحَانَهٗ يُؤَدِّكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ، اِنَّ اللهَ
حَرَّمَ حُرُمًا غَيْرَ مَجْهُوْلَةٍ وَفَضَّلَ حُرْمَةَ الْمُسْلِمِ عَلَى
الْحُرَمِ كُلِّهَا وَشَدَّ بِالْاِخْلَاصِ وَالتَّوْحِيْدِ الْمُسْلِمِيْنَ،
وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ اِلَّا بِالْحَقِّ، لَا
يَحِلُّ اَذَى الْمُسْلِمِ اِلَّا بِمَا يَجِبُ، بَادِرُوْا اَمْرَ الْعَامَةِ
وَخَاصَّةَ اَحَدِكُمُ الْمَوْتَ فَاِنَّ النَّاسَ اَمَامَكُمْ وَاِنَّ مَا مِنْ
خَلْفِكُمُ السَّاعَةُ تَحْدُوْكُمْ تُخَفِّفُوْا تَلْحَقُوْا فَاِنَّمَا يَنْتَظِرُ
النَّاسُ اُخْرَاهُمْ، اِتَّقُوا اللهَ عِبَادَهٗ فِيْ عِبَادِهٖ وَبِلَادِهٖ وَاِنَّكُمْ
مَسْئُوْلُوْنَ حَتّٰى عَنِ الْبِقَاعِ وَالْبَهَائِمِ اَطِيْعُوا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ

وَلَا تَعْصُوْهُ وَاِذَا رَأَيْتُمُ الْخَيْرَ فَخُذُوْا بِهٖ، وَاِذَا رَأَيْتُمُ الشَّرَّ فَدَعُوْهُ وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ.‘‘

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۴۶۴)

ترجمہ:...... ’’حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا خطبہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیا جبکہ آپ کو خلیفہ بنایا گیا، اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی ہے، جو ہدایت کرنے والی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کو ذکر فرمادیا ہے، پس خیر کو لو اور شر کو چھوڑ دو، فرائض کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادا کرو، وہ تم کو جنت میں پہنچادیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، جو سب کو معلوم ہیں اور مسلمان کی حرمت کی فضیلت تمام حرمت کی چیزوں سے زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اخلاص اور توحید کے ساتھ مسلمان کو مضبوط کیا ہے، مسلمان وہی ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں، ہاں! حق کے ساتھ، کسی مسلمان کو ایذا دینا جائز نہیں، مگر اسی چیز کے ساتھ جو کہ واجب ہے، تمام کاموں سے پہلے اور خاص طور پر اپنے خصوصی کاموں سے پہلے موت کی طرف سبقت کرو، اس لئے کہ لوگ تم سے آگے جاچکے ہیں اور جو تم سے پیچھے ہیں وہ تمہارے پیچھے آئیں گے، ذرا اپنا بوجھ ہلکا رکھو، تاکہ تم بھی پہلوں سے جاملو، کیونکہ سب کے سب لوگ اپنی آخرت کے انتظار میں ہیں، اللہ کے بندوں اور اللہ کی سرزمین میں اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ تم سے زمین کے ٹکڑوں اور چوپاؤں کے بارے

میں بھی سوال کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، خیر کو دیکھو تو اس کو لے لو، اور جب برائی کو دیکھو تو اس کو چھوڑ دو اور یاد رکھو جبکہ تم بہت کم تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔"

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ ہے، جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت اس وقت سپرد کی گئی تھی جبکہ ان کے پیش رو خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے تھے، کئی دن تک باغیوں نے ان کا محاصرہ کئے رکھا تھا، بالآخر جب انہوں نے دیکھا کہ اب حاجی لوگوں کے واپس آنے کا وقت آگیا ہے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی دیوار پھلانگ کر ان کو شہید کردیا، اور اس حالت میں شہید کیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے اور روزے سے تھے، حضرتؓ کے خون کا سب سے پہلا چھینٹا مصحف شریف کی جس آیت پر گرا وہ تھی:

"فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ." (البقرہ:۱۳۷)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں آپ کی کفایت فرمائیں گے۔"

وہ تو جنت میں چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جا ملے، لیکن مسلمان اس وقت سے آج تک اس کی سزا بھگت رہے ہیں۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے درمیان خانہ

جنگی ہوئی، جنگ جمل ہوئی، جنگ صفین ہوئی، اس کے علاوہ خارجیوں کے ساتھ مقابلے ہوئے، اور مسلمانوں کی وہ تلوار جو کافروں کے مقابلے میں چلتی تھی، اب آپس میں چلنے لگی، لوگوں کے اندازے کے مطابق تقریباً ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) آدمی ان جنگوں میں کام آئے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئیں، جیسا کہ اس آیت شریفہ میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی کفایت فرمائیں گے۔

قاتلینِ عثمانؓ کا انجام:

جن لوگوں نے دیوار پھلانگ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، تمام کے تمام بری طرح قتل ہوئے، ان قاتلین میں ایک محمد بن ابی بکر بھی تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ جن کی پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حجۃ الوداع کے سفر میں ہوئی تھی، ان کی والدہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عقد کرلیا تھا، اس لئے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ربیب ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ! ان شورش کرنے والے باغیوں میں یہ بھی شریک تھے اور ان پانچ آدمیوں میں جنہوں نے دیوار پھلانگی تھی یہ بھی شامل تھے، انہوں نے سب سے پہلے جاکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بھتیجے! اگر تمہارے والد اس حالت کو دیکھتے تو پسند نہ کرتے۔'' یہ فقرہ سن کر انہوں نے فوراً داڑھی چھوڑ دی اور واپس نکل آئے، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہٹانے کی کوشش کی، یہ صرف ایک صحابی تھے بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، اگرچہ بچے تھے، ورنہ علمأ تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ ایک بھی صحابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش کرنے والوں میں شریک نہیں، اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کا دامن اس سے پاک رکھا۔ محمد بن ابی بکر بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنر بنادیئے گئے تھے، اور وہاں ان کو قتل کیا

گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، جس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا، بہت زیادہ صدمہ ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں یہ واقعہ ہوا۔

مدینہ پر باغیوں کا تسلط:

بہرکیف! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردینے کے بعد مدینہ میں باغیوں کا تسلط تھا اور اکابر صحابہؓ میں کوئی بھی خلافت کا کام سنبھالنے کے لئے تیار نہیں تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی رات کی تاریکی میں چند حضرات نے جنازہ پڑھ کر بقیع کی ایک جانب دفن کردیا۔ وہ جگہ اس وقت جنت البقیع میں شامل نہیں تھی، اس کی دیوار سے باہر تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دفن ہوکر اس جگہ کو جنت البقیع میں شامل کرایا، اب تو بقیع اس سے بھی آگے چلا گیا ہے۔

حضرت علیؓ کا امت کو سنبھالنا:

تو تین دن تک مدینہ میں باغیوں کا تسلط رہا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تیسرے دن خلافت قبول کی، خلافت اس حالت میں قبول فرمائی کہ کہنا چاہئے کہ زمین شر و فساد سے بھری ہوئی تھی، اور اس بنا پر امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ساڑھے چار سال کا زمانہ خلافت کا قریب قریب شورشوں میں گزرا، ایک دن بھی ٹک کر بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، کافروں کے مقابلے میں جہاد معطل ہوگیا، مسلمانوں کی آپس میں تلوار چل گئی، جس میں ستر ہزار کے قریب آدمی مارے گئے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عجیب و غریب خطبات ہیں، کیونکہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے، مسلمانوں کی ایک دوسرے کی عزت و آبرو مٹنا شروع ہوگئی ہے، نومسلم لوگ جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے اور جنہوں نے دین کو پورا نہیں سمجھا تھا ان کا غلبہ ہوگیا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کچھ اُٹھ چکے تھے، کچھ پابہ رکاب تھے، ایسے حالات میں خلافت کو قبول کرنا اور امت کو سنبھالنا،

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل گردہ تھا، ان کی ہمت تھی، بلاشبہ وہ خلیفۂ راشد ہیں اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معیار کے آدمی ہیں، معمولی آدمی نہیں۔

حضرت علیؓ کا پہلا خطبہ:

تو سب سے پہلا خطبہ جو دیا اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے کتابِ ہادی نازل فرمائی ہے، جو ہدایت دینے والی کتاب ہے (قرآن کریم) اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر اور شر کو بیان فرمادیا ہے، خیر کی باتوں کو بھی بیان فرمادیا ہے، شر کی باتوں کو بھی بیان فرمادیا ہے۔

خیر کو اپناؤ اور شر کو چھوڑ دو:

خیر کی باتوں کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بندے خیر کے ان اعمال کو اختیار کریں اور شر کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ بندے ان چیزوں سے اجتناب کریں، ان چیزوں سے بچیں۔ اس لئے فرمایا کہ: "فَخُذُوا بِالْخَيْرِ وَدَعُوا الشَّرَّ." خیر کی چیز کو لو اور شر کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ نے جتنے خیر کے کام کلام پاک میں ذکر فرمائے ہیں، ان کو اختیار کرو اور جتنے شر کے کام ذکر فرمائے ہیں ان کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں بہت سے فرائض بیان فرمائے ہیں، ایک مسلمان کے ذمے کیا کیا چیزیں فرض ہیں؟

مخدوم محمد ہاشم اور ان کی فرائض اسلام:

ٹھٹھہ سندھ کے ایک بزرگ ہوئے ہیں مولانا مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ، جن کی کتاب ہے: "بذل القوة فی سن النبوة" اس کا میں نے "عہدِ نبوت کے ماہ و سال" کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے، اور انہوں نے عجیب انداز سے اس کو مرتب کیا ہے، میں نے ایک

بزرگ کی فرمائش پر اس کا ترجمہ کیا تھا، اور اس کے مقدمہ میں میں نے لکھا تھا کہ: یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، ان کے زمانے کے آدمی ہیں، اور کہنا چاہئے کہ یہ خطہ سندھ کے اپنے وقت کے شاہ ولی اللہ تھے، اتنے بڑے عالم کہ عقل حیران ہوجاتی ہے۔ ٹھٹھہ میں ان کے مزار کی زیارت بھی کرکے آیا ہوں، میں نے اپنے اس مقدمہ میں لکھا ہے کہ دینی موضوعات میں سے کوئی موضوع مشکل سے ہوگا جس پر مخدوم صاحبؒ نے کتاب نہ لکھی ہو، اس وقت زبان فارسی تھی اور علاقائی زبان سندھی تھی اور ہماری دینی زبان عربی ہے، تینوں زبانوں میں ان کی کتابیں ہیں اور تینوں زبانوں پر یکساں عبور ہے، بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور بڑی طویل طویل کتابیں لکھیں، لیکن کیا مجال ہے کہ ان کی تحریر کی ایک سطر بھی معیار سے نیچی ہوگئی ہو؟ میں کہنے یہ لگا تھا کہ ان کا ایک رسالہ عربی میں ''فرائض الاسلام'' کے نام سے ہے، وہ چھپ گیا ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے، جس میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی کون کون سی چیزیں فرض ہیں؟

تو حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی چیزوں کو فرض فرمایا ہے، ان فرائض کو ادا کرو، اللہ کی بارگاہ میں ادا کرو، اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے تمہیں جنت میں پہنچادیں گے، فرائض کو ادا کرو، مخلوق کو دکھانے کے لئے نہیں اور مخلوق کی خاطر نہیں، بلکہ فرائض کا ادا کرنا اللہ کی بارگاہ میں ہے، یعنی محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لئے کرو۔

فرائض ومحرمات معلوم ہیں:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزوں کو حرام فرمایا ہے: ''غَيْرُ مَجْهُوْلَةٍ.'' وہ مجہول نہیں ہیں، نامعلوم نہیں ہیں، بلکہ ہر شخص ان کو جانتا ہے۔

فرائض کی اور محرماتِ قطعیہ کی یہ شان ہے کہ جو جانتے ہیں وہ تو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ بھی جانتے ہیں، اسلام کے فرائض کو، موٹے موٹے فرائض اسلام کو ہر آدمی، ہر کس و ناکس جانتا ہے، گو تفصیلات زیادہ نہ جانتا ہو، اور اسی طرح ہماری شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، وہ بھی کوئی مخفی نہیں ہیں، بلکہ موٹی موٹی محرمات، یہ قریب قریب ہر مسلمان کو معلوم ہوتی ہیں، بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو علماً جانتے ہیں عوام نہیں جانتے، لیکن مشہور چیزیں محرمات میں سے چاہے مسلمان خود ان کے مرتکب بھی ہوں، تب بھی جانتے ہیں کہ یہ حرام ہیں، چنانچہ کسی مسلمان کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، کسی کا ناحق مال کھانا، کسی کے مال پر قبضہ کر لینا، کسی پر ناحق تہمت لگانا، سود کھانا، یتیموں کا مال کھانا، یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو سارے مسلمان جانتے ہیں، کوئی مسلمان تمہیں ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہتا ہو کہ مسلمانوں کو قتل کرنا حلال ہے، کوئی نہیں مانے گا کہ کسی کی چوری کرنا، کسی کا ناحق مال لینا یہ جائز ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں ہوگا۔

فرائض شرعی کا منکر کافر ہے:

اب ایک مسئلہ بتا دیتا ہوں اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ ہماری عقائد کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ فرائض شرعیہ جو قطعی ہیں، ان کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہے

محرماتِ قطعیہ کا منکر کافر ہے:

اور محرماتِ قطعیہ جو قطعی ہیں، ان کی حرمت کا انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بہت سے مسلمان، اللہ بچائے! زنا کے بھی مرتکب ہیں، لیکن تمہیں کوئی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہتا ہو کہ زنا حلال ہے، اور جو زنا کو حلال کہے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ بہت سے مسلمان چوری ڈکیتی کرتے ہیں لیکن تمہیں کوئی مسلمان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا جو اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، ایسا نہیں ملے گا جو ان گناہوں کو جائز سمجھتا ہو، اور جو جائز سمجھے وہ مسلمان نہیں ہے۔

نماز کی فرضیت کا منکر کافر ہے:

کتنے مسلمان ہیں جو پنجگانہ نماز نہیں پڑھتے، لیکن جس مسلمان سے بھی پوچھو وہ کہے گا کہ نماز فرض ہے، یہ تو اللہ کا فرض ہے، پنجگانہ نماز اللہ کا فرض ہے، خدانخواستہ اگر کوئی نماز کی فرضیت کا منکر ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں۔

روزے کی فرضیت کا منکر کافر ہے:

رمضان المبارک کے روزے ہیں، بہت سے مسلمان نہیں رکھتے، اس کے باوجود جانتے ہیں کہ روزہ رکھنا فرض ہے، اللہ کا فرض ہے، آدمی تندرست ہو اور مقیم ہو، روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے ذمہ روزہ رکھنا فرض ہے، ہاں! بیمار ہو تو اس کے بارے میں حکم ہے کہ دوسرے وقت میں رکھ لے، سفر میں ہو تو اس کو بھی رخصت ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھے کہ دوسرے وقت میں رکھ لے، لیکن بہرحال روزہ فرض ہے، تو کتنے مسلمان ایسے ہیں جو رمضان کے روزہ کے تارک ہیں، لیکن ان سے پوچھئے تو وہ کہتے ہیں کہ جی! روزہ تو فرض ہے، اللہ کا فرض ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی اس کا منکر ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔

فرضیت زکوٰۃ کا منکر کافر ہے:

یہی حکم زکوٰۃ کا بھی ہے، بہت سے مسلمان بخل کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتے، بہت سے مسلمان باوجودیکہ ان کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے، زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اور بعض دے دیتے ہیں، لیکن پورا حساب کر کے نہیں دیتے، ایسے ہی اندازے سے دے دی، نہیں بھائی! زکوٰۃ تو پورا حساب کر کے دینی چاہئے، دو پیسے زیادہ ہی نکلیں، کم

نہ رہے۔

میت کو فرائض شرعیہ سے سبکدوش کرو:

رات ایک صاحب کے خط کا جواب لکھ رہا تھا، میں نے جواب میں لکھا کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ میت کو فرائض شرعیہ سے سبکدوش کیا جائے، اب لوگ ان چیزوں کا اہتمام تو کرتے ہیں تیجا کردو، دسواں کردو، چالیسواں کردو، فلاں کام کردو، قرآن مجید پڑھوادو اور کچھ صدقہ و خیرات بھی کردیتے ہیں، فرض کرلو کہ وہ اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں، محض ایصالِ ثواب کے لئے کرتے ہیں، درمیان میں نیت کھوٹی نہیں اور یہ بھی فرض کرلو صحیح طریقہ اختیار کرتے ہیں، غلط نہیں اختیار کرتے، تو کہنا یہ ہے کہ کیا اس معمولی ایصالِ ثواب سے اس کے فرائض ختم ہوجائیں گے؟

زندگی بھر کے نفلی روزے رمضان کے ایک روزہ کا بدل نہیں:

آپ لوگوں نے حدیث سنی ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ، لَمْ یُقْضَ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ."

(مشکوٰۃ ص:۱۷۷)

ترجمہ:...... "جس شخص نے رمضان مبارک کا ایک روزہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا، نہیں رکھا قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو عمر نوح عطا فرمائیں اور یہ ساری عمر نفلی روزہ رکھتا رہے، تب بھی اس کا معاوضہ ادا نہیں ہوتا۔"

فرائض، فرائض ہیں، ایک آدمی فرض ادا نہیں کرتا نوافل میں لگا ہوا ہے، اس

کے نوافل کی کیا قیمت ہے اللہ کے نزدیک؟

فجر کی جماعت رات بھر کے نوافل سے بہتر ہے:

مؤطا امام مالک میں ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نوجوان بیٹھتا تھا، (غالباً اس کا نام سلیمان بن ابی حثمہ تھا) حضرت عمرؓ کو بھی اس سے تعلق تھا، آپؓ فجر کی نماز کے بعد تتبع کیا کرتے تھے، یعنی حاضری لیا کرتے تھے کہ کون کون آدمی حاضر ہے اور کون کون نہیں آیا؟ ایک دن فجر کی نماز میں اپنے اس دوست کو نہیں دیکھا، تو وہاں مسجد سے سیدھے اس کے گھر گئے اس کی والدہ ملیں، آپؓ نے ان کی والدہ سے فرمایا:

"..... لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ! فَقَالَتْ: اِنَّهٗ بَاتَ يُصَلِّيْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ. فَقَالَ عُمَرُ: لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً." (مؤطا امام مالک ص:۱۱۵)

ترجمہ:......"آج سلیمان کو میں نے صبح کی نماز میں نہیں دیکھا! اس کی والدہ کہنے لگیں کہ ساری رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہے، فجر کے وقت آنکھ لگ گئی (اس لئے جماعت میں شریک نہیں ہوسکے)۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: فجر کی نماز میں جماعت میں شریک ہوجاتے تو تمام رات عبادت میں کھڑے رہنے سے میرے نزدیک یہ افضل تھا۔"

فجر کی جماعت کی اہمیت:

بھائی! کچھ سمجھے؟ ساری رات کھڑے ہوکر تم اللہ کی عبادت کرو لیکن فجر کی نماز میں شرکت نہ کرو، اللہ کے نزدیک اس رات بھر کی عبادت کی قیمت نہیں، اور تم

ساری رات سوتے رہو، فجر کی نماز میں شرکت کرو تو یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے، لوگ اس سے بہت غافل ہیں، اپنی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد ان کے وارثین، لواحقین جو اپنے باپ کے لئے، اپنے عزیزوں کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کے بارے میں بڑے فکر مند ہوتے ہیں، بعض بے چارے بڑے فکر مند ہوتے ہیں۔

مرحوم کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگا کر فدیہ دو:

لیکن کیا کبھی حساب کر کے یہ بھی دیکھا کہ اس کے ذمہ کتنی نمازیں فرض رہ گئی ہیں؟ روزے اس کے ذمہ کتنے رہ گئے تھے؟ زندگی کے کتنے سالوں میں اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی؟ حج فرض تھا، لیکن نہیں کر پایا یا نہیں کیا؟ بھائی! ان فرائض سے سبکدوش کرواؤ، ایصالِ ثواب کو مہربانی کر کے رہنے دو۔

ایک روزہ کا فدیہ:

پھر میں نے لکھا کہ ایک روزے کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے مطابق، ایک صدقہ فطر کے برابر ہے، دو وقت کا مسکین کو کھانا کھلا دینا یا تقریباً پونے دو سیر، پونے دو کلو رکھ لو، اب تو سیر نہیں رہے، اس کے قریب قریب غلہ یا اس کی نقد قیمت دے دو، یہ ایک روزے کا فدیہ ہے، ایک رمضان کے فدیے ہوگئے تیس۔ اگر دس رمضانوں کے روزے اس کے ذمہ باقی تھے تو اس کے فدیے ہوگئے تین سو۔

نمازوں کا فدیہ:

پھر جتنا فدیہ ایک روزہ کا ہے، اتنا ہی فدیہ ایک نماز کا ہے، اور نمازیں دن میں وتر سمیت چھ ہوتی ہیں، پانچ فرض اور چھٹی واجب، واجب بھی فرض ہوتی ہے، عملی فرض ہوتا ہے، اعتقادی فرض نہیں ہوتا، عملی فرض ہوتا ہے، تو ایک نماز کا فدیہ ایک صدقہ فطر کے برابر، ایک دن کی نمازوں کے چھ صدقے، ایک مہینے کی نمازوں کے

ایک سواسّی صدقے اور ایک سال کی نمازوں کے اکیس سو ساٹھ صدقے، یعنی دو ہزار ایک سو ساٹھ، یہ اگر تم میت کی طرف سے ادا کردو تو حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توقع کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرلیں گے، یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ یقینی بات صرف روزے کے بارے میں فرمائی ہے، تو ایک سال کا صدقہ یعنی فدیہ نمازوں کا، ایک سال کی نمازیں کسی کے ذمہ قضا ہوں، اکیس سو ساٹھ ہے، دو ہزار ایک سو ساٹھ صدقے۔ آج کل تو قیمت زیادہ ہوگئی، لیکن اگر دس روپے فرض کرلئے جائیں تو اکیس ہزار چھ سو (۲۱,۶۰۰) روپے، یہ ایک سال کی نمازوں کا فدیہ ہے، اسی طرح روزوں کا، اسی طرح زکوٰۃ کا حساب کرو، اور اس کی جانب سے زکوٰۃ ادا کرو، حج نہیں کیا تو اس کا حج بدل کراؤ۔

پہلے فرائض کی سبکدوشی پھر ایصال ثواب:

جب ان فرائض سے سبکدوش کردو گے تو پھر ایصالِ ثواب پوچھنا، تم ایصالِ ثواب کہتے ہو، جیسے بھی کچا پکا، الٹا سیدھا، وہ تو پکڑا ہوا ہے زنجیروں میں، پہلے اس کو چھڑواؤ تو صحیح، ایصالِ ثواب تو ترقیات کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر لوگوں کے قرضے اس کے ذمہ ہیں تو ان قرضوں کو بھی ادا کرو۔

اپنی آخرت کی خود فکر کرو:

اب آپ کی عقل میں بات آئے گی کہ ہم اپنی زندگی میں غافل تھے اور مرنے کے بعد ہمارے وارث بھی غافل ہیں۔ ان کو غافل ہونا بھی چاہئے، اس لئے کہ جب ہم نے اپنی زندگی میں کچھ نہیں کیا تو وارث ہمارے کیا لگتے ہیں؟ بھئی میں اپنی جان کا جتنا خیر خواہ ہوں دوسرے بیوی، بچے، عزیز واقارب، دوست واحباب تو اتنے میرے خیر خواہ نہیں ہوں گے، جب مجھے اپنا ہی اہتمام نہیں تو دوسرے میرا اہتمام کیوں کریں گے؟ رو پیٹ کے بیٹھ جائیں گے، بس یہی ان کی محبت ہے، ان کو یہ

معلوم نہیں کہ یہ کس جگہ پکڑا ہوا ہے؟ اور اس کو کیسے چھڑائیں؟

نماز روزہ میں نیابت جائز نہیں:

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اس نے روزے نہیں رکھے تھے، ہم ان کی جگہ روزے رکھ لیں؟ اس نے نمازیں نہیں پڑھی تھیں، ہم ان کی نمازیں لوٹادیں؟ خوب یاد رکھو! نماز روزے میں نیابت نہیں ہوتی۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے نماز یا روزہ رکھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

"لَا یَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا یُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ." (مؤطا امام مالک ص:۲۴۵)

ترجمہ:...... "کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے روزہ نہیں رکھ سکتا، کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔"

حج و زکوٰۃ میں نیابت ہوتی ہے:

ہاں! زکوٰۃ دے سکتا ہے اس کے حکم سے، حج بدل کرسکتا ہے اس کے حکم سے، لیکن وہ تو مرگیا تو اس کا وارث اگر اپنی طرف سے دے، تو اللہ تعالیٰ سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے اور میت کو رہائی عطا فرمادیں گے۔

اللہ مجھے معاف فرمائے جیسے کہ میں عرض کر رہا ہوں، یوں تو ہم مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں فرض ہیں، لیکن عملی طور پر ہم نے ان کو فرائض کی فہرست سے خارج کردیا ہے، ایک آدمی نمازیں نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا، حج اس نے نہیں کیا، مرگیا، ہے پکا مسلمان، میاں جی بھی بے چارہ اس کی نماز جنازہ پڑھادے گا، کوئی فرق نہیں پڑتا، تو میرا بھائی! اللہ نے جو فرائض مقرر کئے ہیں ان کو ادا

کرنے کا اہتمام کرو۔

قرض کی ادائیگی کی دو ہی صورتیں ہیں:

اور یہ خوب یاد رکھو کہ جو قرض کسی کے ذمہ ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں تیسری کوئی صورت نہیں ہوتی، یا ''ادا'' یا ''اِبرا'' یا تو آدمی قرض ادا کردے یا قرض والا معاف کردے، جس کا قرض ہے، وہ کہہ دے میں نے چھوڑ دیا تو خلاصی مل گئی یا اس نے قرض ادا کردیا، یہ ادا نہیں کرتا وہ ابرا نہیں کرتا، معاف نہیں کرتا، تم بتلاؤ کہ اس کے پکڑے جانے میں کیا شبہ ہے؟ اور ہماری شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مقروض ہو تو وہ اس کو پکڑوا سکتا ہے، جیل میں بند کروادے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا نہیں کرتا، تو فرائض کے ادا کرنے میں تو ہم نے کوتاہی کی اور صاحب حق اللہ تعالیٰ ہیں، ویسے تو اللہ بخشنے پر آئیں تو سبھی کچھ بخش دیں، لیکن بھائی کوئی قانون اور ضابطہ تو نہیں ہے، تمہیں صحت دی تھی، قوت دی تھی، آنکھیں دی تھیں، کان دیئے تھے، زبان دی تھی، ہاتھ پاؤں دیئے تھے، تم نے یہ فرائض کیوں ادا نہیں کیے؟ پوچھ سکتے ہیں، اور اگر سارے گناہگاروں کو معاف کردیں تو ان کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے؟ ان کی رحمت ہے معاف کردیں، معاف کرنا چاہیں تو ہم جیسے گناہگاروں کو بھی معاف کردیں، اور پکڑنا چاہیں تو اچھے اچھوں کو پکڑلیں، یہ تو اس کی مرضی پر ہے۔

فرائض کے ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کا اہتمام کرو:

بہرحال یہاں کہنا یہ ہے کہ فرائض کے ادا کرنے کا اہتمام کرو اور محرمات سے بچنے کا اہتمام کرو، فرض کو فرض سمجھنا یہ مسلمانی ہے، اور فرض کو فرض نہ سمجھنا کفر ہے، جو چیزیں کہ قطعی طور پر حرام ہیں، جس کو حضرت فرمارہے ہیں: ''اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ حُرُمًا غَیْرَ مَجْھُوْلَۃٍ.'' کہ اللہ تعالیٰ نے چیزیں حرام کی ہیں، ان کا حرام ہونا مجہول

نہیں ہے۔

قطعی محرمات کو حلال سمجھنا کفر ہے:

ہر آدمی جانتا ہے، ایسی قطعی محرمات میں سے کسی ایک کو حلال سمجھ لینا کفر ہے، تم جانتے ہو کہ ماں، بہن سے نکاح ہوسکتا ہے؟ نعوذ باللہ! استغفر اللہ! قرآن کریم میں ہے:

”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ.....“ (النسآ:۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا قرآن کریم میں کہ تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں حرام ہیں۔

ایک صاحب کا میرے پاس خط آیا کہ ایک آدمی نے اپنی بہن سے نکاح کیا ہوا ہے، ایسے لوگ بھی ہیں، ایسے کافر بھی! لیکن میں یہ ”کافر“ کا لفظ محاورۃً کہہ رہا ہوں، بھائی! اگر وہ سمجھتا ہے کہ یہ گناہ ہے، بہن سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس بات کا قائل ہے تو ہم اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیں گے، گناہگار ہے، ہاں! اگر سمجھتا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، تو پھر کافر ہے، کسی گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے، ہماری عقائد کی کتابوں میں ہے، میں حوالہ دے رہا تھا ناں! کہ ہماری عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: ”اِسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ كُفْرٌ.“ کسی معصیت کے کام کو، گناہ کے کام کو جبکہ وہ قطعی ہو، حلال سمجھنا کفر ہے۔

مسلمان کی حرمت سب محرمات سے بڑھ کر ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ بھئی اللہ تعالیٰ نے حرام تو بہت سی چیزیں فرمائی ہیں، لیکن مسلمان کی حرمت تمام محرمات سے بڑھ کر ہے، مسلمان کی جان، اس کی آبرو اور اس کا مال یہ بھی ایک مسلمان کے لئے حرام ہیں، حدیث میں ہے:

"كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ." (مشکوٰۃ ص:۴۲۲)

ترجمہ:...... "ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔"

مسلمان کی حرمت کعبہ سے بڑھ کر ہے:

جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تھی، بیت اللہ کی طرف منہ کرکے فرمایا کہ: بیت اللہ! میرے دل میں جتنی تیری قدر و قیمت ہے وہ اللہ جانتا ہے لیکن میں کیا کروں؟ میری قوم مجھے یہاں رہنے نہیں دیتی۔ اور پھر فرمایا: تو بڑی حرمت والا ہے، بڑی عزت والا ہے، لیکن اللہ کی قسم! مؤمن کی عزت تجھ سے زیادہ ہے۔ اور یہ تو اس دن فرمایا تھا۔

حجۃ الوداع میں آخری دن، آخری حج میں جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسّی دن دنیا میں تشریف فرما رہے، اس خطبہ میں فرمایا تھا کہ: "اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" یہ کون سا مہینہ ہے؟ کہا کہ: ذی الحجہ کا مہینہ ہے! لیکن صحابہ نے یہ جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ: "اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ!" بھائی ذی الحجہ تھا، حج کے لئے گئے ہوئے ہیں ناں! تو ذی الحجہ تھا، ذی الحجہ حرمت کے مہینوں میں سے ہے، لیکن صحابہؓ نے ادب کے طور پر فرمایا کہ: "اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ!" فرمایا کہ: کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟ کہا کہ: ہاں! ذی الحجہ کا مہینہ ہے، حرمت والا مہینہ ہے۔ پھر فرمایا کہ: "اَیُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" یہ کون سا شہر ہے؟ اب دنیا نہیں جانتی کہ مکہ ہے؟ لیکن صحابہؓ نے کہا: "اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ!" فرمایا کہ: کیا یہ مکہ نہیں ہے؟ کہا کہ: ہاں! مکہ ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ: یہ کون سا دن ہے؟ یہ دن تھا "یَوْمُ النَّحْرِ" کا، پھر فرمایا کہ: اللہ کی قسم! ایک مسلمان کی حرمت "كَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا وَفِيْ يَوْمِكُمْ هٰذَا!" کسی مسلمان کی

حرمت اتنی عزت والی ہے جیسے کہ اس مہینہ میں، اس شہر میں اور اس دن میں یعنی اس مہینے کی حرمت، اس شہر کی حرمت اور اس دن کی حرمت جتنی ہے، مسلمانِ کی حرمت اس سے بڑھ کر ہے۔

ایک درہم کے بدلے ستر مقبول نمازیں:

تو یہ بات یاد رکھو یہاں پر ایک تنبیہ کر دینا چاہوں گا، اس میں ہم لوگ مبتلا ہیں، سب مبتلا ہیں میں بھی مبتلا ہوں، اللہ ہمیں معاف فرمادے، اب تو لوگ کسی کے خون کے ساتھ ہاتھ رنگنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے، مسلمانوں کی حرمت دل سے نکل گئی ہے، لیکن دو چیزوں میں ہم احتیاط نہیں کرتے، ایک کسی کا مال ناحق کھانے میں احتیاط نہیں کرتے اور دوسرے کسی کو بے آبرو کرنے میں احتیاط نہیں کرتے۔ ''درمختار'' میں لکھا ہے کہ ایک درہم اگر کسی کا کھائے (تقریباً ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے)، اگر کسی کا ایک درہم ناحق کھایا ہوتو قیامت کے دن ستر مقبول نمازیں اس کے بدلے میں دلائی جائیں گی، تمہارے پاس مقبول نمازیں ہیں کتنی؟ تم یہاں کھاپی کر ہضم کر لیتے ہو، ڈکار لے لیتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ زہر کھایا ہوا ہضم نہیں ہوا کرتا، یہ نکل کے رہتا ہے، کسی مسلمان کا ناحق مال کھانا، یہ کبھی ہضم نہیں ہوگا، جس کا مال کھایا ہے، وہ دعویٰ نہ کر سکے، اپنا حق ثابت نہ کر سکے، اپنا حق تم سے وصول نہ کر سکے، لیکن ایک عدالت قائم ہونے والی ہے، جہاں پر حق والے کو اس کا حق دلایا جائے گا، ہاں! دل کی خوشی سے کھاؤ، ٹھیک ہے، سارا ہی کھالو، بقول سعدی رحمہ اللہ کے کہ: ''دشمناں را پوست برکند دوستاں را پوستین۔'' دشمنوں کا چمڑا اتار لیا کرو اور دوستوں کی پوستین اتار لیا کرو۔ خوشی سے کرلو، چاہے پوستین بھی اتار لو، لیکن اس کی دل کی خوشی کے بغیر اگر کھاؤ گے تو یہ بھرنا پڑے گا اور ایک درہم یعنی ساڑھے تین ماشے چاندی کے بدلے میں ستر مقبول نمازیں دلائی جائیں گی، ہم لوگ اس معاملہ میں احتیاط نہیں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، اللہ ہمیں معاف فرمائے، احتیاط کی ضرورت ہے۔

قومی اموال کی چوری سنگین ترین جرم!

بطورِ خاص جو مال کہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کی چیز ہے اس میں تو اور بھی زیادہ گھپلا کرتے ہیں لوگ، بجلی کی چوری کرتے ہیں، بجلی کی چوری کر کے مسجدوں میں روشنی کرتے ہیں، بجلی کی چوری کر کے جس مکان میں روشنی کرو گے اور اس مکان میں نماز پڑھو گے، نماز قبول نہیں ہوگی، مذہبی تقریبات میں چوری کر کے روشنی کرتے ہیں، عرسوں میں اور دوسری چیزوں میں نعوذ باللہ! یہ جو اجتماعی پیسہ ہے، اس کا معاملہ اور بھی سنگین ہے، بھئی ایک آدمی کا پیسہ تم نے کھایا، جیسے کہ میں نے عرض کیا وہ بھی گناہ کی بات ہے، لیکن پھر بھی اس کی منت سماجت کرلو تو شاید مان جائے، اب یہ اجتماعی چیز جس میں دس کروڑ مسلمان شریک ہیں، کس کس سے معافی مانگتے رہو گے؟ کروڑوں انسانوں کا حق اپنی گردن پر لے کے جاؤ گے اور قیامت کے دن یہ سارے کے سارے تمہارے ''خصماء'' ہوں گے، قرض خواہ ہوں گے، کسی کا ناحق مال کھانے سے بچو۔

مسلمانوں کی آبروریزی سے بھی احتیاط:

دوسری چیز جس میں ہم احتیاط نہیں کرتے وہ مسلمانوں کی آبرو ہے، کسی کی تحقیر کرنا، کسی کو برا بھلا کہنا، کسی کا مذاق اڑانا، کسی کی غیبت کرنا، کسی کے عیب اس کے سامنے بیان کرنا، جبکہ اصلاح کا مقصد نہ ہو، بلکہ عار دلانا مقصد ہو۔

یہ تمام کی تمام چیزیں گناہِ کبیرہ ہیں اور یہ لوگوں کے حقوق ہیں جو ہم اپنے ذمے لے رہے ہیں اور قیامت کے دن ہمیں ان کو ادا کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں فہم عطا فرمائے، ہدایت نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معاشرہ کی اچھائی

اور

برائی کا معیار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ اِنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يَقُوْلُ: لَا تَزَالُوْنَ بِخَيْرٍ مَا اَحْبَبْتُمْ خِيَارَكُمْ وَمَا قِيْلَ فِيْكُمْ بِالْحَقِّ فَعَرِفْتُمُوْهُ، فَاِنَّ عَارِفَ الْحَقِّ كَعَامِلِهٖ."

(حلیۃ الاولیاءؒ ج:۱ ص:۲۱۰)

"عَنْ اَبِی الْهَيْثَمِ قَالَ: قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَا تُكَلِّفُوْا النَّاسَ مَا لَمْ يُكَلَّفُوْا، وَلَا تَحَاسَبُوا النَّاسَ دُوْنَ رَبِّهِمْ، اِبْنَ اٰدَمَ! عَلَيْكَ نَفْسَكَ، فَاِنَّهٗ مَنْ تَتَبَّعَ مَا يَرٰی فِی النَّاسِ يُطِلُّ حُزْنَهٗ وَلَا يَشْفِ غَيْظَهٗ."

(حلیۃ الاولیاءؒ ج:۱ ص:۲۱۱)

ترجمہ:..... "امام ابونعیم نے حلیہ میں حسان بن عطیہؒ کے واسطے سے روایت کی ہے کہ: حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: تم لوگ ہمیشہ خیر پر رہو گے جب تک اپنے اچھے لوگوں سے محبت کرتے رہو گے اور جب تک کہ تم میں حق

بات کہی جائے گی تو تم اس کو پہچانو گے، کیونکہ حق کا پہچاننے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والا۔''

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت نقل کی ہے کہ:

ترجمہ:......''ابو الہیثم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کو اس چیز کی زحمت نہ دو جس کے وہ مکلّف نہیں ہیں، اور لوگوں سے حساب نہ لو، ان کے رب کے سوا کوئی دوسرا حساب نہیں لیتا۔ آدم کے بیٹے! تو اپنی فکر کر، اس لئے کہ جو شخص جستجو کر رہا ہو اس چیز کی جس کو وہ لوگوں میں دیکھتا ہے، اس کا غم لمبا ہوگا اور اس کے غصہ کو کبھی شفا نہیں ہوگی۔''

حضرت ابودرداءؓ پہلے حکیم الامت:

حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ کے بارے میں میں نے عرض کیا تھا کہ یہ وہ صحابی ہیں جن کو اس امت میں سب سے پہلے حکیم الامت کا لقب دیا گیا ہے، یہیں سے معلوم ہوجائے گا کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جس شخص کو حکیم الامت کا لقب دیا جاتا ہے وہ کس درجہ کا آدمی ہوگا؟ دمشق میں رہائش اختیار کرلی تھی، نماز پڑھاتے تھے اور طالب علموں کو پڑھاتے تھے، حضرات محدثینؒ فرماتے ہیں کہ شاگردی تو بہت سے لوگوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کی، لیکن صحابہ کرامؓ میں دو آدمی بڑے خوش بخت تھے، اور انہوں نے اپنے شاگردوں پر اپنا خاص رنگ چھوڑا، ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، جو کوفہ کے معلّم اور قاضی تھے، اور ایک حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے اقوالِ حکمت:

عجیب و غریب حکمت کی باتیں فرمایا کرتے تھے، یہاں بھی ان کے دو چار جملے نقل کیے گئے ہیں:

پہلا جملہ یہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ خیر پر رہو گے جب تک تم میں یہ دو باتیں پائی جائیں گی:

ایک یہ کہ تم صرف اپنے اچھے لوگوں سے محبت کرو گے۔ یعنی اچھے لوگوں سے محبت اور برے لوگوں سے نفرت رہے گی۔

اور دوسری یہ کہ جب تک تمہارے معاشرے میں یہ بات باقی رہے کہ جس سے حق بات کہی جائے وہ اس کو قبول کرے اور سنے۔ اس لئے کہ کسی حق بات کو قبول کرلینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس پر عمل کرلینا۔ گویا کسی معاشرے کی بھلائی ناپنے کا میٹر یہ دو چیزیں ہیں۔ چنانچہ اگر کسی معاشرے کو پہچاننا ہو کہ یہ اچھا معاشرہ ہے یا برا؟ اس میں خیر غالب ہے یا شر؟ یا یہ کہ خیر کی طرف بڑھ رہا ہے یا شر کی طرف؟ تو اس معیار کے ذریعہ تم اُسے پہچان سکتے ہو۔

معاشرہ کی اچھائی کی پہلی علامت:

ایک یہ کہ لوگ اپنے اچھے لوگوں سے لوگ محبت کریں، اس معاشرہ میں اچھے لوگوں کی پذیرائی ہو اور ان کو قدر و منزلت اور محبت کی نظر سے دیکھا جاتا ہو۔

دوسرے یہ کہ اس معاشرہ میں صحیح اور حق بات بتلانے والے موجود ہوں، اور جب حق بتلایا جائے تو لوگ اس کو قبول کرتے ہوں۔

اگر اس کے الٹ ہوجائے تو سمجھ لو کہ یہ معاشرہ خیر پر نہیں ہے۔

اچھے لوگوں سے الفت و محبت فطری مناسبت کی علامت:

کیونکہ اچھے اور پسندیدہ لوگوں سے تعلق رکھنا، ان کو پسند کرنا، ان سے محبت

کرنا اس لئے خیر کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں ایک فطرتی اور قدرتی مناسبت رکھی ہے، جب تک کہ دو شخصوں کے درمیان مناسبت نہ ہو، ان کے درمیان جوڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ شادی کے رشتے بعض مرتبہ ناکام ہوجاتے ہیں، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان جوڑ نہیں بیٹھتا، میاں جی کا منہ دوسری طرف ہے، بیگم جی کا منہ دوسری طرف ہے، دونوں کی سوچ متفق نہیں ہوتی، ایک اگر صحیح سوچتا ہے تو دوسرا اس صحیح کو بھی غلط سمجھتا ہے، اسی کو کہتے ہیں مناسبت، دو شخصوں کے درمیان مناسبت ہوگی تو ان کے درمیان الفت ہوگی۔

بیعت کے لئے مناسبت کی شرط ہے:

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے جب کوئی بیعت کے لئے درخواست کرتا تو فرماتے: جس کے ساتھ مناسبت ہے اس سے بیعت کرلو، بغیر مناسبت کے پیری مریدی بھی نہیں چلتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ، فَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۳۱)

یعنی روحیں ایک لشکر ہے جو عالمِ ارواح میں جمع کیا گیا، جن کے درمیان وہاں تعلق ہوگیا ایک دوسرے کی طرف منہ اٹھایا، جان پہچان ہوگئی، ان کے درمیان الفت ہوگئی، اور جن کی وہاں ایک دوسرے سے پیٹھ رہی، ایک دوسرے سے پہچان نہ ہوئی تو ان کا یہاں اختلاف ہوگیا۔

نیک لوگوں کی طرف میلان نیکی کی علامت:

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب سمجھئے کہ نیک لوگوں کے ساتھ آپ کی رغبت کا ہونا، آپ کی الفت ہونا، آپ کا ان کی طرف التفات ہونا، آپ کا ان کی طرف

جھکاؤ ہونا، ان کی طرف آپ کی کشش ہونا، اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے آپ کو نیک اور نیکی سے مناسبت عطا فرمائی ہے۔

اچھے لوگوں سے بغض نیکی سے نفرت کا نشان:

اور اگر نیک لوگوں کے ساتھ اختلاف ہے، ان سے نفرت ہے، ان سے بغض اور بُعد ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی طبیعت کو نیکی کے ساتھ مناسبت نہیں ہے، نیک لوگوں کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔ یہ ایک بیماری ہے جس کا علاج ہونا چاہئے۔

نیک لوگوں پر تنقید کرنا فسادِ مزاج کی نشانی ہے:

میرے بھائی! اللہ کے نیک بندوں پر تو تنقید کرتے ہو، لیکن اپنے آپ کو تو دیکھ لو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے اندر بیماری ہو؟ جس کی وجہ سے تمہیں ساری فضا پیلی پیلی نظر آتی ہے، ممکن ہے تم نے چشمہ پیلا لگایا ہوا ہو؟ یا تمہیں پیلیا ہوگیا ہو؟ یہ تو ممکن نہیں کہ سارا عالم ہی پیلا ہوگیا۔ بھائی! فضا کا رنگ تو وہی ہے جو قدرتی رنگ ہے، اگر کسی کی نظر صحیح ہے تو فضا کے رنگ کو اس کے اصل رنگ میں دیکھے گا، اور جس کے مزاج میں تغیر پیدا ہوگیا وہ فضا کا رنگ بدلا ہوا دیکھے گا۔

دوسروں کو ہلاکت زدہ کہنے والا.....:

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَکَ النَّاسُ فَهُوَ اَهْلَكُهُمْ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۹) یعنی جب کوئی شخص یہ کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے، لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کرتے ہیں، یعنی اس کو لوگوں کا ہی حال نظر آتا ہے، پوری فضا اس کو خراب نظر آتی ہے، فرمایا کہ یہ سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے، ان سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے۔

نیک لوگوں سے کبیدگی کا مرض قابل علاج ہے:

تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے اگر مناسبت نہیں، بلکہ ایک قسم کی کبیدگی اور نفرت ہے، تو میں نے عرض کیا ہے کہ یہ مرض لائق علاج ہے، لائق علاج ضرور ہے لیکن لاعلاج نہیں۔ کاش کہ تم اپنی بیماری کو پہچانتے، بھائی! کسی سے صحیح تشخیص کرواؤ، اپنا آپریشن کراؤ، تو یہ بیماری دور ہوسکتی ہے۔

لاعلاج مرض؟

لیکن میرے بھائی! اگر تم اپنی بیماری کو تندرستی سمجھتے ہو تو پھر یہ بیماری لاعلاج ہوسکتی ہے۔

حالی یہ کہتے ہیں کہ کسی نے بقراط سے جا کر پوچھا:

مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا؟

بقراط حکیم، کسی نے پوچھا کہ کون سی بیماریاں مہلک ہیں جس سے آدمی مر جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ کوئی بیماری اللہ نے ایسی نہیں پیدا فرمائی جس کی دوا پیدا نہ کی گئی ہو، کوئی مرض مہلک نہیں:

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں، کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

یعنی جس بیماری کو آسان سمجھ لیا گیا، اور اگر کسی طبیب نے کہا کہ اس میں یہ بیماریاں ہیں، تو اس سے کہا کہ بکواس کرتا ہے، طبیب کے کہے کو ہذیان سمجھ لیا، تو یہ بیماری مہلک ہے۔

روحانی شفاخانہ سے ایکسرے کی ضرورت ہے:

کسی شفاخانہ میں اپنے ایکسرے کرواؤ، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ جو تمہارے ہاں ایکسرے کی مشینیں لگی ہوئی ہیں وہاں ایکسرے کراؤ! بلکہ کسی روحانی شفاخانہ میں جا کر ایکسرے کرواؤ، تمہیں اپنی اندر تصویر نظر آئے گی، تمہارے اندر کون سے انسانی

اخلاق ہیں؟ کون سے درندوں والے اخلاق ہیں؟ کون سے بہائم یعنی جانوروں والے اخلاق ہیں؟ کون سے حشرات الارض والے اخلاق ہیں؟ کون سے ایمانی اخلاق ہیں؟ کون سے کافروں والے اخلاق ہیں؟ کون سے رحمانی اخلاق ہیں؟ اور کون سے شیطانی اخلاق ہیں؟ اس مشین کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرو گے تو تمہیں اپنی اندرونی کیفیت معلوم ہوگی۔

بہرکیف! کہنا یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں یا اچھے لوگوں سے محبت کرنا اور ان کی طرف کشش ہونا، آدمی کے خیر پر ہونے کی علامت ہے اور بروں کی طرف کشش ہونا، ان سے رغبت ہونا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ دوسرے راستہ کی طرف بڑھ رہا ہے، خدا نہ کرے کہ یہ بیماری پختہ ہوجائے اور پھر لاعلاج بن جائے۔

نیک لوگوں سے الفت ابرار کے ساتھ حشر کی علامت:

دیکھو ایک بات کہتا ہوں! قرآن کریم میں بھی جگہ جگہ فرمایا گیا ہے کہ: "وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ. وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ" دنیا میں ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کا حشر اچھے لوگوں کے ساتھ ہو، کیا کوئی یہ چاہے گا کہ اس کا حشر ڈاکوؤں کے ساتھ ہو؟ یعنی جس لائن میں ڈاکوؤں کو کھڑا کیا گیا ہے، مجھے بھی اسی لائن میں کھڑا کیا جائے؟ کوئی چاہے گا کہ زانی و بدمعاشوں کے ساتھ اس کا حشر ہو؟ کوئی نہیں چاہے گا! کیا کوئی چاہے گا کہ جھوٹوں کے ساتھ اس کا حشر ہو؟ ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے کہ ہمارا حشر انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ، صدیقین کے ساتھ، شہدأ کے ساتھ، اولیأ اللہ کے ساتھ، اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے ساتھ ہو، ہر شخص یہی چاہتا ہے ناں! کوئی صحیح المزاج آدمی ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ میرا حشر کافروں، منافقوں، فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ ہو، بلکہ یہ کہے گا کہ نبیوں کے ساتھ ہو، صدیقوں کے ساتھ ہو شہیدوں کے ساتھ ہو، اولیأ کے ساتھ ہو، اس کے لئے ایک

ضابطہ اور اصول سن لو! کہ تم جیسی روش دنیا میں اختیار کرو گے حشر بھی ویسے ہی ہوگا، بس یہی فقرہ بتلانا چاہتا ہوں، اب تم خود فیصلہ کرسکو گے کہ میرا حشر قیامت کے دن کس کے ساتھ ہونے والا ہے؟ تمہیں اگر برے لوگوں سے رغبت ہے، برے لوگوں کو اچھا سمجھتے ہو، برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے ہو، تو پھر ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر اچھے لوگوں کے ساتھ رغبت رکھتے ہو، اچھے لوگوں سے پیار رکھتے ہو، اگرچہ خود اچھے نہیں، لیکن اچھے لوگوں سے پیار تو ہے، گو عمل نہیں مگر اچھے لوگ ہمیں اچھے تو لگتے ہیں، اگر یہ چیز موجود ہے تو انشاءاللہ! انشاءاللہ! انشاءاللہ! اچھوں ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ حشر فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمارا حشر اچھے بھی لوگوں کے ساتھ فرمائے، وتوفنا مع الابرار!

اچھے معاشرہ کی دوسری علامت: حق کہنا اور قبول کرنا:

دوسری بات یہ کہ وہ معاشرہ جس میں حق بات کہی جائے اور اس کو قبول کیا جائے۔ دنیا میں اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں، بری باتیں بھی ہوتی ہیں، پھر صحیح بھی ہوتی ہیں، غلط بھی ہوتی ہیں، حق بھی ہے، باطل بھی ہے، اس عالم کا مزاج ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے، بہت سے لوگ پوچھتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ وہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو اتنی ڈھیل کیوں دے رکھی ہے؟ یہ کیوں کر رکھا ہے؟ وہ کیوں کر رکھا ہے؟ میں نے کہا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ نے خدائی تمہارے سپرد نہیں کی بلکہ اپنے پاس رکھی ہے، اور اس کو مشورہ کی بھی ضرورت نہیں کہ تم اس کو مشورہ دو کہ ایسا کرنا چاہئے، بس وہ جانتا ہے، تم تو اپنا کام کرو، اللہ کو مشورے نہ دو، تم سے بندگی نہیں نبھتی، خدائی کیا نبھاؤ گے؟ تمہیں بندہ بنایا ہے، تم سے آدابِ بندگی نہیں بجالائے جاتے، تو خدائی کو کیا سمجھو گے؟ خدائی معاملات میں کیا مشورہ دو گے؟ یہ تو تم رہنے دو کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ باطل کو کیوں پیدا کیا؟ آدم کے ساتھ

شیطان کو کیوں لگایا؟ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں کیا؟ ظالموں کو کیوں ڈھیل دی؟ ان باتوں کو تم چھوڑ دو، یہ خدائی معاملات ہیں تمہاری اور میری عقل میں آنے والے نہیں ہیں۔

حافظ شیرازیؒ کو کسی نے مشورہ دیا تھا، تو حافظ شیرازیؒ نے کہا:

حدیث مطرب و لہو و را زدہر کم ترجو
کہ کس نہ کشیود و کشاید بحکمت این معما را

یعنی کوئی شخص حکمت و دانائی کے ساتھ اس معما کو نہ حل کرسکا اور نہ کر سکے گا، یہ بندوں کے حل کرنے کی چیز ہی نہیں ہے، ان سے یہ معما حل ہو ہی نہیں سکتا۔

حق بات کہنا اور اس کا قبول کیا جانا غلبۂ حق کی علامت:

اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کو پیدا کیا ہے، لیکن کبھی تو غلبہ ہوتا ہے حق کا، اور اس غلبہ کی علامت یہ ہے کہ جو لوگ حق پر نہیں ہوتے وہ بھی شرمندہ ہوتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں حق کا غلبہ تھا، صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہوتی تھی تو وہ شرمندہ ہوتا تھا، جانتا تھا کہ میں غلطی پر ہوں، بعد میں رفتہ رفتہ حق مغلوب ہوتا چلا گیا، اور باطل بھی اسی رفتار سے بڑھتا رہا، پھیلتا رہا، پھولتا رہا، حق اور باطل دونوں کی لڑائی ہے، میدان ایک کے ہاتھ میں ہوگا یا دوسرے کے ہاتھ میں ہوگا، کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں برابر رہیں، تو جس معاشرہ میں حق بات کہنے کی جرأت کی جائے۔ کہنے والے کہیں اور سننے والے سن لیں، اگرچہ عمل کی توفیق نہ ہوئی لیکن کم از کم سننے کی توفیق تو ہوگئی، یہ علامت ہے غلبہ حق کی کہ حق غالب ہے باطل پر۔

حق کہنے اور قبولیت میں دشواری غلبۂ باطل کی علامت:

جب زمانہ میں حق کہنا دشوار ہوجائے، مصلحت پسندی کی وجہ سے حق نہ کہا جاسکتا ہو یا اس خیال سے کہ اگر حق بات کہیں گے تو لوگوں کی عقل میں نہیں آئے گی

بلکہ اور زیادہ بگڑیں گے۔

جیسا کہ ہمارے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''لوگوں کو گناہگار اور فاسق رہنے دو، ان کو کافر مت بناؤ۔'' بڑی حکیمانہ بات ہے، اس لئے کہ ایک آدمی گناہ کر رہا ہے، تو وہ گناہگار ہے اور فاسق ہے، اگر آپ نے اس کو ٹوکا اور اس نے اس کا انکار ہی کر دیا کہ جاؤ میاں اپنا کام کرو، لئے پھر رہا ہے اپنی شریعت! بتلایئے یہ مسلمان رہا کہ کافر ہوگیا؟ آپ ہی بتائیں کہ جب ٹوکنے پر اس نے یہ کہہ دیا کہ لے جائیں اپنی شریعت کو (نعوذ باللہ!)۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ لوگوں کو گناہگار ہی رہنے دو، ان کو کافر مت بناؤ، کیونکہ حق کہنے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ دیکھو یہ قبول بھی کیا جائے گا کہ نہیں؟ آپ نے حق بات تو کہہ دی لیکن اس کا الٹا اثر ہوا، پہلے وہ چھپ کر کرتا تھا اب دھڑلے سے کرے گا، پہلے وہ کم سے کم دل میں تھوڑی بہت ندامت محسوس کرتا تھا، اب وہ ندامت کا پردہ بھی اٹھالیا گیا، نعوذ باللہ! اللہ کی پناہ! جب کسی معاشرہ میں یہ کیفیت ہوجائے کہ حق کہنے والا سو بار سوچے کہ میں کہوں بھی کہ نہ کہوں؟ اور اگر وہ کہہ بھی دے تو قبول نہ کیا جائے، بلکہ سو تاویلیں کی جائیں کم سے کم یہی کہہ دے کہ جا میاں اپنا کام کر تم جیسے بہت سے مولوی بھی دیکھے ہیں، کیونکہ یہ تو چلتا پھرتا فقرہ ہے ناں!، بھائی! تم نے میرے جیسے مولوی دیکھ لئے، ورنہ ان بے چارے علمأ حقہ کا قصور کیا ہے؟ بات تو تمہاری میرے ساتھ ہو رہی ہے، میرے بھائی! تمہارا مجرم اور قصوروار تو میں ہوں، میرے جیسے مولویوں کو کیوں برا کہتے ہو؟ لہٰذا ''تمہارے جیسا مولوی دیکھا ہے'' کہنا اس بات کی علامت ہے کہ اس معاشرہ میں حق مغلوب ہے اور باطل غالب ہے، اللہ کی پناہ!

تو اس امت کے پہلے حکیم الامت حضرت ابوالدرداٗ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم لوگ خیر پر رہو گے جب تک یہ حالت رہی کہ تم میں حق کہا جائے اور اس کو قبول بھی کیا جائے، تو جب یہ کیفیت پیدا ہوجائے کہ کوئی حق کہنے کی جرأت ہی نہ کرے

اور اگر کوئی جرأت کر بھی لے تو قبول نہ کیا جائے، اور خاموشی و مصلحت پسندی کو حق کہنے پر ترجیح دی جائے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ معاشرہ کی چولیں ہل گئیں، حق پر نہیں رہا، باطل کا سیلاب اس کشتی میں اتنا داخل ہوگیا ہے کہ وہ قریب قریب ڈوبنا چاہتی ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

نئی نسل کا کیا بنے گا؟

حافظؒ کہتے ہیں:

مشکل دارم زدانائے محفل باز پرس

مجھ کو ایک مشکل درپیش ہے، کسی دانائے محفل سے پوچھنی چاہئے، اور آپ ہی ماشاءاللہ دانائے محفل ہیں، آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ معاشرہ میں کتنے لوگ ہیں جو مسجد میں آتے ہیں؟ خاص طور سے بیچاری نئی نسل! کہ ان کی تو شب و روز کی محفل اور شب و روز کی مصاحبت، ان کا اٹھنا بیٹھنا، کافروں، بے ایمانوں، بروں، چوروں اور بدمعاشوں کے ساتھ ہی ہے، دین، دینداری بلکہ ظاہری دینداری کا ماحول بھی اب ہماری مسجدوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے۔ اور ان بیچاروں کو تو یہاں آنے کا کبھی موقع بھی نہیں ملتا، مجھے سمجھاؤ کہ ان بیچاروں کا، نئی نسل کا کیا حال بنے گا؟ تمہارے بچے نماز کے وقت میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، حتیٰ کہ ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی، مجھے بتلاؤ دینداری کہاں سے آئے گی؟ ایمان کس راستے سے داخل ہوگا؟ مجھے آج کل یہ مشکل درپیش ہے، میں اس کے لئے پریشان ہوں، اس امت کا کیا علاج کیا جائے؟ اور ان کو اپنے دین پر کیسے واپس لایا جائے؟ درندے اس کو نوچ رہے ہیں، بھیڑیئے اس کو اٹھا رہے ہیں، ہزارہا فتنے اس امت کے افراد کو دبوچنے کے لئے موجود ہیں، کیا علاج کیا جائے اس کا؟ میری عقل میں یہ بات نہیں آرہی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

دین کتابوں سے نہیں مسجد کے رابطہ سے آئے گا:

میری بات یاد رکھو! کتابوں سے تمہیں دین نہیں ملے گا، چاہے تم میری بات سے اتفاق کرو یا نہ کرو، تم حدیث کی کتابوں کے ترجمے خرید کر، الماریوں میں رکھ دو، تمہارے اندر دین نہیں آئے گا، تم قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیریں خرید کر گھر میں رکھ لو، اور کبھی ان کو پڑھ بھی لیا کرو، تب بھی تم میں دین نہ آئے گا، دین کا مرکز مساجد ہیں، جب تک تمہارا ان مساجد کے ساتھ رابطہ نہیں ہوگا، اس وقت تک تمہارے اندر دین نہیں آئے گا۔

ایمان، ایمان کی دکان سے ملے گا:

جس طرح کوئلوں کی دکان سے خوشبو نہیں ملا کرتی، لوہار کی دکان سے سونا نہیں ملا کرتا، بلکہ خوشبو عطر فروش اور سونا سنار سے ملتا ہے، اسی طرح ایمان، ایمان کی دکان سے ملے گا اور ایمان کی دکان یہ مسجدیں ہیں، اگر تمہیں ایمان کی ضرورت ہے تو واللہ العظیم! تم میں سے ایک ایک کو ان مساجد سے ربط پیدا کرنا پڑے گا، ورنہ تمہیں چاہے کتنا ہی یہ خیال کیوں نہ ہو کہ ہم دیندار ہیں، اور ہم نے دین کو سمجھا ہے، ہمارے اندر دین موجود ہے، ہم نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، مگر معاف کیجئے گا! یہ دین نہیں ہے، تم نے دین کو سمجھا ہی نہیں۔

لوگوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہ دو:

دوسرا ارشاد: حضرت ابوالدرداؓ رضی اللہ عنہ کے دوسرے ارشاد میں تین فقرے ہیں:

''ایک یہ کہ لوگوں کو ان کی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہ دو۔''

مولانا رومیؒ نے بھی یہ نصیحت فرمائی ہے کہ:

چہار پایہ قدر ہمت بارنیم

یعنی چوپائے پر اس کی طاقت کے مطابق بوجھ رکھا کرو، جو کمزور آدمی زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اس پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اور جن لوگوں کا دماغ اونچی باتوں کو سمجھ نہیں سکتا، اپنے علوم اپنے پاس ہی رکھو، ان کے سامنے بیان نہ کیا کرو، لہٰذا علم اور عمل کے اعتبار سے بھی، لوگوں کی استعداد اور ہمت کو دیکھو، اس کے مطابق ان پر بوجھ ڈالو۔

پہلے اپنی فکر کرو:

دوسرا فقرہ اسی ارشاد کا یہ ہے کہ تم لوگوں کے محاسب بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ لہٰذا وعظ و نصیحت کرنا، کسی کی خیر خواہی کے لئے اس کو کوئی بات بتلانا یا اگر اس کے اندر غلطی ہے تو اس کی اصلاح کرنا یہ تو ایمانی تقاضا ہے، لیکن میرا حساب میرا رب لے گا، تمہارا حساب تمہارا رب لے گا، تمام انسانوں کا حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، ہم میں سے ایک کو دوسرے کا محاسب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ، وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ." قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ جتنا تم سے ہوسکتا ہے تم اپنا حقِ خیر خواہی ادا کرو، لیکن قیامت کے دن تم کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، لوگوں کے اعمال کا حساب نہیں دینا، قبر میں اور حشر میں مجھ سے میرے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، مجھ سے آپ کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اسی طرح آپ سے آپ کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا، زید و عمرو کے عمل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا حساب اپنے پاس رکھا ہے، حساب و کتاب کی محاسب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، تم لوگوں کے محاسب نہیں ہو، اس لئے حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اِبْنَ آدَمَ! عَلَیْكَ نَفْسَكَ." آدم کے بیٹے! اپنی فکر کر اور اپنی فکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی فکر میں بعد میں پڑو، پہلے اپنی فکر کرو۔

دنیا والوں کا اصول:

جبکہ ہمارے یہاں یہ اصول بنالیا گیا ہے کہ ایک مجھ کو چھوڑ دو، باقی ساری دنیا کی اصلاح ہونی چاہئے، اور میری اصلاح نہیں ہونی چاہئے، گویا دور جدید کا نظریہ یہ ہے کہ ساری دنیا کو ٹھیک ہونا چاہئے لیکن مجھے کوئی کچھ نہ کہے۔

شریعت کا اصول:

اور ہمارا نظریہ اس کے الٹ ہونا چاہئے کہ میری اصلاح ہونی چاہئے، دنیا کی اصلاح ہوتی ہے ہو، نہیں ہوتی نہ ہو، اللہ ان سے خود حساب لے گا، مجھے خود ٹھیک ہونا چاہئے، ہم لوگ اپنی اصلاح سے غافل ہوکر دوسروں کی اصلاح کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، حضرت ابوالدرداءؓ اس کو فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی فکر کرو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے سامنے اگر گناہ ہوتا ہے تو ہونے دو، اس کا غلط مطلب نہ لو، آج کل لوگوں نے اس کا غلط مطلب لیا ہوا ہے کہ اپنی فکر کرو، جب کسی کو کہا جائے کہ بھائی! یہ کام نہیں کرنا چاہئے، تو کہتے ہیں کہ تم اپنا کام کرو جی! ناں بھائی! اگر آپ کے بدن پر خدانخواستہ کوئی زخم ہے، اس کی مرہم پٹی کرنا بھی میرے ذمہ ہے، اگر خدانخواستہ ہمارے کسی بھائی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے تو اس کا علاج معالجہ بھی ہمارے ذمہ ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص ایسے کسی آدمی کی خیرخواہی کے لئے اس کا علاج و معالجہ کرنا چاہتا ہے، اور وہ اس کو کہہ دے کہ میاں تم اپنی فکر کرو، مجھے رہنے دو، تو یہ عقل کی نہیں بے عقلی کی بات ہے، اسی طرح اگر کوئی کہیں گر گیا اور اسے چوٹ لگ گئی اور کوئی مسلمان، اس کی مرہم پٹی کی فکر میں ڈاکٹر کو بلاتا ہے، اور یہ اس سے کہتا ہے کہ میاں! تم اپنا کام کرو، مجھے رہنے دو، یہ بات درست نہیں۔

مسلمان کے حقوق کے بارہ میں سوال ہوگا:

کیونکہ اپنے بھائی کی خیرخواہی، جہاں تک ممکن ہو بھی ضروری ہے، اس لئے کہ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے اور اس کے بارہ میں پوچھا جائے گا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

"اِنَّ اللهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ: یَابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ؟ قَالَ: یَا رَبِّ! کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ ..... اَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ ..... یَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ ..... یَابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ؟ قَالَ: یَا رَبِّ! کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ ..... الخ."

(مشکوٰۃ ص:۱۳۳،۱۳۴)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے ابن آدم! میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی..... ابن آدم! میں نے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا..... اے ابن آدم میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا..... اور ابن آدم کہے گا کہ: یا اللہ! آپ تو بیماری، کھانے پینے سے پاک ہیں، ان چیزوں کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟ فرمائیں گے کہ: میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، فلاں بھوکا تھا، تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، فلاں پیاسا تھا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا۔

تو یہ بھی ہماری ذمہ داری ہوگئی ناں بھائی! اس لئے یہ بات بھی غلط ہے کہ آدمی دوسرے کی فکر ہی نہ کرے، اور یہ بات بھی غلط ہے کہ آدمی صرف دوسروں ہی کی فکر کرے اور اپنی فکر نہ کرے۔

مسئولیت عنداللہ کا مراقبہ:

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مجھے اپنی ذات کی فکر ہونی چاہئے، میرا معاملہ اللہ کے سامنے پیش ہوگا، میرا اللہ میرے ساتھ کیا کرے گا؟ یہ مراقبہ ہمہ تن رہنا چاہئے۔ اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ جن چیزوں کی ذمہ داری اللہ نے مجھ پر ڈالی ہے، قیامت کے دن مجھ سے اس کا سوال بھی ہوگا، انشاءاللہ اس مراقبہ سے ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا احساس پیدا ہوجائے گا۔ لہٰذا جب کسی کو کوئی خیر کی بات بتلائی جائے یا کسی برائی سے روکا جائے، تو اس کا یہ کہنا کہ تم اپنی فکر کرو، مجھے چھوڑ دو، یہ بھی غلط بات ہے، بھائی تمہارے ساتھ خیرخواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تمہیں اس غلطی سے نکالیں، اور دشمنوں کے چنگل میں تجھے نہ چھوڑیں۔

لوگوں کے عیوب کا تتبع مشکلات کا سبب بنے گا:

پھر فرماتے ہیں کہ: ''لوگوں کے اندر جو باتیں پائی جاتی ہیں، اگر ان کا تتبع کروگے اور ان کو تلاش کروگے تو تم بڑی مشکل میں پھنس جاؤگے۔'' اس لئے ظاہر میں جو بات قابل اصلاح نظر آجائے، اس کی تو اصلاح کرلو، باقی کھود کرید کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ جو شخص لوگوں کے عیوب کا تتبع کرے گا، یعنی ان کو کریدنے، ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا، ''یُطِلُّ حُزْنُہٗ'' اس کا غم بہت لمبا ہوجائے گا کہ کیا کریں؟ اور کیا نہ کریں؟ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ:

تن ہمہ داغ داغ شد
پنبہ کجا کجا نہم

بدن کے روئیں روئیں پر زخم لگے ہوئے ہیں، کہاں کہاں پنبہ رکھوں؟ کہاں کہاں مرہم رکھوں؟ اگر ساری دنیا کی فکر میں مبتلا ہوجاؤگے تو پھر بڑی مشکل پیش آجائے گی، اس لئے جو بات سامنے آجائے اس کو تو کہہ دو، باقی زیادہ کاوش نہ کرو،

جو شخص لوگوں کے عیوب تلاش کرے گا چاہے اصلاح کی فکر سے کیوں نہ ہو، اس کا غم لمبا ہو جائے گا، اور اس کے دل کو کبھی شفا نہیں ہوگی، ہمیشہ پریشان ہی پریشان رہے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خواجہ معین الدین چشتیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ." (یونس:۶۲ تا ۶۴)

ابھی گزشتہ دنوں مجھے ایک صاحب نے پرچہ دیا تھا کہ آپ نے چار بزرگوں کے حالات ذکر کرنے کا وعدہ کیا تھا، ان میں سے دو کا ذکر کیا، پھر آپ بھول ہی گئے۔

سلاسل اربعہ:

تو آج انہی سلسلوں کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔ مشہور سلسلے بزرگوں کے چار ہیں، ان کے علاوہ بھی اولیاءؒ اللہ کے سلسلے ہیں، لیکن چار سلسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بہت مقبولیت عطا فرمائی ہے، ان میں سے ایک سلسلہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، جس کو "سلسلۂ قادریہ" کہتے

ہیں، ان کے حالات کا مختصر تذکرہ ہوا تھا۔

اس کے بعد دوسرا سلسلہ ہے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کا جو ''سلسلۂ سہروردی'' سے مشہور ہے۔

میں نے بتایا تھا کہ یہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مریدین میں سے ہیں، لیکن ان کا سلسلہ کسی دوسرے بزرگ سے ہے، اور جو کتاب میں پڑھ کر سنایا کرتا تھا، وہ انہیں کی کتاب ہے، ان کے تذکرے میں ان کے چند افادات کا ذکر آ گیا تھا، وہ آج میں درمیان میں چھوڑ رہا ہوں، اس سلسلے کو ختم کرنے کے لئے درمیان میں چھوڑ رہا ہوں، تصوف پر ان کی کتاب ہے جو میں سناتا تھا، اور اس کتاب کے بارے میں بزرگوں کا کہنا یہ ہے کہ جس شخص کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کے لئے یہ کتاب کافی مرشد ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دو امتیاز:

آج میں تیسرے بزرگ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا سلسلہ شروع کرتا ہوں، ان کی دو خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ان کا تعلق سرزمین ہند سے ہے، یعنی ہندوستان کی سرزمین سے، ان کے شیخ نے ولایت ہند ان کے سپرد کی تھی، اس لئے بعض لوگوں نے بطورِ مبالغہ ان کو ''نبی الہند'' کا خطاب دیا ہے، یعنی ہندوستان کا نبی، حالانکہ یہ نبی تو نہیں تھے، نبیوں کی شان تو بہت اونچی ہے۔

اور ان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہمارا سلسلہ انہی کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، تو یہ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ ہمارے پیرانِ پیر ہیں، اس لئے ان کا ذکر کرتا ہوں، لیکن مجھے افسوس ہے کہ اتنے بڑے بزرگ، مگر ان کے حالات نہیں ملتے، اب تو دو پیسے کا آدمی ہوتا ہے اور اس کی سوانح عمری پر لوگ ہزار ہزار صفحات لکھ دیتے ہیں، یہ زمانہ لکھائی پڑھائی کا زمانہ ہے، ایک بالشت قد ہے،

صرف ایک بالشت، لیکن اس کی سوانح عمری لکھی جاتی ہے کہ یہاں پیدا ہوا، یہ ہوا، وہ ہوا، لیکن ہمارے یہ اکابرؒ جن کے ذریعہ سے دین زندہ ہوا، امت زندہ ہوئی، ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں، کہیں جستہ جستہ کسی نے کوئی تھوڑے بہت لکھ دیئے۔

آپ کے شیخ اور خلفائ:

اتنی بات ہے کہ ان کے شیخ ہیں خواجہ محمد عثمان ہارونی، اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے خلفائ کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، جن میں خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ مشہور ہیں، اور خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ کے خلیفہ ہیں حضرت گنج شکر رحمہ اللہ پاک پتن والے۔

پھر ان کے دو خلیفہ مشہور ہوئے، ایک سلطان الہند خواجہ نظام الدین اولیائ رحمہ اللہ، ان کو واقعتاً ''سلطان الہند'' کہا جاتا ہے۔

اور دوسرے خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمہ اللہ، بہرحال یہ بزرگوں کا بہت اونچا سلسلہ تھا۔

تعارف:

خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا اسم گرامی ''حسن'' ہے اور والد ماجد کا نام غیاث الدین بتاتے ہیں، ایران کا ایک علاقہ ہے ''سیستان'' حضرت خواجہ صاحب اس علاقے کے رہنے والے تھے، اس سیستان کی طرف نسبت کرکے عربی میں اس کو ''سجزی'' کہتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو ''سنجری'' پڑھتے ہیں، حسن سنجری یا حسن سجزی اصل میں حسن سجزی ہے، سین کی زبر، جیم کے سکون اور زا کے کسرہ کے ساتھ۔

ولادت:

اس پر تمام اہل تاریخ متفق ہیں کہ ان کی ولادت شریفہ ۵۳۷ھ میں ہوئی یعنی چھٹی صدی میں، اور میں بتا چکا ہوں کہ یہی زمانہ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا

ہے، یہ دونوں ایک ہی زمانے کے بزرگ ہیں، خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ طبقے کے اعتبار سے ان سے چھوٹے ہیں، لیکن یہی چھٹی صدی اُن کا زمانہ بھی ہے اور یہی چھٹی صدی اِن کا بھی زمانہ ہے۔

اللہ کی حکمت بالغہ:

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب بات لکھی ہے کہ یہ پانچویں اور چھٹی صدی کا زمانہ، اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو بادشاہوں کی لڑائی کا اور دنیاداروں کے دنیا پر ٹوٹ پڑنے کا زمانہ ہے، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا دور گزر چکا تھا، ائمہ دین کا دور گزر چکا تھا، اور لوگ بے تحاشا دنیا پر ٹوٹنے لگے تھے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ عجیب تھی کہ اس زمانے میں اس قسم کے اکابر اولیأ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا اور انہوں نے امت کا رخ بدل دیا۔

دین کے لئے نئے نئے پودے:

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے:

”لَا یَزَالُ اللہُ تَعَالٰی یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ.“ (ابن ماجہ ص:۳)

ترجمہ:......”اللہ تعالیٰ اس امت میں پودے لگاتے رہیں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے استعمال فرماتے رہیں گے۔“

ایک پودے کی جگہ دوسرا پودا اللہ تعالیٰ لگاتے رہیں گے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری تک جاری رہے گا، دین کو اللہ تعالیٰ مٹنے نہیں دیں گے، دین کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ کام کرتے رہیں گے، کچھ لوگ دین کے مسئلے مسائل بتانے والے ہیں، وہ اپنی جگہ کام کر رہے ہیں، کچھ لوگ

قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے والے ہیں، وہ اپنی جگہ کام کر رہے ہیں، کچھ لوگ حدیث شریف پر کام کرنے والے ہیں، وہ اپنی جگہ کام کر رہے ہیں، کچھ لوگ دلوں کا تزکیہ اور تصفیہ کرنے میں مصروف ہیں، ان کی اپنی الگ دنیا ہے، کچھ دعوت الی اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی اپنی دنیا ہے، یہ عظیم الشان کارخانہ جس کے بے شمار شعبے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں، یوں ہی یہ سلسلہ چلتا رہے گا، اور اس کے لئے کوئی مستقل منصوبہ بندی نہیں کی جاتی، یعنی جس طرح حکومتیں منصوبے بناتی ہیں، اس طرح کی کوئی منصوبہ بندی نہیں کہ کس ملک میں کیا ضرورت ہے، کیا نہیں ہے؟ کوئی منصوبہ نہیں بنایا جاتا، جہاں جو ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں ڈال دیتے ہیں، وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں اور کام کرتے ہیں، جتنا فیض اللہ تعالیٰ نے کسی کو پہنچانا ہوتا ہے، وہ پہنچا دیتے ہیں۔

تعلیم:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ۵۳۷ھ میں خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی ولادت شریفہ ہوئی، وہاں کے دستور کے مطابق قرآن کریم حفظ کیا، پھر علوم کی تحصیل کی، عالم بنے، لیکن دل میں شعلۂ محبت تھا، اس لئے بیعت کی ابتدا ہوئی۔

ان کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے، یعنی حسینی سید ہیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔

پندرہ سال کی عمر تھی کہ تمام علوم سے فارغ ہو چکے تھے، وراثت میں ان کو ایک بڑا باغ ملا تھا، دوسرے مشاغل کے ساتھ اس باغ کی نگرانی بھی فرماتے تھے، ملازم وغیرہ کام کرتے تھے اور حضرت ابتدائی عمر میں خود اس کی نگرانی فرماتے تھے۔

سلوک و احسان:

ایک مرتبہ ایک مجذوب ابراہیم قہندزیؒ تشریف لائے، شیخ نے ان کی بڑی

تعظیم وتکریم کی اوران کے لئے کچھ انگور اور کچھ پھل لے کر آئے، ابراہیم مجذوب نے اپنے دانتوں سے ایک پھل لیا اور اس کو تھوڑا سا چبایا اور ان کو دے دیا، جس کے کھاتے ہی باغ میں ایک نور ظاہر ہوا، اور حضرت خواجہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔

مجذوبوں سے احتیاط:

یہ مجذوبوں سے ''جذب'' لگ جاتا ہے، اس لئے ذرا مجذوب قسم کے لوگوں سے کچھ محتاط رہنا چاہئے، کچھ تو یہ لوگ پاگل پھرتے ہیں، جن بے چاروں کا دماغ خراب ہوجاتا ہے، یہ مجذوب نہیں ہوتے۔

مجذوب کی تعریف:

''مجذوب'' کہتے ہیں مستِ الست لوگوں کو، جن کو نشۂ خداوندی نے مست کردیا ہو، اور دنیا سے بے خود ہوگئے ہوں۔

مجذوبیت کمال نہیں:

اور یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ مجذوب ہوجانا کمال نہیں ہے، بلکہ نقص ہے، بعض لوگ ان کو یعنی مجاذیب کو کاملین سمجھتے ہیں، یہ غلطی ہے، مجذوب ہونے کے بعد ترقی رک جاتی ہے، جہاں ہے بس وہیں ہے، اس لئے کہ ترقی ہوتی ہے علم وعمل اور معرفت پر۔

جذب وسلوک:

ہاں اگر جذب کے ساتھ ساتھ سلوک بھی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتا بھی رہے، ہوش وحواس گم نہ ہوگئے ہوں، تو پھر یہ جذب نعمت کبریٰ ہے۔

سلوک میں جذب:

بزرگ فرماتے ہیں کہ جذب کے بغیر سلوک بھی نہیں ہوتا، جذب کے معنی

اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنی طرف کھینچ لینا، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشش نہ ہو، جذب نہ ہو، اس وقت تک سلوک نہیں چلتا، سلوک کے معنی راستہ چلنے کے ہیں، راستہ طے کرنے کے ہیں۔

لیکن بزرگ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی دوقسمیں ہیں: ایک مجذوب سالک ہوتے ہیں، اور دوسرے سالک مجذوب ہوتے ہیں۔

مجذوب سالک:

مجذوب سالک ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو پہلے کھینچ لئے جاتے ہیں پھر چلائے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کشش ان کو پہلے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور پھر وہ راستے پر چلنا شروع کرتے ہیں۔

سالک مجذوب:

اور بعض اس کے الٹ سالک مجذوب ہوتے ہیں، پہلے وہ چلنا شروع کرتے ہیں، پھر راستے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو اٹھالیتی ہے، چلو تم کیا چلو گے؟ ہم تمہیں پہنچادیتے ہیں! ان حضرات کو سالک مجذوب کہا جاتا ہے، تو جن لوگوں کے ہوش وحواس جاتے رہیں، مست ہوجائیں، وہ کسی کام کے نہیں رہتے، وہ ہمارے کام کے نہیں ہیں۔

مجذوبوں کو نہ ستاؤ:

پھر ان کو ستاؤ بھی نہیں، باقی ان کے قریب بھی مت جاؤ، کیونکہ وہ ایسی منزل پر پہنچے ہوئے ہیں، جہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہے، خدا جانے ان کے منہ سے کیا نکلے، اور اللہ تعالیٰ ان کے کہے ہوئے کی لاج رکھا کرتے ہیں۔

پراگندہ حال لوگوں کا مرتبہ:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"کَمْ مِنْ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُوْبَهٗ لَهٗ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ، مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِکٍ."

(مشکوٰۃ ص:۵۷۹)

ترجمہ:...... "بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے سر پراگندہ ہیں، بال بکھرے ہوئے، (پاگلوں کی طرح اور بدن پورے کا پورا مٹی پڑی ہوئی ہے، میل کچیل، ڈھنگ سے ان کو غسل کرنے اور بدن کو صاف کرنے کا بھی سلیقہ نہیں) اور دو پھٹی پرانی لنگیاں پہنی ہوئی ہیں۔ (ایک نیچے اور ایک اوپر اوڑھی ہوئی ہے، قمیص بھی نہیں، ستر پوشی کے لئے ایک چادر اوپر ہے اور ایک نیچے، اور ایسے لوگوں کا مرتبہ لوگوں کی نظر میں کیا ہوسکتا ہے؟ ذرا اندازہ کریں! تصور کریں! لیکن اللہ کی نظر میں ان کا مرتبہ یہ ہے کہ) اگر وہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ آج اللہ تعالیٰ ایسا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردیں گے، انہی میں سے (حضرت) براٴ بن مالکؓ ہیں۔"

حضرت براٴ بن مالکؓ کا مقام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اسی جماعت کے ایک فرد براٴ بن مالکؓ ہیں، یہ ایک صحابی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب جہاد میں جاتے، محنت کی، کوشش کی، جان لڑائی، لیکن فتح کے آثار نظر نہیں آتے تھے، تو براٴ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر لے جاتے، یہی براٴ بن مالک رضی اللہ عنہ تھے جن کو کہیں سے تلاش کر کے لے جاتے اور محاذ میں کھڑا کر کے کہتے کہ: قسم کھاکے

کہو کہ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو فتح دیں گے، یہ اپنے ساتھیوں کے مجبور کرنے سے قسم کھالیتے کہ: مجھے اللہ کی قسم ہے! اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرے گا، جب بھی یہ اس طرح دعا مانگتے فتح ہوجاتی تھی، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ براءؓ بن مالک رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کوئی بات کہی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم جھوٹی کردی ہو، ایسا کبھی نہیں ہوا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ مجذوب قسم کے جو لوگ ہوتے ہیں، ان سے ذرا بچتے رہا کرو، قریب نہ جایا کرو، لوگ ان کے معتقد ہوجاتے ہیں۔

غلط عقیدہ:

اور ایک عقیدہ کی غلطی یہ لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ یہ بزرگ جو کچھ کہہ دیتے ہیں، وہ ہوجاتا ہے، یہ تقدیر بدل دیتے ہیں۔

اور یہ جو فقیر قسم کے لوگ ہیں ناں! انہوں نے ایک اور بات پھیلا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو جب لکھا تھا، وہاں تقدیریں جب لکھی تھیں، تو کچھ سیاہی بچ گئی تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے فقراء کی زبان پر انڈیل دی، تو گویا ان کا کہا ہوا بھی نوشتۂ تقدیر ہے، یہ بات قطعاً غلط اور جھوٹی ہے، افتراء علی اللہ ہے، اور اس کی حقیقت صرف اتنی ہے جو میں نے ابھی ذکر کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول اور محبوب بندے ہوتے ہیں، جنہوں نے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں مٹالیا، اللہ تعالیٰ ان کے منہ کی بات پوری فرمادیتے ہیں، بس اتنی سی بات ہے، باقی تقدیر کا قلم ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور نہ ان کی بات نوشتۂ تقدیر ہے۔

مجذوب کے پس خوردہ سے احتیاط:

اسی سلسلے میں ایک بات یہ بھی یاد رکھو کہ کسی مجذوب کی جھوٹی چیز مت کھاؤ، ورنہ تمہیں بھی جذب ہوجائے گا، اور اگر خدانخواستہ اس قسم کا جذب ہوجائے کہ ہوش

ہی ٹھکانے نہ رہے تو بڑا مسئلہ خراب ہے۔

خلاصہ یہ کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ اپنے باغ میں تھے کہ ابراہیم مجذوب آئے، انہوں نے درویش سمجھ کر ان کی خدمت کی، پھل وغیرہ پیش کیے، انہوں نے ایک پھل کھا کر ان کو دیا، انہوں نے بزرگ کا تبرک سمجھ کر کھالیا، بس کھایا کیا تھا؟ بلکہ منہ کو ہی لگایا تھا کہ حالت دگرگوں ہوگئی اور پھر کیا؟ شیخ سعدی رحمہ اللہ کا ایک قطعہ ہے:

یا مرو با یار ازرک پیراہن
یا بکش برخا نماں انگشت نیل

یا تو نیلے کرتے والے یار کے ساتھ چلو نہیں اور اگر ساتھ چلنا ہے تو عزت و آبرو اور خاندان پر نیل کی انگلی پھیر دو، خط کھینچ دو کہ سب کچھ ختم۔ عزت اور بے عزتی اب کوئی چیز نہیں رہی۔

گرچہ بدنا میست پیش عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اگرچہ عقل مندوں کے ہاں یہ بدنامی کی چیز ہے، لیکن ہم ننگ و نام کی پرواہ نہیں کرتے، کوئی اچھا کہے، کوئی برا کہے چھوڑ دو۔

یا مکن با پیل با ناں دوستی
یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

یا ہاتھی والوں سے یاری نہ لگاؤ، یا پھر ہاتھیوں کے برابر مکان بھی بناؤ، یاری لگاتے ہو ہاتھی والوں کے ساتھ اور دروازے رکھتے ہو چھوٹے، یہ نہیں ہوگا۔

حضرتؒ پر جذب:

تو شیخ رحمہ اللہ پر جب جذب طاری ہوا اور حالت بدلی تو پھر کہاں کا باغ؟

اور کہاں کا گھر بار؟ اور کہاں کا خاندان؟ اور کہاں کی یہ چیزیں؟ باغ فوراً بیچ دیا اور جو کچھ اس سے ملا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر لگادیا، جذب پیدا ہوگیا، جذب اسی کو کہتے ہیں یعنی کشش الی اللہ، اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچاؤ پیدا ہوجائے، دنیا سے تعلق ختم، باغ فروخت کردیا اور فروخت کرکے فقراٗ پر تقسیم کردیا، گھر میں بھی جو کچھ تھا وہ سب کا سب لٹادیا، اعلانِ عام کردیا کہ جس کا جو جی چاہے لے جائے، اول ثمرقند پہنچے، وہاں حفظ قرآن، تعلیم علومِ ظاہری میں رہے، اس سے فراغت کے بعد عراق تشریف لے گئے اور قصبہ ہرون پہنچ کر خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔

سب اولیاٗ، علماٗ تھے:

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھو کہ جتنے تمہیں درویش نظر آتے ہیں، اولیاٗ اللہ، بڑے بڑے اکابر، یہ سب کے سب عالم تھے، حافظ تھے، قاری تھے، اور یہ دینی علوم میں اشتغال رکھتے تھے، اور یہ جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ بزرگی کی لائن الگ ہے، اور یہ شریعت کا پڑھنا پڑھانا بالکل الگ چیز ہے، یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

حضرت پیرانِ پیرؒ کے ہاں چار شعبے قائم تھے:

میں نے آپ کو شاہ عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر رحمہ اللہ کے تذکرہ میں بتایا تھا کہ بیک وقت ان کی خانقاہ میں چار شعبے چلتے تھے، اور اپنے وقت میں وہ چاروں شعبوں کے امام تھے، ان کا باقاعدہ مدرسہ تھا، مدرسہ میں پڑھاتے تھے اور اس وقت کے سب سے بڑے مدرس تھے، ان کی ٹکر کا کوئی استاذ نہیں تھا۔

علامہ ابن خزامہؒ بارگاہِ جیلانی میں:

ابن خزامہ المقدسی حنبلی اپنی کتاب "المغنی" میں لکھتے ہیں کہ میرا بالکل ابتدائی زمانہ تھا، میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پڑھنے کے لئے گیا، آپ نے مجھے چند اسباق پڑھائے، لیکن فرمایا: بیٹا تم بہت دیر سے آئے ہو، میرا اب جانے

کا وقت آچکا ہے، تم میرے فلاں شاگرد سے پڑھو۔

پیرانِ پیرؒ سب سے بڑے مفتی:

پیران پیر رحمہ اللہ اس وقت کے سب سے بڑے مدرس تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کتابیں پڑھاتے تھے، اور اس وقت کے سب سے بڑے مفتی تھے، ان کے ہاں سے فتویٰ جاری ہوتا تھا، اور دونوں مذہبوں پر فتویٰ دیتے تھے، امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب پر، اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر۔

مفتی ایک مذہب پر فتویٰ دے سکتا ہے:

یہ مسئلہ بھی یاد رکھو کہ فتویٰ صرف ایک مذہب پر دے سکتے ہیں: میں حنفی ہوں، مجھے صرف حنفی مذہب پر فتویٰ دینے کا حق ہے، میں یہ تو بتا سکتا ہوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں یہ مذہب ہے، یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ امام مالک رحمہ اللہ اس مسئلہ میں یہ رائے رکھتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ رائے رکھتے ہیں، مجھے ائمہ کے مذاہب بتادینے کا حق حاصل ہے، لیکن میں فتویٰ اپنے امام کے قول کے مطابق دوں گا، کسی دوسرے امام کے قول کے مطابق نہیں دے سکتا۔ یہ ایک اصول ہے، لیکن حضرت شیخ پیران پیر رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی تھی کہ بیک وقت دونوں مذہبوں پر فتویٰ دیتے تھے، یہ خود حنبلی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مقلد ہیں، اور ان کا مذہب وہی ہے جو سعودی عرب والوں کا ہے، یہ پکے وہابی ہیں، حضرت پیران پیر رحمہ اللہ بھی حنبلی ہیں، تو اس وقت کے سب سے بڑے مفتی بھی حضرت پیران پیر ہی تھے، اور اس وقت کے سب سے بڑے واعظ بھی حضرت پیران پیر تھے، وعظ و تقریر فرماتے تھے اور نہ معلوم کہاں کہاں سے سمٹ کر لوگ ان کے وعظ میں جمع ہوتے تھے، اور اگر کبھی بادشاہوں کے معاملات کی اصلاح کرنی ہوتی تو وعظ میں فرماتے تھے، کیونکہ امرأ، بادشاہ اور خلفأ تک ان کے وعظ میں شریک اور حاضر ہوتے تھے۔

ولایت میں آپؒ کا مقام:

ان کی درویشی اور بزرگی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ آخر پیرانِ پیر کہلاتے ہیں، اپنے وقت کے سب سے بڑے شیخ بھی تھے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا تھا کہ: "قَدَمِی هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیٍّ." میرا یہ پاؤں ہر ولی کی گردن پر ہے۔

ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کو یہ بات پہنچی ممکن ہے کشف ہوگیا ہوگا، یا یوں کہو کہ ٹیلی فون لگا ہوا ہوگا، کیونکہ ان کے بھی ٹیلی فون ہوتے ہیں اور اس باطنی ٹیلی فون کے ذریعہ ان کو خبر پہنچی تو سر جھکا کر فرمایا: "بَلْ عَلَی الرَّأْسِ وَالْعَیْنِ!" گردن پر نہیں بلکہ میری آنکھوں پر اور میرے سر پر!

درویشی اور شریعت الگ نہیں:

تو یہ سمجھنا کہ درویشی الگ چیز ہے اور شریعت الگ چیز ہے، یہ جاہل لوگوں کی پھیلائی ہوئی جہالت ہے، یہ بزرگانِ دین اپنے وقت کے عالم بھی تھے، امام فتویٰ بھی تھے، واعظ بھی تھے، اور ساتھ کے ساتھ صوفی بھی تھے، الحمدللہ! ہمارا سب کا سب سلسلہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا سلسلہ ان چاروں چیزوں کو لئے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

سلسلۂ چشتیہ اقطاب کا سلسلہ ہے:

میں نے ایک موقع پر عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہمارا سلسلۂ طریقت یہ اقطاب کا سلسلہ ہے، ہر بزرگ اپنے زمانے کا قطب ہوا۔ تو خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، میں ان کے ملفوظات سناؤں گا، کیونکہ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کے ملفوظات لکھے، پھر حضرت خواجہ رحمہ اللہ کے ملفوظات ان کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ نے لکھے، پھر حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ کے ملفوظات ان کے خلیفہ اعظم حضرت گنج بخش رحمہ اللہ

پاک پتن والوں نے لکھے، پھر ان کے ملفوظات ان کے خلیفہ اعظم خواجہ نظام الدین سلطان جی رحمہ اللہ نے لکھے، سلطان الہند خواجہ نظام الدین اولیاءؒ رحمہ اللہ اور پھر خواجہ نظام الدین رحمہ اللہ کے ملفوظات ان کے دو شاگردوں یعنی دو مریدوں نے لکھے، یہ بزرگوں کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔

حضرت شیخ کی خدمت کے بیس سال:

''انیس الارواح'' کے نام سے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ نے اپنے پیر کے ملفوظات جمع کئے ہیں، اور اس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ جس دن یہ فقیر حاضر خدمت ہوا اور قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی، تو مجھے بیعت فرما کر میرے سفر کے بال کٹوائے اور چار گوشہ ٹوپی میرے سر پر رکھی اور پھر فرمایا کہ: جب تک میرے شیخ زندہ رہے، میں ان کے ساتھ رہا، خدمت کے بغیر فقیر، فقیر نہیں بنتا، اشارہ اس طرف تھا کہ تم بھی آگئے ہو تو بس یہیں کے ہو کر رہو گے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں بیس سال اپنے شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ اپنے شیخ کی خدمت میں بیس سال رہے، اور بیس سال میں ملکوں ملکوں کی سیر کی، اپنے شیخ کے ساتھ پھرتے رہے، مکہ مکرمہ بھی گئے، حج بھی کیا، شیخ ہی کے ساتھ رہے، ان کے ذمہ لوٹا، مسواک، کپڑے پہنانے کی خدمت سپرد تھی، بیس سال کے بعد شیخ نے ''معین الدین'' کا خطاب دیا اور کہا: حسن! ولایت ہند تمہارے سپرد کی جاتی ہے، جاؤ وہاں جا کر بیٹھ جاؤ۔ ان کے شیخ حضرت خواجہ محمد عثمان ہارونی رحمہ اللہ ان کو ہندوستان کی ولایت پر مامور فرما کر خود حج کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں جا کر انتقال فرمایا۔ اور یہ اپنے شیخ کے حکم سے یہاں تشریف لے آئے۔

ہمارے سلسلہ کی عجیب بات:

ہمارے سلسلے میں بھی ایک عجیب بات چلی آتی ہے ساری عمر ساتھ رہے

لیکن وفات کے وقت موجود نہیں، ان کے خلیفہ اعظم خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ بیس سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، لیکن وفات سے پہلے کہہ دیا کہ دہلی کا پایۂ تخت تمہارے سپرد کیا جارہا ہے، جاؤ وہاں پہنچ جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں دہلی پہنچا، چالیس دن کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ تمہارے جانے کے بیس دن کے بعد شیخ رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا، اور ان کے خلیفہ اعظم شیخ مسعود اجودھنی گنج شکر رحمہ اللہ وہ بیس سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، لیکن شیخ نے وفات سے پہلے فرمایا کہ: فلاں جگہ چلے جاؤ، اور یہی خواجہ نظام الدین اولیأ رحمہ اللہ کے ساتھ ہوا، تو خیر یہ بھی عجائباتِ قدرت میں سے ہے۔

اجمیر تشریف آوری:

آپؒ یہاں اجمیر شریف میں تشریف لے آئے، خواجہ صاحب رحمہ اللہ وہاں پہنچے، ایک جگہ ڈیرہ لگادیا، اور اس وقت یہ ہندوستان کی سرزمین خالص ہندوؤں کی سرزمین تھی، بہت کم لوگ ایسے تھے جو کہیں خال خال مسلمان ہوگئے تھے، محمود غزنوی رحمہ اللہ کے زمانے سے وہاں راجہ پرتھوی راج کی حکومت تھی، شیخ رحمہ اللہ آکر ایک قریب کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے، ملنگ، نہ کھانے کا سامان تھا، نہ پینے کا، نہ کوئی اور، نہ کسی سے لین، نہ دین، ایک مسافر تھے، کوئی دم درود کے لئے آجاتا، کوئی بیمار ہوتا یہ پھونک مار دیتے، اللہ تعالیٰ شفا دے دیتے، اس طرح لوگ مسلمان ہونے لگے، جو ان کی خدمت میں بیٹھ جاتا مسلمان ہوجاتا۔

راجہ پرتھوی راج کی گستاخی اور اس کا انجام:

راجہ کو اطلاع پہنچی تو اس نے پیغام بھیجا کہ اس کو کہو کہ نکل جائے یہاں سے، جواب میں ارشاد فرمایا کہ: فقیر یہاں رہنے کے لئے آیا ہے، تمہارا کوئی نقصان نہیں کرتا، مجھے یہاں سے کیوں نکالتے ہو؟ پھر پیغام آیا کہ اس کو کہو کہ نکل جائے

یہاں سے، پھر جواب دیا کہ: میرا قصور کیا ہے کہ مجھے یہاں سے نکالا جارہا ہے؟ تیسری دفعہ پیغام آیا کہ اگر نہیں نکلیں گے تو ہم پکڑ کر نکال دیں گے، شیخ رحمہ اللہ نے جوش میں آکر فرمایا کہ: میں نے تجھے یہاں سے نکال دیا اور زندہ پکڑ کر کسی کے حوالے کردیا، جاؤ! شیخ رحمہ اللہ کا یہ کہنا تھا کہ چند دن کے بعد شہاب الدین غوری رحمہ اللہ آئے، اور اس پر حملہ آور ہوئے، زندہ پکڑا گیا اور وہ علاقہ مسلمانوں کا ملک بن گیا۔

اب انہوں نے کیا کیا؟ لوگوں کو کس طرح تعلیم و تربیت فرمائی؟ افسوس ہے کہ کتابیں بالکل اس سے خاموش ہوگئیں۔ کیا مشاغل تھے؟ کیا معمولات تھے؟ لوگوں سے کیا برتاؤ کرتے تھے؟ میں نے بتایا ہے کہ خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ نے جو ان کے خلیفہ ہیں، ان کے ملفوظات جمع کئے "دلیل العارفین" کے نام سے، وہ میرے پاس موجود ہیں، لیکن بس حضرت نے یہ ارشاد فرمایا: ایک مجلس لگی اس میں یہ ارشاد فرمایا اور اس مجلس کی تقریر قلمبند کرلی اور بس! باقی کسی قسم کے حالات کہ لوگوں کو کس طرح دعوت الی اللہ دیتے تھے؟ کیا معمولات تھے آپ کے؟ ان تفصیلات سے کتابیں بالکل خاموش ہیں۔

آپؒ کا فیض:

اس لئے میں نے کہا کہ افسوس ہے کہ اتنے بڑے شیخ! کہ ایک سو پانچ سال کی عمر تھی اور جس دن انتقال ہوا تو آپؒ کے ہاتھ پر اس وقت تک نوے لاکھ انسان مسلمان ہوگئے تھے، نوے لاکھ آدمیوں کو مسلمان کر کے گئے تھے، ویرانہ کفر میں نوے لاکھ کافروں کو مسلمان کرکے گئے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان میں یہ جو مسلمان نظر آرہے ہیں یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا فیض ہے، یا اس قسم کے اور اولیاء اللہ کا فیض ہے، بادشاہوں کی تلواروں سے اسلام نہیں پھیلا۔

انگریزوں کا غلط پروپیگنڈا:

یہ انگریزوں نے جھوٹ پھیلایا تھا کہ عالمگیر رحمہ اللہ نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنایا تھا، بھلا تلوار کے زور سے بھی کوئی مسلمان ہوا کرتا ہے؟ بھائی! تلوار کا زور اوپر تک تو چل سکتا ہے، دل تک تو تلوار کی نوک نہیں جاسکتی، یہ جو والہانہ عقیدت کے ساتھ لوگ مسلمان ہوئے، اور آج بھی جبکہ ہندوستان پر کفر کا تسلط ہے، اور مسلمانوں کی پٹائی ہو رہی ہے، اور لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، ان کو کون مسلمان کر رہا ہے؟ ہندوستان میں جب انگریز کا تسلط تھا آپ دیکھتے تھے کہ جامع مسجدوں میں اور دوسری جگہوں میں لوگ مسلمان ہوتے تھے، ہندو، مسلمان ہوتے تھے، جبر و تشدد کے ساتھ کفر کو پھیلایا جاسکتا ہے، اسلام کو نہیں پھیلایا جاسکتا، "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" دین میں زبردستی نہیں چلتی۔

تو اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ علماء کی تبلیغ اور بادشاہوں کے دبدبہ اور طنطنہ سے دین اتنا نہیں پھیلا، جتنا بزرگانِ دین کے انفاسِ طیبہ سے پھیلا ہے، ان کے فیض وصحبت سے پھیلا ہے۔

اتباعِ سنت:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت خواجہ رحمہ اللہ کی اتباع سنت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ایک دفعہ وضو فرما رہے تھے، اتفاق سے داڑھی کا خلال کرنا بھول گئے۔

پہلے مسئلہ سمجھو کہ جس شخص کی داڑھی ہلکی ہے، اس کے لئے پوری داڑھی کا بھگونا فرض ہے، وضو میں داڑھی کا تر کرنا فرض ہے، اور جس کی داڑھی گھنی ہو، اس کے لئے بالوں کے اندر پانی پہنچانا فرض نہیں ہے، بلکہ اس کے اوپر کے حصے کو دھونا فرض ہے، لیکن اندر سے داڑھی کا خلال کرنا اس کے حق میں سنت ہے اور سنت بھی

مستحب قسم کی ہے، یعنی کوئی اگر چھوڑ دے، نہ کرے تو گناہگار نہیں ہوگا، اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بہت برا کیا، یعنی سنت کا درجہ مستحب کا ہے، یعنی سنت مستحبہ، حضرت خواجہ رحمہ اللہ ایک دفعہ وضو فرما رہے تھے اور داڑھی کا خلال کرنا بھول گئے، غیب سے آواز آئی کہ محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کرتے ہو اور سنت کے خلاف کرتے ہو؟ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، اور اس پر استغفار کیا، توبہ کی، ایک مستحب کے ترک کردینے پر غیب سے عتاب ہوا، اور آپ نے اس پر توبہ کی۔

لوگوں کے ساتھ ان کے مقام کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم:

یہاں پر یہ نکتہ خاص طور سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ہر ایک کے ساتھ معاملہ جدا ہے، میں نے آپ کو حدیث سنائی تھی ناں! کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک سائل آیا، اس نے کہا بھوکا ہوں، روٹی دے دو، روٹی کھلاؤ، حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے خادمہ سے کہا کہ اس کو کھانا دے دو، اس کو کھانا ہاتھ میں پکڑا دو، وہ چلا گیا، ایک اور شخص آیا اس کا بھی یہی سوال کہ بھوکا ہوں کھانا کھلاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خادمہ سے فرمایا اس کو عزت کے ساتھ بٹھاؤ، اور اس کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے کہا کہ حضور! دو آدمیوں کا سوال ایک تھا لیکن معاملہ دونوں کے ساتھ الگ الگ، ارشاد فرمایا کہ: ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی: "اَنْزِلُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ مَنَازِلِهِمْ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۰۹) لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق معاملہ کیا کرو۔ یعنی جس مرتبے کا آدمی ہو اس مرتبے کا اس کے ساتھ معاملہ کرو، یہ بات کہہ کر فرمایا وہ پہلا آدمی بے چارہ کم حیثیت کا تھا، اس کے ہاتھ میں روٹی پکڑا دی وہ اس پر خوش ہوگیا، اس نے اپنی کوئی بے عزتی محسوس نہیں کی، اور اس آدمی کو میں نے دیکھا کہ صاحبِ وجاہت ہے، اب کسی چوہدری کے ہاتھ میں تم روٹی پکڑا دو، وہ تو اس کو اپنی بے عزتی سمجھے گا، معزز

آدمی کے ہاتھ میں روٹی پکڑا دو، تو وہ اس کو اپنی بے عزتی سمجھے گا، اس لئے اس کو بٹھا کر کھلانا چاہئے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق دونوں کی حیثیت کے مطابق معاملہ کیا ہے۔

حق تعالیٰ کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ جدا جدا ہے:

میں نے آپ کو اس لئے یہ حدیث سنائی کہ حق تعالیٰ شانہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے، اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ اس کی حیثیت کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے، ایک مستحب ترک ہوا تو اس پر غیب سے ڈانٹ پڑی کہ محبت کے دعوے کرتے ہو؟ حالانکہ ان بے چاروں نے دعویٰ کب کیا تھا؟ یہاں تو دعوے کی نفی ہوگئی تھی، مطلب یہ ہے کہ بزرگ بنے پھرتے ہیں اور مستحب کا التزام نہیں، ان کو ایک دن ایک مستحب پر ٹوک دیا گیا، غیب سے ٹوک دیا گیا، اور ہم فرائض کو بھی ہضم کرتے پھریں، ہمیں کوئی ٹوکنے والا نہیں، ہمارے ساتھ ہماری حیثیت کے مناسب معاملہ کیا جاتا ہے، اور ان اکابر رحمہم اللہ کے ساتھ ان کی حیثیت کے مناسب معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ: مقرباناں بیش بود حیرانی، جتنے زیادہ مقرب ہوتے ہیں، اتنی حیرانی ان کو زیادہ ہوتی ہے، تم سمجھتے ہو کہ یہ جو بزرگ ہوتے ہیں، بہت امن میں ہوتے ہوں گے، نہیں بھائی! ان پر تو ہر وقت کپکپی طاری رہتی ہے، یہ مضمون انشاء اللہ کسی دوسرے وقت میں آجائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آداب تعلیم و تربیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللهَ اَدَّبَنِیْ فَاَحْسَنَ تَأْدِيْبِیْ، ثُمَّ اَمَرَنِیْ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ." (کشف الخفاء ج:۱ ص:۷۰)

ترجمہ:......"میرے رب نے مجھے ادب سکھایا، بس بہت اچھا ادب سکھایا، پھر مجھے اچھے اخلاق کا حکم دیا۔"

ادب کہتے ہیں طریقہ کو، جو طریقہ کہ انسان کے لئے پسندیدہ ہے، اور جسے پسندیدہ سمجھنا چاہئے، اس طریقے کو اختیار کرنے کا نام ادب ہے۔

تربیت کے اعتبار سے لوگوں کی قسمیں:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ فطری طور پر اخلاق پر پیدا فرماتے ہیں، ان کی معمولی نوک پلک درست کرنے سے وہ چل پڑتے ہیں۔ اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو فطری طور پر یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، ان کے لئے مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے، ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے، نفس

کو پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، اور مہذب بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

وفد عبدالقیس کے رئیس کی محبوب خصلتیں:

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے عبدالقیس قبیلہ کا وفد آیا تھا، جب یہ حضرات دور کا سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشتیاق میں اونٹوں سے اتر کر ہی دوڑ پڑے، لیکن اس وفد کے رئیس جن کو ''اشج'' کہتے تھے- دراصل ''اشج'' کہتے ہیں اس شخص کو جس کی پیشانی پر زخم کا نشان ہو، چونکہ ان کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا، اس لئے ان کو ''اشج'' کہا جاتا تھا - انہوں نے تمام سواریوں کو بٹھایا، ان کے بوجھ اتارے، ان کو باندھا، اپنی سواریاں بھی اور اپنے رفقا کی سواریاں بھی باندھیں، اس کے بعد غسل کیا، صاف کپڑے پہنے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک انداز تو وہ تھا، جو دوسرے رفقا نے اختیار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے ایسے بے تاب ہوئے کہ سواریوں کو بٹھانے اور بوجھ اتارنے کا بھی ہوش نہ رہا، اور ایک انداز وہ تھا جو ان کے رئیس نے اختیار کیا، جن کا نام غالباً منذر بن عائذ تھا، جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان فیک لَخَصْلَتَیْنِ یحبھما اللہ: الحلم والاناءۃ.'' (مشکوٰۃ ص:۴۲۹) تم میں دو خصلتیں اور دو عادتیں ایسی پائی جاتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور پسندیدہ ہیں: ایک حلم اور دوسری سوچ سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کام کو کرنا، جلد بازی سے کام نہ لینا۔

''حلم'' کے معنی ہیں تحمل کرنا اور حوصلہ کرنا، جلدی سے مشتعل نہ ہوجانا۔

اور اناءۃ کے معنی ہیں آہستگی اور اطمینان کے ساتھ کسی کام کو کرنا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ دونوں خصلتیں میرے اندر فطری ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے

پیدا فرمادی ہیں یا کسبی ہیں کہ میں نے محنت کے ساتھ حاصل کی ہیں؟ فرمایا: فطری ہیں! اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی بغیر محنت کے پیدا فرمادی ہیں، یہ سن کر انہوں نے کہا: اس اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔

تو بعض لوگوں میں فطری طور پر آداب و اخلاق پائے جاتے ہیں، ان کے لئے ذرا سی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے ان کے جوہر کھل جاتے ہیں۔

اور بعض حضرات ایسے ہیں کہ ان میں کمی ہوتی ہے، ان کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

قبولیت تربیت کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام:

پھر تعلیم و تربیت کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱:......بعض وہ ہوتے ہیں جو تعلیم و تربیت کا اثر جلدی قبول کر لیتے ہیں اور ان پر جلدی رنگ آجاتا ہے۔

۲:......بعض حضرات وہ ہوتے ہیں جن پر اثر بہت دیر سے ہوتا ہے، اور بہت کمزور ہوتا ہے، استعداد ناقص ہوتی ہے۔

ایک مثال:

ایک بزرگ کے پاس کوئی صاحب بیعت ہونے کے لئے آئے، انہوں نے بیعت فرمالیا، دو چار دن رہے رخصت ہونے لگے تو ان کو خلافت عطا فرمادی، جو لوگ دس دس سال سے پڑے ہوئے تھے، مجاہدے کر رہے تھے، ان کو شکایت ہوئی، شیخ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی، شیخ نے فرمایا: لکڑیاں درختوں سے کاٹ کر لاؤ، گیلی لکڑیاں لائی گئیں پھر فرمایا: ان کو آگ لگاؤ! مگر ان سے آگ جلتی نہیں تھی، بھلا گیلی لکڑی سے آگ کیسے جلے گی؟ پھر فرمایا: گھاس پھوس لاؤ! وہ لے آئے تو اس کو آگ لگائی تو وہ

فوراً جل پڑی، فرمایا: یہ تمہاری اور ان کی مثال ہے، یہ پہلے تیار ہوکر آئے تھے، صرف ماچس دکھانے کی ضرورت تھی، اور تم ہو گیلی لکڑیاں، دس سال ہوگئے تم کو سکھاتے ہوئے لیکن اب تک سوکھ کے نہیں دیئے ہو، ابھی تک پانی موجود ہے۔

پوشیدہ صلاحیت کی مثال:

تو بزرگ فرماتے ہیں کہ آدابِ شرعیہ کے لحاظ سے لوگوں کی استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، بعد میں استعداد ظاہر ہوتی ہے، حقیقت میں ان کے اندر استعداد چھپی ہوئی ہوتی ہے، ان کی ذرا سی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، اور فرماتے ہیں کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کھجور کی گٹھلی کے اندر کھجور کا درخت چھپا ہوا ہے، صرف ان کو کاشت کرنے کی تھوڑی سی محنت ہوگی، یا زناد ایک لکڑی ہے، اس کو رگڑتے ہیں تو اس میں سے آگ نکلتی ہے، فرماتے ہیں کہ اس لکڑی کے اندر آگ چھپی ہوئی ہے، صرف ذرا سا رگڑنے کی ضرورت ہے۔ تو بعض حضرات تو ایسے ہیں اور بعض حضرات ایسے ہیں کہ ان کے اندر استعداد پیدا کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور محنت و ریاضت کے بعد استعداد پیدا ہوتی ہے۔

محنت کے میدان:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ بھئی ہمارا گھر ہے، دوست احباب کا حلقہ ہے، ملنے جلنے والوں کا حلقہ ہے، بازار ہے، یہ سارے کے سارے ہمارے مجاہدے کے میدان ہیں، ہمارا برتاؤ گھر والوں کے ساتھ کیسا ہے؟ ہمارا برتاؤ دوست احباب کے ساتھ کیسا ہے؟ اور ملنے والوں کے ساتھ، تعلق والوں کے ساتھ کیسا ہے؟ بہت سی ناگواریاں پیش آئیں گی، بہت ساری چیزیں مزاج کے خلاف پیش آئیں گی، فرماتے ہیں کہ یہ سارے کا سارا مجاہدے کا میدان ہے، ان میدانوں میں ہماری تربیت کے جوہر کھلتے ہیں، ہمارا مزاج کیسا ہے؟

ہماری تربیت کیسی ہے؟ ہمارے اخلاق کیسے ہیں؟ ہم کس حد تک آداب کو لئے ہوئے ہیں؟

حضرات انبیاءؑ کی تربیت:

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد شروع میں پڑھا ہے کہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا ہے، بہت اچھا ادب سکھایا ہے، اور میرے رب نے مجھے اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔

حضرات انبیاءؑ مجموعہ کمالات:

حضرات انبیاءؑ کرام علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے تمام اخلاق اور کمالات کی استعداد پیدا کر کے مبعوث فرمایا، ان کے بدن میں اور ان کی ظاہری اور باطنی قوتوں میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ ان کو کامل و مکمل پیدا کرتے ہیں، اور ہمارے آنحضرت تو سید المرسلین ہیں، سید الخلائق ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام کمالات جو انسانیت کے ہوسکتے ہیں وہ حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت فرمادیئے تھے، رکھ دیئے تھے، کوئی انسانی کمال ایسا نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی میں نہ رکھا گیا ہو، اور کوئی نقص ایسا نہیں تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی میں رکھا گیا ہو، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور مجھ کو تعلیم دی۔''

نبی کا معلّم؟

اب نبی کا معلّم تو اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے، نبی کو ادب سکھانے والے خود اللہ تعالیٰ ہی ہوتے ہیں، کوئی دوسرا ادب سکھانے والا نہیں ہوتا اور انبیاءؑ تمام انسانیت کے معلّم ہوتے ہیں، حضرات انبیاءؑ کرام تمام انسانیت کے مؤدب ہوتے ہیں، انسانیت کو

ادب سکھانے والے ہوتے ہیں، اور دنیا بھر کے حکیم اور فلاسفر ان کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں، لیکن ان کی تعلیم و تربیت اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔

جب نبی ادب کا محتاج ہے تو دوسرے کس قدر ہوں گے؟

میں جو بات سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر کمالات پیدا فرماتے ہیں اور رکھتے ہیں اور اس کے بعد پھر تعلیم بھی دیتے ہیں، ادب بھی سکھاتے ہیں، ان تمام کمالات کے باوجود ان حضرات کو اللہ تعالیٰ سے ادب سیکھنے اور علم سیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اب اس سے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ دوسرے لوگ، خواہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کتنی استعداد رکھی ہو وہ تعلیم اور تادیب کے کس قدر محتاج ہوں گے؟

نبی کی تعلیم عین فطرت ہے:

اور پھر یہ تعلیم و تادیب اگر آپ دوسروں سے سیکھیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے، بگڑ جائیں گے، پہلے سے زیادہ بگڑ جائیں گے، اپنی استعداد کو برباد کرلیں گے، اور اگر حضرات انبیاءؑ سے سیکھیں گے تو ان کی تعلیم اور تادیب عین فطرت انسانی کے مطابق ہوگی، آپ انسانِ کامل بنیں گے۔

نبی کی ذات نمونۂ تربیت ہے:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ بھئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا نے حکم دیا کہ ایسی چیز بنا کے لاؤ، سمجھا دیا گیا کہ یہ کرو، یہ کرو، یہ کرو، لیکن انہوں نے کہا کہ: حضور! کوئی نمونہ دے دیں، اس نمونے کے مطابق یہ چیز ہم بنادیں گے، ایسے سمجھانے سے تو ممکن ہے کہ بات سمجھ میں نہ آئے اور حضور کی منشا کے مطابق نہ ہو سکے، تو آقا نے اپنے نوکر کو ایک نمونہ دے دیا کہ اس نمونے کے مطابق بنا کے لاؤ۔ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انسان بن کے دکھاؤ، اپنے بندوں کو حکم دیا کہ انسان بن کے

دکھاؤ، ہمارے بندے بن کے دکھاؤ۔ بندوں نے کہا کہ: یا اللہ! کیسے بندے بنیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کیا کرو، یہ کیا کرو، لیکن بات پھر بھی قابو میں نہ آئی، تو اللہ تعالیٰ نے ایک نمونہ پیش کر دیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کا کہ تمہیں انسانِ کامل کا ایک نمونہ دے دیتا ہوں، بس اس کی نقل اتار کے آؤ، جیسے یہ ہیں، اپنے آپ کو ان کی شکل میں، ان کے اخلاق میں، ان کے آداب میں ڈھال کے لاؤ۔ اب جتنا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، اخلاق، آداب میں آپ کی مشابہت کرے گا، اتنا ہی انسان کامل ہوگا، اور اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوگا، اور جتنا اس معاملے میں کسی کے اندر نقص ہوگا اتنا ہی وہ ناقص رہے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ......" (آل عمران:۳۱)

ترجمہ:...... "کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر میرے پیچھے پیچھے آجاؤ، میری پیروی کرو جیسے جیسے میں کرتا ہوں تم بھی ویسے ہی کرو، تم میری نقل کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔"

تم تو چلے تھے اللہ تعالیٰ کا محبّ بننے کے لئے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے لئے لیکن جو دولت ہاتھ آئے گی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے۔

فطری استعداد کے لئے تربیت کی ضرورت:

خلاصہ یہ ہے کہ فطری طور پر انسان میں اللہ تعالیٰ نے آداب و اخلاق کی استعداد رکھی ہے، اور اس استعداد کے لئے تربیت کی ضرورت ہے، بغیر تربیت کے یہ

استعداد کامل نہیں ہوگی، فائدہ کچھ نہیں ہوگا، کھجور کی گٹھلی کو اگر زمین میں دبا دو گے تو درخت نکل آئے گا، اور اگر زمین کے اوپر سو سال بھی پڑی رہی تو وہ گٹھلی کی گٹھلی رہے گی، تو جو استعداد اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر آدمی بننے کی اور انسانیت کے اخلاق و استعداد کی رکھی ہے، اس کے لئے ضرورت ہے تربیت کی اور تربیت کے طریقے مختلف ہیں، کچھ طریقے اس استعداد کو بگاڑنے والے ہیں اور کچھ طریقے اس استعداد کو سنوارنے والے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بالخصوص ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے معلّم بن کر آئے ہیں۔

ہماری غلط فہمی:

ہم لوگوں کو غلط فہمی ہے یا ہمارے دلوں میں غلط فہمی ڈال دی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صرف نماز، روزہ سکھانے کے لئے آتے ہیں، یہ بھی ٹھیک ہے، نماز، روزہ بھی سکھاتے ہیں، لیکن اگر آپ مجھ کو معاف کریں تو میں کہوں گا کہ ہگنا موتنا، پیشاب اور دوسری چیزوں کے بارے میں بھی سکھاتے ہیں، یہ بے ادبی کا لفظ بول رہا ہوں، ان کی تعلیم کے بغیر آپ کو یہ بات بھی نہیں آسکتی۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ:

"عَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قِیْلَ لَہٗ قَدْ عَلَّمَکُمْ نَبِیُّکُمْ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلَّ شَیْءٍ حَتّٰی الْخِرَاءَۃَ. قَالَ: فَقَالَ: اَجَلْ! لَقَدْ نَھَانَا اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ وَاَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِالْیَمِیْنِ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِیَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَۃِ اَحْجَارٍ ..... الخ." (صحیح مسلم ج:۱ ص:۱۳۰)

ایک یہودی نے ان سے کہا کہ تمہارا نبی تم کو ہر چیز سکھاتا ہے، حتیٰ کہ ہگنا موتنا بھی سکھاتا ہے، یعنی پیشاب پاخانہ کے بھی آداب سکھاتے ہیں، حضرت سلمان

فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: جی ہاں! ٹھیک کہتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ پاخانے پیشاب کے لئے بیٹھو تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو، اور دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرو، تین ڈھیلے استعمال کیا کرو وغیرہ وغیرہ۔

نبی کی تربیت کا کمال:

علماً فرماتے ہیں کہ اس یہودی کا اشارہ یا تو نعوذ باللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا تھا، یا مسلمانوں پر اعتراض کرنا مقصود تھا۔ مسلمانوں پر اعتراض کرنا مقصود ہو تو اس کی تقریر یہ تھی کہ تم ایسے بدھو ہو کہ تمہیں پیشاب پاخانہ سکھانے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ اس طرح پیشاب کے لئے بیٹھا کرو، اس طرح استنجا کیا کرو، تم کو آج تک یہ بات بھی نہیں آئی تھی، یہ بھی نبی سے سیکھنے کی ضرورت تھی تو جواب کا خلاصہ یہ ہوگا کہ ہاں ٹھیک کہتے ہو، ہمیں نہیں آتا تھا، ہم نے سیکھ لیا اور تم جہل مرکب میں مبتلا رہے، تم کو ابھی تک نہیں آیا، کیونکہ تم نے سیکھا ہی نہیں اور تم کو آیا ہی نہیں۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو ہو تو اس کے اعتراض کی تقریر یہ ہوگی کہ نبی کا کام تو اونچی باتیں بتانا ہوتا ہے، معرفت کی باتیں بتائے، تعلق مع اللہ کی باتیں بتائے، جنت اور دوزخ کی باتیں بتائے، اونچے علوم جو انسانی عقل سے ماورا ہیں ان باتوں کو بتائے، یہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تعلیم دینا یہ نبی کا کام نہیں ہوتا، یہ کیسا نبی ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ، ہگنا موتنا بھی سکھاتا ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں! ٹھیک کہتے ہو، نبی کا کمال یہ ہے کہ نبی چھوٹی چھوٹی باتوں کی ایسی تعلیم دیتا ہے کہ یہ بھی معرفت الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور قرب الی اللہ کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

چھوٹی سی سنت پر عمل مدارس کی تعمیر ایسے بڑے عمل سے افضل ہے:

ہمارے حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمہ اللہ "ابن ماجہ" کے حاشیہ

(ابن ماجہ حدیث شریف کی کتاب ہے اس) میں شروع کے دوسرے صفحے پر حدیث آئی ہے: ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' اس کے نیچے لکھتے ہیں کہ بدعت بعض ایسی ہوتی ہیں کہ جو کسی دین کے کام کا ذریعہ ہیں ان کو گمراہی نہیں کہا جاتا، جیسے مدرسہ بنانا، کتابیں لکھنا، ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، لیکن مقصود چونکہ اس سے تعلیم ہے اور تعلیم شریعت کے مقاصد میں سے ہے اور یہ چیزیں ذریعہ ہیں، اس لئے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کو ''بدعت حسنہ'' کہیں گے۔ بدعت ضلالت نہیں، بلکہ بدعت حسنہ کہا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ علماً کا اتفاق ہے اس بات پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کرنا بڑی سے بڑی بدعت حسنہ سے افضل ہے، حتیٰ کہ استنجاخانہ میں جاتے ہوئے بایاں قدم پہلے رکھنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے استنجاخانہ میں جاؤ تو بایاں قدم پہلے رکھو اور جب نکلو تو دایاں قدم پہلے نکالو۔ مسجد میں آؤ تو دایاں قدم پہلے داخل کرو اور باہر جاؤ تو بایاں قدم پہلے نکالو۔ گھر میں آؤ تو دایاں قدم پہلے رکھو اور گھر سے نکلو تو بایاں قدم پہلے نکالو۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیت الخلاء میں اتباع سنت کی نیت سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی نیت سے بایاں قدم استنجاخانہ میں پہلے رکھنا یہ مدارس کے بنانے سے افضل ہے۔

تربیت میں نبی بمنزلہ باپ کے ہے:

تو میں گفتگو اس پر کر رہا تھا کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہر چیز ہمیں سکھائی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

''اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ ....''

(ابوداؤد ج:۱ ص:۳)

ترجمہ:......''میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیٹے کے

لئے باپ ہوتا ہے۔"

نادان بچے کو باپ ہر چیز سکھاتا ہے کہ بیٹا ایسے کیا کرتے ہیں، ایسے کیا کرتے ہیں، نہایت شفقت کے ساتھ، نہایت محبت کے ساتھ اس کو سکھاتا ہے، آداب کی تعلیم اس کو دیتا ہے، فرمایا: میں تمہارے لئے بمنزل باپ کے ہوں۔ زندگی کی تمام چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہیں، اور سکھائی بھی نہایت شفیقانہ انداز سے، جس طرح کہ باپ بیٹے کو سکھاتا ہے، صرف نماز، روزہ نہیں، بلکہ شریعت کے تمام آداب، زندگی کے تمام آداب، کھانے کے آداب، پینے کے آداب، لیٹنے اور چلنے پھرنے کے آداب، نہایت شفیقانہ انداز کے ساتھ ہمیں سکھائے، جیسے باپ اپنے بیٹے کو سکھاتا ہے، تو صرف نماز، روزہ نہیں، بلکہ شریعت کے تمام آداب، زندگی کے تمام آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے ہیں، سعادت مند ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادب سیکھیں اور بہت ہی بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کو اتنا بڑا معلّم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہو اور وہ اس سے استفادہ نہ کریں، مغرب کی طرف دیکھتے ہیں، یورپ کی طرف دیکھتے ہیں۔

ایک کفن چور کا عجیب قصہ:

ایک کفن چور کہنے لگا: حضرت جی! میں کیا بتاؤں، عجیب بات تو یہ دیکھی کہ مسلمان مردوں کو دفن کر کے آتے ہیں اور منہ قبلہ کی طرف کر کے آتے ہیں، لیکن جب میں کفن چرانے کے لئے جاتا تھا تو سب کا منہ قبلے کی طرف سے ہٹا ہوا ہوتا تھا، سوائے چند افراد کے، میں نے سب کا منہ قبلے سے ہٹا ہوا پایا اور مجھے اس پر بڑا تعجب ہوا کہ منہ ہٹ کیسے جاتا ہے؟ اور کیوں ہٹ جاتا ہے؟

قبر میں قبلہ سے منہ ہٹ جانے کا سبب؟

وہ بزرگ فرمانے لگے کہ بھائی! بالکل ہٹنا چاہئے، اس لئے کہ زندگی کا قبلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، تمہاری زندگی کا قبلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، قبر میں منہ قبلے کی طرف ان لوگوں کا رہتا ہے جن کا منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف ہو اور جن لوگوں نے قبلہ اپنا بنالیا ہو، کسی نے روس والوں کو قبلہ بنالیا، ان کا جھنڈہ لے کر پھرتے ہیں، کسی نے مغرب کو اپنا قبلہ بنالیا ان کی سنتوں پر عمل کر رہے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ قبر میں ان کا منہ قبلہ کی طرف رہے، انہوں نے زندگی بھر منہ قبلہ کی طرف نہیں کیا تو مرنے کے بعد ان کا منہ قبلے کی طرف کیسے رہے گا؟ العیاذ باللہ!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنا قبلہ بناؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اخلاق کی، جن اعمال کی، جن آداب کی ہدایت فرمائی ہے، تعلیم فرمائی ہے ان کو اپناؤ، اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قلوب
کی
اقسام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

الف:......"عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَلْقُلُوْبُ اَرْبَعَةٌ: قَلْبٌ اَغْلَفُ فَذَالِکَ قَلْبُ الْکَافِرِ، وَقَلْبٌ مَصَفَّحٌ فَذَالِکَ قَلْبُ الْمُنَافِقِ، وَقَلْبٌ اَجْرَدُ فِیْهِ سِرَاجٌ یَزْهَرُ فَذَاکَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ، وَقَلْبٌ فِیْهِ نِفَاقٌ وَاِیْمَانٌ، فَمَثَلُ الْاِیْمَانِ کَمَثَلِ شَجَرَةٍ یَمُدُّهَا مَاءٌ طَیِّبٌ، وَمَثَلُ النِّفَاقِ مَثَلُ قَرْحَةٍ یَمُدُّهَا قَیْحٌ وَدَمٌ فَاَیُّهُمَا غَلَبَ عَلَیْهِ غَلَبَ." (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۷۶)

ب:......"عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ الْفِتْنَةَ تُعَرَّضُ عَلَی الْقُلُوْبِ، فَاَیُّ قَلْبٍ اَشْرَبَهَا نُکِتَتْ فِیْهِ نُکْتَةٌ سَوْدَآءُ، فَاِنْ اَنْکَرَهَا نُکِتَتْ فِیْهِ نُکْتَةٌ بَیْضَاءُ، فَمَنْ اَحَبَّ مِنْکُمْ اَنْ یَّعْلَمَ اَصَابَتْهُ الْفِتْنَةُ اَمْ لَا؟ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ کَانَ یَرٰی حَرَامًا کَانَ یَرَاهُ حَلَالًا، اَوْ یَرٰی حَلَالًا مَا کَانَ یَرَاهُ

حَرَامًا فَقَدْ اَصَابَتْهُ الْفِتْنَةُ.“ (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۷۲)

ج:......”عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَالْفِتَنَ! لَا یَشْخَصُ اِلَیْهَا اَحَدٌ فَوَاللهِ! مَا شَخَصَ فِیْهَا اَحَدٌ اِلَّا نَسَفَتْهُ کَمَا یَنْسِفُ السَّیْلُ الدِّمَنَ انها مُشْبِهَةٌ مُقْبِلَةٌ حَتّٰی یَقُوْلُ الْجَاهِلُ هٰذِهٖ تَشَبُّهٌ وَتَبَیَّنٌ مُدْبِرَةٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهَا فَاجْثِمُوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَکَسِّرُوْا سُیُوْفَکُمْ وَقَطِّعُوْا اَوْتَارَکُمْ.“ (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۷۳)

الف:......ترجمہ:......”امام ابونعیمؒ نے حلیۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: قلوب چار قسم کے ہیں:

۱:......بعض دل تو وہ ہیں جو پردہ میں لپٹے ہوئے ہیں، یہ کافر کا دل ہے۔

۲:......اور ایک دل وہ ہے جو کہ دو رُخ پر ہے، یہ منافقت کا دل ہے۔

۳:......اور ایک دل ہے جو برہنہ ہے، اس میں چراغ ہے تو جل رہا ہے، یہ موٴمن کا دل ہے۔

۴:......اور ایک قلب وہ ہے جس میں نفاق بھی ہے اور ایمان بھی ہے۔

ایمان کی مثال تو اس درخت جیسی ہے جس کو عمدہ پانی پہنچتا ہے، اور نفاق کی مثال اس پنچھی کی ہے کہ اس کو پیپ اور لہو پہنچتا ہے، ان میں سے جو غالب آجائے گا، پس وہ غالب آجائے گا۔“

ب:......ترجمہ:......''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ فتنے قلوب کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، بس جس دل نے اس کو جذب کرلیا اس میں سیاہ نکتہ لگادیا جائے گا اور اگر اس نے انکار کردیا تو سفید نکتہ لگادیا جائے گا۔ اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ یہ جان لے کہ اس کو فتنہ پہنچا ہے یا نہیں؟ وہ یہ دیکھ لے کہ اگر وہ کسی حلال چیز کو حرام دیکھے، جس کو پہلے وہ حرام نہیں سمجھتا تھا، یا کسی حرام کو حلال دیکھے جس کو وہ حلال نہیں سمجھتا تھا تو سمجھے کہ اس کو فتنہ پہنچ چکا ہے۔''

ج:......ترجمہ:......''امام ابونعیمؒ نے حلیہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: فتنوں سے بچا کرو، کوئی شخص فتنوں کی طرف نہ جائے، پس اللہ کی قسم! جو شخص ان میں کھڑا ہوگا اس کو اسی طرح اڑادیں گے جیسے کہ سیلاب نرم زمین کو اڑادیتا ہے، ان کا پتا نہیں چلتا، جاہل آدمی کہتا ہے کہ یہ (فتنے) واپس جارہے ہیں، حالانکہ وہ واپس نہیں جارہے ہوتے، بلکہ وہ آرہے ہوتے ہیں، اور جب تم ان کو دیکھوتو اپنے گھروں میں جم کے بیٹھ جاؤ، اپنی تلواریں توڑدو اور کمانوں کے تانت کاٹ دو۔''

یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ارشادات تھے۔ پہلے فقرہ میں یا پہلی روایت میں فرمایا کہ: قلوب کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ دل ہیں جو پردہ میں لپٹے ہوئے ہیں، یہ کافر کا دل ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کا قول نقل کیا ہے کہ:

''وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللهُ بِكُفْرِهِمْ.''

(البقرہ:۸۸)

ترجمہ:...... ”اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں، نہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ہے، ان کے کفر کی وجہ سے۔“

یہود کے دل غلاف صلابت میں ہیں:

بھائی! یہود جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمیں جتنا چاہو سمجھاتے رہو، ہم پر تمہارے وعظ و نصیحت کا اثر نہ ہوگا، ہمارے دل پردے میں ہیں، یہود یہ بات فخریہ کہا کرتے تھے کہ تمہارا وعظ و نصیحت کرنا ہم پر اثر انداز نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: نہیں بلکہ اللہ نے ان کے اس کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ہے، ان کو کتنا ہی سمجھاؤ، مگر وہ نہ سمجھیں گے، جیسا کہ ایک چیز پردہ میں محفوظ ہوتی ہے اس پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح کافر کا دل بھی پردہ میں ہے جو متاثر نہیں ہوتا، ورنہ آدمی کسی وقت کچھ تو سوچتا ہے کہ بھائی یہ جو بات کہہ رہا ہے، آیا یہ صحیح بھی ہے یا غلط ہے؟ غلط و صحیح کی تحقیق کرتا ہے، اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا ہے۔

مرزائی اس پر فخر کیا کرتے ہیں کہ ہمارے آدمی بڑے پکے ہیں، ان پر اثر نہیں ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جی ہاں! واقعی بڑے پکے ہیں، ان پر اثر ہی نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ صلاحیت ہی موقوف ہوچکی ہے، ممکن ہی نہیں کہ اثر ہو۔

منافق دورُخا ہوتا ہے:

دوسری قسم جو دو رُخہ دل ہوتا ہے، کبھی اِدھر کو ہوگیا، کبھی اُدھر کو ہوگیا، یہ منافق کا دل ہے، اس بے چارے کو رسّی ہاتھ میں نہیں آئی، جو جی میں اچھا لگا، اس کے پیچھے چل پڑا، اور جو چیز مطلب کے مطابق ہوئی، اس کو اختیار کرلیا۔

مسلمان کا دل صاف اور ننگا ہوتا ہے:

تیسرا دل اجرد ہے، بے لباس، بالکل ننگا اور اس میں چراغ چمک رہا ہے، یہ مؤمن کا دل ہے۔

خواب میں ننگا دیکھنا:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے کسی شخص نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ بالکل ننگے ہیں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے، اس لئے کہ کسی شخص کا ننگا ہونا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمام آلات اس کے ختم ہوگئے۔ تنہا، مجرد۔

مجھے بھی بہت سے آدمیوں نے خط لکھا کہ آپ کو بالکل ننگا دیکھا، میں نے کہا کہ اللہ نصیب فرمائے، یہ دولت ہمیں نصیب ہوجائے تو پھر کیا بات ہے۔ یہ لباس تو ہم نے مخلوق سے چھپانے کے لئے پہنا ہوا ہے، ورنہ ماں کے پیٹ سے تو بچہ ننگا ہی پیدا ہوتا ہے، اور قبر میں جاتا ہے تو حیاء کے طور پر اس کو کپڑوں میں لپیٹ دیتے ہیں، ورنہ اندر ننگا ہی ہوتا ہے، تو مؤمن کے دل کی خصوصیت یہ ہے کہ بالکل اجرد، سامنے کوئی پردہ نہیں ہے، تمام مسائل اس کے سامنے عکس پذیر ہوتے ہیں، ہر چیز اپنی اصلی حالت میں اس کے سامنے آتی ہے، سیاہ ہے تو سیاہ نظر آئے گا، سفید ہے تو سفید نظر آئے گا، اچھا ہے تو اچھا نظر آئے گا اور برا ہے تو برا نظر آئے گا، ایک تو اس کی یہ خصوصیت، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ: ''فِیْهِ سِرَاجٌ یَذْهَرُ'' اس میں ایک چراغ ہوتا ہے چمکتا ہوا، جس طرح کہ آفتاب چمک رہا ہے، لطف یہ ہے کہ اس کا رخ نہیں، کوئی رخ نہیں آفتاب کا کہ فلاں طرف اس کا منہ ہے اور فلاں طرف اس کی پیٹھ ہے، چمک رہا ہے اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''سِرَاجًا مُنِیْرًا'' فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال آفتاب کی ہے،

ہر طرف روشنی ہی روشنی آرہی ہے، یہ نہیں کہ اس طرف منہ ہے تو اسی طرف روشنی جائے، اس طرف روشنی نہ جائے۔ نہیں، یہ نہیں، بلکہ حضور علیہ السلام کا آفتاب نبوت ہر طرف چمک رہا ہے، اور یہ ہی مثال ہے قلب مؤمن کی کہ مؤمن کے قلب میں ایک چراغ ہوتا ہے چمکتا ہوا، ہر طرف چمکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ دولت نصیب فرمائے، آمین! اس لئے کہ اس چراغ سے سیاہ سیاہ نظر آنے لگتا ہے اور سفید سفید نظر آتا ہے، ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں نظر آتی ہے، اور یہ بہت بڑی دولت ہے۔

ایمان و نفاق ملا دل:

اور ایک قلب وہ ہے کہ اس میں ایمان بھی ہے، نفاق بھی ہے، کبھی ایمان پر آجاتا ہے، کبھی نفاق پر، خالص نہیں۔ پہلا خالص کافر تھا، دوسرا خالص منافق تھا، تیسرا خالص مؤمن تھا اور یہ چوتھا ہے کہ اس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی ہے، کبھی وہ غالب آجاتا ہے اور کبھی وہ، اس میں جو ایمان ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک درخت ہے، فرض کرو انار کا درخت ہے، بہت عمدہ پانی، آب و ہوا اور اچھی زمین اس کی مدد کرتی ہے، اس لئے اس پر پھل آتا ہے، لیکن ساتھ کے ساتھ کیڑا بھی لگ جاتا ہے، نفاق کی وجہ سے اس کی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ گویا اس میں پھوڑا ہو، اس سے پیپ اور کچ لہو بہتا رہتا ہے، بس ان میں سے جو چیز غالب آجائے گی، وہ اپنا اثر کر ڈالے گی، اگر ایسا دل ہے جس میں ایمان بھی ہے، نفاق بھی ہے تو اگر ایمان غالب آگیا اور اللہ کرے اس پر خاتمہ ہوگیا تو بیڑا پار اور اگر نفاق کا غلبہ ہوا تو اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔

دوسری حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتنے قلوب پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی:

"تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عَوْدًا عَوْدًا فَاَیُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَاَیُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ ..... الخ." (مسلم ج:۱ ص:۸۲)

ترجمہ:..... "فتنے قلوب کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، جیسا کہ چٹائی پر ایک ایک تنکا پیش کیا جاتا ہے (چٹائی بنتے ہوئے یا کپڑا بنتے ہوئے ایک ایک تان ایک ایک تار اس میں لگائی جاتی ہے، بوریا بنتے ہیں تو اس میں ایک ایک تان لگائی جاتی ہے اور چٹائی بنتے ہیں تو چٹائی کے اندر بھی ایک ایک تنکا لگایا جاتا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ فتنوں کی لائن میں سے ایک ایک فتنہ دلوں پر پیش کیا جاتا ہے کہ اس کو قبول کرتے ہو کہ نہیں) اب دو قسموں کے دل ہوں گے، پس جو دل ایسا ہو کہ اس نے ان فتنوں کو قبول کرلیا اور وہ اس کے اندر رچ بس گئے، اس میں ایک سیاہ نکتہ لگادیا جاتا ہے، جس دل نے اس کا انکار کردیا اس میں ایک سفید لکیر لگادی جاتی ہے، یہاں تک کہ تمام دل دو حصوں پر تقسیم ہوجاتے ہیں، ایک سفید لکیر لگتی گئی تو سفید ہوگیا، دل ابیض (سفید سنگ مرمر کی طرح) اور دوسری اسود (کالا بھجنگ کوے کی طرح سیاہ) اس میں ہدایت کی کوئی بات نہیں آتی سوائے اس کے جو اس کے قلب میں پہلے سے موجود ہو۔"

پہلی مثال مؤمن دل کی ہے، اس میں سوائے نیکی اور اچھائی کے کوئی چیز اثر نہیں کرتی، اور دوسری مثال ہے سیاہ دل کی کہ سوائے گندگی اور برائی کے کوئی چیز اس

کے اندر اثر نہیں کرتی، اس حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: فتنے دلوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو اب قلوب ان فتنوں کو قبول کریں گے یا ان کا انکار کردیں گے، جس دل نے ان فتنوں کو قبول کرلیا، اس میں سیاہ لکیر ڈال دی جائے گی اور جس دل نے ان فتنوں کو قبول نہیں کیا، ان کا انکار کیا، ان میں ہر فتنہ کے مقابلہ میں ایک سفید دھاری ڈال دی جائے گی، اس کا نتیجہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا، یہاں تک کہ دو قسمیں ہوجائیں گی، سیاہ و سفید۔

دل کے فتنہ قبول کرنے کی علامت:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ فرماکر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ دیکھنا چاہے کہ آیا اس کے دل نے فتنوں کو قبول کیا ہے یا نہیں؟ اس کا ایک طریقہ بتادیتے ہیں، (بڑا خوفناک ہے، ڈرنے کی چیز ہے) وہ یہ دیکھ لے کہ پہلے ایک چیز حلال سمجھتا تھا، اب اس کو حرام سمجھنے لگا، پہلے ایک چیز کو حرام سمجھتا تھا اور اب حلال سمجھنے لگا، یہ علامت ہے اس بات کی کہ فتنہ اس کے دل کے اندر گھس گیا ہے، اپنے کو تو یہ بات سمجھ میں نہ آئی، اپنے کو تو کوئی پلے نہیں پڑا کہ پہلے ایک چیز کو حلال سمجھتا تھا اور اب حرام سمجھنے لگا یا پہلے ایک چیز کو حرام سمجھتا تھا، اب حلال سمجھنے لگا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنے لگا، یہ علامت ہے ماؤف دل کی۔

دل میں فتنہ کی مثالیں:

اس کی مثال میں بیان کرتا ہوں، میرے شیخ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: جوانی کے زمانے میں جن گناہوں کا وسوسہ تک نہیں آتا تھا، اب دل میں ان کا تصور آتا ہے۔

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ تھا، اس کی ایک ملاح (کشتی بان) کے ساتھ دوستی تھی، وہ بادشاہ فوت ہوگیا، اس کا لڑکا تخت پر

بیٹھا، اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے، بعض ایسے کام کئے جو اس کے باپ نے بھی نہیں کئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد اپنے باپ کے دوست بوڑھے ملاح کو کہتا ہے کہ: آپ بتلائیں میرا زمانہ اچھا ہے یا میرے باپ کا زمانہ اچھا تھا؟ ملاح کہنے لگا: حضور! میں کیا کہہ سکتا ہوں، تمہارا زمانہ اچھا ہے یا تمہارے باپ کا زمانہ اچھا تھا، لیکن ایک بات بتلادیتا ہوں، اسی سے آپ اندازہ کرلینا کہ کون سا زمانہ اچھا تھا؟

رات کے وقت میری کشتی میں ایک مسافر سوار ہوا تھا اور لوگ بھی ہوں گے، وہ مسافر اپنی ہمیانی بھول گیا یعنی روپیہ کی پیٹی، لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور وہ ہمیانی میری کشتی میں پڑی رہی، میں نے اس کو کندھے پر ڈالا، گھر لاکر اپنی ایک کوٹھری میں رکھ دیا، (ہمارے دیہات میں کچی دیواروں کی ایک کوٹھی ہوتی ہے یعنی چھوٹا سا بنایا ہوا حجرہ اس میں لوگ چیزیں رکھ دیتے ہیں)، کوئی ایک سال کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ: یار میں تمہاری کشتی میں ایک پیٹی بھول گیا تھا، میں نے کہا کہ وہ موجود ہے، میں اس کو گھر لے آیا اور بچوں سے کہا کہ وہ نکالو، کہاں ہے؟ وہ مٹی کے پیچھے پھینکی ہوئی تھی، اس طرح وہ نکالی تو کچھ اس پر جالے والے لگے ہوئے تھے، وہ تھیلی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی، میں نے کہا کہ دیکھ لیجئے کہ یہ آپ ہی کی ہے؟ اس نے کہا کہ: ہاں میری ہے، اس میں کوئی ہزار روپیہ تھا یا کتنا تھا، نکال کر مجھے اس نے دس روپے یا بیس روپے یا سو روپے دینا چاہا، میں نے کہا کہ شرم کرنی چاہئے، اگر مجھے اس کے پیسے لینے ہوتے تو کیا میں اس کو سنبھال کر رکھتا؟ ٹھکانے نہ لگادیتا، ہرچند اس نے پیسے دینے کی کوشش کی، لیکن میں نے قبول نہیں کیا، یہ تو تمہارے باپ کا زمانہ تھا، اب تمہارا زمانہ آیا تو مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ تجھ سے زیادہ بڑا بے وقوف کون ہوگا، وہ مسافر سال کے بعد اپنی ہمیانی لینے کے لئے آیا تھا، کوئی اس کے پاس گواہ نہیں تھا، کوئی اس نے شناخت اور پہچان نہیں بتائی تھی، اس نے تو کہا کہ میں پیٹی بھول گیا ہوں، تم نے کہا کہ ہاں موجود ہے، تم انکار کردیتے اور پیسہ خود رکھ لیتے،

پھر اس زمانہ میں وہ مجھے پیسے دینا چاہتا تھا، میں نے نہیں لئے اور اب تمہارا دور جو آیا ہے، حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون آدمی تھا کون نہیں تھا؟ اس کی رقم کتنی تھی؟ لیکن میرے دل میں اب یہ وسوسہ آتا ہے، اب تم بہتر جانو کہ تمہارے باپ کا زمانہ اچھا تھا یا تمہارا زمانہ اچھا ہے؟

یہ میں نے دو مثالیں آپ کو بتادی ہیں، خود ہمارے ساتھ بھی یہ قصے پیش آئے ہیں، اب تو قبر کی تیاری ہے، لیکن پہلے بہت سی چیزوں سے بچتے تھے، لیکن اب ان کو کرتے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ حرام کا ارتکاب نہیں کرتے، وساوس کے درجہ میں یہ چیزیں ہیں، لیکن مقام شکر ہے کہ حرام کا ارتکاب نہیں کرتے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ اس کا دل فتنوں میں مبتلا ہوا ہے یا نہیں؟ وہ یہ دیکھ لے کہ پہلے ایک چیز کو حلال سمجھتا تھا، اب حرام سمجھنے لگا ہے یا پہلے ایک چیز کو حرام سمجھتا تھا، اب اس کو حلال سمجھنے لگا ہے، شریعت کے خلاف، تو سمجھے کہ یہ شخص مبتلا فتنہ ہو چکا ہے۔

آدمی بدلتا رہتا ہے:

آدمی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اس میں تبدیلی آتی رہتی ہے، یہ گھڑی چلتی ہے ناں! جس طرح ہمہ دم رفتار میں رہتی ہے، اسی طرح آدمی کا دل بھی بدلتا رہتا ہے، لیکن اگر اس کی رفتار ہمیشہ کفر پر رہی، ایمان پر نہیں آئی تو پھر اس کا انجام تمہیں معلوم ہے، اور اگر ایمان پر اس کی رفتار رہی کفر پر نہیں گئی تو اس کا انجام بھی معلوم ہے۔

اپنے جائزہ کی ضرورت:

ایک آدمی نے بیس سال تک زندگی گزاری، کبھی اللہ کے بندے سوچ کر تو دیکھ لیتے کہ میری حالت میں کچھ تغیر بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ اتنا عرصہ بزرگوں کی

خدمت میں بیٹھا ہوں، ان کی شکلیں دیکھی ہیں، ان کے چہرے پر نظر ڈالی ہے، میں نے ان سے کچھ جذب بھی کیا ہے یا نہیں؟ اخذ بھی کیا ہے یا نہیں؟ یا میری حالت وہی ہے۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دیکھو تو سہی تمہارے دلوں پر فتنوں نے اثر کیا ہے، سیاہ لکیریں لگادی ہیں یا سفید لکیریں لگادی ہیں؟

فتنوں سے بچنے کی ضرورت:

تیسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ فتنوں سے بچنے کی کوشش کرو، فتنوں کا زمانہ ہے اور یہ فتنوں کا دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد شروع ہوگیا۔ میں نے گزشتہ خطبہ میں عرض کیا تھا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ فتنوں کا یہ بند جو تم کہتے ہو یہ توڑ دیا جائے گا؟ یا دروازہ کھول دیا جائے گا؟ تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تھا کہ امیر المؤمنین! دروازہ نہیں کھولا جائے گا، بلکہ بند توڑ دیا جائے گا، اس پر آپؓ نے فرمایا تھا کہ: انا للہ وانا الیہ راجعون! اگر دروازہ کھول دیا جاتا تو زور زبردستی کے ساتھ اس کو بند کیا جاسکتا تھا، زیادہ لوگ زور لگاتے، لیکن اب جب توڑ ہی دیا گیا تو اس کی مرمت کون کرے گا؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص فتنوں کو دیکھ کر ان کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑا نہ ہو، بچنے کی کوشش کرے۔

فتنے بہالے جائیں گے:

ہمارے نوجوان اور نئی فوج یہ کہتی ہے کہ جی حرج کیا ہے؟ یہ چیزیں پڑھنی چاہئیں، کافر کی لکھی ہوئی ہیں، منافق کی لکھی ہوئی ہیں، بے ایمان کی لکھی ہوئی ہیں، کس کی لکھی ہوئی ہیں پرواہ نہیں، اور صحیح ہے یا غلط ہے؟ اچھا ہے یا برا ہے؟ اس کی پرواہ ہی نہیں، اپنے دل کی حفاظت کرنے کے لئے کوئی اہتمام نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو

شخص ان فتنوں کو دیکھ کر کھڑا ہو جائے گا، وہ فتنے اس آدمی کو اس طرح اڑا کر لے جائیں گے، جس طرح کہ نرم زمین کو سیلاب بہا کر لے جاتا ہے، کچی زمین ہوتی ناں! اس مٹی کو سیلاب بہالے جاتا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنے جارہے ہیں، دور جارہے ہیں، حالانکہ دور نہیں جارہے، بلکہ آرہے ہیں، جاہل سمجھتا ہے، فتنہ ٹل گیا، فتنہ ٹل نہیں گیا بلکہ فتنہ آکر دبوچ رہا ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خدانخواستہ ان فتنوں کی لپیٹ میں آجائے تو یوں کرے کہ اپنے گھر میں بیٹھ جائے، کنڈا بند کردے، پتھر مار کر تلوار کی دھار کو توڑ ڈالے اور کمان کی تان توڑ دے، مطلب یہ ہے کہ جتنا اسلحہ اس کے پاس ہے، جس کے ساتھ دوسرے کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے توڑ دے۔

اسلحہ مسلمانوں کے بجائے کافروں کے لئے ہو:

ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ لائسنس لے لے، نیا اسلحہ خرید لے، اسلحہ کے مقابلہ میں اسلحہ، ٹھیک ہے بھائی اگر اس طرح تم اپنی حفاظت کرسکتے ہو تو کرو، لیکن میرے جیسا آدمی جو بے چارا اٹھ نہیں سکتا، وہ دوسرے کو اپنے ہتھیار سے نقصان کیا پہنچائے گا، ریوالور بھی رکھ لیا اور جواب گنیں وغیں چلی ہوئی ہیں وہ بھی رکھ لیں، لیکن نتیجہ؟ اگر تمہارے ہاتھ پاؤں چلتے ہوں گے، تو لوگوں کو نقصان پہنچاؤ گے، اور اگر تمہارے ہاتھ پاؤں نہیں چلتے تو خود نقصان اٹھاؤ گے، یہ اسلحہ تو کافروں کے مارنے کے لئے ہوتا ہے بھائی! مسلمانوں کے مارنے کے لئے نہیں ہوتا، اب کافروں سے تو تم نے نجات پالی ہے، کیونکہ اب ہم کافروں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے، مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اسی لئے پچاس سال پہلے پاکستان بنایا تھا نا، سولہ یا سترہ سال تو اس وقت میری عمر تھی، اسی لئے پاکستان تم نے بنایا تھا کہ کافروں کے ساتھ ہم نہیں رہنا چاہتے، لیکن اسلحہ کی ضرورت اب کاہے کی پیش آرہی ہے؟ تو بہتر نہیں تھا

کہ تم وہیں رہتے، بتلاؤ؟ اب تمہارے گھروں میں اسلحہ کے انبار لگے ہوئے ہیں اور تم نے انسانیت کے امن کو برباد کرڈالا ہے، کہلاتے ہو مسلمان! اور قتل کرتے ہو مسلمان کو، اس کے بجائے اگر خود مرجاؤ، تو اچھا ہے برا تو نہیں ہے بھائی۔

دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کے بجائے خود قتل ہوجانا افضل ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

".....فَاِنْ دَخَلَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ اِبْنَیْ آدَمَ." (مشکوۃ ص:۴۶۴)

ایک صحابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ! صاحب فتنہ، یعنی کوئی فتنہ والا آدمی مجھے قتل کرنا چاہے تو میں تو اس کو قتل نہیں کروں گا، لیکن اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہے؟ تو فرمایا آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے بہتر بیٹے جیسا ہوجا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، قابیل اور ہابیل۔ قابیل قاتل تھا اور ہابیل مقتول، ہابیل نے کہا تھا: بھائی میں نہیں مارتا تم کو اور تمہاری مرضی، قتل کردو مجھے۔ قتل ہوجاؤ گے، تو اللہ کے پاس پہنچ جاؤ گے، ویسے بھی پہنچنا ہی ہے ناں! ایک دو دن آگے یا پیچھے، فساد کا علاج فساد سے نہیں ہوتا، میں پہلے بھی اس کو ذکر کرچکا ہوں، فساد کا علاج اصلاح سے ہوتا ہے اسی پر ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

جھگڑے کے اسباب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صوفیا کے اخلاق میں سے ہے کہ لڑائی جھگڑے کا ترک کردینا اور غصے کو چھوڑ دینا مگر حق کے ساتھ، نرمی اور بردباری کو اختیار کرنا اور اس پر اعتماد کرنا۔

لڑائی سے نفسانیت ظاہر ہوتی ہے:

فرماتے ہیں: وجہ اس کی یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے میں آدمی کی نفسانیت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ لڑائی جھگڑے کے موقع پر دو فریقوں میں سے ہر فریق کا منشا، مدعا اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے پر غالب آجائے، لڑائی میں ہار ماننے کو کسی کا جی نہیں چاہے گا، جب لڑائی ہو اور ایک فریق یہ چاہے کہ میں اس لڑائی میں ہار جاؤں، یہ کبھی کوئی نہیں چاہے گا، بلکہ دونوں فریق یہ چاہیں گے کہ میں غالب آجاؤں۔ تو لڑائی اور جھگڑے میں نفس کو نمایاں ہونے کا موقع ملتا ہے اور اللہ کے نیک بندوں کا یہ طریق ہے کہ جب نفس سر اٹھاتا ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں، نفس جو کہتا ہے یہ اللہ کے بندے اس کے الٹ کرتے ہیں، نفس کہتا ہے کہ میں ہار نہیں مانوں گا، وہ کہتے ہیں کہ

ہم تم کو ہرا کر چھوڑیں گے، جب ایک فریق چپ کر جاتا ہے تو لڑائی مٹ جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے۔

جھگڑے کے اسباب بغض و کینہ:

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''یہ لڑائی اور جھگڑے کا وصف نہیں مٹتا، مگر انہی نفوس سے جو کہ بغض اور کینہ سے پاک ہوں۔'' مطلب یہ ہے کہ لڑائی جھگڑا پیدا ہوتا ہے کینہ سے، دو آدمیوں کے درمیان لڑائی اور جھگڑا اس وقت ہوگا جبکہ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت، ایک دوسرے کی دشمنی اور ایک دوسرے سے کینہ ہو، جن دلوں کے درمیان الفت اور محبت ہو، ان کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا اور یہ چیز پیدا ہوتی ہے یعنی غصے کا آنا، کینہ کا پیدا ہونا منافست کی وجہ سے۔

کینہ کا سبب:

دنیا کی کسی چیز کو اچھا اور نفیس سمجھ کر دو آدمی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ مجھے ملنی چاہئے، دوسرا کہتا ہے کہ مجھے ملنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو ملے گی، وہ دونوں کو تو نہیں مل سکتی، اب جس کو یہ ملے گی اس کے دل میں تو کبر پیدا ہوگا کہ شاید میں بڑا آدمی بن گیا ہوں کہ یہ چیز مجھے مل گئی ہے اور جس کو نہیں ملی، اس کے دل میں کینہ پیدا ہوگا۔

کینہ کا علاج:

تو معلوم ہوا کہ کینہ دل سے نہیں مٹ سکتا جب تک کہ منافست نہ چھوڑ دی جائے، یعنی دنیا کی چیزوں کے لئے ایک دوسرے سے بڑھنا، ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا، یعنی دل کا تزکیہ ہو جائے گا، جب دنیا کی حقارت اور ذلت کا مضمون دل میں پیدا ہو جائے، آخرت کی عظمت دل میں آجائے اور حق تعالیٰ شانہ کا تعلق پیدا ہو جائے تو کینہ مٹ جائے گا، دلوں کے اندر الفت پیدا ہو جائے گی تو لڑائی

جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

جھگڑا چھوڑنے پر انعام:

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسْطِ الْجَنَّةِ.... الخ.“ (مشکوٰۃ ص:۴۱۲)

ترجمہ:...... ”جس شخص نے حق پر ہوتے ہوئے لڑائی جھگڑے کو چھوڑ دیا (دو آدمیوں کے درمیان مقدمہ چل رہا تھا یا جھگڑا چل رہا تھا، بحث چل رہی تھی، ایک ان میں سے حق پر تھا، دوسرا ناحق پر تھا، ایک نے باوجود حق پر ہونے کے جھگڑا چھوڑ دیا کہ چلو بھائی! میں ہارا تم جیتے معاملہ ختم) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے درمیان میں محل عطا فرمائیں گے، اور جس شخص نے ناحق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت کے طرف یعنی کنارے میں محل عطا فرمائیں گے۔ (حالانکہ اس کو تو چھوڑنا ہی چاہئے تھا ناں! جب ناحق پر تھا تو چھوڑنا ہی چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ اس کو بھی انعام عطا فرمائیں گے)۔“

مگر یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جب دو آدمی جھگڑ رہے ہوں اور ان کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہو تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر آدمی جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں یا حق پر نہیں ہوں؟ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہوتی ہے، بہت سے لوگ باوجود ناحق پر ہونے کے جھگڑا کرتے ہیں، مقدمہ تک کر دیتے ہیں اور مقدمہ میں

جیت بھی جاتے ہیں۔

ناحق مقدمہ بازی کا قصہ:

میرے ایک دوست بتا رہے تھے کہ میرے ایک عزیز تھے، (انہوں نے آتے ہوئے مجھے وہ دوکان بھی بتائی، کہنے لگے کہ یہ جگہ ہے)، انہوں نے چالیس ہزار کی دوکان خریدی تھی، ساٹھ ہزار اس کے اوپر لگادیا، ان کا انتقال ہوگیا تو اس دوکان کے پیچھے ایک چارپائی کی چھوٹی سی جگہ تھی، وہاں ایک ملنگ سا پڑا رہتا تھا، اس کو کسی نے اکسایا، اور شاید پیسے ویسے بھی دیئے ہوں گے کہ تم مقدمہ کردو کہ یہ جگہ میری ہے، اس نے مقدمہ کردیا اور مقدمہ جیت گیا، دوسرے فریق نے اپیل کی، ہائی کورٹ تک پہنچا، ہائی کورٹ میں بھی جیت گیا، جب وہ مرگیا تو اس کا کوئی وارث نہیں تھا، مگر اس کے دور کے وارث جاگ اٹھے، وہ مدعی بن گئے، انہوں نے مجھے یہ عجیب و غریب لطیفہ سنایا تھا۔ اور عجیب بات یہ کہ کسی اور کے مکان کا نمبر دے کر کے انہوں نے اس پر مقدمہ کیا، اب جب بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو اس کا نمبر ہی نہیں جس دکان پر جھگڑا چل رہا تھا، تو اس قسم کی بہت ساری صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

ہماری عدالتوں میں جتنے مقدمے چل رہے ہیں، خصوصاً دیوانی مقدمات، ان میں سے اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے ساٹھ فیصد لوگ ایسے ہیں کہ جانتے ہیں کہ میں جھوٹا ہوں، مقدمے کا ایک فریق جانتا ہے کہ میں غلط ہوں۔

حرص و ہواٗ - جھگڑے کا سبب:

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صاحب کو قاضی بنادیا گیا، یعنی جج بنادیا گیا، دوست احباب آکر اس کو مبارک باد دینے لگے، تو ایک دوست جب ان کو مبارک باد دینے کے لئے آئے تو وہ بیٹھا رو رہا تھا، کہنے لگے: یار! ہم تو تمہیں مبارکباد دینے آئے ہیں اور تم رو رہے ہو، رونے کی کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ: رونے

کی بات یہ ہے میں سوچ میں ہوں کہ دو فریق میرے پاس مقدمہ لے کر آتے ہیں، وہ خود صاحب واقعہ ہیں، جو واقعہ گزرا ہوگا وہ ان کے علم میں ہے، ان میں سے ہر فریق یہ بھی جانتا ہے کہ میں کتنا حق پر ہوں، کتنا باطل پر ہوں؟ اس کے باوجود وہ دونوں اپنا تصفیہ نہیں کر سکتے، تو میں ایک اجنبی آدمی ہوں، مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا واقعہ ہے، کیا واقعہ نہیں ہے؟ میں اس قصے کا تصفیہ کیسے کروں گا؟ جب خود صاحبِ واقعہ اس کا تصفیہ نہیں کر سکے تو قاضی اور جج بے چارہ جس کے علم میں کوئی چیز نہیں ہے، وہ اس کی تہہ تک کیسے پہنچے گا؟ حق کو باطل سے کیسے پہچانے گا؟ ظالم اور مظلوم کے درمیان امتیاز کیسے کرے گا؟ اس سوچ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ وہ کہنے لگے: بس اتنی سی بات ہے! کہنے لگے: ہاں اتنی ہی بات ہے! وہ کہنے لگے کہ: اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ میں تمہارا عقدہ حل کئے دیتا ہوں، بات یہ ہے کہ جیسے تم نے کہا وہ صاحبِ واقعہ ہیں اور صاحبِ واقعہ ہونے کی وجہ سے ان کو پوری کہانی معلوم ہے، لیکن اس کے باوجود اس لئے جھگڑتے ہیں کہ حرص و ہوا اور خواہش نفسانی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے، ان کو اندھا کر دیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا." (الاعراف:۱۷۹)

ترجمہ:......"ان کے دل ہیں مگر سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر سنتے نہیں۔"

تو جھگڑا اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کی آنکھوں پر حرص و ہوا کی پٹی بندھ گئی ہے اور آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں، دل کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں۔ دوست نے کہا کہ: اگر تم حق و انصاف کے لئے عدالت کی کرسی اور مسند پر بیٹھو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں بصیرت عطا فرمائیں گے کہ تم حق کو باطل سے پہچانو گے، لیکن اگر تم نے رشوت لینا شروع کر دی تو تمہاری آنکھوں پر بھی حرص و ہوا کی پٹی بندھ جائے گی اور تم بھی

اندھے ہوجاؤ گے، پھر تم حق و باطل کے درمیان شناخت نہیں کرسکو گے۔

اس لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ." (مشکوٰۃ ص:۳۲۴)

ترجمہ:...... "جس کو قاضی اور جج بنادیا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا۔"

قضا مشکل کام ہے:

یہ بہت نازک مسئلہ ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

"يَا اَبَاذَرٍّ! اِنِّيْ اَرَاكَ ضَعِيْفًا وَاِنِّيْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ لَا تَأَمَّرَنَّ عَلٰى اِثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ." (مشکوٰۃ ص:۳۲۰)

ترجمہ:...... "اے ابوذر! تم کمزور ہو اور میں تمہارے واسطے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے واسطے پسند کرتا ہوں، دو کام کبھی نہ کرنا، ایک تو یہ کہ دو آدمیوں کے درمیان کبھی امیر نہ بننا اور دوسرے یہ کہ یتیم کا مال کبھی اپنے پاس نہ رکھنا، (اس لئے کہ تم سے بارِ امانت نہیں اٹھ سکے گا اس لئے کہ تم کمزور ہو)۔"

عین حق و انصاف یعنی کانٹے کے تول پر آدمی فیصلہ کرے کہ نہ اِدھر اور نہ اُدھر یہ بہت بڑا کام ہے، چھوٹا کام نہیں ہے اور ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

دورِ حاضر کی قضا:

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ نے قصہ لکھا ہے کہ انگریز کا زمانہ آیا تھا تو

وہ منصف بنادیا کرتے تھے، کوئی معزز آدمی دیکھا، اس کو منصف بنادیا، تو ایک بالکل ان پڑھ اور جاہل قسم کے آدمی کو منصف بنادیا گیا، اس نے وہاں کے جو لوگ تھے ان سے پوچھا کہ فیصلہ کیسے کرتے ہیں؟ مجھے تو یہ معلوم نہیں، اس کو بتادیا گیا کہ جو پہلے منصف صاحب تھے ناں! جس چیز کو منظور کرنا ہوتا اس کو اِدھر منہ کرکے کہہ دیتے کہ: منظور!، اور جس کو نامنظور کرنا ہوتا وہ اُدھر منہ کرکے کہہ دیتے کہ: نامنظور! کہنے لگا کہ: بس اتنا ہی کام ہے؟ یہ تو بہت آسان کام ہے۔ جو بھی مقدمہ آتا کبھی اِدھر منہ کرکے کہہ دیتا: منظور! اور کبھی اُدھر منہ کرکے کہہ دیتا کہ: نامنظور! تو جن لوگوں کے فیصلے منظور اور نامنظور پر چلتے ہوں ان کی بات نہیں ہے، جس کے بارے میں جو چاہا فیصلہ کردیا۔

عدل و انصاف - ایک امانت:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی تھی میں نے اس کو بڑا پلے باندھا ہے۔ بھائی! بارِ امانت ہم سے نہیں اٹھتا، فیصلہ کرنا بھی ایک امانت ہے، اور یتیم کے مال کی حفاظت کرنا بھی ایک امانت ہے۔ اور ان دو چیزوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یتیم کے مال میں اگر کوئی گڑبڑ کروگے تو کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہوگا، کسی اور نے تمہارے پاس امانت رکھ دی، خدانخواستہ اس میں گڑبڑ کروگے تو مطالبہ کرنے والا موجود ہے، تمہارا گریبان پکڑنے والا موجود ہے، یتیم کے مال میں کوئی گڑبڑ کروگے تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اب یتیم بے چارہ تو پوچھ بھی نہیں سکتا، اس لئے کہ ناسمجھ ہے۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں کے درمیان تم انصاف کرنے بیٹھے اور عدل و انصاف کا فیصلہ نہیں کیا تو وہ دونوں کیا کہہ سکتے ہیں؟

توہین عدالت:

اب ہماری عدالتیں فیصلے کرتی ہیں، جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے وہ بے چارا قاضی کو کیا کہہ سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ انگریز کے قانون کے مطابق یہ دستور بھی ہو کہ عدالت کے فیصلہ پر تبصرہ نہیں ہوسکتا، سبحان اللہ! ورنہ توہین عدالت ہے، کیا بات ہے! قرآن اور حدیث کے فیصلے پر تم تنقیدیں کرو اور تمہاری زبان پکڑنے والا کوئی نہیں ہے، اور ملک میں کوئی ایسا قانون بھی نہیں کہ کوئی شخص اگر قرآن و حدیث کے فیصلے پر تنقید کرے تو وہ قانون اسے سزا دے، لیکن عدالت کے فیصلے پر تنقید کرنا اس کے لئے توہین عدالت کا قانون موجود ہے۔

ہمارے ججوں کا معیار:

اب بتایئے صاحب! جج نے فیصلہ کیا اور کھلم کھلا رشوت لے کر فیصلہ کیا ہے پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ عدالت کی کرسی پر ان کو بٹھایا جاتا ہے جن میں عقل، نہ دین، نہ ایمان! غرض ان کو کوئی چیز ظلم سے روکنے والی نہیں ہے، عقل روکنے والی ہے وہ نہیں ہے، ظلم کرنے اور غلط فیصلے کرنے سے دین روکنے والا ہے، وہ نہیں ہے، پرہیزگاری نہیں ہے، تقویٰ نہیں ہے، ورع نہیں ہے، ان لوگوں کے فیصلوں کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے اور ان پر تنقید کرنے کو جرم قرار دیا جاتا ہے۔

زبردستی کی مقدمہ بازی:

خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اکثر و بیشتر جھگڑا کرنے والوں میں یہ احساس موجود ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں یا ناحق پر ہوں؟ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غریب آدمی کو خواہ مخواہ گھسیٹ لیا جاتا ہے، مدعا علیہ ہے اس کو گھسیٹ لیا ناحق۔ اس لئے ہماری کتابوں میں مدعی کی تعریف یہ کی ہے کہ: ''من اذا تَرک تُرک.'' مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان تمیز کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، سب سے مشکل کام قاضی کے لئے

مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان تمیز کرنا ہوتا ہے کہ مدعی کون ہے؟ اور مدعا علیہ کون ہے؟۔ تو مدعی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ اگر وہ اپنی بات کو چھوڑ دے تو کوئی اس کا پیچھا نہ کرے، اچھا بھئی! ٹھیک ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنا مقدمہ واپس لیتا ہوں، ٹھیک ہے، کوئی اعتراض نہیں، لیکن اگر مدعا علیہ کہے کہ میں مقدمہ واپس لیتا ہوں، تو کیا اس کو چھوڑ دیا جائے گا؟ تو بعض فریق مقدمہ بے چارے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ چاہیں، نہ چاہیں ان کو بہر حال اس مقدمے کو چلانا ہے، کیونکہ وہ مدعی نہیں ہے مدعا علیہ ہے، ان کو مقدمے میں گھسیٹا گیا ہے وہ چھوڑنا بھی چاہے تو نہیں چھوڑ سکتے۔

میں یہ مضمون پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ ایسے ظالم لوگ کبھی نہیں پنپیں گے، جو جانتے ہیں کہ ہم ناحق پر ہیں لیکن اس کے باوجود دعویٰ دائر کیا ہوا ہے، رشوت دے کر جیت بھی جائیں گے، تو اکثر لوگ تو جانتے ہیں، بلکہ ہر فریق مقدمے کا جانتا ہے۔

وکلاءُ کا کمال:

اور ہمارے وکلاءُ! اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے، جب سے یہ انگریزی عدالتیں پیدا ہوئی ہیں اس وقت سے وکلاءُ کا طبقہ بھی پیدا کیا گیا ہے، یہ لازم و ملزوم ہیں، انگریزی عدالت وکیلوں کے بغیر نہیں چل سکتی، کیونکہ قانون دان نہیں ہیں، ان وکیلوں نے ایک اصول قائم کر دیا ہے کہ اپنی جگہ فریق مقدمہ خواہ کتنا ہی سچا ہو، لیکن جب تک وہ جھوٹ کی آمیزش نہ کرے اس وقت تک مقدمے میں کامیاب نہیں ہوسکتا، آپ عدالت میں مقدمہ لے کر جائیں وکیل کرنا ہوگا، وکیل کو آپ صحیح صحیح واقعہ بتادیں، لیکن وہ کہے گا کہ ایسا نہیں، تم یہ کہنا، تم یہ کہنا، تم یہ کہنا.... اگر دس باتیں ان میں سچ ہیں تو ان میں نوے جھوٹ ملا کر ان کو سو پوری کرے گا۔ یعنی جو جھوٹا ہے وہ تو جھوٹا ہے ہی، ہمارے وکلاءُ کا کام ہے کہ عدالت میں سچے کو جھوٹا بنانا اور جھوٹے کو سچا بنانا، اور لطف

کی بات یہ ہے کہ بیان کے شروع میں حلف لیا جاتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ! میں جو کچھ کہوں گا حق اور صحیح بات کہوں گا! قسم کھا کر جھوٹ بلوایا جاتا ہے۔

حضرت عارفیؒ کی وکالت:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہ نے وکالت پڑھی تھی، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب، حضرت تھانوی قدس سرہ سے پہلے ہی سے تعلق تھا مگر بیعت نہیں ہوئے تھے، حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ حضرت میں وکالت کا امتحان دینا چاہتا ہوں دعا فرمایئے کامیابی کی، حضرتؒ نے لکھا کہ دعا تو کرواتے ہو یہ بھی معلوم کرلیا کہ یہ جائز بھی ہے کہ نہیں؟ ڈاکٹر صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ حضرت جو وکیل جھوٹ نہ بولے، صحیح صحیح مقدمہ لے، جھوٹ اس میں نہ بولے اور کوئی غلط بات نہ کرے تو اس میں ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حضرتؒ نے جواب میں لکھا کہ: جس قانون کے مطابق یہ فیصلہ کروانا چاہتا ہے اگر وہ قانون ہی غلط ہو تو پھر اس کی کاروائی کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا، خاموش رہے، لیکن بات دل میں نہیں اُتری، اس وقت حضرتؒ سے بیعت نہیں تھے، خاموش رہے۔ قانون پاس کرلیا بعد میں بیعت ہوگئے، اپنی وکالت شروع کردی، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے میں نے خود سنا ہے فرماتے ہیں کہ: غلط مقدمہ میں نہیں لیتا تھا، سچے میرے پاس آتے نہیں تھے، بھلا ایک داڑھی والا مولوی بیٹھا ہے وکیل بن کر، اس کے پاس کون جائے گا؟ اس لئے میں سارا دن بیٹھا رہتا تھا، میرے پاس بہت کم لوگ آتے تھے۔

ترکِ وکالت پر خلافت:

میرا کام چلا نہیں، اس لئے میں نے طب کا کام سیکھ لیا اور میں نے آہستہ آہستہ وکالت کو چھوڑ دیا، اور جس دن مکمل طور پر وکالت چھوڑ کر مطب کرنے کا فیصلہ کرلیا، اس دن میں نے حضرتؒ کو خط لکھا کہ حضرت! وہ میرا کام چلتا نہیں تھا، جھوٹ

میں بولتا نہیں تھا اور سچ وہاں عدالت میں چلتا نہیں، اس لئے میں نے وہ پیشہ ترک کردیا اور یہ پیشہ اختیار کرلیا ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک سال پہلے حضرت تھانویؒ نے چند اپنے مریدوں کے نام کا اشتہار دیا تھا کہ ان صاحبوں میں مجھے بعض چیزوں کا انتظار ہے، اگر وہ چیزیں پیدا ہوجائیں تو میں ان کو مجاز بنادوں گا، اجازت دے دوں گا، خلیفہ بنادوں گا، اور ان میں میرا نام بھی تھا، ساتھ ہی حضرتؒ نے لکھ دیا تھا کہ کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہیں ہوگا کہ وہ کیا بات ہے؟ خود بخود وہ چیزیں پیدا ہوجائیں، مجھ سے پوچھی نہ جائیں، جب میں نے مطب شروع کیا، وکالت چھوڑ دی اور حضرتؒ کو اطلاع دی تو جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ: ماشاءُ اللہ مجھے تمہارے بارے میں اسی چیز کا انتظار تھا، اللہ تعالیٰ مبارک کرے، تمہیں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اجازت دیتا ہوں۔ خلافت مل گئی، وکالت چھوڑی خلافت مل گئی۔ تو گفتگو میں اس میں کر رہا تھا کہ اکثر لوگ تو جانتے ہیں کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر ہوں؟ یا کتنا حق پر ہوں کتنا باطل پر ہوں؟ یا کتنا سچا ہوں کتنا جھوٹا ہوں؟

نفس وشیطان کی تاویلیں:

لیکن ایک مرحلہ اس کے بعد آتا ہے کہ نفس اور شیطان تاویلیں کرکر کے جس طرح کہ ہمارے وکیل سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بناتے ہیں شیطان اور نفس یہ بڑے وکیل ہیں، یہ وکیلوں سے زیادہ دلائل جانتے ہیں، یہ بعض دفعہ ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ آدمی کو سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز ہی نہیں رہتا اور ہوتا یہ ہے کہ جھوٹا ہے لیکن اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے، چنانچہ دونوں فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں۔ عدالت میں مقدمہ لے کر جاتے ہیں، اپنے آپ کو دونوں حق پر سمجھتے ہیں اس لئے کہ شیطان نے تاویلیں کرکے، نفس نے تاویلیں کرکے حق کو باطل اور باطل کو حق بنادیا، یہ حالت بڑی خطرناک ہے بھائی! اللہ تعالیٰ معاف کرے اور آپ دیکھیں گے

بہت سے جھگڑا کرنے والوں میں، مقدمہ کرنے والوں میں اس قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔

خطرناک عادت:

ایک فریق سے آپ پوچھیں وہ اپنے آپ کو حق پر بتائے گا، دوسرے فریق سے پوچھیں وہ اپنے آپ کو حق پر بتائے گا، ان مقدموں کے علاوہ رشتے داروں کے درمیان، عزیزوں کے درمیان، دوستوں کے درمیان جو رنجشیں ہوجاتی ہیں، لڑائیاں ہوجاتی ہیں ان میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے، اس سے بات کیجئے تو وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھے گا، اپنے آپ کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم بتائے گا، اور دوسرے سے پوچھئے تو وہ اپنے آپ کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم ثابت کرے گا، کوئی بھی قصور نہیں مانے گا، یہ عادت بڑی خطرناک ہے، اس لئے کہ جب آدمی اپنا قصور ہی نہ سمجھے تو پھر اس سے رجوع کیوں کرے گا؟ اور دو آدمیوں کے درمیان صلح کیسے ہوگی؟ جب ان میں سے ہر ایک آدمی اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھتا ہے۔

اسلام میں جھگڑا چھوڑنے کی حوصلہ افزائی:

واللہ اعلم! یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جنت کے درمیان میں محل عطا فرمائیں گے، اور جو باطل پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے کنارے میں محل عطا فرمائیں گے، تاکہ ہر ایک جھگڑنے والے کو جھگڑا چھوڑنے کی حوصلہ افزائی ہو کہ اگر حق پر ہوں تب بھی نفع میں ہوں، اور باطل پر ہوں تب بھی نفع میں ہوں، دو آدمیوں کے درمیان جب جھگڑا پیدا ہوگا تو اس کا منشا ہے کینہ اور منافست، ایک دوسرے کا کینہ اور ایک دوسرے سے منافست کرنا، یعنی چھینا جھپٹی جس کو کہتے ہیں، دو آدمی ایک چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ایک آدمی

آگے بڑھ کر چھین لیتا ہے، دوسرے کو نہیں ملتی اور اس کا علاج کیا ہوگا؟

جھگڑے کا علاج بالضد:

اس کا علاج بھی دو چیزیں ہوئیں، علاج بالضد ہے ناں! اس جھگڑے کا علاج دو چیزیں ہوگئیں۔ ایک کینہ کی جگہ الفت کا پیدا ہونا، دوسرے منافست کی جگہ زہد کا پیدا ہوجانا، جب کینہ کی جگہ الفت پیدا ہوجائے گی تو جن دلوں کے درمیان الفت ہوتی ہے ان میں جھگڑا نہیں ہوتا، جوڑ پیدا ہوگیا ناں! جھگڑا ختم، کینہ نہیں رہا، ایک دوسرے سے نفرت نہیں رہی، ایک دوسرے سے بغض نہیں رہا۔

مسلمانوں کے تین فریق:

قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ نے سورۂ حشر میں مسلمانوں کے تین فریق ذکر کئے ہیں، اور پھر مال فئے کا تذکرہ آرہا ہے، ان کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

مہاجرین کی اولوالعزمی:

"لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ."

(الحشر:۸)

ترجمہ:....."(یہ مالِ فئے) حق ہے ان فقرائے مہاجرین کا جن کو ان کے گھروں سے اور مالوں سے نکال دیا گیا محض اس خاطر کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کے فضل کے متلاشی تھے اور یہ لوگ مددگار ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے اور یہ لوگ ہیں سچے۔"

جتنے مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آئے، جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے مالوں سے نکالا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فتویٰ دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں، اللہ اکبر! اور آخر میں فرمایا یہ سچے ہیں۔

اب مجھے بتاؤ! جن کو قرآن کریم سچا کہتا ہے تو جو ان کو جھوٹا کہے اس سے بڑا جھوٹا کون ہوگا؟ سوچو! یہ تھے مہاجرین جو اپنے گھروں میں کھاتے پیتے تھے، اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ تھا لیکن فقراء بن گئے، صرف اس لئے کہ ان کو ہجرت کرکے آنا پڑا اور اپنا سب کچھ پیچھے چھوڑنا پڑا، کس لئے؟ اس لئے نہیں کہ یہاں آکر ملازمتیں ملیں گی، یہاں آکر جائدادوں پر قابض ہوجائیں گے، نہیں! صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد، یہ ان کا مطمح نظر تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ انہی کے بارہ میں فرمایا گیا: "اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔" (یہ ہیں سچے)۔ سن رہے ہو سچے مہاجر کس کو کہتے ہیں؟ سچے مہاجر بنو بھائی! سچے مہاجر کا بڑا اعزاز ہے، بہت بڑا اعزاز ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

انصار کی وسعت قلبی:

مسلمانوں کا دوسرا فریق انصار کا ہے، جس کی عظمت کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔"

(الحشر:۹)

ترجمہ:...... "اور وہ لوگ جو ٹھکانہ پکڑے ہوئے تھے

دارالاسلام اور دارالایمان میں ان سے پہلے، یہاں کے پہلے
سے باشندے ہیں انہوں نے دارالاسلام میں ٹھکانہ پکڑا ہوا ہے
اور ایمان میں اپنا گھر کیا ہوا ہے جو ان کے پاس ہجرت کر کے
آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں (بغض نہیں)، اور ان
مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس کی وجہ سے ان کو دل میں تنگی پیدا
نہیں ہوتی (کہ ان کو کیوں دے دیا گیا؟ ان کا کیا حق تھا؟
ہمیں ملنا چاہئے تھا) اور ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو اپنے اوپر
اگرچہ خود بھوکے بیٹھے ہیں، اور جس کو بچادیا جائے اپنے نفس کی
حرص سے وہ لوگ ہیں بھلائی پانے والے کامیاب۔"

وطنیت کی بنا پر تقسیم شیطانی نعرہ ہے:

بھئی یہ باتیں تو ہم نے پہلے بھی عقلاً سے سنی تھیں اور سنتے ہی چلے آئے تھے کہ ایک چیز آپ کو وراثت میں مل گئی یا آپ نے اس کو خرید لیا یا آپ نے اس کو پیدا کرلیا، کسی طرح بنالیا وہ چیز آپ کی ملکیت ہے، یہ تو ہم سنتے چلے آئے ہیں عقلاً سے، لیکن یہ بات کبھی نہیں سنی تھی کہ چونکہ میں سندھی ہوں لہٰذا سندھ سارا میرا ہے، میں پنجابی ہوں لہٰذا پنجاب سارا میرا ہے، میں بلوچی ہوں لہٰذا بلوچستان سارا میرا ہے اور اب سندھ میں کسی غیر سندھی کے لئے، پنجاب میں کسی غیر پنجابی کے لئے، بلوچستان میں کسی غیر بلوچی کے لئے کوئی گنجائش نہیں! یہ بات تو ہم نے کبھی عقلاً سے نہیں سنی تھی۔ یہ وطنیت کی بنا پر تقسیم سندھی اور غیر سندھی، پنجابی اور غیر پنجابی یہ جاہلیت کا وہ نعرہ ہے جو شیطان نے مسلمانوں کے درمیان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے ایجاد کیا ہے۔

یہ مسلمانوں کا شعار نہیں:

کسی مہاجر نے کسی سندھی کی جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے، میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا اس مہاجر کے خلاف اور آپ سب کو بھی اس کا ساتھ دینا چاہئے، لیکن اگر کسی سندھی کی جائیداد پر قبضہ نہیں کیا مہاجر نے تو جھگڑا کیا ہے؟ مجھے بتاؤ! یہ شیطان نے نعرے لگا دیئے ہیں، ''وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا.'' ان کو جو کچھ دیا گیا اپنے سینے میں کوئی حرج نہیں پاتے تھے، تنگی نہیں پاتے تھے اور ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو اپنے اوپر اگرچہ خود بھوکے بیٹھے ہیں۔

یہ ہیں انصار اور وہ تھے مہاجر اور جس شخص کو بچادیا جائے اپنے نفس کی حرص سے وہ لوگ ہیں بھلائی پانے والے کامیاب۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین مکہ کے ساتھ جب یہاں مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے تو زمینیں مدینے والوں کی تھیں، مکان مدینے والوں کے تھے، متروکہ مکان نہیں تھے، متروکہ جائدادیں نہیں تھیں، ان مدینہ والوں کی ملکیت تھیں، یہاں سے کوئی ہندو چھوڑ کر نہیں گئے تھے، اُن کے مکان تھے، اُن کی زمینیں تھیں، اُن کی جائدادیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تشریف لاکر کے ایک مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنادیا اور اس کی جائداد دونوں کے درمیان تقسیم کردی، کبھی سنا ہے یہ؟ ایثار کا یہ نقشہ کبھی سننے میں آیا؟ انصاری کی جائداد ہے، اس کا مکان ہے، مہاجر کو اس کا بھائی بنادیا اور آدھی جائداد تقسیم کرکے مہاجر کو دلوادی، آدھا مکان اس کو دے دیا، ۷ھ میں خیبر فتح ہوا، چھ سال یہ ہی قصہ رہا، جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ مدینہ کو بلایا اور بلواکر فرمایا کہ: ہم نے تمہاری جائدادیں مہاجروں کو تقسیم کردی تھی اور ان کو تمہارے برابر کا شریک بنادیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتوحات عطا فرمائیں ہیں، خیبر کی زمینیں مل گئی ہیں، میرا یہ جی چاہے گا

کہ مدینے کی زمینیں تمہیں واپس کردی جائیں اور خیبر کی زمینوں میں سے تمہیں حصہ نہ دیا جائے، مہاجروں کو دے دیا جائے، یہاں بھی ترجیح مہاجروں کو ہوئی ناں؟ یعنی اس میں بھی برابر کے دونوں ہیں اور حق دونوں کا بنتا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا یہ جی چاہتا ہے کہ تمہیں مدینے کی وہ زمینیں لوٹادی جائیں جوتم نے مہاجروں کو دے رکھی ہیں اور خیبر کی زمینیں مہاجروں کو دے دی جائیں، تمہیں نہ دی جائیں، تمہارا کیا خیال ہے؟ انصار کا جواب یہ تھا کہ: یا رسول اللہ! خیبر کی زمینیں بھی مہاجروں کو دے دی جائیں اور مدینے کی جو جائدادیں ہیں وہ ہم ان کو دے چکے ہیں وہ بھی ان کے پاس رہنے دی جائیں۔ یہ ہے "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ....." کہ دوسروں کوترجیح دیتے ہیں اپنی ذات پر۔

مسلمانوں کا تیسرا فریق:

اور تیسرا فریق ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے:

"وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ......" (الحشر:۱۰)

ترجمہ:...... "اور وہ لوگ جو آئے ان کے بعد، (کن کے بعد؟ مہاجرین و انصار کے بعد اور اس فریق میں بشرطیکہ ہم اس شرط کو پورا کریں قیامت تک آنے والے سب شریک ہیں اس تیسرے فریق میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو سارے مسلمانوں کو شریک کردیا ہے۔ پہلے ایک طبقہ تھا مہاجرین کا، دوسرا طبقہ تھا انصار کا اور تیسرے طبقے کا ذکر کیا ہے اور وہ لوگ جو آئے ان کے بعد) یہ کہتے ہوئے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش

فرما اور ہمارے جو بھائی ہم سے پہلے ہوچکے ہیں ایمان کے ساتھ، ان کی بھی بخشش فرما اور اے اللہ! نہ ڈال کینہ ہمارے دلوں میں کسی ایمان والے کی جانب سے (کسی مسلمان کی جانب سے ہمارے دل میں کینہ نہ ڈال، کینہ نہیں ہوگا تو لڑائی بھی نہیں ہوگی بھائی!)۔"

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

"صبر"

تمام مسائل کا علاج ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

الف:......"عَنْ شُرَحبِیْلٍ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ اِذَا رَاٰی جَنَازَۃً قَالَ: اُغْدُوْا فَاِنَّا رَائِحُوْنَ، اَوْ رُوْحُوْا فَاِنَّا غَادُوْنَ، مَوْعِظَۃٌ بَلِیْغَۃٌ وَغَفْلَۃٌ سَرِیْعَۃٌ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا، یَذْھَبُ الْاَوَّلُ فَالْاَوَّلُ وَیَبْقٰی الْاٰخِرُ لَا حِلْمَ لَہٗ." (حلیۃ الاولیاً: ج:۱ ص:۲۱۷)

ب:......"عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَنْ یَّتَفَقَّدْ یَفْقِدْ، وَمَنْ لَّا یُعِدُّ الصَّبْرَ لِفَوَاجِعِ الْاُمُوْرِ یَعْجِزُ، اِنْ قَارَضْتَ النَّاسَ قَارَضُوْکَ، وَاِنْ تَرَکْتَھُمْ لَمْ یَتْرُکُوْکَ. قَالَ: فَمَا تَأْمُرُنِیْ؟ قَالَ: اِقْرِضْ مِنْ عِرْضِکَ لِیَوْمِ فَقْرِکَ."

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۱۸)

ترجمہ:......"شرحبیل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابودرداً رضی اللہ عنہ جب جنازہ دیکھتے تھے تو فرماتے تھے

کہ تم صبح کو جاؤ، ہم شام کو آ جائیں گے، یا تم شام کو جاؤ، ہم صبح آئیں گے، بڑی مؤثر نصیحت ہے اور بڑی تیز غفلت ہے، موت نصیحت کے لئے کافی ہے، لوگ وقفہ وقفہ سے جا رہے ہیں اور پیچھے رہ جاتے ہیں وہ لوگ جن کے پاس نہ عقل ہے نہ حوصلہ۔''

ترجمہ:......''حضرت عون بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو درداءؓ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: جو شخص راحت کو تلاش کرتا پھرے گا، وہ گم پائے گا، اور جو صبر کو دردناک امور کے لئے تیار نہیں کرتا، وہ عاجز آ جائے گا، تو اگر لوگوں سے مقابلہ کرے تو وہ لوگ تجھے کاٹ ڈالیں گے، اور اگر تو ان کو چھوڑ دے تو وہ تجھے نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: اپنی عزت کا ایک حصہ کاٹ کر ان کو دے دو، اپنے فقر کے دن کے لئے۔''

حضرت ابودرداءؓ کے مواعظ:

یہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ کے مواعظ ہیں کہ جب وہ کسی جنازہ کو دیکھتے تو جنازہ کو اور میت کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ: تم صبح جا رہے ہو، ہم تمہارے پیچھے پیچھے شام کو آ رہے ہیں، یا تم شام کو جا رہے ہو، ہم صبح کو پہنچ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، مرنے والے کے درمیان اور پیچھے رہ جانے والے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہے، بس صبح شام کا فرق ہے، صبح گئے یا شام کو گئے، ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ پیچھے رہنے والوں کو مزید پورا کرنا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے تھے کہ موت بڑی مؤثر نصیحت ہے، کسی جنازے کو دیکھنا، اس سے جتنی نصیحت حاصل ہوتی ہے، اتنی کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتی، مگر عجیب بات ہے کہ غفلت بھی بہت جلدی

طاری ہوجاتی ہے۔

مجذوبؒ کی نصیحت:

بقول ہمارے حضرت مجذوبؒ کے کہ:

دفن خود صبح کئے زیر زمیں
تجھے مرنے کا نہیں پھر بھی یقیں

کچھ تو عبرت چاہئے، نفس لعین اپنے ہاتھ سے دفن کرتا ہے، لحد میں اتارا، بہت سارے لوگوں کو مرتے دیکھا، ان کے جنازے کے ساتھ گئے مگر ہمیں عبرت نہ ہوئی، بھول گئے۔

ایک بزرگ کی نصیحت:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب تو قبر کی طرف کسی جنازہ کو اٹھاکے لے جائے تو پھر یوں سمجھا کر کہ اب کسی کو اٹھاکر لے جارہا ہوں، اس کے بعد میرا نمبر ہے، لوگ مجھے اٹھاکر لے جائیں گے۔

موت سب سے بڑا واعظ ہے:

پھر حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ موت کافی واعظ و نصیحت کرنے والا ہے، اس سے بڑا کوئی واعظ نہیں، کیونکہ واعظ صاحب یہی کہیں گے کہ مرجاؤ گے، تم کو حساب کتاب دینا ہوگا، اس غریب کے تو الفاظ ہی الفاظ ہیں، لیکن موت تو سامنے نقشہ کھینچ دیتی ہے کہ ایک جنازے کو دیکھ کر پورا منظر ہمارے سامنے آجاتا ہے، موت مشاہدہ کروادیتی ہے، تو اس سے بڑھ کر واعظ کون ہوسکتا ہے؟ اور جس کو اس بڑے واعظ سے بھی نصیحت نہ ہوئی، وہ اس چھوٹے واعظ سے نصیحت کیسے حاصل کرسکتا ہے؟

عقل، فہم، سوچ اور تحمل کا فقدان:

شیخ فرماتے ہیں کہ لوگ یکے بعد دیگرے، ایک کے پیچھے دوسرا، دوسرے کے پیچھے تیسرا، ایک لائن لگی ہوئی ہے اور پیچھے وہ لوگ رہ جاتے ہیں جن کے پاس نہ عقل، نہ فہم، نہ سوچ، نہ حوصلہ وتحمل، مرنے والا مرگیا، پیچھے بھائی جائیداد پر لڑ رہے ہیں، باپ کے جانے کے بعد اولاد اس کی وراثت میں لڑ رہی ہے، اتنا نہیں سوچتے کہ جس نے اس مال کو بڑی محنت سے جمع کیا، رات کی نیند اور دن کی راحت اس کے لئے قربان کی، سختی اور گرمی برداشت کی، اس مال نے اس کے ساتھ وفا نہ کی، ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ لیکن لڑ رہے ہیں اور لڑتے بھی اس چیز پر ہیں جس کی واقعتاً کوئی قیمت نہیں ہے، بے قیمت چیز پر لڑ رہے ہیں، اس لئے کہ اگر کسی کو تھوڑی ملی جب بھی، زیادہ ملی جب بھی، گزر تو اس کی ہو ہی جائے گی، الحمدللہ! وقت گزر جائے گا، لوگ پہلے اپنے لئے کماتے ہیں، جب بوڑھے ہوجاتے ہیں تو پھر اولاد کا خیال آتا ہے کہ ان کے لئے پیچھے چھوڑ کر جائیں، خلاصہ یہ ہے کہ موت سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔

حضرت عزرائیلؑ کی اطلاع کا انداز:

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ: ایک شخص کی حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ساتھ دوستی ہوگئی تھی، تو اس سے کہنے لگے کہ دوستی کا حق بھی ادا کرو گے؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام کہنے لگے: فرمائیے! کہنے لگے کہ: جانے کا وقت آئے تو مجھے پہلے ہی بتادینا، تاکہ میں کچھ تیاری کرلوں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ: بہت اچھا! کچھ مدت کے بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام کہنے لگے کہ: چلئے! پوچھنے لگے کہ: وقت ہوگیا؟ فرمایا کہ: ہاں وقت ہوگیا! کہنے لگے کہ: یار میں نے کہا تھا کہ مجھے پہلے بتادینا! فرمایا کہ: میں نے بتایا تو تھا، لیکن آپ نے میری زبان

سمجھی نہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دن میں اُس طرف آیا تھا، اور ایک دن میں اِس طرف آیا تھا۔ کہنے لگے کہ: ہاں یہ تو معلوم ہے! فرمایا کہ: تجھے بتانے کے لئے آیا تھا کہ تیرا وقت قریب آگیا ہے، تو تیاری کرلے، ہم اسی زبان میں بتایا کرتے ہیں، ہم نے بتادیا تھا، لیکن تم نے سمجھا نہیں۔

جو باپ کی موت سے نصیحت نہ پکڑے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، کہنے لگا کہ حضرت جی! مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ: برخوردار! تیرے والد زندہ ہیں؟ اس آدمی نے کہا: نہیں! فرمایا: میری مجلس سے اٹھ جا، جس کو باپ کی موت نے نصیحت نہیں کی، اس کو عمر بن عبدالعزیز کیا نصیحت کرسکتا ہے؟ باپ کے مرنے پر جس کو عبرت نہیں ملی، اس کو اور کیا نصیحت ہوسکتی ہے؟

ہماری حماقت کی شکلیں:

کسی کے مرنے پر روتے پیٹتے بھی ہیں، اپنے اپنے رنگ میں افسوس بھی کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اچھا خاصا آدمی تھا، اس کے کھانے پینے کے دن تھے، چلا گیا۔ کیا آگے جاکر وہ بھوکا رہے گا؟ کھانے پینے کے دن یہی تھے؟ اگلے جہاں کا اعتماد نہیں ہے؟ مؤمن کے کھانے پینے کی جگہ یہ نہیں، کھانے پینے کی جگہ تو آگے ہے۔

جس نے پیدا کیا وہی کفالت بھی کرے گا:

کوئی کہتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے، کیا پہلے بچوں کی خدائی اس پر تھی؟ جس مالک نے بچوں کو پیدا کیا ہے، وہ ان کی تربیت بھی کرے گا، میں نے اور آپ نے سینکڑوں مثالیں اس کی دیکھی ہوں گی کہ والدین موجود ہیں اور اولاد نالائق ہے، اور میں نے اور آپ نے بہت ساری مثالیں اس کی بھی دیکھی ہوں گی کہ باپ کی شکل اور ماں کی شکل دیکھنا نصیب نہیں ہوئی، لیکن یہ یتیم بچے ایسے لائق و فائق

ہوئے کہ کیا کہنے! ظاہری تربیت اور باطنی تربیت، جسمانی تربیت بھی، روحانی تربیت بھی ماں باپ پر منحصر نہیں۔

والدین کی حیثیت سرکاری ملازم کی ہے:

والدین کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ ضرورت بنایا ہے اور اس اعتبار سے والدین، اولاد کے سب سے بڑے محسن ہیں، لیکن والدین کی حیثیت سرکاری ملازم کی ہے اور سرکار کو حق پہنچتا ہے کہ اپنے ملازم بدل دے، والدین کے بجائے کسی اور کو ان کی تربیت پر مقرر کردے۔

یتیم سے محبت کا راز!

یہی وجہ ہے کہ جس بچے کے والدین انتقال کرجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ والدین کی شفقت و محبت کو لوگوں کے دلوں میں تقسیم کردیتا ہے، فطری طور پر ہر شخص کی یتیم بچے کے ساتھ شفقت، محبت اور رحمت ہوتی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی ترغیب دلائی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

”مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ يَمُرُّ عَلَيْهَا يَدَهُ حَسَنَاتٍ.....“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۳)

ترجمہ:...... ”جو شخص اللہ کی رضا کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔“

دوسری روایت میں ہے:

”اِنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهِ، قَالَ: اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ.“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۵)

ترجمہ:......"ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، کہا: یا رسول اللہ! کچھ دل میں سختی معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر، دل کی سختی دور ہوجائے گی۔"

یتیموں سے محبت کی ترغیب:

یتیموں کے ساتھ رحمت کرنا، پیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دلائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین کی جگہ اب دوسرے لوگوں کو ان کی تعلیم و تربیت پر مقرر کردیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ." (الدہر:)

ترجمہ:......"اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر (اس کھانے کی یا اللہ تعالیٰ کی) مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو محض اللہ کی رضا کے لئے۔"

مسکین اپنی مسکنت کی وجہ سے کھانا کھلانے کا مستحق ہے۔

مسکین سکون سے ماخوذ ہے:

علماً فرماتے ہیں کہ مسکین کا لفظ "سکون" سے لیا گیا ہے کہ جب آدمی کے پاس مال ہوتا ہے تو ایسا ہوتا ہے جیسے بدن میں طاقت، بدن میں طاقت ہوتی ہے تو حرکت کرتا ہے، چلتا پھرتا ہے اور پہلوانی کرتا ہے لیکن جب طاقت نہیں ہوتی تو بستر سے لگا ہوا ہوتا ہے، حرکت نہیں کرسکتا، اسی طرح جب اس کے پاس مال ہوتا ہے تو ہواؤں میں اڑتا ہے اور مال نہیں ہوتا تو کہیں آجا بھی نہیں سکتا۔ تو مسکنت بھی ایک قسم

کا سکون پیدا کر دیتی ہے، تو ان مسکینوں کو مسکینی کی وجہ سے کھانا کھلانا، یتیم کو اس کی یتیمی کی وجہ سے کھانا کھلانا، یعنی یتیم کے حال پر شفقت کرنا اور قیدی کو کھانا کھلانا اسی وجہ سے ہے، اس لئے کہ جیل کی چاردیواری میں ان کو دنیا سے کاٹ دیا گیا۔ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے رہا ہوئے تھے تو کہتے ہیں کہ جیل کے دروازے کے اوپر لکھ کر آئے تھے کہ تو زندوں کی قبر ہے۔

اپنی اور بچوں کی دنیا کی فکر ہے، مگر آخرت کی پرواہ نہیں:

تو عرض کر رہا تھا کہ والدین تو سرکاری ملازم ہیں، آپ کی تربیت ان کے اختیار میں نہیں، تربیت کے اسباب اللہ تعالیٰ پیدا فرمادیتے ہیں، یہ تو ملازم ہیں، مویشی کو چارہ ڈالنے والے۔ اور مالک کو حق ہے کہ ایک ملازم کی جگہ دوسرا ملازم رکھے، تو ہم لوگ پہلے تو اپنی فکر کرتے ہیں کہ ہماری زندگی کیسے گزرے گی؟ اور خود بوڑھے ہوجاتے ہیں تو اپنی زندگی سے مایوس ہوجاتے ہیں، لیکن اولاد کی فکر ستائے رکھتی ہے، کسی وقت بھی چین نہیں ہے، کسی وقت بھی سکون نصیب نہ ہوا اور جو چیز فکر کی تھی، اس کے لئے ہم کبھی پریشان نہیں ہوئے، جو آتا ہے کہتا ہے کہ پریشان ہوں، بہت پریشان ہوں۔ کیا ہوا بھائی؟ ملازمت نہیں ہے، ملازمت ختم ہوگئی ہے، کوئی کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے، لیکن ساری پریشانیاں اپنی دنیاوی ماحول کی ذکر کرتے ہیں، مرنے کے بعد قبر میں بھی کوئی پریشانی ہوگی کہ نہیں؟ تذکرہ ہی نہیں کرتے کہ مجھے یہ پریشانی لاحق ہے کہ مرنے کے بعد میرا کیا حال ہوگا؟

غفلت کا غلبہ:

اس کو کہتے ہیں غفلت! ہم پر بہت تیزی سے غفلت طاری ہوجاتی ہے میت کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر کے آئے اور فاتحہ پڑھ لی بس، سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے، وہی لڑائی، وہی جھگڑا، وہی دھوکا، وہی دغابازی، وہی دنیا کے دھندے، وہی

آخرت سے نفرت، وہی اللہ تعالیٰ سے نافرمانی، کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تم لوگ جانتے ہو کہ (میرے گھر میں تو ٹی وی نہیں ہے) میت ہوجانے پر کتنے دن ٹی وی بند رکھتے ہو؟ غالباً ''تیجے'' تک تو بند رکھتے ہوں گے، میت کا تیجا ہوگیا، تمہارا ٹی وی چالو ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون!

موت سے عبرت ہو تو زندگیاں بن جائیں

اے کاش! کہ مرنے والوں سے زندوں کو عبرت ہوجاتی تو زندگیاں بن جاتیں، وہ بے چارہ جانے والا تو لوٹ کر نہیں آتا اور ہم جانے والوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

مرنے والوں کی تمنا:

جانے والوں سے اگر کہا جائے تم کو واپس لوٹاتے ہیں لیکن دنیا میں تم کو کیا چیز چاہئے؟ وہ کہے گا کہ کچھ نہیں چاہئے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں گا، دو چار لمحات مجھے اور مل جائیں گے تو میں توبہ واستغفار کرلوں گا، قرآن کریم میں ہے قیامت کے دن کفار بھی کہیں گے کہ:

''فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِاٰيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ..... وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ.'' (الانعام:۲۷، ۲۸)

ترجمہ:...... ''کاش! ہم کو واپس لوٹادے اور اس کے بعد ہم کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے .....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، اگر ان کو واپس کردیا جائے تو یہ پھر وہی حرکتیں کریں گے جو کرتے آئے ہیں۔''

اب تو تلچھٹ باقی ہے:

یہاں کے جہان کی آب و ہوا ایسی آلودہ ہے جیسے کہتے ہیں کہ کراچی میں بہت آلودگی ہے، یہاں کی آب و ہوا غفلت سے آلودہ ہے، یہاں آئیں گے، پھر بھول جائیں گے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"لَتُنْتَقَوُنَّ كَمَا يُنْتقَى التَّمرُ مِنْ اَغْفَالِهٖ فَلَيَذْهَبَنَّ خِيَارُكُمْ." (ابن ماجہ ص:۲۹۲)

ترجمہ:...... "نیک لوگ یکے بعد دیگرے چلے جائیں گے حتیٰ کہ لوگوں کی تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی، جیسے کھجوروں کی اور جو کی تلچھٹ رہ جاتی ہے۔"

یہاں تک کہ لوگوں کی تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی، برتن میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں اور لوگ چن چن کر کھاتے رہتے ہیں اور گندی کھجوریں رہ جاتی ہیں، اور پھر گندی کھجوروں میں سے جو اچھی ہوتی ہیں، ان کو چن چن کر کھالیتے ہیں، پیچھے ایسی رہ جاتی ہیں کہ وہ کھانے کے قابل نہیں ہوتیں، فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ چھانٹ چھانٹ کر لوگوں کو اٹھاتے رہیں گے، پیچھے رہ جائیں گے بالکل تلچھٹ اور اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

میں تو اللہ تعالیٰ سے کہا کرتا ہوں کہ ہم تو تلچھٹ رہ گئے ہیں، ہماری آپ کو کیا پرواہ ہے! یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کو ہم پر مسلط کیا ہوا ہے، ظالم حکومت کو ہم پر مسلط کیا ہوا ہے، ڈاکو اور چور ہم پر مسلط ہیں، انسانی قیمت باقی نہیں رہی، ہمارے اندر انسانیت باقی نہیں رہی۔

دنیا میں مکمل راحت نہیں ملے گی:

دوسری روایت میں عون بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ

نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص راحت وسکون کی تلاش میں مارا مارا پھرے، وہ عاجز آکر تھک جائے گا، لیکن یہ چیز نہیں ملے گی، اس جہاں کا خمیر ہی ایسا تیار کیا ہے کہ کوئی شخص اگر چاہے تو نہیں ملے گی، دنیا میں ہے ہی نہیں تو آپ ایسی چیز کو تلاش کرنے چلے ہیں جس کا وجود ہی نہیں، ہم میں سے ہر شخص اس کا خواہش مند ہے کہ راحت وسکون ملے، کوئی پریشانی نہ ہو، کوئی بیماری نہ ہو، تو اس جہاں میں یہ چیز نہیں ملتی، حضرت! کسی اور جہاں میں تلاش کریں، اس جہاں میں قدم رکھا ہے تو یہ سوچ کر رکھیں کہ یہاں مسئلہ ملا جلا ہے، سکون بھی ہے، ساتھ پریشانی بھی ہے، راحت بھی ہے، تکلیف بھی ہے، یہاں کوئی راحت ایسی نہیں جس کے آگے پیچھے کوئی تکلیف نہ ہو اور کوئی تکلیف ایسی نہیں جس کے پیچھے راحت نہ ہو۔

دنیا میں پھر راحتیں ہی راحتیں ہیں:

آپ بیمار پڑ گئے، تکلیف کی چیز ہے، لیکن ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آگے پیچھے کتنی رحمتیں رکھی ہیں؟ گھر ہے رہنے کے لئے، پانی پینے کے لئے، کھانا کھانے کے لئے، دوائی وغیرہ پیدا کردی ہے، اللہ تعالیٰ نے تیماردار پیدا کردیئے ہیں، معاون پیدا کردیئے ہیں، پوچھنے والے پیدا کردیئے ہیں، آپ کی ایک بیماری کتنی راحتوں کا سامان بن گئی ہے، اور آپ کی ایک بیماری نے کتنے خدام کو خدمت کا موقع دے دیا، یہ سب کی سب نعمتیں نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن اگر قبر میں خدانخواستہ کسی کو تکلیف ہوگئی تو کوئی پوچھنے والا ہوگا؟

دنیا میں ایک جہان ہماری خدمت پر مامور ہے:

اگر ہم دنیا میں بیمار ہوجائیں تو کوئی سر دبا دے گا، کوئی پاؤں دبا دے گا، کوئی کہتا ہے کہ میں پانی آپ کے لئے لے کر آؤں؟ اور کوئی کہتا ہے کہ میں ڈاکٹر کو بلا لاتا ہوں؟ کوئی کہتا ہے کہ سر درد کی گولی کھالو، قبر میں کوئی ہوگا؟ ایک لقمہ آپ

کھاتے ہیں، کتنا لذیذ ہے، لیکن آگے پیچھے اس کے کتنی مشقتیں ملادی ہیں، اس کے بارے میں تو سوچئے! کھانے کے دسترخوان پر آنے سے پہلے پہلے اس پر کتنی محنت لگائی گئی ہے؟ اور ایک عالَم کا عالَم، جہاں کا جہاں اس کی تیاری میں مصروف رہا ہے، ہمیں تو پسند نہیں آتی روٹی، اور ہم تو لذیذ ہونے نہ ہونے کے فیصلے کے بعد جلدی سے بیٹھنے کی کرتے ہیں، لیکن تم نے کبھی غور بھی کیا کہ مالک نے اپنے کارخانہ کے کتنے ملازموں کو استعمال کیا ہے؟ آسمان والوں کو بھی، زمین والوں کو بھی، اللہ تعالیٰ نے ان غذاؤں کو تیار کرنے کے لئے فرشتوں کو، ہوا کو، سورج کی روشنی کو، چاند کی چاندنی کو، گرمی اور سردی کو، زمین کی حرارت کو، پانی کو اور دوسرے جو محنت کرنے والے ہوتے ہیں کسان، ان کی محنت کو، ذرا غور تو فرمائیں اور اندازہ تو لگائیں، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس ایک لقمہ کی تیاری پر کارخانۂ عالم کا کتنا خرچ آیا ہوگا؟ اور حضرت کو پسند نہیں آئی! کھانے کے دسترخوان پر آنے سے پہلے اس پر کتنی مشقتیں ہوئیں۔

انسان کے جسم کے اندر کا کارخانہ:

آپ نے لقمہ منہ میں ڈال لیا اور آپ اندازہ فرمائیں کہ اس چبانے پر آپ کی کتنی قوت استعمال ہورہی ہے، کسی حکیم، ڈاکٹر سے پوچھیں کہ اس کے چبانے پر کتنی رگیں حرکت کرتی ہیں؟ اور یہ کارخانہ خدائی کے لشکر ہیں جو خدمت میں لگے ہوئے ہیں، پھر آپ نے لقمہ اندر پہنچادیا، معدہ نے وصول کیا۔

میں چھوٹا بچہ تھا تو مجھے اس پر بہت تعجب ہوتا تھا کہ سائیکل میں ہوا بھردیتے ہیں، لیکن نکلتی نہیں ہے، تو میں نے کہا کہ جب ہوا داخل کرتے ہیں ٹائر کے اندر تو پھر اس کو باہر بھی نکل جانا چاہئے، یہ جو اس کے اندر وال ہوتا ہے، اس کا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا، آپ نے اپنے معدہ میں داخل تو کرلیا، تو آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر ڈھکن دے دیتے ہیں، پھر اس کو نکلنے نہیں دیتے اور خدانخواستہ اگر نکلے تو پھر ہر

وقت سے ہوتی رہے، یہ چھوٹا سا انتظام ہے۔

پھر اس کے بعد جگر کی قوتیں الگ الگ ہیں، قوت جاذبہ الگ ہے، قوت ماسکہ الگ ہے، ہاضمہ کی قوت الگ ہے، وہ اپنے کام کر رہے ہیں، اور جگر اپنا کام کرتا ہے، پھر انتڑیوں میں پہنچایا جاتا ہے، وہ اپنا کام کرتی ہیں۔ یہاں اوپر کے راستے سے اندر پہنچانے تک اور خالی ہونے والے راستے سے خارج ہونے تک، کتنے مراحل اس پر گزرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کتنی مشینیں اندر لگا رکھی ہیں تو یہ آسانی سے کھاتے نہیں ہیں، بلکہ اس پر بھی طاقت صرف ہوتی ہے۔

شادی کی آفتیں:

اسی طرح شادی کرتے ہیں، گھر آباد کرتے ہیں، لیکن کتنی آفتیں شادی ساتھ لے کر آتی ہے، اس سے پوچھو، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا تھا کہ: حضرت! شادی کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا: "سُرُوْرُ شَهْرٍ!" ایک ماہ کی خوشی، اس کا نام شادی رکھا، شادی خوشی کو کہتے ہیں۔ عرض کیا گیا: اس کے بعد پھر کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: "لُزُوْمُ مَهْرٍ" مہر لازم آجاتا ہے، اس کے بعد "غُمُوْمُ دَهْرٍ" دنیا بھر کے، زمانے بھر کے فکر۔ کہا کہ: پھر کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: "کُسُوْرُ ظَهْرٍ" کمر ٹیڑھی ہوجاتی ہے! تو کون سی خوشی یہاں ایسی ہے جو مشقت کے اندر لپٹی ہوئی نہ ہو اور کون سی مشقت ایسی ہے جس کے اردگرد انعاماتِ الٰہیہ کا احاطہ نہ ہو؟ اگر آپ چاہیں ہر وقت یہاں خوشی ملا کرے، تو آپ ایک ایسی چیز کے طالب بن کر جا رہے ہیں، جو اس دنیا میں نہیں پائی جاتی، اس پر حضرت ابودرداؔ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے گا، اس کو گم پائے گا۔

ان تمام مسائل کا حل صبر ہے:

یہاں بہت سارے امور ایسے پیش آجاتے ہیں، بلکہ کہنا چاہئے کہ قدم قدم

پر پیش آتے ہیں، جو آدمی کے سینے کو چھلنی کر دیتے ہیں، دل کو زخمی کر دیتے ہیں، دردمند کر دیتے ہیں، آدمی بلبلا اٹھتا ہے، بہت اچھا! لیکن چارہ کیا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ ''صبر'' اس کا علاج ہے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.'' (البقرہ:۱۵۶)

ہم تمہاری آزمائش کریں گے اور واللہ! آزمائش کریں گے، قسم کھا کر فرماتے ہیں، ان کی تاکید کا نام ''قسم'' ہے، بخدا! ہم تمہاری ضرور بالضرور آزمائش کریں گے اور یہ تمہاری آزمائش کے لئے جو ہو رہا ہے، تم امتحان میں بیٹھے ہو، ممتحن تمہارے نمبر لگائے گا، ویسے ہی امتحان نہیں لیا جاتا، اس کو نمبر دیئے جاتے ہیں، ''پاس'' اور ''فیل'' کا فیصلہ کیا جاتا ہے، پھر ''پاس'' ہے تو اعلیٰ درجہ کے نمبر ہیں یا کم درجہ کے نمبر ہیں یا درمیانے درجہ کے نمبر ہیں، تو ہم تمہاری آزمائش کریں گے۔ پرچہ کیا ہے جس کا امتحان ہوگا؟ خوف دے کر، جان مال اور پھلوں میں کمی دے کر تمہاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں گے، تمہارے صبر کا امتحان ہے، تم جانتے ہو کہ جتنا کوئی حوصلہ رکھتا ہے اتنا بڑا آدمی ہوتا ہے اور جتنا کم ظرف ہوتا ہے، اتنا ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ جو لوگ صبر کرنے والے ہیں، ان کو خوشخبری دے دیجئے، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خوشخبری سن کر مسلمانوں کو کتنی تسکین ہوگی۔

صابر کون ہیں؟

صابرین کون ہیں؟ جب ان کو کوئی سی بھی مصیبت پہنچے، علماً فرماتے ہیں

"مصیبۃ"، پر تنوین تنکیر کی ہے، یعنی چھوٹی سے چھوٹی مصیبت بھی پہنچے، بڑی تو ہے ہی، اگر چھوٹی سے چھوٹی مصیبت بھی اُنہیں پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کی طرف لوٹنے والے ہیں، ہم اللہ کا مال ہیں اور مالک کو حق پہنچتا ہے جیسے چاہے تصرف کرے، تو کوئی شکایت نہیں کرتے۔ جیسے آپ کپڑا خرید کر لائے ہیں، چاہیں تو اس کے تکیے گدّے بنالیں، چاہے پردے بنالیں اور چاہے اپنا لباس تیار کرلیں۔

کسی کے سینے سے لگنا آسان نہیں:

اکابر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایک لباس کو دیکھ لو، کن مراحل سے گزرتا ہوا تمہارے سینے سے لگا ہے؟ سب سے آخر میں درزی نے اس کے بند بند پر اس کی تار تار پر سوئیاں چبھوئی ہیں، تب تمہارے پہننے کے قابل ہوا ہے۔ کسی کے سینے سے لگنا آسان کام ہے اور پھر جب ذرا سا میلا ہوتا ہے تو اس کو دھلائی کے لئے دیتے ہیں اور پھر دھوبی اس کو پٹختا ہے، جب کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں انا للہ! ہم اللہ کے ہیں، ہمارے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے، مالک کی جانب سے ہو رہا ہے، اور وہ مالک رحیم ہے، کریم ہے، شفیق ہے، ہمارا خیر خواہ ہے، وہ حکیم ہے، جو معاملہ بھی کرتا ہے ہمارے ساتھ حکمت کا کرتا ہے۔

اللہ شفیق اور حکیم ہیں:

بعض لوگ شفیق ہوتے ہیں، لیکن حکیم نہیں ہوتے، بعض لوگ حکیم ہوتے ہیں مگر شفیق نہیں ہوتے، ہمارا مالک ایسا ہے، وہ سب سے زیادہ رحیم ہے اور شفیق بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اور جب اس کی شفقت پر اور حکمت پر اعتماد ہے تو تم کیوں گھبراتے ہو؟ پریشانی سے خوش ہوجاؤ، الحمدللہ! بچہ تو نادان ہوتا ہے، ماں کپڑے اتار کر ذرا سا پانی میں ڈال دیتی ہے تو بچہ چیخنے چلانے لگتا ہے، حالانکہ بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی کھا کر تو پریشان ہوجاتا ہے، مگر نہا کر نہیں پریشان ہوتا، وہ یہی تو کرے گی

کہ میل اتار دے گی، بدن صاف کردے گی، لیکن نادان ہے، اپنی ماں کی اتنی شفقت پر بھی اس کو اعتماد نہیں۔ اے انسان! تو بچے سے بھی زیادہ نادان ہے کہ اپنے مالک کی شفقت پر تجھ کو اعتماد نہیں، تھوڑی سی مزاج کے خلاف بات ہوجاتی ہے تو چیختا ہے، چلاتا ہے، انا للہ! ہم اللہ کے لئے ہیں، وانا الیہ راجعون! اور ہم اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر بھی ہمیں اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، حتیٰ کہ ایک بندہ کے پیسے جیب میں تھے، ایک کونے میں تلاش کرتا رہا، مگر دوسرے کونے میں پیسے پڑے ہوئے تھے، اتنی جو پریشانی ہوئی اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر وثواب عطا فرماتے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے مالک کی طرف سے، ان کے رب کی طرف سے شاباش اور رحمتیں ہیں اور عنایات ہیں، یہ ہی سیدھے راستے پر ہیں۔ تمام مسائل کا علاج ''صبر'' ہے، حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص صبر کو ان تکالیف کے لئے ڈھال نہیں بناتا، وہ عاجز ہوکر رہ جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

جھوٹی گواہی

بدترین سود اور شرک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱:......"عَنْ اَیْمَنَ بْنِ خُرَیْمٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا، فَقَالَ: یَا اَیُّھَا النَّاسُ! عُدِلَتْ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ اِشْرَاکًا بِاللّٰہِ. (قَالَھَا) ثَلَاثًا، ثُمَّ قَرَأَ: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ." (مسند احمد ج:۴ ص:۱۷۸)

۲:......"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ اَمْرَ الرِّبَا وَعَظَّمَ شَاْنَہٗ وَقَالَ: اِنَّ الدِّرْھَمَ یُصِیْبُہُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ فِی الْخَطِیْئَۃِ مِنْ سِتٍّ وَّثَلَاثِیْنَ زَنْیَۃً یَزْنِیْھَا الرَّجُلُ، وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ."

(الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۵۰۳)

۳:......"عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ

فَقَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا الشِّرْکَ! فَاِنَّهٗ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ. فَقَالَ مَنْ شَاءَ اَنْ یَّقُوْلَ: وَکَیْفَ نَتَّقِیْهِ وَهُوَ اَخْفٰی مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ یَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: قُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ اَنْ نُّشْرِکَ بِکَ وَنَحْنُ نَعْلَمُهٗ وَنَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا نَعْلَمُهٗ." (کنز العمال ج:۲ ص:۱۶۹)

۱:......ترجمہ:...... ''حضرت ایمن بن خریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی، پھر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ." سو تم بچو گندگی سے بتوں کی اور بچو جھوٹی بات سے۔''

۲:......ترجمہ:...... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا آپ نے سود کی قباحت اور شناعت بیان کی اور فرمایا ایک درہم سود جس کو آدمی حاصل کرتا ہے، اس کا گناہ اللہ کے نزدیک چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ ہے، اور بے شک سب سے بڑا سود کسی مسلمان آدمی کی عزت میں زبان کھولنا ہے۔''

۳:......ترجمہ:...... ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، فرمایا کہ: لوگو! شرک سے بچو! اس لئے کہ وہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ ایک آدمی نے کہا کہ: یا رسول اللہ! جو

چیز کہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہو، اس سے ہم کیسے بچیں؟ فرمایا کہ: یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں، اس بات سے کہ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں جان بوجھ کر، اور ہم استغفار کرتے ہیں تجھ سے اس چیز کا جس کو ہم جانتے نہیں۔"

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے تین خطبے ہیں، جن میں بعض کبیرہ گناہوں کا بھی تذکرہ ہے۔

جھوٹی گواہی بت پرستی کے برابر ہے:

ان میں سے پہلی چیز جھوٹی گواہی دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اس کے لئے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے برابر ہے، اور یہ بات مکرر تین مرتبہ ارشاد فرمائی، اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی:

"فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ."

ترجمہ:......"سو تم لوگ گندگی سے جو کہ بت ہیں بچو، اور تم لوگ جھوٹی بات سے بچو۔"

بت پرستی اور جھوٹ بولنا یعنی جھوٹی گواہی دینا ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ذکر فرمایا، بت پرستی سے بچنے کی تلقین فرمائی، اور جھوٹ بولنے سے یعنی جھوٹی شہادت دینے سے بچنے کی تلقین فرمائی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے ایک ہی جگہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ جھوٹی شہادت شرک باللہ کے برابر ہے، بت پرستی کے برابر ہے، جھوٹی گواہی دینا کسی

مسلمان کو نقصان پہنچانے کے لئے، اس کی عزت یا اس کے مال کا نقصان کرنے کے لئے ہے، ایسی گواہی ان سات گناہوں میں سے ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکبر الکبائر فرمایا، سب سے بڑے گناہ۔ ایک حدیث شریف میں ہے:

''اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ! قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَكْلُ الرِّبٰوا، وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّيْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۷)

ترجمہ:...... ''سات گناہ جو آدمی کو ہلاک تباہ کرکے چھوڑتے ہیں، ان سے بچو!

۱:......اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔

۲:......اور جادو کرنا یا کرانا۔

۳:......ناحق کسی جان کو قتل کرنا۔

۴:......سود کھانا۔

۵:......یتیم کا مال کھانا۔

۶:......میدان جہاد سے بھاگنا۔

۷:......کسی پاک دامن پر تہمت لگانا۔''

اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ:

''اَلْكَبَائِرُ: اَلْاِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: شَهَادَةُ الزُّوْرِ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۷)

ترجمہ:...... ''کبیرہ گناہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور

والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا۔"

اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے:

"وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ: الا وقول الزور فما زال يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۶۲)

ترجمہ:......"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سہارا لگائے ہوئے تشریف فرماتھے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور مکرر فرماتے رہے: "وَقَوْلَ الزُّوْرِ، وَقَوْلَ الزُّوْرِ، وَقَوْلَ الزُّوْرِ" جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی گواہی دینا۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ: "حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ!" یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش! آپؐ خاموش ہوجائیں، اور ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ترس آنے لگا، اسی کو یمین غموس (جھوٹی قسم) کہتے ہیں۔"

جھوٹی قسم کا وبال:

جھوٹی قسم کھانا یہ بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور غموس کا لفظ غمس سے ہے، غمس کے معنی غوطہ دینا اور ڈبو دینا یعنی جھوٹی قسم آدمی کو ڈبونے والی ہے۔

مجھے لوگ خطوط لکھتے رہتے ہیں، بہت سارے لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی تھی، اور اس وقت سے آج تک عذاب میں مبتلا ہوں، کیا کروں؟ لوگ قرآن کی جھوٹی قسم کھاتے ہیں اور جھوٹ موٹ سے قرآن کریم سر پر اٹھالیتے ہیں، پھر قرآن کی مار پڑتی ہے تو روتے ہیں، اول تو آدمی کو جھوٹ بولنا ہی نہیں چاہئے اس لئے کہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: بندہ سچ بولتا ہے اور سچ بولنے کا اہتمام کرتا ہے، "حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا." (مشکوٰۃ ص:۴۱۲)

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں اس کا نام صدیق لکھ دیا جاتا ہے، بہت سچ بولنے والا کہ رگ و پے میں صدق ہی صدق ہے، اور ایک بندہ جھوٹ بولتا ہے اور پرواہ نہیں کرتا جھوٹ بولتا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دفتر میں کذاب لکھ دیا جاتا ہے، جھوٹا، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

جھوٹ کسی مذہب وملت میں اچھا نہیں:

جھوٹ ایک ایسی برائی ہے جو کسی مذہب و ملت میں اور کسی انسانی معاشرے میں اچھی نہیں سمجھی جاتی، بے دین سے بے دین معاشرے میں بھی جھوٹ کو برا سمجھا جاتا ہے۔

معاشرہ کا سنگ بنیاد:

بات یہ ہے کہ تمام معاشروں کا سنگِ بنیاد یہ ہے کہ افراد ایک دوسرے پر اعتماد کریں، اگر آپ ایسا معاشرہ فرض کرتے ہیں جس میں کسی آدم کو دوسرے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو معاشرہ کہنا صحیح نہیں، اسی طرح اگر ایک گھر میں کسی کو کسی پر اعتماد نہیں، تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس گھر کی کیفیت کیا ہوگی؟ اسی طرح معاشرے کو سمجھ لیجئے، تو تمام معاشروں کا سنگِ بنیاد ہے ''اعتماد باہمی'' ایک دوسرے پر اعتماد کرنا، اس کے بغیر معاشرت قائم ہی نہیں ہوسکتی

جھوٹ اعتماد باہمی کی بنیاد اکھاڑ دیتا ہے:

اور جھوٹ اس بنیاد کو اکھاڑنے والا ہے، جب لوگ عام جھوٹ بولنے لگیں تو سننے والے کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوجائے گا کہ یہ سچ بولتا ہے کہ جھوٹ؟

جھوٹ سب سے بڑی خیانت:

اعتماد کی بنیاد سچ پر ہے، اور بداعتمادی کی بنیاد جھوٹ پر، اسی بنا پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''کَبُرَتْ خِیَانَۃً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثًا ھُوَ لَکَ بِہٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِہٖ کَاذِبٌ.'' (مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ:...... ''سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے بات کرو، وہ تمہیں سچا سمجھتا ہو اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

تو تم نے اس اعتماد کو جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر کرنا چاہئے، اس میں خیانت کی ہے، اس لئے جھوٹ بولنا بری چیز ہے، آدمی کے منہ سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہئے۔

جھوٹ کی نجاست وقباحت:

انسانی معاشرے کو بھی اس سے نفرت ہے، اور ملائکۃ اللہ کو بھی اس سے نفرت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

''اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلًا مِنْ نَتَنِ مَا جَاءَ بِہٖ.'' (مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ:...... ''جب بندہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹی بات کہتا ہے تو اس کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔''

ایک میل دور تک اس جھوٹ کی بدبو پھیل جاتی ہے جو بے ضرر نہ ہو، بلکہ ضرر پر مبنی ہو، یعنی کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینا وغیرہ، جھوٹی گواہی کا معاملہ تو بہت ہی سنگین ہے، اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ شرک باللہ اور بت پرستی کے برابر ہے، اس لئے کہ اس نے جھوٹ کی نجاست کے ساتھ ساتھ

دوسرے مسلمان کی ایذا رسانی اس کا مال ہتھیانے اور جہنم کا ٹکڑا حاصل کرنے کو بھی شامل کرلیا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

”عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلَیْهِ فِیْ مَوَارِیْثِ لَمْ تَكُنْ لَّهُمَا بَیِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَیْتُ لَهٗ بِشَیْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِیْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا یَا رَسُوْلَ اللهِ! حَقِّیْ هٰذَا لِصَاحِبِیْ فَقَالَ لَا! وَلٰكِنْ اِذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّیَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا لِیُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا صَاحِبَهٗ.“ (مشکوٰۃ ص:۳۲۷)

ترجمہ:......”دو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، (ایک کندی تھا دوسرا حضرمی، حضرموت کا۔ ناقل) ایک نے دعویٰ کیا دوسرے پر کہ اس نے میری زمین غصب کر رکھی ہے، اور دوسرے کا کہنا یہ تھا کہ میرے باپ دادا کی زمین ہے، (باپ دادا کے وقت سے میرے ہاں چلی آرہی ہے۔ ناقل) گواہ ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں تھا، (اور قسم کھانے کے لئے دونوں تیار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ناقل) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لئے میں فیصلہ کردوں اس کے بھائی کے حق سے، تو میں اسے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ ناقل) تو دونوں صاحب مکر گئے ایک کہنے لگا کہ اس کی ہے، دوسرا کہنے لگا کہ اس کی ہے، (مدعی کہتا ہے کہ مدعیٰ علیہ کی

ہے، مدعیٰ علیہ کہتا ہے کہ مدعی کی ہے، اس پر۔ ناقل) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی نتیجہ پر متفق نہیں ہوتے ہو تو پھر ایسا کرو، اس زمین کو تقسیم کرلو، اور ایک دوسرے سے معافی مانگ لو، معاف کروالو، اگر کسی کا حق کسی کے ذمے ہے تو معاف کراؤ۔"

تو خیر میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جھوٹی شہادت کے ذریعہ یا جھوٹ بول کر کسی مسلمان کا حق اڑا لینا یہ جھوٹ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مسلمان کی حق تلفی بھی ہے اور یہ گناہ بڑا سنگین ہے۔

بعض معاملات میں وحی نہ آنے کی حکمت:

حالانکہ وحیِ الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ نمائی کرسکتی تھی، لیکن وحی اگر ایسے معاملات میں راہ نمائی کرتی تو پھر سنت کیسے جاری ہوتی؟ اب ہر ایک آدمی کے پاس تو جبرائیل علیہ السلام یہ بتانے کے لئے نہیں آئیں گے کہ یہ حق پر ہے، اور یہ باطل پر ہے۔ اسی بنا پر صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

"يَقُوْلُ ..... اِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ وَاِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَأْمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهٖ شَيْءٌ اَللّٰهُ مُحَاسِبُهٗ فِيْ سَرِيْرَتِهٖ وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَاِنْ قَالَ اَنَّ سَرِيْرَتَهٗ حَسَنَةٌ." (بخاری ج:۱ ص:۳۶۰)

ترجمہ:...... "وحی بند ہوچکی ہے، ہم تو لوگوں کو ظاہر پر پکڑیں گے، ہم تو لوگوں کے ساتھ معاملہ کریں گے ظاہر کے

مطابق، جس شخص کا ظاہر اچھا دیکھیں گے اس کو اچھا سمجھیں گے، اور جس شخص کا ظاہر غلط ہوگا ہم اس کو غلط سمجھیں گے، (باقی اللہ جانیں، ہمارے پاس وحی نہیں آتی اس لئے قاضی کو حکم ہے کہ وہ ظاہر پر فیصلہ کرے۔ ناقل)۔"

قاضی اپنی معلومات پر، یا شہادت پر فیصلہ کرے؟

اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی ہے کہ اگر قاضی کے علم میں خود ذاتی طور پر کوئی اس کو معلومات ہوں، لیکن شہادتوں میں وہ بات سامنے نہ آئے، تو کیا قاضی، جج اپنے علم پر فیصلہ کرسکتا ہے؟ اس مسئلہ میں علماً نے گفتگو کی ہے، بعض نے کہا ہے کہ کرسکتا ہے، اس کو حقیقتِ حال کا علم ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور بعض علماً فرماتے ہیں کہ نہیں وہ اپنے علم پر عمل کرنے کا پابند نہیں، بلکہ جو کچھ شہادت میں آیا ہے، یا یوں کہو کہ جو کچھ مِسل اور فائل پر موجود ہے، اس کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے، اس لئے کہ اگر وہ اپنے علم پر فیصلہ کرے گا تو لوگ اس پر تہمت لگائیں گے کہ اس نے غلط فیصلہ کیا ہے، جو چیز کہ شہادت میں آئی تھی اور جو چیز ریکارڈ پر موجود تھی، اس نے اس کے خلاف فیصلہ کیا، لوگ تہمت دھریں گے اور قاضی کو تہمت سے بھی بچنا چاہئے، یہ بات بھی معقول ہے۔

قضاً کا اصول:

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو وحی نازل ہوتی تھی، جبرائیل علیہ السلام آکر بتاسکتے تھے کہ یہ سچا ہے کہ جھوٹا ہے؟ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو سنت جاری کروانی تھی، جب دونوں نے دعویٰ کیا اور دونوں کے پاس گواہی نہیں تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے جو کہ قضاً کا نہایت اہم ترین اصول ہے، وہ یہ کہ گواہوں کے ذریعہ اپنے دعوے کو ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

"قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالِهِمْ وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ." (مشکوٰۃ ص:۳۲۶)

ترجمہ:......"اگر لوگوں کو محض ان کے دعووٴں پر ان کے حق میں فیصلے کردیئے جائیں تو لوگ ایک دوسرے کے دماء (خون) اور مال پر دعویٰ کرنے لگ جائیں گے، لیکن گواہ یعنی ثبوت پیش کرنا مدعی کا کام ہے۔ اور قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔ (مدعی گواہ پیش کرے اور اگر مدعی کہے کہ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ یہ چیز میری ہے، تو پھر مدعا علیہ کے ذمہ حلف ہوتا ہے، یعنی مدعی اس سے حلف لے سکتا ہے کہ یہ چیز اس کی نہیں ہے، میری ہے وہ قسم کھا کر کہے۔ ناقل)۔"

حضرت علیؓ قاضی شریح کی عدالت میں:

قاضی شریح کا مشہور واقعہ ہے ناں! کہ ایک یہودی اور امیرالموٴمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک زرہ پر جھگڑا ہوگیا، قاضی شریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے قاضی اور جج چلے آرہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تین خلفاءؓ کے زمانے میں وہ جج رہے، بڑے ذہین آدمی تھے، ان کے فیصلوں کے عجیب وغریب واقعات کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں، قاضی صاحب نے نوٹس جاری کیا اور امیرالموٴمنین کو طلب کیا، امیرالموٴمنینؓ حاضر عدالت ہوئے تو قاضی صاحب نے ان کو جگہ دینا چاہی، امیرالموٴمنین فرماتے ہیں کہ غلط: عدالت کے کٹہرے میں امیرالموٴمنین اور یہودی برابر ہے، آپ کسی ایک کے

ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کر سکتے، یہودی کے اوپر حضرت علیؓ کا دعویٰ ہے، قاضی صاحب نے کہا کہ آپ اس میں گواہ پیش کریں کہ یہ زرہ آپ کی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت امام حسنؓ سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم و ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک تو میرے یہ گواہ ہیں اور ایک حضرتؓ کے خادم تھے قنبرؒ یہ گواہ ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ گواہی تو قابل قبول نہیں ہے کیونکہ بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں قابل قبول نہیں، کوئی اور گواہ لے کر آئیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ اور تو میرے پاس کوئی گواہ نہیں، گویا امیرالمؤمنینؓ اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ناکام رہے، اب یہودی سے حلف لیا جاسکتا تھا، لیکن یہودی کو حلف اٹھانے میں کیا عار تھی؟ جس طرح غلام احمد قادیانی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرسکتا ہے اور اس سے جتنے چاہو جھوٹ بلوالو، تو ایک یہودی قسم اٹھانے میں کیوں ہچکچائے گا، یہودی کو حلف دلایا گیا اس نے قسم کھائی، قاضی صاحب نے فیصلہ امیرالمؤمنینؓ کے خلاف اور یہودی کے حق میں کردیا۔ جب فیصلہ ہوگیا تو یہودی کہنے لگا کہ زرہ امیرالمؤمنینؓ کی ہے اور میرا دعویٰ جھوٹا ہے، میری قسم جھوٹی تھی، اور اس نے کلمہ پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس عدل پر آسمان و زمین قائم ہیں کہ امیرالمؤمنینؓ، قاضی کی عدالت میں بنفسِ نفیس آتے ہیں، اور عدالت میں ایک معمولی چیز زرہ پر بھی اپنی ملکیت ثابت نہیں کرسکتے، اور قاضی جو کرسی عدالت پر بیٹھا ہے، وہ امیرالمؤمنینؓ کے خلاف ایک یہودی کے حق میں فیصلہ کردیتا ہے، یہ ہے وہ عدل و انصاف جس پر آسمان و زمین قائم ہیں، پھر جب اس یہودی نے مسلمان ہوکر وہ زرہ واپس دینا چاہی تو امیرالمؤمنین نے اس کے لینے سے انکار کردیا۔

جھوٹ سے حاصل کردہ مال کا حکم:

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّکُمْ لَتَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَّکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِیَ لَہٗ عَلٰی نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْہُ، فَمَنْ قُضِیْتُ لَہٗ بِشَیْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِیْہِ فَلَا یَأْخُذَنَّہٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ." (مشکوٰۃ ص:۳۲۷)

ترجمہ:......"تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو اور بہت ممکن ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی بہ نسبت زیادہ منہ زور ہو (اور وہ اپنی بات کھل کر بیان کرسکتا ہے، یا عدالت کو متأثر کرسکتا ہے، اور دوسرا بیچارہ نہیں کرسکتا باوجود حق پر ہونے کے وہ عدالت کو متأثر نہیں کرسکتا، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض زیادہ منہ زور ہوں دوسرے کی نسبت۔ ناقل) اور میں جیسی چیز میرے سامنے آئی اس کے مطابق فیصلہ کردوں، تمہیں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اگر میں تمہارے بیانات سے متأثر ہوکر ایک کا حق دوسرے کو دلادیتا ہوں اور فیصلہ کردیتا ہوں تو میں ایک کا حق دوسرے کو نہیں دلا رہا ہوں، بلکہ اس کو جہنم کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، (اب اس کا جی چاہے تو لے اور جی چاہے تو چھوڑ کر چلا جائے۔ ناقل)۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرکے دیتے ہیں کہ یہ زمین فلاں کی ہے، لیکن خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ فیصلہ واقعہ کے خلاف ہوا، ہم نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا، لیکن واقعہ اس کے خلاف تھا تو اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ میں اسے دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، اس کے نام دوزخ الاٹ کر رہا ہوں۔

بھائی! اور سب ٹھیک ہے، لیکن جھوٹ بول کر کسی مسلمان کا حق اڑالینا، حق مارلینا اس کا خمیازہ بڑا سخت ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور جیسے میں نے عرض کیا

کہ اس قسم کی مار ایسی پڑتی ہے کہ ساری عمر پچھتاتا ہے۔

بدترین سود:

دوسرا خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے بارے میں دیا، سود کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ارشاد فرمایا ہے کہ سود بڑی سخت چیز ہے، کتنی سخت ہے؟ اس کو صرف ایک مثال سے سمجھایا کہ سود کا ایک درہم، چھتیس زنا سے بدتر ہے، یعنی چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے، گویا چھتیس مرتبہ منہ کالا کرنے سے آدمی کا ایمان اتنا سیاہ نہیں ہوتا، جتنا سود کا ایک درہم کھانے سے ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے، جبکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ لوگ اس کو شیر مادر سمجھتے ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ اپنے پیسے کا منافع ہے۔ اور پھر ایک تیسری بات ارشاد فرمائی کہ سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی عزت اور آبرو میں زبان کھولنا ہے، یعنی کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا، ہتکِ عزت کرنا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سود کے ستر درجے ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْأً اَیْسَرُھَا اَنْ یُّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ.“ (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ:...... ”سود کے ستر درجے ہیں، سب سے ادنیٰ درجے کا سود اتنا برا ہے گویا اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنا، اور منہ کالا کرنا ہے۔“

اور سب سے بڑا سود ہے کسی مسلمان بھائی کی بے عزتی کرنا، چنانچہ فرمایا: ”اَلْاِسْتِطَالَۃُ فِیْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ.“ یعنی کسی مسلمان کے خلاف زبان درازی کرنا۔

اللہ کے ہاں کسی مسلمان کی حرمت؟

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوجائے گی کہ کسی مسلمان کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی زیادہ ہے؟ ہمیں اور حرمتیں تو یاد ہیں، عہدہ کی حرمت، منصب کی

حرمت، قرابت داری کی حرمت، عزیزداری کی حرمت، لیکن ایمان کی حرمت ہمیں یاد نہیں، بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کے دل میں کسی مسلمان کی حرمت اس کے ایمان کی وجہ سے ہو، الّا ما شاٴ اللہ! اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں جتنی ایمان کی حرمت ہے، اتنی کسی چیز کی بھی نہیں، قرآن کریم میں ہے:

"....وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ." (المنافقون:۸)

ترجمہ:......"اور اللہ کے لئے ہے عزت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اہل ایمان کے لئے لیکن منافق لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

عزت صرف تین کے لئے ہے، اللہ کے لئے واقعی عزت ہے، تمام عزتوں کا مالک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عزت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، بھلا ان سے زیادہ معزز کون ہوگا؟ اور اہل ایمان کے لئے، ان تین کے علاوہ کسی کے لئے عزت نہیں ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں عزت صرف ایمان کی ہے، اور کسی چیز کی نہیں۔ اور ہمارے یہاں اس کے الٹ ہوگیا کہ ہمارے دل میں الّا ماشاٴ اللہ! بس ایمان کی عزت نہیں ہے، باقی ہر چیز کی عزت ہے۔

شرک سے بچو:

تیسرا خطبہ تھا ریاکاری کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا: لوگو! شرک سے بچو! اس لئے کہ وہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! جب چیونٹی کی چال سے خفی ہے تو اس سے بچیں کیسے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ دعا کیا کرو کہ یا اللہ!

میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جان بوجھ کر آپ کے ساتھ شریک کروں، اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ سے معافی مانگتا ہوں اس چیز کے لئے کہ اس کو میں جانتا نہیں، یعنی اگر انجانے میں ہوجائے تو اس کی بخشش چاہتا ہوں۔

شرک کا مفہوم:

یہاں تین مسئلے ذکر کرنے کے قابل ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یہ سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے، یہ تو سب مسلمانوں کو معلوم ہے، اب شریک ٹھہرانے کا کیا مطلب؟ اس کی زیادہ تفصیل نہیں کروں گا، مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں یا صفات میں، صفاتِ خاصہ جو اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں کسی اور کو بھی شریک سمجھنا یہ شرک فی الذات کہلاتا ہے۔ یہ شرک تو کبھی کسی نے کیا نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی کو کوئی نہیں سمجھتا، کبھی کسی بد سے بدتر قوم کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی جیسا یکتا کوئی اور بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی اور بھی ہے، ایسا کبھی کسی نے کوئی لفظ نہیں سنا، شرک فی الذات کبھی کسی نے نہیں کیا۔

توحید فی الذات:

مشرکین نے کہا تھا کہ ہمارے سامنے اپنے رب کا وصف بیان کریں، اس پر سورۂ اخلاص نازل ہوئی، اخلاص کا معنی ردِ شرک کے ہیں، یہ سورۃ التوحید ہے، "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کہہ دیجئے کہ وہ اللہ یکتا ہے۔ علماءٔ فرماتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے واحد، بمعنیٰ ایک، اس کو عربی زبان میں کہتے ہیں واحد، اللہ تعالیٰ واحد بھی ہے، لیکن یہاں فرمایا: "احد" احد کے معنی "یکتا" کہ اس جیسا نہ کوئی ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اپنی ذات میں، اپنے کمالات میں، اپنی صفات میں، اپنے افعال میں، وہ یکتا ہے، یہ تو توحید فی الذات ہوئی۔

توحید فی الصفات:

اور آگے توحید فی الصفات ہے، چنانچہ فرمایا: "اَللّٰہُ الصَّمَدُ" اللہ ہی بے نیاز ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ منبر پر تقریر میں بڑے مزے لے کر سنایا کرتے تھے کہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اللہ الصمد کا ترجمہ کیا کہ "اللہ نرادھار" ہے، یہ کوئی ہندی کا لفظ تھا، شاہ جیؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ جیل میں ایک بہت بڑا فاضل ہندو ملا، جس کو جیل میں پڑے ہوئے سال ہوگیا، وہ مجھ سے قرآن کریم پڑھا کرتا تھا، شاہ جیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن پوچھا کہ نرادھار کیا ہوتا ہے؟ کہنے لگا کہ نرادھار اس کو کہتے ہیں کہ سارے اس کے محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو، شاہ جیؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ ترجمہ سن کر پھڑک گیا، واقعتاً صمد کے یہی معنی ہیں کہ بے نیاز ہے، اللہ بے نیاز ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ ہماری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کوئی مفرد لفظ نہیں ہے، بے نیاز ادھورا ترجمہ ہے، یعنی کسی کا محتاج نہیں، لیکن صمد کے یہ معنی نہیں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں، بلکہ یہ معنی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور باقی سارے اس کے محتاج ہیں، یہ توحید فی الصفات اور توحید فی الافعال ہوئی کہ وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اور اپنے افعال میں بھی یکتا ہے۔ "لَا رَادَّ لِمَا قَضَاهُ" کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اس کو جو وہ فیصلہ کردے، "وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعَهُ" اس کو کوئی دینے والا نہیں جس کو وہ روک لے، "وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَاهُ" جو دینا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔

عقیدۂ ولدیت کا بطلان:

اور بہت سی قومیں عقیدہ ولدیت کی وجہ سے گمراہ ہوئیں، کسی نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے، کسی نے

کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے، اللہ نے فرمایا کہ وہ کسی سے نہیں پیدا ہوا، اور نہ اس کی اولاد ہے، کوئی اس کی اولاد نہیں، عقیدہ ولدیت خدائی کے منافی ہے، اگر خدا پیدا ہو وہ خدا نہ رہا، اور خدا کے جنتے تو خدا پھر بھی خدا نہ رہا۔

پادری سے دیہاتی کا مناظرہ:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیٹا ہونے پر عیسائیوں اور مسلمانوں کا مناظرہ ہو رہا تھا، ایک پرانا بوڑھا دیہاتی ہاتھ میں لاٹھی لئے ادھر آنکلا، جو مولوی صاحب مناظرہ کر رہے تھے، ان سے کہنے لگا مجھے پادری صاحب سے ایک بات پوچھ لینے دیں، مولوی صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے پوچھ لو، تو مناظر کی حیثیت سے وہ دیہاتی کھڑا ہوگیا جس بیچارے کو صحیح سے بولنا بھی نہیں آتا تھا، کہنے لگا: پادری صاحب! آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ پادری کہنے لگا کہ یسوع مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ دیہاتی کہنے لگا کہ: ایک ہی بیٹا ہے کہ اور بھی بیٹے ہیں؟ پادری صاحب کہنے لگے کہ: اکلوتا بیٹا ہے! کہا کہ: تمہارے خدا سے تو میں اچھا رہا کہ میرے گیارہ بیٹے ہیں! بس اسی پر مناظرہ ختم ہوگیا۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: دیہاتی نے دیہاتی زبان میں بات کہی، لیکن کہی بڑی عالمانہ، وہ یہ کہ اگر اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی صفات غیر محدود ہیں، پھر بیٹے بھی غیر محدود ہوتے، اللہ کی صفات کی کوئی حد نہیں ہے، اگر اولاد ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی کہ اس کے اولاد ہو تو پھر اکلوتا بیٹا کیوں ہوتا؟ ایک دیہاتی کے گیارہ ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے لامحدود بیٹے ہونے چاہئے تھے، معلوم ہوا کہ بیٹا ہونا اللہ کی صفت نہیں، اللہ تعالیٰ مالک ہے اور اللہ کے سوا باقی ساری کائنات اس کی ملکیت ہے۔

اللہ تعالیٰ مالک اور مخلوق مملوک ہے:

اللہ تعالیٰ کے درمیان اور مخلوق کے درمیان: خالق اور مخلوق کا، مالک اور مملوک کا رشتہ ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ باپ، بیٹا ایک دوسرے کے مالک نہیں ہوسکتے، اگر کسی کا باپ غلام ہو اور بیٹا اس غلام باپ کو خرید لے تو خریدتے ہی باپ آزاد ہوجائے گا، اور اگر کسی کا بیٹا غلام ہو اور باپ اس کو خرید لے تو خریدتے ہی بیٹا آزاد، اگر کسی کی بیوی باندی تھی، اس نے اپنی بیوی کو خرید لیا، خریدتے ہی نکاح ختم، ولدیت اور زوجیت، یہ دونوں ملکیت اور مملوکیت کے خلاف ہیں، جمع نہیں ہوسکتے، جب تم کہو گے کہ خدا کا بیٹا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا مالک نہیں ہے، یا وہ مملوک نہیں ہے، تو خدا خدا نہ رہا، اگر خدا مالک نہیں ہے تو وہ خدا نہ رہا، تو چونکہ بہت ساری قومیں اس عقیدہ ولدیت کی وجہ سے گمراہ ہوئیں اور شرک میں مبتلا ہوئیں، اس لئے فرمایا: ”لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ“ اس نے نہ کوئی بچہ جنا، اور نہ اس کے کوئی بچہ پیدا ہوا، اور نہ وہ خود کسی کے ہاں پیدا ہوا، وہ خدا ہے یعنی اس کا وجود خانہ زاد نہیں ہے۔

”وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ“ اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔ جتنے بڑے سے بڑے عظیم انسان ہیں یا بڑی سے بڑی عظیم مخلوق ہے، ان کی بڑائی اپنی جگہ، لیکن نسبت خدا کے ساتھ کروگے تو اس کا کوئی مقابلہ نہیں، خدا کے مقابلے کا کوئی نہیں، اس کے جوڑ کا کوئی نہیں، اور اس میں اس طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے کہ بیٹا ہوتا ہے تو رشتے ہوتے ہیں، اور رشتہ جوڑ میں کیا جاتا ہے، کبھی انسانوں کا اور بندروں کا یہاں رشتہ کرتے ہوئے دیکھا؟ کبھی حیوانوں میں رشتہ کرتے ہوئے کسی انسان کو دیکھا؟ انسانوں کا اور حیوانوں کا کیا جوڑ؟ انسان کا جوڑ انسان ہوسکتا ہے، اور پھر اس میں بھی تم لوگ اونچ نیچ کیا کرتے ہو کہ فلاں برادری ہمارا جوڑ ہے، فلاں برادری ہمارا جوڑ نہیں ہے، تو کیا غضب ہے کہ خدا کے لئے رشتہ تجویز کرتے ہو مخلوق کا، حالانکہ وہ ان

سب کا خالق و مالک ہے، "لَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ" اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ یہ تو بھائی! شرک ہے، یعنی خدا کی ذات میں، خدا کی صفات میں، خدا کے افعال میں کسی کو شریک بنالینا اور یہ عقیدہ ولدیت بھی شرک ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ خدا کے ہاں بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ خدا کے ہاں تو بیوی بھی نہیں ہے، نعوذ باللہ! اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہو گے تو حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہنا پڑے گا، لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

ریاکاری شرک خفی:

اور ایک ہے پوشیدہ شرک۔ وہ ہے ریاکاری، کل شام کو اسی کا بیان تھا۔

ریاکاری کے بھی بڑے درجات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ریاکاری شرک ہے، کیونکہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفیف ہوتی ہے، اس لئے اس کا سمجھنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں، بہرحال بچنے کا اہتمام لازم ہے۔

جو اللہ اور اس کے رسول کا عقیدہ میرا بھی وہی:

اور تیسرا مسئلہ یہ کہ جن گناہوں کا علم ہے، ان سے اللہ کی پناہ مانگو اور جو بے پتے، بغیر علم کے انجانے میں ہوجائیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہو۔

شرح فقہ اکبر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"وَاِذَا اَشۡکَلَ ای التبس عَلَی الۡاِنۡسَانِ ای من اهل الایمان شَیۡءٌ مِنۡ دَقَائِقِ عِلۡمِ التَّوۡحِیۡدِ ای وَلَم یتحقق عنده حقائق مقام التفرید ومرام التمجید فَیَنۡبَغِیۡ لَهٗ ای یحب علیه اَنۡ یَّعۡتَقِدَ فِی الۡحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنۡدَ اللّٰهِ تَعَالٰی ای بطریق الاجمال....." (شرح فقہ اکبر ص:۱۳۴)

ترجمہ:......''توحید کے مسائل میں اگر کسی اہل ایمان کو واضح طور پر کوئی بات معلوم نہ ہوسکے (کہ مجھے کیا موقف اختیار کرنا چاہیے، تو پھر یوں کہہ دیا کرے) کہ جو عقیدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست ہے میں اسی کا قائل ہوں، بس سیدھی بات ہے۔''

مطلب یہ کہ جو عقیدہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عقیدہ ہے اور جو عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جو عقیدہ صحابہ کرام کا تھا، اولیأ اللہ کا تھا، میں اسی عقیدے کا قائل ہوں، باقی تمام عقائد سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، اسی طرح گناہوں کے بارے میں یوں کہے کہ جو گناہ مجھے معلوم ہیں، یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں ان میں مبتلا ہوں اور خدانخواستہ لاعلمی کی وجہ سے بے پتے کے مبتلا ہوجاؤں تو میں اس کے لئے استغفار کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مسلمان

کی

عزت و حرمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”.....وَشَدَّ بِالْإِخْلَاصِ وَالتَّوْحِيْدِ المسلمين، وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ إِلَّا بِالْحَقِّ، لَا يَحِلُّ اَذَى الْمُسْلِمِ إِلَّا بِمَا يَجِبُ، بَادِرُوْا اَمْرَ الْعَامَةِ وَخَاصَّةِ اَحَدِكُمُ الْمَوْتَ، فَإِنَّ النَّاسَ اَمَامَكُمْ، وَإِنَّ مَا مِنْ خَلْفِكُمُ السَّاعَةُ تَحْدُوْكُمْ تُخَفِّفُوْا تَلْحَقُوْا فَإِنَّمَا يَنْتَظِرُ النَّاسُ أُخْرَاهُمْ، اِتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَهُ فِيْ عِبَادِهِ وَبِلَادِهِ وَإِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ حَتّٰى عَنِ الْبِقَاعِ وَالْبَهَائِمِ اَطِيْعُوا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا تَعْصُوْهُ وَإِذَا رَأَيْتُمُ الْخَيْرَ فَخُذُوْا بِهٖ، وَإِذَا رَأَيْتُمُ الشَّرَّ فَدَعُوْهُ، وَاذْكُرُوْا إِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ.“

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۴۶۴)

ترجمہ:......”اور (اللہ تعالیٰ نے) مسلمانوں کی مدد فرمائی ہے، اخلاص اور توحید کے ساتھ، مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھوں سے محفوظ رہیں مگر حق کے

ساتھ، کسی مسلمان کو ایذا دینا جائز نہیں، مگر اسی چیز کے ساتھ جو کہ واجب ہے، تمام کاموں سے اور خاص طور پر اپنے خصوصی کاموں سے پہلے موت کی فکر کرو، اس لئے کہ لوگ تم سے پہلے جاچکے ہیں اور جو تم سے پیچھے ہیں اس وقت وہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں گے، اپنا بوجھ ہلکا رکھو تا کہ تم پہلوں سے جا ملو، اس لئے کہ لوگ اپنے آخری انجام کا انتظار کیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے بندوں کے معاملے میں اور اس کے شہروں کے معاملہ میں، کیونکہ تم سے سوال کیا جائے گا زمین کے ٹکڑوں اور بہائم کے بارے میں بھی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، خیر کو دیکھو تو اس کو پکڑ لو، شر کو دیکھو تو اس کو چھوڑ دو، اور یاد رکھو کہ تم اس وقت کو جبکہ تم کمزور تھے اور تعداد میں کم تھے۔''

اخلاص کے معنی:

مسلمانوں کی تائید اللہ تعالیٰ نے اخلاص اور توحید کے ساتھ فرمائی۔

اخلاص کے معنی ہیں ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا، جس کو ہم ''خلوصِ نیت'' کہتے ہیں، ہماری زبان میں محض رضائے الٰہی کے لئے کسی کام کو کرنا یہ اخلاص کہلاتا ہے اور اسی سے عمل میں جان آتی ہے۔

اعمال تمام کے تمام بے روح اور دھڑ ہیں، جب تک کہ ان میں اخلاص کی روح نہ ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ بغیر روح کے جسم اور دھڑ کوئی قیمت نہیں رکھتا، بلکہ دفن کردیئے جانے کے لائق ہوتا ہے۔

توحید کا معنی:

دوسرے توحید، توحید کے معنی اللہ کو ایک ماننا اور مسلمانوں کے ساتھ کلمہ میں متحد ہونا، ان کے درمیان میں تفرق اور اختلاف نہ ہونا۔

کامل مسلمان کی تعریف:

اس کے بعد فرمایا کہ: ''مسلمان وہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔'' تمہارے ہاتھ سے اور تمہاری زبان سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچے۔

علماً فرماتے ہیں کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ تمہارے وجود سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، تمہارا وجود لوگوں کے لئے سراپا امن اور سلامتی کا وجود ہو اور تمہاری ذات سے کسی کو خطرہ محسوس نہ ہو، نہ تمہاری زبان سے، نہ تمہارے ہاتھ سے، نہ تمہارے کسی اور عضو سے۔

زبان اور ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچنے کا مطلب؟

زبان اور ہاتھ دو چیزوں کو اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ زیادہ تر ایذا رسانی، کسی کو تکلیف پہنچانا انہی دو اعضا سے ہوتا ہے، زبان کے ساتھ یا ہاتھ کے ساتھ اور اسی بنا پر یہ فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کے یہ دو عضو مسلمانوں کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچانے کے پابند ہوں، اس کا پورا وجود سلامتی بن جائے گا، بطورِ خاص زبان اس لئے کہ ان سے ایذا زیادہ پہنچتی ہے۔

زبان کی ایذا کا دائرہ:

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک تو زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ گہرا ہوتا ہے، چنانچہ عربی کا مشہور شعر ہے:

جَرَاحَةُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

ترجمہ:......''نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کا زخم، زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا۔''

دوسرے یہ کہ ہاتھ کے چلانے کے لئے تو قوت درکار ہوتی ہے، کمزور آدمی کا ہاتھ نہیں چلتا، طاقتور کے سامنے طاقتور کا ہاتھ چلتا ہے، لیکن زبان تو کمزور کی بھی چلتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ آپ کا ہاتھ صرف اس شخص پر چل سکتا ہے جو آپ کے ہاتھ کی زد میں ہو، سامنے ہو، ہماری زبان میں کہا کرتے ہیں ''دسترس'' یہ چیز اس شخص کی دسترس میں ہے، ''دسترس'' کے معنی ہوتے ہیں ہاتھ کی پہنچ یعنی اس کا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا ہے، یہ چیز میری دسترس سے باہر ہے یعنی میرے ہاتھ کی پہنچ وہاں تک نہیں جاتی، تو ہاتھ تو اسی پر چلے گا جو تمہاری دسترس میں ہو کہ وہاں تک تمہارا ہاتھ پہنچ سکے، لیکن زبان کے لئے آدمی کا سامنے ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ جو لوگ فوت ہو چکے ہیں زبان ان کے خلاف بھی چلا سکتے ہیں، جو لوگ غائب ہیں، موجود نہیں ہیں، تمہارے سامنے نہیں ہیں زبان ان پر بھی چلا سکتے ہو اور پھر یہ بھی کہ ہاتھ ایک پر چلے گا دو پر چلے گا، ایک وقت میں کتنے آدمیوں پر ہاتھ چلالو گے، کلاشنکوف ہاتھ میں ہو تو کئی آدمیوں کو نشانہ بنالو گے، لیکن غیر محدود انسانوں کو تم اس کا نشانہ نہیں بنا سکتے، جبکہ زبان جماعتوں کی جماعتوں اور لاتعداد انسانوں کو اپنی زد میں لے سکتی ہے اور ان کو زخمی کرسکتی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو پہلے ذکر فرمایا:

''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۲)

ترجمہ:......''مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان

سے اور اس کے ہاتھوں سے محفوظ رہیں۔"

شر وفساد مسلمان کی شان نہیں:

"مسلمان وہ ہے" کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی زبان سے یا جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ نہیں وہ مسلمان نہیں ہے؟ جی ہاں! وہ مسلمان نہیں ہے، یا کم سے کم کامل مسلمان نہیں ہے، مسلمان کو جیسا ہونا چاہئے تھا ویسے نہیں ہے، اگرچہ ہم ان کے خلاف کفر کا فتویٰ نہیں دیں گے، لیکن ان کو کامل مسلمان بھی نہیں کہیں گے، اس لئے "المسلم"، جس کو ہم مسلمان کہتے ہیں وہ لیا گیا "اسلام" سے اور "اسلام" کا لفظ ہے "سلامتی" سے، اسلام تو سلامتی کا مذہب ہے، سلامتی والا دین ہے کہ اس کے ذریعہ سے سلامتی کی خوشبو پھیلے اور سلامتی کا پیغام عام ہو، مسلمان وہ ہے جو سلامتی کا علمبردار ہو، شر وفساد مسلمان کی شان نہیں ہے۔

کامل مسلمان کسی کافر کو بھی ایذا نہیں دے گا:

پھر یہ جو فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسرے ایذا میں مبتلا ہوں، مسلمان تو اس کی ایذا سے محفوظ رہیں، لیکن غیر مسلم اس کے ظلم وستم کا نشانہ ہوں، یہ مطلب نہیں، اس لئے کہ بتانا یہ ہے کہ اگر اس کے اندر صحیح اسلام موجود ہوتا تو سب سے پہلے مسلمان اس کی ایذا سے محفوظ ہوتے اور جب مسلمان محفوظ ہوتے تو پھر دوسروں کو بھی ایذا نہ پہنچاتا، پہلے اسلام کی مشق مسلمانوں پر ہوگی، اس کے بعد پھر دوسروں پر بھی ہوگی اور جس شخص کی زبان سے یا ہاتھ سے مسلمان بھی محفوظ نہ ہوں، اس کے بارے میں کیا توقع رکھی جاسکتی ہے کہ اللہ کی باقی مخلوق اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے گی، یہ ترغیب دینا مقصود ہے۔

ہمارا دین ظلم و ایذا رسانی کا مخالف ہے:

اور یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ ظلم کرنا کسی پر بھی جائز نہیں ہے، خواہ مسلمان ہو یا غیرمسلم، ہمارا دین ظلم وستم اور ایذا رسانی کا مخالف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

> ”اِنَّ اللهَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ.“
>
> (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۵۲)
>
> ترجمہ:...... ”اللہ تعالیٰ نے احسان کرنا ہر چیز پر واجب فرمادیا ہے، اگر تمہیں کسی کو قتل کرنا ہو (جیسے قصاص میں مجرم کو قتل کیا جاتا ہے یا کافر کو جہاد میں قتل کیا جاتا ہے تو فرمایا) کہ اس میں بھی حسن سلوک کا معاملہ کرو (قتل میں بھی اس کی رعایت رکھو کہ بری طرح قتل نہ کرو، بلکہ اچھی طرح قتل کرو، اچھے انداز سے قتل کرو، برے انداز سے نہیں، جوڑ بند کاٹ کاٹ کر کسی کو قتل کرنا یہ ایذا رسانی ہے) اور جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اس کو بھی اچھے طریقہ سے ذبح کرو کہ اس کو کم سے کم ایذا پہنچے، اس لئے فرمایا کہ چھری کو تیز کرلو (کند چھری سے ذبح نہ کرو، کیونکہ جانور کی رگیں نہیں کٹیں گی اور وہ بلاوجہ تڑپے گا)۔“

قتل حق کی صورتیں:

بہرکیف! اسلام سلامتی کا مذہب ہے اور مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے ہاتھ سے اور اس کی زبان سے محفوظ رہیں، ”اِلَّا بِحَقِّ“ ہاں! مگر حق کے ساتھ، کسی مسلمان کو قتل کرنا پڑے تو الگ بات ہے، اس کی تشریح امیرالموٴمنین حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ نے فرمائی تھی، اور یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے، میں نے اپنے رسالہ "الشھاب المبین لرجم الشیاطین" میں ان تمام احادیث کو جمع کردیا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں "اِلّا بِاِحْدَیٰ ثَلاثٍ" مگر تین میں سے ایک بات کے ساتھ، مسلمان میں مسلمان ہونے کے بعد تین چیزوں میں سے ایک پائی جائے تو اس کا خون حلال ہوجاتا ہے، اور وہ کیا ہے؟

ا:......حد رجم:

ان میں سے ایک ہے: "زِنًا بَعْدَ الْاِحْصَانِ" کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری کرتا ہے، زنا کرتا ہے اور اس پر صحیح شہادت یا اقرار کے ذریعہ سے جرم ثابت ہوجاتا ہے تو اس کا حکم ہے "رجم" کہ اس کو سنگسار کیا جائے، یہ شریعت کا حکم ہے، اس زمانے میں بہت سے لوگ اس پر بھی اظہارِ خیال کرتے ہیں، حالانکہ یہ رجم کا حکم پہلی کتابوں میں بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں موجود ہے، توریت میں آج بھی موجود ہے، یہ جو بائبل لئے پھرتے ہیں، اس میں موجود ہے، ہماری شریعت میں بھی حکم ہے، خیر اس مسئلے پر مجھے گفتگو نہیں کرنی، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر سنگسار کردیا جائے۔

یہاں اتنی بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ ایسا گھناؤنا اور ایسا گندہ متعفن جرم ہے کہ شریعت نے اس کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شرط رکھی ہے، کسی جرم کے ثبوت کے لئے دو گواہوں سے زیادہ کی ضرورت نہیں، دو گواہ کافی ہیں، عادل، ثقہ، قابلِ اعتماد، لائقِ اعتماد دو آدمی گواہی دے دیں کہ فلاں نے فلاں کو ہمارے سامنے قتل کیا ہے اور ان کی شہادت واقعتاً قابلِ اعتماد ہو اور ان پر جرح نہ کی جاسکے، ان کی دیانت و امانت پر جرح نہ کی جاسکے تو جرم ثابت ہوجائے گا، اور اس شخص کو قصاصاً قتل کردیا جائے گا، اگر مقتول کے وارث اس کو معاف نہ کریں، میں ابھی اس مسئلے کو بیان

کرتا ہوں، چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، اس کے لئے بھی دوشہادتیں کافی ہیں، شراب میں اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں، شراب نوشی کے جرم پر اس کے لئے بھی دو شہادتیں کافی ہیں، کسی پر ناحق بدکاری کی تہمت لگائے تو اس کی سزا قرآن کریم میں اسّی کوڑے ذکر کی گئی ہے: ''فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً.'' (نور:۴) تمام جرائم میں زنا ایک ایسا جرم ہے جس کے لئے چار گواہوں کی شرط ہے اور گواہ بھی سنی سنائی بات نہ کریں، ورنہ ان کی پٹائی ہوجائے گی، اسّی کوڑے لگیں گے، بلکہ اپنی عینی شہادت پیش کریں کہ ہم نے ان دونوں کو بدکاری کرتے دیکھا ہے، اپنی آنکھوں سے دیکھیں، آنکھوں دیکھی شہادت پیش کریں، اتنا سنگین جرم کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے چار گواہوں کی شرط رکھی ہے، اور پھر اتنا سخت جرم کہ اگر مرد اور عورت دونوں شادی شدہ ہوں تو دونوں کو سنگسار کیا جائے، اگر ان میں سے ایک شادی شدہ ہے اور ایک کنوارہ ہو تو جو شادی شدہ تھا اس کو سنگسار کیا جائے اور جو غیر محصن ہے، شادی شدہ نہیں ہے، اس کو سو کوڑے لگائے جائیں۔

۲:......حد ارتداد:

دوسرا جرم ہے: ''وَكُفْرٌ بَعْدَ اِسْلَامٍ.'' اسلام لانے کے بعد کوئی شخص مرتد ہوجائے، کافر ہوجائے تو وہ واجب القتل ہے، البتہ اتنی رعایت اس کے ساتھ کی جائے گی کہ اس کو اسلام کی تلقین کی جائے گی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ایک علاقے کے گورنر تھے، وہاں سے ایک صاحب تشریف لائے، امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں کے حالات پوچھنے لگے کہ کیا حال ہے لوگوں کا؟ خوش ہیں؟ لوگوں کو کوئی شکایت تو نہیں ہے؟ انہوں نے حالات بیان کئے، پھر فرمایا کہ کوئی عجیب وغریب واقعہ وہاں پیش آیا ہو؟ کہنے لگے: امیرالمؤمنین! ایک واقعہ عجیب وغریب پیش آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ ایک آدمی مسلمان ہوگیا تھا، بعد میں اپنے کفر کی طرف لوٹ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنجیدہ ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ: پھر تم نے کیا کیا؟ کہا کہ: اس کو قتل کردیا، اور یہی سزا ہے شریعت میں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لئے گئے، یہ دونوں یمن کے ایک ایک علاقے کے گورنر تھے اور حاکم تھے، یہ سواری پر سوار تھے، دیکھا کہ ایک آدمی کے دونوں ہاتھ گردن پر بندھے ہوئے ہیں، پوچھا کہ اس کو کیوں کھڑا کر رکھا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو ان کے میزبان تھے، جن سے ملنے کے لئے یہ آئے تھے، کہا کہ: آپ تشریف رکھئے، آپ کو بتاتے ہیں، فرمایا کہ: تشریف نہیں رکھتا، سواری سے بھی نہیں اتروں گا، پہلے بتاؤ کیا معاملہ ہے؟ کیا بات ہے؟ کہنے لگے: یہ خبیث یہودی تھا، مسلمان ہوگیا، پھر یہودی بن گیا۔ حضرت معاذؓ فرمانے لگے: "..... قَالَ لَا اَجْلِسُ حَتّٰی یُقْتَلَ ....." (بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۳) "سواری سے نہیں اتروں گا جب تک کہ اس کو قتل نہیں کردیا جاتا" اس کی سزا یہ تھوڑی ہے کہ دھوپ میں کھڑا کرو، چنانچہ اس کو قتل کیا گیا تو یہ سواری سے اترے۔

یہ بھی بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کچھ زنادقہ تھے، یہ عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی تھے، حضرت امیرالمؤمنین کو اس کی شکایت کی گئی کہ یہ لوگ الٹی باتیں کرتے ہیں، نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! کہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مظہر خدا ہیں، حضرت امیرالمؤمنین نے ان کو بلوایا اور پوچھا: تم ایسی باتیں کرتے ہو؟ انہوں نے اقرار کیا، فرمایا: ایک گڑھا کھودو، ایندھن جلاؤ اور اس میں ان کو جھونک دو، چنانچہ جلادیا گیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہے کہ:

"قَالَ اُتِیَ عَلِیٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ، فَبَلَغَ ذَالِکَ
اِبْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: لَوْ کُنْتُ اَنَا لَمْ اُحَرِّقْهُمْ، لِنَهْیِ رَسُوْلِ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللهِ، وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ." (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۳)

ترجمہ:...... ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان زندیقوں کو لایا گیا، آپ نے ان کو جلانے کا حکم دیا، یہ بات جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمانے لگے: اگر میں ہوتا تو جلاتا نہیں، میں ان کو قتل کرتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اپنا دین تبدیل کردے اس کو قتل کردو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑا عالم کون تھا؟ وہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے، یہ بات ان کو پہنچی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں، فرمایا: ''ویہ ابن عباس!'' افسوس ہے ابن عباس پر! وہ مجھے پہلے بتاتے، مطلب یہ کہ حضرت نے ان کو قتل کرنے کی شکل یہ تجویز کی اور یہ سمجھا کہ ان کا جرم عام مرتد سے زیادہ سنگین ہے، اس لئے ان کو جلانا چاہئے۔ غرضیکہ کوئی مسلمان نعوذ باللہ! العیاذ باللہ! اسلام کو چھوڑ دے، مرتد ہوجائے، تو اس کی سزا قتل ہے۔

۳:......حد قصاص:

تیسری چیز جو قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہے وہ ہے: ''النفس بالنفس'' یعنی خون کا بدلہ خون، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ......'' (البقرہ:۱۷۸)

ترجمہ:...... ''اے ایمان والو! تم پر فرض کردیا گیا ہے

بدلہ مقتولوں کے بارے میں۔"

جان کے بدلے میں جان، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عجیب حکیمانہ بات فرمائی ہے: "فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ." اگر اس کو معافی مل گئی، اس کے بھائی کی جانب سے، یعنی ایک قاتل ہے اپنے بھائی کا، کسی مسلمان کا، لیکن اولیاءِ مقتول راضی ہوگئے کہ ہم اس سے خون کا بدلہ خون (قصاص) نہیں لیتے، اس پر راضی ہوگئے تو خون بہا ادا کرنا چاہئے: "فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ." تو اس صورت میں چاہئے کہ وہ لوگ تو اس معاوضے کے وصول کرنے میں ذرا احسان سے کام لیں، معروف طریقے سے وصول کریں اور یہ حسن طریق سے ادا کرے، قاتل عمد یعنی جان بوجھ کر کسی کو قتل کرنا اس کی سزا قصاص ہے کہ قاتل کو اس مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے، لیکن اگر اولیاءِ مقتول میں سے کوئی ایک بھی قصاص معاف کردے تو اس صورت میں خون بہا ادا کرنا پڑے گا، یعنی خون کی قیمت۔ جانتے ہو خون کی قیمت کتنا ہے؟ سو اونٹ ہیں، ایک آدمی کی قیمت سو اونٹ ہیں، اگر کوئی بکریوں سے دینا چاہے تو ایک ہزار بکری، روپیہ، پیسہ اور نقدی سے دینا چاہے تو دس ہزار درہم اس کی قیمت ادا کرے، سونے سے دینا چاہے تو ایک سو دینار، اس کی قیمت کم و بیش ہوجاتی ہے، غرضیکہ اولیاءِ مقتول میں سے اگر ایک آدمی معاف کردے تو قصاص نہیں لیا جاسکتا۔

حضرت عمرؓ کا مرتد کے بارہ میں حکیمانہ مشورہ:

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ درمیان میں رہ گیا، میں دوسری طرف چلا گیا۔

پوچھنے لگے کہ کوئی نیا واقعہ پیش آیا؟ کہنے لگے کہ: ایک شخص مسلمان ہوا تھا، مرتد ہوگیا۔ کہنے لگے: تم نے کیا کیا؟ کہا کہ: قتل کردیا۔ اس پر تو (قانون کے نفاذ پر تو) اعتراض نہیں کیا، لیکن فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے!

اگر تم اس کو مہلت دیتے اور اس کو ایک کمرے میں بند کردیتے اور چوبیس گھنٹے میں ایک روٹی اس کو کھانے کے لئے دیتے، اور تین دن تک تم اس کو دعوت دیتے کہ وہ واپس آجائے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔

تو اگر کوئی مرتد ہوجائے اس کو اسلام میں دوبارہ آنے کی دعوت دی جائے گی، اگر وہ اس کو قبول کرلے، دوبارہ مسلمان ہوجائے تو سزا معاف ہوجائے گی، لیکن یہ دعوت دینا ضروری ہے؟ لازم ہے؟ یا بہتر ہے؟ عامۂ علماٗ کے مختلف اقوال ہیں۔

حنفیہ کا قول ہے کہ اس کو واپس آنے کی دعوت دینا ضروری نہیں ہے، امام چاہے تو ویسے بھی بغیر دعوت کے قتل کرسکتا ہے، حاکم قتل کرسکتا ہے، لیکن دعوت دینا بہرحال مستحب اور بہتر ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں بات آجائے، اس کے شبہات دور کئے جائیں، معلوم نہیں کہ اس کو کیا شبہ پیش آگیا تھا؟ تین دن تک اس کو دعوت دی جائے، شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر تین دن کے اندر وہ کہتا ہے کہ میرے شبہات دور نہیں ہوئے اور یہ چاہتا ہے کہ اس کو مزید وقت دیا جائے تو مزید وقت بھی دیں گے، اس کی بھی اجازت ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اس کے شبہات دور نہ ہوں تو ہم ذمہ دار نہیں ہیں، یہ نہیں کہ ہم اس کو مطمئن کریں، یہ ہماری ڈیوٹی نہیں ہے۔

میں بات کررہا تھا کہ تیسری صورت ہے قتل یعنی جان کے بدلے میں جان، یہ تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان لینا جائز ہے:

۱:......محصن ہونے کے باوجود زنا کرے

۲:......اسلام سے پھر کر مرتد ہوجائے

۳:......اور کسی مسلمان کو بے گناہ جان بوجھ کر قتل کردے۔

قتل کی پانچ قسمیں:

میں نے کہا ہے کہ علماٗ نے قتل کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

قتلِ عمد:

۱:......ایک ان میں سے قتلِ عمد ہے، قتلِ عمد میں قصاص ہوتا ہے یعنی خون کا بدلہ خون ہے، شرط یہ ہے کہ تمام کے تمام اولیا متفق ہوکر اس کا مطالبہ کریں، اگر ایک وارث نے کہہ دیا کہ میں معاف کرتا ہوں، اب دوسرے وارث قصاص نہیں لے سکتے، دیت لے سکتے ہیں۔

قتلِ شبہ عمد:

۲:......اور ایک قتل شبہ عمد کہلاتا ہے، یعنی مارا تو جان بوجھ کر، کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں مارا، لیکن کسی ہتھیار کے ساتھ یا دھار والے آلے کے ساتھ نہیں مارا، ویسے ہی کوئی ڈنڈا وغیرہ مار دیا تو وہ مرگیا۔

ہمارے عزیزوں کے گاؤں میں ایک واقعہ ہوا، شام کے وقت ایک آدمی اپنے مکان کے سامنے گلی میں بیٹھا ہوا حقے میں پانی ڈال رہا تھا، ایک دوسرا آدمی آیا اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، اس نے وہ چھڑی اس کو ماری اور اس کو وہیں ڈھیر کردیا، اس کا بوڑھا باپ زندہ تھا، اس نے تھانے میں کہا کہ: جی یہ اپنی تقدیر سے مرا ہے، میرا بیٹا اپنی تقدیر سے مرا ہے، اتنی سی چھڑی سے کوئی آدمی مرجایا کرتا ہے؟ مارنے والے نے ایک معمولی سی چھڑی ماری، پتلی سی چھڑی تھی، خدا جانے اس کے کہاں لگی؟ مرگیا، کہنے لگے کہ بس اس کا وقت آگیا تھا، ورنہ اتنی سی چھڑی سے کیا آدمی مرجاتا ہے؟ یہ اپنی تقدیر سے مرا ہے، لیکن شریعت اس صورت میں بھی سزا کا حکم کرے گی، قصاص کا نہیں، کیونکہ یہ اتنی معمولی سی چھڑی آلہ قتل نہیں ہے، البتہ یہ قتل شبہ عمد کہلاتا ہے، اور اس صورت میں دیت مغلظہ ہوگی، ایک سو اونٹ، جن میں سے پچیس ایک سال والے، پچیس دو سال والے، پچیس تین سال والے، پچیس چار سال والے، عربی میں ان کے نام بھی ہیں۔

قتل خطأ:

۳:......ایک قتل خطأ کہلاتا ہے، قتل خطأ میں بھی دیت ہے، لیکن دیت مخففہ ہے، ہلکی دیت۔ اس میں بھی ہوتے یہی سو اونٹ ہیں، مگر اس میں پانچ قسمیں کردی جاتی ہیں، خیر یہ مسائل تو بعد کی چیز ہے۔

پھر خطأ کی دو صورتیں ہوتی ہیں، خطأ کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی شکار کو نشانہ بنایا تھا، لیکن اتفاق سے گولی کسی انسان کو لگ گئی، یعنی کوئی آدمی ایسے ہی سامنے آگیا، اس کا مقصد اس کو مارنا نہیں تھا، جیسے عام طور پر پڑھتے رہتے ہیں کہ اتفاقاً گولی چل گئی ایک آدمی اپنی بندوق صاف کر رہا تھا، یا اپنا پستول صاف کر رہا تھا، اتفاقاً گولی چل گئی، یہ قتل خطأ کہلاتا ہے، اسی طرح ڈرائیوروں کے ہاتھ سے جو لوگ مرجاتے ہیں، یہ بھی قتل خطأ ہے، وہ بے چارے جان کے (دانستہ) نہیں مارتے، لیکن بے احتیاطی کرتے ہیں، ان کی بے احتیاطی سے آدمی مرگیا۔

اور قتل خطأ کی دوسری صورت یہ ہے کہ قصداً نشانہ تو اسی کو بنایا تھا، لیکن یہ سمجھا تھا کہ وہ کافر ہے، حالانکہ تھا وہ مسلمان! یعنی جہاد میں نشانہ بنایا تھا کسی کافر کو، مگر پہچان نہیں سکا، نکلا وہ مسلمان۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت یمان رضی اللہ عنہ بھی ایک مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوگئے تھے، مارنے والے کو غلطی لگ گئی یا پھر نشانہ تو بنایا تھا کسی شکار کو، لیکن پتہ نہیں چلا کہ وہ انسان ہے، نشانہ تو اسی کو بنایا لیکن پہچان نہیں سکا، یہ بھی خطأ کی شکل ہے۔

اور قرآن کریم میں قتل خطا کی تین سزائیں بیان فرمائی ہیں، عام طور پر لوگ اس معاملہ میں احتیاط نہیں کرتے، قرآن کریم کی سورۂ نسا اور پانچویں پارے میں اس کے حکم میں پورا رکوع ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَّمَنْ
قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ

...... فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ۔" (النسآء:۹۲)

یعنی کسی مؤمن سے ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی مؤمن کو قتل کردے، ہاں! غلطی ہوجانا دوسری بات ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جو کسی مسلمان کو خطاءً قتل کردے، اس کی ایک سزا تو یہ ہے کہ دیت ادا کرے سو اونٹ...... اور دوسری سزا یہ کہ غلام آزاد کرے (پہلے زمانہ میں غلام ہوتے تھے، غلام بھی عام نہیں) مؤمن غلام کو آزاد کرے، جس کے پاس غلام نہ ہو تو دو مہینے لگاتار (پے در پے) روزے رکھے (بیچ میں ناغہ نہ کرے، نہ اختیاری ناغہ، نہ جبری ناغہ، مثلاً: روزے رکھ رہا تھا کہ درمیان میں کسی مجبوری سے ناغہ ہوگیا، یا بخار ہوگیا، تو نئے سرے سے شروع کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے: "شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ" (دو مہینے لگاتار) فرمایا ہے۔ ہاں! عورتوں کے خاص ایام مستثنیٰ ہیں، وہ جبری ہیں، من جانب اللہ ہیں۔ اور تیسرے "تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ" اللہ سے توبہ بھی کرے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خطأ ہے تو توبہ کیوں؟ اس لئے کہ خطأ میں اتنی خطأ تو ہوئی کہ اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا، اور معاملہ انسانی جان کا ہے، تو اس کو فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، مگر حق کے ساتھ اور یہ حق کی تشریح ہے کہ تین قسم کے خون حلال ہیں۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

ظلم وستم

اور

حرص

کے نقصانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "اِیَّاکُمْ وَالظُّلْمَ! فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَاِیَّاکُمْ وَالْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ! وَاِیَّاکُمْ وَالشُّحَّ! فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِالشُّحِّ، اَمَرَهُمْ بِالْقَطِیْعَةِ فَقَطَعُوْا، وَاَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا، وَاَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا." فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: "اَنْ یَّسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِکَ وَیَدِکَ!"

فَقَالَ ذَالِکَ الرَّجُلُ اَوْ غَیْرُهُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: "اَنْ تَهْجُرَ مَا کَرِهَ رَبُّکَ! وَالْهِجْرَةُ هِجْرَتَانِ: هِجْرَةُ الْحَاضِرِ وَهِجْرَةُ الْبَادِیْ، فَهِجْرَةُ الْبَادِیْ اَنْ یُّجِیْبَ اِذَا دُعِیَ وَیُطِیْعَ اِذَا اُمِرَ، وَهِجْرَةُ الْحَاضِرِ

اَعْظَمُهَا بَلِیَّۃً وَاَفْضَلُهَا اَجْرًا.‘‘

(الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۳۷۹)

ترجمہ:......’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ: ’’ظلم سے بچو! کیونکہ ظلم تاریکیاں ہوں گی قیامت کے دن، اور بدگوئی اور فحش کلامی سے بچو! اور حرص سے بچو! اس لئے کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ حرص کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ اس نے ان کو حکم کیا قطع رحمی کا، انہوں نے قطع رحمی کی۔ اس نے ان کو حکم کیا بخل کا، انہوں نے بخل کیا۔ اس نے ان کو حکم کیا بدکاری کا، انہوں نے بدکاری کی۔‘‘

ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’جو مسلمان تیری زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔‘‘ کسی اور آدمی نے کہا کہ: یا رسول اللہ! ہجرت کون سی افضل ہے؟ فرمایا کہ: ’’تو چھوڑ دے اس چیز کو جس کو تیرا رب ناپسند کرتا ہے، اور ہجرت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک شہری کی ہجرت اور دوسری بادیہ نشین کی ہجرت۔ بادیہ نشین کی ہجرت تو یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو لبیک کہے، اور جب اس کو حکم دیا جائے تو وہ حکم مان لے۔ لیکن شہری کی ہجرت سب سے زیادہ آزمائش والی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برے اخلاق سے آگاہ کرنے کے لئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

ظلم کا معنی و مفہوم:

"ظلم" کے بہت سارے معنی آتے ہیں، اور اس کا بہت زیادہ وسیع مفہوم ہے، لیکن یہاں "ظلم" سے مراد یہ ہے کہ کسی کی حق تلفی کرنا، کسی کا حق ادا نہ کرنا اور دوسروں کے حقوق کو اپنے ذمہ لے لینا، دنیا کا ظالم آخرت کا مفلس ہوگا، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا، وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ."

(مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

ترجمہ:...... "تم مفلس کس کو سمجھتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور سامان نہ ہو۔ فرمایا: "میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ کسی کو برا بھلا کہا تھا، کسی کی بدگوئی کی تھی، کسی کا مال کھایا تھا، کسی کی خون ریزی کی تھی، کسی کو مارا تھا، (تو وہاں روپیہ پیسہ تو ہوگا نہیں، نیکیاں ہوں گی، اس کی نماز کسی کو دے دی گئی، روزہ کسی اور کو دے دیا گیا، حج کوئی اور لے گیا، زکوٰۃ بھی کوئی اور لے گیا، غرضیکہ ناقل) اس کی نیکیوں کی قیمت لگا کر اس کے ذمہ

جو حقوق تھے وہ اور اس کے مظالم کا بدلہ ادا کیا جائے گا۔ اس کے باوجود بھی اگر حقوق پورے نہیں ہوں گے، اربابِ حقوق کے گناہ لے کر اس کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص میری امت کا مفلس ہے)۔''

ظلم وزیادتی سے آخرت کی تاریکی:

شاید ہم لوگ، لوگوں کی حق تلفی کرنے، ان پر ظلم اور زیادتی کرنے کو، عقلمندی یا ہوشیاری سمجھتے ہوں، لیکن یہ قیامت کے دن تاریکی ہوگی، راستہ پھر نظر نہیں آئے گا۔

ظلم کی تاریکی کا عجیب قصہ:

مجھے پہلے زمانے کا ایک واقعہ یاد آیا، ایک درویش تھے، تھیلی میں ان کے پاس پیسے ہوتے تھے، وہ کسی دکاندار سے کوئی چیز لیتے تو اس کے سامنے تھیلی ڈھیر کردیتے، کہتے: بھائی! اس میں سے جتنے پیسے تمہارے بنتے ہیں لے لو، باقی اس میں واپس ڈال دو! دکاندار ایسا کرلیتے۔ ایک دن چیزیں لے کر واپس آرہے تھے، تھیلی ہاتھ میں تھی، جب وہ گھر میں داخل ہونے لگے تو ایک آدمی ان کے تعاقب میں ہوگیا، گھر میں داخل ہونے سے پہلے تھیلی ان سے چھین لی، بزرگ تو گھر میں چلے گئے، اب یہ تھیلی لے کر واپس آنے لگا، تو آگے راستہ بند ہوگیا، اس کو نظر نہیں آرہا تھا کہ کس طرف جانا ہے؟ واپس آتا ہے تو راستہ نظر آتا ہے، اس طرح اس نے بہت سارے چکر لگائے، آخرکار جب اس نے دیکھا کہ یہ تھیلی میں لے کر نہیں جاسکتا تو دروازہ کھٹکھٹانے لگا، اور اس بزرگ سے کہنے لگا: باباجی! اپنی تھیلی واپس لے لو، وہ بزرگ آئے اور تھیلی لے لی، یہ واپس جانے لگا تو راستہ کھل گیا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، کبھی کبھی خرقِ عادت کے طور پر ہوجاتا ہے۔

شہریوں کی جان و مال کی حفاظت حکومت کا فرض:

اب کسی کا مال لینا، کسی کے گھر ڈاکہ ڈالنا، کسی کی چوری کر لینا بہت عام بات ہوگئی ہے، یا شاید موجودہ ''کلچر'' میں داخل ہوگیا ہے، معلوم نہیں کلچر کے کیا معنی ہوتے ہوں گے؟ درمیان میں بات عرض کردوں کہ شہریوں کے مال کی، ان کی جان کی، ان کی عزت اور آبرو کی حفاظت کرنا حکومت کا فرض ہے، اور جو حکومت شہریوں کی جان و مال کی حفاظت نہیں کرسکتی اس کو اخلاقی طور پر اور شرعی طور پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

جان و مال کا تحفظ نہ دینے کی صورت میں ٹیکس لینا:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں ہمارے ذمی شہریوں یعنی وہ علاقے جو ہم نے فتح کر لئے تھے، وہ تمام کے تمام علاقے مسلمانوں کے زیر حفاظت تھے، اگر وہاں کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آجاتا، کوئی لوٹ مار کرکے چلا جاتا، تو قانون یہ تھا کہ ہم مسلمان ان شہریوں سے جزیہ اور ٹیکس نہیں لے سکتے تھے، اس لئے کہ ہم جان و مال کی حفاظت نہیں کرسکے، ہماری کوتاہی ہے۔ اور غیر مسلم شہری جبکہ وہ ہمارے ماتحت ہوگئے تھے، ان کی جان و مال کی حفاظت ہمارے ذمہ تھی، اور اگر کوتاہی یا غفلت کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے ہم ان کی جان و مال کی حفاظت نہیں کرسکتے تو ہمیں ان سے جزیہ یا کوئی ٹیکس لینے کا کوئی حق نہیں۔

حقوق ادا کرو ورنہ:

تو خیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دوسروں کے حقوق غصب کرنا اور ان کی حق تلفی کرنا ہم اس کو ''ہوشیاری'' اور ''دانائی'' کہتے ہوں گے، لیکن جیسے میں نے اس بزرگ کا واقعہ ذکر کیا ہے، اسی طرح قیامت کے دن سارے راستے بند ہوجائیں گے،

قیامت کے دن ''یوم الدین'' بدلے کا دن، وہاں ہر ایک کو دوسرے کے حقوق دلائے جائیں گے۔ اس لئے کسی شخص کا حق اگر تمہارے ذمہ ہو تو اس کے ادا کرنے کی فکر کرو اور تمہارا حق اگر کسی کے ذمہ رہ جائے تو فکر مت کرو، وہ محفوظ ہے، وہ تم کو ہر حال میں ملے گا۔

اسلام حقوق مانگنے کی نہیں ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے:

ہمارا دین حق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے، جو ہمارے ذمہ حقوق ہیں ان کو ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق ادا کریں اور جو حقوق لوگوں کے ذمہ ہیں ان کو یہ نہیں کہتا کہ: جاؤ جا کر حق مانگو! اس لئے کہ ان کا حق تو محفوظ ہے، دنیا میں نہیں دے گا تو آخرت میں تو دینا پڑے گا۔

اس پل پر حساب دینا چاہتے ہو یا پل صراط پر؟

اس پر ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک بادشاہ نے محل بنانا چاہا تھا، ایک بڑھیا کا چھوٹا سا گھروندا اس میں تھا اور بڑھیا سے کہا گیا: تم پیسے لے لو اور تم کو دوسری جگہ گھر لے کر دیتے ہیں، کہنے لگی کہ: میں نہیں دیتی، میں تو اس جگہ پر رہوں گی۔ بادشاہ کے حکام یا عمال نے زبردستی بڑھیا کا گھر گرادیا، بادشاہ کا محل جو بنانا تھا۔ بادشاہ کی سواری گزر رہی تھی، پل پر سے گزری تو بڑھیا وہاں کھڑی ہوگئی، اور سواری گزرنے لگی تو بڑھیا نے اس کی لگام پکڑلی، بادشاہ نے کہا کہ: اماں! کیا بات ہے؟ کیا چاہتی ہو؟ کہنے لگی کہ: چاہتی تو میں کچھ نہیں ہوں، تمہارا محل بنانے کے لئے ایک غریب بڑھیا کا گھروندا تمہارے حاکموں نے گرادیا ہے، میں صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس کا حساب اِس پُل پر دینا ہے یا اُس پُل پر؟ میں صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں تم سے، کوئی بات نہیں منواتی، انصاف نہیں طلب کرتی، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں اس کا بدلہ یا اس کا حساب اِس پُل پر دینا ہے یا اُس پُل پر دینا ہے؟

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ." (مشکوٰۃ ص:۴۳۴)

ترجمہ:...... "ظلم ظلمتیں ہوں گی قیامت کے دن۔"

ظلمت کے معنی ہیں اندھیرا، تاریکی، کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، کسی کی حق تلفی نہ کرو اور اپنے نامہ عمل کو اس سے محفوظ رکھو۔

اپنا بوجھ ہلکا کرلو:

شیخ عطار رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے، فرماتے ہیں کہ: تمہاری سواری نازک سی لگ رہی ہے، بہت نازک سواری ہے، ذرا اپنا بوجھ ہلکا کرلو، ورنہ اس بوجھ کو اٹھا کر چلنا بہت مشکل ہوجائے گا، بڑی مشکل پیش آئے گی۔ بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو مرنے سے پہلے لوگوں کے حقوق ادا کردیں، معاف کروالیں، اور بہت ہی بدقسمت ہیں وہ بندے جو لوگوں کے حقوق کا پشتارا اپنی کمر پر لاد کر مریں اور وہاں ان کو حساب دینا پڑے۔

بدگوئی اور دشنام تراشی خبث باطن کی علامت:

دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ بدگوئی اور دشنام طرازی، گالیاں بکنا اور دوسری بکواس کرنا، فرمایا اس سے بچا کرو۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ذکر فرمائی، اس لئے عرب کا مشہور محاورہ ہے کہ ہر برتن سے وہی چھلکا کرتا ہے جو اس میں ہو، اگر برتن میں دودھ بھرا ہوا ہوگا تو دودھ چھلکے گا، شراب بھری ہوگی تو وہ چھلکے گی، زمزم بھرا ہو وہ چھلکے گا۔ نعوذ باللہ! گندگی بھری ہوئی ہو تو وہ چھلکے گی، تمہاری یہ زبان تمہارے دل کے برتن کو چھلکاتی ہے، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں کیا بھرا ہوا ہے، اس کو کہنے کی ضرورت نہیں، اگر گندگی نکلتی ہے، گالیاں بکتے ہو، اس کے معنی یہ ہیں کہ اندر گندگی بھری ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ فرماتے ہیں کہ ذرا اپنے

برتن کو ٹھیک کرو، کیونکہ جب آدمی افسردہ ہوتا ہے تو اس سے غمگین باتیں نکلتی ہیں، اور آدمی خوشی سے لبریز ہوتا ہے تو اس سے خوشی کی باتیں نکلتی ہیں۔ بھائی! تمہارے دل میں خیر ہوگی تو تمہارے منہ سے بھی کلمہ خیر نکلے گا، اور نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! گندگی بھری ہوئی ہوگی تو پھر گالیاں ہی منہ سے نکلیں گی، اور کیا منہ سے نکلے گا؟

زبان کی حفاظت کی ضرورت:

اپنی زبان کا جائزہ لو اور دیکھو کہ ہماری زبان کس طرح استعمال ہوتی ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّھَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ، فَتَقُوْلُ: اِتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا! فَاِنَّا نَحْنُ بِکَ، فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا، وَاِنْ اَعْوَجَجْتَ اَعْوَجَجْنَا.''

(مشکوٰۃ ص:۴۱۳)

ترجمہ:...... ''آدم کا بیٹا جب صبح کرتا ہے تو تمام اعضأ زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں کہ ہم تیرے تابع ہیں خدا کے لئے تو سیدھی چلی تو ہم بھی سیدھے چلیں گے، اور اگر تو ٹیڑھی چلی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔''

زبان تو ایک کلمہ منہ سے بول کر چھپ جاتی ہے، اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا، مگر جوتے سر پر پڑتے ہیں، بھاگنا پاؤں کو پڑتا ہے، لڑائی ہاتھوں کو کرنا پڑتی ہے، معلوم ہوا کہ زبان کی ذمہ داری بھی اعضأ پر آجاتی ہے، اس لئے تو ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں کہ خدا کے لئے سیدھے رہنا، یہ دن عافیت سے گزار لینا، تمام اعضأ ہر صبح کو منت سماجت کرتے ہیں، اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ کا اپنی زبان کو کھینچنا:

ایک حدیث میں ہے کہ:

"اِنَّ عُمَرَ دَخَلَ یَوْمًا عَلٰی اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ وَھُوَ یُجَبِّذُ لِسَانَہٗ، فَقَالَ عُمَرُ: مَہْ؟ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ! فَقَالَ لَہٗ اَبُوْبَکْرٍ: اِنَّ ھٰذَا اَوْرَدَنِیَ الْمَوَارِدَ." (مشکوٰۃ:۴۱۵)

ترجمہ:...... "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن بیٹھے زبان کھینچ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، کہنے لگے: کیا بات ہوگئی ہے؟ فرمایا: اس نے مجھے بہت سارے گھاٹوں پر اُتارا ہے۔"

حضرت ابن عمرؓ کا زبان کی حفاظت کا انداز:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ زبان کے نیچے کنکر رکھتے تھے تاکہ جب وہ حرکت کرے تو معلوم ہوجائے کہ یہ زبان چلنے لگی ہے۔

ہمیں اس چیز کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل طور پر ہمارے قبضہ میں دے دیا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ ہم کوئی بات کہنا چاہیں تو زبان بند ہوجائے، احساس ہی نہیں ہوتا، تو بھائی! اپنی زبان کی حفاظت کرنی چاہئے۔

بدزبانی اور فحش کلامی سے بچنے کی تلقین:

بدزبانی اور فحش کلامی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ:

"مَا کَانَ الْفُحْشُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہٗ وَمَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ." (مشکوٰۃ ص:۴۱۴)

ترجمہ:...... "سختی جس چیز میں بھی پیدا ہوجاتی ہے، اس کو عیب دار کردیتی ہے، اور نرمی اور خوش اخلاقی جس چیز میں

بھی پیدا ہو جاتی ہے اس کو زینت دے دیتی ہے۔''

زبان میں ہڈی نہ ہونے کی حکمت:

قدرت کو سخت زبانی ناپسند ہے، ہڈی کے بغیر اللہ تعالیٰ نے زبان کو بنایا ہے، کیونکہ اس میں سختی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، نرم گفتاری اور شیریں کلامی کی عادت ڈالو، سخت کلامی کرنا اور بدگوئی کرنا عیب ہے، اور ایک مؤمن کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔

خیانت سے بچو:

تیسری بات فرمائی کہ خیانت سے بچو!

''خیانت'' امانت کی ضد ہے، آدمی کے دل میں امانت کا ہونا یہ اس کی صفت ہے، جس کو ہم امانت داری کہتے ہیں، اور پھر یہ اس کے مظاہر ہیں جو سامنے آتے ہیں، امانت داری کی شکلیں سامنے آتی ہیں، یہ اس کے مظاہر ہوتے ہیں، وہ امانت داری نہیں بلکہ وہ امانت داری کے نتائج ہیں، امانت داری آدمی کے دل کی ایک صفت ہے اور خیانت اس کی ضد ہے۔

امانت کے معنی:

علمائ فرماتے ہیں کہ ''امانت'' کے معنی ہیں آدمی پر اس بات کا احساس غالب ہونا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، قیامت کے دن مجھ کو اس چیز کا جواب دینا ہوگا، اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ انسان کے اعضائ جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیئے ہیں یہ بھی امانت ہیں، ان کا ٹھیک استعمال ہوا تو یہ امانت داری ہوئی، اور ان اعضائ کا استعمال ٹھیک نہیں ہوا تو یہ خیانت ہے۔ کسی نے آپ کے پاس کوئی چیز امانت کے طور پر رکھوائی، وہ بھی

امانت ہے، اس میں تصرف کرنے کا آپ کو حق حاصل نہیں ہے۔

کسی کی بات دوسرے کو بتلانا بھی امانت کے منافی ہے:

کسی کی راز کی بات سن کر دوسرے کو بتلانا یہ بھی امانت میں خیانت ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِالْحَدِیْثِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَھِیَ اَمَانَۃٌ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۱۲)

ترجمہ:...... "جب کسی نے چپکے سے کوئی بات کہی (اور بات کرنے کے بعد پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کوئی اور تو میری بات نہیں سن رہا) فرمایا اس کی یہ بات بھی تمہارے پاس امانت ہے۔"

جب وہ دائیں بائیں دیکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی اور کا سننا پسند نہیں کرتا، اور کسی کو سنانا نہیں چاہتا، اس نے یہ بات صرف تم کو سنائی ہے، تو یہ اس کا راز، اس کی امانت ہے۔ اگر اس کے راز کو افشا کروگے تو خیانت کے مرتکب ہوجاؤ گے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ:

"اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ، اِلَّا ثَلَاثَۃَ مَجَالِسَ، سَفْکُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَیْرِ حَقٍّ."

(مشکوٰۃ ص:۴۳۰)

یعنی مجلس کے اندر جو بات کہی جائے وہ امانت ہوتی ہے، مگر تین چیزیں امانت نہیں ہیں۔ کوئی شخص گناہ کی بات کرتا ہے، کوئی بھی گناہ کا منصوبہ بناتا ہے تو تم اس کو چھپا کر نہ رکھو، اس کو ظاہر کردو۔ یا کوئی شخص ناجائز خون کرنا چاہتا ہے، کسی کو قتل کرنے کا ارادہ اور منصوبہ بنا رہا ہے، اور آپ کو معلوم ہوگیا تو یہاں خاموشی گناہ ہوگی،

یا کوئی بدکاری کا منصوبہ بناتا ہے اور آپ کو معلوم ہے تو اس کو چھپانا گناہ ہے، کوئی کسی کے مال لوٹنے کا منصوبہ بناتا ہے اور تمہارے سامنے اس کا اظہار کرتا ہے یہ بھی گناہِ کبیرہ ہے، اور اس گناہِ کبیرہ پر تم اگر اس راز کو چھپاؤ گے تو تم بھی اس کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوجاؤ گے۔ غرضیکہ کسی کا راز بھی امانت ہے، اور یہاں پر ایک چھوٹی سی بات اور بھی عرض کردیتا ہوں۔

بلا اجازت کسی کا خط پڑھنا بھی خیانت ہے:

کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی خیانت ہے، حتیٰ کہ باپ کا خط بیٹے کو اور بیٹے کا خط باپ کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔ الّا یہ کہ باپ اس خیال سے پڑھے کہ بیٹا کسی غلط کام میں مبتلا نہ ہو، تو وہ دوسری بات ہے، کیونکہ یہ چیز اصلاح کی مد میں آگئی، ورنہ باپ کا خط بیٹے کو اور بیٹے کا خط باپ کو پڑھنا جائز نہیں، یہ بھی امانت ہے۔

نااہل کو منصب دینا یہ بھی خیانت ہے:

یہ سرکاری مناصب، عہدے جو ہمارے ہاں ریوڑیوں کے بھاؤ بکتے ہیں، یہ بھی امانت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

”جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ: مَتَی السَّاعَةُ؟ قَالَ: اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ! قَالَ: کَیْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ!“

(مشکوٰۃ ص:۴۶۹)

ترجمہ:...... ”ایک آدمی حاضر ہوا، عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو!

اس کی سمجھ میں بات نہیں آئی، پھر اس نے سوال کیا کہ: یا رسول اللہ! امانت کے ضائع ہونے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: جب معاملات نااہل کے سپرد کردیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو!''

جو شخص کسی منصب کا اہل نہیں ہے، مگر تم وہ منصب اس کے سپرد کردیتے ہو یہ بھی خیانت ہے۔

ووٹ بھی امانت ہے:

آج کل ارکانِ اسمبلی پر بڑی تنقید ہو رہی ہے کہ ارکانِ اسمبلی مجرم ہیں سوال یہ ہے کہ جنہوں نے ان کو ووٹ دیا ہے کیا وہ مجرم نہیں؟ کہ آخر تم نے غلط آدمیوں کو کیوں ووٹ دیا تھا؟ تمہاری آنکھیں پھوٹی ہوئی تھیں؟ تم کو معلوم نہیں تھا کہ یہ بدمعاشوں کا ٹولہ ہے، یہ ملک و ملت کے دشمن ہیں، تم ان کے بیانات نہیں پڑھتے تھے؟ ان کا کردار تمہارے سامنے نہیں تھا؟ تم ایک پارٹی کو یا ایک فرد کو ووٹ دیتے ہو، تم سمجھتے ہو یہ بھی دنیاوی معاملہ ہے، اس کی کوئی مسئولیت نہیں ہوگی؟ نہیں! یہ بھی امانت ہے، اور یہ قیامت کے آثار میں سے ہے کہ تم اپنی اس امانت کو ضائع کرتے ہو۔

مسلمانوں کے اقتدار کے زوال کے اسباب:

یہ لطیفہ شاید میں نے آپ کو سنایا تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، دلّی کی جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے، اس وقت انگریز کی نئی نئی عمل داری آئی تھی، ایک انگریز بھی آگیا، حضرت کا وعظ ختم ہوا تو کہنے لگا کہ: بھائی! تم اپنی نماز بعد میں پڑھ لینا، میرے ایک سوال کا جواب دو! مسجد میں کھڑے ہوکر مسلمانوں سے کہا: میرا سوال یہ ہے کہ تم ہندوستان کے آٹھ سو سال سے حکمران چلے آرہے تھے، تمہاری حکومت ختم کیوں ہوئی؟ اور ہم اتنی دور سے آکر تم پر حاکم کیوں بن گئے؟

نفری ہمارے پاس نہیں، طاقت ہمارے پاس نہیں، ہمارے اور تمہارے ملک کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ ہے، ہم وہاں سے چل کر آئے اور تم پر حاکم بن گئے، اور تمہاری آٹھ سو سالہ حکومت ہم نے ختم کی، اس کی وجہ کیا تھی؟ لوگ بیچارے کیا جواب دیتے، وہ انگریز کہنے لگا: اس سوال کا جواب میرے پاس ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ایسے لوگ جو حکومت چلانے کے اہل تھے وہ حجروں میں بیٹھ گئے، اور جو حکومت چلانے کے اہل نہیں تھے وہ حکومت کے ادارے میں آگئے، اس لئے یہی نتیجہ نکلنا چاہئے تھا۔

نظامِ جمہوریت کے ذریعہ اپنے سروں پر جوتے لگوانے کا انتظام:

میں نے پہلے بھی ایک دفعہ کہا تھا کہ تمہارے سر پر تمہارے ہاتھ سے جوتے لگوانے کے لئے اللہ نے یہ انتظام کر دیا ہے، جمہوریت میں یہ ووٹنگ کا جو نظام ہے ناں! میں تو اس کا ویسے ہی قائل نہیں ہوں، اقبال کے بقول:

گریز از طرزِ جمہوری، غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

اقبال کہتا ہے اس جمہوریت پر لعنت بھیجو! اور ذرا عقل مندی سے کام لو کہ دوصد خر، دو سو گدھے جمع ہوجائیں تو وہ ایک آدمی کا کام کرلیں گے، تمہارے ملک کا نظام چلانے کے لئے ایک آدمی کافی ہے، لیکن دو سو گدھے جمع کرتے ہو، ان سے نہیں چلتا، دیانت اور امانت بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔

ہر عہدے کے لئے ڈگری شرط ہے، مگر امانت و دیانت نہیں:

میں نے ایک موقع پر ان صاحبوں کو لکھا تھا کہ تمہارے یہاں ہر عہدے کے لئے ایک خاص تعلیم شرط ہے، اتنا تعلیم یافتہ ہو، ایسی اس کے پاس ڈگری ہو تو اس کو اس عہدے پر لیا جائے گا۔ لیکن دو باتیں تم بھول گئے ہو، ایک یہ کہ تعلیم کو دیکھتے

ہو، دیانت و امانت کو تم نے کبھی نہیں دیکھا، کافر ہے؟ مسلمان ہے؟ نیک ہے بد ہے؟ اچھا ہے یا برا ہے؟ مؤمن ہے یا ملحد ہے؟ تم کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ ڈگری اس کے پاس ہونی چاہئے، اور ستم بالائے ستم یہ کہ تعلیم کے اداروں میں بھی جو دراصل بچوں کا ذہن بنانے والا ادارہ کہلاتا ہے وہاں بھی تم نے صرف ڈگری کو ہی دیکھا، یہ کبھی نہیں دیکھا کہ ایک اسلامی مملکت کے نونہالوں کا ذہن بنانے والے تعلیمی ادارہ میں کیسا آدمی ہونا چاہئے؟

سوائے حاکم کے ہر چیز کے لئے معیار ہے:

دوسری بات جس کو تم بھول گئے ہو، وہ یہ ہے کہ اور تمام چیزوں کے لئے کوئی معیار نہیں، جو بھی کھڑا ہو جائے اور تمہارے ووٹ خرید لے، دھونس اور فراڈ سے یا طمع سے، جس ذریعہ سے بھی ووٹ خرید لے وہ تمہارا حاکم بن سکتا ہے، آخر کیا اندھیر ہے؟ یہ دنیا میں جو آپ تماشا دیکھ رہے ہیں یہ میرے آقا کے ارشاد کی تفسیر ہے۔ یہ چیز نااہلوں کے سپرد ہوگئی ہے، یہ شاہی باز، بڑھیا کے ہاتھ میں آگیا ہے، یہ بیچارے اس کی چونچ بھی کاٹیں گے، اس کے پنجے بھی کاٹیں گے۔

حرص اور لالچ کا فساد اور تباہ کاریاں:

چوتھی بات ارشاد فرمائی: حرص اور لالچ سے بچو!

علمأ فرماتے ہیں کہ "شُحّ" قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے، طبیعت کے بخل کو اور اس کی حرص کو "شُحّ" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ایک بیماری ہے، اس سے بچو! اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔ کیسے ہلاک ہوئیں؟ اسی حرص اور بخل نے ان کو کہا کہ قطع رحمی کرو، انہوں نے قطع رحمی کرلی، بھائی بھائی کی لڑائی ہے، کیوں؟ حرص بنیاد ہے اور کچھ بھی نہیں۔ باپ بیٹے سے جدا ہے، بیٹا نافرمان بن رہا ہے، باپ اس کو عاق کر رہا ہے، کیوں؟ یہ ساری حرص کی کارفرمائی ہے، قطع رحمی کا حکم دیا اس نے تو انہوں نے قطع

رحمی کرلی، اور بخل کا حکم دیا، بخل کرلیا، اور بدکاری، گناہ گاری کا حکم دیا اس میں لگ گئے تو حرص اور لالچ اگر یہ بے قید اور بے لگام ہوجائیں تو پھر اس سے فساد پھیلتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

''وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.'' (الحشر:۹)

ترجمہ:......''جس کو اس کے نفس کی حرص اور طمع سے بچادیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔''

اسلام کا سب سے افضل عمل؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک آدمی کھڑا ہوگیا کہنے لگا: یا رسول اللہ! اسلام کا کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: اسلام کا سب سے اونچا عمل یہ ہے کہ اہل ایمان کو تیری زبان سے اور تیرے ہاتھ سے حفاظت ہو، جس شخص کی زبان سے اور ہاتھوں سے کسی مؤمن کو امان نہ ہو، وہ کیا مسلمان ہے؟

بہترین ہجرت:

ایک اور صاحب کھڑے ہوئے، کہنے لگے: ہجرت سب سے اچھی کون سی ہے؟ ''ہجرت'' کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں، عام طور سے ''ہجرت'' کا لفظ بولا جاتا ہے وطن چھوڑ دینے کو، فرمایا کہ: سب سے اچھی ہجرت یہ ہے کہ جن چیزوں کو تیرا رب ناپسند کرتا ہے، تم ان کو چھوڑ دو۔ اور پھر فرمایا کہ: ہجرت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک شہری لوگ ہیں اور بعض دیہات میں رہتے ہیں، دیہاتیوں کی ہجرت تو یہی ہے کہ ان کو جو حکم دیا جائے اس کی اطاعت کریں، ان کو کسی کام سے بلایا جائے تو وہ لبیک کہیں، لیکن شہریوں کی ہجرت ذرا مشکل ہے، پھر فرمایا کہ مشکل بھی ہے اور ساتھ کے ساتھ اجر میں بھی بڑھی ہوئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کمزور اور مظلوم
کی
مدد کرنا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"وَاَعِيْنُوا الضَّعِيْفَ وَالْمَظْلُوْمَ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ، وَارْحَمُوا الْاَرْمِلَةَ وَالْيَتِيْمَ، وَاَفْشُو السَّلَامَ، وَرُدُّوْا التَّحِيَّةَ عَلٰى اَهْلِهَا بِمِثْلِهَا اَوْ بِاَحْسَنَ مِنْهَا، وَتعاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ، وَاَكْرِمُوا الضَّيْفَ، وَاَحْسِنُوْا اِلَى الْجَارِ، وَعُوْدُوا الْمَرْضٰى، وَشَيِّعُوا الْجَنَائِزَ، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ..... الخ." (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......"مدد کرو کمزور کی، مظلوم کی اور ان لوگوں کی جو تاوان میں آئے ہوئے ہوں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر کی اور مانگنے والوں کی اور گردنوں کے چھڑانے والوں کی اور رحم کرو بیوہ اور یتیم بچوں پر اور سلام کو پھیلاؤ، سلام کا جواب دیا کرو

سلام کہنے والے کو اس کی مثل یا اس سے بہتر اور ایک دوسرے
کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کام پر اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرو
گناہ اور زیادتی کے کام پر اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ
تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں اور عزت کرو مہمان کی اور حسن
سلوک کرو پڑوسی کے ساتھ اور عیادت کرو بیماروں کی اور رخصت
کرو جنازوں کو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔"

کمزور کی مدد کرنا:

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے چند فقرے ہیں۔ فرمایا کہ: کمزور کی اور مظلوم کی مدد کرو، طاقت ور آدمی کی مدد کے لئے تو ہر آدمی تیار ہوتا ہے اس کی طاقت کی وجہ سے، لیکن کمزور آدمی کی مدد کرنا اس کے ذمے ہے، جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ فرمایا: محض انسانی ہمدردی کی بنا پر کمزور کی مدد کی جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرمایا کرتے تھے کہ: "اے کمزوروں کے رب!" اللہ تعالیٰ صرف طاقتوروں کا رب نہیں، بلکہ کمزوروں کا رب ہے، کمزوروں کی مدد کرو۔

مظلوم کی مدد کرو:

اسی طرح مظلوم کی مدد کرو، جس پر ظلم ہوا ہو، ظالم کا ساتھ نہ دو، بلکہ مظلوم کا ساتھ دو، خود بھی مظلوم پر ظلم کرنے سے بچو، کسی پر ظلم کرنے سے بچو اور اگر کسی کو کسی پر ظلم کرتے ہوئے دیکھو تو اپنے امکان کی حد تک اس کی مدد کرو۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا:

"اِیَّاکَ وَدَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ! فَاِنَّمَا یَسْأَلُ اللهَ تَعَالٰی
حَقَّهٗ وَاِنَّ اللهَ لَا یَمْنَعُ ذَا حَقٍّ حَقَّهٗ۔" (مشکوٰۃ ص:۴۳۶)

ترجمہ:...... "مظلوم کی بددعا سے بچو! اس لئے کہ مظلوم

اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ کسی حق والے کا حق نہیں روکتے۔"

مظلوم کی دعا سیدھی عرش پر جاتی ہے اور جب مظلوم بددعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا، چاہے کچھ عرصہ کے بعد ہو۔ یہ اس کی حکمت ہے، بہرحال مظلوم کی بددعا رائیگاں نہیں جاتی، خاص طور پر مظلوم آدمی جو اپنا انتقام خود نہ لے سکتا ہو، اور ظالم طاقتور ہو، کمزور بیچارہ نہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور نہ لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکار سکتا ہے، نہ اس کی برادری ہے اور نہ اس کا قبیلہ ہے، ایسے بے کس اور بے بس مظلوم کی مدد کرو۔

ظلم کے سدباب کا طریقہ:

اگر لوگ ایک نکتہ کو سمجھ جائیں تو ظلم وستم کا دروازہ بند ہوجائے، وہ نکتہ یہ ہے کہ اگر میں اس مظلوم کی جگہ ہوتا اور وہ میری جگہ ہوتا تو میں اپنے لئے کیا معاملہ پسند کرتا؟ صرف اتنی سی بات سوچ لی جائے کہ ہم مظلوم پر ظلم کرتے ہیں، کمزور آدمی پر ظلم کرتے ہیں؟ یہ سوچو کہ اگر اس کے پاس طاقت ہوتی اور تم بے طاقت ہوتے اور یہ تم پر ظلم کرنا چاہتا تو تمہارا ردعمل کیا ہوتا؟ تمہارے دل کی کیفیت کیا ہوتی؟ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ."

(مشکوٰۃ ص:۴۲۲)

ترجمہ:...... "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے کہ ایک مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہیں کرتا اور جہاں اس کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اس کو بے مدد نہیں چھوڑتا۔"

اگر ہمارے سامنے کسی آدمی پر ظلم ہوتا ہے اور ہم اس کی مدد نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا اسلام کا رشتہ کمزور ہے۔

زیر بار لوگوں کی مدد کرو:

جو لوگ تاوان کے نیچے آئے ہوئے ہیں، ان کی اعانت کرو، کسی آدمی پر کوئی ناگہانی تاوان پڑ گیا ہو، اس کی وجہ سے وہ بے چارہ پریشان ہے تو اس کی مدد کرو۔

میرے سامنے ایسے بہت سارے معاملات آئے، ایک آدمی بڑا کھاتا پیتا تھا، لوگوں کو آگے بڑھنے کا شوق ہے، آگے بڑھا، مگر تجارت میں خسارہ ہوگیا اور لاکھوں کا زیر بار ہوگیا، اب یہ اپنے قرض خواہوں سے منہ چھپائے پھرتا ہے، ایسے آدمی کی مدد کرو، جو کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے زیر بار آگیا ہو، یا اس نے کسی کا تاوان اپنے ذمے لے لیا ہو، اس کی مدد کرو۔

فی سبیل اللہ کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ کے راستے میں مدد کرو، ''فی سبیل اللہ'' قرآن کریم کا لفظ ہے، اور اس کی تفسیر میں علمائ کے متعدد اقوال ہیں۔

بعض نے کہا کہ جو لوگ جہاد کے لئے جا رہے ہوں اور ان کے پاس سامان جہاد کا نہ ہو، ان کی مدد کرنا یہ فی سبیل اللہ ہے۔

بعض نے کہا کہ حاجی حج کے لئے گیا تھا، کسی وجہ سے اس کا توشہ ختم ہوگیا، اس کی مدد کرنا فی سبیل اللہ ہے۔ اسی طرح دینی مدارس کے طالب علم ان کی اعانت کرنا بھی فی سبیل اللہ ہے۔

اور بعض حضرات نے اس میں تعمیم کردی ہے کہ ہر وہ کارِ خیر جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جاتا ہے، اس میں اعانت کرنا فی سبیل اللہ ہے، جیسے مدارس کی تعمیر، مساجد کی تعمیر۔

زکوٰۃ کا مصرف؟

لیکن یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ زکوٰۃ صرف فقیر کو دی جاسکتی ہے، پلوں کی

تعمیر میں یا ایدھی سینٹر میں زکوٰۃ نہیں لگے گی، بعض لوگ زکوٰۃ کے پیسے سے ہسپتال بنادیتے ہیں اور اس کو کارِ خیر سمجھتے ہیں، تعمیر میں زکوٰۃ نہیں لگے گی، البتہ اگر زکوٰۃ کے پیسے کی دوائیں خرید کر رکھ دی جائیں اور یہ ہدایت کردی جائے کہ صرف مستحق اور ایسے لوگ جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، نادار ہیں، غریب ہیں، ان کو دی جائے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن اس کا اطمینان ہونا چاہئے کہ وہ دوائی کسی دوسری جگہ استعمال نہیں ہوگی۔ ہمارے ہاں اس معاملے میں بے احتیاطی کی جاتی ہے، زکوٰۃ کا پیسہ کہاں خرچ کیا جائے؟ اس کے بارے میں احتیاط نہیں کرتے۔

حکومت کی زکوٰۃ کے مصارف میں بے احتیاطی:

میرے پاس بہت سارے خطوط آتے ہیں، تو ان میں لکھا ہوتا ہے کہ حکومت زکوٰۃ وصول کرتی ہے، تو ایک حصہ طالب علموں پر خرچ کیا جاتا ہے، طالب علموں سے مراد کالج، یونیورسٹی والے طالب علم، اور ایک حصہ باہر بھجوانے کے لئے، اس میں امیر وغریب کی تو پتہ نہیں رعایت رکھتے ہوں گے یا نہیں رکھتے ہوں گے؟ لیکن یہ شکایت ملی ہے کہ بعض مرزائی طالب علموں کو بھی اس مد سے دیا جاتا ہے۔ ہماری حکومت کے ہاں تو کوئی احتیاط ہی نہیں، اور یہ عجیب بات ہے کہ ایک فرقے کے لوگ زکوٰۃ سے مستثنیٰ کئے گئے ہیں، جو مسلمان کہلاتے ہیں، لیکن اہل سنت کی جو زکوٰۃ جمع کی جاتی ہے وہ بغیر احتیاط کے ہندو، مسلم سب پر خرچ کی جاتی ہے، مرزائی پر خرچ کی جاتی ہے۔ یہ تو جو خرچ کی جاتی ہوگی اس کا حال ہے ورنہ تو اخبارات میں یہ بھی آتا ہے کہ انتخابی اخراجات پر خرچ کی جاتی ہے، استغفر اللہ! بہرحال میں نے عرض کیا کہ ''فی سبیل اللہ'' کا لفظ تو عام ہے، ہر کارِ خیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہنا چاہئے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی غریب کو دینا ضروری ہے، اور اس کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے، ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ سے مکان بنا کر دینا:

میمن برادری میں یہ رواج ہے کہ اپنی اپنی زکوٰۃ ایک جگہ اکٹھی کرتے ہیں، اور پھر اپنی برادری کے لوگوں پر وہ تقسیم کرتے ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مکان بنا کر ان کو دیتے ہیں، بہت اچھی تجویز ہے، یہ حضرات مجھ سے مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے، انہوں نے بتایا کہ ہم مکان کی چابی اس کو دیتے ہیں، مگر مکان کے کاغذات اس کو نہیں دیتے، اس کو بیچنے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ مکان بیچ کر دوسری جگہ نہیں لے سکتا، گویا مالکانہ اختیارات نہیں ہوتے، میں نے کہا کہ بھائی! اگر اس کو مالکانہ حقوق نہیں دیتے، تو زکوٰۃ تو ادا نہیں ہوتی۔ کہنے لگے کہ وہ بیچ کھا کر پھر ویسے ہی ہو جائیں گے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کا کوئی اور طریقہ اختیار کرو۔ زکوٰۃ کے پیسے کے بارے میں لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ پیسہ ہے، بس خرچ کر دیا اچھے کام پر، بس زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ نہیں بھائی! یہ بات نہیں، فقر شرط ہے، جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کا فقیر ہونا شرط ہے، اگر وہ آدمی فقیر نہ ہو، محتاج نہ ہو، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ٹی وی والے کو زکوٰۃ دینا:

ایک کے گھر میں ٹی وی ہے اور محتاج بھی ہے، حالانکہ ٹی وی ضروریات زندگی میں شامل نہیں اور اس ٹی وی کی قیمت اتنی ہے کہ وہ صاحب نصاب ہوسکتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ نہیں لگے گی، اور اس کو زکوٰۃ دینا ٹھیک نہیں ہے۔

مسافروں کی اعانت کرو:

اور مسافروں کی بھی اعانت کرو، ایک شخص سفر کی حالت میں ہے، کسی وجہ سے اس کے پاس توشہ ختم ہوگیا، یا کسی نے اس کی جیب کاٹ لی یا پیسے اس کے گر گئے یا اور کوئی ایسی شکل ہوگئی تو ہر چند کہ وہ اپنے گھر میں غنی ہے، مال دار ہے، اس کو زکوٰۃ اس حالت میں دینا جائز ہے۔ ابن سبیل کی اعانت بھی ضروری ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مسافر کی خدمت اور رعایت وہ شخص کرتا ہے جو خود بھی سفر پر گیا ہو، اس کو بھی ایسا حادثہ پیش آیا ہو، دوسرے لوگوں کو احساس نہیں ہوتا۔

پیشہ ور بھکاری کو زکوٰۃ دینا؟

اور مانگنے والوں کو بھی دو، لیکن مانگنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک حاجت مند اور ایک پیشہ ور، پیشہ وروں کو نہ دی جائے، زکوٰۃ بھی نہ دی جائے اور دوسری اعانت بھی نہ کی جائے، اور بعض اکابرؒ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ان کو دینا حرام ہے، کیونکہ یہ اعانت للمعصیت ہے۔

اب کیسے معلوم ہو کہ یہ شخص ضرورت مند ہے یا نہیں؟ اور ضرورت کی بنا پر سوال کر رہا ہے یا بے ضرورت؟ تو بھائی! اس کا معیار تو کوئی بتایا نہیں جاسکتا، یہ تمہارے اندر کا قاضی فتویٰ دے گا، تمہارا دل کہتا ہے کہ یہ شخص ضرورت مند ہے، تو اس کو دے دو، انشاءاللہ قبول ہوجائے گی، اور اگر تمہارا دل یہ شہادت دیتا ہے کہ نہیں! یہ پیشہ ور آدمی ہے تو اس کو مت دو۔

غنی کو فقیر سمجھ کر زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی:

فقہ میں مسئلہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کو فقیر سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غنی تھا، تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے:

”قَالَ رَجُلٌ: لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ یَدِ سَارِقٍ، فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ اللَّیْلَةَ عَلٰی سَارِقٍ. فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ، لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِیْ

یَدِ زَانِیَۃٍ. فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ اللَّیْلَۃَ عَلٰی زَانِیَۃٍ. فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی زَانِیَۃٍ، لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَۃٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِہٖ فَوَضَعَھَا فِیْ یَدِ غَنِیٍّ. فَاَصْبَحُوْا یَتَحَدَّثُوْنَ: تُصُدِّقَ اللَّیْلَۃَ عَلٰی غَنِیٍّ. فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی سَارِقٍ وَّزَانِیَۃٍ وَغَنِیٍّ. فَاُتِیَ فَقِیْلَ لَہٗ: اَمَّا صَدَقَتُکَ عَلٰی سَارِقٍ فَلَعَلَّہٗ اَنْ یَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِہٖ، وَاَمَّا زَانِیَۃٍ فَلَعَلَّھَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاھَا، وَاَمَّا الْغَنِیُّ فَلَعَلَّہٗ یَعْتَبِرُ فَیُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاہُ اللہُ.'' (مشکوٰۃ ص:۱۶۵)

یعنی ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: یا اللہ! میں تیری رضا کے لئے صدقہ دینا چاہتا ہوں، اس نے رات کے اندھیرے میں، تاکہ کوئی نہ دیکھے، ایک شخص کو صدقے کے پیسے دے دیئے۔ اگلے دن محلّہ میں شہرت ہوگئی کہ آج کسی غنی کو صدقہ دے دیا گیا۔ اس شخص نے کہا: یا اللہ! میں نے تو آپ کی رضا کے لئے صدقہ دیا تھا، لیکن میرا صدقہ بے محل خرچ ہوگیا ہے، اچھا! آج میں نئے سرے سے صدقہ دوں گا۔ رات کو پھر صدقہ کیا، صبح کو پھر شہرت ہوگئی کہ رات کسی نے چور کو صدقہ دے دیا، یہ اور زیادہ پریشان ہوگیا کہ میرا مال ہی ایسا ہے، بے محل خرچ ہوتا ہے۔ تیسرے دن اس نے پھر صدقہ کیا، ایک خاتون کو دیا یہ سمجھ کر کہ یہ بیچاری غریب خاتون ہے۔ اگلے دن شہرت ہوگئی ہے کہ ایک فاحشہ عورت کو صدقہ دے دیا۔ یہ بہت پریشان ہوا، اس کو ہاتف کے ذریعہ سے یا خواب میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے تینوں صدقے قبول کرلئے، تو نے تو اپنی جانب سے، اپنی دانست میں مستحق کو دیا تھا، ہوسکتا ہے کہ غنی کو اس سے عبرت ہو کہ دوسرے لوگ اس طرح چھپ کر صدقہ دیتے ہیں، مجھے بھی شرم کرنی چاہئے، وہ بھی صدقہ دینے لگے، اور ہوسکتا ہے کہ چور کو شرم آجائے کہ لوگ تو اپنا مال گھر سے لاکر رات کے اندھیرے میں دے کر جاتے ہیں اور

میں رات کی تاریکی میں لوگوں کا مال لوٹ کر لاتا ہوں، کتنی بری بات ہے! کیسی شرم کی بات ہے! تو وہ عبرت حاصل کرے اور آئندہ چوری سے باز آجائے یا تائب ہوجائے۔ اور فاحشہ عورت جو بدن فروشی کا کام کرتی ہے، اس کو عبرت ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ حلال ذریعہ سے بھی دے سکتا ہے، حرام ذریعہ سے کیوں کماؤں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حسن نیت کی بنا پر تینوں صدقے قبول کرلئے۔

تو میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کے دل کا مفتی ہی فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ آدمی مستحق ہے یا نہیں؟ آپ اس کے مکمل حالات سے واقف نہیں، بہرحال اگر دل گواہی نہ دے کہ یہ مستحق ہے اور بیچارہ ضرورت کی بنا پر سوال کرتا ہے تو دو، ضرور دو، اگر دل گواہی دیتا ہے کہ نہیں یہ تو پیشہ ور ہے تو مت دو۔

گردن آزاد کرانے میں مدد کرو:

اور گردنوں کے آزاد کرانے میں بھی مدد کرو۔ معارف القرآن میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ’’وفی الرقاب‘‘ کا لفظ کئی صورتوں کو شامل ہے۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ پہلے زمانے میں غلام ہوتے تھے اور وہ اپنے آقاؤں سے معاہدہ کرلیتے تھے کہ تم کو اتنے پیسے دینے ہوں گے اور تم آزاد ہوجاؤ گے، ایسے شخص کو ’’مکاتب‘‘ کہا جاتا ہے، اگر کوئی ایسا غلام ہو اور اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ جلد سے جلد آزاد ہو۔

اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی غلام کو خرید کر آزاد کردیا جائے، مگر زکوٰۃ کے پیسے سے نہیں۔

اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی مقروض ہو، قرض کی وجہ سے اس کی گردن پھنسی ہوئی ہے، اس کا قرض ادا کرنے میں اس کی مدد کرو تاکہ وہ اس بار

سے نکل جائے۔

شادی کے رسم و رواج اور جہیز کی لعنت:

یہاں ایک مسئلہ اور ذکر کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بہت سی نادار بچیاں ہیں، جہیز کے بغیر ان کی شادی نہیں ہوتی، جہیز اور مہر کا اور نکاح کے دوسرے اخراجات کا مسئلہ ہمارے معاشرے میں بڑا پیچیدہ ہوگیا ہے، اور یہ کوتاہی ہماری ہے، ہم لوگ زمانے کی رَوِش اختیار کرنا چاہتے ہیں، لیکن اللہ کا بندہ کوئی نہیں اٹھتا جو اس زمانے کے رسوم و رواجات کی زنجیر کو توڑ کر سنت کے مطابق عقد کردے، مال کو دیکھتے ہیں اور بہت ساری چیزوں کو دیکھتے ہیں، اب تو لڑکے والے یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکی جہیز کتنا لائے گی؟ جہیز وہ اپنے لئے لائے گی کہ تمہارے لئے لائے گی؟ جہیز تمہاری ملکیت نہیں ہے، اس بچی کی ملکیت ہے، اور اس لڑکی کی اجازت کے بغیر تمہارے لئے استعمال کرنا حرام ہے، کسی عالم سے اس کا مسئلہ تو پوچھو! والدین جو اپنی لڑکی کو جہیز دیتے ہیں، وہ اس لڑکی کی ملکیت ہے، تمہاری ملکیت نہیں، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دے۔ مگر اب تو لوگ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لڑکی کسی ملازمت پر ہوتا کہ ہمیں کما کر کھلائے اور بعض برادریوں میں یہ رواج ہے کہ اپنے داماد کو گاڑی بھی دیں اور بنگلہ بھی دیں دوسری جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ تو الگ ہیں۔

ایک نکاح کے موقع پر میرا بیان ہوا تھا، میمنوں کا نکاح تھا، میں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم ....“ (الاعراف:۱۵۷)
>
> ترجمہ:..... ”اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے، ان کو دور کرتے ہیں۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی وجہ سے انسانوں کے گلے میں پڑے ہوئے رسم و رواج کے طوق اور بوجھ سب کے سب اتار دیئے اور انسانوں کو ہلکا پھلکا کر دیا تھا، چنانچہ نہایت آسانی کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے نکاح ہوتے تھے، کوئی رسم و رواج نہیں اور کوئی ایسی شرطیں نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ نکاح کامیاب بھی ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ کی برکت سے۔ ہمارے یہاں بڑی شرطوں کے ساتھ، بڑے ارمانوں کے ساتھ اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ، بڑے اخراجات اور مصارف کے ساتھ نکاح کئے جاتے ہیں۔ اور ان بے جا اخراجات میں ہماری بہنیں پیش پیش ہیں:

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے!

ان کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ مرد اتنے مصارف کہاں سے لائیں گے؟ حلال سے لائیں گے یا حرام سے لائیں گے؟

مگر اے کاش کہ جاہلیت کے وہی طوق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑے تھے، اور جن بوجھوں کے نیچے انسانیت سسک رہی تھی، چیخ رہی تھی، چلّا رہی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر سارے بوجھ اتار دیئے تھے، ہم نے دوبارہ اپنے اوپر سب کے سب ڈال لئے، ہم اپنی بچیوں کے ہاتھ کیسے پیلے کریں؟ ان کا تو کوئی رشتہ ہی نہیں لیتا، اخلاق، شرافت، ایمان، یقین، دین داری، عفت، عصمت وغیرہ کی تو تمہارے بازار میں کوئی قدر نہیں ہے؟ کوئی قیمت نہیں ہے؟ تمہارے بازار میں کوٹھی، گاڑی، بنگلہ، مال و دولت، ان چیزوں کے سکے چلتے ہیں۔

صاحبِ نصاب دلہن کی زکوٰۃ سے مدد؟

تو خیر میں مسئلہ تو دوسرا بیان کرنے لگا تھا کہ بعض اوقات ایک بچی کا رشتہ تو طے ہو جاتا ہے، لیکن ماں باپ کے لئے جہیز کے بندوبست کرنے کی کوئی صورت نہیں

ہوتی، یا یہ کہ بچی یتیم ہے، لاوارث ہے، تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جہاں تک کپڑے وغیرہ کا تعلق ہے یا اور چیزوں کا تعلق ہے وہ تو خیر مسئلہ ہے، لیکن زیور اور پیسہ اگر اتنا بچی کے پاس ہوجائے کہ اس کی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہوجائے تو پھر اس کو آگے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، لہٰذا اگر اس کے پاس کسی کی اعانت کی وجہ سے تھوڑے بہت پیسے بھی ہوگئے اور کچھ تھوڑا بہت زیور بھی ہوگیا تو غنی ہوگئی، اب آپ زکوٰۃ کے پیسے سے اس کی مدد نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ اتنے سے کام بھی نہیں چلتا، تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اس کی تدبیر میں بتاتا ہوں:

وہ یہ کہ کوئی صاحب ان کو قرضہ دے دیں اور وہ قرضہ کرکے اپنے ضروری مصارف پورے کرلیں اور شادی کا مسئلہ حل ہوجائے، اب وہ مقروض ہوجائیں تو ان کا قرضہ ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ دے دیں، یہ مسئلہ اگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو بعد میں مجھ سے پوچھ لے، کیونکہ عموماً یہ باتیں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں، اور کہتے ہیں کہ اس سے کیا فرق پڑا؟ بات تو وہیں کی وہیں رہی، نہیں بھائی! بہت کچھ فرق پڑگیا ہے۔

حیلہ کا فائدہ:

کل ہی میں ایک دکان پر تھا، وہ کچھ مسائل پوچھ رہے تھے، وہ کہنے لگے کہ لوگ تو کہتے ہیں اس حیلہ سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑا، ایسا کرلیں یا ایسا کرلیں، بات تو ایک ہی ہے۔ میں نے کہا کہ فرق تو پڑتا ہے، لیکن لوگوں کی عقل میں نہیں آتا، میں ایک مثال سے یہ مسئلہ سمجھاتا ہوں کہ: خدانخواستہ ایک لڑکے اور لڑکی کا ناجائز تعلق تھا، تو لوگ میاں جی کے پاس آگئے کہ ان کا نکاح کردو، میاں جی نے لڑکے سے کہا: ''فلاں لڑکی کا اتنے مہر کے بدلے تیرے سے نکاح کیا، تم نے قبول کیا ہے؟'' لڑکے نے کہا کہ: ''میں نے قبول کیا''، اب یہ وہی لڑکا اور وہی

لڑکی ہے، کیا فرق پڑا؟ ہاں! اتنا فرق پڑا کہ پہلے یہ لڑکی اس لڑکے کے لئے حرام تھی، اب حلال ہوگئی، پہلے اجنبی تھی، اب بیوی بن گئی، پہلے شریعت کے خلاف تھی اور ان دونوں کا ناجائز تعلق اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا تھا، اب یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ بن گئے، میاں جی نے صرف اتنا ہی کہا، اس سے زیادہ تو کچھ نہیں کہا، یہ باتیں تمہاری عقل میں نہیں آتیں، کہتے ہیں کہ کیا فرق پڑا؟ بھائی! فرق پڑتا ہے، تاویلات کے ذریعہ سے بھی فرق پڑتا ہے۔ مثلاً: میاں بیوی بہت اچھے گھر میں رہتے تھے، بچے بھی تھے ان کے، میاں کو نہ جانے کیا جوش آیا ایک دم کہہ دیا کہ تجھ کو تین طلاق ہے۔ کیا فرق پڑ گیا؟ وہی عورت ہے، وہی مرد ہے، ان کے بچے ہیں، ان کا گھر ہے، مگر ان الفاظ سے اب وہ میاں بیوی نہیں رہے، فرق تو پڑتا ہے ناں؟ اس لئے مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، ان کی اونچ نیچ کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، اس کے مطابق اچھی طرح عمل کیا جائے۔

بیوہ اور یتیموں پر رحم کرو:

اس کے بعد فرمایا بیوہ عورتوں پر اور یتیموں پر رحم کیا کرو۔ وہ لائق رحم ہیں جس خاتون کا سہاگ لٹ گیا ہو، وہ لائق رحم ہے، اس پر رحم کرو، اس کو بے سہارا سمجھ کر کوئی زیادتی نہ کرو، اس کی طرف غلط نظر بھی نہ اٹھاؤ۔ اسی طرح جو بچہ بغیر باپ کے رہ گیا، باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، وہ یتیم ہے، وہ اپنے باپ کی شفقت سے محروم ہوگیا، اب دوسروں کو چاہئے کہ باپ کی شفقت اس کو مہیا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ." میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح جنت میں ہوں گے، دو انگلی کو ساتھ ملا کر اشارہ فرمایا، یعنی میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے اکٹھے ہوں گے جیسے یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں کی خدمت کرنا کسی نفسانی غرض سے نہیں، بلکہ ثواب سمجھ

کر کی جائے تو بہت اونچا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو بہت زیادہ محبوب ہے۔

سلام کو پھیلاؤ:

اور سلام کو پھیلایا کرو، یعنی جو بھی ملے، شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، اس کو السلام علیکم کہو، چاہے تمہارا شناسا ہو یا تم سے ناآشنا ہو، حدیث میں آیا ہے:

"وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ." (مشکوٰۃ ص:۳۹۷)

ترجمہ:...... "سلام کہو اس کو بھی جس کو تم پہچانتے ہو، اور اس کو بھی جس کو تم نہیں پہچانتے۔"

نہ جاننے کا معنی یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جان پہچان نہیں ہے تب بھی سلام کرو۔

عبداللہ بن سلامؓ کا قصہ:

یاد ہوگا میں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا تھا، یہ یہودی عالم تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، میں اپنے باغ میں کھجوریں کاٹ رہا تھا۔ (آپ کو معلوم ہے کہ کھجوریں کاٹنے کا موسم کتنا سخت ہوتا ہے؟ اس سخت موسم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے)۔ کسی نے مجھ سے آکر کہا کہ امیوں کا نبی (یہ اہل کتاب جو تھے وہ دوسروں کو امی کہتے تھے) آیا ہے۔ میں اسی شان سے جیسا کہ کسان اور زمیندار ہوتے ہیں، سر پر پگڑی باندھی ہوئی ہے، تیز دھوپ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آپؐ کی خدمت میں پہنچ گیا اور امتحان کے لئے میں کچھ کھجوروں کا تحفہ ساتھ لے گیا، حاضر خدمت ہوا، میں نے کہا کہ: یہ صدقے کی

کھجوریں لایا ہوں، اس کو قبول فرمالیں۔ ارشاد فرمایا کہ: ہم صدقے کی چیز نہیں کھایا کرتے، ساتھیوں سے کہا کہ تم کھجور اٹھاؤ۔

”قَالَ: فَكَانَ اَوَّلُ شَیْءٍ سَمِعْتُهٗ یَتَکَلَّمُ بِهٖ اَنْ قَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ! اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِیَامٌ وَادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔“ (طبقات ابن سعد ج:۱ ص:۲۳۵)

ترجمہ:......”فرماتے ہیں کہ: میں نے سب سے پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی وہ یہ تھی، آپ فرما رہے تھے: لوگوں کو کھانا کھلایا کرو اور سلام پھیلایا کرو، اور رات کو نماز پڑھا کرو جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، تو جنت میں سلامتی سے داخل ہوجاؤ گے۔ یہ پہلا ارشاد تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔“

بہرحال سلام پھیلانا بہت اونچی چیز ہے اور سلام ”اسلام“ کی علامت ہے۔

سلام کا مطلب:

علمائ فرماتے ہیں کہ السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ: میری طرف سے تم پر سلامتی ہو، یعنی میری شخصیت سے، میری ذات سے تمہیں جان کا، مال کا، عزت کا، آبرو کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہونا چاہئے، میں مسلمان ہوں اور مسلمان کی جانب سے کوئی خطرہ ہوتا بھی نہیں، منہ میں رام رام اور بغل میں چھری یہ تو ہندوؤں کا شیوہ ہے، مسلمان کا ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے، وہ زبان سے کہتا ہے: السلام علیکم! تو دل بھی

سلامتی والا ہوتا ہے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

"یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ. اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ." (الشعرآ:۸۸،۸۹)

ترجمہ:......"جس دن کہ نہیں دے گا کام مال اور بیٹے، مگر وہ جو لے کر آیا دل سلامتی والا۔"

یعنی جو قیامت کے دن سلامتی والا دل لے کر جائے، وہ اس کو کام دے گیا، ایسا دل کہ جس میں کھوٹ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کھوٹ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دھوکا نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی دھوکا نہیں، یہ قلب سلیم ہے، جو یہ لے کر جائے گا، وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔

سلام کا جواب:

کوئی تم کو سلام کہے تو تم اس کو جواب دو۔ یہ قرآن کریم کی آیت کا مضمون ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا." (النسآ:۸۶)

ترجمہ:......"جب تم کو سلام کہا جائے تو سلام کا اسی طرح جواب دے دو یا اس سے بہتر۔"

اس نے کہا: السلام علیکم! تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام! اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! تم جواب میں کہو: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام اور جواب پر نیکیوں کی مقدار:

ایک حدیث میں ہے:

"اِنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ: اَلسَّـلَامُ عَلَیْکُمْ! فَرَدَّ عَلَیْهِ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: اَلسَّـلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ! فَرَدَّ عَلَیْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُوْنَ. ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ: اَلسَّـلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ! فَرَدَّ عَلَیْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلٰثُوْنَ.'' (مشکوٰۃ ص:۳۹۸)

ترجمہ:......''ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے: السلام علیکم! کہا اور بیٹھ گیا، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: دس نیکیاں۔ دوسرا آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور بیٹھ گیا، آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: بیس نیکیاں۔ تیسرا آیا اس نے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کہا، آپ نے اس کا اسی طرح جواب دیا اور فرمایا: تیس نیکیاں۔''

گویا صرف السلام علیکم کہنے پر دس، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے پر بیس نیکیاں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر تیس نیکیاں ملتی ہیں، اسی طرح حسب سلام اس کے جواب پر دس، بیس اور تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

واجب سے بڑھ کر مستحب کا ثواب؟

ہماری فقہ میں ایک سوال پیش کیا جاتا ہے: بتاؤ وہ کون سا مستحب ہے، جس کا ثواب واجب سے بڑھا ہوا ہے؟ السلام علیکم کہنا مستحب اور اس کا جواب دینا واجب، لیکن جو شخص پہلے سلام کہے، اس کو بیس نیکیاں مل گئیں اور جو جواب دے اس کو دس نیکیاں مل گئیں۔

نیکی میں مدد کرو:

آگے قرآن کریم کی آیت نقل فرمائی:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ." (المائدہ:۲)

ترجمہ:..... "اور نیکی اور تقویٰ کے کام پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، گناہ اور ظلم و زیادتی کے کام پر ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

کوئی نیکی کرنا چاہتا ہے، کوئی تقویٰ کرنا چاہتا ہے، تو اس کا ہاتھ بٹاؤ، اس کی حوصلہ افزائی کرو، جتنی اعانت تم اس کی کرسکتے ہو، کرو، تاکہ معاشرے میں نیکی اور تقویٰ کی فضا قائم ہوسکے۔

گناہ میں کسی کی مدد نہ کرو:

اگر خدانخواستہ گناہ کا کام کرنا چاہتا ہے، یا ظلم و زیادتی کا کام کرنا چاہتا ہے، اس کی مدد نہ کرو، بلکہ جہاں تک ہوسکے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کرو، تاکہ معاشرے میں برائی، گناہ اور ظلم و زیادتی کی فضا قائم نہ ہو، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے:

"عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ اَعْطَانِيْ اَبِيْ عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْطَيْتُ اِبْنِيْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِيْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ

هٰذَا؟ قَالَ: لَا! قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ! قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهٗ." (بخاری ج:۱ ص:۳۵۲)

ترجمہ:...... "حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر سے سنا وہ منبر پر تھے، فرما رہے کہ میرے باپ نے مجھے عطیہ کیا، میری ماں کہنے لگی: میں اس وقت راضی نہیں ہوں گی جب تک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالے، ان کے والد حضرت نعمان بھی صحابی ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: میری بیوی ام بشیر، (بشیر کی والدہ) کہتی ہے کہ میں بشیر کے نام ایک باغ لگوادوں، میں نے کہا کہ: ٹھیک ہے! کہنے لگی کہ میں راضی نہیں ہوتی ہوں، جب تک اس کی رجسٹری نہیں کرواتے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اس پر نہ ہوجائے، تو یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ گواہ بن جائیں میں اپنے بیٹے بشیر کو یہ عطیہ دے رہا ہوں۔ فرمایا: آخر تیری اور اولاد بھی ہے؟ کہا: جی ہاں! اولاد تو اور بھی ہے، فرمایا: تو نے ساری اولادوں کو اتنا اتنا دیا ہے؟ کہا کہ: نہیں! فرمایا: (یہ ظلم ہے اور ظلم پر میں گواہی نہیں دوں گا) اللہ سے ڈرو اور اولاد میں برابری کرو، کہا کہ وہ لوٹ آئے اور عطیہ واپس کرلیا۔"

ایک دوسری روایت میں آتا ہے آپؐ نے فرمایا: کسی اور سے گواہی دلوالو! میں گواہی نہیں دیتا۔ (حاشیہ بخاری ج:۱ ص:۳۵۲)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم چاہتے ہو کہ

تمہارے سارے بیٹے اور تمہاری ساری اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک میں برابر کے شریک ہوں؟ کہا کہ: جی ہاں! یہ ہی چاہتا ہوں۔ فرمایا: تو پھر تقسیم میں بھی برابری رکھو!

زندگی میں اولاد کو برابر دو:

یہاں ایک مسئلہ اور ذکر کردوں کہ اگر اپنی زندگی میں دینا ہو تو اولاد کو یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر، برابر دیا جاتا ہے، اور اگر مرنے کے بعد وراثت تقسیم ہو تو لڑکے کا دوہرا، لڑکی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

مخصوص حالات میں کسی کو زیادہ دینا:

یہ مسئلہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کسی خاص وجہ کی بنا پر اگر اولاد کو ترجیح دے تو اس کی اجازت ہے، مثلاً ایک بچی بیوہ ہے، باپ کے گھر بیٹھی ہے، اس کو کچھ زیادہ دے دیا تاکہ اس کا ذریعہ معاش رہے، یا کوئی بیچارہ معذور ہے یا بچہ دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، دوسرے اپنے کھانے کمانے میں لگے ہوئے ہیں، یہ بیچارہ دین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اس کو زیادہ دے دیا، یا ایک اپنے والدین کی خدمت میں لگا ہوا ہے، دوسرے الگ الگ رہتے ہیں اور یہ والدین کی خدمت میں شب و روز مصروف رہتا ہے، تو اس قسم کی صورت میں ایک کو اگر ترجیح دی جائے، یعنی زیادہ دے دیا جائے تو درست ہے، لیکن بغیر کسی وجہ کے اولاد میں تفریق کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جور (ظلم) فرمایا ہے، اور یہ مسئلہ خوب یاد رکھنا چاہئے، ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی باپ نے بلاوجہ ایسا کردیا تو اس نے ٹھیک ہی نہیں کیا، بلکہ اس بچے کی اس عطیہ پر ملکیت ہی ثابت نہیں ہوگی، لیکن ہمارے امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی ملکیت تو ثابت ہوجائے گی، لیکن اس کا خمیازہ باپ کو قبر میں بھگتنا ہوگا، اور اگر یہ صاحبزادہ اپنے باپ کو چھڑانا چاہتا ہے، تو پھر خود انصاف کردے، باقی بہن بھائیوں کو بھی دے۔

یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں:

ہمارے یہاں تو یہ ہوتا ہے کہ مردے کا مال جس کے قبضے میں آجائے، اس کا ہے، نہیں بھائی! یہ طریقہ درست نہیں، یہ مسلمانوں کا طریقہ نہیں ہے، مسلمان کو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرا حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کتنا آتا ہے؟ جتنا آپ کے حصے میں آتا ہے، وہ آپ کے لئے حلال ہے، اور جو اس سے زیادہ ہے، وہ حرام ہے، اب حرام کھا کر حج کرنے جاؤ، اس سے کچھ نہیں بنے گا، حرام کھا کر صدقہ اور خیرات کرو، وہ بھی قبول نہیں ہوگا، حق حلال کا کھاؤ جو تمہارا بنتا ہے، ہاں! اگر دوسرے وارث خوشی سے تمہیں دے دیں، چھوڑ دیں، تو ٹھیک ہے، پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، نیکی اور تقویٰ کے کام پر اعانت کرو، ایک دوسرے کے گناہ اور ظلم و زیادتی کے کام پر ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو، بلکہ ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ نیکی کرو گے، تمہیں اس کا اجر دے گا، اور نیکی کی مدد کرو گے تو اس پر بھی اجر دے گا، گناہ یا عدوان میں مبتلا ہوگے تو سزا دے گا، اور اگر گناہ کے یا عدوان کے کام میں کسی کی اعانت کرو گے تو تم بھی پکڑے جاؤ گے، قیامت کا دن تو بہت دور ہے، یہیں پکڑے جاؤ گے، ذرا قبر کے منظر کو دیکھ لیا کرو، سوچ لیا کرو۔

مہمان کا اکرام کرو:

مہمان کا اکرام کیا کرو، عزت کا برتاؤ کیا کرو، شرفائ کہتے ہیں کہ اگر دشمن بھی اپنے گھر مہمان ہو جائے تو جب تک وہ تمہارے گھر میں ہے، اس کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ نہ کرو، تمہارے گھر سے چلا جائے پھر چاہو جو کچھ کرو۔

بعض لوگ اس قسم کے ہیں کہ ان کی تھوڑی سی چپقلش تھی، رنجش تھی، وہ گھر پر آجاتا ہے، تو دھکے دے کر نکال دیتے ہیں، یہ اہانت ہے، شرفائ کے ہاں یہ دستور نہیں

ہے، شرفاء کا دستور یہ ہے کہ کوئی جانی دشمن بھی تمہارے گھر پر آجائے تو اس کا اکرام کرو، مہمان تمہارے گھر آیا ہوا ہے، اس کو کوئی سخت لفظ اپنے گھر پر آنے کے بعد نہ کہو، اسی طرح پڑوسی کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عذابِ الٰہی

سے

بچاؤ کی صورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"......وَاِنِّیْ لَمْ اَرَ مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا، وَلَا كَالنَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا اَكْثَرَ مُكْتَسِبًا مِنْ شَيْءٍ كَسَبَهُ لِيَوْمٍ تُدَّخَرُ فِيْهِ الذَّخَائِرُ، وَتُبْلٰى فِيْهِ السَّرَائِرُ، وَتُجْتَمَعُ فِيْهِ الْكَبَائِرُ، وَاِنَّهُ مَنْ لَّا يَنْفَعُهُ الْحَقُّ يَضُرُّهُ الْبَاطِلُ، وَمَنْ لَّا يَسْتَقِيْمَ بِهِ الْهُدٰى يَجُرِ بِهِ الضَّلَالُ، وَمَنْ لَّا يَنْفَعُهُ الْيَقِيْنُ يَضُرُّهُ الشَّكُّ، وَمَنْ لَّا يَنْفَعُهُ حَاضِرُهُ فَعَازِبُهُ عَنْهُ اَعْوَزُ، وَغَائِبُهُ عَنْهُ اَعْجَزُ، وَاِنَّكُمْ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَدُلِلْتُمْ عَلَى الزَّادِ. اَلَا! وَاِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَانِ: طُوْلُ الْاَمَلِ وَاِتِّبَاعُ الْهَوٰى......" (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......"اور بے شک میں نے نہیں دیکھی جنت جیسی چیز جس کے طلب کرنے والے سو رہے ہوں، اور نہ دوزخ جیسی چیز کہ اس سے بھاگنے والے سو رہے ہوں، اور نہ اس سے

زیادہ کمائی جو آدمی نے کمایا ہو اس دن کے لئے جس میں ذخیرے جمع کئے جائیں گے، جس میں بھید ظاہر کردیئے جائیں گے، اور جس میں تمام بڑی چیزیں جمع کردی جائیں گی، جس کو حق نفع نہ دے باطل اس کو نقصان دیتا ہے اور جس شخص کو ہدایت سیدھا نہ کرسکے اس کو گمراہی کھینچ کر لے جاتی ہے، اور جس کو یقین نفع نہیں دیتا شک اس کو نقصان دیتا ہے، اور جس کو اس کا حاضر نفع نہیں دیتا تو جو چیز اس سے پوشیدہ ہے وہ اس سے زیادہ اندھا ہوگا اور جو چیز کہ اس سے غائب ہے اس کے معاملہ میں زیادہ عاجز ہوگا اور تمہیں کوچ کرنے کا حکم ہو چکا ہے اور توشہ پر تمہاری راہ نمائی کردی گئی ہے اور سب خوفناک چیزیں جن پر میں تمہارے بارے میں ڈرتا ہوں وہ دو ہیں ایک لمبی لمبی امیدیں اور دوسری خواہشات کی اتباع۔''

واقعہ کربلا کی روایات پر اعتماد:

آج میرے ساتھی کہہ رہے تھے کہ تم نے کبھی دس محرم کے بارے میں ذکر نہیں کیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ نہیں کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت یہ تو بہت بڑا سانحہ ہے، بہت بڑا المیہ ہے، لیکن اس کے بارے میں عام طور پر جو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، ان کو قابل اعتماد سمجھنا بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ اس زمانے میں اخباری رپورٹر تو ہوتے نہیں تھے، اور یہ خبر رساں ایجنسیاں نہیں ہوتی تھیں، بی بی سی کا نمائندہ نہیں ہوتا تھا، وائس آف امریکا اور وائس آف جرمنی کا نمائندہ نہیں ہوتا تھا۔

میدانِ کربلا کے عینی شاہد:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام رفقاءؑ کے ساتھ شہید ہوگئے تھے، ایک حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ اور گھر کی مستورات بچی تھیں، اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کربلا کے بعد زبان بالکل بند کردی تھی، گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ اس لئے ان کے حوالے سے کوئی روایت مشکل ہی سے ملے گی۔

واقعہ کربلا کے راویوں کا حال:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کی اتنی بڑی جو داستان تصنیف کی گئی ہے، اس کا راوی کون ہے؟ وہ اخباری رپورٹر کون تھا؟ جو ان واقعات کو قلم بند کر رہا تھا۔ ان واقعات کے سننے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے کیمرہ ان کے ساتھ تھا اور فوٹو لے رہے تھے۔ جگہ جگہ یہی یزیدی فوج کے آدمی ہوں گے، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آئے تھے، اور ان میں اکثریت اہل کوفہ کی تھی، اور انہی لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا تھا اور مقصود فتنہ برپا کرنا تھا، بعد میں یہ روایات تصنیف کی گئیں۔ میں پوچھتا ہوں: کیا قاتلینِ حسین کی روایات معتبر ہیں کہ یہ قصہ ہوا تھا؟ یہ لوگ من گھڑت واقعات ذکر کرتے ہیں، خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں، یہ ساری روایات کمرے میں بیٹھ کر تصنیف کی گئی ہیں۔

فتنہ کا معنی:

ایک بات خاص طور سے کہتا ہوں، عربی زبان میں فتنہ کہتے ہیں اس حالت کو جس میں حق و باطل کی کیفیت مشتبہ ہوگئی ہو، پتہ نہ چلتا ہو حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ سچ کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے؟

سانحہ مشرقی پاکستان کا پس منظر؟

مشرقی پاکستان کے سانحہ کے جو حالات اخبارات میں چھپتے رہے ہیں، اب

تو روز کے روز اخبار آتا ہے، اور روز کے روز حالات چھپتے ہیں، لیکن وہاں کے واقعات کچھ اور تھے، اور یہاں کچھ اور ذکر کئے جاتے تھے۔ حکمرانوں نے عوام کو حالات سے صحیح طور پر مطلع نہیں ہونے دیا، ایک طرف شیخ مجیب الرحمٰن کو سامنے کھڑا کرلیا اور مشرقی پاکستان والے اس کے ساتھ تھے، دوسری طرف بھٹو صاحب اور ان کی کابینہ تھی، دونوں طرف اس قسم کی خبریں پھیلا کر اشتعال پیدا کیا گیا اور نتیجہ وہ ہوا جو سب کے سامنے آیا، اب بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اصل واقعات کیا تھے؟

کراچی کے فسادات کا ذمہ دار کون؟

اسی طرح اب کراچی کے حالات آپ کے سامنے ہیں، یہاں کیا ہو رہا ہے؟ کون قوتیں لڑ رہی ہیں؟ کبھی الزام غریب مولویوں پر دھر دیا جاتا ہے، کبھی کسی پر، اور کبھی کسی پر۔ روزانہ کا اخبار آپ بھی پڑھتے ہیں، میں بھی پڑھتا ہوں، لیکن سچ کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے؟ ظالم کون ہے؟ مظلوم کون ہے؟ کچھ پتہ نہیں چلتا، غبار اتنا اڑا دیا گیا ہے کہ کسی کا چہرہ پہچانا ہی نہیں جاتا، اور جب یہ غبار بیٹھے گا، تم دیکھو گے کہ کرنے والوں نے کیا کردیا ہے؟ نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ وہ روزِ بد نہ لائے۔ تو یہ ایک مثال ہے اس بات کی کہ پروپیگنڈہ کے ذریعہ سے حق و باطل کو اس طرح گڈمڈ کردیا جاتا ہے کہ آدمی کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ تو ان واقعات پر تبصرہ کرنے کا کیا نتیجہ ہے؟

اسلامی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات اور دس محرم:

اور ایک بات یہ کہ آج دس محرم ہے، اور اتفاق سے آج جمعہ کا دن بھی ہے، جب سے محرم شروع ہوا تھا، اسی وقت سے ڈر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ خیر کرے، جمعہ دس محرم کو آرہا ہے، ہماری بدعملی کی وجہ سے بڑا خطرناک ہے، ہم لوگ تو دس محرم کو صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پہچانتے ہیں کہ دس محرم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں انسانی تاریخ کے تمام بڑے بڑے واقعات اس دس محرم کو ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

".....قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ آدَمُ وَفِیْہِ اُھْبِطَ وَفِیْہِ تِیْبَ عَلَیْہِ وَفِیْہِ مَاتَ وَفِیْہِ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ اِلَّا وَھِیَ مُصِیْخَۃٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَۃِ اِلَّا الْجِنُّ وَالْاِنْسُ ..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۱۲۰)

ترجمہ:..... "سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اور اس میں آسمان سے اتارے گئے اور اسی میں ان کی توبہ منظور ہوئی اور اس میں ان کی موت ہوئی، اور اسی میں قیامت قائم ہوگی، (قیامت کا صور جب پھونکا جائے گا، محرم کی دس تاریخ اور جمعہ کا دن ہوگا)۔ اور جب جمعہ کا دن ہوتا ہے (ان کو یہ تو معلوم نہیں کہ تاریخ کیا ہے) تو تمام چرند پرند نہایت پریشان ہوتے ہیں کہ کہیں آج قیامت تو نہیں آرہی؟" جب سورج طلوع ہوجاتا ہے اور دن شروع ہوجاتا ہے تو ان کو سکون ہوجاتا ہے کہ آج کا دن خیریت کے ساتھ گزر گیا۔ صرف ایک انسان اور جن غافل ہیں، ان کے علاوہ ساری مخلوق کو پریشانی ہوتی ہے کہ قیامت تو نہیں آرہی؟"

شہادتِ حسینؓ دس محرم کی تاریخ کا پہلا واقعہ نہیں:

تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس دن شہادت یہ تاریخ کا پہلا واقعہ نہیں

ہے، بلکہ کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی ایسی ہے کہ تاریخ کے بڑے بڑے واقعات اسی دن ہوئے ہیں۔

انقلابات کے تین موسم:

میں نے تین چیزوں کو خاص طور پر نوٹ کیا ہے، جہاں تک اپنی عقل کام کرتی ہے:

۱:......ایک تو رمضان المبارک فیصلے لے کر آتا ہے، اب جو وقت گزرتا ہے، عجیب وغریب انقلاب لاتا ہے۔

۲:......ایک موسم حج بڑی عجیب وغریب کیفیات لے کر آتا ہے، جب گزرتا ہے تو عجیب وغریب انقلابات پیدا ہوتے ہیں، اوران کی عملی تکمیل ہوتی ہے۔

۳:......اور ایک دس محرم کہ اس دن سے عظیم واقعات وسانحات کی تاریخ وابستہ ہے اور آئندہ بھی ہولناک مناظر اس دن سے منسلک بتلائے گئے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ہمارے لئے قضاً وقدر کے فیصلے کیا ہو رہے ہیں؟

مقصد کی بات:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جانب جو واقعات منسوب کئے گئے ہیں، ان واقعات کو ذکر کرکے رونا اور رلانا اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہے، تمہارے مقصد کی بات تو یہ ہے کہ اس دن، اس تاریخ کو تمہارے حق میں کیا فیصلے ہوتے ہیں؟ اور کیا فیصلے ہو رہے ہیں؟ اور انسانی تاریخ کے بارے میں کیا فیصلے کئے جارہے ہیں؟ اور یہ میں عرض کئے دیتا ہوں کہ تمہارے اعمال جیسے اوپر جائیں گے، ویسے ہی فیصلے اوپر سے نیچے آئیں گے۔

جیسی رعایا ویسے حکمران:

ایک صاحب نے دو دن پہلے خط لکھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ جیسے عوام ہوتی ہے، رعایا ہوتی ہے، ویسے ان پر حکمران مسلط کئے جاتے ہیں؟ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ صحیح ہے! قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت موجود ہے، آٹھویں پارے میں ہے:

”وَکَذٰلِکَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۔“ (الانعام:۱۲۹)

ترجمہ:......”اسی طرح مسلط کیا کرتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بسبب ان بدعملیوں کے جو وہ کرتے تھے، اور بسبب اس کے جو وہ کماتے تھے۔“

ان کی کمائی کی بدولت جس قسم کے اعمال بندوں کے بگڑتے یا سنورتے ہیں، اس قسم کے حاکم، اللہ تعالیٰ ان پر مسلط کرتے ہیں، ان ظالموں کو ظلم کا مزہ چکھانے کے لئے۔ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث قدسی ہے:

”اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ: اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ وَمَلِکُ الْمُلُوْکِ، قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِیْ یَدِیْ، وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِھِمْ عَلَیْھِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ، وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَھُمْ بِالسُّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْکِ وَلٰکِنِ اشْغِلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالتَّضَرُّعِ کَیْ اَکْفِیَکُمْ۔“ (مشکوٰۃ ص:۳۲۳)

ترجمہ:......میں اللہ ہوں! میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں۔ لوگ جب میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے

دلوں کو پھیر دیتا ہوں، وہ ان سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے ہیں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دلوں کو سختی اور ظلم کی طرف پھیر دیتا ہوں، پھر لوگ حکمرانوں کو بددعائیں دیتے ہیں۔ اے میرے بندو! تم اپنے حاکموں کو گالیاں نہ دو، تمہارے حاکم اگر ظالم ہیں تو میری طرف التجا کرو تم ٹھیک ہوجاؤ گے، تو تمہارے حاکموں کو بدل دوں گا۔"

اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ: "کَمَا تَکُوْنُوْنَ کَذَالِکَ یُؤَمَّرُ عَلَیْکُمْ." (مشکوٰۃ ص:۳۲۳) تم جیسے ہوگے ویسے امیر اور حاکم سپرد کئے جائیں گے، ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"اِنَّ اللهَ تَعَالٰی لَیُمْلِیَ الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یَفْلِتْہُ." (مشکوٰۃ ص:۴۳۴)

ترجمہ:...... "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں، یہاں تک کہ جب اس کو پکڑتے ہیں تو پھر اس کو چھوڑتے نہیں ہیں۔"

دیکھنے والوں کو ان پر ترس آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے وہ بچ نہیں سکتے۔

عذابِ الٰہی سے بچاؤ کی صورت:

اصل چیز تو ہمارے لئے لائق توجہ اور لائق اعتماد یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کو ٹھیک کریں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

"فَلَوْ لَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَا اِیْمَانُھَا اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ، لَمَّا اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ." (یونس:۹۸)

ترجمہ:...... ''پھر ایسا کیوں نہ ہوا؟ کہ کوئی بستی ایمان لے آئی ہوتی اور اس کے ایمان نے اس کو نفع پہنچایا ہوتا سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں نفع پہنچایا، (آیا ہوا عذاب ٹال دیا کیونکہ سچے دل سے مسلمان ہوگئے تھے)۔''

حضرت یونس علیہ السلام تو یہ کہہ کر بستی سے نکل گئے کہ اتنے دن کے بعد تم پر عذاب آجائے گا، کافر مذاق اڑاتے رہے اور حضرت یونس علیہ السلام نے جو وقت مقرر کیا تھا، ہر چند کہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا، وحی الٰہی سے نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی لاج رکھتے ہیں، ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہونے دیتے، چنانچہ عین اس دن جس دن حضرت یونس علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم پر عذاب آجائے گا، عذاب آیا، جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو پوری قوم کو اس طرف توجہ ہوئی کہ یہ تو عذابِ الٰہی ہے، حضرت یونس علیہ السلام ٹھیک کہتے تھے، پریشان ہوئے، اپنے بڑے بوڑھوں سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرو، حضرت یونس علیہ السلام بستی سے جاچکے تھے، بالآخر ان بڑے بوڑھوں نے کہا کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام نہیں ہیں تو سچی توبہ کرلو! سارے لوگ، کیا مرد کیا عورتیں، کیا بچے، میدان میں نکل گئے اور سب کے حقوق معاف کروائے حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی کا شہتیر اپنی چھت میں لگایا ہوا تھا وہ اکھاڑ کر اس کو واپس کردیا، تمام مظالم سے تائب ہوگئے اور حضرت یونس علیہ السلام کے حق میں جو بے ادبیاں کی تھیں، ان سے تائب ہوگئے، سچی توبہ کرلی، اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ قبول فرماتے ہوئے ان سے عذاب ٹال دیا، ''لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ٹال دیا اس دنیا کی زندگی میں۔

قومِ یونس کی سی دانش مندی کی ضرورت ہے:

اے کاش! کہ کراچی والے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم جیسی دانش مندی کا مظاہرہ کرتے اور اپنے گناہوں سے تائب ہوجاتے، جس نے جس پر کوئی ظلم و زیادتی کی ہے، اس ظلم و زیادتی سے تائب ہوجائیں اور معافی مانگیں! خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج عذاب ٹل سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے ساتھ تم سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں ہے، ارشاد الٰہی: "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کے مصداق تم خیر امت ہو اور خیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر الامم ہو۔

توبہ نہ کی تو ہلاک ہوجائیں گے:

لیکن جب توبہ ہی نہ کرو اور اپنی اصلاح ہی نہ کرو، اپنی روش ہی نہ بدلو، تو پھر تم کو تمہارے ہاتھوں سے ہلاک کروائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، ہمارے اعمال اتنے بگڑ گئے ہیں کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا اور کسی کی بھی عقل میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ بے نظیر بھٹو کہتی ہے کہ معاملہ میرے قابو سے باہر ہے، اور دوسرے لوگ جو ذمہ دار ہیں وہ سب عاجز آچکے ہیں، کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟ عذابِ الٰہی کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلے گی، یہ عذابِ الٰہی ہے!

کراچی عذاب کیوں؟

تم کہو گے کہ عذاب صرف کراچی والوں کے لئے ہے، باقی دنیا بھی تو ایسی ہے؟ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ کراچی پاکستان کا دل ہے، دل پر گولی چلادی جائے تو

آدمی ختم ہوجاتا ہے، اس پورے ملک کا دوتہائی خرچ یہ تنہا کراچی اٹھا رہا ہے، اور اس شہر کے بارے میں مشہور تھا کہ بھوکوں، ننگوں کا مائی باپ ہے۔ جس کو روزگار نہیں ملتا تھا، وہ یہاں آجاتا تھا، اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ روزگار اس کو عطا فرما ہی دیتے، چند ہی سالوں میں اس کی آبادی پچاس لاکھ سے بڑھ کر ایک کروڑ سے اوپر ہوگئی ہے۔

یہ گوشمالی ہے:

لیکن جب کسی کو امن اور عیش پسند نہ آئے اور وہ جامے سے نکل جائے، تو پھر اللہ تعالیٰ تھوڑی سی گوش مالی فرماتے ہیں، تھوڑی سی سزا دیتے ہیں، اور اب یہ سزا شاید ایسی ہوچکی ہے کہ خاکم بدہن! شاید یہ شیاطین مغرب نے ہمارے اس ملک کے توڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور تمہارے ہاتھوں سے کروا رہے ہیں، کون سنتا ہے بول درویش! مشہور ہے درویش کی بات کون سنتا ہے؟

اس بندر بانٹ کا نتیجہ؟

یہ پیپلز پارٹی والے ہوں، ایم کیو ایم والے ہوں یا حقیقی والے ہوں یا مجازی والے ہوں یا اور کوئی دوسرے تیسرے ہوں، میں آج انتباہ کرتا ہوں سب کو کہ تمہاری اس بندر بانٹ کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ روٹی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی، تم آپس میں لڑتے رہو گے، قربانیاں تمہاری ہوئیں، ڈیڑھ سال میں سولہ سو آدمی قتل ہوچکے ہیں، یہ اخباری رپورٹ ہے، ورنہ مرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے، کتنے بھوکے مرے، لوگوں کو کتنی اذیتیں پہنچائی گئیں، کوئی حد ہے؟

کسی کو کچھ نہ ملے گا:

تم لڑتے رہو، ایک دوسرے کو مارتے رہو اور اپنے حقوق کی جنگ لڑتے رہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کو بھی کچھ نہیں ملے گا، بلکہ کوئی اور لے کر چلا جائے گا، سازشوں کے پلان تیار ہوچکے ہیں، منصوبے بنائے جاچکے ہیں، نقشے مرتب ہوچکے ہیں، اور

تمہیں دست و گریباں کر دیا گیا ہے کہ تم آپس میں لڑو۔

ملک ہوگا تو حقوق ملیں گے:

میں کہتا ہوں کہ ملک ہوگا تو تمہیں حقوق بھی ملیں گے، زیادہ نہ ملے تھوڑے تو مل ہی جائیں گے، چلو نہ ملے، نہ سہی، ملک تو رہے گا، خدا کے لئے اس لڑائی کو بند کرلو، یہ جتنے متعلقہ طبقے ہیں، میں ایک ایک فرد سے کہتا ہوں، حکومت سے لے کر نیچے والوں تک، ایک وقت آئے گا تم کہو گے کہ ٹھیک کہتا تھا، آج شاید تم لوگوں کو میری بات بری لگے، شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے، کل کو تم بھی کہو گے: ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید!'' قلندر جو کچھ کہتا تھا، ٹھیک کہتا تھا۔

بھائی بھائی بن جاؤ:

خدا کے لئے سارے کے سارے تائب ہو جاؤ اور آپس میں ایک دوسرے سے جو زیادتیاں ہوئی ہیں، معاف کروالو، آج بھی یہ عذابِ الٰہی ٹل سکتا ہے، ورنہ کوئی تدبیر، کوئی قوت، کوئی بھی پولیس، کوئی بھی فوج اس عذاب کو نہیں ٹال سکتی، صرف ایک ہی راستہ ہے اور یہ تمہیں سمجھ میں نہیں آتا، اللہ کرے کہ یہ تمہاری سمجھ میں آجائے۔ اقتدار کی ہوس یا حقوق کی جنگ یا بڑے چھوٹوں کا ہوّا کھڑا کیا ہوا ہے، اس کو چھوڑ دو خدا کے لئے! جس نے کسی پر زیادتی کی ہے، ظالم معافی مانگ لیں مظلوم سے، اور آپس میں گلے مل جاؤ، بھائی بھائی بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہو جاؤ، یہ عذابِ الٰہی ٹل جائے گا۔

اشتعال دلانا آسان ہے، آگ بجھانا مشکل ہے:

تو ہمارے لئے تو اس تاریخ کے آنے سے یہ عبرت ہے کہ ہم اپنے اعمال کو دیکھیں، انفرادی اعمال کو بھی اور اجتماعی اعمال کو بھی، جذبات کو اشتعال دلانا بڑا آسان ہے، لیکن لگی ہوئی آگ کو بجھانا بڑا مشکل ہے، اپنی جان پر کھیل کر خدا کے

لئے اس عذاب کو، اس آگ کو بجھاؤ! مزید تیل چھڑکنے کی کوشش نہ کرو! تو دوستوں کی فرمائش پر اتنے کلمات کہتا ہوں، اس سے زیادہ نہیں، یہ بھی میں نے دکھی دل کے ساتھ کہہ دیئے ہیں، ورنہ سنتا کوئی نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں پاکستان نہ توڑو:

میرے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ منبر پر بیٹھ کر فرماتے تھے، بھرے جلسے میں تقریباً ایک لاکھ کے جلسے میں کہ سنو! آج ہم کہتے ہیں کہ نہ بناؤ پاکستان، کانگریسی کہہ دو، احراری کہہ دو، تم جو گالی دینا چاہتے ہو دے دو، لیکن پاکستان نہ بناؤ۔ ان کو سب کچھ نظر آرہا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے چشمِ بصیرت عطا فرمائی تھی، ارشاد فرمایا تھا کہ سن لو! آج ہم کہتے ہیں کہ نہ بناؤ، تم ہماری نہیں سنتے ہو۔ کیونکہ اس وقت ہم نعرہ لگاتے تھے ''لے کر رہیں گے پاکستان، دینا پڑے گا پاکستان'' وغیرہ، علماء کو گالیاں دی جاتی تھیں، یہ دشمن ہیں، ہندوؤں کے ایجنٹ ہیں، نہ معلوم جتنی گالیاں تمہاری لغت میں تھیں وہ بھی، اور جو تم ایجاد کر سکتے تھے وہ بھی تم نے دے ڈالیں، ان کا قصور صرف اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے تھے کہ یہ تم سے نہیں سنبھلے گا، خدا کے لئے نہ بناؤ، خیر بن گیا، یا بنالیا۔ تو حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا ہم کہیں گے نہ توڑو! خدا کے لئے نہ توڑو! تم ہماری یہ باتیں نہیں سنو گے، آج ہم کہہ رہے ہیں نہ بناؤ، تم ہماری نہیں مانتے، ایک وقت آئے گا ہم کہیں گے خدا کے لئے اس کو نہ توڑو! تم ہماری نہیں سنو گے۔

تم نے سقوطِ ڈھاکہ کے وقت ہماری نہ سنی:

۱۹۷۱ء میں ہم نے کہا تھا کہ خدا کے لئے نہ توڑو! تم نے ہماری نہیں سنی، آج پچیس سال کے بعد پھر وہی واقعہ پیش آرہا ہے، تم ہماری نہیں سنتے ہو، اپنی اپنی خواہشات کی پٹی تمہاری آنکھوں پر بندھی ہوئی ہے، تمہیں نظر ہی نہیں آرہا۔

سلگتی آگ نظر آ رہی ہے:

الحمدللہ ہماری کوئی خواہش نہیں، ہم اپنی خواہشات کے ساتھ بات نہیں کرتے، اپنے کسی مفاد کے لئے بات نہیں کرتے، ہمیں آگ لگی ہوئی نظر آ رہی ہے، ابھی تم دیکھو گے کہ کیا بنے گا؟

پچھلے دنوں میں معصوم بچوں کا دودھ نہیں ملا، ایسا دل جلا، دکان پر آیا ہوا دودھ یا تو خراب کروادیا گیا یا گرادیا گیا، تمہاری دودھ کی دکانوں پر دودھ نہیں ملے گا تو بچے کہاں سے دودھ پیئیں گے؟ تم بیماروں اور بچوں کا تو کچھ خیال کرو! خدا کے لئے اس سے باز آجاؤ! اس کو نہ توڑو! توڑنے والے تمہارے ہاتھ سے تڑوا رہے ہیں، اور اپنے نقشے بنا رہے ہیں، تمہیں پتہ نہیں ہے، تم ان چھوٹی چیزوں پر لڑ رہے ہو، روٹی ہے، میرا مالک دیتا ہی رہے گا، کسی کو تھوڑی مل جائے گی، کسی کو زیادہ مل جائے گی، ایک دوسرے سے مظالم کی معافی لے لو، ایک دوسرے کو معاف کردو، اور حق وانصاف پر قائم ہوجاؤ، اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرلو، آج عذاب ٹل جائے گا، اور اگر ایسا نہیں کروگے تو اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔

دوزخ سے بھاگنے والے سو رہے ہیں:

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے طلب کرنے والے سو رہے ہوں اور دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جس سے بھاگنے والے سو رہے ہوں۔ یہ الفاظ تو حدیث نبوی کے ہیں، حضرت امیر المؤمنین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

سب سے بڑی کمائی؟

لیکن ایک تیسرا فقرہ ساتھ ملایاؔ، وہ ان کا اپنا ہے، وہ حدیث میں نہیں آیا کہ میں نے کسی کو اس سے زیادہ کمائی کرنے والا نہیں دیکھا جو شخص کہ کوئی چیز ایسے دن

کے لئے کمالے جس میں ذخائر جمع کئے جائیں گے، جس میں سرائر یعنی بھید کھول دیئے جائیں گے، اور جس میں تمام کبائر جمع کردیئے جائیں گے۔ مطلب یہ کہ کسی نے آخرت کے لئے کوئی چیز کمالی تو واللہ! اس سے بڑی کوئی کمائی کسی کی نہیں ہے، سب سے بڑی کمائی یہ ہے کہ کوئی آدمی آخرت کے لئے چاہے تھوڑی سی چیز اس نے کمائی ہو، آخرت کے لئے کوئی چیز کمالے۔

اشراق کا ثواب:

ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! خیبر کے فتح ہونے کے بعد وہاں چیزوں کی خرید و فروخت کا بازار لگ گیا، جس کے حصے میں جو چیزیں آئیں اور اس کی ضرورت سے زائد تھیں تو اس نے بیچ دیں، اور کسی نے ضرورت کی چیز خرید لی تو میں اس سوداگری میں مشغول ہوگیا (جیسے کہ میمن لوگ سوداگر ہوتے ہیں) اس سے بڑا نفع کمایا۔ آج ایک دن میں میں نے بہت ہی نفع کمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنا کمالیا؟ معلوم نہیں مجھے اس وقت یاد نہیں رہا، غالباً اس صحابی نے کہا تین سو درہم کمالئے۔ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ایک سے چیز لیتا تھا، دوسرے کو بیچ دیتا تھا، ایک سے لی، دوسرے کو بیچ دی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تجھے اس سے زیادہ نفع بخش چیز نہ بتلاؤں؟ اس نے کہا: ضرور! پھر فرمایا:

"قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ إِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ." (مشکوٰۃ ص:۱۱۶)

ترجمہ:...... "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد وہیں بیٹھا رہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہوجائے، اشراق پڑھ کر اٹھے تو اس کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، چاہے سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو فجر کی نماز کے بعد وہیں بیٹھا رہتا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا، یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہوجاتا، اشراق پڑھ کر اٹھتا تو تیری اس کمائی سے زیادہ تھا۔

قرآن کی دو آیتوں کا ثواب:

ایک حدیث شریف میں فرمایا:

"عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّةِ، فَقَالَ: اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنْ یَّغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ اِلٰی بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِیْقَ، فَیَأْتِیْ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِیْ غَیْرِ اِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحْمٍ؟ فَقُلْنَا: یَا رَسُوْلَ اللہِ! کُلُّنَا نُحِبُّ ذَالِکَ! قَالَ: اَفَلَا یَغْدُوْ اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَیُعَلِّمَ اَوْ یَقْرَؤُ اٰیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللہِ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ، وَثَلٰثٌ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ، وَاَرْبَعٌ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعٍ، وَمِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ." (مشکوٰۃ ص:۱۸۳)

ترجمہ:......"کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے، ہم صفہ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بطحان یا عقیق جنگل میں چلا جائے اور وہاں سے بغیر گناہ اور غصب کے

اور بغیر ظلم کے دو عمدہ اونٹ لے آئے اور نہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔
صحابہ کرامؓ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو ہر شخص چاہے گا۔ فرمایا: مسجد
میں چلے جاؤ، دو آیت قرآن کریم کی سیکھ لو یا پڑھ لو یہ تمہارے
لئے ان دو اونٹنیوں سے بہتر ہے، تین آیت کا سیکھنا یا پڑھنا تین
ناقہ سے بہتر اور چار آیت کا سیکھنا یا پڑھنا چار اونٹنیوں سے بہتر
اسی طرح اور ایسے اتنے اونٹوں سے بہتر۔''

آخرت کی کمائی کی اہمیت:

آخرت کی کمائی کو ہم اہمیت نہیں دیتے، دنیا کی کمائی کو اہمیت دیتے ہیں، آج اگر کسی کو ایک ہزار روپے بغیر کسی تاب کے، بغیر کسی گناہ کے مل جائیں تو وہ خوش ہوگا، خوش ہونا چاہئے، حلال کا پیسہ ہے، حلال طریقہ سے مل جائے تو بہت خوش ہوگا، لیکن دو رکعت پڑھنے کی توفیق ہوگئی تو اس پر خوش نہیں، اس پر اتنی خوشی نہیں ہوتی، اس حقیقت کو امیر المؤمنین سمجھا رہے ہیں کہ میں نے کوئی کمانے والا اس سے زیادہ کوئی کمانے والا، اس سے زیادہ نفع اور اس سے زیادہ بہتر کمائی کرنے والا نہیں دیکھا جو شخص کہ اس دن کے لئے کچھ کمالے، تھوڑی سی چیز ہی کمالے، جو تمہیں کل قیامت کے دن کام دے، جس دن کہ تمام ذخائر جمع کر دیئے جائیں گے، آنجناب کی اتنی زندگی ہوئی اور جناب نے اتنا کل ذخیرہ یہاں جمع کروایا ہے، آپ کا اکاؤنٹ اتنا ہے، اور دل کے تمام کے تمام بھید، اندر کی نیتیں اور اندر کے ارادے، اندر جو کچھ چھپا ہوا ہے، سب باہر کر دیئے جائیں گے، جیسے اسکرین میں نظر آتے ہیں، اعضا نظر آتے ہیں، اندر کی نیتیں نظر آنے لگیں گی، اور اس میں تمام کبائر جمع ہو جائیں گے، آج تو ہم نے کام کیا ہے، کر کے بھول گئے، لیکن وہ دن ہوگا کہ زندگی کے تمام کے تمام کبائر ہمارے سامنے آجائیں گے، اکٹھے کر دیئے جائیں گے، اور وہ نقشہ دکھا دیا جائے گا کہ

مکر نہ سکیں، اس دن کی کمائی کے لئے کوئی چیز کس نے کمائی؟ اس دن کام دینے والی کوئی نیکی کمائی تو وہ بہت بڑا کمانے والا ہے، اس سے زیادہ کمانے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

حق نفع نہ دے تو باطل نقصان دے گا:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جس شخص کو حق نفع نہ دے تو باطل نقصان دیتا ہے۔ دو ہی صورتیں ہیں، یا آپ حق پر ہوں گے یا باطل پر ہوں گے، اگر حق پر ہیں، حق آپ کو نفع پہنچا رہا ہے تو مبارک ہو، ورنہ یہ یقین رکھئے کہ باطل کو اختیار کرنے کے بعد آپ نقصان سے نہیں بچ سکتے، اور جس شخص کو ہدایت سیدھا نہ کر سکے، اس کو گمراہی کھینچ کر لے جاتی ہے۔ ہدایت اور گمراہی یہ دونوں بھی متقابل ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں فرمایا: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" اللہ تعالیٰ سے مانگی ہدایت کہ ہمیں ہدایت دے صراط مستقیم کی، "صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا اور یہ چار فریق ہیں: نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ بہت ہی مبارک ہے وہ بندہ جس کو ان کے راستے پر چلنے کی توفیق ہوگئی، یہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے ہیں۔ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ." نہ ان پر غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ جن پر غضب ہوا وہ یہودی ہیں، اور جو گمراہ ہوئے وہ نصرانی ہیں۔ یہ گمراہی کا راستہ ہے، آپ یا ہدایت پر ہیں یا گمراہی پر ہیں، جس شخص کو ہدایت سیدھے راستے پر نہیں چلاتی، گمراہی اس کو کھینچ کے لے جاتی ہے۔ اور جس کو یقین نفع نہیں پہنچاتا، شک اور تردد اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمائی ہوئی تمام باتیں برحق ہیں، ہمارا ان پر ایمان و یقین ہے، ہم نے چونکہ کلمہ پڑھا ہے: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس لئے ہمیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی ایک ایک بات پر

یقین ہے، اور اتنا یقین مؤمن کو ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر غیب کا پردہ ہٹادیا جائے اور تمام رکاوٹیں ہٹادی جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، کیونکہ مجھے آج بھی اتنا ہی یقین ہے جتنا مشاہدہ سے ہوگا۔

مابعد الموت کا یقین:

جنت اور دوزخ کی بات سنتے ہو، عذاب قبر کی بات سنتے ہو اور دوسرے تمام حقائق غیبی کی بات سنتے ہو، تو آج بھی اتنا ہی یقین ہونا چاہئے کہ گویا جنت ہمارے سامنے اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ حاضر ہے، دوزخ کی بات سنتے ہیں تو اتنا یقین ہونا چاہئے کہ گویا دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اس کے عذاب کو دیکھ رہے ہیں، قبر کی بات سنتے ہیں تو وہاں کے بچھو اور سانپ گویا کہ ہمارے سامنے پھر رہے ہیں، اتنا یقین ہونا چاہئے۔ اور یقین سے مقصود یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اس یقین کے مطابق ڈھالو، اپنی زندگی کو یقین کے مطابق بناؤ۔

تردد کا نقصان:

حضرت فرماتے ہیں کہ جس شخص کو یقین نفع نہیں دیتا، شک اس کو نقصان دیتا ہے۔ اگر ایک بات میں بھی تردد کیا کہ پتہ نہیں ٹھیک ہے کہ نہیں؟ پٹری سے اتر گیا، نہ اس کے کلمے کا اعتبار، نہ اس کے حج وزکوٰۃ کا، اور نہ اس کی نماز کا، نہ صدقہ و خیرات کا اعتبار، ایک بات میں بھی شک و تردد ہوجائے جو بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، ہلاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کو یقین کے ساتھ سمجھو اور یقین کو دل میں بٹھاؤ اور اس یقین کا استحضار کرو اور اس یقین کے ساتھ اپنی زندگی کو بناؤ، ورنہ یہ شک وارتیاب تمہیں نقصان دے گا۔

ہمارے یقین کی کمزوری:

قرآن کریم میں کافروں کا مقولہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ: "اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ." (الجاثیہ:۳۲) کچھ کچھ خیال تو ہم بھی رکھتے ہیں، یہ جو جنت، دوزخ کی بات کرتے ہیں، آخرت کی بات کرتے ہیں، کچھ کچھ خیال تو ہمیں بھی آتا ہے، لیکن ہمیں یقین نہیں آتا، یقین ہمیں نہیں ہے۔ مسلمان بھی ان باتوں کو سنتا ہے، تو آج کچھ وہی کیفیت ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یقین اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ کچھ کچھ خیال تو ہمیں بھی آتا ہے کہ شاید ہونے والا ہوگا ایسا، لیکن یقین نہیں آتا، کوئی دجال آکر کہہ دے تمہارے سامنے کہ نہیں! مولویوں نے ایسے ہی باتیں بنائی ہوئی ہیں، تم کہتے ہو کہ ٹھیک کہتا ہے، نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!

حاضر سے عبرت نہیں تو پوشیدہ سے کیسے ہوگی؟

اور فرماتے ہیں کہ جس کو اس کا حاضر نفع نہیں دیتا تو جو چیز اس سے پوشیدہ ہے، وہ اس سے زیادہ اندھا ہوگا، اور جو چیز کہ اس سے غائب ہے اس کے معاملہ میں زیادہ عاجز ہوگا، جب تم سامنے کے واقعات کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے تو جو چیز تمہارے سامنے نہیں ان سے کیسے عبرت پکڑوگے؟ بیمار پڑتے ہیں، ایک بے بسی کا تماشا نظر آتا ہے، پھر عبرت نہیں اور تکلیفیں آتی ہیں، مصائب آتے ہیں، پھر عبرت نہیں، اور پریشانیاں آتی ہیں، عذاب آتے ہیں، ان سے عبرت نہیں، جب تمہیں سامنے کی چیزوں سے عبرت نہیں، تو جو چیزیں تمہاری نظر سے غائب ہیں، ان کو سن کر تمہیں کیسے عبرت ہوگی؟

کوچ کا نقارہ بج چکا!

اور ارشاد فرمایا کہ دیکھو تمہیں کوچ کرنے کا حکم ہو چکا ہے، یعنی کوچ کا نقارہ بجایا جاچکا ہے۔ پرانے زمانے میں جب بہت بڑا قافلہ چلتا تو نقارہ بجاتے تھے،

مطلب یہ ہوتا تھا کہ چلو بھئی اپنا اپنا سامان باندھو اور چلو، اب اتنے بڑے قافلے کے چلنے میں بھی دیر لگتی ہے، ایک دم سے تو سارے لوگ نہیں چل پڑتے، اور بھئی اپنا سامانِ سفر بھی ساتھ لے جاؤ، جتنا تمہاری ضرورت کا ہے، سامان سفر کو زاد کہتے ہیں، اب منیٰ سے عرفات میں جاتے ہیں، عرفات ایک دن ٹھہرنا ہوتا ہے، اسی دن شام کو غروب کے بعد مزدلفہ آجاتے ہیں، مزدلفہ رات گزار کر پھر منیٰ آگئے، تو حاجیوں کا قافلہ بیس لاکھ ہو، تیس لاکھ کا ہو منیٰ سے عرفات کو چلتا ہے، بہت رش ہوتا ہے، چلتے چلتے بھی دیر ہو جاتی ہے، لیکن کوچ کا نقارہ بج چکا ہے کہ چلنا ہے بھئی کیونکہ اگر آج عرفات کے میدان میں نہیں پہنچے تو حج فوت ہو جائے گا اور حج نہیں ملے گا، جیسا کیسا کر کے آدمی پہنچتا ہے اور وہاں سے پھر شام کو چلنا ہے۔

تو حضرت امیر المؤمنینؓ فرماتے ہیں تمہیں کوچ کا حکم کیا جا چکا ہے، اور اس کا نقارہ بجایا جا چکا ہے کہ چلو بھئی آخرت کی طرف چلو، اور تمہاری راہنمائی کر دی گئی ہے کہ یہ توشہ تمہیں ساتھ لے کر جانا ہے، تم تو سامان سمیٹنے کی کرو، میاں! اپنا سامان سمیٹنے کی کرو، محاورے کی زبان میں بوریا بستر گول کرنے کی کوشش کرو، اور دیکھ لو کہ تمہیں ان ان چیزوں کی ضرورت پیش آجائے گی، جلدی جلدی لے لو۔

سب سے خطرناک چیزیں؟

اس کے بعد فرمایا کہ سنو! سب سے زیادہ خطرناک چیز میرے نزدیک تمہارے حق میں دو ہیں: لمبی لمبی امیدیں اور خواہشات کی پیروی۔ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو گئے، کوچ کو بھول گئے اور یہاں سے بڑی بڑی، لمبی لمبی امیدیں وابستہ کر لیں تو اگلے جہاں کے لئے اور اپنے سفر کے لئے توشہ لینا یاد نہیں رہا، یہاں کے معاملات میں ایسے الجھ گئے۔ بس اس کو پھر ذکر کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

معرفت الٰہی
صحابہؓ کا ایمان سیکھنا
اوقات نماز کی حکمتیں
آخرت کی تیاری
تین طلاق کا حکم
زندگی کے مراحل
مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق
مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک
حرام اشیاء کی خرید و فروخت

جلد ہفتم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد ہفتم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

قانونی مشیر اعزازی: ۔ منظور احمد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول.................جولائی ۲۰۰۴ء

ناشر: ـــــــــ مکتبہ لدھیانوی

ـــــــــ 18 سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ـــــــــ جامع مسجد باب الرحمت

ـــــــــ پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور فضل و احسان ہے کہ حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں شروع ہونے والے سلسلہ ''اصلاحی مواعظ'' کی ساتویں جلد مرتب ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے، جبکہ اس سے قبل چھ جلدیں آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہوں گے۔

بحمداللہ صحت و ثقاہت اور تخریج وتبویب کے سلسلہ میں ہمارے رفقا نے جو معیار روزِ اوّل طے فرمایا تھا، آج بھی اسی پر قائم ہیں۔

ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ حضرت شہیدؒ کے وعظ و بیان میں مذکور کوئی بات بلاحوالہ نہ ہو، چنانچہ جہاں بھی آپؒ نے قرآن یا حدیث کے حوالہ سے کوئی بات ارشاد فرمائی ہے، ہم نے جستجو کرکے اس کے متن کو اصل مأخذ سے نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''حدیث میں آتا ہے'' تو ہمارا فرض بن گیا کہ ہم اس حدیث کو تلاش کریں اور اس کا متن مع حوالہ درج کریں۔

اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''قرآن کریم میں آتا ہے'' تو ہم نے اس کی

تخریج کرکے آیت مع ترجمہ نقل کیا ہے۔

اگر کہیں حضرت شہیدؒ کے بیان کے الفاظ جو قرآن و حدیث کے ترجمہ سے زائد تھے، تو انہیں تشریح کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کتاب سلسلۂ مواعظ کی اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے، جس میں اس طرح تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب میں پہلی جلد کو چھوڑ کر، قرآن و سنت سے منسوب کسی بات کو بلاحوالہ نہیں جانے دیا گیا، خدا کرے آئندہ بھی ہم اس کا اہتمام کر پائیں۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اس میں کوئی غلطی نہیں یا یہ کتاب اغلاط سے مبرا ہے، کیونکہ اللہ کی کتاب کے علاوہ ہر کتاب میں اس کا احتمال ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے رفیق کار مولانا محمد اعجاز صاحب کو جنہوں نے اس کام میں جی جان سے محنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہماری نجات، حضرت شہیدؒ کے رفعِ درجات اور تمام معاونین و کارکنان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین!

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

مدیر ماہنامہ بینات کراچی

فہرست مواعظ

فہرست

①

معرفتِ الٰہی ۲۵

(۳)

حضراتِ صحابہؓ کا تعلیم کے لئے سفر ۶۳

(۴)

عمل، علم کی مقبولیت کی علامت ۸۳

(۷)

نماز کا اہتمام، فوائد وثمرات ۱۳۳

۸

نمازوں کے اوقات اور اس کی حکمتیں ۱۴۹

(۱۷)

حرام اشیاء کی خرید و فروخت

معرفتِ الٰہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: ......

وَاَشْرَفُ الْحَدِیْثِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْقَصَصِ اَلْقُرْاٰنُ، وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ عَوَاقِبُھَا، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا، وَمَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی ..... الخ." (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۸)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے، اور بہترین قصہ قرآن کریم ہے، اور سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، اور سب سے برا کام وہ ہے جس کو گھڑ لیا گیا ہو، اور جو مال کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو، وہ اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالنے والا ہو۔"

اشرف الحدیث ذکر اللہ کا مفہوم؟

یعنی آدمی جو بھی گفتگو کرتا ہے ان میں سب سے اشرف ذکرِ الٰہی ہے، ذکر

اللہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی شامل ہے، تسبیحات، درود شریف، استغفار اور تمام وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔

کلام کے شرف کے اسباب؟

کسی کلام کا شرف یا تو اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا جس کا تذکرہ کیا جائے اس کے تذکرہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، قرآن کریم سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے باوجود کلام اللہ شریف کے بعض حصے بعض حصوں سے افضل ہیں، سورۂ یٰسٓ کو قرآن کریم کا قلب فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کا دل ہے، آیت الکرسی کو ''اعظم آیة من القرآن'' فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت۔ سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن فرمایا گیا ہے، یعنی تہائی قرآن کریم کے برابر ہے، سورۂ کافرون کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔

پھر قل ھو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یہ ایک سورۃ ہے جو تہائی قرآن کے برابر ہے، یعنی دس پارے کے برابر، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت الکرسی میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا ذکر ہے، اور اس کے دس جملے ہیں اور دسوں میں الگ الگ صفت کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ کلام کا شرف اس کے اس مضمون کی وجہ سے ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا۔

درود کی فضیلت کی وجہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ عالی کے بعد سب سے زیادہ صاحبِ مرتبہ ہیں، تو آپ کا ذکرِ خیر، ذکر اللہ کے بعد تمام اذکار سے افضل ہوگا، اس لئے درود شریف کی فضیلت بہت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ:

''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ عَشْرًا۔''

(مشکوٰۃ ص:۸۶)

ترجمہ:...... ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائیں گے۔''

دس مرتبہ درود شریف پڑھو تو سو رحمتیں، اور سو مرتبہ درود شریف پڑھو تو ہزار رحمتیں میسر آئیں گی۔

سب سے افضل کلام؟

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ الٰہی پر جو کلام مشتمل ہو وہ سب سے افضل ہے، جو کلام ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہو وہ اشرف الحدیث ہے، جو بات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب سے اشرف ہے، اس لئے کہ اس پر اجر ملتا ہے اور اس کے ذریعہ بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت بندے کے دل میں آتی ہے، بندے کے دل میں عبدیت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور بندے کی عبدیت یعنی فنائیت یہی حاصل ہے سب چیزوں کا، اس لئے بلاشبہ اشرف الحدیث ذکر اللہ ہے، سب سے بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس سے آدمی کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔

آنحضرتؐ کی مختصر نصیحت:

ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمائیے، بات لمبی نہ ہو تاکہ میں اس کو ضبط کرسکوں۔ فرمایا:

''لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللہِ۔''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۸)

ترجمہ:...... ''تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر

رہنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔"

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ نے یہ حدیث فضائل ذکر میں ذکر کر کے اس کے اسّی فائدے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمادے۔

سب سے گندی بات کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا ہے، اور سب سے افضل بات اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، تو اپنی زبان کو گندگی سے آلودہ نہ کرو، بلکہ اس اشرف الحدیث کے ساتھ اپنی زبان کو منور کرو، زبان میں بھی نور آئے گا، دل میں بھی نور آئے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے!

سب سے بہتر قصص:

قصص کے معنی واقعات کے ہیں، سب سے بہترین واقعہ قرآن کریم کا ہے، قرآن کریم میں انبیأ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے، گمراہ قوموں کا بھی تذکرہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے اور ابلیس کا واقعہ بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے، فرعون کا واقعہ بھی ہے، قارون کا واقعہ بھی ہے۔

واقعات کا اصل مقصود عبرت ہے:

لوگوں کو واقعات پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے، لیکن واقعات سے اصل مقصود عبرت حاصل کرنا ہے! اگر ہم نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی تو وقت ضائع کیا، ہاں! آپ نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی مفید نصیحت حاصل کی، عبرت حاصل کی تو پھر یہ پڑھنا صحیح ہوا، اور عبرت کے لئے قرآن کریم میں ذکر کردہ واقعات سے بہتر کوئی واقعہ نہیں ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کلامِ معجز ہے، اس کی عجیب وغریب تعبیرات ہیں، پھر حق تعالیٰ شانہ اس کلام کے ضمن میں فوائد اور نصیحتوں کی طرف بھی اشارہ فرماتے جاتے ہیں تاکہ بندوں کے دل میں ان چیزوں کا دھیان پیدا ہو، تاریخ برائے تاریخ ذکر نہیں کی جاتی۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل سے بیان فرمایا، شروع سے لے کر ان کی وفات تک، لیکن یہاں بھی تاریخ نہیں دہرائی، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے، یہاں تقریروں میں بڑی تفصیل سننے کو ملتی ہے کہ یوں مارا اور یوں جھڑکا، اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ستایا، یہ ساری تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں لیکن قرآن کریم نے ان سب کو لپیٹ کے رکھ دیا، قرآن کریم نے فرمایا:

"فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ....." (یوسف:۱۵)

جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور انہوں نے ایکا کرلیا، اتفاق کرلیا کہ اندھے کنویں میں ان کو ڈال دیں، پھر آگے ذکر ہی نہیں کیا کہ کیا ہوا؟ اور کیا نہیں ہوا؟ ہاں! البتہ قرآن کریم میں صرف اتنا ہے کہ:

"وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ." (یوسف:۱۵)

ترجمہ:......"اور ہم نے ان کو وحی کی کہ ایک وقت آئے گا کہ تم ان کو یہ واقعات بتاؤ گے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا، شعور بھی نہیں ہوگا۔"

رہا یہ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی لے گئے، اور ان کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تو کیا ہوا؟ قرآن کریم نے اس کو ذکر ہی نہیں کیا، کیونکہ وہ محض دل کو نرم کرنے والی باتیں ہوتیں، سننے والوں کو ترس آتا، اور لوگ روتے، یہ کوئی عبرت کی بات تو نہیں تھی، اس میں عبرت کی بات تو اتنی ہوئی کہ لے گئے، لے جا کر کنویں میں ڈال دیا اور کنواں بھی اندھا، تو قرآن کریم میں

جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں اس کا ایک ایک حرف نصیحت ہے، عبرت ہے، ایک تو یہ کہ یہ واقعہ مستند ہے، "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا" (النسآ:۸۷) (بات کرنے سے اللہ تعالیٰ سے بہتر سچا کون ہوسکتا ہے؟) "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا" (النسآ:۱۲۲) (گفتگو کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہوسکتا ہے؟)۔

جن واقعات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا وہ قطعی طور پر یقینی ہیں، دوسرا آدمی ہم جیسا کوئی واقعہ بیان کرے گا تو دو چار باتیں اپنے پاس سے بھی ملا لے گا۔

واقعاتِ قرآن تاریخی نہیں:

دوسری بات یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان واقعات کو تاریخی حیثیت سے ذکر نہیں فرمایا بلکہ عبرت کی حیثیت سے ذکر فرمایا، واقعات کے صرف ان اجزأ کو لیا ہے جن میں کچھ احکام، کچھ مسائل، کچھ فوائد، کچھ نصیحت و عبرت بندوں کو کرنا مقصود تھا، اس لئے سب سے بہترین واقعات قرآن کریم کے ہیں، سورۂ یوسف میں فرمایا: "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ....." (یوسف:۳) (ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں بہترین قصہ، بہترین واقعہ)۔

یوں آتا ہے کہ اہل جنت کبھی کبھی اس قسم کے واقعات بیان کریں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کریں گے، "احسن القصص" فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

بہتر کام وہ ہے، جس کا انجام اچھا ہو!

اس روایت میں آیا ہے: "خیر الامور عواقبها" سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، ایک کام کرلیا، اپنے خیال میں اچھا کام کیا لیکن انجام اچھا نہیں نکلا تو اس کام کو اچھا نہیں کہیں گے، ہم نے خیر کے کام کئے یا ایسے کام جن کو ہم خیر نہیں سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ خیر

کے کام تھے، لیکن نعوذ باللہ! ہماری کسی نحوست کی وجہ سے ان پر صحیح انجام مرتب نہیں ہوا، مثلاً: کسی نیکی وغیرہ کے بعد ریاکاری کی یا خدانخواستہ ایسے الفاظ بول دیئے جس سے وہ اعمال برباد ہوگئے تو کچھ بھی نہ رہا، چاہے صدقہ خیرات وغیرہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو۔

سخاوت رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو تو بے کار:

آج میں نے ایک عجیب وغریب حدیث پڑھی ہے کہ عالم حشرات الارض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے ایک سانپ کا نام لیا اور کہا کہ: ہے تو سردار، بس اس میں تھوڑی سی کسر ہے کہ ذرا بخیل ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخل سے زیادہ لائق ملامت اور چیز کیا ہوتی ہے؟ تو سخاوت بہت ہی اچھا عمل ہے اور بخل بہت بری چیز ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ سخاوت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو تو بے سود اور بے کار ہے، کچھ بھی نہیں ملے گا، قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ لَہٗ فِیْھَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَھَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ." (البقرۃ:۲۶۶)

یعنی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور اس کا بڑھاپا آگیا ہو، جوانی میں تو آدمی محنت کرسکتا ہے، نیا باغ بھی لگاسکتا ہے، لیکن بڑھاپے میں تو پرانی کمائی کھائی جاسکتی ہے، نیا کوئی کام کرنا مشکل ہوتا ہے جس میں محنت ہو، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، اگر اولاد بڑی ہوتی، کام کرنے والی ہوتی تو باغ اُجڑ جاتا تو چلو اولاد لگالیتی، بچے چھوٹے

چھوٹے ہیں جو بے چارے کما نہیں سکتے، باغ کیا لگائیں گے، وہ خود اس پر بوجھ ہیں۔ ایسے آدمی کا لہلہاتا ہوا بھرپور باغ جس پر رات کو آگ بگولا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، اس شخص کو کتنی حسرت ہوگی ا کتنی ندامت ہوگی؟ کتنا غم ہوگا؟ سب کچھ ہی لٹ گیا۔

دنیاوی باغ کی طرح اگر نیکیوں کا باغ اُجڑ جائے تو...!

یہ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی نے زندگی بھر نیکیوں کا باغ لگایا لیکن یہاں کا آگ بگولا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، بڑھاپے کا وقت سب سے زیادہ محتاجی کا وقت ہوتا ہے، قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں، محنت کر نہیں سکتا، چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، لیکن اگر ساری عمر کی جائیداد ضائع ہوجائے تو اس غریب کی کیا حالت ہوگی؟ اور تمہاری زندگی بھر کے اعمال اگر موت کے وقت معلوم ہوں کہ صفر ہیں تو پھر اس سے زیادہ محتاجی کا وقت کیا ہوگا؟ اب نئی زندگی بھی نہیں مل سکتی کہ نئے عمل کرلیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ سخاوت ہو یا دوسرے نیک اعمال، اگر آدمی زندگی بھر محنت کرتا رہے، لیکن ساتھ کچھ بھی نہ لے کر جائے، اور یہیں سب کچھ ضائع کر کے چلا جائے تو اچھا انجام تو نہ ہوا، خیر والے اعمال تو آخرت کے لئے کئے جاتے ہیں، یہ نماز روزہ ہے، یہ حج و زکوٰۃ ہے، یہ ذکرِ الٰہی ہے، صدقات و خیرات ہیں اور جتنے اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں ان کو آخرت کے لئے کیا جاتا ہے، یہ اعمال مرنے کے بعد کام دیں گے، ان اعمال کو دنیا کے لئے نہیں کیا جاتا، اور یہ آخرت میں اسی وقت مفید ہوسکتے ہیں جبکہ یہ بحال بھی رہیں، اگر خدانخواستہ ان کا انجام ہی غلط نکلے تو پھر ایسے اعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کام کرتے ہوئے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ برے اعمال کرو گے تو اس کا انجام تو ظاہر ہے برا ہی ہوگا، اور نیک اعمال کرو گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کے طریقے کے مطابق

نہیں کروگے تو ان کا انجام بھی برا ہی ہوگا۔

بری نیت، برے انجام کی علامت:

اسی طرح نیک اعمال کرو لیکن نیت صحیح نہ ہو یا ان اعمال کی آدمی شرطیں بجا نہ لائے تو اس کا انجام بھی صفر ہے، مطلب یہ ہے کہ سب سے بہتر کام ان کے انجام ہیں، کاموں کی بہتری ان کا انجام ہیں، اور دوسری روایت میں ہے: سب سے بہتر کام وہ ہیں جو عزیمت والے ہوں، ہمت اور عزیمت کے ساتھ کام کو کیا جائے تو کام ہوگا، اور اگر سستی و کاہلی کے ساتھ کیا جائے تو وہ کام ٹھیک سے نہیں ہوگا۔

خیر کے کام کرنے ہوں تو پورے عزم کے ساتھ کرو اور ہمت کو استعمال کرو، اور یہ شکایت نہ ہو کہ معمولات کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، فلاں کام کی پابندی نہیں ہوتی، تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، یہ کبھی کسی نے شکایت نہیں کی کہ کھانے کی پابندی نہیں ہوتی، کیا کروں جی تو بہت چاہتا ہے روٹی کھانے کو لیکن پابندی نہیں ہوتی۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، ذکر کی پابندی نہیں ہوتی، دوسرے اعمالِ خیر کی پابندی نہیں ہوتی، آخر کیوں؟ وجہ کیا ہے؟

اصل میں دو چیزوں کا نقص ہے، ایک یہ کہ آپ نے عزم نہیں کیا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کے لئے ہمت کو استعمال نہیں کیا، اب کھانا آپ کے سامنے رکھا ہو تو کوئی دوسرا آدمی تو اُٹھا کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے رہا، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، قوت دی ہے، لقمہ اُٹھا سکتے ہیں تو منہ تک تو خود ہی لقمہ لے کر جانا پڑے گا، اور اگر کسی نے ڈال بھی دیا تو دانت تو آپ کو ہلانے پڑیں گے، اب کوئی دوسرا آدمی تو آپ کی جگہ دانت ہلا نہیں سکتا، اس کو حلق سے نیچے اتارنا تو آپ کا فعل ہوگا، ہمت کے بغیر تو آپ کھانا بھی نہیں

کھا سکتے، اسی کو فرمایا: سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کو عزم کے ساتھ کیا جائے۔

اعمال میں عزیمت ہو، ہمیشہ رُخصت پر عمل نہ ہو:

یہاں پر یہ بات یاد رکھو کہ ایک عزیمت ہوتی ہے اور ایک رخصت ہوتی ہے، یہ کام کرلو تو اجازت ہے، لیکن عزیمت یہ ہے کہ یہ کام نہ کرو اس عزیمت کی جمع بھی عزائم آتی ہے، تو سب سے بہتر کام وہ ہیں جن میں عزیمت ہو، ہمیشہ رخصتوں پر عمل نہ ہو، کبھی کبھی آدمی رخصت پر بھی عمل کرلے، چلو اچھا ہے، اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے، ٹھیک ہے، لیکن اکثر کوشش عزیمت پر عمل کرنے کی ہونی چاہئے۔

سب سے بدترین کام؟

سب سے بدترین کام وہ ہیں جن کو نیا گھڑ لیا گیا ہو، انہی کو بدعت کہتے ہیں، اور لوگ اپنی بے سمجھی یا بے علمی کی وجہ سے اس میں بڑا دھوکا کھاتے ہیں، جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں ہوا، آپ نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی، جس کام کو صحابہ کرامؓ نے نہیں کیا اور جس کام کو حضرات فقہائے امت، حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، رحمہم اللہ تعالیٰ، نے قرآن وحدیث سے نکال کر نہیں بیان فرمایا، اس کام کو عبادت کا کام سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

جو کام خود مقصود نہ ہو مگر دینی مقصد کے لئے کیا جائے وہ بدعت نہیں:

البتہ وہ کام جو دین کے کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کو خود مقصود نہیں سمجھا جاتا یہ بدعت نہیں ہے، بلکہ یہ دین کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابیں نہیں لکھی تھیں، صرف ایک ہی کتاب امت کو دی ہے اور وہ ہے قرآن کریم، صحابہ کرامؓ نے بھی کتابیں نہیں لکھیں لیکن دین

کی تعلیم اور تبلیغ کے لئے قلم کو ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنایا ہے، شاہانِ عالم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرامی نامے بھی تحریر فرمائے ہیں، مقصود دعوت ہے، خط مقصود نہیں۔

اسی طرح بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوئیں کہ کوئی صحابی دور دراز رہتے ہیں، ان کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا، اور اس میں کچھ ہدایات جاری فرمائیں کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، زکوٰۃ وصدقات کی مقداریں اور نصاب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروا کے دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اس تحریر کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے، تو معلوم ہوا علم کو لکھ لینا اور قلم کے ذریعہ سے لوگوں کو دعوت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، صحابہ کرامؓ اور حضرات خلفائے راشدینؓ بھی گرامی نامے تحریر فرماتے تھے۔

کتاب لکھنا جائز ہے:

چنانچہ تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ دین کی کتاب لکھنا جائز ہے اور عبادت ہے، لیکن خود عبادت نہیں بلکہ تعلیم وتبلیغ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے، اب آپ یہ نہیں فرمائیں گے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کتابیں نہیں لکھی گئیں، لہٰذا کتابیں لکھنا بدعت ہے، یہ کبھی نہیں فرمائیں گے آپ کہ بھائی! کتاب میں کیا لکھا ہے یہ تو دیکھو، دین کی حفاظت کے لئے اگر کتاب لکھی جاتی ہے، تعلیم کے لئے یا تبلیغ کے لئے کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کتاب خود مقصود نہیں بلکہ دین کی تعلیم اور تبلیغ مقصود ہے۔

مدرسہ کی تعمیر اور اس کا نظام جائز ہے:

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مسجد

تعمیر فرمائی تو ساتھ ہی ساتھ ایک چبوترا بنا دیا تھا اور اس پر چھپر ڈال دیا تھا، جس کو صفہ کہتے ہیں، آج بھی وہ موجود ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ تھا، اور بعض دفعہ یہاں ستر، ستر طالب علم رہا کرتے تھے، تعلیم حاصل کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوت کے کام کے لئے، جہاد کے کام کے لئے بھیجتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس امت میں احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں وہ اس مدرسے میں تین یا چار سال مسلسل رہے، تو معلوم ہوا کہ دینی مدارس بنانا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے، مگر بلڈنگ یا اس میں درجہ بندی، اسباق کے گھنٹے تقسیم کرنا اور دوسرے جو نظام ہوتے ہیں مدارس کے یہ صرف تعلیم کے لئے اور انتظامی چیزیں ہیں، مقصود تعلیم دین ہے، تو تعلیم دین یہ اہم مقاصد میں سے ہے اور یہ مدارس یا ان کا نظام اس کا ذریعہ ہے، اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

تبلیغ والوں کا سہ روزہ، چلّہ اور تین چلّے بھی جائز ہیں:

بہت سے سرپھرے مجھے لکھتے ہیں کہ یہ جو تبلیغ والوں نے سہ روزہ، چلّہ اور تین چلّے اور سال مقرر کیا ہوا ہے یہ سنت سے ثابت ہے؟ اور یہ کہتے ہیں کہ فضائل اعمال کی کتابیں پڑھو، یہ سنت سے ثابت ہے؟ جب لوگوں کا فہم اتنا نیچے گر جائے تو ان کو کیا جواب دوں؟ تم خود سوچو، میں لکھ دیتا ہوں کہ ہمارے مدارس میں جو کچھ نظام رائج ہے کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہ گھنٹہ بخاری شریف کا ہے، یہ گھنٹہ ترمذی شریف کا ہے، یہ گھنٹہ مسلم شریف کا ہے، کیا یہ کسی حدیث میں آتا ہے؟ حنفی تو خیر بیچارے مقلد ہیں، لیکن اہل حدیث تو اپنے آپ کو پکے سنت پر عمل کرنے والے کہلاتے ہیں، کسی حدیث سے ثابت کریں گے کہ فلاں گھنٹے میں بخاری شریف پڑھایا کرو، فلاں گھنٹے میں ترمذی شریف پڑھایا کرو، مدارس میں کسی میں سات سال کا نصاب ہے، کسی میں پانچ سال کا نصاب ہے، کسی میں دس سال کا نصاب ہے، بچیوں کے لئے کسی نے

تین سال کا نصاب بنادیا، کسی نے چھ سال کا نصاب بنادیا، کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہاں کبھی کسی کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہوا، کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ نصاب کی مقدار یا کتابوں کی تعیین یا اوقات کی تعیین یا نظامِ تعلیم یہ خود مقصود نہیں ہیں، فروعات ہیں، اصل مقصود تو دین کی تعلیم ہے، چونکہ دین کی تعلیم کے لئے تجربہ کی بنیاد پر ایک نقشہ مرتب کردیا گیا ہے تو آپ اس کو بدعت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو بھی بہت بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہیں، یہ مدارس بنانے کو، قرآن کریم کے مکتب بنانے کو، بہت اونچی عبادت سمجھا اور کہا جاتا ہے، تو میرے بھائی! تبلیغ کے سہ روزہ کو، چلّے کو، تین چلّے کو، سال کو، دو سال کو، پانچ سال کو بھی اسی مد میں شامل کرلو، اگر ان حضرات نے تجربے کے ساتھ دعوت کے کام کو کسی کے اندر پختہ کرنے کے لئے کچھ اوقات مقرر کردیئے ہیں تو مجھے بتایئے آپ اس کو بدعت کیوں فرماتے ہیں؟ لوگ گھپلا کرتے ہیں۔

قبروں پر پھول انگریز کی سنت ہے:

شاہ تراب الحق کے ساتھ کسی زمانہ میں میرا قلمی مناظرہ ہوا تھا، میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ڈانٹ کر فرمایا: ''مولوی صاحب! یہ تم نے کیا شروع کردیا ہے؟'' یہی الفاظ تھے حضرتؒ کے، میں نے کہا: حضرت! آج کے بعد بند۔ وہیں ختم کردیا، تو ان صاحب سے میں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں قبریں بھی موجود تھیں اور پھول بھی موجود تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ پھول کیوں نہیں چڑھائے؟ یہ پھولوں کی چادر چڑھانا انگریزوں اور مغرب کی طرف سے وحی آئی ہے، یہ آسمان کی وحی نہیں ہے، تم نے مغرب کی چیزوں کو آسمانی وحی کا درجہ دے دیا، جیسے میں نے ایک دفعہ کہا تھا ناں! اسلامی بینک، اسلامی شراب خانہ، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اسلامی جمہوریت، اسلامی کمیونزم، مغرب کی طرف

سے جن گندگیوں کی وحی آتی ہے تو اس پر ''اسلامی'' نام چسپاں کردیتے ہو۔

محدثات پر حدیث سے غلط استدلال:

یہ محدثات ہیں، تم نے اس کو ''اسلامی'' بنادیا اور تم اس کو عبادت سمجھتے ہو، استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے تو آپ کی سواری بدکی، فرمایا کہ: یہ قبریں کیسی ہیں؟ بتایا گیا کہ فلاں کی ہیں، غالباً مشرکین کی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی تازہ شاخ منگوائی، اس کو درمیان سے دو حصوں میں چیرا، ایک، ایک قبر پر گاڑ دی، دوسری، دوسری قبر پر گاڑ دی یا شاید مسلمانوں کی بھی تھی، فرمایا:

> ''اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ! وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَاَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ، ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رُطَبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا.''
>
> (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۲)
>
> ترجمہ:...... ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہورہا، ایک تو ان میں سے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ: یہ شاخیں میں نے اس لئے گاڑی ہیں کہ شاید ان کے خشک ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائیں گے۔''

یہ تو ہیں حدیث شریف کے الفاظ، بعض اکابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے شاخ گاڑنے سے یہ استدلال فرمالیا کہ قبر پر کوئی سبز شاخ گاڑ دی جائے، چلو یہ بھی کسی درجے میں ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح نہیں ہے، اب اس سے ہمارے دوست آگے بڑھے کہا کہ پھول ڈالے جائیں، کس کی قبر پر؟ اولیا اللہ کی قبر پر! کیوں؟ کیا ان اولیا اللہ کو عذاب ہو رہا ہے؟ معذّب سمجھ کر قبر پر پھول ڈالتے ہو؟

انگریزوں کی روش کو دلائل مہیا کرنا؟

باہر کے بڑے لوگ جب ہمارے یہاں آتے ہیں تو قائد اعظم کے مزار پر پھول ڈالتے ہیں، تو ہمارے بڑے لوگ جب باہر جاتے ہیں تو ان کے قومی رہنماؤں کی قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، قبر بھی نہ ہو تو مٹی پر ڈالتے ہیں، یہ دنیا کی رسم ہے، اب تم اس کو دین بناتے ہو! یہاں تو نہیں لیکن دوسری روایت میں ہے: "وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ!" (اور ہر نئی بات جو گھڑی جائے وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت برائی ہے!) اور اس کے ساتھ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ: "وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ!" (ہر گمراہی دوزخ میں ہے)، اور ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: تھوڑی سنت پر عمل کر لینا بڑی بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

جنت جانے کا نسخہ:

پانچ وقت کی نماز پڑھو! دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں نماز کے ساتھ جو سنتیں ہیں وہ پڑھ لیا کرو، تکبیر تحریمہ کا اہتمام کرو، اس کے علاوہ اگرچہ ایک لفظ بھی نہ پڑھو، انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اور ساری ساری رات لیلۃ القدر میں، شب برأت میں، ستائیسویں رجب میں عبادت کرو، لیکن فرض نماز کا اہتمام نہ کرو، "فی النار!" نتیجہ جہنم ہے۔

سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت:

سنت پر عمل کرنے والا کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے محروم نہیں

ہوگا، اور بدعات میں تھکنے والا کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات کو حاصل نہیں کرسکتا، اس کے حصے میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔

محرم اور ربیع الاول کی خرافات:

اب یہ محرم شروع ہوا ہے، ساری کی ساری خرافات ہیں، بدعات ہیں، چاہے کسی نے گھڑی ہوں، اب ان کو تقدس کا درجہ حاصل ہوگیا، محرم کی بدعات کے بعد پھر ربیع الاول آنے والا ہے، کسی نے صحیح کہا تھا کہ:

یہ امت خرافات میں کھوگئی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں، میاں! خدا کے لئے اس پر عمل کرو، فرائض ہیں، واجبات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ہیں، پھر عقائد سے متعلق، اعمال سے متعلق، معاشرت سے متعلق، معاملات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرو، ان بدعات کے ذریعہ سے تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرسکتے۔

زیادہ غافل کرنے والے سے تھوڑا کفایت کرنے والا مال بہتر ہے:

اس کے بعد فرمایا: تھوڑا مال ہو لیکن کفایت کرجائے، ضرورت پوری ہوجائے وہ بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو آدمی کو غافل کردے۔

ایک غلط سوچ کی اصلاح:

بھائی! میں بھی اس میں شامل ہوں، آپ بھی اس میں شامل ہیں، ایک غلط خیال ہم سب میں پختہ ہوگیا ہے، وہ یہ کہ حلال مال زیادہ سے زیادہ کمانا چاہئے، حرام تو خیر نہیں کمانا چاہئے، لیکن حلال مال زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے، یہ ہماری بھول ہے،

کیونکہ جتنا زیادہ ہوگا اتنے زیادہ کا حساب بھی دینا ہوگا، تھوڑا ہوگا تو تھوڑے کا حساب دوگے، زیادہ ہوگا تو زیادہ کا حساب دوگے، ایک نے دس روپے خرچ کئے ہیں، اس کو دس روپے کا حساب دینا ہے، اور ایک نے دس ہزار خرچ کئے ہیں، تو اس کو دس ہزار کا حساب دینا ہوگا، اب تم دیکھ لو کہ دس روپے کا حساب دینے میں وقت زیادہ لگے گا یا دس ہزار کا؟ اور یہ تو جب ہے کہ ہمارا حساب بالکل صاف ہو، اگر حساب میں کہیں گھپلا نظر آگیا تو پھر وہیں پکڑے گئے۔

زیادہ کمانے کو میں حرام اور ناجائز نہیں کہتا، کماؤ، حلال کماؤ تمہاری خوشی ہے، لیکن اس غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جس میں میں بھی مبتلا ہوں، آپ بھی مبتلا ہیں، اگر کوئی زیادہ کھاتا پیتا آدمی ہو تو اس کی قدر ہمارے نزدیک زیادہ ہے، اور ایک فقیر مسکین ہے اس کی عظمت اور قیمت ہمارے دل میں نہیں، لیکن جس طرح کسی چیز کی تہہ رکھی ہوتی ہے، اگر اس کو پلٹ دیا جائے تو نیچے والی اوپر آجاتی ہے، اوپر والی نیچے چلی جاتی ہے، قیامت کے دن ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو پلٹ دیں گے، آج جو تمہیں نیچے نظر آتے ہیں، وہ کل کو اوپر ہوجائیں گے، اور آج جو اوپر نظر آتے ہیں وہ کل کو نیچے نظر آئیں گے، اور جو آگے نظر آتے ہیں، وہ پیچھے ہوجائیں گے، اور پیچھے والے آگے ہوجائیں گے، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بالکل بجا فرماتے ہیں، آمنا وصدقنا! کہ جو مال تھوڑا ہو لیکن کفایت کرجائے، بس بقدرِ کفایت ہو وہ بہتر ہے، یہ نہیں کہ ہماری یہ خواہش پوری ہوجائے وہ خواہش پوری ہوجائے! بس کفایت میں زندگی گزر جائے وہ بہتر ہے اس مال سے جو زیادہ ہوکر غافل کردے۔ یہ غافل ہونا کئی طرح کا ہوتا ہے، تشریح کا موقع نہیں، ایک قسم غفلت کی یہ ہے کہ اسی مال کے انتظام میں بیچارہ لگا ہوا ہے، کچھ کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی، یہ بھی غفلت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حدیث شریف میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ عِشْتُ بُرْهَةً مِنْ دَهْرِیْ وَاِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتِی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهَا كَمَا تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ، ثُمَّ لَقَدْ رَأَیْتُ رِجَالًا یُؤْتِیْ اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ الْاِیْمَانِ فَیَقْرَأُ مَا بَیْنَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ اِلٰی خَاتِمَتِهٖ، مَا یَدْرِیْ مَا اٰمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ، وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ وَیَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقْلِ." (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۶۵)

ترجمہ:...... "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ: مجھ پر ایک طویل زمانہ گزرا، ہم لوگ پہلے ایمان سیکھتے تھے پھر قرآن سیکھتے تھے، پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن سیکھا، قرآنِ کریم کی سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

ہوتی تھیں تو ہم ان کے حلال وحرام کو بھی جانتے تھے، اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ اس آیت پر یہاں وقف کرنا چاہئے، لیکن اس کے بعد کچھ لوگ آئے ہیں جنہوں نے ایمان تو سیکھا نہیں، قرآن سیکھ لیا اور وہ سورۂ فاتحہ سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں، اور پڑھتے بھی دھڑادھڑ ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس آیت میں کہاں وقف کرنا ہے؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ کیا اس کے احکام ہیں؟ سورۂ فاتحہ میں کیا احکام ہیں؟ اور اسی طرح دوسری سورتوں میں کیا احکام ہیں؟ بس جس طرح کہ ردّی کھجوروں کو چن کر آدمی الگ کرلیتا ہے، اسی طرح ہم قرآن پڑھ رہے ہیں۔''

صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بات کر رہے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے ایمان سیکھتے تھے، اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھ کر دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا تھا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔'' یہ تو اپنے زمانے کی بات ہے کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اور اس کے بعد قرآن سیکھا، پھر جب قرآن نازل ہوتا تھا، یعنی کبھی ایک چھوٹی سورت، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی چند آیتیں، تو ایمان کو سیکھنے کے بعد پھر ہم قرآن کو سیکھتے تھے اور قرآن اس طرح سیکھتے تھے کہ اس کے حلال کو، حرام کو، جائز کو، ناجائز کو، ہر چیز کو جانتے تھے، اور اب کچھ لوگ آئے ہیں یا آئیں گے کہ وہ دھڑادھڑ قرآن مجید پڑھنا شروع کردیں گے، ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ قرآن مجید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟

سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک وہ قرآن مجید سارا حفظ سنادیں گے، لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، ہنسلی سے نیچے نہیں اُترے گا، اور قرآن مجید کو اس طرح فرفر پڑھیں گے گویا کہ ردّی کھجوروں کو چھانٹ رہے ہیں، الگ کر رہے ہیں۔ یہی فرق ہے ہمارے درمیان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان، ان کے اندر خشیت تھی، خشوع تھا، قرآن مجید ان کے ظاہر اور باطن پر اثر کرتا تھا، اور ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن قرآن کوئی اثر نہیں کرتا، حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ اس کو سیکھتے ہی نہیں کہ جائز کیا ہے؟ ناجائز کیا ہے؟ کوئی پرواہ ہی نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

"کُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فُتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِيْمَانًا." (ابن ماجہ ص:۱۱)

ترجمہ:...... "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہم ابھی لڑکے سے تھے، کہنا چاہئے کہ جوان بھی نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے تو ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن مجید سیکھا، اور پھر قرآن مجید کے سیکھنے کی برکت یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے سیکھنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگیا۔"

صحابہ کے استاذ و معلّم؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، جن کے معلّم، معلّمِ

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ."
(آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:......"بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے اہل ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان رسول انہی میں سے بھیج دیا، جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ تمام انسانوں کے معلّم بن گئے)۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو بہت تھوڑے لوگ آئے، کوئی ایک لاکھ آدمی بھی نہیں ہوگا، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست تعلیم پائی، باقی جتنی دنیا تھی ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں نے پڑھایا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے، ان حضرات پر اور ان کے طفیل آنے والی امت پر، جس کی کوئی نہایت اور حد نہیں ہے۔

انصار کا ایثار:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دو جماعتیں تھیں، ایک مہاجرین تھے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آئے تھے، یہ کھیتی باڑی نہیں کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں کھیتی کہاں ہوتی تھی؟ جانتے ہی نہیں تھے کہ کھیتی باڑی کیا ہوتی ہے؟ اور دوسرے انصار

تھے جو مدینے کے رہنے والے تھے، یہ حضرات کھیتی باڑی جانتے تھے، یہ چھوٹی سی بستی تھی، آج جس کو مدینہ کہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس کو ''یثرب'' کہا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد وہ ''مدینہ'' بن گیا، ''مدینة الرسول'' صلی اللہ علیہ وسلم، ''طابہ''، ''طیبہ'' یہ سب اس کے نام بن گئے تھے، مدینہ میں تھوڑی سی زمینیں تھیں، جب یہ مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، تو مدینے والے حضرات نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان مہاجرین کو ہمارا بھائی بنادیا ہے اور بھائی بھی اس طرح بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو فرمایا کہ: تم آپس میں بھائی ہو! انصاری کے پاس اگر دو بیویاں تھیں تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک کو طلاق دیتا ہوں یہ میرا مہاجر بھائی اس کے ساتھ نکاح کرلے، اور جتنی ہماری زمینیں ہیں، آدھی ہماری اور آدھی ان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہیں ان سے اچھا طریقہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ضرور بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمینیں تو تم اپنے پاس رکھو، لیکن اس کے غلّے اور آمدنی میں سے ان کو آدھا دے دیا کرو، کاشت کاری تم کرو، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کاشت کاری کیا ہوتی ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے! اب یہ حضراتِ انصار مدینہ کے رہنے والے کاشت کاری بھی خود کرتے تھے، زمینیں بھی ان کی تھیں مگر اس کا آدھا حصہ مہاجرین کو دے دیتے تھے، جب کچھ وقت گزر گیا اور بعض علاقے فتح ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ انصار کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ: زمینیں اللہ تعالیٰ نے فتح کردی ہیں، اب میرا خیال یہ ہے کہ جو زمینیں فتح ہوئی ہیں وہ مہاجرین کو دے دیں اور تمہاری زمینیں تمہیں واپس کردیں! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ جو ہم نے مہاجر بھائیوں کو زمینیں دی ہوئی ہیں، یہ زمینیں بھی ان کے پاس رہیں اور نئی زمینیں بھی آپ ان کو دے دیں۔ کیا کسی نے

ایسے لوگ دنیا میں دیکھے ہیں؟

فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کا اضطراب:

آخر میں تو اللہ تعالیٰ نے اتنی کشائش فرمادی کہ زمینیں فتح ہوگئیں بلکہ ملکوں کے ملک فتح ہوگئے، اس وقت چونکہ دستور یہ تھا کہ پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا اور چار حصے مجاہدین پر تقسیم کردیئے جاتے تھے، جب یہ عراق اور اس کی زمینیں فتح ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے پاس مہاجرین کو بلاؤ! جب مہاجرین آگئے تو حضرت عمرؓ مہاجرین سے کہنے لگے کہ: میں تم سے ایک اہم مسئلہ کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں، وہ مشورہ یہ ہے کہ اب زمینیں تو بہت فتح ہوگئیں، اور تقسیم کرکے اس کا چوتھا حصہ تمہیں دے دیا گیا، لیکن میں سوچتا ہوں کہ تم تو وہ زمینیں لے کر بیٹھ گئے مگر آئندہ قیامت تک آنے والی نسلیں وہ کیا کھائیں گی؟ تو یہ حضرات اس کا کوئی ٹھیک جواب نہیں دے سکے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انصار کو بلاؤ! ان کو بلایا وہ بھی کوئی صحیح جواب نہ دے سکے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استخارہ شروع کردیا، مسلسل ایک ماہ تک استخارہ کیا، بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ مدت ذکر کی گئی ہے، آپؓ برابر استخارہ کرتے رہے، ایک دن بہت ہی خوشی اور مسرت میں ان مہاجرین و انصار کو فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے مسئلے کا حل کردیا ہے، آئندہ یہ زمینیں تقسیم نہیں کی جائیں گی بلکہ یہ جو کاشت کار ہیں، یہ زمینیں ان کے پاس رہیں گی اور یہ مسلمانوں کی زمینیں ہوں گی، اور اس میں آنے والے سارے شریک ہوں گے۔ حضرت نے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام کے تمام صحابہؓ اس پر متفق ہوگئے۔

قرآن سے ایمان کی زیادتی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قَالَ: كَانَتِ السُّوْرَةُ اِذَا نَزَلَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْآيَةُ اَوْ اَكْثَرُ زَادَتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا وَّخُشُوْعًا وَنَهَتْهُمْ فَانْتَهَوْا."

(کنزالعمال ج:۱ ص:۲۳۲)

ترجمہ:...... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سورہ نازل ہوتی یا ایک آیت یا زیادہ تو مسلمانوں کے ایمان اور خشوع میں اضافہ ہوجاتا، جس آیت نے جس چیز سے روکا ہوتا اس سے وہ رُک جاتے اور جس چیز کا حکم فرمایا ہوتا اس پر وہ جم جاتے۔"

صحابہؓ کا قرآن پر عمل کرنا:

ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ قرآن مجید کے بہت بڑے قاری ہیں، لیکن تابعی ہیں، صحابہؓ کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا مَنْ كَانَ يُقْرِئُنَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقْتَرِءُوْنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ اٰيَاتٍ فَلَا يَأْخُذُوْنَ فِي الْعَشْرِ الْاُخْرٰى حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَا فِيْ هٰذِهٖ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالَ: فَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ!" (مسند احمد ج:۵ ص:۴۱۰)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو حضرات ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھا کرتے تھے، جب یہ دس آیتیں پک جاتیں، ان آیات پر ان کا علم اور عمل جب دل میں راسخ ہوجاتا، پھر عرض

کرتے کہ اب اگلا سبق بھی دیں، یعنی اس طرح انہوں نے قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کہ دس آیتیں حفظ بھی کرتے اور ان کے علم اور عمل کو بھی ازبر کرتے اور اس کی تعمیل بھی کرتے، چنانچہ وہ صحابی فرماتے ہیں جن سے یہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نقل کرتے ہیں کہ: ہم نے علم اور عمل دونوں اکٹھے سیکھے تھے، صرف علم نہیں سیکھا بلکہ عمل بھی سیکھا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کا مقام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ درخت سے مسواک کاٹنے لگے تو ان کی چادر ہوا سے اُڑگئی اور پنڈلیاں ننگی ہوگئیں، چونکہ ان کی پنڈلیاں بالکل پتلی تھیں، صحابہؓ دیکھ کر ہنسنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ کہنے لگے: عبداللہ بن مسعود کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنستے ہیں کہ اتنی پتلی پنڈلیاں ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن یہ میزان میں تو پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوں گی! "صاحب النعلین والوسادة" ان کا لقب تھا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا ان کے سپرد تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ:

"فَمَكَثْنَا حِيْنًا مَا نَرٰى اِلَّا اَنَّ عَبْدَاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰى مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ اُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

(مشکوٰۃ ص:۵۷۴)

یعنی ہم مدینے میں آئے، ایک مدت تک ہمیں یہی پتہ نہیں چلا کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ ہیں یا باہر کے آدمی ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِسْتَقْرَؤُا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ، وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ، وَمَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ." (مشکوٰۃ ص:۵۷۴)

یعنی قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھو! سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا، دوسرے نمبر پر سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے اور غلام بھی ایسے تھے جب پردے کا حکم نازل ہوا تو ابوحذیفہؓ کی اہلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! پردے کا حکم نازل ہوا اور سالم کو تو ہم نے بچوں کی طرح پالا ہے، اب اس سے پردہ کیسے کریں، وہ داڑھی والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی برتن میں اپنا دودھ نکال کر اس کو پلادو، تمہارے لئے محرم بن جائے گا، اور یہ صرف سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کی خصوصیت ہے کہ داڑھی والا ہونے کے باوجود ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ بہرکیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک کہ ان کے علم کو، عمل کو ہر طرح سے ان کے احکام کو معلوم نہیں کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، اس طرح پورا قرآن مجید پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال سنایا بھی کرتے تھے، قرآن مجید کے حافظ تھے، اور جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس رمضان کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ سنایا، اسی لئے فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ کوئی قرآن مجید مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے تو میں اس کی بھی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان دونوں بزرگوں سے یہ بات منقول ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی ایسا آدمی معلوم ہو جو مجھ سے زیادہ قرآن مجید جانتا ہے، تو میں اس کے پاس

جا کر قرآن مجید سیکھتا ہوں، اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں؟ سفر میں نازل ہوئی ہے یا حضر میں؟

ایک روایت میں ہے:

''عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: کُنَّا اِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ اٰیَاتٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشَرَ الَّتِیْ بَعْدَهَا حَتّٰی نَعْلَمَ مَا فِیْهِ، فَقِیْلَ لِشَرِیْکٍ: مِنَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: نَعَمْ!''

(کنز العمال ج:۱ ص:۲۳۲)

ترجمہ:...... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک ہم اس قرآن مجید کی دس آیات کے احکام کو نہیں سیکھ لیتے تھے، آگے نہیں پڑھتے تھے، شریک جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا: عمل مراد ہے؟ یعنی احکام پر عمل کرنا؟ کہنے لگے: جی ہاں! یہی مراد ہے۔''

حضرت حذیفہؓ کا مقام:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوستی تھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی باتیں بتائی تھیں اور منافقوں کے بارے میں بتایا تھا، جب کوئی جنازہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ: دیکھو حذیفہؓ ان میں یعنی جنازہ پڑھنے والوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شرکت کرتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہیں ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوتے تھے۔

جنازہ میں احتیاط:

ہماری مسجد فلاح کے امام صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے میرا بوجھ ہلکا کردیا ہے، پہلے مجھے بہت ہی دقت ہوتی تھی، جب کوئی جنازہ آتا تھا میں پریشان ہوتا تھا کہ کیا کروں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی داڑھی نہیں ہوتی تھی، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو حرام کھانے والے ہیں، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ غرضیکہ جب کوئی جنازہ آتا تھا تو مجھے پریشانی ہوتی تھی، اب اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ آگئے ہیں، یہ آگے ہوجاتے ہیں، ہم پیچھے، اللہ اکبر! جو نیت امام کی وہ نیت مقتدی کی، اللہ اکبر!

علم کتنا سیکھا جائے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

"یَا اَخَا بَنِیْ عَبَسٍ! اِنَّ الْعِلْمَ کَثِیْرٌ وَالْعُمُرَ قَلِیْلٌ! فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا تَحْتَاجُ اِلَیْهِ فِیْ اَمْرِ دِیْنِکَ، وَدَعْ مَا سِوَاهُ فَلَا تُعَانِهٖ." (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۱۸۹)

ترجمہ:......"میاں! عمر بہت تھوڑی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اگر تم سارے قصے کہانیاں پڑھنے لگو گے تو عمر ختم ہوجائے گی، بس ضرورت کی باتیں معلوم کرو اور اپنے عمل میں لگو!"

علم کی وسعت:

ایک اور روایت میں ہے:

"عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیْ قَالَ: صَحِبَ سَلْمَانَ رَجُلٌ

مِنْ بَنِیْ عَبَسٍ قَالَ: فَشَرِبَ مِنْ دَجْلَةَ شَرْبَةً فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ: عُدْ فَاشْرَبْ! قَالَ: قَدْ رَوِیْتُ! قَالَ: أَتَرٰی شَرْبَتَکَ هٰذِہٖ نَقَصَتْ مِنْهَا؟ قَالَ: وَمَا یَنْقُصُ مِنْهَا شَرْبَةً شَرِبْتُهَا! قَالَ: کَذٰلِکَ الْعِلْمُ لَا یَنْقُصُ فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا یَنْفَعُکَ!'' (حلیۃ الاولیاؔ ج:۱ ص:۱۸۸)

ترجمہ:......''ابوا البختریؒ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی بنی عبس میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ساتھی ہوا، چلتے چلتے راستے میں دریائے دجلہ آتا تھا، انہوں نے اس طرح چلّو لے کر پانی پی لیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اور پی لو! وہ ساتھی کہنے لگے: حضرت اتنا ہی پینا تھا مجھے جتنا پینا تھا پی لیا! فرمایا کہ: تمہارے اس چلو پینے سے دریائے دجلہ میں کوئی کمی بھی واقع ہوئی ہے؟ (ظاہر بات ہے کہ کیا کمی واقع ہوگی، دریا بھرا ہوا چل رہا ہے، ایک آدمی ایک بالٹی بھی پی لے تو کیا کمی واقع ہوجائے گی؟ انہوں نے تو ایک چلّو پیا تھا، تو ارشاد فرمایا: یہی مثال ہے آدمی کی عمر کی اور یہاں کے علم کی، علم تو بہت ہیں، بے شمار ہیں، اور علوم کے دریا چل رہے ہیں، علم کم نہیں ہوتا، لیکن آدمی کس کس علم کو سیکھے؟) آدمی کو اتنا علم سیکھنا چاہئے جو اس کو آخرت میں کام دے سکے۔''

حضرت ابن عمرؓ کی سائل کو چار نصیحتیں:

محمد بن ابی قیلۃ ذکر کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور تمام علمأ کا اتفاق ہے کہ

صحابہ کرامؓ کی جماعت میں ان سے بڑھ کر کوئی متبع سنت نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا، ان کو معلوم تھا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ضرورت کے لئے اُترے تھے، بعد میں جب سفر میں اس راستہ سے گزرتے، چاہے ان کو ضرورت ہوتی یا نہ ہوتی، وہاں اُترتے اور اس طرح بیٹھتے گویا پیشاب کر رہے ہیں اور اُٹھ کر آجاتے، یعنی ان کو وہ جگہ بھی معلوم ہوتی تھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لئے بیٹھے تھے، کسی نے کسی مسئلہ میں خط لکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اِنَّکَ کَتَبْتَ تَسْأَلُنِیْ عَنِ الْعِلْمِ، فَالْعِلْمُ اَکْبَرُ مِنْ اَنْ اَکْتُبَ بِهٖ اِلَیْکَ، وَلٰکِنْ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلْقَى اللّٰهَ کَافَّ اللِّسَانِ عَنْ اَعْرَاضِ الْمُسْلِمِیْنَ، خَفِیْفَ الظَّهْرِ مِنْ دِمَائِهِمْ، خَمِیْصَ الْبَطْنِ مِنْ اَمْوَالِهِمْ، لَازِمًا لِجَمَاعَتِهِمْ فَافْعَلْ!" (کنز العمال ج:۵ ص:۲۳۰)

تو نے مجھے علم کے بارہ میں خط لکھا ہے، مگر علم اتنی بڑی چیز ہے کہ میں اس کی تشریح نہیں کرسکتا، لیکن چار باتوں کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں:

۱:...... پہلی بات یہ کہ اگر تجھ سے ہوسکے تو یہ کر کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ مسلمانوں کی عزت اور آبرو سے تیری زبان محفوظ ہو، اور کسی مسلمان کا تمہارے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے فلاں جگہ میری غیبت کی، اس نے برائی کے ساتھ میرا تذکرہ کیا۔

۲:...... دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کے جو خون ہو رہے ہیں، قیامت کے دن تیرے ذمہ ان میں سے کوئی چیز نہ ہو، تیری پشت مسلمانوں کے خون سے ہلکی پھلکی ہو۔

قرآن مجید میں ہے کہ جس نے ایک جان کو قتل کردیا: "فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِیْعًا۔" (المائدہ:۳۲) گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کردیا، نعوذ باللہ! قیامت کے دن کسی آدمی کے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔

۳:......تیسری بات یہ کہ مسلمانوں کے مالوں سے تیرا پیٹ بھوکا ہو، یعنی کسی مسلمان کا مال تیرے پیٹ میں نہ جائے، یعنی ناجائز طور پر تیرے پیٹ میں نہ جائے۔

۴:......چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ لازم رہو، یعنی ان کے ساتھ مل کر رہو۔ بس یہ چار نصیحتیں یاد رکھو!

بڑے چھوٹے ہونے کا معیار!

اب ہم نے دیکھا ہے کہ بعض جگہ بعض مسلمان بیچارے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے، مسلمانوں سے الگ تھلگ ہی رہتے ہیں، اور بعضے تو بیچارے ایسے ہیں کہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کھڑا ہونا، غریبوں کے ساتھ کھڑا ہونا معیوب معلوم ہوتا ہے، وہ اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہمارے جیسے غریب آدمیوں کے پاس بیٹھنا اور برابر کھڑا ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، میرے بھائیو! یہاں ہم کچھ بڑے ہوگئے ہیں، کچھ چھوٹے ہوگئے ہیں، لیکن مرنے کے بعد سب برابر ہوجائیں گے، اور وہاں آخرت کے پیمانے سے بڑا اور چھوٹا ہونا ناپا جائے گا کہ کون بڑا ہے؟ کون چھوٹا ہے؟ ہم نے آخرت کو بھلادیا، بڑا چھوٹا ہونا وہاں کا ہمیں معلوم ہی نہیں رہا، یہاں اگر کسی کے پاس دنیا زیادہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بڑا آدمی ہے! ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

"..... یُحْشَرُ الْمُتَکَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ صُوَرِ الرِّجَالِ یَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ ....." (مشکوٰۃ ص:۴۳۳)

بہت سارے لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں، لیکن قیامت کے دن یہ جو

چیونٹیاں ہوتی ہیں ناں! یعنی گندگی کے کیڑے ان جیسی ان کی حالت ہوگی، اور لوگ ان کو روندتے ہوئے چلیں گے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حضراتِ صحابہؓ
کا
تعلیم کے لئے سفر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَخْلَفَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ حِيْنَ خَرَجَ اِلٰى حُنَيْنٍ وَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعَلِّمَ النَّاسَ الْقُرْاٰنَ وَاَنْ يُّفَقِّهَهُمْ فِى الدِّيْنِ، ثُمَّ صَدَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِدًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَلَّفَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ."

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۷۰)

ترجمہ:...... "حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب جنگِ حنین کے لئے نکلے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ پر امیر بنادیا، اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین کے معاملے میں ان کو فقیہ بنائیں۔ (جنگِ حنین اور جنگِ طائف سے فارغ ہوکر) آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم جب واپس تشریف لائے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصہ کے لئے وہیں مکہ میں چھوڑ دیا تھا (اور وہ اپنے کام میں مشغول رہے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دوسرے آدمی کو مقرر کردیا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ اپنے پاس بلالیا)۔"

حضرت معاذؓ کی تعلیمی خدمات:

مکہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانا شہر ہے، اور یہاں کے لوگ ابھی نومسلم تھے، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو واقعتاً اس کا اہل ہو، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کردیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے وہاں رہنے سے دین اور دین کی باتوں کا خوب چرچا ہوا، اور اہل مکہ تھوڑی مدت میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کے قابل ہوگئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنے ہاں بلالیا اور دوسرے آدمی کو مکہ کا امیر مقرر کردیا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا علمی مقام:

اور یہی معمول حضرت عمرؓ کا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

"عَنِ الْقَاسِمِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فِيْ كُلِّ سَفَرٍ، وَكَانَ يُفَرِّقُ النَّاسَ فِي الْبُلْدَانِ وَيُوَجِّهُهُ فِي الْأُمُوْرِ الْمُهِمَّةِ وَيَطْلُبُ إِلَيْهِ الرِّجَالَ الْمُسَمُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُ: زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ! فَيَقُوْلُ: لَمْ يَسْقُطْ عَلٰى مَكَانِ زَيْدٍ وَلٰكِنَّ أَهْلَ الْبَلَدِ يَحْتَاجُوْنَ إِلٰى زَيْدٍ فِيْمَا

يَجِدُوْنَ عِنْدَهٗ فِيْمَا يُحَدِّثُ لَهُمْ مَا لَا يَجِدُوْنَ عِنْدَ غَيْرِهٖ."

(طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۱۷۴ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۱۹۷)

یعنی حضرت قاسمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کبھی مدینہ طیبہ چھوڑ کر باہر تشریف لے جاتے تھے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر مقرر کر جاتے تھے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے نائب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ کے امیر، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس وقت جتنی بھی اسلامی سلطنت تھی اس کے امیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف شہروں میں متعین کر دیا تھا، کسی صحابی کو کسی جگہ بھیج دیا، کسی کو کسی جگہ بھیج دیا، تمام صحابہ کو مدینے میں نہیں رہنے دیا تاکہ مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو دینی فائدہ ہو، رہا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اگر کوئی اہم کام ہوتا تو ان کو مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں بھیجتے ورنہ نہیں بھیجتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی جگہ کوئی آدمی بھیجنا ہوتا تو لوگوں سے مشورہ کرتے کہ ہاں بھائی! نام دو فلاں جگہ یا فلاں علاقہ میں کسی صحابی کو بھیجنا ہے، کس کو بھیجیں؟ صحابہ مختلف لوگوں کا نام لیتے اور ان ناموں میں ایک نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی آتا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میں زید بن ثابتؓ کے نام سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں ان کو مدینے سے باہر بھیجنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر وہ مدینے سے باہر چلے جائیں تو پھر مدینے میں فتویٰ دینے والا کون ہوگا؟ مدینے کا سب سے بڑا عالم تو زید بن ثابتؓ ہے، مدینے میں لوگ اپنے مسائل اور ضرورتیں لے کر آتے ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں، اگر یہ بھی مدینہ سے باہر چلے جائیں تو ان لوگوں کو مسائل بتانے والا اور فتویٰ دینے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

زید بن ثابتؓ ابن عمرؓ کی نظر میں:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَوْمَ مَاتَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ: مَاتَ عَالِمُ النَّاسِ الْيَوْمَ! فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَرْحَمُهُ اللّٰهُ الْيَوْمَ فَقَدْ كَانَ عَالِمُ النَّاسِ فِي خِلَافَةِ عُمَرَ وَحِبْرُهَا، فَرَّقَهُمْ عُمَرُ فِي الْبُلْدَانِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يُفْتُوْا بِرَأْيِهِمْ وَجَلَسَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ بِالْمَدِيْنَةِ يُفْتِيْ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الطَّرَاءِ يَعْنِيْ الْقُدَامَ."

(بحوالہ حیاۃ الصحابہ، طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۱۷۶)

حضرت سالم رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا، حاضرین میں سے کسی نے یہ بات کہہ دی کہ حضرت زید بن ثابت تو لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے، اب فتویٰ کون دے گا؟ حضرت ابن عمرؓ فرمانے لگے کہ: وہ فتویٰ اب سے نہیں دیتے تھے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے فتویٰ دیتے آئے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کو باہر ممالک میں بھیجتے تھے لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کو مدینہ طیبہ میں رکھتے تھے، کیونکہ مدینے والوں کو ان کی ضرورت تھی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، اب مدینے میں فتویٰ کون آدمی دے گا؟

زید بن ثابتؓ، عثمان غنیؓ کی نظر میں:

ایک دوسری روایت میں ہے:

"عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِی: اَنَّهُ قَرَأَ عَلٰی عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَقَالَ لِیْ: اِنَّکَ اِذَنْ تَشْغُلُنِیْ عَنِ النَّظَرِ فِیْ اُمُوْرِ النَّاسِ، اَمْضِ اِلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَاِنَّهُ اَفْرَغُ لِهٰذَا الْاَمْرِ فَاقْرَأْ عَلَیْهِ فَاِنَّ قِرَاءَتِیْ وَقِرَاءَتَهُ وَاحِدَةٌ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ فِیْهَا خِلَافٌ."

(کنزالعمال ج:۱۳ حدیث:۳۷۰۵۳)

حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ جو تابعی ہیں اور فن قرأت کے امام ہیں، انہوں نے اکابر صحابہؓ سے علم قرأت حاصل کیا تھا اور آگے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے سلسلہ چلایا، ان سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور قرأت سیکھتے تھے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! خلافت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے، اب میں تمہارے ساتھ مشغول ہوں گا اور تمہیں قرأت سکھاؤں گا تو لوگوں کے کام سے تو پھر فارغ ہو جاؤں گا، امت کے کتنے کام میرے ذمہ ہیں، اس لئے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اب تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرو اور جو کچھ سیکھنا ہے ان سے سیکھا کرو، اس لئے کہ میری قرأت کے درمیان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت کے درمیان کوئی فرق نہیں، دونوں کی قرأت ایک ہی ہے۔

چنانچہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے قرأت سیکھتے رہے۔

اور سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں، لوگوں کی شب و روز کی ضروریات ان سے متعلق ہیں، اور اس حالت میں وہ دوسروں کو قرآن کریم پڑھاتے بھی ہیں، صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ پڑھتے بھی ہیں۔

ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا:

طحاوی شریف میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنی نماز پڑھ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک صاحب آئے، آ کر نماز کی نیت باندھ لی اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کردی، اول سے آخر تک پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا (طحاوی ص: ۲۴۰)، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے ہوکر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ چند حضرات تھے جنہوں نے پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام بھی بنایا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اس کے علاوہ اور بھی دو چار آدمیوں کا نام آتا ہے، جنہوں نے ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھا ہے۔ اور دوسری رکعت میں کوئی مختصر سی سورۃ پڑھ کر دوگانہ پورا کردیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی نماز کے بعد دعا:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارہ میں آتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرتے تھے:

"یَا اللہُ! مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ، وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ!"

ترجمہ:...... "یا اللہ! جیسا آپ کو پہچاننے کا حق ہے ایسا ہم پہچان نہیں سکے، اور جیسا آپ کی عبادت کرنے کا حق ہے ویسی ہم عبادت نہیں کر سکے!"

چالیس سال عشاءؔ کے وضو سے صبح کی نماز:

چالیس سال حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عشاءؔ کے وضو کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی ہے۔ غیرمقلدوں بیچاروں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشاءؔ کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز کیسے پڑھ لی؟

ایک رات میں دو ہزار رکعت نماز:

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک ہزار رکعت ایک رات میں کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے، دو ہزار رکعتیں ایک رات میں پڑھتے تھے۔

ایک رات میں سات آسمانوں کی سیر ممکن ہے؟

ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے! میں نے کہا کہ: جی ہاں! ممکن نہیں ہے، واقعی ممکن نہیں، ایک آدمی جاتا ہے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرتا ہے، اور وہاں سے آسمانوں پر جاتا ہے، پہلے آسمان پر، دوسرے آسمان پر، تیسرے آسمان پر، چوتھے آسمان پر، پانچویں، چھٹے، ساتویں آسمان پر، اور اس کے بعد لامکان پر پہنچ جاتا ہے، اور اوپر سے آواز آتی ہے: "قِفْ يَا مُحَمَّدُ! فَإِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ!" (اے محمدؐ! ٹھہر جاؤ، تمہارا رب نماز پڑھ رہا ہے!)۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر عنایت اور شفقت فرما رہا ہے، وہاں سے آئے تو جنت اور دوزخ کی سیر کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

> "يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِيْ بِأَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ.
> قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجٰى عِنْدِيْ إِنِّيْ لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا

فِیْ سَاعَةِ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِکَ الطُّھُوْرُ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیْ۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۵۴)

بلال کیا بات ہے؟ جب میں معراج میں گیا ہوں تو تمہارے جوتے کی آہٹ میرے آگے آگے آرہی تھی؟ کیا عمل کیا کرتے ہو؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ عمل کرتا ہوں کہ جب بھی میرا وضو ٹوٹتا ہے میں دوبارہ وضو کرتا ہوں اور دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کی سیر کی، بزرخ کے بہت سے عجائبات کا مشاہدہ فرمایا اور واپس آئے تو ابھی تک کنڈہ ہل رہا تھا، یعنی جس دروازے کو کھول کر گئے تھے واپس آئے تو کنڈہ ہل رہا تھا۔

واقعہ معراج پر اِشکال کا جواب، ایک حکایت:

میرے والد ماجد، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، انہوں نے یہ واقعہ سنایا تھا، ظاہر ہے انہوں نے یہ واقعہ کسی بزرگ سے سنا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ سنا تو اس کو اشکال ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس آدمی کو واقعہ معراج پر اشکال تھا وہ ایک نہر پر غسل کرنے کے لئے اترا، تنہائی تھی، کپڑے اتار کر نہر کے کنارے پر رکھ دیئے، جب غسل سے فارغ ہوکر واپس آیا تو باہر دیکھا کہ جہان ہی کوئی اور ہے، کپڑے غائب ہیں اور یہ مرد سے عورت بنا ہوا ہے، وہاں ایک مرد نظر آیا اس سے کپڑے مانگے اور اس سے نکاح کرلیا، اور اس مرد سے عورت بننے والے نے بچے جنے، معلوم نہیں یہ معاملہ اس کے ساتھ کتنے سال رہا، ایک دن گھڑا لئے نہر پر گئے، (وہ اس وقت تو گئی تھی) اور باہر نکل کر جو دیکھا تو وہیں اسی جگہ ان کے کپڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ دوبارہ مرد بنے ہوئے ہیں، اب جو اپنے گھر گئے تو وہی پرانا گھر تب اپنی زبان سے کہنے لگا کہ معراج کا واقعہ ہوسکتا ہے،

گویا جب اپنا معاملہ دیکھا تو مان گیا کہ یہ بات ہوسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مدت لگائی، آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان، دوسرے سے تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے، ساتویں اس کے بعد عرشِ معلیٰ اور عرشِ معلیٰ سے لامکان تک گئے، کتنا عرصہ لگایا؟ قرآن کریم میں ہے کہ: "لَیْلًا" رات کا ایک قلیل حصہ لگا، جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام رُک گئے:

بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

ترجمہ:......"کعبہ کے سردار نے اس سے کہا کہ اے
وحی کے حامل آگے بڑھو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہ پیچھے ہٹ گئے، کہنے لگے: حضرت! آگے آپ جایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ:

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم زصحبت چرا یافتی

جب تو نے میری رفاقت کو سچ سمجھا ہے اور تم شروع سے میرے ساتھ آرہے ہو، اب یہاں سے منہ بدل لیا، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا: آگے میرا کام نہیں ہے! آپ کا کام ہے، اگر ایک بال کے برابر بھی اوپر جاتا ہوں:

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

تو تجلیاتِ الٰہی میرے پروں کو جلادیں گی۔ ارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین سے اوپر تک چلے گئے، اور یہاں لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ وہ بزرگ ایک ہزار رکعت کھڑے ہوکر اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر کیسے پڑھ سکتے ہیں؟

وقت میں برکت کی کرامت:

میں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ بزرگوں کی کرامت تو مشہور ہے، اور تمام علماٗ اس پر متفق ہیں، ایک کرامت تو یہ ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ آدمیوں کو کافی ہوجائے، اور ایک یہ ہوتی ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجائے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وقت کو ربڑ کی طرح کھینچ لیتے ہیں، ہمارے لئے وہ اتنا ہی وقت ہوتا ہے جو سوکر گزار دیتے ہیں، اور ان حضرات کے لئے وہی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ پر اعتماد:

بہر حال عرض کر رہا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کہ انہوں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے فرمایا کہ: بھائی! مجھے اور بھی کام ہیں، بس آپ کو جتنا پڑھانا تھا پڑھا دیا، اب تم زید بن ثابتؓ کے پاس جایا کرو، کیونکہ میں تمہیں پڑھانے کے لئے مشغول رہوں گا تو امت کے کام کون کرے گا؟

حضرت عثمانؓ اور تدریس قرآن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حافظِ قرآن تھے، مدونِ قرآن تھے، اور لطف یہ ہے کہ جب تک خلافت کی ذمہ داری آپؓ پر نہیں آئی، اس وقت تک لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

حضرت معاذؓ کا شوقِ جہاد اور حضرت عمرؓ کا فتویٰ کے لئے ان کو روکنا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجاہدین کی جماعتیں جب ملک شام اور عراق جانے لگیں تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضرت! مجھے بھی اجازت دیجئے میں بھی جہاد کے لئے جانا چاہتا ہوں! حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوق سے جایئے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ رجال شناس تھے، وہ آدمیوں کو جانتے بھی تھے، اور "لَا یَخَافُوْنَ فِی اللہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ" بھی تھے، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے ملک شام جانے کی اجازت مانگی تو میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان کو نہ جانے دیجئے! یہاں فتوے کون دیا کرے گا؟ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حدیث سنائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وَاَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ!" (مشکوٰۃ ص:۵۶۶) (حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں)۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان کو نہ جانے دیجئے! مدینہ خالی ہوجائے گا اور لوگ مسائل پوچھیں گے، اگر آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیج دیا تو ان کو مسائل بتانے والا کون ہوگا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانا چاہتا ہے اور شہید ہونا چاہتا ہے، میں اس کو کیسے روک سکتا ہوں؟

حضرت معاذؓ کا شوق لقائے الٰہی:

ادھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک دن کہنے لگے: یا اللہ! یہ سارے لوگ آپ کے پاس جارہے ہیں، معاذ کا وقت ابھی نہیں آیا، اللہ اکبر! اسی وقت حضرت معاذ بن جبلؓ کے گلٹی نکل آئی اور تین دن کے اندر رخصت ہوگئے۔

نور کے پتلے انسانی شکلوں میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عجیب شان تھی! بقول ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کہ اللہ تعالیٰ نے نور کے پتلوں کو انسانوں کی شکل میں زمین پر اُتار دیا

تھا، ان کو ''صحابہ کرام'' کہتے ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین!

ایک روایت میں ہے:

''عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ نَاسًا مِنْ عَضَلَ وَالْقَارَۃَ وَھُمَا حَیَّانَ مِنْ جُدَیْلَۃَ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ اُحُدٍ فَقَالُوْا: اِنَّا بِاَرْضِنَا اِسْلَامًا فَابْعَثْ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِکَ یُقْرِءُوْنَنَا الْقُرْاٰنَ وَیُفَقِّھُوْنَنَا فِی الْاِسْلَامِ! فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَھُمْ سِتَّۃَ نَفَرٍ مِنْھُمْ مَرْثَدُ بْنُ مَرْثَدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَلِیْفُ حَمْزَۃَ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَھُوَ اَمِیْرُھُمْ.''

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۲۲)

ترجمہ:...... ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ: ہمارے علاقے میں دین کا بہت چرچہ ہوگیا ہے، ہمارے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج دیجئے تاکہ لوگوں کو دین سکھائیں اور تفقہ فی الدین ان کو نصیب ہوجائے، (یہ بات کہنا ان کی منافقت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دے کر کچھ آدمیوں کو لے جانا اور شہید کرنا چاہتے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ چھ حضرات کو بھیج دیا، جن میں حضرت مرثد بن ابی مرثد کو (جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے حلیف تھے، یعنی ان کے رفیق تھے) امیر بنا کر بھیجا۔''

جب یہ حضرات مقام رجیع میں پہنچے تو وہاں ان صحابہ کو انہوں نے شہید کردیا، ایک آدمی بھی نہیں بچا، ایک صحابی نے کہا کہ: یا اللہ! اپنے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کو اور اہل ایمان کو آپ اطلاع کردیجئے کہ ہمارے ساتھ یہ گزری ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبریلؑ اس کی اطلاع کردی گئی۔

دین کے لئے جب بھی دعوت دی گئی صحابہؓ نے لبیک کہا:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لئے دعوت دی انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

مجھے حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ہم لوگ نماز کے لئے جاتے ہیں تو بیوی سے کہتے ہیں کہ کھانا تیار رکھنا، میں واپس آکر کھاؤں گا! اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی بیویوں کو یہ کہہ کر آیا کرتے تھے کہ میں مسجد میں جارہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جارہا ہوں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے نہ بھیجا تو واپس آجاؤں گا، ورنہ میرا انتظار نہ کرنا، یہ صحابہ کرامؓ کا معمول تھا، یعنی ان کو دوبارہ گھر والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی، وہ گھر سے رخصت ہوکر جایا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کو تعلیم کے لئے یمن بھیجنا:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِنَ الْيَمَنِ، فَقَالُوْا: اِبْعَثْ فِيْنَا مَنْ يُفَقِّهُنَا فِي الدِّيْنِ، وَيُعَلِّمُنَا السُّنَنَ، وَيَحْكُمُ فِيْنَا بِكِتَابِ اللهِ! فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنْطَلِقْ يَا عَلِيُّ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ! فَفَقِّهْهُمْ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُمُ السُّنَنَ وَاحْكُمْ فِيْهِمْ بِكِتَابِ اللهِ. فَقُلْتُ: اِنَّ اَهْلَ الْيَمَنِ قَوْمٌ طُغَامٌ يَأْتُوْنِيْ مِنَ الْقَضَاءِ بِمَا لَا عِلْمَ لِيْ بِهٖ! فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَلٰی صَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ: اِذْهَبْ! فَاِنَّ اللّٰهَ سَیَهْدِیْ قَلْبَکَ وَیُثَبِّتُ لِسَانَکَ. فَمَا شَکَکْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ حَتَّی السَّاعَةُ." (کنز العمال ج:۱۳ حدیث:۳۶۳۶۹)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: یمن کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں فقہ فی الدین کا فہم عطا کرے اور ہمیں سنت کی تعلیم دے اور اللہ کی کتاب کے مطابق ہمارے جھگڑوں کا فیصلہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اور تو کوئی اس وقت تھا نہیں، مجھے فرمایا کہ: تم ان کے ساتھ چلے جاؤ، ان کو دین سکھاؤ اور سنت کی تعلیم دو اور ان میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرو! کہاں یمن اور کہاں مدینہ؟ معمولی بات نہیں! میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ کے ارشاد پر جہاں بھی آپ بھیج دیں میں حاضر ہوں، لیکن دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو کچھ دین کا فہم نہیں، بالکل اُجڈ ہیں، ان بیچاروں کو میں کیا کروں گا اور کیسے سمجھاؤں گا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا، یہ لوگ جھگڑے لائیں گے، اپنے مقدمے لایا کریں گے، لڑائی جھگڑا کریں گے، اور مجھے اتنی عقل نہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ کیسے کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: جا! اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت کریں گے اور تیری زبان کو ثابت قدم رکھیں گے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے ایک علاقے میں چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت سے لے کر مرتے وقت تک جب بھی کوئی مقدمہ میرے سامنے آیا مجھے کبھی شک نہیں ہوا، فوراً دل میں اللہ تعالیٰ ڈالتے تھے کہ اس کا فیصلہ یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں گئے تو حضرت علی رضی اللہ

عنہ یمن میں تھے، وہاں سے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لائے تھے، ستر جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور تیس اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لائے تھے، یعنی کل ایک سو ہوگئے تھے۔ دنیا میں ایسا سیٹھ کون ہے جو ایک سو اونٹ کی قربانی کرے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تیس اونٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ: تم نے احرام کیا باندھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: میں نے احرام یہ باندھا ہے کہ جو احرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی احرام میرا ہے! فرمایا: ٹھیک ہے! جاکر بیت اللہ شریف کا طواف کرو، یعنی عمرہ کرو اور پھر احرام کی حالت میں رہو، دس تاریخ کو احرام کھولیں گے۔ یہ ایک سو اونٹ تھے، ان میں سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آگے بڑھ کر کہنا چاہتا تھا کہ یا رسول اللہ! پہلے مجھے ذبح کردیجئے! یعنی وہ اونٹ چھری پھرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اونٹ کو لٹا کر ذبح نہیں کیا جاتا، اونٹ کو کھڑے کھڑے گردن میں بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر برچھی اس کے حلق میں مارتے ہیں، جس سے خون کا فوارہ جاری ہوجاتا ہے اور اونٹ گرجاتا ہے، یہی طریقہ ہے اونٹ کے ذبح کرنے کا، تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک سبقت کرتا تھا کہ: ”بأیھن یبتدأ؟“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کس کے ساتھ ابتدا کریں، تریسٹھ اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر فرمالئے اور آپؐ کی عمر مبارک بھی تریسٹھ سال ہی تھی، باقی جو اونٹ بچ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ تم لوگ ذبح کرلینا۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا تھا اور انہوں نے دین کا فہم عطا فرمایا اور لوگوں کے فیصلے بھی کئے، وہاں کے جھگڑے بھی نمٹائے، دین کی تعلیم دی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن بھی مجھے کسی مقدمہ میں کبھی شک نہیں ہوا کہ

اس کا فیصلہ کیا کیا جائے؟

حضرت ابوعبیدہؓ کا تعلیم کے لئے مبعوث فرمانا:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ اَنَّ اَهْلَ الْیَمَنِ قَدِمُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: اِبْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا یُعَلِّمُنَا الْقُرْاٰنَ! فَاَخَذَ بِیَدِ اَبِیْ عُبَیْدَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ فَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ، وَقَالَ: هٰذَا اَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ!"

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۶۷)

یعنی یمن کے ایک اور علاقے سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ: ہمارے ساتھ بھی کچھ آدمی بھیج دیجئے! جو ہمیں تعلیم دیں، ہماری تربیت کریں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کو فرمایا کہ: ان کے ساتھ چلے جاؤ!

اس امت کے امین:

اور یہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہی آدمی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: "لِکُلِّ اُمَّةٍ اَمِیْنٌ، وَاَمِیْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ!" (ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے!)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کو مختلف خطابات دیئے، اور اللہ تعالیٰ ان صحابہ سے راضی ہوجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صحابی کو جو خطاب دیا وہ بالکل حق تھا، اور واقعہ کے مطابق تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے: "امین ھذہ الامۃ!" اس امت کا امین۔ اور یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس صحابہ میں سے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی

میں ان کو جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ تو ان یمنی حضرات نے کہا کہ: ہمارے ساتھ ایک آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن مجید سکھائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔

تعلیم کے لئے حضرت عمرو بن حزمؓ کی بعثت:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: هٰذَا کِتَابُ رَسُوْلِ اللهِ عِنْدَنَا الَّذِیْ کَتَبَهٗ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ حِیْنَ بَعَثَهٗ اِلَی الْیَمَنِ یُفَقِّهُ اَهْلَهَا وَیُعَلِّمُهُمُ السُّنَّةَ وَیَأْخُذُ صَدَقَاتِهِمْ فَکَتَبَ لَهٗ کِتَابًا وَعَهْدًا وَاَمَرَهٗ، فَکَتَبَ:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، هٰذَا کِتَابٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.

عَهْدٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حِیْنَ بَعَثَهٗ اِلَی الْیَمَنِ اَمَرَهٗ بِتَقْوَی اللهِ فِیْ اَمْرِهٖ کُلِّهٖ فَاِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ.“

(تفسیر بن کثیر ج:۲ ص:۴)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے میں وہاں کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور ان کے ساتھ ایک گرامی نامہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو فقہ بھی سکھائیں، علم بھی سکھائیں اور ان سے صدقات بھی وصول کریں۔ اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط تحریر کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ اور اس کے شروع میں لکھا تھا: اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اور کوئی آیت نازل نہ ہوتی، صرف اتنا ہی ٹکڑا: ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ!'' نازل ہوجاتا تو کافی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو معاہدہ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی مسلمان سے کیا کرو تو اس کو پورا کیا کرو۔

اس کے بعد فرمایا: یہ عہد ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عمرو بن حزم کے لئے جبکہ ان کو بھیجا یمن کی طرف ان کو حکم فرمایا تقویٰ کا اللہ تعالیٰ کے معاملے میں اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو متقی ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو نیکوکار ہیں، اس کے بعد لمبا خط تھا، جس میں صدقات کے اور بھی مسائل تھے، اور اس کی تمہید یہی تھی۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک!

علم، عمل

کی مقبولیت کی علامت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: اِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ قَدْ اَحْسَنُوا الْقَوْلَ، فَمَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ فِعْلَہٗ فَذَالِکَ الَّذِیْ حَظَّہٗ، وَمَنْ خَالَفَ قَوْلُہٗ فِعْلَہٗ فَاِنَّمَا یُوَبِّخُ نَفْسَہٗ.“

(کنزالعمال ج:۱۰ حدیث:۲۹۵۴۰)

”عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: مَا اسْتَغْنٰی اَحَدٌ بِاللہِ اِلَّا احْتَاجَ اِلَیْہِ النَّاسُ، وَمَا عَلِمَ اَحَدٌ بِمَا عَلَّمَہُ اللہُ اِلَّا احْتَاجَ النَّاسُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ.“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۴۹)

ترجمہ:...... ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک سب لوگ باتیں تو اچھی کرتے ہیں، پس جس کا قول اس کے فعل کے موافق ہو، یہ وہ ہے جس کو اس کا حصہ مل گیا، اور جس کا عمل اس کے قول کے خلاف ہو تو گویا وہ اپنے آپ کو ڈانٹتا ہے۔“

ترجمہ:......''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص (مخلوق کو چھوڑ کر) صرف اللہ کا محتاج بنا، سب لوگ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اور جس شخص نے وہ علم سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا تو سارے لوگ اس کے اس علم کے محتاج ہوں گے جو اس کے پاس ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: لوگ باتیں تو سب اچھی کرتے ہیں، باتیں کرنے کے بعد مرحلہ آتا ہے عمل کا، جس کا فعل اس کے قول کے موافق ہو، یعنی جس طرح باتیں اچھی کرتا ہے، اگر کام بھی اچھا کرتا ہو تو اس کو اپنا حصہ مل گیا، اور جس شخص کا قول اس کے فعل کے موافق نہ ہو، بلکہ خلاف ہو، یعنی باتیں تو بہت اچھی کرتا ہے لیکن کام اس کے خلاف کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا قول و فعل ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو یوں کہو کہ گویا وہ شخص اچھی باتیں کر کے اپنے آپ کو ڈانٹتا ہے، یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اور قیامت کے دن اس سے محاسبہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں سے مستغنی ہو جائے (ایک اللہ مل گیا تو اس کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں رہی) تو اس کے نتیجے میں سارے لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور جو شخص کہ اس علم پر عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمادیا ہے تو تمام لوگ اس کے علم کے محتاج ہو جائیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے ان ارشادات میں بڑے پتے کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں، کیونکہ آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''لَا یَزَالُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَھُوَ

فِیْ صَلَاتِہٖ مَا لَمْ یَلْتَفِتْ .....الخ." (مشکوٰۃ ص:۹۱)

یعنی نماز میں آدمی اِدھر اُدھر نہ دیکھے، اس لئے کہ اس کی طرف اس کا رب متوجہ ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتے ہیں)۔

اگر آدمی نماز کی نیت باندھے اور اس کا دھیان لالوکھیت چلا جائے، تو اس نے نماز کی نیت تو یہاں باندھی ہوئی ہے مگر وہ پھر رہا ہے بازار میں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جاتا ہے کہ بندے میں تیری طرف متوجہ ہوں تو کہاں پھر رہا ہے؟ تو تو یہاں میرے ساتھ باتیں کرنے کے لئے آیا تھا، مگر مجھے چھوڑ کر لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا، اگر بندہ واپس آجائے یعنی اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے لگے تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حوالے کردیتے ہیں۔

کشف نہ ہونا بھی نعمت:

جیسے ایک صاحبِ کشف بزرگ تھے، ان کو کشف ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور ہم پر رحم فرمائے، کسی کو کشف بھی نہیں ہونا چاہئے، یہاں آپ کی حالت مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے اندر کیا ہے، اور میری خبر آپ کو نہیں کہ میرے اندر کیا ہے؟ یوں اللہ تعالیٰ نے سب کا پردہ رکھا ہوا ہے، ہمیں ایک دوسرے کی خبر نہیں۔

قیامت کے دن بھیدوں کا کھلنا:

لیکن قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب بھید کھل جائیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

"یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ. فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ."

(الطارق:۸،۹)

ترجمہ:......"جس دن کہ دلوں کے بھید کھول دیئے

جائیں گے۔ تو بندے کو کوئی طاقت بھی نہیں ہوگی اور اس کا کوئی
مددگار بھی نہیں ہوگا۔"

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پردہ رکھا ہوا ہے، میرا حال آپ کو معلوم نہیں، آپ کا حال مجھے معلوم نہیں، لیکن قیامت کے دن پردے کھول دیئے جائیں گے، بندہ چھپانے لگے گا مگر چھپ نہیں سکے گا، یہ ایسے ہی ہے جس طرح ہمارے حکیم الامت قدس سرہٗ نے نقل کیا ہے کہ:

ایک عورت کسی کے گھر میں ملازمہ تھی، اس کی چوری کرنے کی عادت تھی، گھر کی صفائی کرتے کرتے گھر کا ہی صفایا کر جایا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے ایک ٹائم پیس گھڑی اٹھا کر اپنے لباس میں کہیں چھپادی، صفائی کرتی رہی، گھڑی کا الارم لگا ہوا تھا وہ وقت پر بول پڑا، اب اس کو دباتی ہے، لیکن اس کے دبانے سے تو وہ بند نہیں ہوتا۔ تو ایسے ہی یہاں دنیا میں تو ہم لوگ اپنے اپنے عیبوں کو چھپائے ہوئے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ میں گھر میں کیا کر رہا ہوں؟ مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آ گیا اور آپ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ آپ وہاں کیا کر رہے ہیں؟ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام بھید کھول دیں گے بندے کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا، بہت دبائے گا مگر دبے گا نہیں۔ یہاں ایک یہ کیفیت ہے اور ایک یہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"اِنَّ اللهَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَیَضَعُ عَلَیْهِ کَنَفَهٗ وَیَسْتُرُهٗ
..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے ایک بندے کو بلائیں گے، اب وہاں کوئی پردے کرنے والی چیز ہے نہیں، کوئی اوٹ ہو اور کوئی پردہ ہو جہاں چھپ جائیں، لیکن حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، لوگوں کی نظر میں نہیں آئیں گے، اس کے ساتھ کیا سوال و جواب ہو رہا ہے؟ کسی کو

کچھ معلوم نہیں۔

قیامت کے دن کچھ نہ چھپے گا:

عدالتِ الٰہی میں کوئی وکیل و ترجمان نہیں ہوگا، دنیا کے وکیل اور ترجمان یہاں رہ جائیں گے اور بارگاہِ الٰہی میں کوئی کچھ نہ چھپا سکے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ تُرْجُمَانٌ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:..... "تم میں سے ہر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا جبکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔"

انگریزی عدالتوں کے انگریز وکیلوں کے کارنامے:

یہ عدالتوں کے وکیل یہیں رہ جائیں گے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناتے ہیں، جو مجرم کو چھڑوانا جانتے ہیں اور بے گناہ کو پھنسانا جانتے ہیں۔

انگریز کی تعلیم ہی ایسی ہے، (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) اور انگریز کے دور سے آج تک یہی تعلیم چل رہی ہے، وہی عدالتیں ہیں، وہی وکیل ہیں، وہی لباس ہے، حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کرسکے کہ ان کا لباس ہی بدل دیں، عدالت میں جب وکیل جائے گا تو سیاہ کوٹ پہن کر جائے گا، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے اس کے اوپر کا لباس سیاہ ہے، ویسے ہی اس کا دل بھی کالا ہے، سو سو جھوٹ خود بولتے ہیں اور اپنے مؤکلوں سے بلواتے ہیں، پہلے سے پڑھا کر جاتے ہیں کہ تم نے ایسے کہنا ہے، ویسے کہنا ہے، تم سے کوئی بات پوچھے تو ایسے کہہ دینا، ورنہ چپ رہنا، اور وکیل اس کی طرف سے لڑتا رہتا ہے، وہاں آخرت میں یہ نہیں ہوگا۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی

ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا، ہر آدمی خود اپنی جواب دہی کرے گا۔

بارگاہِ الٰہی کی پیشی کا منظر:

حد نظر یعنی جہاں تک نظر پہنچے گی دائیں بھی، بائیں بھی اور سامنے بھی اس کے نامہ عمل کے دفاتر پھیلے ہوئے ہوں گے، قرآن کریم میں ہے کہ بندہ کہے گا:

”مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا.....“ (الکہف:۴۹)

ترجمہ:......”اس کتاب کو کیا ہوا کہ اس نے کوئی چھوٹی اور بڑی بات کو چھوڑا نہیں جس کو گھیر نہ لیا ہو، شمار نہ کرلیا ہو۔“

میرے بھائیو! اول سے آخر تک کے تمام عمل لکھے ہوئے ہمارے سامنے ہوں گے، اور ہر ایک آدمی خود جواب دہی کرنے والا ہوگا، کوئی اس کا معاون و مددگار نہیں ہوگا، اور وہاں کوئی جھوٹ بھی نہیں بول سکے گا، ہاں! جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے اور لوگ جھوٹ بولیں گے بھی، مگر ان کی زبانیں بند کردی جائیں گی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

”اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ.“ (یٰسٓ:۶۴)

ترجمہ:......”ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے؟“

جب زبان بند ہوجائے گی اور دوسرے اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے ان اعضا کو کوستے ہوئے کہیں گے:

”وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا، قَالُوْا أَنْطَقَنَا

اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ." (حٰمٓ السجدہ:۲۱)

ترجمہ:...... "وہ اپنی کھالوں اور چمڑوں کو کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف گواہی کیوں دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ آج ہمیں اس ذات نے بلوالیا ہے جس نے ہر چیز کو بلوالیا ہے (ہم اپنے اختیار میں نہیں ہیں)۔"

آدمی سب سے بڑی ہوشیاری یہ کرے گا کہ پہلے مکر جائے گا، لیکن مکرنے کہاں دیتے ہیں؟ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ آدمی کے مستقل ریکارڈ الگ الگ محفوظ ہو رہے ہیں، سب سے پہلا ریکارڈ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، جو کبھی خطا نہیں ہوتا، "لَا یَشْغَلُہٗ حَالٌ عَنْ حَالٍ!" اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کرتی، ایک سے بات کر رہے ہیں، یہ نہیں کہ دوسرے آدمی سے غافل ہوجائیں، ایک وقت میں ساری دنیا سے بات کر رہے ہوں گے، پھر لوحِ محفوظ میں ہماری مکمل ہسٹری اور ہمارا ریکارڈ جمع ہے، پھر زمین کے وہ ٹکڑے جن پر ہم چلے پھرے، اٹھے بیٹھے، لیٹے، اچھا عمل کیا، یا برا عمل کیا وہ سب کے سب قیامت کے دن گواہ ہوں گے، دیواریں بھی بولیں گی، زمین کے ٹکڑے بھی بولیں گے۔ جیسا کہ سورۂ زلزال میں فرمایا ہے: "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا. بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا." یعنی اس دن زمین اپنی خبریں دے گی، کہ اس بندے نے میری پشت اور میرے اوپر یہ یہ کام کیا تھا، فلاں وقت میں فلاں کام کیا تھا، یہ اس لئے ہوگا کہ تیرے رب نے اس کو حکم دے دیا ہے۔ تو اس دن ہمارے سامنے ہمارے سارے ریکارڈ ہوں گے، ہم چھپنا بھی چاہیں گے تو چھپ نہیں سکیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمیں معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے، ورنہ نہ تو کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کسی شخص کا عذر و معذرت کام آئے گی، یہاں تو ہم عذر و معذرت کرلیتے ہیں کہ جی اصل میں یہ ہوگیا تھا، وہ ہوگیا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپ سکے گی اور نہ کوئی عذر کیا جاسکے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کا قصہ:

میں نے کہا تھا کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اس بندے کے دائیں بائیں اور سامنے سب جگہ نامہ اعمال پھیلے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ حالانکہ کوئی پردہ نہیں ہوگا، کوئی اوٹ نہیں ہوگی، قرآن کریم میں ہے: ”لَا تَرٰی فِیۡھَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا۔“ (طٰہٰ:۱۰۷) تو اس میں کوئی اوٹ نہیں دیکھو گے، کوئی ٹیلا نہیں دیکھو گے، بالکل صاف چٹیل میدان، بندہ اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، فرشتے اس کے نامہ عمل کو پڑھنا شروع کردیں گے، خدا جانے کتنا وقت اس میں لگے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمائے، حق تعالیٰ شانہ سنتے رہیں گے، جب فرشتے نامہ عمل پڑھ کر فارغ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے کہ: تو کچھ کہنا چاہتا ہے؟ اس بیچارے کا سر نیچا ہوگا، بولنے کی طاقت اس میں کہاں ہوگی؟ خود ہی اپنے آپ میں شرمندہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ کہے گا کہ: نہیں! اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے: کوئی نیکی تونے کی ہو اور وہ فرشتوں نے نہ لکھی ہو، یا کوئی گناہ تونے نہ کیا ہو اور وہ فرشتوں نے لکھ دیا ہو؟ بندہ کہے گا: نہیں! بندے کے پاس کوئی بھی عذر نہیں ہوگا، کچھ عذر تو آدمی کرے، بندہ بالکل چپ، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا، آج تجھے معاف کرتا ہوں! یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کا معاملہ ہے۔

اللہ کی رحمت سے بخشش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

”لَیۡسَ اَحَدًا مِّنۡکُمۡ یُنۡجِیۡہِ عَمَلُہٗ! قَالُوۡا: وَلَا اَنۡتَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: وَلَا اَنَا! اِلَّاۤ اَنۡ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنۡہُ

بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۷)

ترجمہ:..... "تم میں سے کسی آدمی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا، (مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ!) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کی بھی بخشش نہیں ہوگی بغیر اللہ کی رحمت کے؟ (سر جھکالیا اور سر کے اوپر ہاتھ رکھ لیا) اور فرمایا: میری بھی بخشش نہیں ہوگی اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت و رحمت کے ساتھ مجھے ڈھانک دے!"

بارگاہِ الٰہی میں پیشی کا خوف نہیں:

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کبڈی کھیلتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے، نہیں بھائی! یہ بات نہیں ہے، وہ دن آنے والا ہے: "یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانُ شِیْبًا." (المزمل:۱۷) جو بچوں کو بوڑھا کردے گا، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائے، کم از کم آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو رہے، ہم تو ڈرتے بھی نہیں ہیں، ہمارے دل میں کبھی خوف بھی پیدا نہیں ہوتا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں آتا، قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے: "اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ." (الجاثیہ:۳۲) (ہم تو معمولی سا خیال کرتے تھے، ہمیں یقین نہیں تھا)۔ وہی کیفیت ہماری ہوگئی ہے، قیامت کے حق ہونے کا خیال کچھ ہمیں بھی آتا ہے کہ مریں گے، قبروں میں جائیں گے، محشر میں اُٹھیں گے، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، لیکن یقین کے درجے میں نہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہمارے اس خیال کو یقین میں بدل دے، ہنسی مذاق کی تو ہمیں سوجھی، لیکن آخرت ہمیں یاد نہیں رہی، اب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی کو بھی ہم مذاق ہی سمجھتے ہیں، نعوذ باللہ!

حضرت ابودرداءؓ کا قیامت کی پیشی سے خوف:

ایک روایت میں ہے:

''کَانَ اَبُوالدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ: اِنَّمَا اَخْشٰی مِنْ رَّبِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنْ یَّدْعُوْنِیْ عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ فَیَقُوْلُ: یَا عُوَیْمِرُ! فَاَقُوْلُ: لَبَّیْکَ رَبِّ! فَیَقُوْلُ: مَا عَمِلْتَ فِیْمَا عَلِمْتَ؟'' (الترغیب والترہیب ج:۱ ص:۹۰)

یعنی حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں ہے، صرف ایک بات سے ڈر لگتا ہے، (حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم الامت کا لقب دیا تھا، سب سے پہلا شخص اس امت میں حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو حکیم الامت کا خطاب ملا تھا) کہ: اللہ تعالیٰ مجھے تمام دنیا کے سامنے، جہاں چھوٹے بڑے سب موجود ہوں گے، مجھے بلائیں گے اور بلاکر کہیں گے کہ: عویمر! (عویمر نام ہے ان کا)، میں کہوں گا کہ: اے رب میں حاضر ہوں! کیا فرماتے ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا کہ تجھے علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ بس اس بات پر بڑا ڈر لگتا ہے، کیونکہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سب دنیا کے سامنے فرمائیں گے کہ: عویمر! تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ اور دوسری روایت میں یہی مضمون ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور سوال کریں گے۔ ایک تو تمام خلائق کے سامنے کھڑا کیا جانا بڑی سخت رسوائی ہے، پھر یہ سوال کہ تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ ایک تو میں نے ابھی حدیث نقل کی ہے ناں کہ بندے پر اللہ تعالیٰ اپنا پردہ ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا

ہے، وہ تو الگ معاملہ ہے، لیکن ایک یہ کہ ساری مخلوق کو اس کی ندا ہو، خبر ہو، تو اس پر آدمی اتنا شرمندہ ہوگا کہ کہہ اٹھے گا: اے کاش! میں آج سے پہلے مرگیا ہوتا، تو میرے کرتوت مخلوق کے سامنے نہ آتے۔ تو حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور بلاکر کہیں گے: "عُوَیْمِرُ! اَعَلِمْتَ اَمْ جَهِلْتَ؟" تجھے علم ہے یا تو جاہل تھا؟ یعنی یہ وہ سوال ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ یہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں، یعنی اس امت کے سب سے پہلے حکیم۔

آخر میں فرماتے تھے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس نفس سے جس کا پیٹ نہ بھرے۔

حریص نفس سے پناہ کی دعا:

ہمارے ساتھ نفس لگا ہوا ہے، ساری دنیا کے خزانے اس کو مل جائیں تو یہ نہیں بھرتا، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

"لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ كَانَ لَهٗ وَادِيَانِ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ!" (کنز العمال ج:۳ حدیث:۷۴۳۲)

ترجمہ:......"اگر ابن آدم کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو اس کی خواہش ہوگی کہ ایک دوسری بھی مل جائے، اور اگر دو وادیاں مل جائیں تو اس کی چاہت ہوگی کہ ایک تیسری بھی مل جائے، اور ابن آدم کے پیٹ کو تو مٹی ہی بھر سکے گی۔"

یعنی اگر بندے کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اگر دو وادیاں مل جائیں تو تیسری تلاش کرے گا کہ ایک اور ہونی چاہئے،

انسان نے کارخانے بنائے، فیکٹریاں بنائیں، دیکھ لو نواز شریف نے کئی فیکٹریاں بنالی تھیں، لیکن ابھی بس نہیں ہوئی، کہا کہ دو کافی نہیں، تیسری ہونی چاہئے، تیسری مل جائے تو چوتھی ہونی چاہئے، آدمی کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، قبر میں جب جسم کو کیڑے کھا جائیں گے اور یہ خود مٹی ہو جائے گا، تب کہے گا کہ: ہاں! اب کافی ہوگیا۔ تو حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: میں ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے، آپ حضرات نے سن لیا حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں؟ یا اس کان سے سنا اور اس کان سے نکال دیا؟ چلو جیسے آئے تھے ویسے چلے گئے!

بھائی! بات یہ ہے کہ سنا تو ہم نے بہت، لیکن ہماری عقل میں نہیں آیا، حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس نفس سے جو نہ بھرے۔

قبول نہ ہونے والی دعا:

اور ایک تیسری چیز ہے: "وَمِنْ دُعَاءٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا." اور میں پناہ چاہتا ہوں ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔ بندہ، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سنتے ہی نہیں۔

میں نے آپ حضرات کو سنایا تھا، یاد ہوگا کہ شیخ تاج الدین بن عطا اللہ اسکندری کی کتاب ہے، اس میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرتا ہے یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! بندہ، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کی چیز کو پورا نہ کرنا، اس کو ایسے ہی مانگنے دو، تو بندہ مانگتا ہے یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، مانگتا ہی رہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ: اس کو دینا نہیں، اس لئے کہ اس کا مانگنا مجھے اچھا

لگتا ہے! سبحان اللہ! کیا بات ہے، ایک وہ بندہ ہے کہ جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت پوری نہیں کرنا، تم نے ضرورت پوری کردی تو اس نے مانگنا ہی چھوڑ دینا ہے، اور مجھے اس کا مانگنا بہت اچھا لگتا ہے، کیا ہی مبارک ہے وہ بندہ کہ یہ مانگے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگے۔

اور ایک دوسرا بندہ ہے اس کو کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے، وہ مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ فوراً اس بندہ کی ضرورت پوری کردو، اس لئے کہ اس کا ہاتھ اٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

ہم یوں سمجھتے ہیں کہ جس کی حاجت جلدی پوری ہوجائے، جس کی ضرورت جلدی پوری ہوجائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا ہوا ہے، اِدھر مانگتا ہے اُدھر منظور ہوجاتی ہے، لیکن یہاں معاملہ کچھ اور نکلا، دعا مانگتا ہے لیکن دعا قبول نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب آدمی کو حاجت ہو جب بھی مانگے اور جب حاجت نہ ہو (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، تمام چیزیں میسر ہیں، الحمدللہ!) تب بھی مانگے، کیونکہ اللہ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت اچھا لگتا ہے، اور ایک وہ آدمی ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے تو مانگتا ہے، جب ضرورت نہیں ہوتی تو نہیں مانگتا، حالانکہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ موقع بھی مانگنے کا تھا، ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا، تو حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اس علم سے جو کہ نفع نہ دے اور اس نفس سے جو کہ بھرے نہیں، اور اس دعا سے جو کہ سنی نہ جائے۔

عمل کے بغیر علم:

ایک اور روایت میں حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”لَا یَکُوْنُ تَقِیًّا حَتّٰی یَکُوْنَ عَالِمًا، وَلَنْ یَّکُوْنَ

بِالْعِلْمِ جَمِيْلًا حَتّٰی يَكُوْنَ بِهٖ عَامِلًا."

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۱۳)

ترجمہ:...... "آدمی متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ عالم نہ ہو، اور سچا عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو۔"

یوں کہتے ہیں کہ علم اور عمل یہ دونوں بھائی ہیں، علم آتا ہے تو اپنے ساتھ عمل کو بھی بلاتا ہے کہ تم بھی آجاؤ، اگر علم کے ساتھ عمل بھی آجائے تو ٹھیک ہے، ورنہ علم بھی چلا جاتا ہے۔

علم پر عمل علم کی مقبولیت کی علامت:

ایک بزرگ غالباً حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تھے، فرمایا کرتے تھے: "تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللهِ، فَاَبٰى اَنْ يَّكُوْنَ اِلَّا لِلّٰهِ!" ہم نے علم سیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ کی رضا سامنے نہیں تھی، ایسے ہی سیکھتے رہے، غیراللہ کے لئے سیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں سیکھا تھا، مگر علم نے انکار کردیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گا کسی اور کے لئے نہیں ہوں گا، چنانچہ علم آیا تو ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی آئی، اگر علم آئے اور ساتھ کے ساتھ اللہ کی یاد بھی آئے تو سمجھو کہ یہ علم مقبول ہے، اور اگر علم آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں آتی تو جان لو کہ یہ علم مقبول نہیں ہے، مردود ہے۔ تو حکیم الامت حضرت ابودرداً رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: بندہ متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ عالم نہ ہو، اور سچا عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو، یعنی علم پر عمل نہ کرے۔

اللہ کے ہاں بدترین آدمی:

ایک روایت میں حضرت ابودرداً رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

"اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمًا لَا يَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ." (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۳)

ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مرتبے کا آدمی وہ ہوگا جو عالم ہو اور اپنے علم سے نفع نہ اٹھائے۔''

اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا ہے لیکن عالم صاحب گپ شپ میں مشغول ہیں، فضولیات اور لغویات میں مشغول ہے، اس سے نفع نہیں اٹھاسکا، یہ عالم اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مرتبے کا آدمی ہوگا، نعوذ باللہ من ذالک! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت کے دن انسان سے چار سوال:

حضرت ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ترمذی ج:۲ ص:۶۷ پر ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن بندے کے دونوں قدم اپنی جگہ سے ہلنے نہیں پائیں گے (کھڑا رہے گا)۔ فرمایا جائے گا کہ: چار سوالوں کا جواب دے دو اور چلے جاؤ!

جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟

پہلا سوال یہ ہے کہ اپنا جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟ چھوٹا بچہ تھا، بڑا ہوگیا، بال سفید ہوگئے، اب چل بھی نہیں سکتا، کس چیز میں اس جسم کو بوسیدہ کیا ہے؟ پہلے اس سوال کا جواب دو۔

عمر کس میں ضائع کی؟

دوسرا سوال یہ کہ عمر کس چیز میں ضائع کی؟ کن کن مشغلوں میں ضائع کی؟ اللہ تعالیٰ نے عمر دی تھی، کسی کو تھوڑی دی تھی، کسی کو زیادہ دی تھی، یہ عمر کن کاموں میں خرچ کی؟ یہ ایک مستقل سوال ہے جس کا ہم میں سے ہر ایک نے جواب دینا ہے،

ہمیں اس کا احساس ہی نہیں، ہم نے یہ عمر ضائع کی اور خوب ضائع کی، بے پروائی سے ضائع کی، گویا اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ بیٹھے ہیں، حالانکہ یہ عمر تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھا، اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔

مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

تیسرا سوال، اس سوال کی دو شقیں ہیں، مال کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا، چھوٹا سا سوال ہے، پوری زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے گا، مال کہاں کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ باقی تمام چیزوں کے بارے میں صرف ایک سوال لیکن مال کے بارے میں دو سوال، مال کو آدمی بڑی کوشش سے حاصل کرتا ہے اور خرچ بھی کرتا ہے بڑی محبت کے ساتھ۔

علم پر کتنا عمل کیا؟

چوتھا سوال یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جتنا علم دیا تھا، ان میں سے کس بات پر عمل کیا؟ بس چار سوال، چار سوالات کا جواب دے دو اور جاؤ، امتحانی سوال بتادیتے ہیں حالانکہ ممتحن بتایا نہیں کرتے، لیکن یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ چار سوال ہوں گے اور ان میں سے ایک سوال دو سوال کی جگہ ہے، گویا پانچ سوال ہوگئے، ان پانچ سوالوں کا جواب دے دو اور جاؤ، تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِعْلَمُوْا مَا شِئْتُمْ اَنْ تَعَلَّمُوْا! فَلَنْ يَّأْجُرَكُمُ اللهُ بِعِلْمِهٖ حَتّٰى تَعْمَلُوْا." (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۵۰)

ترجمہ:...... "جان لو! جتنا چاہو علم سیکھ لو! مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں علم پر اس وقت تک اجر نہیں دیں گے جب تک کہ تم اس پر عمل نہ کروگے!"

یعنی تم کتابیں اور رسالے پڑھ کر جتنا چاہو اپنی معلومات کا ذخیرہ جمع کرلو، بڑے زبردست علامہ بن جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر نہیں دے گا، جب تک کہ اس پر عمل نہیں کرو گے۔ صرف کتابوں کے پڑھنے سے تمہیں اجر نہیں ملے گا، بلکہ اجر ملے گا علم پر عمل کرنے سے۔ اور اسی مضمون کی ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرمایا کرتے تھے:

"تَعَلَّمُوْا مَا شِئْتُمْ اَنْ تَعَلَّمُوْا! فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَأْجُرَکُمْ عَلَی الْعِلْمِ حَتّٰی تَعْمَلُوْا بِہٖ، اِنَّ الْعُلَمَاءَ هَمَّتُهُمُ الْوِعَايَةُ، وَاَنَّ السُّفَهَاءَ هَمَّتُهُمُ الرِّوَايَةُ." (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۵۰)

ترجمہ:...... جتنا چاہو علم سیکھ لو تمہاری خوشی ہے، لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ علم پر اجر نہیں دیں گے، بلکہ عمل پر اجر دیں گے، اپنے علم میں سے کتنی چیزوں پر عمل کیا؟ اور فرماتے تھے کہ علماً کا کام بات کو ذہن میں رکھ کر اس پر عمل کرنا ہے، اور احمق لوگوں کا کام روایتیں کرتے رہنا ہے۔"

یعنی جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، عالم صاحب روایتوں پر لگے ہوئے ہیں، یہ بھی اچھی بات ہے، بہت اچھی بات ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے عمل کتنی روایتوں پر کیا؟

حضرت سہلؒ کی کرامت:

حضرت سہل بن عبداللہ طستری رحمہ اللہ کبھی کبھی مدرسے میں طالب علموں کے پاس چلے جایا کرتے تھے، یہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ماموں ہیں، حضرت جنیدؒ ابھی چھوٹے اور نابالغ تھے تو حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کی بہن اپنے

اس بچے کو بھی اپنے بھائی کے پاس چھوڑ گئی، ان کی بہن اپنے بھائی سے کہنے لگی کہ: ان کو بھی کچھ اللہ اللہ سکھادو، ایک دن حضرت سہل بن عبداللہ کی بہن مدرسہ میں آئیں، اتفاق سے حضرت سہل بن عبداللہ کھانا کھارہے تھے، حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کے سامنے اچھا کھانا تھا اور بھانجے یعنی حضرت جنیدؒ کے سامنے ایسا ہی معمولی سا کھانا تھا، تو ان کی بہن کہنے لگی کہ: بھائی جی! بھانجے کے سامنے آپ نے کھانا ایسا ہی رکھا ہوا ہے، اور آپ مرغ اُڑا رہے ہیں؟ حضرت سہل بن عبداللہؒ نے جب اپنی بہن کی یہ بات سنی تو وہ ہڈیاں جو جمع تھیں ان کو اِکٹھا کیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''قُمْ بِـاِذْنِ اللهِ!'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی ہو جاؤ! وہ مرغ بن کر اذان دینے لگا، حضرت سہل بن عبداللہؒ بہن سے کہنے لگے کہ: جب آپ کا بیٹا اس مرتبے کو پہنچے گا تو یہ بھی مرغ کھالیا کرے گا، ابھی تو اس کو یہی دال ہی کھانے دو! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی عمر سات سال تھی، اپنے ماموں کے ساتھ تہجد پڑھتے تھے۔

حضرت سہلؒ کی طلبا کو نصیحت:

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کبھی کبھی مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ان پڑھنے والوں سے فرمایا کرتے تھے: ''یـا اهـل الـعـلـم! ادوا زكـوٰة الـعـلـم!'' (مولوی صاحبان! اپنے علم کی زکوٰۃ دیا کرو!) وہ طالب علم کہتے کہ: حضرت! علم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ فرماتے: ایک سو حدیثوں میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو! اب ہمارا مدرسہ شروع ہوگا، صحاح ستہ اور صرف بخاری شریف کے گیارہ بارہ سو صفحات ہیں، مسلم شریف، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دوسری کتابیں علمائے کرام دھڑ ادھڑ پڑھا رہے ہیں، کچھ طلبہ سمجھ لیں گے اور کچھ نہیں سمجھیں گے، لیکن ان طلبہ سے پوچھ لیجئے کہ اس پر کس نے عمل کیا ہے؟

علم کی زکوٰۃ اس پر عمل ہے:

حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ فرمایا کرتے تھے: اے اہل علم! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ لوگ عرض کرتے کہ: حضرت! علم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ فرمایا: ایک سو میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو! چلو ایک سو میں سے نہیں ایک ہزار میں سے ایک پر عمل کرلو۔ تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علما کا اہم مقصد علم کو محفوظ کرنا ہے، اور محفوظ کر کے اس پر عمل کرنا ہے، اور احمق لوگوں کا مقصد روایت کردینا ہے، ایک بات سنی اور آگے روایت کردینا ہے اور بس!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ
کے
صحیفوں کے مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَعِظُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ، وَكَيْفَ كَانُوْا يَصْرِفُوْنَ النَّظْرَ عَنْ ظَوَاهِرِ الدُّنْيَا وَلَذَّاتِهَا اِلٰى نَعِيْمِ الْآخِرَةِ وَالَآئِهَا وَيَحْذُرُوْنَ اللّٰهَ تَحْذِيْرًا تَذْرُفُ بِهِ الْعُيُوْنُ وَتوجل بِهِ الْقُلُوْبُ كَأَنَّ الْآخِرَةَ تَجَلَّتْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَاَحْوَالَ الْمَحْشَرِ تَبَدَّتْ بِأَعْيُنِهِمْ، وَكَيْفَ كَانُوْا يَأْخُذُوْنَ بِاَيْدِي الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ بِعِظَاتِهِمْ يُوَجِّهُوْنَ وُجُوْهَهَا اِلٰى فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَيَقْتَلِعُوْنَ بِهَا شَرَائِيْنَ الشِّرْكِ الْجَلِيِّ وَالْخَفِيِّ.“

ترجمہ:...... ”سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو کس طرح نصیحت کرتے اور نصیحت حاصل کرتے تھے؟ وہ ظاہر دنیا

اور اس کی لذات سے منہ موڑ کر آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف کس طرح متوجہ ہوتے اور کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے اس طرح ڈراتے تھے کہ آنکھیں بہہ پڑتیں اور دل کانپ جاتے اور گویا ایسا محسوس ہوتا کہ وہ آخرت ان کے سامنے منکشف ہوکر آگئی ہے اور اَحوالِ محشر ان کے سامنے ظاہر ہوگئے ہیں، وہ ان مواعظ کے ذریعہ امتِ محمدیہ کی دستگیری فرماتے، اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرکِ جلی و خفی کی دلوں سے جڑیں کاٹ پھینکتے تھے۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نصیحت آموز کلمات اور ارشادات یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اپنے ان مواعظ کے ذریعہ دلوں سے شرک جلی اور شرکِ خفی کی رگیں اور جڑیں اُکھاڑ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر وحضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو نصیحت کرتے تھے اور نصیحت پاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے، آخرت کی نعمتوں کو ایسا محسوس کرتے تھے گویا وہ نعمتیں ان کے سامنے ہیں اور دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے بے رغبتی دلاتے تھے، محشر میں جو حالات ہمارے سامنے آنے والے ہیں ان کا ایسا نقشہ کھینچتے تھے گویا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ان مواعظ کے ذریعہ سے امتِ محمدیہ کی دستگیری فرماتے تھے اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرکِ جلی اور شرکِ خفی کی جڑیں دلوں سے اُکھاڑتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے "تنبیہ المغترین" میں، جو اخلاقِ سلف کے نام سے اُردو میں چھپی ہوئی ہے، اس کا ایک باب مستقل اس پر قائم کیا ہے کہ سلف

صالحین کا یہ معمول تھا کہ جب وہ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے تو ایک دوسرے سے نصیحت طلب کرتے تھے کہ کوئی نصیحت فرمائیں اور پھر متعدد حضرات کی نصیحتیں وہاں ذکر فرمائی ہیں۔

یہاں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ ذکر کئے ہیں، یعنی آپ کی نصیحتیں، آپ کے ناصحانہ کلمات اور ارشادات، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان مواعظ شریفہ کو اپنے دل پر لکھیں، صرف ایک کان سے سن لینا اور دوسرے سے نکال دینا نہ ہو، اور ان سے وقتی طور پر گرمیٔ محفل کا کام نہ لیا جائے، بلکہ ان سے عبرت و نصیحت حاصل کرکے ان پر عمل کی سعی و کوشش کی جائے، کیونکہ یہ وہ کلماتِ طیبات ہیں جو زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے ہیں، یہ وہ جواہر و موتی ہیں جس کو نبوت کے سمندر نے اُچھالا ہے۔

صحفِ ابراہیم کے مضامین:

آپ کے ان نصائح میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

"عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا كَانَتْ صُحُفُ اِبْرَاهِیْمَ؟ قَالَ: كَانَتْ اَمْثَالًا كُلَّهَا اَیُّهَا الْمَلِكُ الْمُسَلَّطُ الْمُبْتَلَى الْمَغْرُوْرِ اِنِّیْ لَمْ اَبْعَثْكَ لِتَجْمَعَ الدُّنْیَا بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ وَلٰكِنِّیْ بَعَثْتُكَ لِتَرُدَّ عَنِّیْ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنِّیْ لَا اَرُدُّهَا وَاِنْ كَانَتْ مِنْ كَافِرٍ، وَعَلَى الْعَاقِلِ مَا لَمْ یَكُنْ مَغْلُوْبًا عَلٰی عَقْلِهٖ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ سَاعَاتٌ فَسَاعَةٌ یُنَاجِیْ فِیْهَا رَبَّهٗ، وَسَاعَةٌ یُحَاسِبُ فِیْهَا نَفْسَهٗ، وَسَاعَةٌ یَتَفَكَّرُ فِیْهَا فِیْ صُنْعِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَسَاعَةٌ یَخْلُوْ فِیْهَا لِحَاجَتِهٖ مِنَ الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ، وَعَلَى الْعَاقِلِ

اَنْ لَّا یَکُوْنَ ظَاعِنًا اِلَّا لِثَلَاثٍ: تَزَوُّدٌ لِمَعَادٍ اَوْ مَرَمَّةٌ لِمَعَاشٍ اَوْ لَذَّةٌ فِیْ غَیْرِ مُحَرَّمٍ، وَعَلَی الْعَاقِلِ اَنْ یَّکُوْنَ بَصِیْرًا بِزَمَانِہٖ، مُقْبِلًا عَلٰی شَأْنِہٖ، حَافِظًا لِلِسَانِہٖ، وَمَنْ حَسِبَ کَلَامَہٗ مِنْ عَمَلِہٖ قَلَّ کَلَامُہٗ اِلَّا فِیْمَا یَعْنِیْہِ.“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۹۷، ۴۹۸)

یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن کریم میں صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے۔

بڑی کتابوں کو کتاب کہا جاتا تھا اور چھوٹی کتاب کو جس کو رسالہ کہنا چاہئے، صحیفہ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چار مشہور کتابیں نازل فرمائی ہیں: تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم، اور مختلف اوقات میں ایک سو کے قریب صحیفے نازل کئے ہیں، اور کچھ صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر، کچھ حضرت شیث علیہ السلام پر، کچھ دوسرے انبیأ کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، ان میں سے صحف ابراہیم و موسیٰ کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یعنی وہ صحیفے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! جن صحیفوں کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے، تو ان صحف میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سب کے سب ضرب الامثال تھے، یعنی ایسے فقرے جن کو ضرب المثل کے طور پر ہمیشہ استعمال کیا جاتا ہے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کا ذکر فرمایا ہے۔

بادشاہوں کے لئے دستور العمل:

ایک یہ کہ اے او بادشاہ! جو لوگوں کی گردنوں پر سوار ہے اور جو اس میں مبتلا کیا گیا ہے اور جو دھوکے میں پڑا ہوا ہے، میں نے تجھ کو لوگوں پر اس لئے مقرر نہیں کیا کہ تو دنیا سمیٹتا جائے، او مغرور! میں نے تجھے اس لئے حکومت نہیں دی کہ دنیا کو جمع کر کے تہہ پر تہہ لگاتا جائے، میں نے تجھے دنیا پر اس لئے مقرر کیا ہے تاکہ تو کسی مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے، تیری سلطنت میں اور تیرے زیرنگیں علاقوں میں ایک بھی مظلوم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو کسی کے لئے بددعا کرے اور اس کی بددعا مجھ تک پہنچے، اس لئے کہ جب کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رد نہیں کرتا، چاہے وہ بددعا کافر ہی کیوں نہ کرے! اس سے بحث نہیں کہ یہ مجھے ماننے والا ہے کہ نہیں؟ جب بھی کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رد نہیں کرتا، تو یہ پہلی بات تھی جو صحف ابراہیم علیہ السلام میں لکھی تھی، گویا بادشاہوں کے لئے دستور العمل تھا کہ عادل اور منصف بادشاہ وہ ہے جس کی رعایا میں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور کسی مظلوم کو ظالم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عمرؓ کا احساسِ ذمہ داری:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے ناں کہ رات کو پہرہ دیا کرتے تھے، ایک بڑھیا کے گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی تھی، حضرت امیر المؤمنین نے پوچھا کہ: اماں! یہ بچے کیوں روتے ہیں؟ کہنے لگی کہ: یہ بھوکے ہیں اور یہ ہنڈیا چولہے پر رکھی ہوئی ہے، میں نے پانی میں پتھر ڈال کر چولہے پر چڑھادیا ہے تاکہ بچوں کو اطمینان رہے کہ ہنڈیا پک رہی ہے اور ان کو اس طرح بہلا کر سلادوں گی کہ کھانا ابھی تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے: بڑی بی! تو نے

عمر کو نہیں بتایا، خلیفہ کو نہیں بتایا، امیر المؤمنین تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا؟ کہنے لگی: میرا فرض تھا کہ اس کو بتاتی یا اس کا فرض تھا کہ وہ رعایا کا پتہ کرتا؟ یہ کیا میرا فرض تھا؟ اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانا نہیں تھا، پھر کہنے لگی کہ: کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمر کی شکایت کروں گی کہ مدینے میں رہتے ہوئے میرے بچے بھوکے تھے اور اس نے پتہ نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپکے سے وہاں سے چلے آئے، بیت المال سے غلہ اور دوسری ضرورت کی چیزوں کی بوری بھری اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ: اس کو میری کمر پر رکھ دو! اس نے کہا کہ: حضور! میں اُٹھالیتا ہوں، غلام میں ہوں، میں اُٹھالیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: اگر قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اُٹھاسکتے ہو تو اُٹھالو! لیکن اگر قیامت کے دن یہ بوجھ عمر کو ہی اُٹھانا ہے تو ابھی بھی اس کو ہی اُٹھانے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور ہنڈیا میں وہ چیزیں ڈال کر خود پکانے لگے اور چولہے میں پھونکے لگانے لگے، وہ غلام کہتا ہے کہ میں نے امیر المؤمنین کی داڑھی میں سے دھواں نکلتے دیکھا، جب کھانا تیار ہوگیا اور وہ بچوں کو کھلایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر ٹھہر گئے اور فرمایا: جس طرح میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا، چاہتا ہوں کہ ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں اور اس خاتون سے فرمایا کہ: تم کل آنا میں تمہارا مستقل بندوبست کردوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت نہ لگانا!

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ بہت مشہور ہے کہ: ''فرات کے پل پر اگر کوئی سوراخ ہوجائے اور اس میں کسی گزرنے والی بکری کا پاؤں پھنس جائے اور اس کو نقصان پہنچ جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ عمر سے قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

جو حکومت عوام کو انصاف نہ دلائے...:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط نہیں کیا کہ تو دنیا کو سمیٹتا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ٹیکس لگا لگا کر ان کی زندگی اجیرن کردے، میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط کیا اور مقرر کیا ہے تاکہ کسی مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ آنے دے، جس رعایا میں مظلوم بددعائیں کرتے ہوں، وہاں حاکم کے ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ انصاف کا کیا فائدہ ہے؟ ''بھاڑ میں جائے سونا جس سے ٹوٹے کان!'' جو حکومت مظلوم عوام کو انصاف نہیں دلاسکتی، اور جو عدالت پسے ہوئے لوگوں کو انصاف نہیں دلاسکتی، ایسی حکومت اور ایسی عدالت کا کوئی فائدہ نہیں، ایسی عدالت لغو ہے، لایعنی ہے۔

عقل مند آدمی کے ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہونے چاہئیں:

دوسرا فقرہ یہ تھا کہ ایک عقل مند آدمی جو مغلوب العقل نہ ہو، پاگل، بیہوش، مدہوش، دیوانہ نہ ہو، اس کے اوقات تقسیم ہونے چاہئیں، اس کے اوقات مقرر ہوں۔

عبادت، مناجات اور محاسبۂ نفس کے لئے بھی وقت مقرر ہو:

ایک وقت ہو جس میں وہ اپنے رب سے مناجات کرے، عبادت میں، ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔

اور ایک وقت اس بات کے لئے مقرر ہونا چاہئے جس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے کہ یہ نفس شتر بے مہار تو نہیں چل رہا؟ ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے کہ نہیں؟

مظاہرِ قدرت میں غور کا بھی وقت ہونا چاہئے:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مشاہدوں کا تماشا کرے، کسی کو نوازتے ہیں تو کیسا نوازتے ہیں، کسی کو پکڑتے ہیں تو کیسا

پکڑتے ہیں، آسمانوں کو کیسی بلندی عطا فرمائی، اور زمین کا بچھونا کیسا بچھایا، درختوں کو کیسے پیدا کیا، پانی کو اللہ تعالیٰ نے کیسی چیز بنایا اور پانی کا نظام اللہ تعالیٰ نے کیسا جاری فرمایا، وغیرہ، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے جو معاملات اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، ان پر غور کرتا رہے اور نہیں تو اپنے ساتھ جو معاملات ہیں ان پر غور کرے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: "وفی انفسکم افلا تبصرون" تمہاری ذات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل موجود ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمہیں نظر نہیں آتا، دیکھتے نہیں؟

بشری حاجتوں کے لئے بھی وقت مقرر ہو:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں وہ اپنی بشری حاجتیں پوری کرے، کھانے کی، پینے کی، پہننے کی اور دوسری حوائج زندگی میں مشغول ہو۔

سفر تین مقاصد کے لئے ہو:

تیسرا فقرہ یہ تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ وہ جب سفر کرے تو اس کے تین مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد ہونا چاہئے۔ سفر کو اپنی آخرت کے لئے توشہ بنانا مقصود ہے، سفرِ آخرت ہے جیسے حج کا سفر ہے، عمرہ کا سفر ہے، اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کی خدمت میں جانے کے لئے سفر ہے، والدین کی زیارت کے لئے سفر ہے، علم کے لئے سفر ہے، دعوت الی اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے سفر ہے، جہاد فی سبیل اللہ کا سفر ہے، وہ سفر جو اس کے لئے توشۂ آخرت بنے اور یا اپنی معیشت کو درست کرنے کے لئے سفر ہونا چاہئے، یا کسی ایسی چیز کی لذت جو حرام اور ناجائز نہ ہو اس کے لئے سفر ہونا چاہئے۔

عاقل زمانہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے:

ایک فقرہ یہ تھا کہ عاقل کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کو عبرت کی نظر سے دیکھنے والا ہو، اپنے گرد و پیش کے حالات سے آنکھیں بند نہ کرے اور اپنی

حالت کی طرف متوجہ رہے، جیسے کہا جاتا ہے: ''تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو!'' اپنی طرف متوجہ رہے، اپنے کام میں لگا رہے کہ اس کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اپنے عیوب کی اصلاح کرے، اپنی طاعتوں کو درست کرے اور حافظ اللسان یعنی اپنی زبان کا محافظ ہو، اس کی زبان قینچی کی طرح کاٹتی نہ چلی جائے، بلکہ بات جو بھی کرے، سوچ سمجھ کر کرے اور جو شخص اپنے کلام کو بھی اپنے عمل کے ساتھ سمجھتا ہے یعنی جو انسان اعمال کرتا ہے ان اعمال میں یہ باتیں کرنا بھی شامل ہے، ہمارا کلام کرنا بھی ہمارے اعمال میں شامل ہے، جو آدمی یہ سوچ لے گا وہ بہت کم باتیں کرے گا، سوائے ان چیزوں کے جو ان کے مقصود کی ہیں، ضرورت کی ہیں، وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، جو شخص اپنے کلام کو بھی اپنا عمل سمجھتا ہے وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، یہ پانچ فقرے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں تھے۔

صحفِ موسیٰ میں عبرتیں تھیں:

''فَمَا كَانَتْ صُحُفُ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ قَالَ: كَانَتْ عِبَرًا كُلُّهَا عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْمَوْتِ ثُمَّ هُوَ يَفْرَحُ، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالنَّارِ ثُمَّ هُوَ يَضْحَكُ، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْقَدْرِ ثُمَّ هُوَ يَنْصِبُ، عَجِبْتُ لِمَنْ رَأَى الدُّنْيَا وَتُقَلِّبُهَا بِاَهْلِهَا ثُمَّ اطْمَأَنَّ اِلَيْهَا، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْحِسَابِ غَدًا ثُمَّ لَا يَعْمَلُ.'' (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ساری کی ساری عبرت کی باتیں تھیں۔

صحفِ موسیٰ کے مضامین:

چنانچہ پانچ فقرے اس کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمادیئے۔

مجھے تعجب ہے اس پر جس کو موت کا یقین ہو اور پھر بھی مسکراتا ہے؟

مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر وہ خوش بھی ہو رہا ہے، واقعی تعجب کی بات ہے:

دفن خود صدہا کیئے زیرِ زمیں
پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقیں!

خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سینکڑوں آدمی اپنے ہاتھ سے دفن کیئے ہیں، پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقین، ایک گھر میں ایک موت واقع ہوجاتی ہے تو کیسا رنگ ہوتا ہے، آپ کے گھر میں خدانخواستہ ایسا حادثہ ہوجائے تو آپ رقص وسرود کی محفلیں سجائیں گے؟ ٹی وی پر ڈرامے دیکھیں گے؟ یہ تو تمہا ے گھر پر موت ہونے پر تجھ کو ساری خوشیاں بھول جاتی ہیں، اور جس دن تمہیں موت آئے گی اس دن کیا حال ہوگا؟ اگر ہمیں اپنی موت کا یقین ہو اور موت پیش نظر رہے تو پھر یہ خوشی بے کار ہوجائے گی، یہ خوشی جاتی رہے گی، دنیا کی کسی چیز سے ہمیں خوشی نہ ہوگی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحف کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر مسکراتا بھی ہے، کھل کھلا کر ہنستا ہے۔

تعجب ہے کہ دوزخ کا یقین ہو اور پھر بھی ہنسے:

اور دوسرا فقرہ ہے: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے پھر

اس کو ہنسی بھی آتی ہے۔

کوئی سانپ یا کوئی اژدہا منہ کھولے کھڑا ہو، ہڑپ کرنا چاہتا ہو، اس آدمی بیچارے کے پاس بچنے اور بھاگنے کی کوئی شکل نظر نہ آتی ہو، اس وقت کیا یہ اکیلا لڑے گا یا وہ اژدہا اور سانپ خود چھوڑ جائیں گے؟ جہنم منہ کھولے کھڑی ہے اور وہ قیامت کے دن کو آواز دے گی، گویا یوں کہو کہ اب اس کی آواز کان میں آتی ہے: "ھل من مزید؟" (کوئی ہے جو مجھے دیا جائے؟) جہنم اپنی شعلہ سامانیوں اور اپنے تمام عذابوں اور تمام دکھوں اور ماروں کے ساتھ اس وقت موجود ہے، اور وہ اپنے بیٹوں کی منتظر ہے، تو تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے اس کے باوجود وہ ہنستا بھی ہے۔

تعجب ہے کہ تقدیر کے یقین کے باوجود پریشان ہوتا ہے:

اور اس کا تیسرا فقرہ: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو تقدیر الٰہی کا یقین ہے اور پھر وہ پریشان ہوتا ہے، تھکتا ہے۔

تم جہاں چاہو، جو چاہو کرلو، جہاں چاہو چلے جاؤ، آسمان کے تارے توڑ لاؤ یا زمین کے خزانے کھود ڈالو، لیکن تمہیں ملے گا اتنا ہی جتنا تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اتنا ہی ملے گا، ایک دانہ بھی نہ کم کر سکتے ہو، نہ زیادہ، جس شخص کو تقدیر پر ایمان نہ ہو وہ تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے کہ میرے کرنے سے ہوگا، لیکن جس شخص کو ایمان بالقدر ہو، تقدیر پر ایمان ہو، وہ پریشان نہیں ہوگا، سب کام حکمِ الٰہی سمجھ کر کرے گا۔

تقدیر، گاڑی کی مانند ہے:

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہماری مثال اور تقدیر کی مثال ایسی ہے جیسے گارڈ ریل کے ڈرائیور کو ہری جھنڈی دکھاتا ہے اور ریل چل پڑتی ہے، سرخ جھنڈی دکھاتا ہے تو ریل رک جاتی ہے، اب میرے جیسے ناواقف آدمی کو ایسا لگے گا کہ یہ جھنڈی بڑی

کرامت والی ہے، گارڈ کی جھنڈی کو باوجود اس کے کہ ریل کی آنکھیں نہیں ہیں، اس کو دیکھ لیتی ہے اور عجیب وغریب اس میں طاقت ہے کہ جھنڈی ہلاتے ہی گاڑی چل پڑتی ہے، سبز جھنڈی دیکھ کر گاڑی چل پڑتی ہے اور سرخ جھنڈی دیکھ کر گاڑی رُک جاتی ہے، ہمارے جیسے بچے تو یہی سمجھیں گے، لیکن جو حقیقت شناس ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ گاڑی کو چلانا یا اس کو روکنا یہ جھنڈی کا کرشمہ نہیں، بلکہ ڈرائیور اور گارڈ کے درمیان ایک اصطلاح مقرر ہے کہ جب ہری جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی چلادے گا اور سرخ جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی روک دے گا۔

انسان کی دعائیں اور التجائیں سبز جھنڈی کی مانند ہیں:

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے کسب، ہماری محنت، ہماری کمائی اور ہماری دعائیں، ہماری التجائیں یہ سبز جھنڈی ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، گاڑی نہیں چلتی، گاڑی چلانا تو اس ڈرائیور کا کام ہے، ہاں ایک اصطلاح مقرر کرلی کہ تم ایسے کروگے تو ہم ایسا کرلیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روح الامین نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی ہے کہ: ”اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۵۴) یعنی کوئی نفس مرے گا نہیں جب تک کہ اپنی روزی کو پورا نہیں کرلیتا، جتنی لکھوا کے لائے ہو ایک ایک تل کے برابر روزی تمہیں پوری دی جائے گی، ممکن نہیں کہ تم اس سے پہلے مرجاؤ، ہرگز نہیں مرے گا کوئی شخص جب تک کہ اپنی مقررہ روزی کو پورا نہیں کرلیتا، سوتم رزق کے تلاش کرنے میں ذرا خوب صورتی سے کام لو، غلط کام نہ کرو۔

ہماری معاش اور معاد کا انتظام:

ایک صاحب میرے پاس آئے، کہنے لگے کہ: ایک صاحب ہیں (ایسے ہی اس کے منہ سے نکل گیا)، جو یہ کہتے ہیں ابھی مغرب کی نماز پڑھ کے ہی آئے تھے کہ

عشا کا وقت ہوگیا، اذان ہوگئی، کہنے لگے کہ بس نمازیں ہی نمازیں رہ گئی ہیں، تو وہ شخص کہنے لگے کہ اس طرح کہنے سے کافر تو نہیں ہوا؟ میں نے اس کو یوں سمجھایا کہ بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے دو حصے کئے ہیں، ایک حصہ دوپہر سے پہلے پہلے کا ہے، یہ تمہاری معاش کے لئے رکھ دیا، اور ایک حصہ دوپہر کے بعد کا ہے یہ تمہاری معاد کے لئے رکھ دیا، عبادت کے لئے، اپنی آخرت کی تیاری کے لئے، دن ڈھل رہا ہے ناں! تو ہماری زندگی کا دن بھی ڈھل رہا ہے، تیاری کرلو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز کے بعد دوپہر تک کوئی عبادت مقرر نہیں فرمائی اور دوپہر کے بعد سے لے کر سونے تک چار نمازیں مقرر کردیں، حق تو یہ تھا کہ دوپہر سے لے کر سونے تک مسجد ہی میں رہتے، جیسا کہ فجر کے بعد سے لے کر دوپہر تک دکان پر تھے دنیا کمانے کے لئے، اب دوپہر کے بعد سونے تک مسجد میں رہو، اس دکان میں رہو، یہ آخرت کمانے کی دکان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف کی رعایت کرتے ہوئے ہمیں اس وقت کی اجازت دے دی کہ یہ وقت بھی اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرسکتے ہو، تو تمہیں نظر تو یہ آتا ہے کہ پے در پے پانچ نمازیں آگئیں، ٹکنے نہیں دیتے، تمہیں اس پر شکر کرنا چاہئے کہ تمہیں گھر جانے دیتے ہیں، ٹھیک بات ہے ناں! اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہماری آخرت بھی بنارہے ہیں اور گھر جانے کی اجازت بھی دے رہے ہیں، کام کرنے کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔

چوبیس گھنٹے نماز میں رہنے کا عجیب لطیفہ:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہٗ عجیب لطیفہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: مسلمان چوبیس گھنٹے نماز ہی میں رہتا ہے! اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"..... لَا یَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا دَامَتِ

الصَّلٰوۃُ تَحۡبِسُہٗ لَا یَمۡنَعُہٗ اَنۡ یَّنۡقَلِبَ اِلٰی اَھۡلِہٖ اِلَّا الصَّلٰوۃُ۔"

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۰)

یعنی بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک کہ وہ نماز کا انتظار کرتا رہے، تو مسجد میں ظہر کی نماز یا جمعہ کی نماز کے لئے آکر بیٹھ گئے، گھنٹہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں، یہ پورا وقت تمہارا نماز میں لکھا گیا، اس لئے کہ تم نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو۔ حضرت فرماتے تھے کہ: مسلمان جب ظہر کی نماز پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں لگ جاتا ہے کہ مجھے عصر کی نماز میں آنا ہے، عصر پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں لگ جاتا ہے کہ میں نے مغرب کے لئے آنا ہے، مغرب کے بعد عشا کے انتظار میں اور عشا کے بعد سوجاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے فجر میں اُٹھنا ہے اور فجر کے بعد اپنے کام کاج کے لئے چلا جاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے ظہر کے لئے جانا ہے۔ فرماتے تھے کہ: مسلمان چوبیس گھنٹے نماز میں رہتا ہے۔ حضرتؒ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، اگر نماز کا اہتمام اور نماز کی فکر ہمیں لگ جائے، ہم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے منتظر رہا کریں تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے تمہارا پورا وقت نماز ہی میں صرف کیا جائے گا اور لکھا جائے گا، تو یہ مزید عنایت ہوگی کہ ہمیں گھر جانے کی بھی اجازت دے دی اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ تمہارے لئے نماز کی حاضری لگادیں گے، ہم یوں سمجھیں گے کہ ظہر سے لے کر سونے تک تم نماز ہی میں رہے، تم یہ تو کہتے ہو کہ نماز جلدی جلدی آرہی ہے، یعنی اس پر تم تعجب کرتے ہو، لیکن اس عنایت پر تم تعجب نہیں کرتے کہ تمہارا سارا وقت نماز میں لکھا جارہا ہے۔ تو رزق تلاش کرنے کے لئے بھی اپنا وقت مقرر کرو، بھائی! صبح سے لے کر سونے تک اگر رزق ہی رزق کے پیچھے لگے رہو گے تو آخرت کب بناؤ گے؟ اپنے اوقات تقسیم کرو۔

رزق تمہاری تلاش میں ہے:

رزق تو تمہیں ملے گا ہی ملے گا، کیونکہ رزق تمہاری تلاش میں ہے، وہ

تمہارے پیچھے آرہا ہے، تمہیں اس کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

''اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ!''

(مشکوٰۃ ص:۴۵۴)

ترجمہ:......''رزق بندے کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے!''

تم کسی جگہ بھی چھپ جاؤ، موت ضرور پہنچے گی، قرآن کریم میں ہے:

''اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔'' (النسآ:۷۸)

تم مضبوط قلعوں میں پناہ لے لو، شیشے کا مکان لے کر اس میں بند ہوجاؤ، موت وہاں بھی پہنچ جائے گی، جہاں ہوا کا گزر نہیں، وہاں بھی موت پہنچ جاتی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں موت پہنچ سکتی ہے رزق بھی وہاں پہنچے گا۔

اللہ اپنے بندے کو نہیں بھولتے:

مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا کہ: یا اللہ! آپ مجھے یاد بھی فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: موسیٰ! اس چٹان پر عصا مارو۔ عصا مارا تو اس چٹان کے اندر سے ایک کیڑا نکلا، کیڑے کے منہ میں سبز پتا تھا، فرمایا: موسیٰ! جب چٹان میں رہنے والے کیڑے کو نہیں بھولا تو تجھے کیسے بھولوں گا؟ اللہ تعالیٰ تو کسی بندے کو نہیں بھولتے، تمہارا رزق پہنچائیں گے، کیوں پریشان ہوتے ہو؟

توصحف موسیٰ علیہ السلام کا ایک فقرہ یہ تھا کہ: مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو تقدیر پر ایمان ہے، یقین ہے، اس کے باوجود خواہ مخواہ مشقت میں پڑتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

خیر القرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

عدی بن حاتمؓ اور نماز کا اہتمام:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ حاتم طائی عرب کے مشہور سخی تھے، ان کے صاحبزادے ہیں، یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب بھی نماز کا وقت آیا میں نے اس کی تیاری اس کے وقت سے پہلے کرلی تھی اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کا پہلے سے مشتاق تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا!

سعید بن مسیّبؒ کا مسجد سے تعلق:

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور وہ مسجد میں موجود نہ ہوں، یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی غیر حاضری میں اذان ہوگئی ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر فتنہ اتنا سخت تھا کہ تین دن تک مسجدِ نبوی بند رہی، مسجدِ نبوی میں کوئی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتا تھا، ایک حضرت سعید بن مسیّبؒ جو ہمیشہ مسجد میں ہی ہوتے تھے، تین

دن تک مسجد میں ہی بیٹھے رہے، نہ کسی جگہ آئے اور نہ کسی جگہ گئے، نہ وضو، نہ طہارت، ان کو ان چیزوں کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، وہ لوگ جو فسادی تھے وہ مسجد میں آتے ان کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہنے لگتے: تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے، جیسے پاگل ہوتا ہے، ہاں ہوں کر کے بات ٹال دی، یعنی کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ ان کو کچھ آتا بھی ہے، وہ سمجھتے تھے کہ بیچارہ کوئی گونگا ہے، حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں اکیلا مسجد میں ہوتا تھا، اب مسجد میں اذان کا اور وقت کا کیسے پتہ چلے۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا: ''وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' (مشکوٰۃ ص:۵۴۵) یعنی جب نماز کا وقت آتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف سے جماعت ہونے کی آواز آتی تھی، اور وہ اس کے مطابق نماز پڑھتے تھے، کتنے پاکباز لوگ تھے اور کیسا ان کا سینہ پاک تھا؟

مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حضورؐ کا حصہ لینا:

ایک روایت میں ہے:

''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: اَنَّهُمْ كَانُوْا يَحْمِلُوْنَ اللَّبِنَ اِلٰى بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ، قَالَ: فَاسْتَقْبَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَارِضٌ لَبِنَةً عَلٰى بَطْنِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّهَا شُقَّتْ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: نَاوِلْنِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: خُذْ غَيْرَهَا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ! فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ!''

(مجمع الزوائد ج:۲ ص:۹)

ترجمہ:...... ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

نقل کی ہے کہ لوگ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹیں ڈھو رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنے پیٹ پر اینٹیں اُٹھائی ہوئی تھیں جیسے بوجھ اُٹھایا جاتا ہے، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دے دیجئے، میں لے جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہ! اور لے لو، زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، مجھے بھی ثواب چاہئے!''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر چھوٹے بڑے تمام صحابہؓ اس میں لگے ہوئے تھے، اور انہوں نے مسجد تعمیر فرمائی، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے کپڑے خراب ہوجاتے ہیں، ہم چار پیسے دے کر مزدور تو رکھ لیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کریں اور اپنے ہاتھ سے مسجد کی تعمیر کریں۔

مسجدِ نبوی کی زمین کی خریداری:

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو دفعہ تعمیر ہوئی ہے، ایک دفعہ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ٹھہرے، سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ آپؐ نے فرمایا: بھائی! مسجد بناؤ۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جو مسجد ہے، اس وقت یہ جگہ یتیموں کی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا حال یہ تھا کہ وہ کھنڈرات تھے، کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس جگہ کا میرے ساتھ سودا کرو! صحابہؓ کہنے لگے کہ: یا رسول اللہ! ہم خود ہی خرید کر وقف کردیتے ہیں، جتنا حصہ یتیموں کا ہے، جتنی قیمت اس کی بنتی ہے وہ ان کو دے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! مجھے یہ جگہ

اپنی خریدنی ہے۔

اپنی زمین اور اپنے پیسوں سے مسجد کی تعمیر:

''اپنی خریدنی ہے'' پر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ ہمارے ختم نبوت کے مولانا محمد شریف بہاول پوریؒ تھے، یہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن ان کے صاحبزادے ہیں، بہاول پور کے متصل ان کی زمین تھی، ایک دن اپنے لڑکوں کو بٹھا کر کہنے لگے کہ: مولوی جی! لوگوں سے چندہ کرکے تو لوگ مسجدیں بہت بناتے ہیں، لیکن کبھی اپنی جگہ میں، اپنے پیسے سے لوگ مسجد نہیں بناتے، اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی زمین کو وقف کروں اور خود ہی اپنے پیسوں سے بغیر کسی چندے کے مسجد بناؤں، اور اس کے کونے پر مسجد سے باہر میں اپنی قبر کی جگہ رکھوں۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی مسجد کا نقشہ بنایا، کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا اور وہ مسجد تعمیر کی اور اردگرد اپنے لڑکے لڑکیوں کے مکان تعمیر کئے اور اپنی قبر کی جگہ ایک کونے پر رکھی، الحمدللہ! وہیں فوت ہوئے اور وہیں ان کو دفن کیا گیا، وہ مسجد میں خود دیکھ کر آیا ہوں، جتنے لڑکے ہیں، سب کا الگ الگ اپنا مکان ہے، اس وقت تو وہ جگہ اجاڑ تھی اب شہر کے اندر آگئی ہے۔

مسجدِ نبوی کا سنگِ بنیاد اور خلافت کی ترتیب:

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اس کو خریدوں گا۔ فرمایا بہت اچھا اور اس کی قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا کی، دو قول ہیں، انصار سے پیسے نہیں لئے، یہ تو پہلی دفعہ کی تعمیر تھی اور اس موقع پر سب سے پہلی اینٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، دوسری اینٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، تیسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور چوتھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، یہ خلافت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔

حضرت عمارؓ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پتھر ڈھو رہے تھے، ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے تھے، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ایک پتھر آپ کا اور ایک پتھر میرا، دو پتھر اُٹھا کر لاؤں گا، آپ پتھر نہ اُٹھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"وَيْحَ عَمَّارٌ! تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ اِلَى النَّارِ!" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۶۴)

ترجمہ:....."افسوس اے عمار! تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، وہ ان کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ ان کو دوزخ کی طرف دعوت دیں گے۔"

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں شہید ہوئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اور "فئة الباغية" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قرار پائے، کیونکہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پہلی دفعہ تو یہ تعمیر ہوئی۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر ثانی:

اور دوسری دفعہ تعمیر ہوئی ہے ۹ھ میں غالباً اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، جیسا کہ روایات میں آتا ہے:

"عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَنَيْتُ الْمَسْجِدَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَقُوْلُ: قَرِّبِ الْيَمَامِيَ اِلَى الطِّيْنِ فَاِنَّهُ اَحْسَنُكُمْ لَهُ مَسًّا وَاَشَدُّكُمْ مَنْكِبًا." (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۹)

ترجمہ:....."حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا، آپؐ میرے بارہ میں فرماتے تھے: یمامی کو مٹی کے قریب کرو، یہ تم سے اچھی مٹی بناتے ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ: گارا اچھا بناتے ہیں، تم لوگوں کو گارا بنانا نہیں آتا۔"

مسجدِ نبوی کی تعمیر کا نقشہ:

فرق اتنا تھا کہ اس دفعہ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توسیع کردی تھی، لیکن مسجد وہی ویسی کی ویسی رہی، کھجوروں کے درخت کے ستون کھڑے کئے ہوئے تھے اور اوپر سے کاٹ کاٹ کے ان کو شہتیر بنادیا یا پتے وغیرہ ڈال دیئے، مٹی کے ساتھ لپائی نہیں کی تھی۔

انصار کی پیشکش:

ایک دفعہ انصار نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم نے پیسے جمع کئے ہوئے ہیں اگر آپؐ اجازت عطا فرمائیں تو ہم اچھی مسجد بنادیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی مسجد جیسی تھی ویسی بنانی ہے، وہ ایک چھپر تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ہاتھ ان کا چھت کو لگتا تھا، یہ وہی مسجد ہے جو آج کل مسجدِ نبوی بنی ہوئی ہے اور دنیا کی بہترین مساجد میں سے، بلکہ بہترین تعمیرات میں سے ہے، شاید اس سے بہتر کوئی تعمیر نہیں ہوگی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کی حیثیت یہی رہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر نہیں ہوئی، آپ نے وہی رکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر ہوئی لیکن ذرا تھوڑی سی آگے پیچھے کردی، یعنی اس کی توسیع کردی لیکن مسجد ویسی ہی رہی۔

حضرت عثمانؓ کا مسجدِ نبوی کے بارہ میں ذوق:

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے اس مسجد کو شہید کر کے نئے سرے سے پکی مسجد بنوائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو سب سے پہلا اعتراض کیا، وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اچھی نہیں لگتی تھی، یہ نئی مسجد بناتے ہیں! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس خطبے میں فرمایا کہ: لوگو! تم اپنے مکان تو بہت اچھے بناتے ہو، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد ایسی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھی تو ایسے ہی تھے، ایک قطرہ پانی کا بارش ہوجائے تو باہر نہیں جاسکتا تھا، اندر ہی رہتا تھا، اب تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہارے مکان تو بہت اچھے بنے ہوئے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کا گھر ایسے ہی رہے، ایک یہ بات فرمائی۔

مسجدِ نبوی کی توسیع بیت المال سے نہیں ہوئی:

دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نہ تو بیت المال کا پیسہ لگاتا ہوں اور نہ مسلمانوں سے اس کا چندہ کرتا ہوں، میں اپنی جیب سے خرچ کرتا ہوں، جو کچھ بھی خرچ کرتا ہوں، تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟ سارے چپ ہوگئے! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں کو لکھا کہ تمہارے علاقے میں سب سے بہترین جو لکڑی ہو وہ بھیجو! اور بہترین نقش و نگار والی اینٹیں بھیجو! چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شاندار مسجد بن گئی، اور اس کے بعد پھر اس کی اور تعمیر ہوتی رہی، ترکوں نے بھی تعمیر کی اور سعودیوں نے بھی بعد میں تعمیر کی۔

نماز کا اہتمام

فوائد و ثمرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَأْتِیْ زِیَارَةً مِنَ الْاَرْضِ اَوْ مَسْجِدًا بُنِیَ بِاَحْجَارِہٖ فَصَلّٰی فِیْهِ اِلَّا قَالَتِ الْاَرْضُ: صَلَّی اللّٰہُ فِیْ اَرْضِہٖ وَاَشْهَدُ لَکَ یَوْمَ تَلْقَاہُ۔“ (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۸)

ترجمہ:...... ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی زمین کی زیارت کے لئے جاتا ہے یا کسی مسجد میں جو کہ پتھروں کے ساتھ بنائی گئی ہو، اس میں نماز پڑھتا ہے، تو زمین اسے کہتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ تیری اپنی زمین پر رحمت فرمائے اور میں تیرے لئے گواہی دوں گی جس دن کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔“

”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: مَا دُمْتَ فِیْ صَلَاةٍ فَاَنْتَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِکِ، وَمَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْمَلِکِ یُفْتَحُ لَهٗ۔“ (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۰)

ترجمہ:...... ’’حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک تم نماز میں ہو، تم بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہو، اور جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔‘‘

زمین کی نمازی کے لئے گواہی:

پہلی روایت میں فرمایا کہ: کوئی آدمی کسی مکان کی زیارت کے لئے جائے، اپنے عزیز واقارب کو ملنے کے لئے جائے اور وہاں کی مسجد میں نماز پڑھے تو مسجد کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گھر میں رحمت نازل فرمائے اور میں تیرے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہادت دوں گی۔

یہ بات تو پہلے بھی معلوم ہوچکی ہے کہ کسی جگہ میں کوئی اچھا کام کرتے ہو یا کوئی برا کام کرتے ہو، قیامت کے دن زمین کے وہ ٹکڑے تمہارے حق میں شہادت دیں گے کہ اس نے میری پشت پر نیک کام کیا تھا، یا برا کام کیا تھا؟ اس لئے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی جگہ بدل لیتے ہیں، تاکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی گواہی دے اور دوسرا ٹکڑا بھی گواہی دے۔

تبلیغ والوں کے لئے مسجدیں اور زمین کی گواہی:

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے مشرق ومغرب کی زمین کے ٹکڑے اچھی گواہی دیں گے، جو لوگ تبلیغ میں چلے جاتے ہیں، بیچارے سال لگاتے ہیں، وہاں دھکے کھاتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑتے ہیں، زمین پر لیٹتے ہیں، بعض اوقات رہنے کے لئے ان کو مسجدیں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات مسجدیں بھی نہیں ملتیں۔

تبلیغی محنت کے اثرات:

میرے ایک دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئے، وہ آگے کسی اور جماعت

میں جارہے تھے، یہاں مسجد میں ان کو آنا ہی تھا، وہ میری گاڑی میں بیٹھ گئے، کہنے لگے کہ: ہمارا پہلا دورہ افریقہ میں ہوا تھا، وہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ کوئی اور چیز، ایک درخت کے نیچے ہم بیٹھ گئے اور بیٹھ کر فضائل اعمال کی تعلیم کرنے لگے، کتاب پڑھنے لگے، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ: تم پہلے مجھے مسلمان کرلو، پھر میں تمہیں اپنا ایک قصہ سناؤں گا۔

حالانکہ جماعت والوں کا اصول ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو دعوت نہیں دیتے، جماعتیں جب باہر جاتی ہیں تو اپنے مسلمان بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں، اس دعوت کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ غیر مسلموں کے دل میں بھی اسلام کی عظمت ڈال دیتے ہیں۔

ایک پادری کے اسلام لانے کا عجیب قصہ:

خیر جماعت والوں نے انہیں مسلمان کرلیا اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی اس کو بھی مسلمان کیا، تو وہ آدمی کہنے لگا کہ: میرا قصہ یہ ہے کہ میں یہاں گرجے کا پادری ہوں، یہ عیسائیوں کا ملک ہے، چند دن ہوئے کہ میں نے تم لوگوں کو خواب میں اسی درخت کے نیچے دیکھا، تمہارا ڈیرا لگا ہوا ہے اور یہی کتاب پڑھ رہے ہو، اس وقت سے میرے دل میں اسلام گھر کرگیا تھا، میں نے کہا کہ: میں ان لوگوں سے کیسے مل سکوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تم لوگوں کو بھیج دیا، میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اور یہ میری بیوی بھی مسلمان ہوتی ہے، پکے سچے مسلمان ہوگئے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ جماعت کا اصول یہ ہے کہ باہر غیر ملک جب جائیں اگر غیر مسلم مسلمان ہوجائے تو اس کو جماعت کے ساتھ چلانا پڑتا ہے، ان سے وقت لیا جاتا ہے، ورنہ تو مسلمان کرنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو میں نے کہا کہ: بھائی! تمہیں جماعت میں کچھ وقت دینا پڑے گا، وہ صاحب کہنے لگے کہ: بھائی! جتنا وقت کہو، اتنا ہی وقت دیں گے۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ وقت لگایا اور دعوت کے کام کو اتنی جلدی

سیکھ گیا کہ اچھے اچھے مشاق، سمجھدار لوگ بھی ایسی دعوت نہیں دیتے تھے، جس طرح وہ دعوت دیتا تھا۔ تو یہ قصہ مجھے اس پر یاد آ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کے لئے مشرق و مغرب کے ٹکڑے قیامت کے دن گواہی دیں گے، یہ لوگ قیامت کے دن اُٹھیں گے تو زمین کے یہ ٹکڑے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے۔

نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، ہم تو گھنٹی بجاتے ہیں، بجلی کا دور ہے ناں! پرانے زمانے میں دروازہ کھٹکھٹاتے تھے، تو وہ نمازی بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، یہ بادشاہ ایسا بے رحم نہیں ہے کہ اس کے لئے دروازہ نہ کھولے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اور محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دروازہ کھٹکھٹائے۔

نمازوں کے بعد اپنی ضرورت کی دعا مانگو:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِحْمِلُوْا حَوَائِجَكُمْ عَلَى الْمَكْتُوْبَةِ."

(کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۴۳)

اپنی ضرورتوں کو اپنی نمازوں پر اُٹھا رکھو! جو ضرورت تمہیں پیش آئے فرض نماز پڑھنے کے بعد وہ ضرورت مانگو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔ جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہو تو نمازِ حاجت پڑھ لو، نماز حاجت پڑھ کر خوب گڑگڑا کے مانگو، کسی کام کو کرنے کے لئے دوسرے اسباب کو اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے، لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے بنو، اس سے مانگنا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ

کی ذاتِ عالی کے سوا کوئی نبی یا ولی، کوئی آسمان والا یا زمین والا، دینے والا نہیں، وہی ایک دینے والا ہے، وہی ایک حاجت پوری کرنے والا ہے۔

مشکل کشا صرف اللہ ہے!

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: تمہیں کوئی تکلیف پہنچی، کوئی مصیبت پہنچی تو کہو: لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو پہنچانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوبارہ پھر کہو لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو ہٹانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: اپنی حوائج، اپنی ضروریات کو نماز پر اُٹھا رکھو، نماز کا وقت آئے، نماز پڑھو اور نماز پڑھ کر جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنی چیزیں، اپنی حاجتیں، اپنی ضرورتیں سوچ کر رکھا کرو کہ آج نماز میں یہ چیز مانگنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: ایک نماز دوسری نماز کے لئے کفارہ ہے، یعنی ایک نماز سے لے کر دوسری نماز کے درمیان میں جتنے گناہ ہوئے یہ نماز ان سب کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

نماز سے گناہ جھڑتے ہیں:

مصنف عبدالرزاق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَضَعَتْ خَطَايَاهُ عَلٰى رَأْسِهٖ فَلَا يَفْرُغُ مِنْ صَلٰوتِهٖ حَتّٰى تَتَفَرَّقُ عَنْهُ كَمَا تَتَفَرَّقُ عَذُوْقُ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا."

(کنزالعمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۴)

یعنی جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو گیا تو اس کی تمام غلطیاں اور تمام گناہ سر کے اوپر آجاتے ہیں، اور جب

نماز میں سجدے کے لئے جاتا ہے تو تمام گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کہ شاخ سے پھل گر جاتا ہے، یہ نماز توبہ ہے، کوئی گناہ ہوگیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازِ توبہ کی نیت کرو اور نماز کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگو۔

مؤمن کو توبہ کئے بغیر سکون نہیں ملتا:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ فِيْ اَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰى اَنْفِهٖ." (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

یعنی مؤمن بندے سے اگر غلطی یا گناہ ہوجائے تو اس پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے نیچے آ گیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کرلے اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگ لے اور اس کو اطمینان نہ ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کردیا ہوگا، کسی طریقہ سے بھی اس کو چین نہیں آتا۔ اور فرمایا کہ: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی تھی وہ اُڑادی، فرق کیا پڑا؟

مؤمن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور توبہ کرنا ایمان کی علامت ہے:

کسی مؤمن کا اپنے گناہوں کو یاد کرکے پریشان ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا یہ علامت ہے ایمان کی۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کی غلطیاں سر پر جمع ہوجاتی ہیں، جیسے کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

رات کی تاریکی سے نفع ونقصان اُٹھانے والے:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ اَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ سَلْمَانَ يَنْظُرُ اجْتِهَادَهُ، فَقَامَ يُصَلِّيْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَرَ الَّذِيْ كَانَ يَظُنُّ، فَذَكَرَ لَهُ ذَالِكَ، فَقَالَ سَلْمَانُ: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ! فَاِنَّهُنَّ كَفَّارَاتٌ لِهٰذِهِ الْجَرَاحَاتِ مَا لَمْ يُصِبِ الْمَقْتَلَةَ فَاِذَا اَمْسَى النَّاسُ كَانُوْا عَلٰى ثَلَاثِ مَنَازِلَ: فَمِنْهُمْ مَنْ لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ عَلَيْهِ وَلَا لَهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَا لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، فَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ ظُلْمَةَ اللَّيْلِ وَغَفْلَةَ النَّاسِ فَقَامَ يُصَلِّيْ حَتّٰى اَصْبَحَ فَذَالِكَ لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ غَفْلَةَ النَّاسِ وَظُلْمَةَ اللَّيْلِ فَرَكِبَ رَأْسَهُ فِي الْمَعَاصِيْ فَذَالِكَ عَلَيْهِ وَلَا لَهُ، وَرَجُلٌ صَلَّى الْعِشَاءَ وَنَامَ فَذَالِكَ لَا لَهُ وَلَا عَلَيْهِ، فَاِيَّاكَ وَالْحَقْحَقَةَ! وَعَلَيْكَ بِالْقَصْدِ وَدَاوِمْ!" (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۶)

یعنی طارق بن شہاب رحمہ اللہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دن قصداً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا، میرا مقصد یہ تھا کہ ان کی رات کی عبادت کو دیکھوں، عشا کی نماز پڑھی اور سوگئے اور ایسے سوئے کہ اُٹھے ہی نہیں، رات کا آخری حصہ جب باقی رہ گیا تو اُٹھے اور اُٹھ کر صبح صادق ہونے تک تہجد کی نماز پڑھی، میرا خیال تھا کہ یہ تو بہت عبادت کرنے والے بندے ہوں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس خطرے کو محسوس کرگئے اور فرمایا: پانچ نمازوں کی پابندی کرلو اور اس کے بعد یہ جو رات آتی ہے ناں! یہ تین قسم کے آدمیوں کے لئے

آتی ہے، بعض آدمی وہ ہیں کہ رات ان کے لئے ہے، ان پر وبال نہیں لوگوں کے سکون کو، لوگوں کے آرام کو رات کے اندھیرے کو اور رات کی تاریکی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ہے، مالک کے دروازے کو کھٹکھٹانے کا وقت ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، ان کے لئے نفع نہیں ہے، اس لئے کہ رات کا وقت ہوتا ہے لوگ اپنے ٹھکانے پر جاتے ہیں، سکون ہوجاتا ہے، رات چھاجاتی ہے تو ان کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا، ڈاکے ڈالنے کے لئے بہت اچھا وقت ہے، چوری کرنے کے لئے، کسی کا گھر لوٹنے کے لئے، بہت اچھا وقت ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، رحمت نہیں ہے۔ اور تیسرے قسم کے آدمی وہ ہیں جن کے لئے رات نہ وبال ہے نہ رحمت، سوگئے صبح ہوگئی اللہ! اللہ! خیر صلہ! رات صرف سونے کے لئے ہے اور کسی چیز کے لئے ہے یا پھر آج کل ٹی وی دیکھنے کے لئے ہے، یا پھر ریڈیو پر خبریں وغیرہ سننے کے لئے ہے، یا پھر لوگوں کی باتیں کرنے کے لئے، رات آدھی گزرگئی ہم سوگئے اور پھر ایسے سوئے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلی۔

رات کمائی کا وقت ہے!

بہت سارے دوست شکایت کرتے ہیں کہ جی صبح فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، سورج نکل آتا ہے، نماز قضا ہوجاتی ہے، کیوں نہ قضا ہو؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک رات کمائی کا وقت ہی نہیں ہے، کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے رات کمائی کا وقت ہے۔ مصنف عبدالرزاق نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: جب نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو گناہوں کے ساتھ جلانا شروع کردیتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا ہے تو ہم نماز پڑھ کر اس آگ کو بجھادیتے ہیں، ٹھنڈا کردیتے ہیں، پھر اگلا معاملہ شروع ہوجاتا ہے۔

نماز ادائے شکر کا ذریعہ:

ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقُلْتُ لَهُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ؟ ..... قَالَ: اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا؟“ (بخاری و مسلم)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے؟ آپؐ بخشے بخشائے ہیں، اس کے باوجود بھی اتنی محنت اُٹھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا، یہ احسان فرمایا کہ نہ صرف میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے، بلکہ امت کے لئے بھی شفاعت قبول فرمالی، تو میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

آنحضرتؐ کی نماز و روزہ کی کیفیت:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

”سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: مَا كُنَّا نَشَاءُ مِنَ اللَّيْلِ اَنْ نَرَاهُ مُصَلِّيًا اِلَّا رَأَيْنَاهُ وَمَا كُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَأَيْنَاهُ، وَكَانَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يُفْطِرُ مِنْهُ شَيْئًا، وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يَصُوْمُ مِنْهُ

شَیْئًا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۶۴)

یہ عجیب بات تھی کہ جب ہم چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتے تھے اور جب ہم چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لیٹا ہوا دیکھ سکتے تھے، جب چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افطار کے وقت دیکھ سکتے تھے۔

ایک آیت کی تلاوت پر پوری رات قیام:

نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک آیت پر پوری رات گزار دی:

"عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً حَتّٰی اَصْبَحَ بِآیَۃٍ وَالْآیَۃُ: اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۰۷)

ترجمہ:..... "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور صرف یہ آیت پڑھتے رہے کہ: اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ عذاب دینا چاہتے ہیں تو آپ عزیز وحکیم بھی ہیں۔"

پوری رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روتے رہے اور یہ آیت شریفہ پڑھتے رہے۔

تکلیف کے باوجود آپ کا تہجد میں لمبی سورتوں کا پڑھنا:

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے کہا کہ: یا رسول اللہ!

آپ کو تکلیف بہت زیادہ ہے، طبیعت بوجھل ہے، ارشاد فرمایا: اس کے باوجود میں نے تہجد میں سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، قرآن کریم کی ان سات طویل سورتوں میں سے صرف سورۃ البقرۃ ہی ڈھائی پارے کی ہے، اس کے باوجود میں نے سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، قَالَ: ثُمَّ مَضٰى، فَقُلْتُ: يُصَلِّيْ بِهَا فِيْ رَكْعَةٍ، فَمَضٰى فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيْهَا تَسْبِيْحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ، فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، ثُمَّ قَامَ طَوِيْلًا قَرِيْبًا مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى، فَكَانَ سُجُوْدُهُ قَرِيْبًا مِنْ قِيَامِهِ."

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۶۴)

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مجھے کیا سوجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے بھی آپؐ کے پیچھے نیت باندھ لی، نیت باندھ تو لی مگر پچھتایا بہت، سورۂ بقرہ شروع کردی، میں نے کہا کہ سو آیتیں پڑھ کر رکوع کردیں گے، لیکن آپ پڑھتے رہے، میں نے کہا کہ: سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھ لیں گے، (لیکن پھر آپ پڑھتے رہے، سورۂ آل عمران بھی پڑھی اور سورۂ نسا بھی پڑھی اور پڑھی بھی اس طرح نہیں جس طرح رمضانی حافظ پڑھتے ہیں، بلکہ) جہاں پناہ مانگنے کی آیت آتی، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں

کوئی رحمت کی آیت آتی، آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، یعنی آرام آرام سے سوچ سوچ کر اور ہر آیت کا حق ادا کرتے ہوئے ایک ہی رکعت میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد میں نے کہا: حضرت! آج تو میں بھی پھنس گیا، اب نہ نماز توڑ سکتا ہوں اور نہ چل سکتا ہوں، میری کمر اتنی دکھنے لگی کہ میں سیدھا نہیں ہوسکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پیچھے کھڑے ہو تو میں نماز کو مختصر کرلیتا۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّھَا ذُکِرَ لَھَا اَنَّ نَاسًا یَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ فِی اللَّیْلَةِ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ، فَقَالَتْ: اُولٰئِکَ قَرَؤُوْا وَلَمْ یَقْرَؤُوْا! کُنْتُ اَقُوْمُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَةَ التَّمَامِ فَکَانَ یَقْرَأُ بِالْبَقَرَةِ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ، فَلَا یَمُرُّ بِآیَةٍ فِیْھَا تَخْوِیْفٌ اِلَّا دَعَا اللّٰہَ وَاسْتَعَاذَ، وَلَا یَمُرُّ بِآیَةٍ فِیْھَا اسْتِبْشَارٌ اِلَّا دَعَا اللّٰہَ وَرَغِبَ اِلَیْہِ.“ (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۲۷۲)

ترجمہ:......”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا کہ: سنا ہے کچھ لوگ ایک رات میں قرآن کریم ختم کرلیتے ہیں، اور بعض دو دفعہ ختم کرلیتے ہیں! فرمایا: انہوں نے پڑھا بھی اور نہیں بھی پڑھا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھی، پوری رات قیام فرماتے تھے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا اکٹھی پڑھتے تھے، جس آیت میں تخویف ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ

سے دعا کرتے، جہاں کوئی ایسی بات ہوتی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں کوئی خوشخبری کی آیت ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رغبت کرتے۔“

مرض الوفات میں آپؐ کی نماز کا حال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کا یہ تو صحت میں حال تھا، مرض الوفات میں یہ ہوا کہ بار بار غشی آتی تھی، اس کے بعد ہوش آتا تو آپ سوال کرتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا جاتا: نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ پھر غشی ہوجاتی پھر ہوش آتا تو پوچھتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ کئی بار اس طرح ہوا تو ارشاد فرمایا کہ: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ لوگ اس کو نحوست پر محمول کریں گے، نعوذ باللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو یہ منحوس آگیا، مجھے یہ خیال ہوتا تھا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر کمزور آدمی ہے، رونا بھی ان کو بہت آتا ہے، جب ان کو یہ خیال آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہیں پڑھانے آئے تو ان سے برداشت نہیں ہوسکے گا، آپ کسی اور کو فرمادیجئے وہ نماز پڑھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبَ یُوْسُفَ!“ (بخاری ج:۱ ص:۹۹) تم یوسف کی سہیلیاں معلوم ہوتی ہو، وہ عورتیں زنانِ مصر زلیخا کے پاس سفارش کرتی تھیں، لیکن ہر ایک کے دل میں اپنا اپنا مطلب تھا، ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچایا گیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ دروازہ پاس تھا، لیکن تشریف نہیں لاسکتے تھے، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ طبیعت میں ہلکاپن محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آپ مسجد میں

تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں لکیریں کھینچتے ہوئے جارہے تھے، زمین پر پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے، ان دونوں صاحبوں کو فرمایا کہ: مجھے ابوبکر کے برابر میں بٹھادو!

امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ یعنی اگر دو آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ امام بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے ناں! اس لئے فرمایا بائیں طرف مجھے بٹھانا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ:

"..... یَقْتَدِیْ اَبُوْبَکْرٍ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلٰوۃِ اَبُوْبَکْرٍ."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۹)

ترجمہ:..... "لوگ اقتدا کر رہے تھے ابوبکر کی، ابوبکر اقتدا کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبّر تھے اور جس جگہ ابوبکر کی قرأت کی آواز پہنچی تھی وہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے سے شروع کردی، یہیں سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، تو اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز پڑھائی۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت والوں کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی جماعت کے ساتھ، آپ کی چارپائی کو لاکر مسجد میں صف کے برابر میں رکھ دیا جاتا تھا اور اسی طرح لیٹے لیٹے آپ نماز پڑھتے تھے، بیٹھ نہیں سکتے تھے، ایک بھی نماز جماعت کے ساتھ قضا نہیں ہوئی، ہمیں تھوڑ سا سر کا درد ہوجائے، تھوڑی سی تکلیف ہوجائے نماز کا ناغہ! اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا اہتمام نصیب فرمائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

نمازوں کے اوقات
اور
اس کی حکمتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”..... وَاِنَّ لِلصَّلَاةِ وَقْتًا اِشْتَرَطَهُ اللّٰهُ فَلَا تُصْلُحُ اِلَّا بِهٖ فَوَقْتُ صَلَاةِ الْفَجْرِ حِيْنَ يُزَايِلُ الْمَرْءَ لَيْلُهٗ وَيَحْرُمُ عَلَى الصَّائِمِ طَعَامُهٗ فَاٰتُوْهَا حَظَّهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ اِذَا كَانَ الْقَيْظُ فَحِيْنَ تَزِيْغُ عَنِ الْفَلَكِ حَتّٰى يَكُوْنَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ ..... مَعَ شُرُوْطِ اللّٰهِ فِي الْوُضُوْءِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ..... وَاِنَّ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ هَجَرُو السَّيِّئَاتِ، وَيَقُوْلُ اَقْوَامٌ جَاهَدْنَا، وَاِنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مُجَاهَدَةِ الْعَدُوِّ وَاجْتِنَابِ الْحَرَامِ. وَقَدْ يُقَاتِلُ اَقْوَامٌ يُحْسِنُوْنَ الْقِتَالَ، لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ الْاَجْرَ وَلَا الذِّكْرَ وَاِنَّمَا الْقَتْلُ حَتْفٌ مِّنَ الْحُتُوْفِ وَكُلُّ امْرِئٍ عَلٰى مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ۔“ (کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۱۳)

ترجمہ:.....”اور بے شک نماز کے لئے وقت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے شرط قرار دیا ہے، لہٰذا نماز وقت کے بغیر ادا

نہیں ہوتی (بے وقت نماز ادا نہیں ہوتی)۔ فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جب رات ختم ہوجاتی ہے اور جس وقت روزے دار پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے، یعنی صبح صادق ہوجاتی ہے، اس عرصہ میں اس نماز کو اس کا حصہ قرآن سے دیا کرو، اور ظہر کی نماز کا وقت جب سورج ڈھل جائے، یہاں تک کہ تیرے دائیں طرف آجائے، وضو، رکوع اور سجود میں اللہ کی شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے۔ اور بے شک مہاجر وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہوں کو چھوڑ دیا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے جہاد کیا، حالانکہ جہاد فی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! اور کچھ لوگ بڑی بہادری سے لڑتے ہیں، لیکن ان کا مقصود کوئی اجر وغیرہ نہیں ہوتا، اور قتل بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور ہر آدمی کی جیسی نیت ہوگی ویسا بدلہ ملے گا۔"

فجر کے فرائض اور سنن کی تعداد:

یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہے کہ نماز فجر کی سنت صرف دو ہی رکعتیں رکھی گئی ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان دو رکعت سنت کے علاوہ سورج نکلنے تک فرضوں سے پہلے بھی اور فرضوں کے بعد بھی کسی دوسری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، گویا صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز تک دو رکعت فرض کے علاوہ صرف دو سنتیں پڑھنے کی اجازت ہے، نفل وغیرہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں! نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی قضا نمازیں

رہتی ہوں تو اس وقت ان کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، لیکن لوگوں کے سامنے نہ پڑھے، اپنے گھر میں جا کر پڑھے۔

فجر کے فرائض وسنن میں اختصار کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے اوقات میں فرض نماز کی رکعتیں بھی زیادہ ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ نوافل کی بھی اجازت دی گئی ہے، سنتیں بھی ہیں، نفل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، جتنے چاہے نفل پڑھو، جبکہ اس وقت صرف دو رکعتیں فرض اور اس سے پہلے صرف دو سنت پڑھنے کی اجازت ہے اور کچھ نہیں تو آخر ایسا کیوں؟

جواب: یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ فجر کی نماز کو لمبا کیا جائے، جیسا کہ قرآن کریم نے فجر کی نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

”وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا.“
(بنی اسرائیل:۷۸)
ترجمہ:......”(اور پابندی کرو) فجر کے قرآن کی، بے شک فجر کا قرآن پڑھنا ایسا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔“
اس لئے فجر کی نماز لمبی پڑھنے کا حکم ہے۔

نماز میں کمزوروں کا لحاظ رکھا جائے:

لیکن اس بات کا لحاظ رہے کہ جماعت میں بعض کمزور ہوتے ہیں، بعض بیمار ہوتے ہیں، ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اس لئے نماز لمبی بھی ذرا مناسب کی جائے، اتنی لمبی نہ کی جائے کہ لوگ بیچارے اُکتا جائیں یا بیمار وغیرہ تنگ آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الْكَبِيْرَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَاِنَّ فِيْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، فَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ."

(مشکوٰۃ ص:۱۰۱)

ترجمہ:......"تم میں سے جو شخص امام بنے اس کو چاہئے کہ نماز ذرا ہلکی پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہوں گے، بیمار بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے اور ضرورت مند بھی ہوں گے (ان کو اپنی نماز کے بعد کسی کام سے جانا ہے) اور جب تم اپنی نماز پڑھو تو جتنی چاہو لمبی کرو۔"

دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صحابی کو نصیحت فرما رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: "وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ!" (مشکوٰۃ ص:۶۵) "تم جب امام بنو تو جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی اقتدا کرو۔" یعنی "اس کی اقتدا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ گویا تم اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو اور وہ نماز پڑھا رہا ہے، یعنی جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی رعایت رکھتے ہوئے نماز پڑھاؤ۔

ظہر اور عصر کا وقت؟

اس کے بعد ظہر کا وقت ذکر فرمایا کہ سورج جب ڈھل جائے اس وقت ظہر کی نماز پڑھو، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج اوپر ہو، خوب روشن ہو، ابھی دھوپ کی گویا ایک درجے میں گرمی باقی ہو اور سورج غروب ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ آدمی دو فرسخ کا فاصلہ چل سکے یا اونٹ پر سوار ہو کر چھ میل کی مسافت طے کر سکے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھ کر تقریباً ایک گھنٹہ میں یہ سفر ہو جائے گا۔

مغرب و عشاء کا وقت؟

مغرب کی نماز پڑھو جوں ہی کہ سورج غروب ہو جائے اور عشاء کی نماز پڑھو جبکہ رات کی تاریکی چھا جائے اور افق کی سرخی جاتی رہے۔ اس وقت سے لے کر تہائی رات کے اندر اندر تک نماز پڑھو۔

عشاء سے پہلے سونا:

عشاء کی نماز سے پہلے سوؤ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ." (مشکوٰۃ ص:۶۰) (جو شخص اس (عشاء کی نماز سے پہلے سو گیا، اللہ کرے) اس کی آنکھ نہ لگے، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کو نہ سلائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اللہ کرے اس کو سونا نصیب نہ ہو جو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا۔

قبل از وقت اور بعد از وقت نماز:

یہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر نماز کا وقت گزر گیا تو نماز قضا سمجھی جائے گی اور قضا پڑھنی پڑے گی۔

مجبوراً نماز کا وقت گزر جانے کی صورتیں؟

یہ بات بھی یاد رہے کہ وقت کا گزر جانا کبھی عذر کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے اور کبھی آدمی کو کسی کام میں ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ اس کام سے ہٹ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر، مریض کا آپریشن کر رہا تھا، وہ آپریشن اتنا لمبا ہو گیا کہ ڈاکٹر اس کو نہ درمیان میں چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ یا مثال کے طور پر مسلمان حالتِ جنگ میں ہیں اور کوئی شکل ایسی بھی نہیں

ہوسکتی کہ دو جماعتیں بنا کر صلوٰۃ الخوف پڑھ لی جائے، جس کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ احزاب میں چار نمازیں قضا ہوگئی تھیں، وہ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اکٹھی پڑھی تھیں، اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃَ الْعَصْرِ، مَـلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا۔'' (مشکوٰۃ ص:۶۳)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے، انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے مشغول کردیا، ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔''

تو اگر خدانخواستہ کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ آدمی نماز پڑھنے پر قادر ہی نہ ہو تو بعد میں قضا کرے اور اگر جان بوجھ کر وقت گزار دیا نماز نہیں پڑھی یا کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی، بلکہ محض دکان پر گاہک تھے، جبکہ ان کو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ بھائی نماز کا وقت ہوگیا، چلو نماز پڑھیں، فی الحال دکانداری ختم! تو یہ بات کہہ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود نماز چھوڑ دی۔ تو دکان پر ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا چھوڑ دینا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

بلا عذر تارکِ نماز کا حکم؟

اگر کوئی آدمی بغیر عذر کے نماز چھوڑتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جان بوجھ کر ایک نماز قضا کرنے سے مرتد ہوگیا، یہ حضرت پیرانِ پیر کے امام کا فتویٰ ہے، جن کی لوگ گیارہویں دیتے ہیں! لوگوں کا بھی عجیب حال ہے، نماز تو پڑھتے نہیں لیکن گیارہویں دیتے ہیں، یہ ان کے امام کا

فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ آدمی توبہ کرسکتا ہے اور نہ ہی قضا کرنے سے اس کا گناہ اتر سکتا ہے، اتنا سنگین فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے نماز چھوڑنے والا مرتد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: "مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ!" (طبرانی بحوالہ اتحاف ج:۳ ص:۱۰) (جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کردیا، وہ کافر ہوگیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو کافر تو نہیں کہیں گے لیکن وہ واجب القتل ہے، لہٰذا اس کو قتل کیا جائے گا۔

شرح مہذب میں امام نووی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ بھی تارکِ صلوٰۃ کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور ہم بھی، لیکن ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطورِ سزا قتل کا حکم دیتے ہیں، اور امام احمدؒ اس کو مرتد سمجھتے ہوئے واجب القتل قرار دیتے ہیں، اس لئے اس کو قتل کرنے کے بعد ہمارے نزدیک اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ہمارے نزدیک اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

جان بوجھ کر نماز قضا کردینا شریعت کی نظر میں بہت سنگین جرم ہے، لیکن افسوس! کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں، اچھے خاصے نمازیوں کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی معمولی سا کام پیش آگیا تو نماز چھوڑ دی اور سفر کی حالت میں تو شاید ہم پر ویسے بھی نماز معاف ہوجاتی ہے، اور عذر یہ تراشتے ہیں کہ جی یہاں جگہ کہاں ہے؟ یہاں ریل گاڑی میں کیسے نماز پڑھیں؟ یا اگر بس میں سفر کر رہے ہیں تو ہمارے پاس یہ بہانہ ہوتا ہے کہ بس والا گاڑی کھڑی نہیں کرتا، ہم کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اپنا حال بتاتا ہوں۔

سفر کے دوران نمازوں کا اہتمام:

میں نے سالہا سال تک ریل کا اور بس کا سفر کیا، میرا ہمیشہ کا معمول تھا کہ ریل میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور اگر بس کا سفر ہوتا تو بس والے سے کہہ دیتا تھا کہ تمہاری بس پر سفر کرنے کی میری یہ شرط ہوگی کہ بس کو فلاں جگہ پر جا کر روکو گے اور اگر نہیں روکتے تو ٹکٹ ہی نہیں لیتا، یا اگر بس پر سوار ہوتا اور نماز کا وقت ہوجاتا تو اس بس سے اتر جاتا اور بس والوں سے کہہ دیتا تھا کہ تم بس لے کر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ!

ریل میں باجماعت نماز کے اہتمام کی برکت:

میرے بھائی تھے مولانا سلیمان طارق صاحبؒ، یہاں بھی انہوں نے ایک بار تقریر کی تھی، اب تو ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک دفعہ انہوں نے میرے ساتھ ریل کا سفر کیا، میں نے ریل گاڑی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، کئی سال کے بعد وہ مجھے کہنے لگے کہ: اس دن آپ کے ساتھ جو ریل گاڑی میں نماز باجماعت پڑھی، اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میری نماز قضا نہیں ہوئی، ورنہ میں ریل گاڑی میں نماز باجماعت تو دور کی بات ہے، سرے سے ریل گاڑی کی وجہ سے نماز بھی چھوڑ دیتا تھا، اور بعد میں قضا کرلیتا تھا۔ مولانا صاحب واعظِ قوم تھے، بڑے اچھے مقرر تھے، لیکن سفر میں نماز کی اہمیت ہی نہیں ہے۔

سفر میں تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے، نماز کا نہیں:

سفر میں کھانے کا اہتمام ہے، پینے کا اہتمام ہے، سردی گرمی سے بچنے کا اہتمام ہے اور انسانی حوائج وضروریات کا اہتمام ہے، بچے ساتھ ہوں تو ان کے لئے دودھ کا اہتمام ہے، اگر اہتمام نہیں ہے تو صرف نماز کا نہیں ہے، ہمارے ذہن میں نماز کی اتنی بھی قیمت نہیں جتنی روٹی اور پانی کی قیمت ہوتی ہے، اور عذر یہ کرتے ہیں

کہ صاحب نماز کیسے پڑھیں؟ اتنی تو بھیڑ ہے اور جگہ بھی گندی ہے۔ یہ تو مردوں کا حال ہے، اور عورتوں کا حال یہ ہے کہ - اللہ تعالیٰ معاف کرے- گھر میں بیٹھی ہوئی لوگوں کی غیبتیں کرتی کرتی نماز قضا کرلیتی ہیں، کوئی نیک بخت خاتون ہوگی جو وقت پر نماز پڑھتی ہوگی، ورنہ عموماً قضا کر کے نماز پڑھتی ہیں، اور بطورِ خاص عصر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جبکہ سورج پیلا ہوجائے گا اور فجر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جب سورج طلوع ہو رہا ہوگا، انا للہ وانا الیہ راجعون!

جماعت کی برکت کا قصہ:

میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر تھے، ان کی تفسیر ''معارف القرآن'' بھی ہے، بخاری شریف کی بھی شرح لکھ رہے تھے، بیضاوی شریف کی بھی شرح لکھی، بہت بڑے فاضل تھے، ان کی تقریر سن کر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ دوبارہ پیدا ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا علم عطا فرمایا تھا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ ان کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ رجالِ آخرت میں سے ہیں، ان کو دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ مظاہر العلوم میں غالباً مقاماتِ حریری پڑھتے تھے، بعد میں انہوں نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی تھی، تو ایک دن استاذ نے سبق کے وقت کسی کام سے بھیج دیا، آنے میں دیر ہوگئی، اب یہ بیٹھ کر رونے لگے، استاذ نے شفقت کے طور پر ان سے فرمایا کہ: بھئی! سبق میں نے پڑھایا ہے، میں پورا سبق دوبارہ پڑھادوں گا، آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، استاذ سے کہنے لگے: حضرت! بات سبق کی نہیں، وہ تو میں خود بھی مطالعہ کر کے نکال لوں گا، مگر مجھے جس چیز کا غم ہے وہ یہ بات ہے کہ درس کے وقت جو جماعت بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھی اس پر جو برکت نازل ہو رہی تھی اس برکت کو میں دوبارہ کیسے حاصل کروں گا؟ درس کے وقت

جو جماعت پڑھ رہی تھی اور ان پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے جو ایک خاص سکینت نازل ہو رہی تھی وہ میں اب کیسے حاصل کروں گا؟ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر جن کی برکت سے یہ دین ہمیں ملا ہے۔

ایک بزرگ کی نماز قضا ہونے کا قصہ:

ایک بزرگ کی نماز باجماعت قضا ہوگئی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.'' (مشکوٰۃ ص:۹۵)

ترجمہ:...... ''جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا بڑھ جاتا ہے۔''

یعنی جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا ملتا ہے۔ تو اس بزرگ نے اپنے نفس سے کہا کہ اب تجھ سے ستائیس مرتبہ نماز پڑھواؤں گا۔ مثال کے طور پر اگر چار رکعت کی نماز تھی تو ستائیس مرتبہ چار رکعتیں پڑھواؤں گا، فرض تو ایک ہی ہوگا باقی تجھ پر نفل جرمانہ کروں گا۔ چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا، ستائیس مرتبہ نماز پڑھ چکے تو غیب سے آواز آئی کہ تم نے بڑی محنت کرلی، تمہیں جماعت کی نماز کا ثواب تو عطا فرمادیں گے لیکن جب امام نے کہا تھا: ''ولا الضالین'' اور پیچھے مقتدیوں نے کہا تھا: آمین! اور اس آمین کہنے میں فرشتے بھی شامل تھے، ان فرشتوں کی دعا کو کہاں سے لاؤ گے؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا اور جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے!

اوّل وقت میں نماز کی فضیلت:

حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

"اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا!" (مشکوٰۃ ص:۶۱)

ترجمہ:...... "سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اوّل وقت پر نماز پڑھنا! اور ایک روایت میں ہے کہ: وقت پر نماز پڑھنا!"

باجماعت نماز پڑھنے کا راز:

اس حدیث کے پیش نظر امام شافعیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت پر پڑھنا چاہئے۔ ہم نے کہا کہ: حضرت! اول وقت سے مراد مستحب وقت ہے، مستحب وقت کے اول میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ جو اوقاتِ پنجگانہ ہیں، ان اوقات میں حق تعالیٰ شانہ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے خاص عنایات ہوتی ہیں اور ان اوقاتِ پنجگانہ میں جو نمازیں فرض کی گئی ہیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آتا ہے کہ آؤ عنایت اور رحمتِ الٰہی کا لنگر تقسیم کیا جارہا ہے تم بھی اپنا حصہ لے لو، لیکن تم نماز باجماعت کے لئے نہیں گئے جس کی وجہ سے ان عنایات اور رحمتِ الٰہی سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری چار رکعت کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے بلوا رہے تھے، تم نے وہ وقت ہی ٹال دیا۔ اس لئے نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کا اہتمام ہونا چاہئے، سفر میں بھی اس کو معمولی چیز نہ سمجھو۔

حضرت داؤدؑ کے ہاں عبادت کی اہمیت:

یوں تو ہر نبی اللہ کا مقدس و برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، مگر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ بہت نیک آدمی تھے، آہن گر تھے، یعنی لوہے کا کام

کرتے تھے اور لوہار تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ لوہا گرم کیا ہوا ہے اور ہتھوڑا سر کے اوپر اُٹھایا ہوا ہے، ادھر اللہ اکبر کی آواز آئی وہیں ہتھوڑا چھوڑ دیا، یعنی ہتھوڑا سر پر اُٹھایا ہوا ہے، لیکن لوہے پر نہیں ماریں گے، نیچے رکھ دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو ان چیزوں کی قیمت معلوم تھی، ان چیزوں کی عظمت ان کے دل میں تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ عظمت نصیب فرمائے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ نمازوں کے اوقات ذکر فرمائے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا." (النسآ:۱۰۳)

ترجمہ:...... "بے شک نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی ہے وقت پر۔"

یعنی ایک تو ان پر یہ بات لکھ دی گئی کہ یہ کام ان کو لازماً کرنا ہے اور دوسرے یہ نہیں کہ وقت بے وقت جیسے چاہیں پڑھ لیں، بلکہ خاص خاص اوقات میں یہ نماز ادا کرنی ہے۔

نمازوں کے اوقات کی حکمتیں:

اور اکابرِ امتؒ نے ان اوقات کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ فلاں وقت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت ہوئی تھی، اس عنایت میں سے اپنے بندوں کو حصہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی نماز فرض کردی، فلاں وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان ختم ہونے کے بعد جودی پہاڑ پر لگی تھی، چھ مہینے کشتی پانی پر تیرتی رہی اس وقت سوائے پانی کے روئے زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، جودی پہاڑ پر کشتی جب رُکی تو

حضرت نوح علیہ السلام نے بطورِ شکرانہ نماز پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَقِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ ......“ (ہود:۴۴)

ترجمہ:...... ”اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان! تھم جا، اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا، وہ پانی نگل گئی اور کشتی جودی پہاڑ پر جا کر لگ گئی تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے رفقا کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی جو عنایت و رحمت ہوئی اس میں سے حصہ دینے کے لئے فلاں وقت کی نماز مقرر کی گئی، اسی طرح اور بھی اکابرؒ نے بہت سی حکمتیں ذکر کی ہیں، مگر ہم سے وہ اونچی چیزیں ہیں۔

مہاجر کے معنیٰ:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: آدمی کہتا ہے کہ میں نے ہجرت کی ہے، میں بھی ہجرت کر کے آیا ہوں، حالانکہ اس نے ہجرت نہیں کی، کیونکہ مہاجرین تو وہ ہیں جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔ ”**فان المهاجرين الذين هجروا السيئات!**“ جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔

ہجرت کی وجوہ اور ان کا حکم:

بھائی! مہاجر کے معنی ترکِ وطن کے ہیں، وطن کو چھوڑ دینا، اور وطن کو چھوڑنا کئی وجوہ سے ہوتا ہے، بعض لوگ امریکہ جا کر وہاں کی شہریت حاصل کر لیتے ہیں، کیوں جاتے ہیں؟ صرف اس لئے نا کہ وہاں کھانے پینے کو ملتا ہے! امریکہ کا گرین

کارڈ لوگوں کے نزدیک ایسا ہے گویا جنت کا ٹکٹ مل گیا ہو! یا شاید جنت کا ٹکٹ بھی ان کے نزدیک اتنا قیمتی نہ ہو، یہ لوگ ہجرت کرکے چلے گئے، امریکہ چلے گئے یا کسی اور ملک چلے گئے اور وہاں کی شہریت حاصل کرلی، پاسپورٹ بھی وہاں کا بن گیا، اور ترکِ وطن کبھی نوکری کے لئے ہوتا ہے، کبھی تجارت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی دوسرے مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کا مفہوم:

پہلے زمانے میں کبھی کبھی ترکِ وطن عشق کے لئے ہوتا تھا، اب تو عشق کو لوگ جانتے ہی نہیں ہیں، بدمعاشی کا نام ''عشق'' کر رکھا ہے، اور کبھی کبھی ترکِ وطن ہوتا ہے دین کی خاطر! ہندوستان پر جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو بہت سارے لوگ ترکِ وطن کرکے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ چلے گئے، اور ویسے بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، لیکن اب حکومتوں کی پابندیاں ہیں، حالانکہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں موت آئے۔ تو شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا، یہ مہاجر ہے۔

مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دین پر عمل نہیں کرنے دیا جارہا تھا، مسلمانوں کو حکم تھا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آجائیں، صحابہ کرامؓ حبشہ کی طرف بھی دو مرتبہ گئے تھے۔

ہجرت کتنا بڑا عمل ہے؟

اور یہ ہجرت اتنا بڑا عمل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ! وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا! وَاِنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ!''

(مشکوٰۃ ص:۱۴)

یعنی ایک آدمی غیر مسلم تھا، مسلمان ہوگیا، پہلے کے سارے گناہ معاف! اور ہجرت کرلی تو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور حج کرلیا، بشرطیکہ حج، حجِ مبرور ہوتو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور اگر حج میں داڑھی منڈواتے رہے تو پھر کیا؟ جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

کعبہ بھی گئے پر نہ چھوٹا عشق بتوں کا!
اور زم زم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی!

ہمارا کیا حال ہے؟ ہماری کیفیت تو وہ ہے کہ جو عشقِ مجازی اور جو جو بیماریاں ہم ساتھ لے کر جاتے ہیں، وہی واپس لے کر آتے ہیں، تو ہجرت بہت بڑا عمل ہے، لیکن اب ہم کہنے کو تو مہاجر ہوگئے لیکن ہجرت کے تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کو سوچا جائے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر وہ ہیں کہ جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا اور یہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ترجمانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ!"
(مشکوٰۃ ص:۱۲)

ترجمہ:......"مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے ہاتھ سے اور اس کی زبان سے محفوظ رہیں۔"

اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجاہد ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، فرمایا کہ: جہاد فی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! حدیث شریف میں فرمایا: "اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ

نَفْسُکَ الَّتِی بَیْنَ جَنْبَیْکَ" تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے، اس سے تو کبھی لڑائی نہیں کی، دشمنوں سے جہاد کر رہے ہیں، یہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، سب سے بڑا کافر تمہارا نفس ہے، ذرا اس سے بھی مجاہدہ کر کے لڑائی کی ہوتی، اور اس نفس کے ساتھ کبھی مجاہدہ کیا ہے؟ نفس سے مجاہدہ کا مطلب ہے اس کی خواہشات کو پورا نہ کرنا۔

نفس کی مخالفت کا قصہ:

سلطان الہند خواجہ نظام الدین اولیاؒ قدس سرہٗ ایک دفعہ بیمار ہوئے، بیماری کچھ زیادہ سخت ہوگئی، خدام نے عرض کیا کہ: حضرت! یہاں ایک ہندو ہے، جو بیماری سلب کر لیتا ہے، توجہ ڈال کر بیماری چوس لیتا ہے، اس کو بلالیں؟ ارشاد فرمایا: بیماری اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، محبوب کی دی ہوئی چیز کو دور کرنے کے لئے محبوب کے دشمن کو بلانا غیرت کے خلاف ہے! یعنی یہ غیرت کی بات ہے کہ ایک ہندو کو بیماری کی وجہ سے بلائیں! اس بیماری کی وجہ سے آپ کو بیہوشی ہوگئی، دوستوں نے اپنے طور پر اس ہندو کو بلالیا، کیونکہ حضرت تو بیہوش تھے، وہ ہندو آیا، وہ چونکہ اپنے فن کا ماہر تھا، مراقبہ کر کے بیٹھ گیا اور بیماری سلب کرنا شروع کردی، حضرتؒ چارپائی پر اُٹھ کے بیٹھ گئے، اس نے اپنا عمل مکمل کرلیا، سلطان الہندؒ اپنے دوستوں پر غصہ ہوئے اور فرمایا: میں نے تمہیں منع کیا تھا، اگرچہ تم نے محبت کی وجہ سے کیا، لیکن میری منشا کے خلاف کیا ہے، اب اس ہندو کا مجھ پر احسان ہے اور اس احسان کا بدلہ دینا چاہئے۔ حضرت سلطان الہند قدس سرہٗ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: میاں! تمہیں اتنا بڑا کمال کیسے حاصل ہوا؟ وہ کہنے لگا: جی! میرے گرو نے کہا تھا کہ جس چیز کو نفس چاہے اس کی مخالفت کرنا، اور جس چیز کو نفس نہ چاہے وہ کرنا! میں نے ساری زندگی کے لئے یہ اصول اپنالیا، آج اگر دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے تو نہیں کھاؤں گا اور فلاں چیز کو چاہتا ہے نہیں کروں

گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: بھائی! تم ہو تو بڑے باکمال اور تمہارا اصول بھی بہت اچھا ہے، لیکن تمہارا اصول پکا نہیں کچا ہے۔ کہنے لگا: نہیں جی! میرا اصول بہت پکا ہے، ساری عمر کا اصول ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا: میں ابھی امتحان لے لیتا ہوں کہ تمہارا اصول پکا ہے یا کچا ہے؟

حضرتؒ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: سچ سچ بتاؤ تمہارا دل مسلمان ہونے کو چاہتا ہے یا نہیں؟ ہندو کہنے لگا کہ: حضرت! مسلمان ہونے کو میرا دل نہیں چاہتا! حضرتؒ نے فرمایا: پھر نفس کے خلاف ہوا ناں؟ اب اگر تمہارا اصول پکا ہے تو مسلمان ہو جاؤ، اور اگر مسلمان نہیں ہوتے تو معلوم ہوا کہ یونہی بناوٹی سا اصول ہے پکا نہیں! تو وہ کسی قدر سوچنے کے بعد کہنے لگا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ! حضرتؒ نے فرمایا: جا تم نے مجھ پر احسان کیا تھا، میں نے تم پر احسان کیا، احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے، اس لئے تجھے مسلمان کر دیا۔ اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے پاس تجھے بھیجا ہی اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسلام کی دولت عطا فرمائیں۔ اب وہ ہندو مسلمان ہو گیا اور ٹھیک ٹھاک مسلمان ہوا پھر تو حضرت کی خدمت میں رہ گیا اور حضرتؒ سے خلافت حاصل کی، مجاہدہ تو اس نے پہلے ہی بہت کیا ہوا تھا۔ میاں! نفس کی مخالفت کا نام مجاہدہ ہے۔

گھر بھی مجاہدہ کا میدان ہے:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: بھئی! پہلے زمانے میں بزرگ مجاہدے کرایا کرتے تھے، بزرگ چلّے کھنچواتے تھے، بڑی بڑی محنت کروایا کرتے تھے، لیکن اب لوگوں کے پاس فرصت بھی نہیں ہے، صحت بھی نہیں ہے، ہمت بھی نہیں ہے اور طلب بھی نہیں ہے، اب تو یہ چھوٹے چھوٹے مجاہدے ہیں ان پر ہی پکے ہو جاؤ! اور فرمایا کرتے تھے کہ: تمہارا گھر مجاہدے کا میدان ہے! بیوی

سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، بچوں سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، دوستوں سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، نفس کی ناگواریوں پر صبر کرو اور نفس ایک کام کرنا نہیں چاہتا، اس سے وہ کام کرواؤ، اور نفس چاہتا ہے ایک غلط کام کرنے کو اس کو روکو، اس کی لگام تھامو! بیوی جب بک بک کرتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ دو چار تھپڑ ہی لگادیں، لیکن نہیں! نفس کو روکو! یہ تمہارا مجاہدہ ہے، صبر کرو اور اپنے نفس کو تھپڑ لگاؤ۔

نفس سب سے بڑا دشمن:

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلو میں ہے۔ اور سب سے بڑے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد سے تشریف لا رہے تھے، ارشاد فرمایا:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ!" (اتحاف ج:۶ ص:۳۷۹)

ترجمہ:......"ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں!"

کافروں سے جو جہاد کر رہے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے بھی دشمن تھے، مگر نفس بھی تمہارا دشمن ہے، اس کی مخالفت کرنا اور اس سے لڑنا بھی جہاد ہے، تمہارا نفس چاہتا ہے شریعت کے خلاف یہ کریں، یہ کریں، یہ کریں، اس سے کہو کہ قطعاً نہیں کریں گے! لیجئے آج سے تمہیں ولی اللہ کی سند مل جائے گی، ایک آن میں ولی اللہ بن جاؤ گے۔

اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں:

آج سے طے کرلو کہ خلافِ شریعت کام جو نفس چاہے گا نہیں کریں گے، اسی کو عارف فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، لوگ کہتے ہیں: اللہ کا راستہ بہت لمبا ہے، جی ہاں! لمبا تو ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات بھی غیرفانی اس کا راستہ بھی غیرفانی، جس طرح اس ذات کی کوئی حد نہیں، اسی طرح اس کے راستے کی بھی کوئی حد نہیں، ساری عمر چلتے رہو تو ایسا لگے گا کہ ایک قدم بھی طے نہیں ہوا، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ: ہمارا جو راستہ ہے، الحمدللہ! جو قدم اُٹھتا ہے وہی منزل ہے، ہر قدم ہماری منزل ہے، جس قدم پر موت آگئی انشاء اللہ! وہ قدم مقبول ہوگئے، پار ہوگئے۔

اللہ کے راستہ کے دو قدم سے کیا مراد ہے؟

تو بزرگ فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، ایک قدم نفس کی گردن پر رکھو، دوسرا محبوب کی منزل میں رکھو! پہلا قدم نفس کی گردن پر رکھو اور دوسرا محبوب کے کوچے میں رکھو! پہنچ گئے، لیکن کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، کہہ دینا آسان لیکن کرنا مشکل!

نفس کو رام کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت:

اور یہ نفس کوئی رام ہونے والی چیز ہے؟ یہ تو سرکش گھوڑا ہے، اس کے لئے تو بڑا ماہر سائیس چاہئے، جس کے ہاتھ میں چھانٹا بھی ہو اور یہ گھوڑا جتنا اچھلے، کودے، وہ اس کی پشت سے چپک جائے، اور سنگلاخ زمین میں ڈال کر اس کے پاؤں توڑ دے، اس لئے فرماتے ہیں کہ:

نفس نتواں کشت اِلّا ظلِّ پیر!

کسی مرشد کے سائے میں پناہ لو تو یہ نفس مرے گا، ایسے نہیں مرتا، کہہ دینا

آسان، کرنا مشکل، تو غرضیکہ مجاہد وہ نہیں جو کافروں سے لڑا، مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑا۔

جہاد کا مقصد؟

اس کے بعد فرمایا کہ: بعض لوگ اجر کے لئے، تنخواہ کے لئے لڑتے ہیں، بعض لوگ شہرت کے لئے لڑتے ہیں، اور یہ قتل ہونا بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، ہر آدمی کو جیسی اس کی نیت ہوگی ویسا بدلہ ملے گا، اور بعض دفعہ ایک آدمی بہادر ہوتا ہے، اس کے دل سے ہی جوش اُٹھتا ہے لڑنے کا، یہ نہیں کہ وہ شہرت چاہتا ہے، یہ نہیں کہ اس کو کسی نے پیسے دیئے ہیں، یہ تمام چیزیں اپنی جگہ، لیکن جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے لڑے، محض اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے، زمین، وطن، قوم، قبیلہ، عصبیت کوئی چیز مدِنظر نہیں، لڑائی میں محض رضائے الٰہی مدِنظر ہے، تو یہ شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے، اور جو شخص اس راستے میں مرے وہ اللہ کے راستے میں مرنے والا ہے، اس کو شہید فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

دنیا میں رہنے کا سلیقہ!

حضرت ابودرداءؓ کی نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَا تَزَالُ نَفْسُ اَحَدِکُمْ شَابَّۃً فِیْ حُبِّ الشَّیْءِ وَلَوِ الْتَقَتْ تَرْقُوَتَاہُ مِنَ الْکِبَرِ اِلَّا الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔“ (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۳)

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: ثَلَاثٌ مِنْ مَلَاکِ اَمْرِ ابْنِ اٰدَمَ: لَا تَشْکُ مُصِیْبَتَکَ، وَلَا تُحَدِّثْ بِوَجْعِکَ، وَلَا تُزَکِّ نَفْسَکَ بِلِسَانِکَ۔“

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۴)

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَدَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ! وَدَعْوَۃَ الْیَتِیْمِ! فَاِنَّھُمَا تَسْرِیَانِ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ!“

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِنَّ اَبْغَضَ

النَّاسِ اِلَیَّ اَنْ اَظْلِمَهٗ مَنْ لَّا یَسْتَعِیْنُ عَلَیَّ اِلَّا بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ." (حلیۃ الاولیاءؒ ج:۱ ص:۲۲۱)

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ایک کا نفس جوان رہتا ہے کسی چیز کی محبت میں خواہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: تین چیزیں بندے کے معاملے کا مدار ہیں:

۱:......ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو۔

۲:......دوسری یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔

۳:......اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو، اس کو پاک نہ بتاؤ۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو! اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: میرے نزدیک لوگوں میں سب سے برا یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی مدد نہیں لے سکتا۔"

آدمی کے نفس کا جوان رہنا:

یہ حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ، حکیم الامت کے چند مواعظ ہیں:

ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے، چاہے وہ اتنا بوڑھا ہوگیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہوں، یعنی منہ نہیں کھلتا، مگر نفس کی جوانی نہیں جاتی، وہ اب تک جوان ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو، وہ تو مستثنیٰ ہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

"یَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَیَشُبُّ مِنْهُ اثْنَانِ: اَلْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ، وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ!" (مشکوٰۃ ص:۴۴۹)

ترجمہ:...... "آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے، لیکن دو خصلتیں اس کے اندر جوان ہوتی رہتی ہیں، جوں جوں اس کی عمر ڈھلتی جاتی ہے یہ دو عادتیں اس کی جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک مال کی محبت، اور دوسری طول العمر یعنی زیادہ جینے کی محبت۔"

یہ چیز انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے، اور رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل تمام چیزوں سے سرد ہوجاتا ہے، بہت کھالیا، بہت کمالیا، اب چھوڑ دیں قصہ، اللہ تعالیٰ نے گھربار دیا ہے، آل و اولاد دی ہے، بہت وقت گزار دیا ہے، اب آگے کی تیاری کریں، لیکن نہیں، اس حالت میں بھی بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا، جبکہ پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں، چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور شیخ چلّی کی طرح اپنی آرزوئیں پکاتا رہتا ہے، یہ فطری چیز ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے، خوفِ خدا ان کے دل میں ہے، ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔

بادشاہ، بزرگ اور شاہی شیخ الاسلام کا قصہ:

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا، وہ سرکاری ''شیخ الاسلام''، جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو ''شیخ الاسلام'' بنایا تھا، اللہ تعالیٰ معاف کرے! تو بادشاہ بزرگ سے بہت ادب سے ملا، بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب اللہ والوں کو دیکھتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ ملتے ہیں، شیخ الاسلام صاحب جل گئے کہ اس بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے، ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا، چلتے ہُوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ: بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے؟ ہمارے کام کی چیز نہیں ہے، آپ لے جایئے ضرورت مندوں میں تقسیم کردیئے، یہ میرے کام کی چیز نہیں ہے۔

جس کے دل میں دنیا کی عزت نہ ہو، مخلوق اس کی عزت کرتی ہے:

دنیا ایک ایسی چیز ہے، اس کا تجربہ کرو کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو، اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو، خواہ ہم اپنی جگہ کتنے بھی حریص ہوں دنیا کے لیکن دوسرے آدمی کے دل میں جب ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں، روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے، کم ہوجاتی ہے، تو اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے یہ سمجھا کہ اس کی تو اور بھی وقعت بادشاہ کے دل میں پیدا ہوجائے گی، شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے ابھی پڑھی ہے کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، یعنی پرورش پاتی رہتی ہیں، مال کی محبت اور دنیا میں زندہ

رہنے کی محبت۔“

شیخ الاسلام کا مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے، لیکن نمائش کے طور پر آپ ترکِ دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔

وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں“ جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہوگیا ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں، پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں!

شیخ الاسلام صاحب اس بزرگ کا جواب سن کر اتنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

بادشاہوں کے حاشیہ نشین علماً:

پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ یُخَالِطُوا السُّلْطَانَ! فَاِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْیَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ، فَاحْذَرُوْهُمْ!“ (کنز العمال ج:۱۰ حدیث:۲۸۹۵۳)

ترجمہ:......”علماً رسولوں کے امین ہیں جب تک کہ حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں! اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے، اقتدار کے قریب ہوکر رہیں، تو ان سے بچو! (اس لئے کہ وہ دین کے ڈاکو ہیں)۔“

غلام احمد قادیانی کی طرح شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے!

محبتِ الٰہی اور حُبِّ دنیا یکجا نہیں ہوسکتیں:

اس کو حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، جس کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں، پاک اور ناپاک، اور ایک ہی دسترخوان پر دونوں چیزوں کو یعنی گندگی کو اور پاک چیز کو جمع نہیں کیا جاسکتا، جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، اس دل کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو ناپاک کی محبت نہیں ہوسکتی، اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے اس کا دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں، ان کے لئے آنا جانا برابر ہوتا ہے، دنیا آئے تو خوشی نہیں، جائے تو غم نہیں، ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سارے لوگوں کو اگر نقصان کی اطلاع مل جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا ہے تو اسی وقت ان کو دل کا دورہ پڑجاتا ہے، معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت کے ثمرات واثرات:

دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے، دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے، دنیا کی محبت کی مثال ایک خارش کی سی ہے، جیسے انسان کو کھجلی ہوتی

ہے، جتنی خارش کرتا رہے اتنا مزہ آتا رہتا ہے، اور جب خارش بند کردی تو جلن شروع ہوگئی، ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں، ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا، ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے؟ قرآن کریم میں ہے:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ." (الرعد:۲۸)

ترجمہ:...... "سنو! اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے اور اللہ تعالیٰ ہی کی یاد سے چین پڑتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے وہ بیچارے دھوکے میں ہیں، غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے، قابل علاج ہے، جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی، جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا، ہم تو بوڑھے ہونا شروع ہوگئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے، اور بڑھاپے سے قبروں تک قدم رکھا، لیکن اس کی جوانی ختم نہیں ہوئی، ہمارے تمام قویٰ جواب دے گئے، لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ہمارے ساتھ لگی تھی یہ بوڑھی نہیں ہوئی، بلکہ جوان تر ہوتی گئی۔

دنیا کے لئے محنت کرنے والے کا انجام:

رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی، محنت کی تھی صرف ان چیزوں کے لئے، تو جب مرگیا تو ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا کہ ہائے کس چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں، بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، نہ کبھی وہاں کے لئے بجلی کی فٹنگ کی، نہ کبھی کوئی ٹارچ لے کر گئے، نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا، نہ کوئی وہاں کی وحشت وتنہائی کے بارے میں سوچا، جیسے دنیا میں خالی ہاتھ

گئے تھے، یہاں سب کچھ کما کر یہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

صرف دنیا کمانے والوں کی مثال:

کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہوا ہو، اگر تو اس کو زرمبادلہ لانے کی اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے، اور اگر سب کچھ وہیں کوئی چھین لیں تو اس نے دس بیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آیا، اس کے دوست احباب، بیوی بچے پوچھیں گے کہ کیا لائے ہو؟ وہ کہے گا کہ: کچھ بھی نہیں لایا، سب کچھ چھین لیا گیا! اسی طرح ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کر رہے ہیں، اور جب جائیں گے تو سب کچھ دنیا والے چھین لیں گے، جو اپنے اندر بھرلیا وہ تو ساتھ جائے گا، باہر کی تو سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی، کپڑے تک چھین لیتے ہیں اللہ کے بندے، یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے ہی رہنے دو یار! ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کے دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے کر جانے دو، کہنے لگے: نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے بھی پہننے کا حکم نہیں ہے، چادر لپیٹ دیں گے، یعنی دو چادریں پہنا دیں گے، بس! نہ عمامہ ہے، نہ کھستا ہے، دیکھتے ہو کس طرح چھینتے ہیں؟ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو لحد میں دھکیل کر آجاتے ہو، کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس؟ اے کاش! کہ مرنے سے پہلے ہمیں اس کی عقل آجاتی۔

دنیا کی محبت کا علاج چاہئے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں، اللہ والوں سے اس چیز کا علاج کروایا جاتا ہے، میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، یہ چیز قابل علاج ہے کہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں، شیخ سے اصلاحی تعلق کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

ابن آدم کے معاملات کا مدار؟

دوسرا ارشاد حضرت ابودرداءُ رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ابن آدم کے تمام معاملے کا مدار تین چیزیں ہیں، جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ اس کا بیڑا پار ہوگیا۔

ا:......ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔

۲:......دوسرا یہ کہ اپنے مرض کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔

۳:......اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو، جی میں تو بے گناہ ہوں! اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بےنظیر بھی زبان سے بیان کریں گے:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بندِ قبا دیکھ!

اپنی مصیبت کی شکایت مخلوق کے بجائے خالق سے کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، مخلوق کے سامنے نہ کرو، جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں روک لیا اور بھائی خالی ہاتھ گئے، انہوں نے جاکر اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا: "اِنَّ ابۡـنَکَ سَرَقَ" (تیرے بیٹے نے چوری کی ہے!)، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ" (نہیں! میرے بیٹے نے چوری نہیں کی ہے! بلکہ تمہارے نفسوں نے کچھ تدبیر بنائی ہے، پس صبر جمیل اختیار کرو)۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو پہلے ہی سے گم تھے، ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا، بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی: "یٰٓاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ کَظِیۡمٌ۔" ہائے میری حسرت یوسف پر! (اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں) غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی، اور اتنی شدت کا غم تھا گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ ”قَالَ اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ“ (میں اپنی پریشانی اور غم کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتا ہوں)۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی ہے میں نے؟ کبھی کسی بندے سے بھی تذکرہ کیا ہے اس کا؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں اپنی پریشان کی بھی، اپنے غم کی بھی، اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو پھر کس کے پاس کروں؟

آفت ومصیبت کی شکایت عبدیت کے اظہار کے انداز میں کرو:

کوئی آفت، کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو، لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں، بلکہ اپنی حالتِ زار کو اس کے سامنے رکھو، اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے، مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو، اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، آسمان والی ہو یا زمین والی، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی، ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے، اس لئے فرماتے ہیں: ”لَا تَشْکُ مُصِیْبَتَکَ“ اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو، صرف اس کے سامنے کرو۔

حضرت ایوبؑ کا اظہارِ عجز:

حضرت ایوب صابر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کہہ رہے ہیں: ”اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ“ پروردگار! مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، آپ ہٹا سکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں، وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی، حکم دیا: ”اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ“ اپنی ایڑی مارو زمین پر! ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا، ”ھٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ“ ٹھنڈا پانی پیو بھی اور نہاؤ بھی، حضرت ایوب علیہ السلام اس چشمہ میں غسل کرکے چودہویں رات کے چاند کی

طرح نکل آئے، تمام تکلیف دور ہوگئی، بتانا چاہتے تھے کہ اللہ پاک اگر بیماری لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور جب ہٹانا چاہیں تو اس کے لئے لمبی چوڑی تدبیروں کی ضرورت نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے چشمے کے پانی سے غسل کیا، سب کچھ دور ہوگیا، تمام بیماریاں دور ہوگئیں۔

تکلیف دور کرنے کی دعا اور انداز:

اپنی تکلیف کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤ اور یہی حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو:

"اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ!"

ہمارے مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمہ اللہ بیمار ہوگئے تھے، فرمانے لگے کہ: اب مجھے شفا ہوجائے گی! عرض کیا گیا: کس طرح شفا ہوجائے گی؟ فرمایا: میں نے سجدے میں یہ دعا کی: "اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ!" اور واقعی شفا ہوگئی۔

توفیق دعا قبولیت کی علامت:

اللہ پاک تم سے دعا منگواتے ہی اس لئے ہیں کہ ان کو منظور کرنا ہوتی ہے، اگر منظوری نہ دیں، تو تم سے دعا نہ کروائیں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں، لیکن جیسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر راضی رہو، دل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے:

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی رضائے تو
دل شدہ مبتلائے تو

زندہ کریں، آپ کی عطا ہے، مار ڈالیں آپ کی رضا ہے، آپ جو کچھ بھی کریں، جو بھی آپ کی رضا ہو، اس پر راضی ہوں۔

علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں:

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے: ''علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں!'' تمہارا کام ہے، تمہیں علاج بتایا ہے، کرتے رہو!

چنانچہ ہمارے ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ''میاں! تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟'' میں نے کہا: حضرت ہوتا ہے! فرمایا کہ: ''پھر تم علاج کرو!'' عرض کیا: بہت اچھا! ساتھ ہی فرمایا: ''نتیجہ معلوم ہے!'' حضرت فرماتے ہیں: میں نے علاج شروع کیا (تو ذرا ہومیو پیتھک علاج نازک ہے، پرہیز بہت ہوتا ہے)، تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! اس میں تھوڑے پرہیز کی ضرورت ہوگی۔ ارشاد فرمایا: ''ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا! معمولی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے؟'' حضرتؒ فرماتے تھے کہ: یہ ارشاد سن کر مجھے سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ بھائی! بیماری کا آخری انجام کیا ہے؟ موت ہی ہے ناں! آخر مرنا نہیں ہے کیا؟ اس سے کیوں گھبرانا ہے؟ ہاں! علاج کرانا سنت ہے، علاج کراؤ! علاج اور تدبیر کرکے نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، چاہیں گے تو شفا دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا! ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے بصد خوشی حاضر ہیں!

اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو:

اور تیسرا فقرہ یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو، قرآن کریم میں آتا ہے:

''فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى.''

(النجم:۳۲)

اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم بہت اچھے ہیں، یہ ہیں، وہ ہیں! اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ تعالیٰ بہت بہتر جانتا ہے، تم میں سے جو بچنے والا ہے وہ متقی ہے، ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں میرے بارہ میں بدگمانی ہوئی ہے، میں ایسا نہیں تھا، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو، اللہ پاک کے سامنے اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا، ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی، جس شخص کی نظر اس پر ہو وہ اپنے منہ سے تعریف نہیں کرے گا، اپنی صفائی پیش نہیں کرے گا، اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے!

مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچو!

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ: دو بددعاؤں سے بچو! ایک مظلوم کی بددعا سے اور ایک یتیم کی بددعا سے، یہ اس وقت آکر سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، مظلوموں کی بددعا سے بچو اور یتیموں کی آہ سے بچو!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن تشریف لے جارہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''..... اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ!'' (مشکوٰۃ ص:۱۵۵)

ترجمہ:.....''مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا، کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے (سیدھی عرش پر پہنچتی ہے)۔''

اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے:

بترس از ہائے مظلوماں کہ ہنگامے دعا کردند

اجابت از درے حق بہرے استقبال می آیند!

مظلوم کی بددعا سے بچو! اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت کے استقبال کے لئے عرشِ الٰہی سے آتے ہیں، اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو، یتیم کا مال نہ کھاؤ، خواہ تیجہ، دسواں اور چالیسویں کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو، اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ، اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کر دیتی ہے۔

مظلوم چاہے کافر بھی کیوں نہ ہو:

کراچی مین کتنے بچے یتیم کئے گئے؟ ان کی آہیں نہیں لگیں گی؟ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم بنایا گیا، کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو! مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے، مظلوم کوئی بھی ہو اس کی بددعا لگتی ہے، حتیٰ کہ فاجر و فاسق بلکہ کافر ہو تو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے، اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کا حق اپنے ذمے لینا اس سے ڈرو! اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی، چاہے جتنی معافیاں اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر معافی بھی نہیں ملتی جب تک صاحبِ حق خود معاف نہ کر دے۔

بے کس پر ظلم بدترین ظلم ہے:

اور ایک ارشاد میں فرمایا کہ: میرے نزدیک سب سے بری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں ہے، کوئی تھانے کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا

نہیں جو پیروی کر سکے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو! مار دو! لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے!

ضعفاً کے ساتھ ربُّ الضعفاً ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "یا رب الضعفاء!" (اے کمزوروں کے رب!) مجھے یہ دعا بہت پیاری لگتی ہے، مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے۔

"یا رب الضعفاء!" اے کمزوروں کے رب! جن کا دنیا میں شنواں کوئی نہیں، جن کو سننے والا کوئی نہیں، تو ان کا بھی رب، اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے، تو ان کی بھی فریاد رسی کرتا ہے، اور مدد کرتا ہے، تم یہ دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی نہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے! اور جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا خدا ساتھ ہوتا ہے، اور اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے وہ ہوتا ہے!

ایک بزرگ کی توہین کا بدلہ:

میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے برا بھلا کہہ دیا، اب وہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ: فوراً اس کے ایک تھپڑ لگادو! اس نے ذرا تھوڑی دیر اور تاخیر کردی اور وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، یہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ: تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی! اگر تو اس کے تھپڑ لگادیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی! میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: ٹھیک کردیا، مسئلہ حل ہوگیا! اور اگر میں انتقام نہ لوں تو وہ خود آکر انتقام لیتے ہیں۔

جو انتقام نہیں لیتا اس کا انتقام اللہ لیتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اسی بزرگ پر منحصر نہیں، اس معاملے میں تم سارے ہی بزرگ ہو، جو شخص انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تعالیٰ اس کا انتقام خود لیتے ہیں، اِلَّا یہ کہ تم معاف کردو، اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے، مقدمہ داخل دفتر کردو تو دوسری بات ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں کرتے، بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ یہ نادان ہیں، آپس میں معاملہ درست کرلیں، غرضیکہ ایسا کوئی شخص جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو، اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو! مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو، اللہ تعالیٰ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے!

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حدیث شریف میں ہے:

"اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللهِ! فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ." (مشکوٰۃ ص:۴۲۵)

ترجمہ:...... "مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، (جیسے کوئی گھر کا بڑا ہوتا ہے، گھر کے تمام افراد اس کا کنبہ ہوتے ہیں) اللہ کے بندوں میں اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو اس کے کنبہ میں سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہو (ظلم و زیادتی کرنے والا نہ ہو، بلکہ احسان کرنے والا ہو، حسن سلوک کرنے والا ہو)۔"

کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بھی رحمت کا شعبہ ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ، مَنْ لَّا یَغْفِرُ لَا یُغْفَرُ."

(کنز العمال ج:۳ حدیث:۵۹۶۶)

ترجمہ:.....''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اور جو بخشتا نہیں وہ بخشا نہیں جاتا۔''

بخشنے کا مطلب؟

بخشنے کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کا قصور کیا ہو اور وہ اس کو معاف کردے اور انتقام نہ لے، اس کو بخشنا کہتے ہیں، جو صاحبِ معاملات ہیں، جن کے ساتھ میل ملاپ، برتاؤ رہتا ہے، تعلقات رہتے ہیں، کوئی نہ کوئی ناگواری پیش آہی جاتی ہے، کل یہاں کچھ مولویوں کی جماعت آئی ہوئی تھی، کوئی گفتگو تھی، مولوی بھی کبھی کبھی لڑ پڑتے ہیں، بلکہ مولوی زیادہ لڑتے ہیں، عوام کی لڑائی کم ہوتی ہے، مولویوں کی لڑائی زیادہ ہوتی ہے۔

کوئی اپنے کو قصوروار نہیں جانتا:

میں نے ان دوستوں سے کہا کہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے کہ جب اس کا معاملہ دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے، تو اپنے تصور میں وہ اپنے آپ کو فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے اور اپنے بارہ میں یہ تصور کرتا ہے کہ مجھ سے تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی، خدانخواستہ اگر کوئی کسی غلطی کو ان مولانا کی طرف منسوب کردے تو پھر وہ بیچارہ مارا گیا، اس کی دنیا بھی تباہ، آخرت بھی تباہ، اس کے معتقد کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف ہمارے حضرت کی طرف غلطی منسوب کرتا ہے، توبہ کرو، کیا کسی فرشتہ سے بھی غلطی ہوسکتی ہے؟ گویا اپنے آپ کو آدمی فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے، اس لئے کسی قیمت پر بھی اپنی طرف غلطی کا منسوب کیا جانا برداشت نہیں کرتا، اور اگر کوئی ہماری طرف کسی غلطی و زیادتی کو منسوب کرتا ہے کہ تم سے یہ زیادتی کوتاہی ہوئی ہے، تو ہمارا ضمیر بلکہ ضمیر میں چھپا ہوا چور اس کا فوراً انکار کرتا ہے اور پُرزور تردید کرتا ہے، اور اپنے مدمقابل کو شیطان سے بھی زیادہ پُرعیب سمجھتا ہے، کوئی ذرا سی معمولی بات اس کے بارے میں

کہہ دے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کہتا ہے یہ ہے ہی شیطان، شیطان کی طرف جو برائی بھی منسوب کی جائے بجا ہے، یہ انسانی کمزوری ہے۔

مخلوق کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تو...

واقعہ یہ ہے کہ اگر ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھتے ہوئے (جس کو عدل کہتے ہیں) ہم اللہ کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کریں تو ہماری یہ کیفیت نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس کیفیت یہ ہوگی کہ اپنے کو غلطی پر سمجھیں، اور دوسرے کو بری سمجھیں گے، بلکہ اس کو غلط فہمی میں مبتلا سمجھیں گے، جس سے جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔

جھکتا تولیں تو ہم ہی مجرم ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے جاتے تھے، تو دکانداروں سے فرماتے تھے کہ: "زِنْ وَارْجِحْ" (مشکوٰۃ ص:۲۵۳) تول کر دو اور جھکتا ہوا دو، تم لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے جھکتا ہوا کیوں نہیں دیتے کہ اپنے کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خطاوار سمجھو، پھر جھگڑا کیا ہوگا؟

دوسرا خطاکار ہے تو فرشتہ آپ بھی نہیں:

یہ جو میں نے کہا کہ عدل یہ ہے کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھو، دوسرا بھی بیچارا خطاکار انسان ہے، اس سے بھی غلطی ہوسکتی ہے، اس سے تمہاری شان میں بھی کوئی بے ادبی ہوگئی ہوگی، اور تم بھی بہرحال بشر ہی ہو، معصوم فرشتہ نہیں ہو، آخر کوئی نہ کوئی کوتاہی و بے رغبتی تمہاری جانب سے بھی ہو جاتی ہوگی اور ہوگئی ہوگی، دونوں کو برابر رکھ کر ہم معاملہ کریں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے بیٹھیں، تو پھر ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا قصور زیادہ ہے، لوگوں کا کم ہے، اگر انصاف کیا جائے تب تو یہ ہے کہ ہم برابر ہیں، لیکن اگر جھکتا ہوا دو، تو ہمارا پلڑا بھاری ہے، یعنی ہماری غلطیاں اور ہماری بشریت بھاری ہے، کیونکہ ہم بات کہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، بات کہتے

ہوئے ہماری زبان محتاط نہیں رہتی، کبھی کسی سیاق وسباق میں، کبھی کسی پہلو سے، کبھی کسی انداز میں ہم دوسروں کے بارے میں بات کرلیتے ہیں اور پھر ہم اپنے آپ کو پاک صاف بھی سمجھ لیتے ہیں، تو میرے بھائی! سارا فساد ہمارے اس نفس سے پیدا ہوا، اگر سارے کے سارے لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے جو اپنے ساتھ کیا جانا چاہیئے، یا اپنے آپ کو اس سطح کی مخلوق سمجھتے جس سطح کی مخلوق دوسروں کو سمجھتے ہیں، تو تھوڑا سا جھکاؤ ہم میں بھی پیدا ہوجاتا۔

اپنی کوتاہیوں کے بارہ میں جو چاہت ہے وہی دوسروں کے لئے بھی ہو:

جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قصوروں کو، ہماری غلطیوں کو، ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کردیا جائے، اس کا تذکرہ نہ کیا جائے، میں بھی یہی چاہتا ہوں، آپ بھی شاید یہی چاہتے ہوں گے، ہیں تو ہم سب قصوروار لیکن یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ میری غلطیوں کا تذکرہ کریں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری کوتاہیوں کا، ہماری غلطیوں کا، ہمارے قصوروں کا، ہمارے گناہوں کا لوگ چرچا نہ کریں، اس معاملہ میں اپنی زبان بند رکھیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم خود لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے؟ دوسرے بھی آخر انسان ہیں، ان سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔

غیر کی آنکھ کا تنکا:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ: اے شخص! تجھے دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔'' دوسروں کے قصور کو ہم خوردبین لگا کر دیکھتے ہیں، اور لاؤڈ اسپیکر کی طاقت کے ساتھ اس کا بیان و چرچا کرتے ہیں، دوسروں کی نظر آنے والی برائیوں کو ہم دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری عقابی نظریں وہاں تک پہنچ جاتی ہیں، اور ہماری پروپیگنڈہ مشینری دوسروں کے عیوب

کو بیان کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آتی ہے، جب تک ہم اس کا چرچا نہ کرلیں، پیٹ میں نفخ ہوجاتا ہے۔

کیا لوگ ہمارے عیوب کو اچھالیں؟

کیا تم بھی اپنے ساتھ یہی چاہتے ہو کہ لوگ خوردبین لگا لگا کر تمہارے اندر کے چھپے ہوئے جراثیم دیکھا کریں؟ اور تم چاہتے ہو کہ لوگوں کی زبانیں قینچیوں کی طرح تمہاری عزت کو تار تار کردیں؟ کاٹیں؟ اگر نہیں چاہتے ہو تو پھر لوگوں کو معاف کردو، اگر کسی کی کوتاہی تمہاری نظر میں آئی اس پر پردہ ڈال دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.“ (کنز العمال ج:۳ حدیث:۶۳۸۱)

ترجمہ:......”جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔“

جو دوسروں کو نہ بخشے، اسے نہیں بخشا جائے گا:

اور خوب یاد رکھو: ”مَنْ لَّا يَغْفِرُ لَا يُغْفَرُ!“ اگر تم لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کروگے تو پھر یہ توقع مت رکھو کہ اللہ پاک تمہارے قصوروں کو بھی معاف کردیں، یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

اپنی ذات پر تنقیدی نگاہ ڈالو:

تمہیں لوگوں کے چھاج کے سوراخ نظر آتے ہیں، کبھی اپنی چھلنی کو بھی دیکھ لیا کرو، جس میں بہتّر چھید ہیں، ہماری کون سی کل سیدھی ہے؟ ہمارا کون سا معاملہ درست ہے؟ کبھی یہی تنقیدی نظر جو لوگوں پر ڈالتے ہو، اپنے اوپر بھی ڈال دیا کرو، ہم

اس کے تو روادار نہیں مگر بایں ہمہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈالے رکھے، حدیث شریف میں بھی ہمیں یہی دعائیں سکھلائی گئی ہیں، چنانچہ حدیث کی ایک دعا ہے:

''اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا''

ترجمہ:......''یا اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور جتنی خوف کی چیزیں ہماری ہیں، ان کو امن سے بدل دے۔''

ہر آدمی یہ چاہتا ہے، ہر آدمی کو یہ دعا کرنی چاہئے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.''

ترجمہ:......''یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں، دین میں بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

اور دوسری حدیث میں ہے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِیْ.'' (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۶)

ترجمہ:......''یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت چاہتا ہوں (عفو کا معنی ہے معافی) اپنے دین کے معاملہ میں، اپنی دنیا کے معاملہ میں، اپنے اہل کے معاملہ میں، اپنے مال کے معاملہ میں۔ یا اللہ! ڈھانپ دے میرے عیوب کو اور امن عطا فرما مجھے خوف کی چیزوں سے۔''

اور ایک دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ
يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ
اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۶)

ترجمہ:...... "یا اللہ! میری حفاظت فرما آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں آپ کی عظمت کے سبب اس بات سے کہ ہلاک کیا جاؤں پاؤں کے نیچے سے۔"

ستاری کا مطلب؟

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعائیں ہیں، یہاں پر میرا مقصد اتنا ہی بیان کرنا ہے کہ یہ جو ہم دعا کرتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِيْ" یا اللہ! میرے عیوب کو ڈھانپ دے، جب تم اللہ سے درخواست کرتے ہو اور اس کے کرم کی توقع بھی رکھتے ہو کہ اللہ پاک تمہارے عیوب کو ڈھانپ دے اور ڈھانپنے کا پتہ ہے کیا مطلب ہوتا ہے؟ ڈھانپنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ڈھکی ہوئی چیز نظر نہیں آتی، یعنی کسی چیز کو کپڑا ڈال کر ڈھانک دیا یا کوئی اور چیز اس پر دے دی، اور وہ نظر نہیں آتی، اسی طرح میرے ان عیوب کو ڈھانک دے، یا اللہ! میرے عیوب تو ایسے ہیں کہ ہر ایک کو نظر آئیں گے، آپ ان کو اپنے ستر جمیل کے ساتھ ایسے ڈھانک دیں کہ کسی کو نظر نہ آئیں۔ پھر ایک تو عیوب ہوتے ہیں اور ایک ان عیوب کی بدبو ہوتی ہے، جیسے کسی کے بدن پر پھوڑا نکلا ہوا ہے، وہ ڈھانک دیا، کپڑا اوپر رکھ دیا تو وہ ڈھک گیا، کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کپڑے کے نیچے کیا ہے؟ لیکن تھوڑی سی بدبو بھی آتی ہے، پیپ وغیرہ نکلتی ہے، تو اس کا ڈھانکنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی بدبو سے بھی محفوظ رکھے، اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر کے جو عیوب ہیں اگر اللہ تعالیٰ

ستاری کا معاملہ نہ فرمائیں اور اپنی خاص عنایت اور اپنے لطف و کرم سے ان کو ڈھانک نہ دیں تو انسان کا ہمارے پاس بیٹھنا بھی مشکل ہوتا۔

گناہوں کی بدبو ہوتی تو...

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پاس بیٹھ نہ سکتا! اور بالکل صحیح فرماتے ہیں، میرا بھی ذوق یہی ہے، اگر اندر کے اخلاقِ رذیلہ جو ہمارے دل میں ہیں، چھپے ہوئے ہیں اور جن سے ہم واقف ہیں یا ہمارا اللہ واقف ہے، اگر ان کی بدبو ہوتی تو بیوی بچے ہمیں گھر میں نہ رہنے دیتے، باہر نکال دیتے، تمہارا مالک تو تمہارے ساتھ یہ ستاری کر رہا ہے، تمہارے عیوب کو ڈھانک رہا ہے، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتا، تمہارا ظاہر بھی حسین بنادیا، ظاہر میں تم پر خوشبو لگادی کہ لوگ تم سے لپٹیں، اور اندر کی بدبو تمہاری ڈھک دی ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، تمہارے عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

کیا تمہیں معاف نہ کیا جائے؟

مگر افسوس کہ اللہ کی ستاری سے مغرور ہوکر اب تم چاہتے ہو کہ جس نے ہم پر ظلم کیا ہے، ہم اس کو معاف نہ کریں گے، یہ تمہارا بہت اچھا دعویٰ ہے، معاف نہ کرو، ہرگز معاف نہ کرو، لیکن یہ بات سمجھ رکھو کہ جیسے تم کسی کو معاف کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو، اللہ بھی تمہارے قصور کو معاف نہیں کرے گا، بتاؤ اس بات پر راضی ہو؟ سودا کرنا چاہتے ہو؟ ابھی آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سنا کہ: جو معاف نہیں کرتا اس کو معاف نہیں کیا جاتا، جو آدمی لوگوں کے عیوب نہیں ڈھانکتا اس کو ڈرنا چاہئے کہ اللہ پاک کہیں میرے عیب سے بھی پردہ نہ اٹھادے، وہ کبیر ہے، وہ حلیم ہے، اپنے حلم کے ساتھ اس نے ہم پر پردہ ڈالا ہوا ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کے درپے آزار ہونے کی وجہ سے کبھی تھوڑا سا پردہ تمہارے عیوب سے بھی ہٹا کر

لوگوں کو دکھلا دے، اور یہی رسوائی ہے، میں نے آپ کو حدیث شریف کی ایک دعا سنائی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے اہتمام سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

''اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ.'' (کنز العمال ج:۲ حدیث:۵۱۲۶)

ترجمہ:...... ''اے پروردگار! مجھ کو رسوا نہ کیجو، آپ تو مجھے جانتے ہی ہو، (ہم بندوں کی نظروں سے چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے) اور مجھے عذاب نہ دیجیو! آپ مجھ پر قدرت رکھتے ہو ناں!''

اللہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے:

جب چاہے اللہ تعالیٰ پکڑ لے، جس چیز پر چاہے پکڑ لے، یہ جو تم بڑے مزے سے عبادت کرنے آئے تھے، جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تھے، اگر اللہ چاہے تو تمہاری اس نماز پڑھنے پر تمہیں پکڑ لے کہ نالائق! کیسی نماز پڑھتے ہو؟ گناہوں پر نہیں، ہماری عبادتوں پر ہمیں پکڑ لے، یہ کریم آقا کا حلم ہے کہ تمہیں پکڑتے نہیں ہیں، اور تم ہو کہ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرتے پھرتے ہو، اس کو لوگوں کے سامنے گاتے پھرتے ہو۔

جو توبہ نہیں کرتا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''وَمَنْ لَّا یَتُبْ لَا یَتُوْبُ اللهُ عَلَیْهِ!''

(کنز العمال ج:۳ حدیث:۵۹۶۶)

ترجمہ:...... ''جو توبہ نہیں کرتا اس کی طرف حق تعالیٰ شانہ کی عنایت و رحمت متوجہ نہیں ہوتی۔''

بندے کو چاہئے کہ ہمہ وقت اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہوئے اللہ کی بارگاہِ عالی میں توبہ کرتا رہے، یہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اگر یہ توبہ نہ کرے تو یہ اللہ کی خصوصی عنایت و توجہ کا مستحق نہیں ہے، ویسے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہر وقت شامل حال رہتی ہے، شیخ سعدی رحمہ اللہ کے بقول کہ:

ادیم زمین سفرائے عام اوست
کہ دشمن بریں خانہ یغما چہ دوست

یہ روئے زمین اس مالک کا دسترخوان بچھا ہوا ہے، سب دوست و دشمن یہاں پر کھا کھا کر جارہے ہیں، کسی کو روک ٹوک نہیں، دوست آئے، دشمن آئے جو آئے کھائے۔

فرعونیت چھوڑ دو:

لیکن ایک عوام کے ساتھ عنایت ہوتی ہے، اور ایک اپنے خاص بندوں کے ساتھ ہوتی ہے، خاص بندوں کے ساتھ اللہ رب العزت کی عنایت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ وہ عبدیت بجالائیں، بندے بن کر آئیں، نافرمان نہیں، فرمانبردار بن کر آئیں، سرکش نہیں بلکہ مطیع بن کر آئیں، فرعون نہیں بلکہ متوازن بن کر آئیں، اور خدا نہیں بلکہ بندے بن کر آئیں، اپنی خدائی کا تاج باہر پھینک کر آئیں، یہ دماغ میں جو سوداَ سمایا ہوا ہے اپنی خدائی کا، اس کو پھینک کر آئیں، ذہن میں سمائی ہوئی اس خدائی کو گھر کی کنڈی پر لٹکا کر آیا کرو۔

مسجد میں کوئی صاحب بہادر نہیں:

مسجد میں آتے ہو تو اپنی خدائی کا تاج وہیں چھوڑ آیا کرو، مسجد میں نہیں، مسجد میں صرف تم بندے ہو، یہاں نہ کوئی صاحب بہادر ہے، نہ کوئی سیٹھ جی ہے اور نہ کوئی

فلاں افسر ہے، یہاں کچھ بھی نہیں ہو، یہ اپنے القاب و آداب کی تمام کی تمام پگڑیاں اور تاج وہیں ہی چھوڑ کر آیا کرو، یہاں جب آؤ تو بندے بن کر آؤ، یہاں سب برابر ہیں، یہ اس سرکارِ عالی کا دربار ہے، یہاں سب بندے ہیں، ہاں! یہ الگ ہے کہ کچھ زیادہ گناہگار ہوں گے، کوئی کم گناہگار ہوں گے، کوئی زیادہ قصوروار ہوں گے، کوئی کم قصوروار ہوں گے، کسی میں عیوب زیادہ پائے جاتے ہوں گے، کسی میں عیوب کم پائے جاتے ہوں گے، لیکن یہاں آکر دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھو، اپنے گریبان میں جھانکو، تم اگر غور کروگے تو تمہارے اندر کا آدمی تمہیں خود کہے گا کہ اللہ کی مخلوق میں مجھ سے زیادہ پاپی اور گناہگار کوئی دوسرا نہیں ہے، یہ خان صاحب کیوں ساتھ ملاتے ہو؟ یہ صاحب بہادری کیوں ساتھ لگاتے ہو؟ یہ تمام اپنے القابات باہر رکھ کر آیا کرو، اللہ کی بارگاہ میں آؤ تو بندے بن کر آؤ، جو بندہ بن کر آئے، اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے آئے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے آئے، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے آئے، اس کی طرف تو عنایت خاص متوجہ ہوتی ہے، پھر جس درجہ کی توبہ ہے اسی درجہ کی عنایت بھی ہوگی، لیکن جو توبہ نہیں کرتا ہے اس پر عنایت نہیں ہوتی، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی، توبہ کیسے قبول کی جاتی، جبکہ اس نے توبہ ہی نہیں کی۔

جو تقویٰ نہ اپنائے اُسے نہیں بچایا جاتا:

اور اب اس خطبہ کا آخری فقرہ ہے: جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

”وَمَنْ یَّتَّقِ اللهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ.“ (الطّلاق:۲،۳)

اور جو ڈرے اللہ سے، اللہ تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں اس کے لئے نکلنے کی

صورت، یعنی مشکل جگہ سے نکلنے کی صورت پیدا کردیتے ہیں، اور اس کو رزق دیتے ہیں ایسی جگہ سے کہ اس کو وہم وگماں بھی نہیں ہوتا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا."

(الطلاق:۴)

جو شخص تقویٰ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا فرمادیتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مال،
اہل و عیال
اور اعمال،
زیادہ مفید کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا لِاَصْحَابِهٖ: أَتَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ اَحَدِکُمْ وَمَثَلُ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَعَمَلِهٖ؟ فَقَالُوْا: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ! فَقَالَ: اِنَّمَا مَثَلُ اَحَدِکُمْ وَمَثَلُ مَالِهٖ وَاَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَعَمَلِهٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ لَهٗ ثَلَاثَةُ اِخْوَةٍ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا بَعْضَ اِخْوَتِهٖ فَقَالَ: اِنَّهٗ قَدْ نَزَلَ بِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا تَرٰی، فَمَا لِیْ عِنْدَکَ وَمَا لِیْ لَدَیْکَ؟ فَقَالَ: لَکَ عِنْدِیْ اَنْ اُمَرِّضَکَ وَلَا اَنْ اُمَلِّکَ وَاَنْ اَقُوْمَ بِشَأْنِکَ، فَاِذَا مِتَّ غَسَّلْتُکَ وَکَفَّنْتُکَ وَحَمَلْتُکَ مَعَ الْحَامِلِیْنَ، اَحْمِلُکَ طَوْرًا وَاَمِیْطُ عَنْکَ طَوْرًا، فَاِذَا رَجَعْتُ اَثْنَیْتُ عَلَیْکَ بِخَیْرٍ عِنْدَ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ عَنْکَ. هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ اَهْلُهٗ فَمَا تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللهِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْهِ الْآخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ فَمَا لَدَیْکَ

وَمَا لِیْ عِنْدَکَ؟ فَیَقُوْلُ: لَیْسَ لَکَ عِنْدِیْ غِنَاءٌ اِلَّا وَاَنْتَ فِی الْاَحْیَاءِ، فَاِذَا مِتَّ ذُهِبَ بِکَ فِیْ مَذْهَبٍ وَذُهِبَ بِیْ فِیْ مَذْهَبٍ! هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ مَالُهٗ کَیْفَ تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْهِ الْآخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ وَمَا رَدَّ عَلَیَّ اَهْلِیْ وَمَالِیْ فَمَا لِیْ عِنْدَکَ وَمَا لِیْ لَدَیْکَ؟ فَیَقُوْلُ: اَنَا صَاحِبُکَ فِیْ لَحْدِکَ وَاَنِیْسُکَ فِیْ وَحْشَتِکَ وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِیْ مِیْزَانِکَ فَاُثْقِلُ مِیْزَانَکَ! هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ عَمَلُهٗ کَیْفَ تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: خَیْرُ اَخٍ وَخَیْرُ صَاحِبٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَاِنَّ الْاَمْرَ هٰکَذَا! قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا: فَقَامَ اِلَیْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ کُرْزٍ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَأْذَنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ عَلٰی هٰذَا اَبْیَاتًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَذَهَبَ فَمَا بَاتَ اِلَّا لَیْلَةً حَتّٰی عَادَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَفَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ وَاَنْشَأَ یَقُوْلُ:

فَاِنِّیْ وَاَهْلِیْ وَالَّذِیْ قَدَّمَتْ یَدِیْ
کَدَاعٍ اِلَیْهِ صَحْبَهٗ ثُمَّ قَائِلٍ
لِاِخْوَتِهٖ اِذْ هُمْ ثَلَاثَةُ اِخْوَةٍ
اَعِیْنُوْا عَلٰی اَمْرٍ بِیَ الْیَوْمَ نَازِلٍ
فِرَاقٌ طَوِیْلٌ غَیْرَ مُتَّقٍ بِهٖ
فَمَاذَا لَدَیْکُمْ فِی الَّذِیْ هُوَ غَائِلٍ
فَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ اَنَا الصَّاحِبُ الَّذِیْ
اَطِیْعُکَ فِیْمَا شِئْتَ قَبْلَ التَّزَائُلِ

فَـأَمَّـا إِذَا جَـدَّ الْـفِـرَاقُ فَـإِنَّـنِـیْ
لِـمَـا بَیْـنَـنَـا مِـنْ خُـلَّةٍ غَیْـرُ وَاصِـلِ
فَـخُـذْ مَـا اَرَدْتَّ الْآنَ مِـنّـِیْ فَـإِنَّـنِـیْ
سَیُسْـلَکُ بِـیْ فِـیْ مَهْیَـلٍ مِنْ مَهَـائِلِ
فَـإِن تُبْـقِنِـیْ لَا تُبْـقِ فَـاسْتَنْفِدَنَّنِـیْ
وَعَـجّـِلْ صَلَاحًـا قَبْـلَ حَتْفٍ مُعَـاجِلِ
وَقَـالَ اِمْـرُؤٌ قَـدْ كُـنْـتُ جِدًّا أُحِبُّـهُ
وَأُوْثِـرُهُ مِـنْ بَیْـنِهِـمْ فِـی التَّـفَـاضُـلِ
غِـنَـائِـیْ اَنّـِیْ جَـاهِـدٌ لَکَ نَـاصِـحٌ
إِذَا جَـدَّ جِـدُّ الْـكَـرْبِ غَیْـرُ مُـقَـاتِلِ
وَلٰـكِـنَّـنِـیْ بَـاكٍ عَـلَیْـکَ وَمُـعْـوِلٌ
وَمُثْـنٍ بِـخَیْـرٍ عِـنْـدَ مَـنْ هُـوَ سَـائِلِ
وَمُتَّبِـعُ الْـمَـاشِیْـنَ اَمْشِـیْ مُشَیِّـعًـا
اَعِیْـنُ بِـرِفْـقٍ عُـقْـبَـةً كُـلَّ حَـامِـلِ
إِلٰـی بَیْـتِ مَثْـوَاکَ الَّذِیْ اَنْتَ مُدْخَلٌ
اُرَجّـِعُ مَـقْـرُوْنًـا بِـمَـا هُـوَ شَـاغِلِـیْ
كَـأَنْ لَـمْ یَـكُـنْ بَیْـنِـیْ وَبَیْنَکَ خُلَّةٌ
وَلَا حُـسْـنَ ود مَـرَّةً فِـی التَّـبَـاذُلِ
فَـذٰلِکَ اَهْـلُ الْـمَـرْءِ ذَاکَ غَـنَـاؤُهُـمْ
وَلَیْـسَ وَاِنْ كَـانُـوْا حِـرَاصًـا بِطَـائِلِ
وَقَـالَ اِمْـرُؤٌ مِـنْهُمْ اَنَـا الْاَخُ لَا تَـرٰی
اَخًـا لَکَ مِثْلِـیْ عِـنْدَ كَرْبِ الزَّلَازِلِ

لَدَی الْقَبْرِ تَلْقَانِیْ هُنَالِکَ قَاعِدًا
اُجَادِلُ عَنْکَ الْقَوْلَ رَجْعَ التَّجَادُلِ
وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِی الْکَفَّةِ الَّتِیْ
تَکُوْنُ عَلَیْهَا جَاهِدًا فِی التَّثَاقُلِ
فَلَا تَنْسَنِیْ وَاعْلَمْ مَکَانِیْ فَاِنَّنِیْ
عَلَیْکَ شَفِیْقٌ نَاصِحٌ غَیْرُ خَاذِلِ
فَذٰلِکَ مَا قَدَّمْتَ مِنْ کُلِّ صَالِحٍ
تُلَاقِیْهِ اِنْ اَحْسَنْتَ یَوْمَ التَّوَاصُلِ

فَبَکٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَبَکَی الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قَوْلِهٖ، وَکَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ کُرْزٍ لَا یَمُرُّ بِطَائِفَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا دَعَوْهُ وَاسْتَنْشَدُوْهُ، فَاِذَا اَنْشَدَهُمْ بَکَوْا!" (کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۹۸۱)

ترجمہ:...... ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: جانتے ہو تمہاری مثال اور تمہارے اہل و مال اور عمل کی مثال کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں! فرمایا: تم میں سے ایک کی مثال اور اس کے مال اور آل و اولاد اور عمل کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کے تین بھائی تھے، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے، وہ تم دیکھ رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ اس نے کہا کہ: میں یہ کرسکتا ہوں کہ تیری تیمارداری کروں اور تیری جو حالت ہے اس پر دن

رات کھڑا رہوں، جب تو مرجائے تو تجھے غسل دوں، کفن پہناؤں اور اٹھانے والوں کے ساتھ تجھے اٹھاؤں، کبھی اٹھاؤں اور کبھی کندھا ہٹادوں، اور جب میں تجھے دفن کرکے واپس آجاؤں تو لوگوں کے سامنے تیری تعریف کروں، جو بھی مجھ سے تیرے بارے میں پوچھے (یہ بھائی اس کے گھر کے لوگ یعنی بیوی اور بچے ہیں)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ:) تم اس بھائی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نہیں سنتے کوئی ایسی چیز جس میں کوئی منفعت ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر وہ اپنے دوسرے بھائی کے بارے میں کہتا ہے کہ: مجھ پر جو حالت آئی ہے، تم دیکھ ہی رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہارے لئے میرے پاس کوئی کام کی چیز نہیں، مگر جب تک تم زندوں میں شمار ہوتے ہو، جب تم مرجاؤ گے تو تمہارا راستہ دوسرا ہوگا، میرا راستہ دوسرا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) یہ اس کا دوسرا بھائی ہے، جس کو مال کہتے ہیں، بتاؤ! تم اس کو کیسا دیکھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ کام کا نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تیسرے بھائی سے کہتا ہے کہ مجھ پر جو حادثہ نازل ہوا ہے، اور میرے اہل خانہ نے اور میرے مال نے جو جواب دیا ہے، وہ تم نے سن لیا ہے، تم بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: میں تیرا رفیق رہوں گا تیری لحد میں، تیرا مونس اور تیرا غمخوار رہوں گا تیری وحشت میں، اور میں بیٹھ جاؤں گا وزن

کے دن تیرے ترازو میں (اور تیرے ترازو کو بھاری کردوں گا)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) یہ اس کا وہ بھائی ہے جس کو عمل کہتے ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! بہت ہی اچھا بھائی ہے اور بہت ہی اچھا رفیق ہے! فرمایا کہ: پھر معاملہ یوں ہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس پر کچھ اشعار بنا کر پیش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور! وہ چلے گئے، ایک رات رہے، دوبارہ واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے، لوگ بھی جمع ہوگئے، انہوں نے یہ نظم پڑھی کہ:

بے شک میں اور میرے اہل خانہ اور وہ عمل جو میں نے آگے بھیجا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے رفقا کو بلائے پھر وہ کہے اپنے تین بھائیوں سے کہ آج جو حال مجھ پر پیش آیا ہے، اس میں میری مدد کرو! طویل جدائی ہے اور آئندہ کا کچھ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اب جو حوادث میرے سامنے پیش آنے والے ہیں، بتاؤ! کہ تمہارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں تیرا رفیق ہوں، تیری اطاعت کروں گا، اور تو جو بھی کہے تیرا کہنا مانوں گا، لیکن موت آنے سے پہلے پہلے، جب جدائی واقع ہوجائے تو ہمارے درمیان جو دوستی ہے وہ ختم، جو کچھ لینا چاہتا ہے مجھ سے اس

وقت لے سکتا ہے، کیونکہ تیرا جب انتقال ہوجائے گا تو مجھے کسی دوسرے راستے میں لے جائیں گے، اگر تو مجھے باقی رکھنا چاہتا ہے تو باقی نہ رکھ، بلکہ مجھے خرچ کردے، اور جلدی کر، موت کے آنے سے پہلے پہلے مجھے خرچ کردے۔ ایک نے کہا کہ: میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، اور لوگوں کے درمیان جب مقابلہ ہوتا ہے میں تمہیں ترجیح دیتا ہوں، میری خدمت یہ ہے کہ میں تیرے لئے دن رات خیرخواہی اور محنت کروں گا، جو بیماری اور پریشانی ہو، لیکن جب تو مرجائے گا تو تیرے اوپر روؤں گا اور بین کروں گا، کوئی تیرا نام لے گا تو اس کے سامنے تیری تعریف کروں گا، جو تجھے رخصت کرنے جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا، اور کندھا دینے والوں میں کندھا دینے کی مدد کروں گا، اور میری یہ خدمت قبر تک رہے گی جس میں تو داخل کیا جائے گا، جب تو اپنی قبر میں چلا جائے گا تو میں واپس آجاؤں گا، کیونکہ میرے اور بہت سارے مشاغل ہیں، اور میں تجھے ایسا چھوڑ کر آجاؤں گا کہ گویا میرے درمیان اور تیرے درمیان دوستی نہیں تھی اور نہ کوئی حسنِ معاملہ تھا، بس! یہ آدمی کے گھر کے لوگ ہیں، بیوی بچے اور یہ ان کی خدمت ہے، اور یہ چیز اگرچہ وہ کتنے ہی حریص ہوں لیکن مفید نہیں ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ: میں تیرا ایسا بھائی ہوں کہ مجھ جیسا بھائی مصائب کے نازل ہونے کے وقت نہیں دیکھا ہوگا، تو قبر میں جائے گا تو تو وہاں مجھے بیٹھا ہوا پائے گا، تجھ سے منکر نکیر جھگڑا کریں گے تو میں جواب دوں گا، اور وزن کے دن میں اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس میں

تو ہوگا، اور اس پلڑے کو بوجھل کرنے کی کوشش کروں گا، سو تو مجھے بھول نہیں اور میرے مرتبے کو پہچان لے، اس لئے کہ میں تجھ پر شفیق ہوں، تیرا خیرخواہ ہوں، کسی وقت تیری مدد چھوڑنے والا نہیں ہوں، بس یہ بھائی ہر وہ نیک عمل ہے جو تونے آگے بھیجا تو اس کو پائے گا، اگر تو نے نیکی کی، ملاقات کے دن کے لئے۔

یہ ارشاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور مسلمان بھی روئے۔ حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ جب بھی مسلمانوں کے کسی مجمع کے پاس سے گزرتے تھے، وہ حضرات ان کو بلواتے اور ان سے یہ اشعار پڑھواتے، جب یہ شعر پڑھتے تو سب کے سب رو پڑتے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہیں مختصر اور کہیں لمبی، بہت ساری کتابوں میں موجود ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے مال اور اس کے اہل وعیال اور اس کے اعمالِ صالحہ کی مثال بیان فرمائی ہے۔

بے وفا دوست:

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی ہے کہ سب سے زیادہ بے وفا دوست مال ہے کہ تمہاری زندگی میں تو تمہارے کام کا ہے، لیکن جب روح تن سے الگ ہوجائے تو دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے، تمہارے پاس رہتا ہی نہیں۔

ابن آدم کا مال؟

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

"یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ! مَالِیْ! وَاِنَّ مَالَهُ مِنْ مَّالِهٖ

ثَـلاثٌ: مَـا اَكَـلَ فَـاَفْنٰى، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى، اَوْ اَعْطٰى فَاَقْنٰى وَمَا سِوٰى ذَالِکَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ!“

(مشکوٰۃ ص:۴۴۰)

ترجمہ:...... ”آدم کا بیٹا کہتا ہے کہ: میرا مال! میرا مال! آدم کے بچے! تیرے مال میں سے صرف تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھالیا اور کھا کر ختم کردیا، یا تو نے پہن لیا اور پہن کر بوسیدہ کردیا، یا تو نے آگے بھیج کر اپنے لئے جمع کرلیا، اور ان تینوں چیزوں کے علاوہ باقی جتنا تیرا مال ہے تو اس کو دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا، وہ تیرا نہیں!“

اہل و عیال قبر میں کام نہ دیں گے:

اور اہل و عیال کے بارے میں یوں فرمایا کہ: قبر کے کنارے تک ساتھ دیتے ہیں۔

آدمی مرنے والا ہو، موت و حیات کی کشمکش میں ہو تو یہ اپنی حد تک اس کی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو خدمت یہ کرسکتے ہیں اس کے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی کسی کو نصیب ہے اور کسی کو نہیں، مرگیا تو غسل اور کفن کا انتظام کردیا، اور کندھے بدل بدل کر قبر تک پہنچادیا، قبر میں لٹا کر اوپر ہزاروں من وزن ڈال دیا، تاکہ یہ بھاگ نہ آئے، چند روز رودھو لئے، کچھ اپنی رسم و رواج کے مطابق تقریبات کرلیں اور کوئی تعزیت کے لئے آیا تو اس کے سامنے تعریفیں کردیں اور بس! اللہ! اللہ! خیر صلا! قصہ ختم، لیکن قبر میں اس پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کا کسی کو کچھ معلوم نہیں! اکبر الٰہ آبادیؒ کے بقول:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے!
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

پختہ قبر بنانا:

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ قبر پکی بنادیتے ہیں، اوپر مقبرہ بنادیتے ہیں۔ میں ماموں کانجن میں ہوتا تھا، وہاں ایک صاحب کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، جواں سال لڑکا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے والدین کو صدمہ تو ہونا ہی تھا، اس کے باپ نے قبرستان میں اس کی پکی قبر بنائی اور اس کے اوپر سائبان کی چھت بنادی۔ بھلا مردے کو اس کا کیا فائدہ؟ کیا اس سے اس کی مغفرت ہوجائے گی یا اس کو ٹھنڈک پہنچے گی؟ اُلٹا خلافِ شریعت کرنے سے اندیشۂ تکلیف ہے۔

قبر پر ڈیرہ لگانا:

ایک روایت میں ہے کہ:

”قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتْ اِمْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رَفَعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ: اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا؟ فَاَجَابَهُ آخَرُ: بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا.“ (مشکوٰۃ ص:۱۵۲)

ترجمہ:...... ”کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ کو بہت صدمہ ہوا، اور جاکر ان کی قبر پر ڈیرا لگادیا، لوگوں نے بہت منع کیا، مگر وہ مانی نہیں، کہنے لگی کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا، ایک سال تک قبر پر پڑی رہی پھر اُٹھ کر چلی گئی، اور اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ: کیا جس کو انہوں نے گم پایا تھا کیا وہ ان کو مل گیا،

دوسرے نے جواب دیا: نہیں! بلکہ مایوس ہوکر لوٹ گئے۔"

یہ تمہاری آہ و زاری میت کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ یہ تم اپنے لئے کرتے ہو، اس کے لئے کچھ نہیں، یہ تیجہ اور دسواں کرو، چہلم کرو یا برسیاں مناؤ یہ سب کچھ تم اپنے لئے کر رہے ہو، مرنے والے کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔

ہمارے یہاں ملتانیوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی بوڑھا مرجائے تو باقاعدہ شادی کی طرح دعوت کرتے ہیں، تمام عزیز و اقارب کو بلاتے ہیں، بکرے اور اسی طرح دوسرے جانور وغیرہ کاٹتے ہیں، بڑی ٹھاٹ کی دعوت کرتے ہیں، غرضیکہ اہل و عیال دفن کرکے واپس آگئے، میت کس حال میں ہے؟ اس پر کیا گزر رہی ہے؟ ان کی وہاں تک نہ رسائی ہے اور نہ کوئی ان کی خدمت کرسکتا ہے، اس کے لئے تو اب مشکلات شروع ہوئی ہیں، اب پتہ نہیں ختم کب ہوں گی؟

قبر کی پکار:

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قبر آدمی کو روزانہ پکارتی ہے، ترمذی شریف کی یہ حدیث ہے، قبر کہتی ہے:

"اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَةِ! اَنَا بَیْتُ الْوَحْدَةِ! اَنَا بَیْتُ التُّرَابِ! وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ!" (ترمذی ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ:......"میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں!"

کہا جاتا ہے کہ قبر روزانہ پانچ مرتبہ پکارتی ہے، اور تمہارے لئے روزانہ پانچ ہی نمازیں مقرر کی گئی ہیں، تاکہ تم آخری التحیات میں یہ دعا پڑھو:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ

النَّـارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَاَعُوْذُ بِكَ مِـنْ فِتْـنَـةِ الْـقَبْــرِ وَاَعُــوْذُ بِكَ مِــنْ فِتْــنَـةِ الْـمَسِيْـحِ الدَّجَّالِ....“ (بخاری ج:۲ ص:۹۴۳)

ترجمہ:......”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں سستی سے، بڑھاپے سے، گناہوں سے، قرض سے، قبر کے فتنہ سے، قبر کے عذاب سے، آگ کے فتنہ سے، دوزخ کے عذاب سے، مالداری کے فتنہ کے شر سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تنگدستی کے فتنہ سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کانے دجال کے فتنہ سے۔“

عذابِ قبر؟

ایک روایت میں ہے:

”عَـنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَـلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا: اَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَـذَابِ الْـقَبْـرِ! فَسَـأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ عَـنْ عَـذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ. قَـالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.“ (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:......”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دفعہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی، اس نے قبر کا ذکر چھیڑ دیا، پھر کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تجھے عذابِ قبر سے پناہ عطا فرمائے (میں نے عذاب قبر کی بات کبھی نہیں سنی تھی، میں نے

کہا: کیا عذابِ قبر ہوتا ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے قبر کے عذاب کے بارہ میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کا عذاب برحق ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: اس واقعہ کے بعد مجھے یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز پڑھی ہو اور اس میں عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔“

تو غرضیکہ اس دوسرے بھائی اور رفیق سے مراد بیوی ہے، بچے ہیں، عزیز و اقارب ہیں، دوست احباب ہیں، یہ مردے کو قبر کے سپرد کرکے چلے آئے اور آکر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس پر دو چار دن آنسو بہالیتے ہیں، اور کچھ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کردیتے ہیں کہ بہت اچھا آدمی تھا۔

مردے کی بے جا تعریف پر عذاب:

بعض اوقات تعریف بھی غیرواقعی کرتے ہیں، واقعی تعریف نہیں کرتے، یہ اتنا کماتا تھا، اتنا کھاتا تھا، یہ کرتا تھا، وہ کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اس کی تعریف کرتے ہیں اور جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں تو:

”..... اِلَّا وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکَیْنِ یُلْھِذَانِہٖ وَیَقُوْلَانِ: اَھٰکَذَا کُنْتَ؟“ (مشکوٰۃ ص:۱۵۲)

ترجمہ:...... ”اللہ تعالیٰ مرنے والے پر دو فرشتے مقرر کردیتے ہیں اور وہ دونوں مردے کو چوکے دے کر کہتے ہیں: تو ایسے ہی تھا؟“

لیجئے اہل و عیال، بیوی بچے اور دوست احباب اب بھی اس غریب کا پیچھا

نہیں چھوڑتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے گھر کے لئے یہ یہ چیزیں خریدی تھیں، ٹیلی ویژن لائے تھے، فلاں چیز لائے تھے، دوبئی گئے تھے، بہت بڑی مشین لائے تھے اور فلاں فلاں چیزیں لے کر آئے تھے، قبر میں ان چیزوں کو پوچھیں گے، تعریفیں تو کرتے ہیں مگر ایسی فضول ومہمل اور بالکل لغو، جس سے اس غریب کی تکلیف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ سحر کے وقت یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا کرتا تھا، کسی کا حق نہیں مارتا تھا، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا تھا، فرائض شرعیہ کا پابند تھا، اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ تھا، یہ باتیں ان کے منہ سے نہیں نکلتیں، ہوتیں تو نکلتیں۔

مردے کی واقعی اچھائیاں بیان کرو!

اگر یہ باتیں کریں تو ان کی یہ باتیں کرنا اور تعریف کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں شہادت بن جاتی ہے۔ وہ مشہور حدیث ہے جو کہ میں سنا چکا ہوں:

''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَرُّوْا بِجَنَازَۃٍ فَاَثْنَوْا عَلَیْھَا خَیْرًا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَجَبَتْ! ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰی فَاَثْنَوْا عَلَیْھَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجَبَتْ! فَقَالَ عُمَرُ: مَا وَجَبَتْ؟ فَقَالَ: ھٰذَا اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ خَیْرًا فَوَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ، وَھٰذَا اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَہُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ!'' (مشکوٰۃ ص:۱۴۵)

ترجمہ:...... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا، فرمایا: واجب ہوگئی! ایک اور جنازہ گزرا، فرمایا: واجب ہوگئی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ! دو جنازے گزرے، دونوں پر آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی!) کیا واجب ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلا جنازہ گزرا تو تم لوگوں نے اس کی اچھی تعریف کی کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے، نیک آدمی ہے، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جنت واجب ہوگئی۔ اور جب دوسرا جنازہ گزرا تو تم نے دوسری قسم کی رائے کا اظہار کیا، منافق تھا، بڑا ظالم تھا، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جہنم واجب ہوگئی۔ تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو زمین میں، یعنی تمہاری شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔"

یہ تو تھا دوسرا دوست، اس دوست کا بھی پتہ چل گیا۔

اعمالِ صالحہ کی وفاداری:

اس نے تیسرے دوست کو بلایا، تیسرے رفیق کو بلایا، یہ اس کا عمل تھا، اس سے کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے تم دیکھ رہے ہو، نزع کا سامنا ہے، روح اور بدن کی علیحدگی ہو رہی ہے، اور ایک بالکل نیا سفر درپیش ہے، نہایت طویل سفر اور ان دیکھے راستے، بہت ہی پریشانی اور بے چینی ہے کہ میرا کون ساتھ دے گا؟ یہ جو میرے مال نے جواب دیا وہ بھی تم نے سن لیا ہے، اور میرے اہل و عیال نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تم نے سن لیا ہے، انہوں نے صاف صاف جواب دے دیا ہے کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے، نہ آپ کے ساتھ رفاقت کریں گے، نہ آپ کے ساتھ جائیں گے، نہ آپ کے ساتھ قبر میں اُتریں گے، تم بتاؤ! کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے کہ: تم اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو پہلی بات یہ ہے کہ ہر موقع پر تمہاری مدد کروں گا، نزع سے لے کر میزان تک، قیامت کے دن، حشر کے دن، میزان یعنی ترازو جو رکھی جائے گی

اس وقت تک میں تیری مدد کروں گا، تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرا مونس و غمخوار بنوں گا، تیری تنہائی پر اکیلے پن کو دور کروں گا، مجھ سے ہوسکا تو روشنی بھی کروں گا، کوئی تجھ پر حملہ آور ہوگا تو جواب بھی دوں گا، مدافعت بھی کروں گا، منکر نکیر سوال کریں گے تو سوال و جواب کی بھی کفایت کروں گا، اور قیامت کے دن اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس پلڑے کو تو بھاری دیکھنا چاہتا ہے، اور جتنی میری ہمت ہوگی، جتنا میرا وزن ہوگا میں اپنا پورا وزن تیرے پلڑے میں ڈال دوں گا، یہاں تک کہ تجھے جنت میں پہنچا دوں گا۔

قبر میں برے اعمال کی شکل:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: بدکار آدمی کے سامنے نہایت ڈراؤنی شکلیں آتی ہیں، اور وہ ان کو دیکھ کر گھبراتا ہے، گھبراہٹ تو پہلے ہی موجود ہے، تنہائی اور وحشت ہے، چنانچہ یہ چلاتے ہوئے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: خدا تمہارا ناس کرے تم کون ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ: تم فکر نہ کرو، میں تمہارا وہ برا عمل ہوں جو تو نے کیا تھا، اس کے بعد وہ سارے کے سارے اعمالِ بد پرّا باندھ کے آجاتے ہیں، چڑیلوں کی شکل میں، بدروحوں کی شکل میں، بھیڑیوں کی شکل میں، جنگل کے درندوں کی شکل میں، سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں، وہ اس کے ساتھ آکر لپٹ جاتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون! کہتے ہیں ناں! کہ قبر میں سانپ اور بچھو ہوں گے، وہ یہی اپنے عمل ہیں۔

قبر میں اعمالِ صالحہ کا منظر:

اور نیک آدمی ہوتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ نہایت ہی حسین شکل میں اس کے سامنے آتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے! میں تو بہت تنہائی میں تھا، میں وحشت محسوس کر رہا تھا، تم لوگ کون ہو جو میرے انس کے لئے اور میری

وحشت کو دور کرنے کے لئے آگئے؟ وہ کہتا ہے کہ: آپ کے نیک اعمال ہیں!

اعمالِ صالحہ عذابِ قبر سے بچاؤ کا ذریعہ:

یوں بھی آتا ہے کہ جب عذاب کے فرشتے آتے ہیں مارنے کے لئے، تو نماز فلاں طرف ہوجاتی ہے، صدقہ فلاں طرف ہوجاتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت فلاں طرف ہوجاتی ہے، اور دوسرے اعمالِ صالحہ ایک طرف ہوجاتے ہیں، چاروں طرف سے اس کو نیک اعمال گھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: مارنے نہیں دیں گے، عذاب قبر کو ٹال دیتے ہیں۔ سورۂ ملک کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ میت کو اس طرح اپنے پَروں کے نیچے لے لیتی ہے جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں کے نیچے لے لیتی ہے، اور عذابِ قبر سے اس کو بچاتی ہے۔ یہ اس کے اعمالِ صالحہ ہیں جو مرتے وقت بھی اس کے ساتھ، قبر میں بھی اس کے ساتھ اور حشر میں بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔

بدکار کا اپنے اعمالِ بد پر اظہارِ حسرت:

قرآن کریم میں بھی ہے کہ اپنے برے عمل کو دیکھ کر کہے گا کہ:

"یَا لَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ." (الزخرف:۳۸)

ترجمہ:...... "کاش! کہ میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا، تو بہت ہی برا ساتھی ہے۔"

فاصلہ کیسے ہوتا؟ تو نے تو خود کیا تھا، جھوٹ خود بولے تھے، ظلم خود کیا تھا، بدکاریاں اور بے حیائیاں خود کی تھیں، عورتیں ننگے سر اپنے اختیار سے چلی تھیں، اور آج کہتے ہو کہ مغرب ومشرق کا فاصلہ ہوتا، جب تمہیں کہا گیا کہ: یہ گناہ کی باتیں ہیں، تم نے کان ہی نہیں دھرا کہ زندگی ان باتوں کے بغیر کیسے گزر سکتی ہے، موت آنے دو

تمہیں بتاؤں گا کہ یہ جو تم نے لعنت گھروں میں ڈالی ہوئی ہے، ٹی وی اور اسی طرح موویاں وغیرہ بناتے ہو، کیمرے رکھے ہوئے ہیں، یہ تصویریں لٹکائی ہوئی ہیں، اور یہ بچوں کے کھلونے بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے ہیں، اور تم جو غلط کاریاں کرتے ہو، تمہیں بتاؤں گا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اس وقت رونا کام نہیں دے گا!

آج تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر یقین نہیں لاتے، تب آنکھ سے دیکھ کر یقین لاؤ گے اور اس وقت کوئی علاج کارگر نہیں ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے:

> ترجمہ:......"دوزخی لوگ ایک ہزار سال تک آنسوؤں کے ساتھ روئیں گے، ایک ہزار سال تک آنکھوں سے خون نکلے گا، اور ایک ہزار سال تک پیپ نکلتی رہے گی۔"

آج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سن کر تم اس کو مُلّا ئیت کہتے ہو، ذرا وقت آنے دو!

> سَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
> اَتَحْتَکَ الْفَرَسُ اَمْ حِمَارُ!
> ترجمہ:......"اس غبار کو چھٹ جانے دو! تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟"

عقل کا تقاضا:

تو غرضیکہ یہ تین رفیق ہیں آدمی کے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنا جتنا کسی کا نفع ہے، آدمی اس سے اتنا ہی تعلق رکھے، عقل کا قاعدہ یہی ہے، اور اس عقل کا ہم دنیا میں استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن آخرت کے معاملات میں ہماری عقل بیکار ہو جاتی

ہے، عقل کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے۔

عقل کب کام دیتی ہے؟

عقل کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھوں کی روشنی، یہ اندر کی روشنی اس وقت کام دیتی ہے جبکہ باہر کی روشنی ہو، ہم دیکھنے کے لئے دو روشنیوں کے محتاج ہیں، عقل کی روشنی اس وقت کام دیتی ہے جبکہ دل میں ہدایت کی روشنی بھی ہو، نورِ ہدایت بھی ہو اور ہم نے چراغِ ہدایت پھونک مار کر بجھا دیا ہے، آخرت کے معاملے میں بالکل اندھے ہوگئے ہیں، دنیا کے معاملات میں تو ہماری عقل کام کرتی ہے، آخرت کے معاملات میں کام ہی نہیں کرتی، کیسے کرے؟ دیکھیں کیسے؟ وہ تو نورِ نبوت رہنمائی کرے گا تو ہماری عقل بھی دیکھے گی۔

دنیا و آخرت میں کام آنے والی شئے سے تعلق چاہئے:

میں نے کہا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنی چیز مفید ہوتی ہے، آدمی اس کو اختیار کرتا ہے، ہونا یہ چاہئے کہ اعمالِ صالحہ کا اہتمام ہو، اس کے ساتھ رفاقت ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> ترجمہ:...... ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھر میں تشریف لاتے تھے تو گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، جیسے گھر میں کام ہوتا ہے، لیکن جوں ہی اذان کی آواز سنتے اس طرح کھڑے ہوجاتے تھے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں ہیں۔''
>
> (فضائل نماز باب سوم ص:۸۸)

ہونا یہ چاہئے کہ حکمِ الٰہی آجائے تو تمہاری جان پہچان سب کے ساتھ ختم ہوجائے۔

مال کا نفع خرچ کرنے میں ہے:

اور دوسرے درجے میں اہل وعیال ہیں، اور تیسرے درجے میں مال ہے، مال تو ایسی بیکار چیز ہے کہ جب تک اس کو خرچ نہ کرو نفع نہیں دے گی، ڈھیر لگا لگا کر رکھتے رہو، کچھ فائدہ نہیں۔

حاجی عبدالستار نے پنجابی میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ ایک سیٹھ تھا، اپنے خزانے کی سیر کرنے کے لئے گیا، دیر ہوگئی تو وہ نظر نہیں آیا، اس کے نوکروں چاکروں نے دروازہ بند کردیا اور چلے گئے، سیٹھ جی اندر وہیں تڑپ تڑپ کر مرگیا، اگلے دن دروازہ کھلا تو سیٹھ جی مرے پڑے ہیں، حالانکہ خزانہ موجود تھا، کیونکہ وہ کھانے پینے اور بھوک پیاس بجھانے کا کام نہیں دیتا، ہاں! اس کو خرچ کرکے کھانے پینے کی اشیأ حاصل کی جاسکتی ہیں، غرض تمہارے مال اور خزانے کسی کام کے نہیں ہیں، جب تک تم ان کو خرچ نہ کرو اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، لیکن ہم نے معاملہ اُلٹ کرلیا، ہمارا جتنا تعلق پیسے سے ہے، اتنا اہل وعیال سے بھی نہیں ہے، دوست احباب سے بھی نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی اور باپ بیٹے کی لڑائی، بھائی بھائی کی لڑائی کس چیز پر ہے؟ پیسے پر ہے! یہ پیسہ سب چیزوں پر غالب آگیا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پیسے کو ان پر خرچ کیا جاتا، لیکن آج ہو یہ رہا ہے کہ ان رشتوں کو اس پر خرچ کیا جارہا ہے، اور مال کے لئے، اہل وعیال کے لئے اپنا دین بھی قربان کردیا، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عبرت نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے جو نزع کے وقت بھی ہمارے کام آئیں، قبر میں بھی ہمیں کام دیں، حشر میں بھی ہمیں کام دیں۔

برزخ میں صلحأ کی ملاقات:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور نیک بندوں کا ساتھ ہمیں دنیا میں بھی، آخرت میں

بھی اور برزخ میں بھی نصیب فرمائے! نیک آدمی مرجاتا ہے تو وحشت نہیں رہتی، ہزاروں صلحا وہاں پہنچے ہوئے ہیں، مجمع لگا ہوا ہے، یہ سب اس کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں، حال واحوال پوچھتے ہیں، خیریت پوچھتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ: فلاں آدمی کیسا تھا؟ تو وہ دنیا سے جانے والا کہتا ہے کہ: وہ وہاں سے تو آگیا ہے، کیا یہاں نہیں آیا؟ کہا کہ: نہیں! یہاں تو نہیں آیا۔ کہا کہ: پھر وہ اپنی ماں دوزخ کے پاس چلا گیا ہوگا! نعوذ باللہ!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

آخرت کی تیاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: خَطَبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ فِیْ خُطْبَتِهٖ:

اِبْنَ آدَمَ! اِعْلَمْ اَنَّ مَلَکَ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِکَ لَمْ یَزَلْ یَخْلُفُکَ وَیَتَخَطّٰی اِلٰی غَیْرِکَ مُنْذُ اَنْتَ فِی الدُّنْیَا، وَکَاَنَّهٗ قَدْ تَخَطّٰی غَیْرَکَ اِلَیْکَ وَقَصَدَکَ، فَخُذْ حِذْرَکَ وَاسْتَعِدَّ لَهٗ، وَلَا تَغْفُلْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفُلُ عَنْکَ، وَاعْلَمْ اِبْنَ آدَمَ! اِنْ غَفَلْتَ عَنْ نَفْسِکَ وَلَمْ تَسْتَعِدَّ لَمْ تَسْتَعِدَّ لَهَا غَیْرُکَ، وَلَا بُدَّ مِنْ لِقَاءِ اللهِ! فَخُذْ لِنَفْسِکَ وَلَا تَکِلْهَا اِلٰی غَیْرِکَ. وَالسَّلَامُ!"

(کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۷۹۰)

"عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ خَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا اللهَ! فَاِنَّ تَقْوَی اللهِ غُنْمٌ وَاِنَّ

اَکْیَسَ الْکَیِّسِ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَاکْتَسَبُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ نُوْرًا لِظُلْمَۃِ الْقَبْرِ، وَلْیَخْشَ عَبْدٌ اَنْ یُّحْشَرَہُ اللّٰہُ اَعْمٰی وَقَدْ کَانَ بَصِیْرًا، وَقَدْ یُکْفَی الْحَکِیْمُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، وَالْاَصَمُّ یُنَادٰی مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَنْ کَانَ اللّٰہُ مَعَہٗ لَمْ یَخَفْ شَیْئًا، وَمَنْ کَانَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَمَنْ یَّرْجُوْ بَعْدَہٗ؟" (کنز العمال ج:۱۶ حدیث۴۴۲۵۱)

ترجمہ:...... "حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ:

اے ابن آدم! بے شک موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ ہمیشہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا جب سے تو دنیا میں آیا ہے، اور بس یوں سمجھ لے کہ اب وہ دوسروں کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہے، اور وہ تیرے ارادے سے چلا ہے، لہٰذا اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، اس کی تیاری کرلو، غفلت نہ کرو، اس لئے کہ تجھ سے غفلت نہیں کی جارہی۔ ابن آدم! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اپنی ذات سے غفلت کرے گا اور تیاری نہیں کرے گا تو دوسرا آدمی اس کے لئے تیاری نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بہرحال ضروری ہے، سو اپنی ذات کے لئے حصہ لے اور اس کو دوسروں کے سپرد نہ کر۔"

ترجمہ:...... "حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا غنیمت کی چیز ہے، اور سب سے ہوشیار اور دانا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، اور قبر کے اندھیرے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ نور حاصل کرلے، بندے کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اُٹھائے حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا، حکیم اور دانا آدمی کے لئے چند مختصر کلمات کافی ہیں، اور بہرہ تو یوں لگتا ہے کہ وہ سنتا نہیں ہے، خوب جان لو! کہ جس شخص کے ساتھ اللہ ہو، وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے مقابلے میں ہو وہ پھر اس کے بعد کس سے امید رکھے گا؟''

موت کا فرشتہ اب تمہارے پیچھے ہے:

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مواعظ شریفہ ہیں، ان میں ایک بات تو یہ فرمائی کہ جب سے تم پیدا ہوئے ہو تم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے، موت کا فرشتہ تم پر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن وہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا، لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ اب تمہارا نمبر آگیا، اب دوسروں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے گا، مطلب یہ کہ فرشتے کا آنا کسی وقت بھی متوقع ہے، جو دوسروں کے پاس جاسکتا ہے، وہ تمہارے پاس بھی آسکتا ہے، اور جب اس کا آنا حتمی اور لازمی ٹھہرا تو تمہیں اپنی تیاری کرنی چاہئے، اپنا بوریا بستر تیار رکھو کہ جب موت کا فرشتہ تمہارے پاس آئے تو چل پڑو، اور اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ ایک حدیث شریف میں چند نصیحتیں فرمائی گئی ہیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے:

"اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ!"
(مشکوٰۃ ص:۴۴۵)

ترجمہ:...... "جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو یوں سمجھو کہ بس اب یہ تمہاری آخری نماز ہے (جتنی بنا سنوار کے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو)۔"

آخرت کا زادِ راہ تیار کرو:

اپنے لئے زادِ راہ کی تیاری کرلو، اور آئندہ جو خطرات پیش آنے والے ہیں، ان خطرات سے بچنے کا سامان کرو۔ بس دو ہی باتیں ہیں۔

گناہوں کا بوجھ!

ایک یہ کہ جو سامان لاد رہے ہو یہ دیکھ لو کہ اتنا اُٹھا کے چل بھی سکتے ہو کہ نہیں؟ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

"مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّہٗ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِیْنَ." (مشکوٰۃ ص:۲۵۴)

ترجمہ:...... "جس شخص نے کسی کی ایک بالشت بھی زمین ہتھیالی، قیامت کے دن سات زمینوں سے نکال کر وہ ٹکڑا اس کے گلے میں طوق کے طور پر پہنایا جائے گا۔"

ہم تو دس کلو مٹی بھی نہیں اُٹھا سکتے، اتنا بڑا بوجھ کیسے اُٹھائیں گے؟ یہاں تو زمین کو بڑھانے کی لالچ میں کہ میرا پلاٹ تھوڑا سا بڑا بن جائے دوسرے کی زمین پر قبضہ کرلیا، میرے بھائی! دوسرے کی زمین پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا بوجھ بھاری کرلیا، تمہارے گلے میں زمین کا یہ ٹکڑا پہنایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا: شاباش اُٹھاؤ! تو موت سے غفلت نہ کرو، وہ تو آنی ہے، موت سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کے لئے

تیاری کرو۔

دوسرا یہ کہ اپنا بچاؤ کرلو، آگے جو مشکلات آنے والی ہیں ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے توشہ ساتھ لو۔

اپنی آخرت کی خود فکر کرو:

پھر ارشاد فرمایا کہ: اے ابن آدم! اگر تو اپنے نفس سے غافل رہا اور اس کی تیاری نہ کی تو پھر تیری جگہ کون تیاری کرے گا؟

ایک صاحب یہاں ہوں گے، وہ کل مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے تھے کہ کچھ صاحبان ہیں، ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، کچھ نمازیں اور روزے اس کے ذمے ہیں، وہ ان کا فدیہ دینا چاہتے ہیں، کوئی چالیس سال کی نمازیں ان کے ذمہ تھیں، ان کا حساب لگایا تو کوئی دس لاکھ روپے بنے، ارے بھائی! تم نمازیں پڑھ نہیں سکتے یا اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی؟

کیا تیجے، دسویں، چالیسویں اور قرآن خوانی سے تیری مغفرت ہوجائے گی؟

کیا خیال ہے کہ بعد والے تیسرے دن یہ قل شریف کرواکر تمہاری بخشش کروالیں گے؟ تم نے قرآن مجید زندگی میں کبھی ختم نہیں کیا، اور نہ روزانہ تلاوت کی، لیکن موت کے دن یا تیسرے دن تمہارے لئے قرآن کریم ختم کرواکے تم سمجھتے ہو کہ تمہارا قرضہ ادا ہوجائے گا؟ بھلے آدمی! تم نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا تو دوسرا تمہارے لئے کیا کرے گا؟ اگر تم اپنے لئے کچھ نہیں کروگے تو دوسرا تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا، اور تمہیں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں کرتے ہیں، اس سے بخشش ہوجائے گی، نہیں بھائی! یہ تو محض رسمیں ہیں۔

قرآن خوانی کا حال:

لوگ کہتے ہیں کہ جی قرآن خوانی کروانی ہے، قرآن خوانی کا معنی ہے قرآن پڑھنا، پڑھنا آتا بھی ہے کہ نہیں؟ پوچھ لو ان سے کہ تمہیں قرآن پڑھنا آتا بھی ہے؟ اپنے خیال اور اپنے انداز سے قرآن پڑھتے ہیں، لیکن کبھی قرآن پڑھا اور سیکھا بھی تو ہو تو پڑھنا آئے، یہی وجہ ہے کہ قرآن خوانی والے ایک صفحے کو دو دو آدمی پڑھنے لگتے ہیں، ایک اِدھر سے اور ایک اُدھر سے، میرے بھائی! یہ تلاوت ہے یا تلاوت کا دھوکا؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ دھوکوں میں نہیں آتے اور اگر ہم تمہیں کہتے ہیں کہ بھائی! عقل کی بات کرو، سمجھ کی بات کرو، طریقے کی بات کرو، تو پھر کہتے ہو کہ: ہمیں روکتے ہیں! ہم تم کو نہیں روکتے بھائی! تم کرو جو چاہو کرو، لیکن یہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا طرزِ عمل غلط ہے، کبھی حافظوں کو بٹھالیتے ہیں اور ان کو اُجرت دیتے ہیں، اُجرت لے کر قرآن مجید کا پڑھنا، اس کا تو ثواب ہی نہیں ملتا، دو چار دن یہ رسمی باتیں کرتے ہیں، قل کرلئے، تیجہ، دسواں کرلیا، چالیسواں کرلیا، پھر سال بہ سال برسی پر یاد آگئے، پھر بھی ایک آدھ تقریب کرلی، دوست احباب کو اکٹھا کرلیا اور کھانا کھلا دیا تو گویا مرنے والے کا سارا فرض ہم نے ادا کرلیا، جس شخص کی ساٹھ سال یا ستر سال کی عمر ہوئی ہے کیا اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا بس اتنا ہی فرض تھا؟ اور وہ ان رسموں سے ادا ہوگیا؟

آخرت کی تیاری کیا ہے؟

تو بھائی! اپنے لئے خود تیاری کرو، غفلت نہ کرو، آپ پوچھیں گے کہ تیاری کیا ہے؟ کیا تیاری کریں؟ بھائی! جن لوگوں کے حقوق و فرائض تمہارے ذمے ہیں ان کا جائزہ لو، اگر ادا نہیں کئے تو ادا کرو، فرائض کو ضائع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، اور آئندہ کے لئے ان فرائض کو ضائع نہ کرنے کا عہد کرو، اگر نمازیں نہیں پڑھی تھیں تو نمازوں کی قضا کرو، روزے نہیں رکھے تو روزے رکھو، پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا

نہیں کی تو حساب کرکے اس کی زکوٰۃ دو، حج نہیں کیا تو حج کرو، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کی کوئی چیز غصب کی ہے، کسی کے کچھ مالی حقوق غصب کئے ہیں اس سے معاف کرواؤ یا اس کو ادا کرو۔

آخرت کا مفلس:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ! فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوةٍ، قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ!" (مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

ترجمہ:...... "جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا گیا: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہوتا! فرمایا: نہیں! میری امت کا مفلس آدمی وہ ہے جو نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور بہت ساری نیکیاں لے کر آئے، لیکن کسی کا مال کھایا تھا، کسی کی بے آبروئی کی تھی، کسی کو گالی دی تھی، اس کا ناحق مال کھایا تھا، اس کا ناحق خون بہایا تھا، اور اس کو مارا تھا، وغیرہ، پس اس کی نیکیوں سے ان اربابِ حقوق کے حقوق ادا کئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ نمازیں وہ لے جائے، روزے یہ لے جائے، زکوٰۃ یہ نہ لے جائے، غرضیکہ ساری اس کی نیکیاں

اہل حقوق لے جائیں گے اور یہ خالی کا خالی کھڑا رہ جائے، پھر اس کے حقوق اگر نیکیوں سے پورے ہوگئے تو ٹھیک! ورنہ پھر اہل حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (یہ ہے میری امت کا مفلس!)۔"

ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان سے غفلت، بندوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان سے غفلت، غرض غفلت ہی غفلت ہے اور اس کی فکر ہی نہیں، اور آگے کیا کیا منزلیں پیش آنے والی ہیں؟ ہمیں تو مرنے سے پہلے پہلے کی زندگی کی فکر کھائے جاتی ہے اور ستائے جاتی ہے کہ مہنگائی بہت ہوگئی ہے، بچے کیا کھائیں گے؟ کیا کریں گے؟ کیا نہیں کریں گے؟ زندگی کیسے گزاریں گے؟ ارے بھائی! یہ تو گزر جائے گی، جیسے کیسے گزر ہی جائے گی، اچھی گزر جائے، تنگی سے گزر جائے، گزر ہی جائے گی، لیکن مرنے کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے اس کے لئے کیا ہوگا؟ ہمیں اس کی بھی فکر کرنی چاہئے!!

مؤمن اپنے اور دوسروں کے لئے بھی آخرت کا سامان کرے:

فرماتے ہیں: ابن آدم! اپنے لئے تیاری کر، غفلت نہ کر، اگر تو اپنی ذات کے لئے تیاری نہیں کرے گا تو دوسرے آدمی تیرے لئے سامان نہیں کریں گے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ مؤمن آدمی کو دوسروں کے لئے بھی سامان کرنا ہوگا، دعا، استغفار، ایصالِ ثواب کرنا ہوگا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ کے صاحبزادے جناب حسن عباس صاحب فرماتے ہیں کہ: والد صاحب فرماتے ہیں کہ: اولاد کے ذمہ حق ہے کہ وہ آٹھویں دن اپنے ماں باپ کی قبر پر جائے، والدین کی قبر کی زیارت کرے، ان

کے لئے کچھ ایصالِ ثواب کرے، کچھ پڑھ کر بخشے، تمام اہلِ ایمان کے لئے بخشش کی دعا کرے اور جتنے مسلمان مرد اور عورتیں زندہ ہیں ان کے ایمان کی سلامتی کے لئے دعا کرے کہ یا اللہ! ایمان سلامت رکھ، خاتمہ بالخیر فرما۔

ہم لوگ تو اپنی تیاری سے غافل ہیں، دوسروں کے لئے کیا تیاری کریں گے؟

دوسروں کے لئے تیاری بھی دراصل اپنے لئے ہے:

اور یہ جو میں دوسروں کے لئے تیاری کہہ رہا ہوں حقیقت میں وہ بھی اپنے لئے ہے، اس لئے کہ جب تم دوسروں کے لئے مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے عطا فرمائیں گے، تم دوسروں کے لئے خیر مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے خیر عطا فرمائیں گے، دوسروں کے لئے بھلائی مانگو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ پہلے بھلائی عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ مسئلہ ہے کہ دعائے مغفرت کرنی ہو، بخشش کی دعا کرنی ہو تو یوں کہا جائے: ''یا اللہ! میری بخشش فرما اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما'' اس مختصر سے فقرے میں گویا تمام اہل ایمان کے لئے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک جائیں گے، سب کے سب کے لئے دعا ہوگئی، ''یا اللہ! میری بھی بخشش فرما اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بخشش فرما۔'' غرضیکہ حقوق و فرائض کو ادا کرو اور محرمات سے اور مکروہات سے بچو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے رہو، اپنے لئے بھی اور اپنے والدین کے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی، مرد ہوں یا عورتیں سب کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہو۔

کافر و مسلمان کی اللہ سے ملاقات کا حال:

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو لازم ہے!

مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے، کوئی روشن چہرہ لے کر جائے اور کوئی -نعوذ باللہ- منہ کالا کر کے جائے، اللہ تعالیٰ کی پناہ! بہرحال جانا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری لازم ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَ جَاءَهُ الْبَشِيْرُ مِنَ اللهِ بِمَا هُوَ صَائِرٌ إِلَيْهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ قَدْ لَقِيَ اللهَ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ فَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ إِذَا حَضَرَ جَاءَهُ مَا هُوَ صَائِرٌ إِلَيْهِ مِنَ الشَّرِّ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ." (کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۱۹۸)

ترجمہ:......"لیکن جب مؤمن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خوشخبری سنانے والا فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اعزاز و اکرام ہونے والا ہے اس سے اس کو آگاہ کرتا ہے، تو اس کے نزدیک اللہ سے ملاقات سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی، پس وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ رہا فاسق و فاجر! جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے پاس بھی ایک فرشتہ آتا ہے جو اُسے وہ سب کچھ بتلاتا ہے جو اس کے ساتھ برا سلوک ہونے والا ہے، تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔"

یعنی نیک آدمی کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ایسے ہوتی ہے جیسے کہ کوئی آدمی اپنے وطن سے دور تھا، بچھڑا ہوا تھا، موت کے بعد، ایک عرصے کے بعد اپنے گھر

میں آیا، جس طرح اس کو اپنے گھر والوں اور اہل وعیال سے مل کر خوشی ہوتی ہے، اسی طرح اس کو اللہ تعالیٰ سے مل کر خوشی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس سے مل کر بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ اور بدکار اور برے آدمی کی حاضری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھگوڑا غلام تھا، بھاگ گیا تھا، آقا نے آدمی دوڑائے اور کافی مدت تک وہ پریشان کرتا رہا، لیکن آخرکار وہ پکڑا گیا اور اسے پکڑ کر آقا کی خدمت میں لایا گیا، تو جس طرح اس کو اپنے آقا کے سامنے سزا کے خوف سے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور وہ اس کو مکروہ سمجھتا ہے، فاجر بھی ایسے ہی ملاقاتِ الٰہی سے گھبراتا ہے، تب اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری حاضری کیسے ہونے والی ہے؟ اس کا جائزہ لیتے رہو۔

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو ضروری ہے، لہٰذا تم اپنی ذات کے لئے توشہ تو تیار کرلو، اور اس توشہ کی تیاری کو دوسروں کے سپرد نہ کرو، اس لئے کہ تم اپنا توشہ خود ہی باندھو گے، تمہارا توشہ دوسرے نہیں باندھیں گے۔

سب سے بڑی دانائی!

دوسری روایت میں فرمایا کہ: لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! تقویٰ اختیار کرو! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا غنیمت ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

سب سے اونچی حکمت اور حکمت کا صلہ، حکمت کی چوٹی اللہ سے ڈرنا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس میں حکمت نہیں ہے، اور یہی بنیاد ہے تمام نیک اعمال کی اور تمام برے اعمال سے بچنے کی۔

> ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ غنیمت ہے اور سب سے بڑا
> دانا اور عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو حکمِ الٰہی کے تابع
> کردے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور قبر

کے اندھیرے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ نور لے کر جائے۔"

قبر میں نور کیونکر پیدا ہوگا؟

اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مستقل رسالے لکھے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ہیں جو قبر میں نور پیدا کرتی ہیں؟ قبر میں روشنی کا سبب ہیں، اور کون کون سی چیزیں ہیں جو قبر میں تاریکی کا سبب ہیں، پھر کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ قبر کی موجب ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان سے پناہ میں رکھے، اور کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ قبر سے بچانے والی ہیں؟

عذابِ قبر کا خوف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

"کَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی یَبَلَّ لِحْیَتَهٗ، فَقِیْلَ لَهٗ: تَذْکُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلَ الْاٰخِرَةِ، فَاِنْ نَّجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَیْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ یُنْجَ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ!" (مشکوٰۃ ص:۲۶)

ترجمہ:......"(حضرت عثمانؓ) کبھی کبھی قبرستان جاتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی، عرض کیا گیا کہ: حضرت! آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو شخص یہاں نجات

پا گیا وہ انشاء اللہ آگے بھی نجات پا جائے گا جو یہیں پھنس گیا اس سے آگے کی کیا توقع ہے، اس کے بارے میں کیا توقع ہے؟"

یہ تو پہلی منزل ہے، قبر سے لے کر جنت تک برزخ کا فاصلہ، قیامت سے پہلے پہلے کا فاصلہ اور پھر قیامت کے دن کا پچاس ہزار سال کا فاصلہ اور خدا جانے اس میں کتنی منزلیں آنے والی ہیں، کیا کیا حالات پیش آنے والے ہیں، جو غریب پہلے مرحلے میں پکڑا گیا وہ آگے کیا کرے گا؟ حق تعالیٰ شانہ ہماری حفاظت فرمائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی قبروں کو منور فرمائے، قبر کے عذاب سے اور جو چیزیں عذابِ قبر کو ثابت کرنے والی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے، تقریباً پندرہ کے قریب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ حدیث مروی ہے، میں نے ایک مضمون میں تمام صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کو جمع کیا تھا۔

عذابِ قبر کے اسباب:

عذابِ قبر سے متعلق ایک دوسری حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

"مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ فَقَالَ: اِنَّهُمَا لَیُعَذَّبَانِ! وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ. ثُمَّ قَالَ: بَلٰی اَمَّا اَحَدُهُمَا فَکَانَ یَسْعٰی بِالنَّمِیْمَةِ وَاَمَّا الْآخَرُ فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ." (بخاری ج:۱ ص:۱۸۴)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے تھے فرمایا: یہ دو قبریں ہیں، ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، کسی بڑی بات پر ان کو عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک چغل خوری کیا کرتا تھا (آپ کی بات میرے پاس آکر لگائی اور میری بات آپ کے پاس جا کر لگائی، یہ بیماری عام

ہوگئی ہے، جیسے طاعون کی شکل اختیار کرگئی ہے، یہ وبائی شکل چغل خوری کرنا اور غیبت کرنا یہ چیز موجبِ عذابِ قبر ہے)۔ یہ دوسرا آدمی پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔''

یہ جتنے پینٹ پہننے والے ہیں سب ایسے ہی ہیں، ان کو نہ استنجے کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ ڈھیلے کی، کھڑے ہوکر پیشاب کرلیتے ہیں، اور پھر یوں ہی فوراً بند کرلیتے ہیں۔

تو جن دو آدمیوں پر عذاب ہو رہا تھا ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا، پیشاب آدمی کا ہو یا جانوروں کا، اس سے احتیاط لازمی ہے۔ اور دوسرا لگائی بجھائی کرتا تھا، یعنی اِدھر کی اُدھر، اور اُدھر کی اِدھر پہنچا کر چغل خوری کرتا تھا، یہ بہت بڑا جرم ہے اس سے احتیاط کرو کہ یہ عذابِ قبر کا موجب ہے۔

تو خیر عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ساری چیزیں قبر کی ظلمت کا سبب ہیں، قبر کے اندر اندھیرے کا سبب ہیں، اور بہت ساری چیزیں قبر کی روشنی اور نور کا سبب ہیں، اسی کو فرمایا: قبر کی روشنی کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کوئی نور لے کر جاؤ، بہت ساری چیزیں عذابِ قبر کی موجب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بچائے اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو قبر کے عذاب سے بچانے والی ہیں، ان کا اہتمام کیا جائے۔

قبر جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے:

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔'' نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ ہماری قبروں کو ''رَوْضَۃٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ'' بنائے یعنی جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنائے، دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا نہ بنائے۔

عذابِ قبر کا سوال حماقت ہے:

آج کل بیوقوف لوگ یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بندو! تم کس چکر میں پڑ گئے ہو؟ شیطان نے تم کو کس چکر میں ڈال دیا ہے؟ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتبار نہیں رہا؟

شکر کرو کہ عذابِ قبر سنائی نہیں دیتا:

کہتے ہیں کہ ہمیں سنائی کیوں نہیں دیتا؟ یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کا طفیل ہے کہ عذابِ قبر سنائی نہیں دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے بن نہ پڑتی تمہاری زندگی اجیرن ہوجاتی، اگر تم قبر کا عذاب سن لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ مبارک یہ ہیں:

”فَلَوْ لَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّسْمِعَکُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ اَسْمَعُ مِنْہُ!“ (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:......”اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو قبر میں دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں سنادے جو میں سنتا ہوں!“

قبر کا عذاب جو قبرستان میں ہورہا ہے، اگر تمہیں سنائی دیتا تو تمہیں قبرستان میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوتی، یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا۔ اس پر شکر کرنے کی بجائے اُلٹا کہتے ہیں کہ: ہمیں کیوں نہیں سنائی دیا؟ شیشے کے مکان میں آدمی بند ہو تو آواز آگے نہیں جاتی، وہ ادھر سے سن رہا ہے، دیکھ رہا ہے، مگر آواز نہیں پہنچا سکتا، تمہارا یہ شیشہ آواز کو روک دیتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ نے برزخ کا پردہ ڈال دیا ہے اور وہ روک رہا ہے تو تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ تم کیوں اصرار کر رہے ہو کہ ہمیں دیکھنا چاہئے اور ہمیں سننا چاہئے تو ہم مانیں! ذرا ٹھہر

جاؤ! تھوڑا وقت ہے، تم پر بھی یہ مرحلہ آئے گا، پھر اچھی طرح تجربہ کرلینا، اگر یہاں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے نہیں مانتے تو تجربہ ہوجائے گا، فکر نہ کرو، اس میں جلدی کی کیا بات ہے؟

اندھے اُٹھائے جانے سے ڈرو!

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بندے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اُٹھائیں، حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا۔

بعض مجرموں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا:

"وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى." (طٰہٰ:۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ:...... "ہم اس کو اُٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا، وہ کہنے لگا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا اُٹھایا میں تو دیکھنے والا تھا! (کیا بات ہوئی؟) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسی طرح آتی تھی تیرے پاس میری آیتیں تو نے اس کو بھلادیا (تو بصیرت کا اندھا تھا، دل کا اندھا تھا، آج وہ دل کا اندھاپن آنکھوں میں سرایت کرگیا)، آج تجھے بھی بھلادیا گیا۔"

اس پر حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ قیامت کے دن اندھے اُٹھائے جاؤ گے، ایسی کوئی حرکت مت کرو، ایسے گناہوں کا ارتکاب نہ کرو کہ تمہیں نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! قیامت کے دن اندھا اُٹھایا جائے۔

قیامت کے دن اندھا اُٹھائے جانے کے اسباب؟

اس لئے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان سے آدمی کی ظاہری بصارت جاتی

رہتی ہے، دماغ پر ذرا سی چوٹ لگ جائے یا کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے تو آنکھیں بند ہوجاتی ہیں، اسی طرح بعض اعمال ایسے ہیں جن سے دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے، ایسے لوگ قیامت کے دن اندھے اُٹھائے جائیں گے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اُڑانا یا جیسے آج کل مولوی کو گالی دینا فیشن بن گیا ہے کہ مولوی ایسے ہیں، کیا مولوی اپنے باپ کے گھر سے کہتا ہے؟ مولوی کچھ نہیں کہتا بلکہ تمہارا خدا کہتا ہے! تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے! مولوی کہاں سے کہتا ہے؟ تو مولوی کو نشانہ بنا کر اول فول باتیں کرتے ہو، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا دل اندھا ہوگیا ہے، اور یہ دل کا اندھاپن قیامت کے دن تمہاری آنکھوں میں آجائے گا، اللہ تعالیٰ کہیں گے: "وَكَذَالِكَ اَتَتْكَ اٰيـٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا" (اسی طرح آتے تھے تیرے پاس میرے احکام تو نے ان کو بھلا دیا)۔

عقل مند کے لئے لمبے وعظ کی ضرورت نہیں:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: دیکھو دانا آدمی کے لئے لمبے چوڑے وعظ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لئے ایک کلمہ حکمت ہی کافی ہوجاتا ہے۔ ایک حکمت کی بات کسی کے کان میں پڑجائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل دیتی ہے، بشرطیکہ دل میں بصیرت ہو، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرا کرلیا ہو، اِدھر سے سنا اور اُدھر سے نکال دیا، گویا کہ سنا ہی نہیں، اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دور سے پکار پکار کر چلّا چلّا کر آواز دے رہا ہے، مگر وہ سنتا ہی نہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ." (سبا:۵۲)

ترجمہ:...... "یہ وہ لوگ ہیں جن کو پکارا جارہا ہے دور کی جگہ سے۔"

دور سے جب آدمی کسی کو بلاتا ہے تو زور لگا کر بلاتا ہے، چلّاتا ہے، لیکن

یہ پھر بھی سننے کے لئے تیار نہیں، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرا بنالیا ہو اس کے سامنے اگر کوئی چلاّ چلاّ کر بھی کہے، اس کی عقل میں بات نہیں آتی، خواہ اسپیکر میں ہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں، معیت کو اپناؤ!

اور اس کے بعد آخری بات یہ فرمائی کہ: یہ بات خوب یاد رکھو کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اس کو کسی اور کا ڈر نہیں، اور جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی اور سے کیا امید رکھے گا؟ کون ہے جس سے امید رکھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر چلو، اپنی زندگی کے نقشے ایسے بناؤ کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے لو، اللہ تعالیٰ کی معیت تمہارے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے طرف دار ہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کی پرواہ نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کا خطبہ آپ سن رہے ہیں، ان کو شہید کیا گیا تھا، تو خون کا جب پہلا چھینٹا مصحف شریف پر پڑا تو قرآن مجید پڑھ رہے تھے، وہ قرآن کریم تاشقند میں موجود ہے، مصحف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا چھینٹا جو پڑا وہ اس آیت شریفہ پر پڑا، پہلے پارے کا بالکل آخر ہے:

''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ'' (البقرۃ:۱۳۷)

ترجمہ:......''تیری کفایت کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں!''

شہید ہوگئے وہ تو سعادت ہے، لیکن پھر دیکھا کیسی کفایت کی اللہ تعالیٰ نے، آج تک تم جمع نہیں ہوئے، امت آج تک جمع نہیں ہوئی، ایک ایک کو چن چن کر اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، تو اللہ کو ساتھ لے کر چلو اور اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بنا کر نہ چلو، اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کروگے تو اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بناؤگے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

آخرت کے بیٹے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"..... وَمَنْ لَا يَنْفَعُهُ حَاضِرُهُ فَعَازِبُهُ عَنْهُ اَعْوَرُ وَغَائِبُهُ عَنْهُ اَعْجَزُ وَاِنَّكُمْ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَدُلِلْتُمْ عَلَى الزَّادِ اَلَا! وَاِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَانِ: طُوْلُ الْاَمَلِ وَاتِّبَاعُ الْهَوٰى! فَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ، وَاَمَّا اِتِّبَاعُ الْهَوٰى فَيُبْعِدُ عَنِ الْحَقِّ. اَلَا! وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَرَحَّلَتْ مُدْبِرَةً وَاِنَّ الْآخِرَةَ قَدْ تَرَحَّلَتْ مُقْبِلَةً وَلَهُمَا بَنُوْنٌ، فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ، وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا، فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابٌ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ!" (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۸)

ترجمہ:......"اور جس کو اس کا حاضر (یعنی جو چیزیں کہ اس کے سامنے موجود ہیں) نفع نہ دیں، تو جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان سے وہ زیادہ اندھا ہوگا، اور جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان سے زیادہ عاجز ہوگا، اور

بے شک کہ تم کو حکم کیا گیا ہے کوچ کرنے کا، اور تم کو بتادیا گیا ہے توشہ لینے کا، خوب سن رکھو! کہ سب سے زیادہ خوفناک چیز جس کا میں اندیشہ کرتا ہوں تمہارے حق میں وہ دو ہیں: ایک لمبی لمبی امیدیں رکھنا، اور دوسرے خواہشِ نفس کی پیروی کرنا۔ رہا امیدوں کا لمبا ہونا، یہ آخرت کو بھلا دیتا ہے، اور رہا خواہش کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے دور کردیتا ہے۔ خوب سن رکھو! کہ دنیا پشت پھیر کر جارہی ہے، اور آخرت ہماری طرف متوجہ ہوکر تیزی سے آرہی ہے، اور ان دونوں کے کچھ بیٹے ہیں، سو اگر تم سے ہوسکے تو آخرت کے بیٹوں میں سے بنو! دنیا کے بیٹوں میں سے نہ بنو، کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے حساب کا نہیں، اور کل کو حساب ہوگا عمل نہیں ہوگا۔''

ظاہر اور پوشیدہ سے عبرت!

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے آخری جملے تھے، جن کو میں بیان کر رہا تھا کہ جس شخص کو سامنے کی چیزیں نفع نہیں دیتیں اور ان سے وہ عبرت نہیں پکڑتا، تو جو چیزیں کہ اس سے پوشیدہ ہیں، وہ ان کے بارے میں زیادہ اندھاپن اختیار کرے گا۔ جب آنکھوں دیکھی چیز سے یہ عبرت نہیں پکڑتا تو جو چیزیں اس کی نظر سے پوشیدہ ہیں کیا توقع ہے کہ وہ ان سے عبرت پکڑے گا؟ جب کوئی سامنے کی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا اور عمل پر آمادہ نہیں ہوتا، تو جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان کو سننے کے بعد یہ کیونکر عمل پر آمادہ ہوگا؟ مشہور ہے کہ:

''اَلسَّعِیْدُ مَنْ وَعَظَ بِغَیْرِہٖ!'' (اتحاف ج:۱۰ ص:۲۳۵)

ترجمہ:......''نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے عبرت

پکڑے!“

یعنی دوسروں پر جو حالات گزر رہے ہیں، ان حالات کو دیکھ کر عبرت پکڑے، مرنے والے مر رہے ہیں، ہمیں ان سے عبرت پکڑنا چاہئے کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے، مرنے والا اپنے بیوی بچوں، گھر بار، اور کاروبار کو چھوڑ کر چلا گیا، اب نہ کوئی اس فیصلۂ خداوندی کے خلاف اپیل کرسکتا ہے اور نہ مرنے والے کو کوئی واپس لاسکتا ہے، اور اگر وہ بیچارہ واپس آ بھی جائے تو کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرے گا، دوسروں کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور سوچیں کہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے!

قبر سے واپس آنے والے کا قصہ:

ایک قصہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کو دفن کردیا گیا، حقیقت میں اس کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو سکتہ ہوگیا تھا، سکتہ ایک بیماری ہوتی ہے جس سے آدمی مُردے جیسا ہوجاتا ہے، حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے، نبض بھی بند ہوجاتی ہے، دل کی حرکت بھی بند ہوجاتی ہے، پھر یہ سکتہ بعض اوقات دو دو دن، تین تین دن رہتا ہے، لیکن روح کا تعلق بدن سے قائم ہوتا ہے، اس کی علامتیں اطبا بتاتے ہیں، مگر ایک موٹی سی علامت یہ ہے کہ روح جب بدن سے جدا ہوجاتی ہے تو جسم میں تغیر پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے، لیکن اگر سکتہ کی بیماری ہو تو جسم میں تغیر وغیرہ نہیں ہوتا، کئی کئی دنوں سے آدمی سکتہ میں پڑا ہوتا ہے، ہاتھ ہلاؤ تو ہاتھ ہلیں گے، اسی طرح دوسرے اعضا کو حرکت دو، وہ بھی حرکت کریں گے۔

تو خیر اس بے چارے کو سکتہ کی بیماری ہوگئی، ورثا نے اس کو مُردہ سمجھ کر دفن کردیا، جب لوگ اس کو دفن کرکے گھر واپس آگئے تو قبر میں اس کے سکتہ کی بیماری دور ہوگئی اور کوئی ایسی صورت ہوگئی ہوگی کہ قبر سے کراہنے کی آواز آئی، کسی نے سوچا کہ بھائی یہ تو قبر کے اندر کوئی زندہ آدمی ہے، اس کی قبر کھولی تو یہ کفن پہنے ہوئے زندہ نکل

آیا، قبر کھولنے والے نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا: میں زندہ تھا، لوگ مجھے دفن کر کے چلے گئے، حالانکہ مجھے سکتہ کی بیماری تھی! اس آدمی نے کہا کہ: تم کون ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے؟ اس نے سب کچھ بتادیا، شام کا وقت تھا، وہ اپنے گھر چلا گیا اور اس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی، اس کا لڑکا نکلا، اس نے جو دیکھا تو ابا سامنے کھڑا ہے، اس نے سمجھا کہ ابا کی شکل میں کوئی جن آگیا ہے، کیونکہ ابا کو تو وہ اپنے ہاتھوں سے دفن کر آئے تھے، اس لئے گھر والوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ یہ منظر دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے، اب وہ بیچارہ کہتا ہی رہا کہ میں فلاں ہوں! مگر لوگوں نے کہا کہ: اس کو تو ہم دفن کر کے آئے ہیں، اتنے میں اس کے لڑکے نے اس کے سر پر کوئی چیز ماری، وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، وہیں مرگیا۔ تم ذرا قبر سے اُٹھ کر آ کے تو دکھاؤ! اول تو تمہیں اُٹھنے کون دے گا؟ اور اگر اُٹھ کر آ بھی گئے، تو جنھوں نے تمہیں گھر سے نکال دیا تھا یعنی قبرستان پہنچا آئے تھے، اب وہ قبول نہیں کریں گے۔

تو یہ مطلب ہے کہ جب تم سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے تو جو چیزیں تمہاری نظر سے غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان کے معاملہ میں تو اس سے بھی زیادہ اندھاپن اختیار کرو گے۔

میدانِ حشر کی ہولناکی:

ہم لوگ قبر کے حالات سنتے ہیں، اس سے کوئی عبرت نہیں، قیامت کے دن کے احوال سنتے ہیں، اس کی ہولناکیاں سنتے ہیں، وہاں کا حساب و کتاب، حقوق کا دلایا جانا، لوگوں کا مارے مارے پھرنا وغیرہ، مگر پھر بھی ہم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے، میدانِ حشر کی ہولناکی کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے:

”یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ. وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ. لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ.“ (عبس: ۳۴ تا ۳۷)

ترجمہ:......"جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے،
اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے
بچوں سے، ہر آدمی کے لئے ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو
کفایت کرے گی، دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔"

ایک نیکی کوئی نہیں دے گا:

وہ حدیث شریف میں مشہور قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، آپ نے بھی کئی دفعہ سنا ہوگا کہ:

"اِنَّهُ یُؤْتٰی بِرَجُلٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَمَا یَجِدُ لَهُ حَسَنَةً تُرَجِّحُ مِیْزَانَهُ وَقَدْ اِعْتَدَلَتْ بِالسَّوِیَّةِ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهُ رَحْمَةً مِّنْهُ: اِذْهَبْ فِی النَّاسِ فَالْتَمِسْ مَنْ یُّعْطِیْکَ حَسَنَةً اُدْخِلُکَ بِهَا الْجَنَّةَ! فَیَسِیْرُ یَجُوْسُ خِلَالَ الْعَالَمِیْنَ، فَمَا یَجِدُ اَحَدًا یُّکَلِّمُهُ فِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرِ اِلَّا یَقُوْلُ لَهُ: خِفْتُ اَنْ یَخِفَّ مِیْزَانِیْ، فَاَنَا اَحْوَجُ مِنْکَ اِلَیْهَا! فَیَیْأَسُ فَیَقُوْلُ لَهُ رَجُلٌ: مَا الَّذِیْ تَطْلُبُ؟ فَیَقُوْلُ: حَسَنَةً وَّاحِدَةً! فَلَقَدْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ مِنْهَا اُلُوْفٌ فَبَخِلُوْا عَلَیَّ، فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّجُلُ: لَقَدْ لَقِیْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی فَمَا وَجَدْتُّ فِیْ صَحِیْفَتِیْ اِلَّا حَسَنَةً وَّاحِدَةً وَمَا اَضُنُّهَا تُغْنِیْ عَنِّیْ شَیْئًا خُذْهَا هِبَةً مِّنِّیْ اِلَیْکَ. فَیَنْطَلِقُ فَرِحًا مَسْرُوْرًا، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُ: مَا بَالُکَ؟ وَهُوَ اَعْلَمُ، فَیَقُوْلُ: رَبِّ اتفق مِنْ اَمْرِیْ کَیْتَ وَکَیْتَ، ثُمَّ یُنَادِیْ سُبْحَانَهُ بِصَاحِبِهِ الَّذِیْ وَهَبَهُ الْحَسَنَةَ فَیَقُوْلُ لَهُ سُبْحَانَهُ: کَرَمِیْ اَوْسَعُ مِنْ کَرَمِکَ،

خُذْ بِيَدِ اَخِيْکَ وَانْطَلِقَا اِلَى الْجَنَّةِ."

(التذکرہ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ، علامہ قرطبیؒ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص:۳۷۱، رسائل غزالی تحت الدرۃ الفاخرۃ فی کشف علوم الآخرۃ، امام غزالیؒ، ص:۱۳۶، ۱۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:...... "قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو لایا جائے گا جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اُسے فرمائیں گے: جاؤ! کسی سے ایک نیکی مانگ لاؤ تاکہ تیری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے اور تجھے جنت میں داخل کردیں۔ وہ میدانِ حشر میں نیکی کی تلاش میں چکر لگائے گا، اور ہر ایک سے ایک نیکی کا سوال کرے گا، مگر اس سلسلہ میں اس سے کوئی بات نہیں کرے گا، ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر ہوگا کہ کہیں میری نیکیوں کا پلڑا ہلکا نہ ہوجائے اور مجھے ایک نیکی کی ضرورت نہ پڑجائے، یوں ہر ایک اپنی ضرورت اور احتیاج کے پیش نظر اسے ایک نیکی دینے سے انکار کردے گا، وہ مایوس ہوجائے گا کہ اتنے میں اس کی ایک آدمی سے ملاقات ہوگی، جو اُسے کہے گا: کیا تلاش کررہے ہو؟ یہ کہے گا کہ: ایک نیکی تلاش کررہا ہوں! پورے خاندان اور قوم سے ملا ہوں، ہزاروں نیکیاں رکھنے کے باوجود کوئی ایک نیکی دینے کا روادار نہیں، سب نے ایک نیکی دینے سے بخل کا مظاہرہ کیا ہے، وہ شخص اسے کہے گا کہ: میرے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی نیکی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ایک نیکی مجھے کوئی نفع نہیں دے گی، لہٰذا یہ نیکی آپ میری طرف سے بطور ہبہ قبول کیجئے! وہ شخص ایک نیکی لے کر

خوش و خرم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے اس سے پوچھیں گے: کہاں سے لائے؟ وہ اپنا پورا قصہ کہہ سنائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی والے کو بلاکر فرمائیں گے: میرا کرم و احسان تیری سخاوت سے وسیع تر ہے! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں جاؤ۔ یوں وہ دونوں جنت میں چلے جائیں گے۔"

یعنی ایک آدمی کا نامۂ اعمال تولا جائے گا، نیکیاں اور بدیاں برابر ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو تمہارے لئے جنت کا فیصلہ ہوجائے گا!

چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ: ایک نیکی کس سے مانگوں؟ آپ ہی سے کیوں نہ مانگ لوں، کہاں مارا مارا پھروں گا؟ آپ احکم الحاکمین ہیں، ایک نیکی انعام کے طور پر اپنے پاس سے عطا کردیجئے، میرا بیڑا پار ہوجائے گا! لیکن شاید اس سے مجاہدہ کرانا ہوگا جو اس نے دنیا میں نہیں کیا، اب آخرت کی ہولناک تپش میں وہ مارا مارا پھرے گا، بھائی کے پاس جائے گا، بھائی نہیں مانے گا، وہ کہے گا کہ: میرا تو کوئی بھائی نہیں تھا! ماں کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا! میری اولاد کہاں سے آگئی؟ بیوی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: تو کون ہوتا ہے؟ میں نے تو کبھی شوہر نہیں کیا تھا! اولاد کے پاس جائے گا وہ بھی نہیں مانے گی، کہنے لگے گی کہ: ہم تو بغیر باپ کے ہی پیدا ہوئے تھے! اس نے سارے دروازے کھٹکھٹا کے دیکھ لئے، ساری جگہ پھر کے دیکھ لیا، سب سے مل کر دیکھ لیا، تمام عزیزوں نے صاف صاف جواب دے دیا، سب لوگ ایک نیکی تک نہیں دے رہے۔ بالآخر وہ پریشان حال چلتے چلتے ایک آدمی کے پاس سے گزرے گا، وہ کہے گا کہ: کیا قصہ ہے کہ بہت پریشان نظر آتے ہو؟ وہ اپنا ماجرا بتائے گا کہ جنت میں جانے کے

لئے ایک نیکی کی ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ: بھائی! ہمارے نامۂ اعمال میں تو ہے ہی ایک نیکی، باقی سب بدیاں ہی بدیاں ہیں، جب تمہیں ایک نیکی نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی تو ہمارے لئے تو ظاہر ہے کہ جہنم واجب ہے! ان بدیوں کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ اتنی ساری نیکیاں کہاں سے لائیں گے؟ چلو بھائی! ایک نیکی تم لے جاؤ! تمہارا تو کام بن جائے، ہمارے لئے تو پہلے بھی دوزخ میں جانا تھا، اب بھی دوزخ میں جانا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ ایک نیکی دے کر بھی ہمارا کیا نقصان ہوگا؟ لے جاؤ یہ نیکی تم اپنا کام چلاؤ! اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے، وہ نیکی لے کر جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: کس نے دی ہے؟ تمہارے ابا نے؟ کہے گا: نہیں! اماں نے؟ کہنے لگے گا کہ: نہیں! بیوی نے؟ کہے گا کہ: نہیں! اولاد نے؟ کہے گا کہ: نہیں! آخر کس نے دی؟ کہے گا کہ: ایک آدمی ملا تھا، اس غریب کے پاس ایک ہی نیکی تھی، اس نے کہا: یہ نیکی تم لے جاؤ! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس کو جنت میں پہلے بھیجو! وہ آگے ہوگا اور یہ اس کے پیچھے ہوگا۔

تو ہم یہ سب کچھ سنتے ہیں لیکن ان سنی ہوئی باتوں سے ہمیں کیا عبرت ہو؟ اس کو امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں جو آنکھوں دیکھی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا تو وہ ان چیزوں سے جو اس سے غائب ہیں اور جن کے بارے میں صرف سنا ہے، ان سے کیا عبرت پکڑے گا؟

اولاد کا باپ کو دنیا ہی میں برداشت نہ کرنا:

میرے سامنے دسیوں کیس اس قسم کے آئے کہ بڑے میاں کو نہ اس کی بیوی قبول کرتی ہے اور نہ اولاد قبول کرتی ہے، آپ نے بھی ایسے واقعات سنے ہوں گے، ساری عمر ان کو کھلا کھلا کر موٹا کیا اور ان کے لئے اپنا دین بھی برباد کیا، دنیا بھی برباد کی، لیکن آج جب بڑے میاں معذور ہوگئے تو ان کو جواب دے دیا گیا، بڑے میاں

کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، بڑھاپے میں بچارا کھانستا ہے، اس کو ساری ساری رات نیند نہیں آتی، اور ان لوگوں کو اس کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ: یہ بوڑھا ساری رات سونے نہیں دیتا! یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ بہت سارے واقعات ہیں، تو قبر کے معاملات اور حشر کے معاملات، دوزخ کے معاملات اور جنت کے معاملات یہ تو ابھی ہم سے غائب ہیں، عالم غیب ہے، یہ ابھی کھلا نہیں، اس عالم شہادت سے تم عبرت نہیں پکڑتے تو عالم غیب سے کیا عبرت پکڑو گے؟

ظالم سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا:

تم یہاں نہیں دیکھتے ہو کہ ظالم کو اللہ تعالیٰ پکڑتے ہیں اور بدلہ لیتے ہیں، اس کے باوجود لوگوں کو عبرت نہیں ہوتی، بھائی کبھی کسی پر ظلم نہ کیا جائے، آج تو حالت یہ ہو چکی ہے کہ کسی کے ہاتھ یتیم کا مال لگ جائے تو اس کو پرواہ نہیں وہ کھا پی جاتا ہے، قرآن نے کہا ہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا۔“ (النسآ:۱۰)

ترجمہ:...... ”جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں تو وہ مال نہیں کھاتے بلکہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں!“

قبر میں بداعمالیوں کے سانپ کا قصہ:

گزشتہ جمعہ کو میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے ایک قصہ سنایا تھا نا! جس کی بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے یوں نقل کیا ہے:

”اخرجه ابن ابی الدنیا والبیهقی فی شعب الایمان عن عبدالحمید بن محمود المعولی قال: کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَتَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوْا: اِنَّا خَرَجْنَا

حُجَّاجًا مَعَنَا صَاحِبٌ لَّنا حَتّٰی اَتَیْنَا ذَاتَ الصِّفَاحِ، فَمَاتَ فَهَیَّأْنَاهُ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا، فَحَفَرْنَا لَهُ قَبْرًا لَحِدْنَا لَهُ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ، فَاِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ، فَتَرَکْنَاهُ وَحَفَرْنَا لَهُ مَکَانًا آخَرَ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ اِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ فَتَرَکْنَاهُ وَاَتَیْنَاکَ، فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ: ذَاکَ الْغُلُّ الَّذِیْ یَغُلُّ - ولفظ البیهقی -: ذٰلِکَ عَمَلُهُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ، اِنْطَلِقُوْا فَادْفِنُوْهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ حَفَرْتُمُ الْاَرْضَ کُلَّهَا لَوَجَدْتُّمُوْهُ فِیْهَا. فَانْطَلَقْنَا فَدَفَنَّاهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَأَلْنَا اِمْرَأَتَهٗ مَا کَانَ یَعْمَلُ زَوْجُکِ؟ قَالَتْ: کَانَ یَبِیْعُ الطَّعَامَ فَیَأْخُذُ کُلَّ یَوْمٍ عَنْهُ قُوْتَ اَهْلِهٖ، ثم یقرض الفصل فَیُلْقِیْهِ فِیْهِ۔''

(شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ فی القبور ص۱۷۴، طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:......''ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبدالحمید بن محمود معولی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ آکر کہنے لگے کہ: ہم حج کرنے آئے تھے، ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جن کا انتقال ہوگیا، ہم نے ان کے غسل وکفن سے فراغت کے بعد ان کے لئے قبر کھودی، ابھی ہم اس کی تدفین کرنا ہی چاہتے تھے کہ دیکھا کہ اس قبر میں ایک بہت بڑا کالا سانپ ہے، جس نے قبر کو بھر رکھا ہے، ہم نے وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودی، تو وہاں بھی یہی معاملہ تھا، تب ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ اس کا وہ دھوکا اور کھوٹ ہے جو کیا کرتا تھا۔ بیہقی کے الفاظ ہیں کہ: یہ اس کا وہ عمل ہے جو وہ کیا کرتا تھا۔ جاؤ! اس کو ان میں سے کسی قبر میں دفن کردو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم پوری زمین میں جہاں اس کے لئے قبر کھودو گے اس سانپ کو وہاں پاؤ گے۔ راوی کہتا ہے کہ: ہم نے ان میں سے ایک قبر میں اس کو دفن کردیا، جب ہم حج سے فارغ ہوکر گھر لوٹے تو اس کی بیوی کے پاس گئے، اور اس سے پوچھا کہ تیرا شوہر کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا: گندم کی تجارت کرتا تھا، جتنا روز کا گھر کا خرچہ ہوتا وہ اتنا نکال لیتا تھا اور اس کی جگہ گندم کا ردی حصہ یعنی جو وغیرہ اس میں ملا کر وزن برابر کردیتا تھا۔''

یعنی حاجیوں کا قافلہ جارہا تھا، ایک حاجی کا راستے میں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر انتقال ہوگیا، اس کو کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنے لگے، قبر کھودی تو ایک بہت بڑا سانپ جس کو اژدہا کہتے ہیں، اس نے پوری لحد گھیری ہوئی ہے، لوگ حیرت زدہ ہوگئے، دوسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی ہوا، تیسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی صورتِ حال، تو لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور کہا کہ: حضرت! کیا کریں؟ فرمایا: ساری دنیا کی زمین بھی کھودلوگے تو یہ تمہیں وہاں بھی ملے گا، یہ اس کا عمل ہے، سانپ نہیں ہے!

یہ جو قبر میں ہم سانپ اور بچھو کا سنتے ہیں، یہ حقیقتِ واقعہ ہے، یہ محض ڈرانے کی باتیں نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات ہیں، اور یہ سانپ اور بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض اور دوسری بلائیں یہ ساری کی ساری اس کے اپنے اعمال ہیں، اور جو قبر "رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ" یعنی

جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، یہ بھی اپنے اعمال ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کو اسی قبر میں دفن کردو! تم ساری روئے زمین بھی کھودلوگے تو یہ وہاں ضرور نکلے گا، کیونکہ یہ اس کا اپنا عمل ہے! پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو وہیں دھکیل کر (ڈر اور خوف تو تھا ہی) جلدی سے اوپر سے بند کردیا۔

ملاوٹ کا وبال:

واپس آئے تو اس کے گھر گئے، اس کی بیوی سے پہلے تعزیت کی اور پھر پوچھا: یہ کیا بات تھی؟ سارا قصہ اس کو سنایا، کہنے لگی کہ: غلے کا کاروبار کرتا تھا، جتنی آج کی ضرورت ہوتی اتنے گیہوں نکال لیتا اس کی جگہ ''جو'' ڈال دیتا، وزن پورا رکھتا تھا۔ تاجر حضرات سن لیں! ملاوٹ کرنے والے اتنے سے نفع کے لئے اتنا نقصان کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ. وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ. اَ لَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ. لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ. يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ.'' (المطففین:۱ تا ۶)

ترجمہ:...... ''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر دیتے ہیں یا وزن کرکے دیتے ہیں تو ڈنڈی مارتے ہیں، گھاٹا ڈالتے ہیں، لوگوں کو کم دیتے ہیں، کیا ان کو یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو ایک بڑے دن میں اُٹھایا جائے گا؟ جس دن سب انسان رب العالمین کے سامنے حاضر

ہوں گے، کھڑے ہوں گے!''

دنیا عبرت کی جا ہے!

دراصل ہمارا آخرت پر ایمان نہیں رہا، اور آخرت سے پہلے قبر پر بھی ایمان نہیں، خواجہ مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے!
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے!

یہاں تم عبرت پکڑو، تماشے نہ دیکھو!

نیک بخت شخص؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نیک بخت ہے وہ شخص جو دوسروں کے حال سے عبرت پکڑے! شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لقمان حکیم را گفتند ادب از کسے آموختی؟ گفت از بے ادباں!

حکیم لقمان سے لوگوں نے پوچھا کہ: آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ فرمایا کہ: بے ادبوں سے سیکھا! لوگوں نے کہا: وہ کیسے؟ فرمایا: جو بات میں نے کسی کے اندر ایسی دیکھی جو میری نظر میں اچھی نہیں تھی، تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ مجھ سے یہ بات یا عمل نہیں صادر ہوگا، اس کو تو کچھ نہیں کہا، البتہ اپنی اصلاح کرلی، اس طرح باادب اور صاحبِ ادب بن گئے، گویا جتنے بے ادب تھے اور ان کے اندر جو بات بھی ناپسندیدہ تھی یا نظر آئی، میں نے اس کو چھوڑ دیا، اس کو کہتے ہیں دوسروں سے عبرت پکڑنا! تو جو شخص آنکھوں دیکھی چیز سے عبرت نہیں پکڑتا، وہ کانوں سنی سے کیا عبرت پکڑے گا؟ اس کے سامنے دوزخ کے حالات بیان کرو، اس کے سامنے قیامت کی ہولناکیاں بیان کرو، اس کے سامنے قبر کی باتیں بیان کرو، اس کے لئے یہ سب بے سود ہے!

کوچ کا نقارہ بج چکا:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: ایک بات یاد رکھو! کہ تمہارے لئے کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔

نمازِ جنازہ میں اذان اور اقامت نہیں ہوتی، کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان اور اقامت کہہ دی جاتی ہے، اور بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جلدی کر اذان ہوچکی ہے، اقامت ہوچکی ہے، امام نیت باندھنے والا ہے، بس اتنی مہلت ہے تیرے پاس! کیونکہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ تکبیر کے بعد امام کی نیت باندھنے میں جتنی دیر لگتی ہے، بس اتنی فرصت ہے تیرے پاس، جلدی کرلے جو کرنا ہے، یہ ہے کوچ کا نقارہ، فرماتے ہیں کہ: کوچ کا نقارہ بج چکا ہے، اور تمہیں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ توشہ ساتھ لے کر جانا ہے۔ کیا توشہ لے کر جانا ہے؟

بوجھ ہلکا کرو:

میں نے شیخ عطار رحمہ اللہ کا شعر آپ کو سنایا تھا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: تیرا وجود اور جثہ بہت کمزور ہے، ذرا اپنا بوجھ ہلکا کرلو، یہ تم نے خوبصورت پتھروں کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھ لیں، ذرا اپنا بوجھ ہلکا رکھو، پیسے جیب میں لے جاؤ، سونے کی اشرفیاں لے جاؤ، یہ تمہیں کام دیں گی، اور یہ جو تم گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھ رہے ہو تمہیں معلوم ہے کہ کمر پر لاد کے لے جانا ہے، تم تو بہت ہلکا سا، کمزور سا وجود رکھتے ہو، اپنا بوجھ ہلکا رکھو، ورنہ راستے میں تم اپنا معاملہ بڑا سخت دیکھو گے، حضرتؒ یہ ساری چیزیں جو باندھ باندھ کے لے کر جارہے ہیں خود اُٹھانی پڑیں گی، وہاں قلی نہیں ملتے، ارے یہاں لندن کے ایئرپورٹ پر قلی نہیں ملتے تو وہاں کہاں ملیں

گے؟ وہاں تو یہ معاملہ ہوگا کہ: دستِ خود دھنِ خود، یعنی اپنا ہاتھ اور اپنا منہ۔ خود ہی نمٹو، تو تمہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ توشہ لے کر جانا ہے، مگر تم سنتے ہی نہیں، جو توشہ لے جانا ہے اس کی فکر نہیں کر رہے، اور جو بوجھ نہیں اُٹھانا ہے اس کو باندھ رہے ہو۔

طولِ امل اور اتباعِ ہویٰ:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: دو چیزیں مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ خوفناک نظر آرہی ہیں، ایک طولِ امل (''طول'' کے معنی لمبا ہونا اور ''امل'' کے معنی امیدیں)۔ ہم میں سے ہر شخص جب مکان بناتا ہے تو آر سی سی کا بناتا ہے، اچھے سے اچھا مال، اتنے موٹے موٹے سریے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے یہ مکان حادثہ سے محفوظ رہے، تو یہ عمارت ایک ہزار سال تو کہیں جاتی نہیں، لیکن:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں!
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں!

یہ تو اپنی موت سے بے خبر ہوکر ہم امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ کریں گے، وہ کریں گے، اسی کا نام ''طولِ امل'' ہے، امیدوں کا لمبا رکھنا، ہاں بقدرِ ضرورت سامان جمع کرسکتے ہو، مثلاً تم ملازم ہو اور ایک ماہ کے بعد تنخواہ ملتی ہے، تو تم ایک ماہ کا سامان کرلو، اگر کوئی بیچارا کسان ہے اور اس کی فصل چھ ماہ کے بعد آتی ہے، چھ ماہ کا سامان کرلو، اور ایک بیچارہ مزدور ہے، دہاڑی پر کام کرتا ہے، وہ ایک دن کا انتظام کرلے، کل اللہ تعالیٰ دے گا، زندگی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ضرور دیں گے، یہ تو موٹی سی بات ہے کہ اگر زندگی اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے تو زندگی کسی چیز کے ساتھ قائم بھی تو رہے گی، تو اللہ تعالیٰ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرے گا، اتنی مختصر سی بات تھی کہ ہم اپنے کام میں لگتے اور یہاں کی دلچسپیوں کو کم کرتے، لیکن ہمارا معاملہ بالکل اُلٹ ہوگیا، امیدیں لمبی ہوگئیں، اور آخرت کی فکر بالکل ہی موہوم ہوگئی،

بلکہ موہوم ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی، دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ہمیں شاید ہی خیال آتا ہو کہ ہمیں جانا ہے، یار تیاری کرلیں! کل سفر ہے اور سفر بہت دور کا ہے! یہاں سے لوگ حرمین شریفین کے سفر پر جاتے ہیں یا کسی اور جگہ کسی اور ملک میں جاتے ہیں تو وہاں جاکر ٹیلی فون کرتے ہیں کہ میں فلاں چیز بھول آیا ہوں، فلاں آدمی آرہا ہے میرے پاس، اس کے ہاتھ بھجوادینا، تو بھائی! یہ ایسا سفر ہے کہ اس سفر میں ٹیلی فون بھی نہیں کرسکو گے، تمہیں واپس آنے کی مہلت نہیں ہوگی اور کچھ منگوانے کی مہلت نہیں ہوگی، تو لمبی امیدوں کی جگہ چاہئے تو یہ تھا کہ ہماری امیدیں منقطع ہوجاتیں، اور آدمی یہ کہتا کہ مجھے اس چیز سے کیا غرض؟ اور میں اس کا کیا کروں گا؟ کیونکہ میرا تو شام کو سفر ہے، جب میں شام کو جارہا ہوں اور رخصت ہو رہا ہوں تو مجھے کوئی ہزار بلڈنگیں بھی دے دے تو میں ان کو کیا کروں گا؟ کوئی کہے کہ یہ کارخانہ آپ کا ہے، کوئی مفت بھی دے تو میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، بھائی ہمارا اصل معاملہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ موت نصب العین ہوتی، ہماری قبر ہمارے سامنے ہوتی اور ہمیں خیال ہوتا کہ صبح گئے یا شام گئے، کہاں کی امیدیں؟ کہاں کے منصوبے؟ اور کہاں کی یہ چیزیں؟ لیکن ہمیں غارت کردیا یہاں کے منصوبوں نے، اور جس کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہئے تھی وہ تو کی ہی نہیں۔

اتباعِ ہویٰ کے نقصانات:

فرمایا: ایک تو مجھے سب سے زیادہ خطرے کی چیز یہ نظر آرہی ہے، اور دوسری چیز ہے ''اتباعِ ہویٰ'' یعنی خواہش نفس کی پیروی کرنا۔

ہماری خواہش نفس کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شریعت کا مسئلہ یا شریعت کی کوئی بات ہماری خواہش نفس کے مطابق ہوگی تو ہم عمل کریں گے، ورنہ کہہ دیں گے کہ: ''اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے!'' بس نفس کی خواہش پوری ہونی چاہئے، اللہ اور اللہ

کے رسول کا فرمان پورا ہوتا ہے یا نہیں؟ اس چیز سے ہمیں بحث نہیں! بس ہماری خواہش نفس پوری ہونی چاہئے۔

طولِ امل کا نقصان:

فرمایا کہ: ان دونوں کے خطرناک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ''طولِ امل'' امیدوں کا لمبا ہونا، آدمی کو آخرت بھلا دیتا ہے۔ آرزوؤں میں پڑ کے آدمی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، آخرت کا کام کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

اتباعِ ہویٰ یعنی خواہش نفس اور اس کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے روک دیتا ہے۔ جو شخص اپنی خواہش نفس پر چلتا ہو، وہ حق کو قبول نہیں کر سکتا، اس کے سامنے کتنے ہی اخلاص کے ساتھ، کتنی ہی ہمدردی کے ساتھ اور کتنی ہی محبت کے ساتھ اور کیسی ہی نرمی کے ساتھ حق بات پیش کیجئے، چونکہ وہ حق بات اس کی خواہش کے خلاف ہے، اس لئے وہ اسے قبول نہیں کرے گا، بلکہ جواب دے گا کہ: ''جاؤ جی مولوی صاحب! اپنا کام کرو! تم نہیں جانتے ان معاملات کو!'' یہ ہے وہ اتباعِ ہویٰ! جو آدمی کو حق سے روک دیتا ہے، خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب کوئی حکم سامنے آجائے تو اپنے نفس کی خواہش کو چھوڑ دو یہ ہمارا نفس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہمارا خیر خواہ نہیں۔

دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: دنیا جارہی ہے، آخرت آرہی ہے، اور دونوں کے بیٹے ہیں۔

آخرت کے بیٹے بنو:

کچھ بیٹے ہیں دنیا کے، کچھ بیٹے ہیں آخرت کے، آپ کو معلوم ہے کہ بیٹا جس باپ کا ہوتا ہے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے، بیٹا تو ایک ہی باپ کا ہوتا ہے، دو

کا تو نہیں ہوتا، ایک باپ کے دو بیٹے تو ہوسکتے ہیں، مگر ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوسکتے، باپ تو ایک ہی ہوگا۔ تو بعض لوگ ایسے ہیں جو ابنـاء الدنیـا ہیں، دنیا کے بیٹے ہیں، ان کا اور کوئی باپ نہیں ہے، اور کچھ ہیں جو ابناء الآخرۃ ہیں، آخرت کے بیٹے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا. اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا." (الکہف:۱۰۳،۱۰۴)

ترجمہ:......"(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ تمہیں بتائیں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ (اکثر سب سے زیادہ خسارہ اُٹھانے والے اعمال کے اعتبار سے کون ہیں؟) یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری محنت ضائع ہوگئی، گم ہوگئی دنیا کی زندگی میں، اور یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ یہ لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔"

دنیا کے بیٹے ابنائے آخرت کا مذاق اُڑاتے ہیں:

دنیا والے مُلّاؤں کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ دنیا کا کام نہیں جانتے، اللہ والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، غریب غربا کا مذاق اُڑاتے ہیں، فقیروں کا مذاق اُڑاتے ہیں، جن کے پاس دنیا نہیں ہے ان کا مذاق اُڑاتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ہنرمند ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، آج کل اسی کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں جو دنیا کمانا، حرام کمانا زیادہ جانتا ہو۔

تمہیں کمزوروں کی برکت سے رزق ملتا ہے:

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص اپنے چھوٹے بھائی کی شکایت لے کر آئے، بڑا بھائی کماتا تھا اور چھوٹا بھائی کماتا نہیں تھا، تمہاری اصطلاح

میں ''صوفی'' تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا، تو بڑے بھائی نے شکایت کی کہ حضرت! یہ یہیں پڑا رہتا ہے، کوئی کام دھندہ نہیں کرتا۔ وہ بیچارہ تو خاموش رہا، آخر بڑے بھائی کو کیا جواب دیتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ!''

(مشکوٰۃ ص:۴۴۷)

ترجمہ:...... ''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تم کو جو رزق دیا جاتا ہے، وہ ان کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے!''

تم سمجھتے ہو کہ میں کما رہا ہوں، تم نہیں کما رہے، اللہ تعالیٰ اس کے حصے کی دے رہا ہے، گھر میں جو سب سے کمزور آدمی ہے اور جو بیچارہ کمائی میں سب سے پھسڈی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمام گھر والوں کو پال رہے ہیں، یہ ابناء الآخرۃ یعنی آخرت کے بیٹے ہیں، لیکن دنیا نہیں کما سکتے، کیا کریں؟ تم کبھی ان کا مذاق اُڑاتے ہو کہ خیرات کی روٹیوں پر پلتے ہیں، کبھی کچھ کہتے ہو، کبھی کچھ کہتے ہو، کہتے رہو بھائی! ہمارا کچھ نہیں بگڑتا، تم اپنا ہی نقصان کرتے ہو، لیکن تمہاری یاددہانی کے لئے کہتا ہوں جن کو تم کہتے ہو کہ یہ خیرات کی روٹیوں پر پلتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تم ان کی وجہ سے پل رہے ہو، اللہ تعالیٰ تم کو ان کی وجہ سے پال رہا ہے، وہ نہ ہوتے تو اللہ تمہیں نہ پالتا، تم ان کو نہیں پال رہے، بلکہ ان کا ضعف، ان کی کمزوری یہ تمہیں پال رہی ہے، وہ اللہ کی رحمت کو کھینچ رہی ہے۔

آج عمل اور کل حساب ہوگا:

تو ارشاد فرمایا کہ: دنیا جارہی ہے، آخرت آرہی ہے، اور دونوں کے بنون ہیں، بیٹے ہیں، سو تم ابنائے دنیا نہ بنو، ابنائے آخرت بنو، کیونکہ آج عمل ہے، حساب نہیں، کرلو جو کرنا ہے، ایک ساتھ ہی حساب کریں گے۔ ایک آقا ہوتا ہے وہ ملازم سے ایک ایک بات پوچھتا ہے، یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں نہیں کیا؟ اور ایک آقا بلند نظر ہوتا

ہے، وہ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ملازم غلطی کرتا ہے، کرنے دو، ایک ماہ تو پورا ہونے دو، پھر اندازہ ہوجائے گا کہ یہ کیسا ہے؟ ہمارے ساتھ چل سکتا ہے کہ نہیں چل سکتا؟ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ہدایتیں دے دیتا ہے، اخلاص کے ساتھ، محبت کے ساتھ، تو حق تعالیٰ شانہ ایک ایک بات پر تم سے نہیں اُلجھتے، ایک ایک بات پر مناقشہ نہیں فرماتے، عمل کی مہلت دے دی، عمل کرلو، حساب بعد میں کرلیں گے، لیکن آج کا دن ختم ہوگا، کل کا دن آئے گا تو عمل نہیں ہوگا حساب ہوگا، اس کو کہا جائے گا کہ پورا کرو حساب! کہے گا کہ: کہاں سے پورا کروں؟

میدانِ حشر میں ابنائے دنیا کا حال:

ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

”یُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللهِ فَیَقُوْلُ لَهٗ: اَعْطَیْتُکَ وَخَوَّلْتُکَ وَاَنْعَمْتُ عَلَیْکَ فَمَا صَنَعْتَ؟ فَیَقُوْلُ: رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَکْتُهٗ اَکْثَرَ مَا کَانَ فَارْجِعْنِیْ آتِکَ بِهٖ کُلِّهٖ..... الخ.“

(مشکوٰۃ ص:۴۴۳)

ترجمہ:......”ایک آدمی قیامت کے دن ذلیل و رسوا کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھیں گے کہ: میں نے تو بہت سارا مال دیا تھا تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ: یا اللہ! میں نے اس کو خوب بڑھایا تھا، (ایک کی دو دکانیں بنالی تھیں، ایک کی چار بسیں بنالی تھیں، ایک کی چار فیکٹریاں بنالی تھیں، وغیرہ وغیرہ) بہت زیادہ میں نے کاروبار کو بڑھالیا تھا، بڑی ترقی دی تھی کاروبار کو، اگر آپ کو چاہئے تو مجھے واپس بھیج دیجئے میں لاکر آپ کو دے دیتا ہوں! اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے کہ: نہیں! مجھے ضرورت نہیں ہے، وہ تو تمہیں یہاں بھیجنے کے لئے دیا تھا، تمہارے کام یہاں آتا۔"

حساب ہوگا عمل نہیں ہوگا اور آج عمل ہے حساب نہیں ہے۔

قبر والے کچھ کرنہیں سکتے:

شرح الصدور میں حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

"واخرج ابن ابی الدنیا عن ابی قلابة قال: اَقْبَلْتُ مِنَ الشَّامِ اِلَى الْبَصْرَةِ فَنَزَلْتُ الْخَنْدَقَ، فَتَطَهَّرْتُ، وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ بِاللَّيْلِ، ثُمَّ وَضَعْتُ رَأْسِيْ عَلٰى قَبْرٍ، فَنِمْتُ ثُمَّ انْتَبَهْتُ فَاِذَا صَاحِبُ الْقَبْرِ يَشْتَكِيْ وَيَقُوْلُ: لَقَدْ آذَيْتَنِيْ مُنْذُ اللَّيْلَةَ! ثُمَّ قَالَ: اِنَّكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ، وَلَا نَقْدِرُ عَلَى الْعَمَلِ، اِنَّ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ رَكَعْتَهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. ثُمَّ قَالَ: جَزَى اللهُ اَهْلَ الدُّنْيَا خَيْرًا فَاقْرَأْ مِنِّيَ السَّلَامَ، فَاِنَّهٗ يَدْخُلُ عَلَيْنَا دُعَائُهُمْ نُوْرٌ مِثْلُ الْجِبَالِ." (شرح الصدور ص:۳۰۵ طبع بیروت)

ترجمہ:...... "ابن ابی قلابہ کہتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ کی طرف جارہا تھا کہ راستہ میں رات کو ایک خندق میں اُتر کر وضو کیا، دو رکعت نفل ادا کی اور قبر پر سر رکھ کر سوگیا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قبر والا مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ رات بھر آپ نے مجھے (قبر پر سر رکھنے کی وجہ سے) ایذا دی، پھر کہنے لگا کہ: تم نہیں جانتے اور ہم جانتے ہیں، مگر عمل نہیں کرسکتے، بے شک وہ دو رکعتیں جو تو نے ادا کی ہیں، دنیا و ما فیہا سے بہتر

ہیں، پھر اس نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جزائے خیر دے،
آپ ان کو میرا سلام کہئے اور ان کو بتلایئے کہ ان کی دعائیں
ہماری قبروں میں نور کے پہاڑوں کی طرح داخل ہوتی ہیں۔"

یعنی ایک بزرگ قبرستان کے پاس سے جارہے تھے، وہاں معلوم نہیں ان کو کیا خیال آیا کہ انہوں نے ایک قبر کے پاس کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی اور اس کا ثواب قبر والے کو بخش دیا، چند لمحات کے لئے بیٹھے تھے کہ ان کو نیند آگئی، خواب میں دیکھتے ہیں کہ قبر والے سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ہم تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کا نام سننے کو ترس گئے تھے، آج تم نے دو رکعتیں میری قبر کے پاس پڑھی ہیں اور مجھے ان کا ثواب بخشا ہے، دنیا بھر کے خزانوں کی قیمت اس کے بدلے میں کچھ نہیں، مجھے اس سے اتنی مسرت ہوئی ہے۔ اور پھر وہ صاحبِ قبر کہنے لگے کہ: ہم سب کچھ جانتے ہیں، مگر کچھ کر نہیں سکتے، اور تم سب کچھ کرسکتے ہو مگر جانتے نہیں ہو۔

حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے، دنیا بقدرِ ضرورت منع نہیں، حلال سے لو حرام سے نہ لو، اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی کرتے رہو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو، بندوں کے حقوق اپنی گردن پر لے کر نہ جاؤ اور یہ سوچتے رہا کرو کہ ہم نے اپنی قبر کے لئے، اپنے حشر کے لئے اور اپنی آخرت کے لئے کیا سامان بھرا ہے؟ کیا توشہ بھرا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین!

تین طلاق کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: اِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا هُدْبَةُ الثَّوْبِ. فَقَالَ: اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ! قَالَ: لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقُ عُسَيْلَتَكِ.“

(مشکوٰۃ ص:۲۸۴)

ترجمہ:...... ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رفاعۃ القرظی رضی اللہ عنہ کی عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی کہ: میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق بتہ دے دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کیا، ان کے ہاں کپڑے کے اس کنارے کے علاوہ کچھ نہیں! (نامرد ہیں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی

ہے؟ اس نے کہا کہ: جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! جب تک یہ دوسرا شوہر تیرا ذائقہ نہ چکھ لے اور تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے! (یہ بات آپؐ نے رفاعہ کی بیوی سے فرمائی تھی، رفاعہ نے ان کو تین طلاقیں دے دی تھیں)۔‘‘

’’عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ..... فَقَالَ: اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِیْنِ ھٰذِہٖ لَمَنَادِیْلُ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ فِی الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِّنْھَا وَاَلْیَنُ.‘‘ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۹۴)

ترجمہ:......’’حضرت براءؓ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو اس کپڑے کی نرمی سے؟ البتہ سعد بن معاذؓ کو جنت میں جو رومال ملے ہیں وہ اس سے بہتر ہیں اور اس سے زیادہ نرم ہیں!‘‘

’’قَالَ اَبُوْبَکْرَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: اِنَّ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّمَا بَایَعَکَ سُرَّاقُ الْحَجِیْجِ مِنْ اَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَیْنَۃَ! قَالَ: اَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ اَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَیْنَۃَ وَاَحْسِبُ جُھَیْنَۃَ خَیْرًا مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ وَبَنِیْ عَامِرٍ وَاَسَدٍ وَغِطْفَانَ اَخَابُوْا وَخَسِرُوْا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! اِنَّھُمْ لَا خَیْرَ مِنْھُمْ.‘‘ (مسلم ج:۲ ص:۳۰۶)

ترجمہ:......’’حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ: آپ کی بیعت قبیلہ اسلم، غفار اور جہینہ میں سے حاجیوں کی

چوری کرنے والوں نے کی ہے! آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ تو بتا اگر اسلم کی قوم، غفار کی قوم، مزینہ کی قوم، جہینہ کی قوم بہتر ہوں بنوتمیم سے، بنی عامر سے، اسد سے اور غطفان کی قوم سے تو کیا ان کو نقصان اور خسارہ پڑا؟ اقرع بن حابس نے کہا کہ: جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! البتہ اسلم کی قوم اور یہ دوسرے لوگ جو ہم نے ذکر کئے ہیں یہ بہتر ہیں ان قوموں سے یعنی بنی تمیم وغیرہ سے۔“

تین طلاق کے بعد تحلیلِ شرعی کی صورت:

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، اس نے عدت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا اور کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہا: یا رسول اللہ! مجھے رفاعہ نے طلاق دے دی تھی، میں نے عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کرلیا، کپڑے کا پلو پکڑ کر کہا کہ وہاں تو ایسے قصہ ہے، یعنی وہ نامرد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ: تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا! جب تک کہ دوسرا شوہر تیرا ذائقہ نہ چکھ لے اور تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے جب تک پہلے شوہر کے لئے تو حلال نہ ہوگی۔

قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ:

”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.“ (البقرۃ: ۲۳۰)

ترجمہ:......”اگر بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد

تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے
گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔"

اور نکاح سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ حقوقِ زوجیت ادا کرلے۔

تین طلاق کا حکم:

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ پہلا شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوجاتی ہے، حرمت مغلظہ کے ساتھ اور اس کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک کہ یہ عورت کسی اور شوہر سے جاکر نکاح نہ کرے اور اس کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرے۔

عوام کی غلط فہمی:

بعض لوگ صرف اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ پہلے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو غیرمقلدوں کے پاس چلے گئے، تو انہوں نے کہا کہ: ایک ہی طلاق ہوئی ہے! وہ فتوے لئے پھرتے ہیں، جب بھی کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو پھر وہ سیدھا غیرمقلدوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے فتویٰ لیتا ہے، اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں، وہ حدیث انہوں نے رٹی ہوئی ہے، میں کہتا ہوں: تم غیرمقلدوں کے پاس جانے کے بجائے شیعوں کے پاس جایا کرو، وہ کہیں گے کہ ایک بھی نہیں ہوئی، طلاق سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

خلفائے ثلاثہؓ، صحابہ کرامؓ اور امام بخاریؒ کے ہاں تین طلاق کا حکم:

حضرت عمر امیرالموٴمنین تھے، ان کے بعد حضرت عثمان، ان کے بعد حضرت علی، رضی اللہ عنہم، یہ تینوں خلیفہ راشد اپنی اپنی خلافت کے دور میں یہ فتویٰ دیتے رہے

کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں، ایک نہیں ہوتی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب من اجاز الثلاث" کے تحت کئی حدیثیں نقل کی ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہوتی ہیں۔ غیر مقلد، امام بخاریؒ کو سب سے بڑا امام مانتے ہیں، لیکن یہاں وہ ان کی بھی نہیں مانتے، معلوم ہوا کہ اپنے مطلب کی مانتے ہیں۔

تین طلاق کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"عن هارون بن عنترة عن ابيه قال: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! اِنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ مِائَةَ مَرَّةً، وَاِنَّمَا قُلْتُهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً فَتَبِيْنُ مِنِّىْ بِثَلَاثٍ اَمْ هِيَ وَاحِدَةٌ؟ فَقَالَ: بَانَتْ بِثَلَاثٍ وَعَلَيْكَ وِزْرُ سَبْعَةٌ وَّتِسْعِيْنَ." (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۵ ص:۱۳)

ترجمہ:...... "ہارون بن عنترہ بیان کرتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ: اے ابن عباس! میں نے یکبارگی اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، تو کیا یہ مجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوجائے گی یا یہ ایک طلاق شمار ہوگی؟ آپؓ نے فرمایا: وہ جدا ہوگئی تین طلاقوں سے اور بقیہ ستانوے تم پر بوجھ ہیں۔"

اور اسی طرح کئی لوگوں نے آپؓ سے اس بارہ میں سوال کیا، کئی روایات

ہیں، ایک جگہ یہ آتا ہے کہ: ایک شخص نے کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں! فرمایا: تم میں سے ایک آدمی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ: یا ابن عباس! یا ابن عباس! پھر میرے پاس آکر فتوے پوچھتا ہے، جا تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگئیں اور ستانوے طلاقیں تیری گردن میں رہیں، اس کا وبال تجھے قیامت کے دن بھگتنا ہوگا۔

تین طلاق اور ائمہ اربعہؒ:

چاروں امام اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو تین ہوتی ہیں، اور حلالہ کرنا ضروری ہے، میں ہمیشہ لکھتا ہوں کہ اس کے لئے حلالہ شرعی ضروری ہے۔

حلالہ شرعی؟

مجھے ایک غیرمقلد نے لکھا ہے کہ: حلالہ شرعی بھی کوئی ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! حلالہ شرعی بھی ہوتا ہے جس کو قرآن نے ذکر کیا ہے: ''**فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ**'' کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔ ان الفاظ سے قرآن کریم نے جس حلالہ کو ذکر کیا ہے میں اس کو حلالہ شرعی کہتا ہوں، بعد میں پھر جواب نہیں آیا۔

اس امت میں صرف حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ، تابعی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں، اور ان کے بارہ میں میں نے جمعہ میں بتایا تھا کہ وہ مسجدِ نبوی میں فتنۂ حرّہ کے زمانے میں بیٹھے رہتے تھے، تین دن انہوں نے اس طرح گزارے ہیں، ایسے ہیں جن سے یہ منقول ہے کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلینا کافی ہے، وظیفۂ زوجیت ادا کرنا ضروری نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات ان سے غلط نقل ہوئی ہے، ورنہ تمام ائمہ اس وقت اس پر کیسے متفق ہوتے؟ ائمہ اربعہ

اس پر کیسے متفق ہوتے؟

ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع ہے:

میں اس سے پہلے بتاچکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ''عقد الجید'' میں لکھا ہے کہ جس مسئلے پر ائمہ اربعہ متفق ہوں اس مسئلہ پر اجماعِ امت ہے، وہ مسئلہ اجماعی ہے۔

جنت کے ریشمی رُومال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک تاجر آیا، اس کے پاس ایک ریشمی رومال تھا، لوگ اس کو دیکھتے تھے، بہت پسند کرتے تھے، اور ایک روایت یہ ہے کہ نصرانی بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑا ہدیہ کیا تھا، وہ کپڑا اتنا نرم اور اتنا نفیس تھا کہ اس کی تعریف نہیں ہوسکتی، لوگ اس کو ہاتھ لگا کر ٹٹولتے تھے، کہتے تھے کہ: سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم اس پر تعجب کرتے ہو، سعد بن معاذ کو جنت میں جو ریشمی رومال دیئے گئے ہیں، وہ اس سے زیادہ نرم بھی ہیں اور خوب صورت بھی ہیں۔

آنحضرتؐ کی تربیت کا انداز!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب بھی دنیا کی کسی چیز کی تعریف کی وہ تعریف اپنی جگہ صحیح تھی، غلط نہ تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ لوگ اس کو قیمتی چیز سمجھیں گے، چنانچہ ہر ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے مقابلہ میں ان کے سامنے آخرت کو پیش کیا۔

دنیا کی چیزوں کی قیمت؟

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کوڑے کے ڈھیر پر ریشمی قسم کے پرانے

چیتھڑے پڑے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ: دیکھو یہ ریشمی چیتھڑے کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے بہت شوق سے مجھے خریدا تھا، بنایا تھا، آخر میں میں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہوگیا، بس یہ حقیقت ہے دنیا کی اور یہاں کی چیزوں کی، لوگ جتنی چاہیں دنیاوی چیزوں کی تعریف کریں وہ ساری کی ساری چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہیں، جبکہ آخرت کی چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل نہیں۔

جنت کی نعمتیں سدا بہار ہوں گی:

حدیث شریف میں فرمایا کہ:

"اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْد مُرْدٌ كَحْلٰى لَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ وَلَا تَبْلٰى ثِيَابُهُمْ." (ترمذی ج:۲ ص:۸۰)

ترجمہ:......"اہل جنت سدا جوان رہیں گے اور ان کی جوانی میں کمزوری نہیں آئے گی اور جنتیوں کے کپڑے کبھی میلے نہیں ہوں گے۔"

یہ جنت ہے اور یہ دنیا ہے، جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دنیا کی کسی چیز کی تعریف کی، اس حیثیت سے کہ ایک اچھی چیز ہے، ہر اچھی چیز کی تعریف کی جاتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ دنیا کی چیز کی تعریف کر رہے ہیں جو کوڑے کے ڈھیر میں پھینکنے کے قابل ہے، گندگی میں پھینکنے کے قابل ہے، بمقابلہ اس کے جنت ہے جو ہمیشہ رہے گی اور ہمیشہ تر و تازہ رہے گی۔

جنت کے درختوں کے پھل:

ہم کسی درخت سے پھل توڑ لیتے ہیں، مثلاً: آم ہیں، ہم نے پھل توڑ لیا تو اتنی جگہ پھل سے خالی ہوگئی، جنت کے کسی بھی درخت کا جب کوئی پھل توڑا جائے گا

اس کی جگہ فوراً اللہ تعالیٰ دوسرا پھل پیدا فرمادیں گے، کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ جنت کے کسی درخت کو پھل لگا ہو، ہم نے اس کو توڑ لیا ہو اور وہ اسی طرح رہ گیا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، جنت کا اشتیاق ہونا چاہئے، شوق ہونا چاہئے، اور جنت کا شوق اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ دنیا کی حقارت ہمارے دل میں بیٹھ جائے کہ یہ دنیا حقیر اور ذلیل چیز ہے۔

تیسری حدیث اقرع بن حابس ایک صاحب تھے، بدو قسم کے آدمی تھے، بعد میں سنا تھا کہ مرتد ہوگئے تھے، پتہ نہیں وہ مسلمان ہوگئے تھے کہ نہیں، ان کی قوم بنی تمیم تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان لوگوں نے جو حاجیوں کی چوری کرنے والے ہیں، یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ یہ چند قبیلے تھے جاہلیت کے زمانے میں بھی مشہور تھا کہ وہ حاجیوں کی چوری کرلیتے ہیں، بمقابلہ بنو تمیم، بنو عامر، بنو اسد اور غطفان یہ بڑے معزز قبیلے ہیں، لیکن انہوں نے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی (پھر بعد میں کرلی تھی)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا! یہ بتاؤ کہ اگر بنو تمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان، بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ، سے بہتر ہیں تو اس صورت میں کیا یہ لوگ خسارہ میں رہے؟ انہوں نے کہا کہ: جی کیا شک ہے اس میں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہ قبیلے یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ ان دوسرے قبیلوں سے افضل ہیں، اور بعد میں پھر جو انہوں نے کارنامے انجام دیئے ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق کردی۔

زندگی کے مراحل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ.'' (الانشقاق:۶)

ترجمہ:......''اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

آج پچیسویں شب ہے، چار یا پانچ راتیں آج کی رات کے بعد باقی ہیں، حق تعالیٰ شانہ اس رمضان المبارک کے بقیہ اوقات کو اپنی رضا کے مطابق ہمیں گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سفرِ زندگی کی منزلیں:

جس راستے کے ہم مسافر ہیں، جس کو زندگی کا راستہ کہتے ہیں، اس کی پیش آنے والی منزلوں کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، کچھ منزلیں ہم طے کر چکے ہیں۔

سفر زندگی کی ابتدأ عدمِ محض سے:

پہلے عدمِ محض تھے، ہمارا کوئی وجود نہیں تھا، کوئی نام و نشان نہیں تھا، کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی۔

زندگی کا پہلا نشان:

عناصر سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری غذائیں تیار کیں، ان غذاؤں سے چوتھے ہضم کے بعد وہ مادہ تیار کیا، جس سے ہماری پیدائش ہوئی، یہ ہمارے وجود کا پہلا نشان تھا اور یہ گویا ہمارے وجود کی پہلی منزل تھی۔

دوسری منزل: شکم مادر:

پھر ماں کے پیٹ میں رہے، یہ منزل بھی گزر گئی، دنیا میں آگئے، دنیا میں آنے کے بعد کتنی منزلیں طے کیں؟ وہ آپ کے سامنے ہیں، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بچپن کی منزل:

جب پیدا ہوئے ایسی حیثیت تھی کہ نہ آنکھیں کھلتی تھیں، نہ زبان کام کرتی تھی، نہ ہاتھ پاؤں سے کام لے سکتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول ہمیں صرف ایک فن آتا تھا، اور وہ تھا ''رونے'' کا فن۔ بھوک لگے تو روتے، پیاس لگے تو روتے، گرمی سردی لگے تو روتے، کوئی بھی تکلیف ہو تو روتے، غرضیکہ ہماری تمام حاجتیں صرف ایک ذریعے سے پوری ہوتی تھیں اور وہ تھا ''رونا''، بچہ جب روتا ہے تو ماں سمجھ لیتی ہے کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے، یہ دور بھی گزرا اس کے بعد ہم آہستہ آہستہ رینگنے لگے اور کچھ عرصے کے بعد بولنے لگے، پھر مختلف مرحلے طے کرتے ہوئے ہمارا بچپن گزر گیا اور ہم نے جوانی کی دہلیز میں قدم رکھا۔

جوانی کی منزل:

حدیث میں ہے: "الشباب شعبة من الجنون." یعنی جوانی جنون کی ایک شاخ ہے۔

جوانی آئی تو ہم نے سمجھا کہ نہ ماں باپ کو عقل ہے، نہ دوسرے لوگوں کو، دنیا بھر کی عقل صرف ہمارے پاس ہے، اور اتنی کہ اپنی اس عقل کے ذریعے سے اللہ اور اس کے رسول کا بھی مقابلہ کرنے لگے، یہ دور بھی گزر گیا، جوانی پختہ ہوئی تو عقل بھی پختہ ہوئی۔

بڑھاپے کی منزل:

چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو قویٰ میں انحطاط شروع ہوگیا، اب چلتے چلتے بڑھاپے کی دہلیز میں پہنچے، اب رفتہ رفتہ یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کا کام نہیں کرتیں، کان ہیں لیکن سنائی نہیں دیتا، ٹانگیں ہیں مگر بوجھ نہیں اٹھاتیں، ہاتھ ہیں مگر کام نہیں کرتے، معدہ ہے لیکن ہضم نہیں کرتا، کبھی فلاں تکلیف ہے بڑے میاں کو اور کبھی فلاں!

بوڑھے کا قصہ:

جیسے ایک شخص حکیم صاحب کے پاس گیا، اس سے کہا کہ: مجھے فلاں تکلیف ہے، کہنے لگا بڑھاپا ہے، کہا کہ: کھانا بھی ٹھیک سے ہضم نہیں ہوتا، کہا: بڑھاپا ہے، مختلف قسم کے عوارض اس نے ذکر کئے، حکیم صاحب ہر بات کے ذکر میں ایک ہی جواب دیتے کہ بڑھاپا ہے، بڑے میاں کو غصہ آیا اور بڑی موٹی سی گالی نکالی اور کہا کہ: تجھے ایک ہی بات آتی ہے؟ حکیم صاحب کہنے لگے: بڑے میاں! یہ بھی بڑھاپا ہے!!

ان دیکھی منزلیں:

بڑھاپا بہت بڑی نعمت ہے، بڑھاپے میں جوانی کی ساری لذتیں چھوٹ جاتی ہیں، لوگ اس سے پریشان ہوتے ہیں لیکن عارفین کہتے ہیں کہ بڑھاپا پریشانی کی چیز نہیں، بلکہ نعمتِ کبریٰ ہے۔

اول:......اس لئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کی لذتوں سے اعراض اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ہم ایسے کہاں تھے کہ خود لذاتِ دنیا کو ترک کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے احسانِ عظیم فرمایا کہ ہم سے آلاتِ لذت چھین کر ہمیں دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی کا مزہ چکھا دیا۔ سبحان اللہ! کیا احسان ہے کہ ہم خود تارک الدنیا نہ بنے تو زبردستی ہم سے دنیا چھڑادی، جس طرح ماں زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑادیتی ہے۔

دوم:......یہ کہ اب ہم موت کی دہلیز پر کھڑے ہیں، قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، مرتے ہی ہم سے دنیا کی ساری لذتیں ہی نہیں بلکہ خود دنیا ہی چھوٹ جائے گی۔ بڑھاپے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کی مشق کرادیتے ہیں، جس طرح دلہن کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔

سوم:......یہ کہ آدمی بوڑھا ہوکر آخرت کی تیاری شروع کردیتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ اب چل چلاؤ ہے، توبہ تلا کرتا ہے، گناہوں کی معافی مانگتا ہے، جو کوتاہیاں سرزد ہوچکی ہیں ان کی تلافی کرتا ہے، اور بڑھاپے کی بدولت ان چیزوں کی توفیق ہوجانا احسانِ عظیم ہے۔ اس لئے عارفین کہتے ہیں: "**الشیب برید الموت.**" یعنی بڑھاپا موت کا قاصد ہے، اور جب قاصد بلاوا لے کر آجائے تو آدمی کو چاہئے کہ سب کچھ چھوڑ کر سفر کی تیاری کرے (اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے)۔

یہاں تک کے مراحل تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، لیکن اس کے بعد کے جو مراحل ہیں وہ ابھی ہمارے سامنے نہیں، ان میں سب سے پہلے موت کا

مرحلہ ہے، پھر قبر کا مرحلہ، پھر حشر کا مرحلہ ہے، پھر حساب و کتاب کا مرحلہ ہے، پھر پل صراط سے گزرنا ہے، اس کے بعد ہماری آخری منزل آنے والی ہے، جنت یا دوزخ!

پہلی منزل موت:

ہماری یہ کمزوری ہے کہ جس حالت میں ہم ہوتے ہیں، اس کے آگے کی ہمیں سوچ نہیں آتی۔ سب کو معلوم ہے کہ مرنا ہے، پہلے لوگ بھی مرے ہیں، ہم بھی مریں گے، متنبّی کے بقول دنیا کی ہر چیز میں اختلاف ہے، لیکن موت میں اختلاف نہیں۔ تمام مسلمان اور کافر اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی مرے گا، لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس میں پھر جھگڑا شروع کردیا۔ تو ہماری سب سے بڑی جو بیماری ہے وہ یہ ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، زندگی کے جس مرحلے سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں ہم ایسے الجھ کر رہ گئے کہ اگلے مراحل ہماری نظر سے اوجھل ہوگئے۔

آنحضرتؐ کی جامع تعلیم:

اور یہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایت ہے، اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات دے کر بھیجا، دنیا کی یا آخرت کی کوئی خیر ایسی نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا ہو، اور دنیا کا اور آخرت کا کوئی شر ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ڈرایا ہو۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے:

"اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُکُمْ."

(ابوداؤد ص:۳)

ترجمہ:......"میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں،

تم کو تعلیم دیتا ہوں۔“

یعنی جس طرح اولاد کے لئے باپ ہوتا ہے کہ اس کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، ایک ایک بات سکھاتا ہے، شفیق باپ بچوں کو ایک ایک بات بتاتا ہے، کھانا کھاتے ہوئے اگر بچہ نوالہ بڑا لیتا ہے تو باپ اس کو تنبیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: اتنا لو کہ جس کو تم چبا سکو، اگر جلدی میں گرم لقمہ اٹھا کر ڈالتا ہے تو باپ اس کو ٹوکتا ہے، اٹھنے بیٹھنے کے بارے میں اس کو تعلیم دیتا ہے۔

والدین کی تعلیم و تربیت کا منشأ اولاد سے شفقت و محبت ہے:

اور والدین کی تعلیم نہایت اخلاص پر مبنی ہوتی ہے، اس تعلیم میں ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی، بلکہ اس کا منشأ اولاد کی محبت و شفقت ہے، ان کی جان کے رگ و ریشے میں اولاد کی محبت سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، اور یہی محبت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ہر آفت سے بچایا جائے اور ہر بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، لیکن والدین کی جتنی بھی سمجھ ہوتی ہے، جس قدر علم ہوتا ہے، جتنی عقل ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ پھر محبت کے درجات بھی مختلف ہیں، کسی کو اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، کسی کو کم، کسی کو ان کے پیٹ کی فکر ہوتی ہے کہ یہ بڑے ہو کر کمانے کھانے کے قابل ہو جائیں اور کسی کو اولاد کے دین کی فکر ہوتی ہے، ان کے اخلاق کی فکر ہوتی ہے، ان کی انسانیت کی فکر ہوتی ہے۔

امت سے آنحضرتؐ کی شفقت و محبت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہ منزلہ والد کے ہیں، تمام امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا اولاد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے والد ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ اور امت کے ایک ایک فرد کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ دنیا بھر کی تمام ماؤں کی ممتا جمع کر لی جائے اور تمام

باپوں کی شفقت جمع کرلی جائے تو یہ سارا مجموعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کا مقابلہ نہیں کرسکتا، ایسے شفیق، ایسے رؤف اور ایسے رحیم کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی ہوا اور نہ بعد میں کوئی ہوگا۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت وعنایت:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے:

"اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ، وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا، وَاَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَّرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.....

وَفِيْ رِوَايَةٍ:.... فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ." (مشکوٰۃ ص:۲۰۷)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نازل فرمایا، اور اس کو جنوں، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض کے درمیان تقسیم کردیا۔ اور اس رحمت کے سوویں حصہ کا اثر ہے کہ انسان بھی، جنات بھی اور جانور بھی آپس میں شفقت کرتے ہیں، ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی حصۂ رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اور پھاڑ کھانے والے درندے بھی اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں، اور یہ اس رحمت کا اثر ہے۔ فرمایا: رحمت کا یہ سوواں حصہ بھی ختم نہیں ہوا، اللہ کی رحمت کیسے ختم ہوسکتی ہے؟ مخلوق پر اس کا عکس پڑ رہا ہے، سایہ پڑ رہا ہے، جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں شفقت کرتی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سوویں حصے کو ان ننانوے حصوں کے ساتھ ملاکر اپنی کامل رحمت اپنے بندوں پر

فرمائیں گے، اپنے خاص بندوں پر یعنی جنتی لوگوں پر۔

اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہیں؟ اور ان کی رحمت و شفقت کس قدر وسیع ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات میں سب سے زیادہ رؤف رحیم ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے۔

آنحضرتؐ کی امت پر شفقت و رحمت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اتنی زیادہ ہے، اتنی زیادہ ہے کہ یہ کہنا تو بے ادبی و کوتاہی ہوگی کہ ماں باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ اور کسی ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ اتنی شفقت نہیں، ہاں! یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہوگا کہ دنیا بھر کے ماں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ جو شفقت ہوسکتی ہے، اگر اس کا ایک مجموعہ تیار کرلیا جائے تو وہ مجموعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا پاسنگ بھی نہیں بنتا۔ رحمت کرنے والے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں، رحمت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت بنا کر بھیج دیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہمیں عطا کردی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رحمۃ للعالمین'' کا خطاب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہیں، آسمان والوں کے لئے بھی رحمت ہیں، زمین والوں کے لئے بھی، دنیا والوں کے لئے بھی رحمت ہیں اور آخرت والوں کے لئے بھی۔ کوئی انسان، کوئی جن اور اللہ تعالیٰ کی دوسری کوئی مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''رحمۃ للعالمینی'' سے باہر نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' ہیں، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کرنے والے نہیں بلکہ سراپا رحمت ہیں، تو جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنایا ہو اس کی شفقت اپنے تعلق والوں کے ساتھ کیسی ہوگی؟ یا یوں کہو کہ اپنی اولاد کے ساتھ کیسی ہوگی؟ اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا معجزہ ہے کہ نبوت ملنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیئس سال کی مدت تک ہمارے درمیان تشریف فرما رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور ہم سے پردہ فرمالیا، اس تیئس سال کے عرصے میں دین کی اور دنیا کی کوئی ایک بات بھی نہیں چھوڑی جس کی تعلیم نہ فرمادی ہو، دفتر کے دفتر لوگوں نے لکھ ڈالے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی شرح مکمل نہیں ہوسکی، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک شعر یاد آگیا:

بہت عنوان بدلے اور بہت خاکے بنا ڈالے
مرتب ہوسکا لیکن نہ دردِ دل کا افسانہ!

حضرات علمائے کرام نے احادیث شریفہ کی کتنی شروح لکھیں اور کتنے دفاتر لکھے؟ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ''رحمۃ للعالمینی'' کو تقسیم کیا جارہا ہے؟ کتنی تفسیریں لکھیں؟ اور ایک ایک موضوع پر کتنی کتابیں لکھیں؟ اور آج تک بھی ''رحمۃ للعالمین'' صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ رحمت کو کس قدر مسلسل تقسیم کیا جارہا ہے؟ لیکن یہ تقسیم ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔

نادیدہ مراحل کی تعلیم آنحضرتؐ نے فرمائی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے زندگی کے نقشے بھی کھولے، موت کے وقت کی حالت بھی بیان فرمائی، مرنے کے بعد دوزخ میں انسان پر جو کچھ گزرتی ہے اس کو بیان فرمایا، قبر کے عذاب کو اور ثواب کو بھی ذکر فرمایا، کن چیزوں سے آدمی کے لئے موت آسان ہوجاتی ہے؟ اور کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے جان کنی مشکل ہوجاتی ہے؟ اس کو بھی ذکر فرمایا۔

ماں کی بے ادبی کرنے والے نوجوان کا واقعہ:

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ ایک

نوجوان تین دن سے نزع کی حالت میں ہے، اس کی جان نہیں نکل رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ یہ نوجوان تکلیف میں تھا، اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: اس کے ماں باپ زندہ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ: اس کی ماں زندہ ہے! فرمایا کہ: اس کو بلاؤ! اس کی والدہ آئی تو اس سے فرمایا: بڑی بی! اس لڑکے نے تمہاری کوئی گستاخی تو نہیں کی؟ کوئی بے ادبی تو نہیں کی؟ کہا: نہیں! یہ بڑا فرماں بردار تھا، البتہ ایک دفعہ اس نے میرے تھپڑ مارا تھا۔ بہت سے بدبخت موذی ایسے ہیں جو اپنے ماں باپ کو مارتے ہیں، ان کو گالی دیتے ہیں، میں تو ان کو موذی کہوں گا، موذی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بڑی بی! تم اپنے بیٹے کو اللہ کی رضا کے لئے معاف کردو! کہنے لگی: میں تو معاف نہیں کروں گی! کیونکہ مجھے اس سے بہت صدمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص اپنے ماں باپ پر ہاتھ اٹھائے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو! وہ مائی کہتی ہے کہ: لکڑیوں کا کیا کریں گے؟ فرمایا: تیرے بیٹے کو جلائیں گے! کہنے لگی: ہائے! میرے بیٹے کو جلائیں گے؟ فرمایا: اگر تم اس کو معاف نہیں کروگی تو اللہ تعالیٰ اس کو جلائیں گے، اور ہمارا جلانا آسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا جلانا سخت ہے۔ وہ اماں پھر کہنے لگی کہ: میں اس کو دل سے معاف کرتی ہوں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ: پڑھ کلمہ! اس نے کلمہ پڑھا اور روح پرواز کرگئی۔

نزع کا مرحلہ:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ موت کے وقت کون کون سی سختیاں آتی ہیں؟ اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کے نزع کو آسان کردیتی ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: نیک آدمی کی روح ایسے نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے قطرہ گرتا ہے، اور فرمایا کہ برے آدمی کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے دھنی ہوئی

روئی ہو اور کانٹے دار چھڑی گیلی کر کے اس کے اوپر ماری جائے اور پھر لپیٹ کر کے اس کو کھینچا جائے، اب وہ چھڑی تو اس روئی سے جدا نہیں ہوسکتی، یہی حال برے آدمی کے نزع کا ہے کہ اس کے رگ و ریشے میں روح سرایت کر جاتی ہے، ایک ایک رونگٹے میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے، اس کو کھینچتے ہیں تو ایک ایک رونگٹے کو تکلیف ہوتی ہے۔

یا اللہ! ہمارے لئے نزع کو آسان فرمادے:

بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ اس وقت کو آسان فرمادیتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی اس وقت کو آسان فرمائے، ایمان پر خاتمہ فرمائے اور نزع کو آسان فرمائے، آمین!) اور بہت سے بندے ایسے ہیں کہ نزع کے وقت ان کی ساری عمر کی لذت ختم ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھیں۔

موت کی سختی کو یاد رکھو:

یہ موت کا پیالہ اتنا کڑوا ہے کہ اس کی تلخی بعض لوگوں کو حشر تک باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ہم زندگی گزارتے ہوئے اس طرح غافل ہوجاتے ہیں کہ کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ اس کا اثر ہماری موت پر تو نہیں واقع ہوگا؟ دنیا میں دوستی کرتے ہوئے، دنیا میں معاملات کرتے ہوئے، دنیا میں نقل و حرکت کرتے ہوئے، چھپ کر یا اعلانیہ گناہ کرتے ہوئے، ہم اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ اس کا انجام موت کے وقت کیا ہوگا؟ مرنے والے کو لوگ کلمہ کی تلقین کر رہے ہیں، یعنی ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگ اس کو کلمہ کی تلقین کرتے ہیں، لیکن کسی کو پتا نہیں کہ وہ کہاں پھنسا ہوا ہوتا ہے؟

شیخ عطارؒ کا واقعہ:

شیخ عطارؒ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ عطارؒ

عشق کے سات شہروں میں پھر چکے ہیں اور ہم ابھی تک ایک کوچے میں گھوم رہے ہیں۔ ''عطار'' کہتے ہیں دوائی بیچنے والے اور پنسار کو، شیخ عطارؒ بھی دوا فروش اور پنساری تھے۔ ایک مرتبہ ایک ملنگ قسم کا شخص ان کی دکان پر آیا، کندھے کے اوپر گودڑی رکھی ہوئی تھی، کبھی اِدھر دیکھتا ہے، کبھی اُدھر دیکھتا ہے، شیخ عطارؒ اس سے فرماتے ہیں کہ: میاں! کیا دیکھتا ہے؟ کہنے لگا کہ: میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو روح اتنی شیشیوں میں پھنسی ہوئی ہے، یہ کیسے نکلے گی؟ شیخ اس وقت دنیادار آدمی تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان صاحب کو بھیجا تھا، بھنّا کر کہنے لگے: جیسے تیری نکل جائے گی، ویسے ہماری نکل جائے گی! اس نے کندھے پر رکھی ہوئی گودڑی بچھائی، لیٹ گیا اور کہا کہ: ہماری تو یوں نکل جائے گی! ایک لمحہ میں رخصت ہوگیا، شیخ پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ دکان لٹادی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے مراتب عطا فرمائے۔

موت کا منظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

الف:......"عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَ الْمَوْتِ قَلَّ فَرْحُہٗ وَقَلَّ حَسَدُہٗ."

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۰)

ب:......"عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَالِیْ اَرَاکُمْ تَحْرُصُوْنَ عَلٰی مَا تُکَفَّلُ لَکُمْ بِہٖ وَتَضِیْعُوْنَ مَا وُکِّلْتُمْ بِہٖ لَاَنَا اَعْلَمُ بِشَرَارِکُمْ مِنَ الْبَیْطَارِبِا الْخَیْلِ ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَأْتُوْنَ الصَّلَاۃَ اِلَّا دُبُرًا وَلَا یَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ اِلَّا ھِجْرًا وَلَا یُعْتِقُ مَحْرُوْرُھُمْ." (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۱)

ج:......"عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِلْتَمِسُوا الْخَیْرَ دَھْرَکُمْ کُلَّہٗ وَتَعَرَّضُوا النَّفْحَاتِ رَحْمَۃَ اللّٰہِ فَاِنَّ لِلّٰہِ نَفَحَاتٌ مِنْ رَّحْمَتِہٖ یُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ، وَسَلُوا اللّٰہَ اَنْ یَّسْتُرَ عَوْرَاتِکُمْ وَیُؤْمِنُ رَّوْعَاتِکُمْ."

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۱)

الف:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جو شخص کثرت سے موت کو یاد کیا کرے، اس کی خوشی اور اس کا حسد کم ہو جاتا ہے۔''

ب:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: کیا بات ہے تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے اور اس کا خود کفیل ہوگیا ہے (یعنی رزق)، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، گھوڑوں کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا، جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تمہارے بروں کو میں جانتا ہوں، نماز کو نہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، قرآن کو نہیں سنتے، مگر جیسے قصہ کہانی، اور ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے۔''

ج:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہر زمانہ میں خیر تلاش کرو، اللہ کی رحمت کے جھونکوں کا استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھونکے پہنچادیتے ہیں اور اللہ سے سوال کرو کہ ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور خوف کی چیزوں کو امن میں مبدل کردے۔''

صاحبِ ایمان کی خوشی کی چیز؟

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے، ایک صاحب ایمان کی خوشی کی چیز یہ ہے کہ اسے اللہ کا فضل نصیب ہوجائے، اور اللہ کی رحمت نصیب ہوجائے، دنیا میں اللہ کے دین پر چلنے کی توفیق ہوجانا، نیکی کی توفیق

ہو جانا، طاعت و خیر کی توفیق ہو جانا اور مرنے کے بعد اللہ کی رضا حاصل ہو جانا، اللہ کی ناراضگی سے بچ جانا، قبر کی سختیوں سے اندھیروں سے بچ جانا، حشر کی فتنہ سامانیوں سے بچ جانا، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی معیت نصیب ہو جانا، حساب و کتاب کا آسان ہو جانا اور جنت میں داخلہ ہو جانا، یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت۔

موت کے دھیان سے خوشی کم ہونا:

مؤمن کو تو اس بات سے خوش ہونا چاہئے، لیکن اس کے برخلاف ہماری خوشی ہوتی ہے دنیا کی چیزوں سے، مال سے، دولت سے دوسری چیزوں سے، لیکن اگر موت سامنے ہو تو یہ خوشی خوشی نہ رہے، بلکہ یہ خوشی غمی میں تبدیل ہو جائے، اس لئے حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کثرت سے موت کو یاد کرے، اس کی خوشی کم ہو جاتی ہے۔

موت کے تصور سے حسد کا علاج:

اس دنیا کی خاطر لڑائیاں ہوتی ہیں، تنازعات ہوتے ہیں، رسّہ کشی ہوتی ہے، کھینچا تانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر حسد ہوتا ہے، حاصل یہی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو اچھی چیز کیوں مل گئی؟ یہ نہیں ملنی چاہئے تھی، تو جس شخص کو موت یاد ہو، اس کی ذات سے برائی ختم، جھگڑا ختم، تنازع ختم، حسد بھی ختم:

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما بسے

جب اس گھر میں ہمیں رہنا نہیں تو ہماری بلا سے کالا چور رہے ہمیں کیا؟ جب یہ چیز مجھے لینی نہیں، تو میری بلا سے وہ چیز کسی بھنگی کو دے دیں، کسی یہودی کو دے دیں، سکھ کو دے دیں، مسلمان کو دے دیں، فاسق و فاجر کو دے دیں، اچھے یا

برے کو دے دیں، مجھے اس پر کیا حسد؟ مجھے تو یہ لینی نہیں اور جس شخص نے مرنا ہو اس شخص کو وہ چیز لینی نہیں، تو سارے جھگڑے ہی ختم اور یہ منافست اور رسہ کشی ہی ختم، حسد بھی ختم، جو لوگ دنیا کے مال و دولت کے لئے یا حکومت و وجاہت کے لئے لڑ رہے تھے، قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کیا حسد ہو ان پر، ان کے تو کام کی چیز نہیں ہے۔ تو اگر موت کا آنا آدمی کو یاد رہے تو وہ دنیا کی چیزوں سے خوش نہ ہوگا۔

خوشی کی چیز؟

ہاں! خوشی و مسرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں استعمال فرمالے، بندے کو اپنے حکم میں استعمال فرمالے۔

''ابن ماجہ'' حدیث کی کتاب ہے، اس کا پہلا باب ہے: ''باب اتباع سنة النبی صلی اللہ علیه وسلم'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی، اس میں ایک حدث کو نقل کیا ہے جو پہلے ہی صفحہ سے شروع ہوتی ہے:

''لَا یَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ.'' (ابن ماجہ ص:۳)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ اس دین میں پودے لگاتے رہیں گے، ان کو استعمال فرماتے رہیں گے اپنی بندگی میں۔''

پرانے پودے اکھاڑ کے نئے لگادیئے، باغ تو تروتازہ ہے اور سدابہار ہے، لیکن نئے نئے پودے مالی لگا رہا ہے۔

یا یوں کہو کہ باغ کا مالک لگا رہا ہے، تو خوشی کی چیز اگر ہے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی اس باغ کا پودا بنادے اور ہمیں اپنی طاعت میں استعمال فرمالے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین!

مرنے والوں کو کیا خوشی؟

اس کے علاوہ کوئی چیز خوشی کی نہیں، خوشی زندوں کو ہوتی ہے، مردوں کو ان چیزوں سے کیا خوشی ہوگی، ہم تو مرنے والے ہیں، ہمیں کیا خوشی ہے اور اگر ہے تو جھوٹی خوشی ہے، بہت جلدی خوشی کا یہ نشہ اترنے والا ہے، اسی طرح اگر موت کا دھیان رہے تو لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بھی ختم ہو جائیں گے، جس کا زیادہ تر منشا حسد ہوتا ہے، ہمارا سینہ صاف ہو جائے گا سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

جھگڑا چھوڑ دینے کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ...... الخ.'' (ترمذی ج:۲ ص:۲۰)

ترجمہ:...... ''دو آدمیوں کا جھگڑا ہو، ایک حق پر ہے اور دوسرا ناحق پر، تو جو شخص ناحق پر ہوتے ہوئے اپنا جھگڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ جنت کے اطراف میں اس کا محل بنائیں گے، اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ محل عطا فرمائے گا جو جنت کے درمیان میں ہوگا۔''

جب جھگڑا چھوڑ دینے کی یہ فضیلت ہے کہ ناحق پر ہوتے ہوئے اگر کوئی جھگڑا چھوڑ دے تو اس کو بھی اللہ پاک جنت عطا فرماتے ہیں، اور اگر کوئی حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اور کہہ دے کہ چھوڑو بھائی! لے جاؤ تم، مجھے جھگڑا نہیں کرنا ہے، اس نے صرف اتنا رتی جیسا حق چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کو جگہ عطا فرمادی، ایسی جنت کہ پوری دنیا میں بھی اس کی قیمت نہیں۔

رزق اللہ کے ذمہ ہے:

دوسرے ارشاد میں حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا بات ہے! تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو، جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے، اور اس کا خود کفیل بھی ہوگیا ہے یعنی رزق۔ بڑی ہی حرص کرتے ہو، بڑی تگ و دو کرتے ہو، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، اور تم اس کے سپرد کئے گئے تھے، یعنی اپنا دین۔ دنیا کے مال و دولت کی یا رزق کی تحصیل میں، حاصل کرنے میں تم بڑی حرص کرتے ہو، حالانکہ اگر حرص نہ کرو، تو کیا رزق نہیں ملے گا؟ اور تمہارے حرص کرنے سے کیا زیادہ مل جائے گا؟ نہیں بلکہ اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے۔

رزق اور موت انسان کے پیچھے پیچھے ہیں:

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهٗ اَجَلُهٗ.''

(مشکوٰۃ حدیث:۵۳۱۲)

ترجمہ:...... ''رزق بھی اسی طرح بندے کو تلاش کرتا ہے، جس طرح اس کی اجل اس کو تلاش کرتی ہے۔''

رزق اور اجل پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، دونوں آدمی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں لیکن ایک آگے ہے اور ایک پیچھے ہے، رزق آگے ہے اور اجل پیچھے ہے، جب تک رزق اس کو نہ پہنچ جائے، اجل اس کو نہیں پہنچ سکتی ہے، جتنا رزق کسی کے لئے لکھ دیا ہے، مقدر فرمادیا ہے، اس کو مل کے رہے گا اور موت نہیں آسکتی جب تک رزق نہ پورا کرلے، اس کے لئے تو تم حرص کرتے ہو اور اللہ پر توکل نہیں کرتے، جتنا کرنا چاہئے اتنا بھی نہیں کرتے، چلو تھوڑا بہت ہاتھ پاؤں ہلانا جس کو ''کسب'' کہتے ہیں،

محنت کرنا، ریاضت کرنا بقدر ضرورت یہ تو ٹھیک ہے، لیکن بقدر ضرورت محنت پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ حرص، چھینا جھپٹی اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

عرفات اور منیٰ میں سعودیہ کے ٹرک پانی کی تھیلیاں لے کر آتے ہیں، وہ اس طرح پھینکتے رہتے ہیں اور لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں، اب کس طرح تقسیم کریں ایک ایک پھینکتے رہتے ہیں، اس وقت لوگوں کا جمگھٹا دیکھنے کے لائق ہوتا ہے، تم تو دنیا کی طلب میں اتنی حرص کرتے ہو جیسے پیاسا ٹھنڈے پانی کی تھیلی کے لئے حرص کرتا ہے، اتنا جمگھٹا کرتے ہو، حالانکہ مل جائے گا۔

جو چیز ہمارے سپرد ہے اس سے ہم غافل ہیں:

جو چیز تمہارے سپرد کی گئی ہے اور تم جس کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو تم ضائع کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی بندگی تمہارے سپرد کی گئی ہے، اس کام کے لئے تمہیں لگایا گیا ہے، اور تم اپنی جزا اور سزا کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو بالکل ضائع کر دیا مہمل چھوڑ دیا، فکر ہی نہیں، نہ جزا کا شوق اور نہ سزا سے خوف، نہ طاعت سے رغبت اور اس کی حرص، اور نہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش۔

برے لوگوں کی علامت:

پھر فرمایا کہ ڈاکٹر گھوڑوں کو اتنا نہیں جانتا جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، حیوانات کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا گھوڑوں کو، ان کی بیماریوں کو، جتنا میں تمہارے بروں کو جانتا ہوں، اسی لئے کہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ حکیم الامت تھے، حکیم تھے، فرمایا تمہارے شرار کو جانتا ہوں، بروں کو جانتا ہوں، ان برے لوگوں کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی علامت:

۱:......یعنی ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ: "لَا یَأْتِیْنَ الصَّلَاةَ اِلَّا دُبُرًا."

نماز کو نہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، جلدی سے نماز ختم ہو تو چلیں، ظاہر میں منہ قبلہ کی طرف ہے، لیکن نماز پڑھتے ہوئے حقیقت میں منہ اپنے گھر کی طرف ہے اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، ایک منٹ کی تاخیر ہو جائے تو شور ایسا ہوتا ہے کہ بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے، ٹی وی کے سامنے گھنٹوں بیٹھے رہیں گے، پرواہ نہیں، کوئی لہو ولعب کا تماشا ہو بڑی دلچسپی سے اس کو سنیں گے، کبھی بھی ان کو نیند نہیں آئے گی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ نماز کی نیت باندھتا ہوں تو خیالات بہت آتے ہیں، اور یہ ہم میں سے اکثر کی شکایت ہے، میں نے اس پر پہلے بھی ذکر کیا تھا۔

نماز میں خیالات آنے کی شکایت:

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ خیالات نماز میں نہیں آتے، بات یہ ہے کہ ادھر تم نے تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' نماز کے لئے کہا تو گویا کہ بجلی کا بٹن دبا دیا، سوئچ آن کر دیا، اور کمرے میں روشنی ہوگئی، ''اللہ اکبر'' کہنا تھا کہ دل اور دماغ میں روشنی ہوگئی، تو یہ اللہ کی بارگاہ ہے، یہ فرمانے لگے کہ کمرے میں روشنی کر دی جائے تو کبھی چوہے پھدکتے ہیں اور کبھی چھپکلیاں دوڑتی ہیں اور کبھی حشرات الارض کو دیکھتے ہیں، قسم وقسم کی چیزیں کونوں میں بھاگتی ہیں اور جا کر کونوں وغیرہ میں چھپ جاتی ہیں، اسی طرح جب ''اللہ اکبر'' کہتے ہو تو تمہارے دماغ کے تمام چوہے پھدکنے لگتے ہیں، وہ پہلے ہی سے اس میں موجود تھے، صرف تاریکی اور اندھیرے کی وجہ سے تم کو نظر نہیں آرہے تھے، اور اب جب روشنی ہوگئی تو دوڑنے لگے ہیں، اور جب یہ نظر آنے لگے تو تم پریشان ہوگئے، تو میرا بھائی! نماز میں خیالات نہیں آتے، خیالات تو پہلے سے آرہے تھے، یہ دریا پہلے سے چل رہا تھا، پہلے تمہیں نماز سے باہر نظر نہیں آتے تھے، جب نماز میں یکسوئی ہوئی، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تو اس طرح نظر آنے لگے کہ جس طرح قیامت کے دن نامہ اعمال نظر آنے لگے گا، یہ

نماز کا کمال ہے یا نقص ہے؟ اور اس کا علاج نماز سے پریشان ہونا نہیں، ان کو آنے دو، تم اللہ کے حضور توجہ کے ساتھ حاضری دو، ان کو آنے دو۔ یہ چوہے ہیں، حشرات الارض ہیں، ان کی پرواہ نہ کرو، انشاءاللہ العزیز تمہیں اللہ کا قرب و رضا حاصل ہوگا، تو پھر اس کے بعد اس کی بدولت تمہیں دوسرے نیک خیالات آنے لگیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مناجات مقبول میں نقل کی گئی ہے:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ."

ترجمہ:......"یا اللہ! میرے دل کے وساوس و خیالات کو اپنی خشیت یعنی ڈر اور اپنے ذکر سے تبدیل فرمادے۔"

نماز تھرمامیٹر ہے:

یوں سمجھ لو کہ نماز تھرمامیٹر ہے، جسے تمہارے ذہن کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے، دل کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے، یہ نماز کا میٹر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے قلب کا میٹر ہے تو یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے دل میں کیا کیا خیالات ہیں اور کیسی کیسی گندگیاں بھری ہوئی ہیں، پہلے تو پردہ پڑا ہوا تھا، نماز میں صرف اس پردہ کو اٹھادیا۔

نماز میں وساوس کی مثال:

ایک اور بزرگ سے شکایت کی گئی تھی کہ وساوس بہت آتے ہیں، حضرت فرمانے لگے کہ: صحن میں کافی دن سے جھاڑو نہیں دی تھی، ہواؤں کے ذریعہ سے مٹی، پتے، نامعلوم کیا کیا کچرہ جمع ہورہا تھا، تم نے کہا کہ اس کو جھاڑو دے لیں، صفائی بڑی اچھی چیز ہے، اسکول کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے کہ:

صفائی عجیب چیز دنیا میں ہے
صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ: "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" طہارت نصف ایمان ہے، تم نے جھاڑو لی اور صاف کرنا شروع کردیا، مٹی اتنی اٹھی کہ تمہیں سانس لینا مشکل ہوگیا، کیا تم چاہو گے کہ جھاڑو پر الزام دو کہ اس میں بڑی مٹی ہے، جھاڑو دیتے ہوئے تو آدمی سانس بھی مشکل سے لیتا ہے، حالانکہ جھاڑو تو بے چاری صفائی کر رہی ہے، اس صفائی کی وجہ سے گرد وغبار اڑ رہا ہے، یہ مٹی، یہ گرد وغبار یہ کچرہ پہلے سے تمہارے صحن میں موجود تھا، تو شکر کرو کہ صفائی ہو رہی ہے، تھوڑا سا برداشت کرلو۔

توجہ سے نمازوں کے چلہ کی برکت:

اگر تم توجہ الی اللہ کے ساتھ چالیس دن نماز پڑھ لو، خیالات کے پیچھے مت جاؤ تو انشاء اللہ دیکھو تمہارے ذہن کی کیسی صفائی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ، بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ." (ترمذی ج:۱ ص:۳۳)

ترجمہ:...... "جو شخص چالیس دن تکبیر تحریمہ کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے (کل دوسو نمازیں ہوئیں پانچ وقت کی نماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ درمیان میں ناغہ نہ ہو) اس کے لئے دو پروانے لکھ کر دے دیئے جاتے ہیں، دو سندیں اس کو عطا کردی جاتی ہیں، ایک یہ کہ یہ شخص دوزخ سے

بری ہے، دوسرا یہ کہ یہ شخص نفاق سے بری ہے، منافق نہیں ہے،
پکا ایماندار ہے۔"

نفاق سے بری ہوجاؤ گے اور دوزخ سے بری ہوجاؤ گے، تو انشاءاللہ گندے خیالات سے بھی بری ہوجاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ متوجہ رہو۔

متوجہ رہنے کا مطلب؟

متوجہ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ تم دنیا و ما فیہا سے غافل ہوجاؤ، نہیں! خیالات آئیں گے، تمہارا ذہن ان کے پیچھے لگ جائے گا، پہنچ جائے گا لالوکھیت، پھر اس کو واپس لے آؤ، وہاں سے پکڑ کر واپس لے آؤ، کہو کہ بدبخت! تو اللہ کے سامنے کھڑا ہے، وہ پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، اس کو بھاگنے کا کام کرتے رہنے دو اور تم اس کو پکڑ کر لانے کا کام کرتے رہو۔ اکابر فرماتے ہیں تمہیں اس طرح کرنے سے پوری کامل نماز کا ثواب ملے گا، ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔

ایک لمحہ کی حضوری سے بھی کام بن گیا:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ میں جاکر ایک لمحہ کے لئے تمہیں حضوری حاصل ہوگئی کہ میں اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں، بس تمہارا کام بن گیا، انشاءاللہ! اللہ پاک اس کو ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے برے لوگ وہ ہیں جو نماز کو نہیں آتے، مگر پیٹھ پھیرتے ہوئے، منہ گھر کی طرف ہوتا ہے اور پشت مسجد کی طرف ہوتی ہے یعنی بظاہر منہ مسجد کی طرف ہوتا ہے، لیکن ان کے خیالات اور ان کے دل کا رخ اس وقت بھی گھر کی طرف رہتا ہے، مسجد کی طرف نہیں۔

نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے:

اس لئے اکابر فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے،

آدمی کو وضو کرتے ہوئے جتنا حضور ہوگا، اتنا ہی نمازوں میں حضور ہوگا، اگر وضو کرتے ہوئے غفلت ہوگی، تو نماز میں بھی غفلت ہوگی، کسی بہت محبوب کو، کسی پیارے کو یا کسی معزز کو ملنے جانا ہوتو انسان اپنا لباس تبدیل کرتے ہوئے، منہ ہاتھ دھوتے ہوئے کیسا نفاست و باریک بینی کا مظاہرہ کرتا ہے، وضو کرتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ میں بارگاہ خداوندی میں حاضری کی تیاری کر رہا ہوں، میرے ظاہر و باطن میں کوئی گندگی باقی نہ رہ جائے۔

ظاہری طہارت اعضا کے دھونے سے ہے:

وہ تو ظاہری طہارت اللہ پاک نے فرمادی ہے کہ تم ان اعضا کو دھولو، سر کا مسح کرلو اور تین اعضا کو دھولو، اور بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہوتو بس تم مکمل پاک ہوگئے ہو، اللہ کے مقدس کلام کو ہاتھ لگا سکتے ہو اور تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوسکتے ہو، تمہیں حاضری کا اذن دیا جاتا ہے۔

باطنی گندگی سے طہارت کا علاج:

لیکن ظاہری گندگی کے ساتھ ساتھ باطنی گندگی بھی آدمی لئے پھر رہا ہے، قربان جائیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو:

”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ، وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ.“

ترجمہ:......”یا اللہ! مجھ کو بنادے توبہ کرنے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے خوب پاک وصاف ہونے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے ان لوگوں میں سے جن پر قیامت کے دن نہ

خوف ہوگا اور نہ غم۔''

لیجئے! اس دعا کی برکت سے انشاءاللہ باطنی طہارت بھی حاصل ہوجائے گی، ظاہر تو پاک کرتے ہیں پانی کے ساتھ اور باطن کو پاک کرتے ہیں توبہ کے ساتھ، تو اگر ہم وضو آداب کے مطابق کریں، تو انشاءاللہ نماز کے اندر بھی حضوری نصیب ہوگی، اس میں نورانیت ہوگی، اور اگر وضو صحیح نہیں کیا تو نماز میں کیا حضور ہوگا؟

ظاہری طہارت میں نقص کا وبال:

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھول گئے تھے، قرأت میں گڑبڑ ہوگئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

''مَا بَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ فَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُوْلٰئِکَ.'' (سنن نسائی ج:۱ ص:۱۵۱)

ترجمہ:...... ''کیا بات ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وضو ٹھیک کرکے نہیں آتے جس کی بنا پر ہم پر قرأت میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔''

اللہ اکبر! اندازہ فرماؤ! مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی کے صحیح وضو نہ کرنے کی وجہ سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اثرات! اس اشارہ کو سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں گڑبڑ ہوگئی، قرأت میں گڑبڑ ہوگئی صرف ایک آدمی کے وضو ٹھیک نہ کرنے کی وجہ سے، اس لئے وضو ٹھیک کرو اور وضو دھیان کے ساتھ کرو۔

وضو کی دعاؤں کا اہتمام:

بزرگ فرماتے ہیں کہ وضو کی دعائیں یاد کرو اور وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھتے رہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں وہ دعائیں لکھی ہیں، اور عام طور پر نمازوں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

رحمہ اللہ کو بہت اہتمام ہوتا تھا ان دعاؤں کا، کلی کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھو، چہرہ دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھو، سر پر مسح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، پاؤں دھونے تک سب دعائیں ہیں، اگر اور دعائیں یاد نہیں تو پھر یہ چوتھا کلمہ پڑھتے رہو:

"لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا، ذُوْالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ."

تو نماز کو پشت پھیر کر نہ آؤ، منہ پھیر کر آؤ، ہم لوگ تو نماز کی نیت باندھ کر منہ طرف قبلہ شریف کے پیچھے اس امام کے اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں، ہمارے ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف ہے اور ہمارے باطن کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، جس طرح ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف کیا ہے، اسی طرح باطن کا رخ بھی قبلہ کی طرف کرو، اور اپنی توجہ بھی قبلہ کی طرف کرو، قبلہ نہیں، بلکہ صاحبِ قبلہ، قبلہ کا مالک، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔

دوسری علامت:

۲:......دوسری علامت یہ ذکر فرمائی کہ: "وَلَا يَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ اِلَّا هِجْرًا." اور قرآن کو نہیں سنتے مگر جیسے قصہ کہانی ہوتی ہے، ایک قصہ تھا سن لیا چلو، تھوڑی دیر کے لئے طبیعت خوش ہوگئی، قرآن کوئی قصہ کہانی نہیں ہے، یہ ہمارے احکم الحاکمین کا حکم نامہ ہے، یہ ہمارے محبوب کا نامۂ محبت ہے، اس کا ایک ایک پیغام، ایک ایک لفظ و پیغام ہمارے لئے پیغامِ حیات ہے، اسی کے ساتھ ہماری دنیاوی فلاح اور اُخروی سعادت وابستہ ہے، قرآن پڑھو یا قرآن سنو، تو قرآن کے انوارات کی طرف متوجہ رہو، اللہ تعالیٰ قرآن کے انوارات سے ہمارے دلوں کو منور فرمادے، امام قرآن

پڑھ رہا ہے اور ہم کسی دوسری سوچ میں ہیں۔

تیسری علامت:

۳:......تیسری علامت یہ ہے کہ: "وَلَا يُعْتَقُ مَحْرُوْرُهُمْ" ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے، پہلے زمانہ میں غلام ہوتے تھے، ان کو آزاد کرنے کا حکم تھا، کئی موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا اور کئی موقعوں پر مستحب قرار دیا، غلاموں کو آزاد کرتے تھے، لیکن ان کو آزاد کرنے کے بعد بھی پھر ان کو اپنا غلام سمجھتے تھے، وہ بے چارے آزاد ہونے کے بعد بھی آزاد نہیں، پھر بھی ان پر رعب جھاڑتے ہیں، دھونس جتلاتے ہیں، یہ برے لوگ ہیں، جب تم نے اس کو آزاد کردیا تو وہ تمہارے برابر ہوگیا، اب تمہارا ان پر کوئی بھی حق نہیں رہا۔

اللہ کی رحمت کے جھونکے:

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، ویسے تو آدمی کو زندگی بھر اللہ کی رحمت کا اور خیر کا طالب رہنا چاہئے، اس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ خاص خاص اوقات کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، جیسے ہوا چلتی ہے کبھی جھونکا آجاتا ہے، ہوا تو چلتی ہی رہتی ہے، لیکن کبھی ہوا کا جھونکا آجاتا ہے، کبھی ٹھنڈا اور کبھی گرم جھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، ان جھونکوں کا تعرض کرو اور استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھونکے پہنچادیتے ہیں، جو اللہ کے بندے اس وقت متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں، ان کو مل جاتے ہیں، اللہ کی جانب سے انعامات تقسیم ہو رہے ہیں۔

قبولیت کا وقت:

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک خاص وقت

قبولیت کا وقت آتا ہے، اس وقت آدمی جو کچھ مانگے یا چاہے، دنیا مانگ لو، دین مانگ لو، چاہے اللہ کی رحمت مانگ لو، چاہے موت مانگ لو، اللہ پاک عطا فرماتے ہیں۔

بچوں کو بددعا دینے سے بچو:

ہمارے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے بچوں کو کوسنے دیتی رہتی ہیں، بددعائیں دیتی رہتی ہیں، اور کوئی وقت قبولیت کا ہوتا ہے، اس وقت وہ بددعا قبول ہوجاتی ہے، پھر یہ روتی ہیں، تو نے خود بددعا مانگی تھی۔ اس لئے بچوں کو بددعا نہ کرو، کسی دوسرے کے لئے بددعا نہ کرو، نیک دعائیں کرو، جب بھی موقع مل جائے متوجہ الی اللہ ہوجاؤ کہ شاید یہ قبولیت کا وقت ہو، اور اللہ تعالیٰ نے بتلایا نہیں کہ کون سا وقت ہے؟ اور ضروری نہیں کہ ایک ہی وقت ہو، چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت آتا ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے، یا یوں کہو کہ اس میں اللہ کی رحمت کا جھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھونکوں کو وصول کرو اور ان کو اپناؤ اور متوجہ الی اللہ رہو، کم از کم چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت تو آجائے کہ ہم متوجہ الی اللہ ہوجائیں، شاید یہ ہی وقت قبولیت کا ہو۔

انعامی بانڈ کے انعام کی طرح لمحات قبولیت کا خیال رکھو:

انعامی بانڈز خرید خرید کر رکھتے ہو کہ شاید انعام کا ہمارا نمبر نکل آئے، حالانکہ لاکھوں میں سے صرف ایک کا نکلے گا، باقیوں کا نہیں، اور جس کا نکلے گا تم اس کو کہتے ہو کہ بڑے خوش قسمت ہو، انعامی بانڈز وہ جو سرکاری ہوتے ہیں، ان کی حیثیت کرنسی کی ہے، خرید کر رکھنا استعمال کرنا جائز ہے۔

انعامی بانڈز کے انعام کا حکم؟

لیکن اس کا انعام لینا جائز نہیں ہے، میں ماہر معاشیات نہیں ہوں، لیکن اتنی بات مجھ اندھے کو بھی معلوم ہے کہ یہ حکومت کی (اب کیا کہوں منبر پر بیٹھا ہوں، سخت

لفظ نہیں کہنا چاہئے) عوام سے دھوکا بازی ہے (نرم سے یہ لفظ بولتا ہوں) اول تو اگر دس ارب روپے کی مالیت تمہارے پاس ہے تو دس ارب روپیہ ہی کے نوٹ چھاپو، لیکن یہ بجائے دس ارب کے دس کھرب چھاپتے ہیں، یہ محض دھوکا ہے اور پھر یہ نوٹ تو قانونی کرنسی تھی، حکومت نے انعامی بانڈز جاری کردیئے اور یہ غیر قانونی کرنسی ہے، انعام دینے کے بہانے عوام کی رقم ہتھیالی، بظاہر یہ درمیان میں ایک مسئلہ ذکر کیا میں نے۔

انعام نکلنے والا ہے:

کہنا چاہتا ہوں کہ ایک نمبر نکلنے والا لاکھوں میں سے تو تم خرید کر رکھتے ہو، لاکھوں کی تعداد میں نوٹ خرید کر رکھتے ہو کہ شاید ان میں سے کوئی نمبر نکل آئے۔ میں کہتا ہوں کہ انعامی بانڈز تقسیم ہو رہے ہیں اللہ کی طرف سے، خرید لو، ممکن ہے کہ یہ ہی وقت ہو قبولیت کا، یہ ہی نمبر نکل آئے تمہارا، اس وقت جنت مانگو جنت مل جائے گی، اللہ کی رحمت مانگو رحمت مل جائے گی، دنیا و آخرت کی کوئی سعادت مانگو، مل جائے گی۔

اللہ سے دو چیزیں مانگو:

اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دو چیزیں مانگا کرو، ایک یہ کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے: ''اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ'' یا اللہ! مجھے رسوا نہ کیجئے، آپ تو مجھے جانتے ہیں، میرے عیوب اللہ کے علم میں ہیں کسی اور کو معلوم نہیں، بیوی بچوں کو بھی معلوم نہیں، اللہ کو معلوم ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے آج یہ چھپا کر رکھے ہیں، آپ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اسی طرح آپ پردہ ڈال دیجئے، آخرت میں بھی ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں، اور دوسری چیز اللہ سے مانگا کرو کہ ہمارے جو خوف کی چیزیں ہیں، جن سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ ان کو امن سے مبدل کردے، یہ حدیث شریف کی دعا ہے، حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ اس کی

تلقین فرما رہے ہیں، ان حضرات کے تمام علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علوم تھے، "اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَ آمِنْ رَوْعَاتِیْ" یا اللہ! پردہ ڈال دے میرے عیوب پر اور امن عطا کر مجھے خطرہ وخوف کی چیزوں سے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حرام اشیائی کی خرید وفروخت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا: اِنَّ الَّذِیْ حَرَّمَ شَرِبَهَا هُوَ الَّذِیْ حَرَّمَ بَیْعَهَا یَعْنِی الْخَمْرَ." (صحیح مسلم)

"عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا: اِنَّ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اِنَاءِ الْفِضَّةِ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ."

(مشکوٰۃ ص:۳۷۱)

"عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ: لَا یَکُوْنُ اللَّعَّانُوْنَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ."

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۳)

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ: اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلَا یَبْزُقَنَّ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ شِمَالِهٖ تَحْتَ قَدَمِهٖ." (صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۰۷)

ترجمہ:......"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

بیشک جس نے اس کا پینا حرام کیا، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا، یعنی شراب۔"

ترجمہ:......"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جو آدمی پیتا ہے چاندی کے برتن میں تو وہ اُنڈیلتا ہے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ۔"

ترجمہ:......"حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک لعنت کرنے والے سفارش کرنے کے حق دار نہیں ہوں گے اور نہ گواہ ہوں گے قیامت کے دن۔"

ترجمہ:......"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بیشک مؤمن جب نماز میں ہوتا ہے تو مناجات کرتا ہے اپنے رب سے، سو نہ تھوکے اپنے آگے، نہ دائیں جانب، بلکہ تھوکے اپنے بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے۔"

شراب کا پینا اور بیچنا حرام ہے:

پہلی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس ذاتِ عالی نے شراب کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک صاحب باہر سے شراب کا مشکیزہ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شراب کا ایک مشکیزہ لایا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ حرام ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! حرام ہوگئی

ہے۔ کسی نے اس صحابی سے چپکے سے کہا کہ: کسی غیر مسلم کے پاس اسے بیچ دو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کی یہ بات سن لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے! شراب کا پینا بھی حرام، اس کا بیچنا بھی حرام، اس کا بنانا بھی حرام اور حد یہ ہے کہ جو شخص شراب اُٹھا کر لے جائے اس پر بھی لعنت ہے، شراب پر لعنت، اس کے بنانے والے پر لعنت، اس کے خریدنے والے پر لعنت، اس کے اُٹھانے والے پر لعنت، اس کے پینے والے پر لعنت۔

اس حدیث کے ضمن میں چند مسائل ذکر کرتا ہوں۔

شراب کے نشہ میں دی گئی طلاق مؤثر ہے:

ا:......ایک مسئلہ یہ ہے کہ شراب پینے سے اگر کسی کو نشہ ہوجائے اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

بہت سارے لوگ یہ مسئلہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ شوہر نے نشے کی حالت میں طلاق دی تھی، مدہوش تھا، اس کو پتہ نہیں تھا، مدہوشی کی حالت میں طلاق دی، تو مدہوش کی طلاق واقع ہوجاتی ہے بشرطیکہ وہ حرام کے نشے کے ساتھ مدہوش ہوا ہو، اگر کسی نے جائز اور پاک چیز کا استعمال کیا تھا، اتفاق سے وہ دماغ پر چڑھ گئی اور اس سے مدہوش ہوگیا، اس حالت میں اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی یا مثال کے طور پر کسی کافر نے زبردستی اس کو پلادی اور اس کو نشہ ہوگیا، نشے میں بدمست ہوکر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو پھر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے نہیں دی، تو حرام نشہ جو اپنے اختیار سے کیا ہو، اگر اس سے آدمی مدہوش ہوجائے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور حرام نشہ نہ ہو لیکن کسی وجہ سے اس سے مدہوشی ہوگئی اور اس حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں

ہوگی۔

جس کا استعمال حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے:

۲:......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا استعمال کرنا حرام ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، شراب کا پینا حرام ہے، تو اس کی خرید و فروخت بھی حرام۔

کیا مسلمان کے شراب کے مٹکے توڑنے پر ضمان ہے؟

مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں ہے، اگر کسی نے مسلمان کی شراب کے مٹکے توڑ دیئے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن غیر مسلم کے حق میں مال ہے، اگر غیر مسلم کے مٹکے توڑے تھے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، تو اس سے ایک بہت بڑا اصول معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام ہے، اس کا بیچنا اور خریدنا بھی حرام ہے۔

ٹی وی کی خرید وفروخت؟

یہیں سے ٹی وی کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے، ٹی وی حرام تو اس کا بیچنا بھی حرام، اس کا خریدنا بھی حرام اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، مثلاً: مردار حرام ہے، اب کوئی مردار کا گوشت بیچے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! تو یہ بھی حرام ہے۔

حرام اور مردار کی قیمت بھی مردار ہے:

حرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو قیمت حاصل ہوگی اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو مردار کا ہے، اگر کسی نے مرا ہوا جانور کسی چوڑھے کے پاس بیچ دیا اور اس سے رقم لے کر استعمال کرلی تو اس رقم کا استعمال بھی ایسے ہی ہے جیسے کہ خود مردار کا استعمال تھا، اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوجائے گا جیسا کہ ہمارے دیہات میں

رواج ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کی بھینس مرگئی، مرنے سے پہلے اس کو ذبح نہیں کرسکے، حلال نہیں کرسکے تو اس کی کھال اُتار کر چوڑھوں کے پاس بیچ دیتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو ساٹھ یا ستر یا سو دوسو روپے میں، جتنے بھی ہوتے ہوں گے، اس کی کھال بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا ناجائز ہے، کیونکہ مردار کی کھال بھی مردار کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کا بیچنا بھی حلال نہیں۔

مردہ جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے:

اِلَّا یہ کہ مردار کی کھال کو اُتروالیا اور اُتروا کر اس کو رنگوالیا۔ اب وہ پاک ہوگئی، اب اس کا بیچنا حلال ہے، مردار کی کھال کو اگر رنگوالیا جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا ایک بکری مری ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِلَّا دَبَغْتُمْ اِهَابَهَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ. فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّهَا مَيْتَةٌ - وَفِيْ رِوَايَةٍ - يَقُوْلُ: اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۱۳)

ترجمہ:...... "تم نے اس کے چمڑے سے کیوں نہیں نفع اُٹھایا؟ کہا: یا رسول اللہ! یہ تو مردار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کھال کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہوجاتی ہے۔"

اس کے بعد اس کو بیچ سکتے ہیں، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام، اس کا بیچنا بھی حرام، خریدنا بھی حرام۔

شراب کا سرکہ بنانا!

البتہ اگر کسی کے پاس شراب ہو تو اس میں نمک ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا کرتے ہیں، شراب کا سرکہ بن جاتا ہے، تو آیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے تو یہ جائز

ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر سرکہ بن گیا تو اس کا استعمال جائز ہے، اس لئے کہ اب شراب نہیں رہی، لیکن شراب کو سرکہ بنالینا یہ عمل جائز ہے کہ نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جائز نہیں ہے! ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مناسب تو نہیں ہے، لیکن اگر بنالیا تو حرام بھی نہیں ہے!

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال:

دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اُنڈیل رہا ہے اور غٹ غٹ کرکے جو پی رہا ہے، آگ کا سیال یعنی بہنے والی آگ پی رہا ہے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے، اور اس معاملے میں لوگ بڑا گھپلا کرتے ہیں، بڑے لوگوں کے چونچلوں کی تو خیر بات ہی کیا ہے؟ ماشاء اللہ! وہ تو مرفوع القلم ہیں، قلم ان سے اُٹھالیا گیا ہے، سونے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، چاندی کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، محاورہ ہے کہتے ہیں کہ جی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا ہے، سونے کا یا چاندی کا چمچہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں، اس کی پلیٹ یا تشتری کو کسی بھی مقصد میں استعمال کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ چاندی کا خلال بنالیتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں۔

سونے چاندی کا تعویذ:

ہمارے حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس معاملہ میں ایک بہت دقیق مسئلہ لکھا ہے، جس کی طرف لوگوں کو التفات نہیں، عام طور پر یہ جو تعویذ دینے والے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تعویذ چاندی میں منڈوالینا، بند کروالینا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے حرام! کیونکہ چاندی کا تعویذ بطور برتن استعمال ہو رہا ہے، عورتوں کے لئے،

بچیوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات کا استعمال جائز ہے، لیکن سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال عورت کے لئے بھی جائز نہیں، خاصہ دان ہے، پان دان ہے، سرمے دانی ہے، سونے کی ہو یا چاندی کی اس کا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لئے جائز نہیں ہے، سرمہ ڈالنے کی سلائی چاندی کی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بعض دفعہ اطبا بتاتے ہیں کہ فلاں آنکھ کی بیماری کے لئے چاندی کی سلائی استعمال کی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بجائے قلی جو ہوتی ہے ناں! جس سے برتن قلی کرتی ہیں، پہلے زمانہ میں تانبے کے برتن ہوتے تھے، ان کو قلی کرانے کی ضرورت ہوتی تھی، اب تو اسٹیل کے برتن آگئے ہیں، اب تو قلی کرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، تو فرماتے ہیں کہ اس قلی کی سلائی استعمال کرے، وہ وہی اثر کرے گی جو چاندی کی سلائی کا اثر ہے۔ اسی طرح تعویذ کو بھی استعمال کرنا کہ چاندی کے اندر تعویذ رکھ کر محفوظ کیا گیا ہو، یہ بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعویذ کا برتن بن گیا ہے، برتن کی جگہ استعمال ہورہا ہے، ہاں! زینت کے لئے استعمال کرتے تو دوسری بات تھی، بچیوں کے لئے اور عورتوں کے لئے تو جائز تھا۔

چھوٹے بچوں کے لئے بھی سونے چاندی کا استعمال ناجائز ہے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ لڑکوں کے لئے سونے چاندی کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لڑکوں کے گلے میں سونے چاندی کے تعویذ پہنانا یہ بھی جائز نہیں ہے، وہ تو بیچارہ معصوم ہے، لیکن ماں باپ نے اگر پہنایا تو وہ گناہگار ہوں گے، جیسا کہ پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا حرام ہے، کیونکہ اس طرح کرنا قبلے کی بے ادبی ہے، تو اسی طرح بچوں کو بھی اس طرف کروانا جائز نہیں، گو بچہ تو گناہگار نہیں مگر یہ کروانے والی گناہگار ہوگی۔

لعنت کا وبال اور اس کی محرومی:

تیسری حدیث ہے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے، اور نہ سفارشی ہوں گے، کیونکہ کسی مؤمن کے حق میں شہادت دینا، اس کو اللہ کی رحمت میں داخل کرنا ہے، اور کسی کی شفاعت کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اس کو داخل کرنے کے لئے ہے، اور لعنت کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا، یہ آدمی تو اللہ تعالیٰ سے لعنت مانگتا تھا، یہ تو مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری مانگتا تھا، تو اس کو قیامت کے دن شفیع نہیں بنایا جائے گا، گواہ بھی نہیں بنایا جائے گا۔

لعنت کا حکم؟

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی مؤمن یا کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، جیسے ابولہب، ابوجہل اور دوسرے پکے پکے کافر، بے ایمان، ان کے لئے ہم لعنۃ اللہ کہہ سکتے ہیں: جیسے ابولہب ملعون، لعنة الله عليه!

یزید پر لعنت کرنا:

یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ہمارے ہاں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تھا ہی ملعون، اس لئے لعنت کرنا جائز ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں! خدا جانے کس حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو، اگر گناہگار تھا تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں بلکہ اس لئے کہ اہل سنت کا اصول یہ ہے کہ کسی کافر پر بھی لعنت جائز نہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے توبہ کرلی ہو؟ جس کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ بغیر توبہ کے مرا ہے، اس پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن پھر بھی لعنت کرنا کوئی عبادت نہیں۔ درود شریف پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، تسبیح پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، اور تم کہو کہ: ابوجہل لعنۃ اللہ، کوئی ثواب نہیں،

لعنت کرنا کوئی ثواب نہیں، لیکن وہ عجیب مذہب ہے جس میں لعنت کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے!

نماز میں آدمی اللہ سے مناجات کرتا ہے:

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، مناجات کا معنی چپکے سے بات چیت کرنا، لہٰذا اگر نماز میں تھوکنا پیش آئے تو آگے نہ تھوکے، کیونکہ سامنے رب ہے، نعوذ باللہ! تم رب کے منہ پر تھوکتے ہو؟ تمہارے سامنے جو بیٹھا ہے اگر تم اس کی طرف تھوکو گے تو کتنی بری بات ہوگی؟ اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے یہ بھی کرامت والی جانب ہے، بائیں طرف تھوک دے، بشرطیکہ کوئی بائیں جانب نہ ہو، ورنہ اس پر پڑے گا یا پھر پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو مل دے۔

نماز میں تھوکنے کا حکم:

یہاں پر دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک یہ کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ: تھوکنے کی خدانخواستہ ناگزیر صورت پیش آجائے تو اس کے بارہ میں حکم یہ ہے کہ کپڑے کا کنارہ لے کر اس میں تھوک کر اس کو مل لے۔

نماز میں تھوکنے کا ادب:

یعنی اگر کوئی تھوکنے پر مجبور ہوجائے تو اس کا ادب یہ بتایا ہے کہ آگے نہ تھوکے، دائیں جانب نہ تھوکے، بائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ کپڑے کے کنارے میں تھوک کر اس کو مل لے، یا پاؤں کے نیچے تھوں کر اس کو مل دے۔

کچا فرش ہو تو حالتِ نماز میں تھوکنا جائز ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کچی تھی، کچا فرش تھا، مٹی

تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر تھوکنے کا حکم فرمایا، یہاں پکے فرش یا قالین پر نہ تھوک دینا!

عملِ کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

تیسری بات یہ ہے کہ عمل کثیر یعنی اتنا کام نماز میں کیا جائے، مثال کے طور پر منہ میں بلغم تھا، نمازی نے کپڑے کا کونا لیا اور اس میں بلغم لے کر مل دیا، تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، بشرطیکہ صرف ایک ہاتھ استعمال ہوا ہو، اگر دو ہاتھ استعمال کئے کسی کام کے لئے تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

عملِ کثیر کی تعریف:

رہی یہ بات کہ عمل کثیر کسے کہتے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ دور سے دیکھنے والا اس کو دیکھے تو یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا، اور بعض نے کہا کہ عمل کثیر وہ ہے جس میں دونوں ہاتھوں کی ضرورت پیش آئے۔

ارکانِ نماز، روحِ نماز کی علامات ہیں:

حدیث میں فرمایا ہے کہ بندہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، مناجات نماز کی روح ہے، یہ اُٹھک بیٹھک تو مقصود نہیں، نمازی آدمی کا قیام ہے، ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہے، رکوع کر رہا ہے تو کسی کے سامنے جھک رہا ہے، اللہ کے فضل سے بڑے بڑے فرعونوں کے سامنے ہماری گردن نہ جھکی، لیکن یہاں آ کے جھکتی ہے، اور جب سجدہ کرتا ہے تو کسی کے پاؤں میں سجدہ کرتا ہے، کسی کی خوشامد کرتا ہے، جب زبان سے کچھ کہتا ہے تو کسی کو بلاتا ہے، کسی سے کچھ مانگتا ہے اور کسی سے کچھ کہتا ہے، غرض یہ جو نماز کے ارکان ہیں یہ صرف علامتی ارکان ہیں، ورنہ اصل روح جو ہے وہ تو دل کے اندر ہے، یعنی مناجات، یہ روح جتنی قوی ہوگی اتنی نماز قوی اور پہلوان

ہوگی، اتنی ہی نماز طاقتور ہوگی، اور جتنی یہ کمزور ہوگی اتنی ہی یہ نماز بھی کمزور ہوگی۔ بھائی! اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات کر رہا ہوں۔

ہماری نماز!

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہماری تو نماز ایسی ہے جیسے گھڑی میں چابی بھردیتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ چابی بھردی تو وہ چلتی رہے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ اکبر کہہ کر نماز کی چابی بھردی، اب یہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک خودبخود چلتی رہے گی، ہم لالوکھیت پھرتے رہیں گے۔ نہیں بھائی! یہاں حاضر ہونا چاہئے، اپنی نماز میں حاضر ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ بس ہم نے ایک دفعہ اللہ اکبر کہہ دیا تو نماز شروع ہوگئی۔

حالِ دنیا من پرسیدم
گفت یا بادیست یا ظلیست یا افسانہ
باز گفتم حال کست آنکست بگو کہ دل درے پیوست
گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانہ

میں نے ایک دانا سے دنیا کا حال پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا رائے؟ کہنے لگا کہ ہوا ہے، یا سایہ ہے، کبھی اِدھر ڈھل گیا، کبھی اُدھر ڈھل گیا، اور یا یوں کہو کہ افسانہ ہے، ایک خواب دیکھا تھا، بیدار ہوگئے۔ میں نے کہا کہ اس کے بارہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو یہاں دل لگالے؟ کہنے لگے کہ: وہ آدمی تو نہیں معلوم ہوتا کوئی بھوت، چڑیل ہوگی یا پھر کوئی دیوانہ ہے، پاگل ہے! اس پاگل پنے کا دورہ ہم سب کو پڑا ہوا ہے۔

دنیا کی نعمت و آزمائش دونوں ناقابل برداشت:

دوست خط لکھتے رہتے ہیں، سوالات و جوابات کے لئے، ابھی بھی شاید وہ

خط میرے پاس پڑا ہوا ہے، ایک صاحب کہتے ہیں، بہت لمبی کہانی لکھی کہ ہم بہت مسرت میں تھے، اس کے بعد میں باہر ملک میں چلا گیا، ہمارے دن پھر گئے، بڑا سرمایہ جمع ہوگیا تھا، (یہ ایک خواب کا منظر تھا، یہ وہ دوسرے خواب کا وہی دوسرا منظر تھا) اور پھر کہتے ہیں کہ وہ تمام رقم جمع کروادی، وہ جو سرمایہ کمپنی نکلی تھی اس میں ہمارے ٹھاٹ تھے، لیکن کمپنی والوں کے بھاگ جانے سے وہ سب رقمیں غارت ہوگئیں، اور آج بیٹی کا زیور ساٹھ ہزار میں گروی رکھا ہوا ہے، بیٹی کو رخصت نہیں کرسکتا، دوسری بیٹی جوان بیٹھی ہے، اس کو رخصت نہیں کرسکتا۔ بدقسمتی سے یہ دنیا جس کے پاس آجاتی ہے اس کا دماغ خراب کردیتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ مال و دولت اور یہ دنیا میرے پاس ہمیشہ رہے گی، اور جس کے پاس سے چلی جاتی ہے ایسا زخم چھوڑ جاتی ہے کہ اس کی ٹیس برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے اس کو جواب میں لکھا کہ انسان یہاں کی نعمت کو بھی برداشت نہیں کرسکتا اور یہاں کے ابتلا و امتحان کو بھی برداشت نہیں کرسکتا، جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ نعمت دیتے ہیں، مال و دولت مل گیا، رزق کی فراوانی ہوگئی، چار پیسے ہاتھ میں آگئے، تو اس کی اکڑفوں دیکھنے کے لائق ہوتی ہے، اس وقت یہ اعتدال پر نہیں رہتا، شکر نہیں بجالاتا، اور جب وہی نعمت اللہ تعالیٰ چھین کر دکھاتے ہیں کہ ہم ایسا بھی کرسکتے ہیں تو پھر اس کا نوحہ، اس کا ماتم سنا نہیں جاتا، انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا." (المعارج:۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ:......"انسان پیدا کیا گیا کمزور (اندر سے خالی)، جب پہنچی ہے اس کو کوئی تکلیف تو جزع فزع کرتا ہے، اور جب پہنچتی ہے اس کو خیر تو روکنے لگتا ہے (اس میں کسی اور کا حصہ نہیں، صرف میرے لئے ہے، یہ بانٹ کر کھالو! نہیں! بانٹنے

کا سوال ہی نہیں، کہتا ہے یہ صرف میری ہے!)۔"

انہی صاحب نے جن کی میں بات کر رہا ہوں، آخر میں شعر لکھا تھا:

اے زرتو خدا نہیں ولیکن بخدا! مسبّب الاسباب وقاضی الحاجاتِ۔

اے زر! مال و دولت کو کہہ رہا ہے تو خدا تو نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! تو مسبّب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

انسان کی حماقت کی حکایت:

اپنی حماقت سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مال و دولت بھی من جملہ اسباب کے ہے مسبّب الاسباب نہیں ہے، اور قاضی الحاجات نہیں بلکہ خود ایک حاجت ہے، قاضی الحاجات دوسری ذات ہے۔

بہشتی زیور کے شروع میں وہ جو سچی حکایتیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک حکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، صحیح حدیث میں ہے کہ تین آدمی تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ان کے پاس فرشتہ بھیجا۔

فرشتہ کوڑھی کے پاس گیا، کہنے لگا: تمہیں کیا چیز چاہئے؟ کہا کہ: دیکھو ناں! میرا کیا حال ہو رہا ہے؟ میری جلد ٹھیک ہوجائے، بدن میرا ٹھیک ہوجائے۔ فرشتے نے ہاتھ پھیر دیا، اسی وقت بیماری ختم ہوگئی! تو پوچھا کہ: تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ کہنے لگا کہ: اونٹ! اس نے اس کو ایک اونٹنی دے دی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتہ کی دعا تھی، بہت مال بڑھا، اونٹوں کے ساتھ حویلی بھرگئی اور وہ سیٹھ بن گیا۔

فرشتہ گنجے کے پاس گیا، اس سے کہا کہ: تمہیں کیا چاہئے؟ کہنے لگا کہ: لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں، سر کے بال آجائیں! ٹھیک ہے، سر پر ہاتھ پھیر دیا، بال

آگئے، فرشتہ نے پوچھا: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہنے لگا: گائے! اس کو گائے دے دی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں، اس کے مال میں اتنی برکت ہوئی کہ باڑہ بھر گیا۔

فرشتہ اندھے کے پاس گیا، پوچھا کہ: تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اندھا کہنے لگا کہ: آنکھیں نہیں ہیں، آنکھیں مل جائیں، میں دنیا کو ایک دفعہ دیکھ لوں! فرشتے نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا، بینائی لوٹ آئی، فرشتہ نے اس سے کہا کہ: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہا کہ: بکری! ایک بکری دے دی اور کہا کہ: حق تعالیٰ شانہ برکت عطا فرمادیں!

کچھ عرصہ گزرا، اسی فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سائل کی شکل میں بھیجا، پہلے وہ فرشتہ اس کوڑھی کے پاس گیا، کہتا ہے کہ: بہت ہی آزردہ حال مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے، اس کے بعد آپ کا سہارا ہے، خدا کے لئے میری مدد کیجئے، آپ کے پاس اونٹوں کی حویلی بھری ہوئی ہے، ایک اونٹنی مجھے دے دیجئے، میں اس پر سوار ہوکر اپنے گھر جاؤں گا! اس نے جواب میں کہا: جا جا میاں! میرے اور بھی بہت سارے کام اور ضرورتیں ہیں، یہ مانگنے والے روز آجاتے ہیں، ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، روز آجاتے ہیں، تانتا بندھا ہوا ہے۔ اس کو وہ فرشتہ کہنے لگا: تجھے معلوم ہے کہ جب تو کوڑھی تھا اور کسی بزرگ نے آکر تیری جلد پر ہاتھ پھیرا تھا اور پھر تجھے اونٹنی دے گیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے تیرے اونٹوں میں برکت فرمادی تھی، تو ایسا نہیں کرو! اس نے جواب میں کہا: جا جا! اپنا کام کر! میں تو ہمیشہ سے ایسا تھا اور یہ اونٹ تو میرے باپ دادا کے زمانے سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کردے! اسی وقت کوڑھی ہوگیا اور وہ اونٹ مرگئے۔

فرشتہ گنجے کے پاس گیا، وہاں بھی یہ تماشا ہوا، آخر میں اندھے کے پاس

گیا، اس سے کہا کہ: میں مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت مال دیا ہے، کچھ مجھے بھی دے دیجئے، میں اپنے سفر کا انتظام کرلوں، دیکھو! تم اندھے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بینائی عطا فرمائی، اور تم بے مال تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا فرمادیا! وہ کہنے لگا کہ: آپ بالکل صحیح کہتے ہیں! میں اندھا تھا، مجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، اور میں فقیر تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ شخصیت کو بھیج دیا تھا، اس نے مجھے ایک بکری دی اور میرے لئے دعا کردی، اور آج میرے پاس مال کی فراوانی ہے، یہ سارا مال اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے، لیجا جتنا لے کر جانا ہے! جتنا لے کر جانا ہے لے جا! میرا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہے! اس فرشتے نے کہا کہ: میں انسان نہیں ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، مجھے تیرے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے تم تینوں کو آزمانا تھا، آزمالیا، اللہ تعالیٰ تیرے مال میں برکت عطا فرمائیں۔

انسان کے پاس پیسے آجاتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ پیسے ہمیشہ سے تھے میرے پاس، اپنی حیثیت کو بھول جاتا ہے، اور جب اس کے پاس سے وہ نعمت چھن جائے یا کسی مصیبت میں، کسی تکلیف میں مبتلا ہوجائے تو پھر اس کی آہ وزاری دیکھی اور سنی نہیں جاتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے حالات میں تو ہم جیسے پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں، یہ تو ہمارا دنیا کا نقشہ ہے، یہاں کی نعمتوں کو دائمی سمجھتے ہو، حالانکہ یہ تو ڈھلنے والی چھاؤں ہے، یہاں کی لذتوں کو لذتیں سمجھتے ہو، حالانکہ ان میں سو بلائیں چھپی ہوئی ہیں، یہاں کی نعمتوں کو نعمتیں سمجھتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ حلوے میں زہر ملادیا گیا ہے۔

مبارک لوگ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو یہاں رہتے ہوئے یہاں کی حقیقت کو سمجھ جائیں، ان کا دل یہاں نہ لگے، بلکہ وہاں لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

حدیث شریف میں فرمایا، مجھے ایک مثال دینی ہے، اسی لئے یہ حدیث ذکر کر رہا ہوں، فرمایا: ''سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دیں گے، قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے، جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات آدمیوں کو ذکر فرمایا، اس حدیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے، صرف ایک مثال دینا ہے، اس میں فرمایا کہ: ایک وہ آدمی جو نماز سے فارغ ہوکر گھر چلا گیا، مگر اس کا دل اَٹکا ہوا تھا مسجد کے ساتھ، خود گھر چلا گیا لیکن دل یہاں اَٹکا گیا، اس کا دھیان یہی ہوتا ہے کہ کب نماز کا وقت ہوتا ہے میں جاؤں، جہاں دل لگا ہوتا ہے وہاں آدمی جانا چاہتا ہے، دل لٹکا ہوا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو رہتے تو ہیں دنیا میں، لیکن ان کا دل اٹکا ہوا ہے آخرت میں، تمہارا دل یہاں نہیں لگنا چاہئے، آخرت میں لگنا چاہئے۔

ہم جنت سے قضائے حاجت کو آئے ہیں:

ہم تو جنت سے آئے تھے، ہمارے جدامجد جنت سے آئے تھے، وہاں کی مخلوق ہیں، یہاں آئے تھے قضائے حاجت کے لئے، رفع ضرورت کے لئے آئے تھے، کیونکہ وہاں بیت الخلاء نہیں ہے، یہاں کی جو سرسبزی ہم نے دیکھی، یہاں کی رونقیں دیکھیں تو ہمیں اپنا وطن تو یاد نہیں رہا، یہیں مشغول ہوگئے۔

گورنر ہاؤس اور استنجا خانہ!

ایک دفعہ جنگ اخبار کے دفتر میں میر شکیل کے پاس گیا، وضو کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے اپنے دفتر کا جو بیت الخلاء ہے، اس نے کہا کہ: یہاں آپ وضو کرلیں! میں جب وضو سے فارغ ہوکر باہر آگیا تو میں نے کہا کہ: تم نے استنجا خانہ بنوایا ہے یا گورنر ہاؤس؟ اس پر وہ بہت ہنسا، تو استنجے خانے بھی گورنر ہاؤس ہیں،

ہمارے دل میں تمہارے گورنر ہاؤس کی وقعت استنجے خانے سے زیادہ نہیں ہے، تو بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو یہاں رہتے ہیں لیکن ان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے۔

اہلِ قبور کی حالت:

ایک تو یہ مضمون ارشاد فرمایا اور دوسرا اہل قبور کی حالت کو ذکر فرمایا کہ تمہاری طرح وہ بھی کھاتے تھے، پیتے تھے، قوت رکھتے تھے، چلتے تھے، پھرتے تھے، دنیا کو آباد کیا، بڑا نام پیدا کیا، سائنسی ایجادات کیں، دنیا پر حکمرانی کی اور نہ معلوم کیا کیا کیا؟ لیکن آج ان کی وہ کیفیت ہے:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوانہ شکستہ سے چور تھا

کسی کے سر کی کھوپڑی کہیں پڑی تھی، ایسے ہی اچانک پاؤں کے نیچے آ گئی، پرانی ہڈی تھی، بوسیدہ ریزہ ریزہ ہوگئی، وہاں اندر سے آواز آئی کہ:

ذرا سنبھل کے چلو بے خبر!
کل میں بھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

آج وہ کال کوٹھری میں بند ہیں، مکان ان کے ملے ہوئے ہیں، بلکہ ایک ہی قبر میں اگر ساٹھ مردے دفن کر دیئے جائیں تو ایک دوسرے سے نا آشنا، وہ اس کا نہیں، وہ اس کا نہیں، جیسے دو آدمی ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں، ایک خواب میں جیل کا مزہ چکھ رہا ہے، اور دوسرا خواب میں بادشاہی کا مزہ چکھ رہا ہے، ایک ہی بستر پر ہیں، لیکن دنیا دونوں کی الگ الگ ہے، ایک باغ کی سیر کر رہا ہے، اور ایک کے پیچھے شیر بھاگ رہے ہیں، کتے اس کے پیچھے لگ رہے ہیں، ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کسی کا دکھ درد سنیں، ان میں اتنی تو تاب نہیں کہ ذرا اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر قدم رنجہ فرمائیں، وہ بند قید خانہ ہے، تاریک قید خانہ، قید خانہ اندھیرا اور اوپر نا معلوم کتنے سانپ چھوڑے

ہوئے ہیں، بچھو چھوڑے ہوئے ہیں؟

قبر کا نقشہ سامنے رہے!

تو دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ ذرا اس دنیا میں آکر مست ہوگئے ہو، ذرا قبر کا نقشہ بھی سامنے رکھا کرو۔

بارگاہِ الٰہی میں پیشی کو پیش نظر رکھو!

اور تیسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ کل بارگاہِ خداوندی میں تمہاری پیشی ہوگی، نامہ عمل تمہارے سامنے پیش کردیئے جائیں گے، اور ہر آدمی سے کہا جائے گا کہ اپنی اپنی کتاب پڑھ لو، تمہارے تمام پردے ہٹادیئے جائیں گے، یہاں تو رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر اور چہرے پر نقاب ڈال ڈال کر ڈاکے ڈالتے ہو، تمہارے چہرے کی نقاب نوچ لی جائے گی، اور یہ تاریکی چھٹ جائے گی، تمہارے دل کے بھید نکال کر ظاہر کردیئے جائیں گے، دل کے اندر جو گندگی پھیلی ہوئی ہے، چاہے وہ ظلمت ہے، وہ چہرے پر آجائے گی، اس وقت تمہارا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا، ذرا اس نقشے کو بھی یاد رکھو۔

ہم خوابِ غفلت کے نشہ میں ہیں:

یہ تین مضمون ہیں کہ یہی تین مضمون قرآن کریم میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ شریفہ میں، حضرات خلفائے راشدینؓ کے کلام میں، اور حضرات اولیاءؒ کے ارشادات میں پھیلے ہوئے ہیں، یہی تین مضمون ہیں، ہم ایک خواب دیکھ رہے ہیں، جس کا نام خوابِ غفلت ہے! ہمیں غفلت کا انجکشن لگادیا گیا ہے، ہوش نہیں آرہا، دیوانگی سی ہے، جو ہم پر طاری ہے، بھلے کو بھلا نہیں جانتے، برے کو برا نہیں جانتے، جو بھلائی کی بات کرے اس کو دشمن جانتے ہیں، اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اس کو دوست بناتے ہیں، لیکن یہ نشہ اُتر جائے گا، یہ خواب غفلت کا نشہ طاری ہے ہم پر

یہ عنقریب اُترنے والا ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ جب اُترے گا تو وقت جاتا رہے گا، پھر تدارک نہیں کرسکیں گے۔

میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ جو بچپن میں ہیں، ابھی جوانی میں قدم رکھ رہے ہیں، سبحان اللہ! ان کے لئے تو گویا ساری زندگی پڑی ہے، وہ ابھی سے اپنا نقشہ درست کرلیں، وہ جو میں نے حدیث پڑھی ہے ناں! کہ سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سب سے پہلے نام ذکر فرمایا ہے: ''الامام العادل'' اور وہ جوان جس کی نشوونما ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی، ان کی تو بات ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے، تو ساری زندگی سونا (زرّیں) بن جائے، ہماری سونا بن گئی، ہماری زندگی ویسے ہی سونا بن گئی، یعنی ساری زندگی سوسو کر گزار دی، اللہ کرے ان کی زندگی سونا (زرّیں) بن جائے، ہم نے سوکر گزار دی، اور جو درمیان کی عمر میں ہیں، ان کے لئے بھی وقت ہے، اور جنہوں نے میری طرح دھوپ میں بال سفید کرلئے ہیں، ان کے لئے بھی ابھی وقت ہے، مرنے سے پہلے پہلے وقت ہے، غرغرے سے پہلے وقت ہے، غرغرہ کہتے ہیں یہ روح جہاں جاکے اٹک جاتی ہے، اس سے پہلے پہلے وقت ہے توبہ کرلیں، گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیں، اپنی زندگی کی لائن کو بدلنے کا ارادہ کرلیں، عزم کرلیں کہ آج سے مجھے غفلت کی زندگی نہیں گزارنی ہے، نفس کی خواہشات کی زندگی نہیں گزارنی ہے، دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہوکر زندگی نہیں گزارنی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیرخواہانہ ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!